فتاویٰ حقانیہ



از افادات

شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق صاحب رحمۃ اللہ علیہ

ودیگر مفتیانِ کرام دارالعلوم حقانیہ

بنگرانی و اہتمام

حضرت مولانا سمیع الحق صاحب مہتمم جامعہ حقانیہ

ترتیب

مفتی مختار اللہ حقانی

ناشر

جامعہ دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک

ولو ردوه الى الرسول والى اولى الامر منهم لعلمه الذين يستنبطونه (الآیہ)

جامعہ دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک کے نصف صدی کے فتاویٰ کا مجموعہ



افادات
شیخ الحدیث مولانا عبدالحق و دیگر مفتیان کرام
جامعہ دارالعلوم حقانیہ

نگرانی واہتمام
مولانا سمیع الحق مہتمم و استاذ حدیث
جامعہ دارالعلوم حقانیہ

ترتیب مفتی مختار اللہ حقانی

شائع کردہ جامعہ دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک نوشہرہ پاکستان

نام کتاب .... فتاویٰ حقانیہ (جلد چہارم)

افادات .... شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق صاحب رحمۃ اللہ علیہ
بانی جامعہ دارالعلوم حقانیہ ودیگر مفتیان کرام جامعہ ہذا

نگرانی واہتمام .... شیخ الحدیث حضرت مولانا سمیع الحق صاحب، مہتمم جامعہ ہذا

ترتیب .... مولانا مفتی مختار اللہ حقانی استاذ شعبہ التخصص فی الفقہ والافتاء

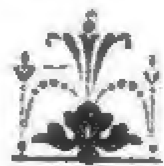
ضخامت .... ۶۱۴ صفحات

تاریخ طبع ہفتم .... ۱۴۳۱ھ / ۲۰۱۰ء

طابع .... مکتبہ سید احمد شہید اکوڑہ خٹک
Mob:0300-4572899

ناشر .... جامعہ دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک ضلع نوشہرہ

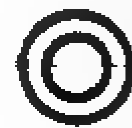
فہرست مضامین جلد چہارم



کتاب الحج

کتاب النکاح

باب آداب النکاح وشرائط




كتاب
الزكوٰة

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَاَقَامُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتَوُا الزَّکٰوۃَ

جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کرتے اور نماز پڑھتے اور زکوٰۃ دیتے رہے

لَہُمْ اَجْرُہُمْ عِنْدَ رَبِّہِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَیْہِمْ وَلَا ہُمْ یَحْزَنُوْنَ

اُن کو اُن کے کاموں کا صلہ خدا کے ہاں ملیگا اور قیامت کے دن اُن کو نہ کچھ خوف ہوگا اور نہ وہ غمناک ہونگے

سورة البقرة : آية ٢٧٧

باب صدقۃ الفطر

(صدقۃ الفطر کے احکام ومسائل کا بیان)

صدقۃ الفطر میں غناء کا نصاب

سوال:۔ اگر ایک آدمی کے پاس کئی قسم کے حیوانات ہوں لیکن ان میں سے ایک صنف بھی نصاب کو نہیں پہنچتی ہو اور تجارت کے لیے بھی نہ ہوں تو کیا ایسے آدمی پر قربانی اور صدقۃ فطر واجب ہے یا نہیں ؟

الجواب:۔ قربانی اور صدقۃ فطر کے وجوب کے لیے بنیادی طور پر غنا کی موجودگی کافی ہے اگر ان اموال میں نمو نہ ہو، اموال کا نامی ہونا زکوٰۃ کے لیے ضروری ہے۔ یہی وجہ ہے کہ فقہاء کرام نے فرمایا ہے کہ اگر ایک آدمی کے پاس ضرورت سے زائد ایک جنس ہو اور اس کی قیمت مقدارِ نصاب کے برابر ہو تو اُس پر صدقۃ فطر اور قربانی واجب ہے جبکہ زکوٰۃ واجب نہیں ہے تاہم اس میں اُس کی ضرورت کی رعایت کی جائے گی، زمیندار کو کھیتی باڑی کیلئے دو بیلوں کی ضرورت ہوتی ہے تو تیسرا بیل بلاضرورت شمار ہوگا۔

لما قال فی الھندیۃ: وببقرۃ واحدۃ غنی وبثلاثۃ ثیران اذا ساوٰی احدھما مائتی درھم صاحب نصاب۔ (الفتاوٰی الھندیۃ ج۵ ص۲۹۳ کتاب الاضحیۃ الباب الاول فی تفسیرھا)[1]

زکوٰۃ اور صدقۃ فطر کے وجوب کا نصاب

سوال:۔ زکوٰۃ کے وجوب کے لیے نصاب اور صدقۃ فطر کے نصاب میں کیا فرق ہے ؟

الجواب:۔ دونوں کا نصاب ایک ہے یعنی ساڑھے سات تولہ سونا یا ساڑھے باون تولہ چاندی کی ملکیت ہونے پر زکوٰۃ اور صدقۃ فطر واجب ہوتا ہے، تاہم زکوٰۃ کے لیے حولانِ حول یا سال بھر ہونا ضروری ہے جبکہ صدقۃ فطر کے لیے اس کی ضرورت نہیں۔

لما قال العلامۃ اکمل الدین البابرتیؒ: ولایشترط فیہ النموای لایشترط ان

---

[1] قال العلامۃ طاھر بن عبد الرشید البخاریؒ: وببقرۃ واحدۃ غنی بثلاثۃ ثیران اذا تساوٰی احدھا مائتی درھم صاحب نصاب۔
(خلاصۃ الفتاوٰی ج۴ ص۳۱۰ الفصل الثانی فی نصاب الاضحیۃ)

یکون النصاب بمالٍ نام لانہا وجبت بالقدرۃ الممکنۃ والنمو انما یشترط فیما یکون وجوبہ بالقدرۃ المیسرۃ کالزکوٰۃ علی ما عرف فی الاصول۔

(العنایۃ علی ہامش فتح القدیر ج ۲ ص ۲۱۹ باب صدقۃ الفطر) ؎۱

صدقۂ فطر کی مقدار

سوال:۔ صدقۂ فطر کی مقدار کیا ہے، اور قیمت کی ادائیگی میں بصورتِ تفاوت کون سی قیمت معتبر ہوگی؟

الجواب:۔ فقہ حنفی کی رُو سے نصف صاع یعنی ایک سو چالیس (۱۴۰) تولہ گندم صدقۂ فطر کی مقدار ہے، البتہ جَو یا کھجور سے ایک صاع یعنی دو سو اسی (۲۸۰) تولہ ادا کیا جائے گا۔ و فی الھندیۃ: وھی نصف صاع من بر او صاع من شعیر او تمر۔ (ج ۱ ص ۱۹۱ باب صدقۃ الفطر)

اس میں انگریزی کلو اور علاقائی سیر متفاوت ہے اس لیے تولہ کی مقدار سے علاقائی سیر کا تعین آسان ہے۔ ادائیگی میں فقیر کے مفاد کو مدِنظر رکھا جائے، اگر قیمت میں فائدہ ہو تو مروجہ قیمت ادا کی جائے۔

قال علاؤالدین الحصکفی رحمہ اللہ: ویقوم فی البلد الذی المال فیہ۔

(الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۲ ص ۲۸۶ باب زکوٰۃ الغنم) ؎۲

صدقۃ الفطر میں شرعی صاع معتبر ہوگا یا مروجہ صاع؟

سوال:۔ صدقۃ الفطر میں شرعی صاع معتبر ہوگا یا مروجہ صاع؟ اور اگر لوگ مروجہ صاع کے مطابق صدقۃ الفطر ادا کریں تو یہ جائز ہے یا نہیں؟

؎۱ قال حسن بن عمار بن علیؒ: مالک النصاب اعلم ان النصب ثلاثۃ نصاب یشترط فیہ النماء وتتعلق بہ الزکوٰۃ وسائر الاحکام المتعلقۃ بالمال النامی ونصاب تجب بہ احکام اربعۃ حرمۃ الصدقۃ ووجوب الاضحیۃ وصدقۃ الفطر ونفقۃ الاقارب ولا یشترط فیہ النمو بالتجارۃ ولا حولان الحول ونصاب تثبت بہ حرمۃ السوال وھو ما اذا کان عندہ قوت یومہ۔ الخ

(مراقی الفلاح ص ۳۹۴ باب صدقۃ الفطر)

وَمِثْلُہٗ فی الھندیۃ ج ۱ ص ۱۹۱ کتاب الزکوٰۃ الباب السابع فصل ما یوضع فی بیت المال)

؎۲ قال الشیخ ابن الھمامؒ: (ویقومھا) ای المالک فی البلد الذی فیہ المال۔ الخ

(فتح القدیر ج ۲ ص ۱۶۷ فصل فی العروض)

وَمِثْلُہٗ فی الھندیۃ ج ۱ ص ۱۸۰ الفصل الثانی فی العروض۔

الجواب:۔ صدقۃ الفطر ادا کرنے میں اصل اعتبار صاع شرعی کو ہے تاہم اگر مروجہ صاع کی مقدار مجہول ہو تو پھر اس کا اعتبار نہیں اور اگر مروجہ صاع شرعی صاع سے زائد ہو تو پھر زیادہ ادائیگی میں کوئی حرج نہیں، البتہ جب مروجہ صاع کم ہو تو جب تک شرعی صاع کے مطابق ادائیگی نہ ہو تو ذمہ داری فارغ نہیں ہوگی۔

لما قال فی الهندیة :۔ ثم یعتبر نصف صاع من بر او صاع من غیرہ بالوزن فیما روی ابو یوسفؒ عن ابی حنیفةؒ لان اختلاف العلماء فی الصاع بانه کم رطلاً وهو اجماع منهم بانه معتبر بالوزن وقیل هذا لعبارة والصاع ثمانیة ارطال بالبغدادی والرطل البغدادی عشرون استاراً ۔
(الفتاوی الهندیة ج ۱ ص۱۹۲ کتاب الزکوٰة۔الباب الثامن فی صدقة الفطر) [1]

حکومت کے جرمانہ کی ادائیگی میں صدقۂ فطر سے تعاون کرنا

سوال:۔ اگر کسی قیدی پر حکومت کے جرمانہ کی ادائیگی لازم ہو تو اس کو صدقۂ فطر دینا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ صدقۂ فطر اور زکوٰۃ کا مصرف ایک ہے لہٰذا مذکورہ شخص کے ذمہ جب حکومت کا جرمانہ واجب الادا ہو تو مدیون ہونے کی وجہ سے اس کو صدقۂ فطر دینا جائز ہے۔

قال العلامة ابن نجیم رحمه الله :۔ وصدقة الفطر کالزکوٰة فی المصارف۔الخ
(البحر الرائق ج۲ ص۲۵۶ باب صدقة الفطر) [2]

اُجرت میں صدقہ فطر دینا جائز نہیں

سوال:۔ اگر ائمہ مساجد کو امامت کی اجرت میں صدقۂ فطر دیا جائے تو کیا اس سے صدقۂ فطر ادا ہوگا یا نہیں؟ اور خود امام کے لیے اس کا لینا جائز ہے یا نہیں؟

---

[1] قال الامام برهان الدین المرغینانیؒ : ثم یعتبر نصف صاع من بر وزناً فیما یروی عن ابی حنیفةؒ وعن محمدؒ انه یعتبر کیلاً والدقیق اولی من البر والدراهم اولی من الدقیق ۔ (الهدایة علی صدر فتح القدیر ج۲ ص۲۲۹ باب صدقة الفطر)
ومثله فی البحر الرائق ج۲ ص۲۵۴ باب صدقة الفطر۔

[2] وفی الهندیة :ومصرف هذه الصدقة ما هو مصرف الزکوٰة ۔(الفتاوی الهندیة ج۱ ص۱۹۴ باب صدقة الفطر
ومثله فی الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۲ ص۸۶ باب صدقة الفطر۔

الجواب:۔ صدقۂ فطر کی ادائیگی میں یہ ضروری ہے کہ کسی خدمت کے عوض نہ ہو، صدقاتِ واجبہ کی خصوصیت یہی ہے کہ اس میں تملیک بلا عوض شرط ہے۔ امامت یا اذان پر بذاتِ خود اُجرت لینے میں اگرچہ کوئی حرج نہیں لیکن صدقۂ فطر امامت کی اُجرت میں دینا ناجائز ہے، تاہم اگر دیا گیا تو اجرت کی ادائیگی تو ہو جائے گی صدقۂ فطر کا ذمہ باقی رہے گا۔ البتہ اگر ایک امام غریب ہو اور اس کے لیے امامت کی اُجرت (تنخواہ یا فیس) مقرر کی گئی ہو تو پھر اضافی تعاون کی صورت میں غریب امام کو صدقۂ فطر دینے میں کوئی حرج نہیں۔

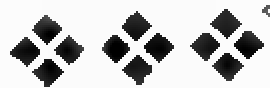
قال علاؤ الدین الحصکفیؒ: وصدقة الفطر کالزکوٰة فی المصارف الا فی الدفع الی الذمی۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۲ ص۳۶۹ باب صدقة الفطر) [1]

صدقۂ فطر میں تجزی مضر نہیں

سوال:۔ کیا ایک صدقۂ فطر ایک آدمی کو دینا لازمی ہے یا متعدد فقراء پر تقسیم کیا جا سکتا ہے؟

الجواب:۔ صدقۂ فطر میں تجزی اور تقسیم مضر نہیں، اس لیے ایک صدقۂ فطر متعدد فقراء پر تقسیم کرنے میں کوئی حرج نہیں، اسی طرح ایک ہی شخص کو متعدد صدقاتِ فطر دیئے جا سکتے ہیں۔

قال شیخ الاسلام محمد بن عبد اللہ التمرتاشی الحنفیؒ: وجاز دفع کل شخص فطرته الی مسکین علی المذهب کما جاز دفع صدقة جماعة الی مسکین واحد بلا خلاف۔ (تنویر الابصار متن الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۲ ص۳۶۷ باب صدقة الفطر) [2]



---

[1] قال ابن نجیم رحمه الله: وصدقة الفطر کالزکوٰة فی المصارف۔ الخ
(البحر الرائق ج۲ ص۲۵۹ باب صدقة الفطر)
ومثلهٗ فی الهندیة ج۱ ص۱۹۴ باب صدقة الفطر۔

[2] قال العلامة ابوبکر الکاسانی رحمه الله: ویجوز ان یعطی ما یجب فی صدقة الفطر عن انسان واحد جماعة مساکین ویعطی ما یجب عن جماعة مسکیناً واحداً۔
(بدائع الصنائع ج۲ ص۷۵ فصل واما ذکرنا)
ومثلهٗ فی فتاوی قاضیخان علی هامش الهندیة ج۱ ص۲۳۱ باب صدقة الفطر۔

بیوی کا فطرانہ کس کے ذمہ واجب ہے

سوال:۔ کیا بیوی کا فطرانہ شوہر کے ذمے واجب ہے یا وہ خود ادا کرے گی، جبکہ اس کا مہر یا مال نصاب کو نہیں پہنچتا ہو؟

الجواب:۔ جب عورت مالکِ نصاب ہو تو صدقۂ فطر کی ادائیگی کی وہ خود ذمہ دار ہوگی شوہر کے ذمے بیوی کا فطرانہ ادا کرنا لازم نہیں تاہم اگر شوہر نے بیوی کی طرف سے فطرانہ دیدیا تو ادا ہو جائے گا اور اگر وہ نصاب کا مالک نہ ہو تو سرے سے اس پر فطرانہ واجب ہی نہیں۔

لما قال العلامة المرغیناني ؒ:۔ ولا یؤدی عن زوجته ولا عن اولاده الکبار وان کانوا فی عیاله ولو ادی عنهم او عن زوجته اجزاهم استحساناً۔ (الهدایه ج ۱ ص۱۹۱ باب صدقة الفطر) ؎۱

کیا قرض معاف کر دینے سے صدقہ فطر ادا ہوگا؟

سوال:۔ ایک شخص کے ذمے کچھ قرض ہے، اگر قرض دہندہ وہ قرض اس غریب آدمی کو صدقہ فطر کی جگہ معاف کردے تو کیا اس شخص کا صدقہ فطر ادا ہو جائے گا یا نہیں؟

الجواب:۔ فطرانہ صدقاتِ واجبہ میں سے ہے جس میں تملیک شرط ہے، لہٰذا صورتِ مسئولہ میں چونکہ تملیک نہیں ہوئی بلکہ بغیر وصولی کے معاف کیا جاتا ہے اسلئے صدقہ فطر ادا نہیں ہوگا۔ تاہم اگر اس طرح کرنا بھی ہو تو پہلے غریب مقروض کو فطرانہ ادا کرے اور اس کے بعد اس سے اپنے قرض کا مطالبہ کرے۔

لما قال العلامة الحصکفی ؒ:۔ ویشترط ان یکون الصرف تملیکاً۔

(الدر المختار علیٰ صدر رد المحتار ج۲ ص۳۴۴ باب المصرف) ؎۲

؎۱ وفی الهندیة:۔ ولا یؤدی عن زوجته ولا عن اولاده الکبار وان کانوا فی عیاله ولو ادی عنهم او عن زوجته اجزاهم استحساناً۔

(الفتاویٰ الهندیة ج ۱ ص۱۹۳ الباب الثامن فی صدقة الفطر)

وَمِثْلُهٗ فی الجوهرة النیرة ج ۱ ص۱۳۱ باب صدقة الفطر۔

؎۲ وفی الهندیة: هی تملیك المال من فقیر مسلم غیر هاشمی ولا مولاه بشرط قطع المنفعة عن الملك من کل وجه لله تعالیٰ هذا فی الشرع۔

(الفتاویٰ الهندیة ج ۱ ص۱۷۰ کتاب الزکوٰة۔ الباب الاول فی تفسیره۔

صدقہ فطر اور قربانی میں احتیاط

سوال:۔ ایک شخص صاحبِ جائداد ہے لیکن اس کی آمدنی (قوتِ لایموت)، کا جو ذریعہ ہے اس کے علاوہ اس کے پاس کوئی نقد مال نہیں، تو کیا اس شخص پر صدقہ فطر یا قربانی واجب ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ اس مسئلہ میں مفتیٰ بہ رائے یہ ہے کہ اس شخص پر قربانی یا فطرانہ واجب نہیں البتہ احتیاط یہی ہے کہ حتی الامکان فطرانہ یا قربانی ادا کرے۔ اور اگر جائیداد کی آمدنی اس کی حاجتِ اصلیہ سے زائد ہو تو اس صورت میں بالاتفاق فطرانہ اور قربانی واجب ہے۔

لما قال العلامة ابن عابدینؒ:۔ سئل محمدؒ عمن له ارض یزرعها او حانوت یستغلها او دار غلتها ثلاثة الاف لا تکفی لنفقته ونفقة عیاله سنة یحل له اخذ الزکوٰة وان کانت قیمتها تبلغ الوفاً وعلیه الفتوٰی وعندهما۔ (ردالمحتار ج۲ ص۳۴۸ باب المصرف)[۱]

رمضان کے دوران صدقہ فطر ادا کرنا

سوال:۔ اگر ایک شخص صدقہ فطر رمضان المبارک میں ادا کرے تو کیا اس سے اس شخص کا ذمہ فارغ ہو جائے گا یا نہیں؟

الجواب:۔ صدقہ فطر کا وجوب عید الفطر کے دن طلوعِ فجر سے پہلے نہ ہوگا لیکن اگر کوئی شخص عید سے قبل ہی فطرانہ ادا کرتا ہے چاہے وہ رمضان کے کسی بھی دن میں ادا کرے تو اس کا فطرانہ ادا ہو جائے گا، اگرچہ مستحب عید کے دن عیدگاہ میں جانے سے قبل ہے۔

لما قال العلامة برهان الدین المرغینانیؒ:۔ والمستحب ان یخرج الفطرة یوم الفطر قبل الخروج الی المصلی ۔۔۔۔ فان قدمها یوم الفطر جاز لانهٗ ادی بعد تقرر السبب فاشبه التعجیل فی الزکوٰة۔ (الهدایة ج۱ ص۱۹۳ باب صدقة الفطر)[۲]

---

[۱] وفی الهندیة:۔ وکذا لو کان له حوانیت او دار غلة تساوی ثلاثة آلاف درهم وغلتها لا تکفی لقوته وقوت عیاله یجوز صرف الزکوٰة الیه فی قول محمدؒ ولو کان له ضیعة تساوی ثلاثة آلاف الخ۔ (الفتاوٰی الهندیة ج۱ ص۱۸۹ الباب السابع فی المصارف)

وَمِثْلُهٗ فی البحر الرائق ج۲ ص۲۴۰ باب المصرف۔

[۲] لما فی الهندیة:۔ والمستحب للناس ان یخرجوا الفطرة بعد طلوع الفجر یوم الفطر قبل الخروج الی المصلی۔ (الفتاوٰی الهندیة ج۱ ص۱۹۲ باب الثامن فی صدقة الفطر)

وَمِثْلُهٗ فی الجوهرة النیرة ج۱ ص۱۶۵ باب صدقة الفطر۔

کیا فطرانہ میں غلہ کی قیمت دینا جائز ہے

سوال:۔ آجکل لوگ فطرانہ میں گندم وغیرہ کی قیمت دیدیتے ہیں، تو کیا فطرانہ میں غلہ کی قیمت دینا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ زکوٰۃ اور فطرانہ کا حکم ایک جیسا ہے جس طرح عشر میں پیداوار کی قیمت ادا کرنا جائز ہے اسی طرح فطرانہ میں بھی غلہ کی قیمت دینا درست ہے بلکہ بہتر ہے، بخلاف قربانی کے وہاں جانور ذبح کرنا ضروری ہے۔

لما قال العلامة الحصکفیؒ:۔ دفع القیمة ای الدراهم افضل من دفع العین علی المذهب المفتیٰ به جوهرة وبحر عن الظهیریة وهٰذا فی السعة اما فی الشدة فدفع العین افضل کما لا یخفی۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۲ ص۳۶۶ باب صدقة الفطر) [۱]

علاقائی سطح پر گندم کی قیمت میں تفاوت کی صورت میں کس قیمت کا اعتبار ہوگا

سوال:۔ اگر پنجاب میں گندم کی قیمت کم ہو اور سرحد میں زیادہ ہو تو کیا ہم پنجاب میں گندم کی قیمت کا اعتبار کر کے فطرانہ دیں تو کیا ایسا کرنا درست ہے؟

الجواب:۔ اصل یہ ہے کہ فطرانہ میں گندم یا وہ چیز دی جائے جس کا اعتبار شریعت نے کیا ہے، اور اگر اس کے بدلے میں قیمت دینا چاہیں تو اپنے شہر کی قیمت کا اعتبار کر کے دی جائے، دوسرے علاقے یا شہر کی قیمت کا اعتبار کرنا درست نہیں۔

لما قال العلامة الحصکفیؒ:۔ ویقوم فی البلد الذی المال فیه ولو فی مفازة ففی اقرب الامصار الیه۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۲ ص۲۸۶ باب زکوٰة الغنم) [۲]

---

[۱] وفی الهندیة: والدقیق اولیٰ من البر والدراهم اولیٰ من الدقیق لدفع الحاجة وما سواه من الحبوب لا یجوز الا بالقیمة وذکر فی الفتاویٰ ان اداء القیمة افضل من غیر منصوص علیه وعلیه الفتویٰ۔
(الفتاویٰ الهندیة ج۱ ص۱۹۲ الباب الثامن فی صدقة الفطر)
ومثله فی الجوهرة النیرة ج۱ ص۱۶۴ باب صدقة الفطر۔

[۲] وفی الهندیة:۔ ویقومها المالك فی البلد الذی فیه المال حتیٰ لو بعث عبداً للتجارة الی بلد آخر فحال الحول تعتبر قیمته فی ذٰلك البلد ولو کان فی مفازة تعتبر قیمته فی اقرب الامصار الی ذٰلك الموضع۔
(الفتاویٰ الهندیة ج۱ ص۱۸۰ الباب الثالث فی زکوٰة الذهب والفضة والعروض)
ومثله فی فتاویٰ دار العلوم دیوبند ج۶ ص۳۰۸ مسائل صدقة الفطر۔

نصف صاع سے کم آٹا صدقہ فطر میں دینے کا حکم

سوال:۔ اگر گندم کی بجائے آٹا نصف صاع سے کم اس لیے دیا جائے کہ گندم کے صاف کرنے اور اس کی پسائی پر کچھ رقم بھی خرچ ہوتی ہے، تو کیا اس طرح فطرانہ ادا ہو جائے گا؟

الجواب:۔ فقہی ذخائر کی صریح عبارات نے گندم اور آٹے کو برابر شمار کیا ہے کہ فطرانہ میں نصف صاع گندم یا آٹا یا ستو دینا واجب ہے۔ لہٰذا صورتِ مسئولہ میں فطرانہ پوری طرح ادا نہیں ہوا، نصف سے جتنا کم آٹا دیا ہوا ہے اُتنا آٹا اور دینا ضروری ہے۔

لما قال العلامة الحصکفیؒ:۔ نصف صاع من بر او دقیقه او سویقه او زبیب

(الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۲ ص۳۶۴ باب صدقة الفطر) [۱]

غیر منصوص اشیاء میں فطرانہ کا حکم

سوال:۔ ہمارے علاقہ میں چاول کی فصل زیادہ ہوتی ہے، اگر ہم صدقہ فطر میں چاول دینا چاہیں تو کس مقدار سے ادا کریں، نصف صاع کے اعتبار سے یا پورے صاع کے اعتبار سے؟

الجواب:۔ فقہاء احناف نے غیر منصوص اشیاء سے فطرانہ ادا کرنے کے بارے میں تصریح کی ہے کہ اگر کوئی غیر منصوص اشیاء سے فطرانہ ادا کرنا چاہتا ہو تو منصوص اشیاء کی قیمت کا اعتبار کر کے اُس قیمت کے برابر جتنا چاول یا دیگر غیر منصوص اشیاء بنتے ہوں دیئے جائیں تو اس طرح فطرانہ ادا ہو جائے گا۔

لما قال العلامة الحصکفیؒ:۔ نصف صاع فاعل یجب من بر او دقیقه او سویقه او زبیب ...... او صاع تمر او شعیر ولو ردیئًا وما لم ینص علیه کذرة وخبز یعتبر فیه القیمة۔

(الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۲ ص۳۶۴ باب صدقة الفطر) [۲]

---

[۱] وفی الهندیة:۔ وهی نصف صاع من بر او صاع من شعیر او تمر و دقیق الحنطة والشعیر وسویقهما مثلهما والخبز لایجوز الا باعتبار القیمة وهو الاصح۔ الخ (الفتاوی الهندیة ج ۱ ص۱۹۱ الباب الثامن فی صدقة الفطر)

وَمِثْلُهٗ فی الهدایة ج ۱ ص۱۹۲ باب صدقة الفطر۔

[۲] وفی الهندیة:۔ ثم الدقیق اولی من البر والدراهم اولی من الدقیق لدفع الحاجة وما سواه من الحبوب لایجوز الا بالقیمة۔ (الفتاوی الهندیة ج ۱ ص۱۹۲ الباب الثامن فی صدقة الفطر)

وَمِثْلُهٗ فی الجوهرة النیرة ج ۱ ص۱۶۵ باب صدقة الفطر۔

میوہ جات میں گندم کی قیمت کا اعتبار ہوگا

سوال:۔ اگر کوئی علاقہ ایسا ہو جہاں گندم وغیرہ منصوص اشیاء کی پیداوار نہ ہو بلکہ وہاں دیگر میوہ جات کے باغات ہوں تو وہاں کے رہنے والے فطرانہ میں گندم کی قیمت کا اعتبار اپنے علاقہ کی قیمت کے مطابق کریں یا جہاں گندم پیدا ہوتی ہو وہاں کی قیمت کا اعتبار کریں؟

الجواب:۔ جہاں گندم وغیرہ منصوص اشیاء پیدا نہ ہوتی ہوں تو فطرانہ میں اپنے علاقہ کی پیداوار کو گندم وغیرہ کی قیمت کے برابر ادا کیا جائے جبکہ گندم کی قیمت کا اعتبار اپنے علاقے یا شہر کا ہوگا، جہاں گندم پیدا ہوتی ہو وہاں کی قیمت کا اعتبار نہیں ہوگا۔

لما قال العلامة الحصکفیؒ:۔ نصف صاع یجب من بر او دقیقه او سویقه او زبیب او صاع تمر او شعیر ولو رديًا ولو ینص علیه کذرة وخبز یعتبر فیه القیمة۔

(الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۲ ص۳۶۴ باب صدقة الفطر)

وقال ایضاً، ویقوم فی البلد الذی المال فیه۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار جلد۲ ص۲۸۶ باب زکوٰۃ الغنم) [۱]

کم سنی میں بچی کے نکاح کی وجہ سے اس کے صدقہ فطر کا حکم

سوال:۔ بعض علاقوں میں یہ رواج ہے کہ بہت کم سنی میں ماں باپ بچی کا نکاح کر دیتے ہیں، تو شرعاً ایسی بچی کا صدقہ فطر ماں باپ پر واجب ہے یا سسرال والوں پر؟

الجواب:۔ جس لڑکی کا نکاح کم سنی میں ہوا ہو تو اس کے صدقہ فطر کا حکم یہ ہے کہ اگر وہ خود صاحب مال ہو تو صدقہ فطر اُسی کے مال سے دیا جائے گا اور صاحب مال نہ ہو تو اگر رخصتی نہ ہوئی ہو تو باپ کے ذمے ورنہ کسی پر بھی واجب نہیں۔

لما قال العلامة عالم بن العلاء الانصاری رحمه الله: زوج ابنته الصغيرة من رجل وسلمها الیه ثم جاء یوم الفطر لا یجب علی الاب

---

[۱] وفی الهندية ثم الدقيق اولی من البر والدراهم اولی من الدقیق لدفع الحاجة وماسواه من الحبوب لا یجوز الا بالقیمة۔ (الفتاوی الهندیة ج۱ ص۱۹۲ الباب الثامن فی صدقة الفطر)

وَمِثْلُهٗ فی الجوهرة النيرة ج۱ ص۱۶۵ باب صدقة الفطر۔

صدقۃ الفطر۔ (الفتاوٰی التاتارخانیۃ ج۲ ص۲۲۱ الفصل الثالث عشر فی صدقۃ الفطر) ؎۱

حقیقی بھائی کو صدقۂ فطر دینا جائز ہے

سوال:۔ کیا اپنے حقیقی بھائی کو صدقۂ فطر اور نماز روزے کا فدیہ دینا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ بہن بھائی چونکہ اصول و فروع میں داخل نہیں ہیں اس لئے ان کو جملہ صدقات دینا جائز ہیں چاہے زکوٰۃ ہو یا صدقۂ فطر وغیرہ، اسی طرح نماز روزے کا فدیہ دینا بھی جائز ہے۔

وفی الهندیة: والافضل فی الزکوٰۃ والفطر والنذر والصرف اولاً الی الاخوۃ والاخوات ثم الی اولادهم ثم الی الاعمام والعمات الخ۔ (الفتاوٰی الهندیة ج۱ ص۱۹۰ باب المصارف) ؎۲

صدقۂ فطر دوسرے شہر کو منتقل کرنا کیسا ہے؟

سوال:۔ زکوٰۃ تو ایک شہر سے دوسرے شہر کو منتقل کرنا مکروہ ہے تو کیا صدقۂ فطر کا بھی یہی حکم ہے؟

الجواب:۔ جس طرح زکوٰۃ ایک شہر سے دوسرے شہر منتقل کرنا مکروہ ہے اسی طرح صدقۂ فطر کا انتقال بھی کراہت سے خالی نہیں، البتہ اگر ایک شہر کے لوگ زیادہ حاجتمند نہ ہوں تو پھر اس کے انتقال میں کوئی کراہت نہیں۔

وفی الهندیة: ویکره نقل الزکوٰۃ من بلد الی بلد الا ان ینقلها الانسان الی قرابته او الی قوم هم احوج الیها من اهل بلده۔ (الفتاوٰی الهندیة ج۱ ص۱۹۰ باب المصارف) ؎۳

؎۱ لما فی الهندیة: زوج ابنته الصغیرة من رجل وسلمها الیه ثم جاء یوم الفطر لا تجب علی الاب صدقة الفطر۔
(الفتاوٰی الهندیه ج۱ ص۱۹۲ باب صدقة الفطر)

وَمِثْلُهٗ فی امداد الفتاوٰی ج۲ ص۸۰ باب صدقة الفطر۔

؎۲ قال العلامة ابن نجیم المصریؒ: قید باصله وفرعه لان من سواهم من القرابة یجوز الدفع لهم وهو اولی لما فیه من الصلة مع الصدقة کالاخوة والاخوات والاعمام والعمات والاخوال والخالات الفقراء۔ (البحر الرائق ج۲ ص۲۴۳ باب المصارف)

وَمِثْلُهٗ فی امداد الفتاوٰی ج۲ ص۸۰ باب صدقة الفطر۔

؎۳ قال العلامة ابوالبرکات النسفیؒ: وکره نقلها الی بلد آخر لغیر قریب واحوج۔
(کنز الدقائق علی هامش البحر الرائق ج۲ ص۲۵۰ باب المصارف)

وَمِثْلُهٗ فی امداد الفتاوٰی ج۲ ص۸۱ باب صدقة الفطر۔

نابالغ بچے کا فطرانہ اس کے والد پر واجب

سوال:۔ اگر ایک نابالغ بچہ نصاب کا مالک ہو یا نہ ہو مگر باپ نے اس کا صدقہ فطر ادا نہ کیا ہو تو کیا یہ بچہ بلوغ کے بعد اپنا صدقہ فطر ادا کرے گا یا نہیں؟

الجواب:۔ صدقہ فطر ہر صاحبِ نصاب مسلمان پر واجب ہے چاہے بالغ ہو یا نابالغ، اور اگر نابالغ بچے کا باپ مالدار ہو تو اُس پر اپنے نابالغ بچے کا فطرانہ دینا واجب ہے۔ اب اگر بچہ خود مالدار ہو مگر اس کے سرپرست نے فطرانہ اس کی طرف سے ادا نہ کیا تو بعد البلوغ بچے پر اپنا فطرانہ ادا کرنا واجب ہے۔

لما قال العلامة الحصكفيؒ: على كل حرٍ مسلم ولو صغيرًا ومجنونًا حتى لو لم يخرجهما وليهما وجب الاداء بعد البلوغ۔ (الدر المختار على هامش الطحطاوي ج ا ص۴۳۳ باب صدقة الفطر)[1]

قیدیوں کو صدقہ فطر دینا جائز ہے

سوال:۔ اگر جیل میں قیدیوں کو صدقہ فطر دیا جائے تو کیا اس سے صدقہ فطر ادا ہو جائے گا یا نہیں؟

الجواب:۔ صدقہ فطر کے لیے بھی زکوٰۃ کی طرح فقیر و غریب شخص کو تملیک کرانا لازمی ہے لہٰذا اگر جیل میں قیدی غریب اور فقیر ہوں تو ان کو صدقہ فطر دینا جائز ہے۔

لما قال العلامة ابو البركات النسفيؒ: هي تمليك المال من فقير مسلم غير هاشمي ولا مولاه بشرط قطع المنفعة من الملك من كل وجه۔

(كنز الدقائق على هامش البحر الرائق ج ۲ ص۲۰۱ كتاب الزكوٰة)[2]

---

[1] لما قال الشيخ اشرف على شاه التهانوي رحمه الله:۔ ہاں اس صبی کو بعد بلوغ صدقہ فطر ادا کرنا ہوگا، اور اگر صبی مالکِ نصاب نہ ہو گو باپ صاحبِ نصاب تھا اور اُس نے ادا نہ کیا تو صبی پر بعد البلوغ واجب ہوگا۔

(امداد الفتاویٰ ج ۲ ص۶۸ باب صدقة الفطر)

[2] قال العلامة علاؤ الدين الحصكفيؒ: هي تمليك خرج الاباحة فلو اطعم يتيمًا ناويا الزكوٰة لا يجزيه..... جزء مال .... عينه الشارع وهو ربع عشر نصاب حولي.....من مسلم فقير ولو معتوها غير هاشمي ولا مولاه مع قطع المنفعة عن المملك من كل وجه فلا يدفع لاصله وفرعه لله تعالى۔ (الدر المختار على صدر رد المحتار ج ۲ ص۲۵۶ تا ۲۵۸ كتاب الزكوٰة)

پچاس روپے کے نصاب پر قربانی فطرانہ کی تحقیق

سوال :- کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ کے بارے میں کہ فتاوٰی رشیدیہ صلہ۴۳۱ میں لکھا ہے کہ جس کے پاس پچاس روپیہ نقد ہو اس پر قربانی اور صدقۃ الفطر واجب ہے، کیا یہ نصاب صحیح ہے؟

الجواب : فتاوٰی رشیدیہ میں پچاس روپے کے نصاب سے مراد اس زمانے کے سونے کے روپے ہیں جن کی قیمت نصاب کے برابر تھی ۔ آجکل کاغذی نوٹوں کا یہ نصاب نہیں ہے بلکہ چاندی یا سونے کے نصاب کے حساب سے جو پیسے بنتے ہوں اتنے ہی میں زکوٰۃ واجب ہوگی، اس لیے کہ موجودہ دور کے کاغذی نوٹ عروضِ تجارت کے حکم میں ہیں۔

وفی الهندية : الزكوٰة واجبة فی عروض التجارة كائنة ما كانت اذا بلغت قيمتها نصاباً من الورق والذهب كذا فی الهداية ۔ (الفتاوٰی الهندية ج ۱ ص۱۷۹ الفصل الثانی فی العروض) له

زکوٰۃ اور صدقہ فطر کے نصاب میں مال نامی اور غیر نامی کا فرق

سوال :- ایک شخص نے یہ مسئلہ بیان کیا ہے کہ جس آدمی پر زکوٰۃ واجب نہ ہو اس پر صدقہ فطر بھی واجب نہیں، تو کیا یہ بات صحیح ہے یا دونوں کے نصاب میں کچھ فرق ہے؟

الجواب :- زکوٰۃ، صدقہ اور قربانی کا نصاب اگرچہ ایک ہی ہے یعنی جس شخص کے پاس ۵۲½ تولہ چاندی یا ۷½ تولہ سونا یا دونوں میں سے کسی ایک کی قیمت کے برابر موجودہ کرنسی یا دوسرا سامان جو حوائجِ اصلیہ اور قرض سے زائد موجود ہو تو اس پر زکوٰۃ، صدقہ فطر اور قربانی تینوں واجب ہیں، البتہ زکوٰۃ کے نصاب کے ساتھ نمو اور سال کا گذرنا ضروری ہے جبکہ صدقہ فطر اور قربانی کے نصاب کے ساتھ یہ دونوں شرطیں ضروری نہیں، لہٰذا یہ بات درست نہیں کہ جس کے ذمے زکوٰۃ دینا لازم نہ ہو وہ صدقہ فطر بھی

له قال العلامة ابن نجيمؒ : وفی عروض تجارة بلغت نصاب ورق اوذهب معطوف علی قوله اول الباب فی مأتی درهم ۔ (البحر الرائق ج ۲ ص۲۲۸ باب زكوٰة المال)
ومثله فی الدر المختار ج ۲ ص۳۳ باب زكوٰة المال۔

ادا نہ کرے بلکہ نفس نصاب ہونے کی صورت میں صدقہ فطر واجب ہے۔

قال العلامۃ الحصکفیؒ: وسببه ای سبب افتراضها ملك نصابٍ حولی.... تام.... فارغ عن دین له مطالب الخ. (الدر المختار علیٰ هامش رد المحتار ج ۲ ص کتاب الزکوٰۃ)

وقال الحصکفیؒ: علیٰ کل حرٍ مسلم..... ذی نصاب فاضل عن حاجته الاصلیه کدینه وحوائج عیاله وان لم ینم کما مر... وانما لم یشترط النمو لان وجوبها بقدرة ممکنة۔ (الدر المختار علیٰ هامش رد المحتار ج ۲ ص ۳۶۴ کتاب الزکوٰۃ، باب صدقة الفطر)[۱]

کیا صدقۂ فطر کے وصول کے لیے عامل مقرر کرنا ضروری ہے

سوال:۔ کیا زکوٰۃ کی طرح صدقۃ الفطر کے وصول کے لیے بھی حاکم وقت عامل مقرر کرکے وصول کرے گا یا نہیں؟

الجواب:۔ زکوٰۃ کی وصولی کے لیے اگرچہ حاکم وقت کو اختیار ہے کہ وہ عامل مقرر کرکے لوگوں سے زکوٰۃ وصول کرے مگر صدقۃ الفطر کا حکم اس سے الگ ہے اس کی وصولی کے لیے حکومت وقت عامل مقرر نہیں کر سکتی۔

لما قال العلامۃ ابوبکر الکاسانیؒ:۔ ولا یبعث الامام علیٰ صدقة الفطر ساعیاً لان النبی صلی الله علیه وسلم لم یبعث... الخ (البدائع والصنائع ج ۲ ص ۷۵ فصل صدقة الفطر فی آخر الزکوٰۃ)[۲]

صدقہ فطر میں اسی ملک کی کرنسی کا اعتبار ہے

سوال:۔ جناب مفتی صاحب! ایک آدمی انگلینڈ میں رہتا ہے اور وہ صدقۂ فطر پاکستان میں ادا کرنا چاہتا ہے، تو کیا وہ اس رقم کو پونڈ کی شکل میں یا پاکستانی کرنسی کی شکل میں ادا کرے گا؟ شریعت کا اس بارے میں کیا حکم ہے؟

الجواب:۔ آدمی جہاں بھی ہو صدقۂ فطر وہاں کی کرنسی کے حساب سے ادا کیا جائے گا۔

---

[۱] قال العلامة برهان الدین المرغینانی رحمه الله: ولا یشترط فیه النمو ویتعلق بهذا النصاب حرمان الصدقة ووجوب الاضحیة والفطر۔
(الهدایة ج ۱ ص ۱۹۱ باب صدقة الفطر)
ومثله فی الهندیة ج ۱ ص ۱۹۱ الباب الثامن فی صدقة الفطر۔

[۲] لما قال ابن نجیمؒ: ولا یبعث الامام علیٰ صدقة الفطر ساعیاً لان النبی صلی الله علیه وسلم لم یبعث۔ (البحر الرائق ج ۲ ص ۲۵۱ باب صدقة الفطر)

اگر کوئی شخص انگلینڈ میں رہتا ہے تو وہ پاؤنڈ کے حساب سے صدقۂ فطر ادا کرے گا اور اگر پاکستان میں رہتا ہو تو پاکستانی روپیہ کے حساب سے ادا کرے گا۔

بھائی کی طرف سے ادا کردہ صدقۂ فطر کی رقم لینے کا حکم

سوال:۔ میرا بھائی سعودی عرب میں ہے اور اس کے بیوی بچے پاکستان میں ہیں، عید الفطر پر اسکے پیسے لیٹ ہوگئے تو میں نے اپنی جیب سے اسکے بال بچوں کا صدقۂ فطر ادا کر دیا، اب اسکے پیسے پہنچ گئے ہیں اور اُس نے صدقۂ فطر ادا کرنے کا کہا بھی ہے، تو کیا میں اُن پیسوں سے اپنے وہ پیسے لے سکتا ہوں یا نہیں جو میں نے بھائی کی طرف سے صدقہ کیے تھے؟

الجواب:۔ چونکہ صدقۂ فطر آپ کے بھائی پر واجب تھا جو آپ نے اسکی طرف سے ادا کیا تو یہ پیسے اُسکے ذمہ قرض ہوگئے، اب چونکہ اُسکے پیسے پہنچ گئے ہیں اس لیے آپ اُن پیسوں سے اپنا حق وصول کر سکتے ہیں۔

لما قال المفتی عبدالرحیمؒ: (الجواب) صدقہ کی رقم موصول ہونے سے پہلے اپنی رقم میں سے بھائی صدقہ کردے اور آنے والی رقم خود رکھ لے تو اس کی گنجائش ہے۔ (فتاویٰ رحیمیۃ ج ۸ ص ۲۴۵ احکام صدقہ فطر)

زمیندار کیلئے صدقۂ فطر ادا کرنے کا حکم

سوال:۔ جناب مفتی صاحب! ایک شخص کی بہت زیادہ زمین ہے لیکن اس کے پاس کوئی نقدی وغیرہ نہیں اور نہ ہی اس زمین سے کوئی خاص آمدنی حاصل ہوتی ہے، تو کیا اس شخص پر صدقۂ ادا کرنا لازمی ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ اگر یہ زمین اس کے اہل وعیال کے جملہ نان ونفقہ اور دیگر اخراجات سے زائد ہو اور اس کی قیمت نصاب تک پہنچتی ہو تو اس شخص پر صدقۂ فطر ادا کرنا لازمی ہے اور اگر زمین کی جملہ آمدنی سے بمشکل اس کی گذر بسر ہوتی ہو اور اس کے پاس کوئی نقدی وغیرہ بھی نہ ہو تو پھر اس کے ذمہ صدقۃ الفطر لازم نہیں۔

لما قال العلامۃ الحصکفی رحمہ اللہ: تجب علی کل مسلم ولو صغیراً مجنوناً ۔۔۔۔۔۔ ذی نصاب فاضل عن حاجتہ الاصلیۃ کدَینہ وحوائج عیالہ۔
(الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۲ ص ۳۵۸ تا ۳۶۰ باب صدقۃ الفطر)



باب مصارف الزکوٰۃ

(زکوٰۃ کے مصارف کے بیان میں)

مال دار کو زکوٰۃ دینے کا حکم

سوال:۔ اگر ایک شخص کی جائیداد غیر منقولہ کی قیمت لگا کر حساب لگایا جائے تو قیمت کے اعتبار سے یہ شخص غنی شمار ہو سکتا ہے لیکن اس جائیداد سے حاصل ہونے والی آمدنی اتنی نہیں کہ جس سے اس کی گزر اوقات ہو، کیا ایسے شخص کے لیے زکوٰۃ لینا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ اس مسئلہ میں غیر منقولہ جائیداد کی قیمت کو اعتبار نہیں بلکہ غنا میں بنیادی طور پر اس کے گزر اوقات کو دیکھا جاتا ہے، اس لیے جب کسی شخص کی جائیداد کی قیمت تو زیادہ ہو لیکن آمدنی کے اعتبار سے اس کے معاش کیلئے یہ ناکافی ہو اور نہ اس کے پاس نقد رقم ہی ہو تو ایسا شخص مصرفِ زکوٰۃ ہے اور اس کو زکوٰۃ دی جا سکتی ہے۔

لما قال فی الھندیۃ: وکذا لوکان عندہٗ من المصاحف وھو یحتاج إلیہ وإن کان ...... وکذا لوکان لہٗ حوانیت او دار غلۃ تساوی ثلٰثۃ آلاف درھم وغلتھا لاتکفی لقوتہ وقوت عیالہ یجوز صرف الزکوٰۃ إلیہ فی قول محمدؒ ولو کان لہٗ ضیعۃ تساوی ثلٰثۃ آلاف ولا تخرج ما یکفی لہٗ ولعیالہ إختلفوا فیہ قال محمد بن مقاتل یجوز لہ أخذ الزکوٰۃ۔
(الفتاوی الھندیۃ ج۱ ص۱۸۹ کتاب الزکوٰۃ۔ الباب السابع فی المصارف) [۱]

صاحبِ جائیداد کو زکوٰۃ دینا

سوال:۔ ایک آدمی کے پاس تقریباً ۲۵ کنال زمین ہے اور اس کی قیمت نصابِ زکوٰۃ یعنی ۵۲½ تولہ چاندی سے زیادہ ہے، اور اس کے پاس رہنے کے لیے اپنا مکان بھی ہے، تو کیا یہ شخص دوسروں سے

---

[۱] قال طاھر بن عبدالرشید البخاریؒ: ولوکان لہ ضیعۃ تساوی ثلٰثۃ آلاف درھم ولا یخرج منھا ما یکفی لہ ولعیالہ إختلفوا فیہ قال محمد بن مقاتل یجوز لہ أخذ الزکوٰۃ۔
(خلاصۃ الفتاوی ج۱ ص۲۴۲۔ الفصل الثامن فی اداء الزکوٰۃ)
ومثلہٗ فی البزازیۃ علیٰ ھامش الھندیۃ ج۴ ص۸۵ الباب الثانی فی المصرف)

زکوٰۃ لے سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب: صورتِ مسئولہ میں زمین کی قیمت کا اعتبار نہیں اور نہ قیمت سببِ غنا ہے بلکہ زمین کی آمدنی اگر جملہ اخراجات کے لیے کافی ہو تو یہ شخص صاحبِ جائیداد ہے اور اس کے لیے زکوٰۃ لینا جائز نہیں اور اگر زمین کی آمدنی ضرورت کے لیے کافی نہ ہو تو پھر اس شخص کے لیے زکوٰۃ لینے میں کوئی حرج نہیں۔

ولو کان له ضیعة قیمتها آلاف ولا یحصل منه ما یکفی لهٗ ولعیاله اختلف فیه قال ابن مقاتل یجوز صرف الزکوٰة الیه۔ (بزازیه علی هامش الهندیه ج۴ ص۸۵ الثانی فی المصرف) [1]

گائے یا بیل کے مالک کو زکوٰۃ دینے کا حکم

سوال: اگر ایک آدمی کے پاس ایک گائے ہو اور اس کی قیمت مقدارِ نصاب کو پہنچتی ہو تو اس شخص کے لیے زکوٰۃ لینا جائز ہے یا نہیں؟ یعنی صرف ایک گائے کا مالک ہونے سے وہ آدمی غنی شمار ہوگا یا نہیں؟

الجواب: غنا کے لیے حوائجِ اصلیہ سے ۵۲½ تولہ چاندی کی مروجہ قیمت کے مالیت کا مالک بننا ضروری ہے، اگر کسی شخص کی ضروریات سے زائد ایک گائے یا بیل ہو اور اس کی قیمت ۵۲½ تولہ چاندی تک پہنچتی ہو تو اس سے یہ شخص غنی متصور ہوگا اور اس کیلئے زکوٰۃ لینا جائز نہیں۔

قال فی الهندیة: وببقرة واحدة غنی وبثلاثة ثیران إذا ساوی أحدها مائتی درهم صاحب نصاب۔ (الفتاوی الهندیة ج۵ ص۲۹۳ کتاب الاضحیة۔ الباب الأول فی تفسیرها۔ الخ) [2]

---

[1] قال طاهر بن عبدالرشید البخاریؒ: وکذا لو کان له ضیعة تساوی ثلاثة آلاف درهم ولا یخرج منها ما یکفی له ولعیاله اختلفوا فیه قال محمد بن مقاتل یجوز لهٗ أخذ الزکوٰة۔
(خلاصة الفتاوی ج۱ ص۲۴۲ الفصل الثامن فی أداء الزکوٰة)
ومِثْلُهٗ فی الهندیة ج۱ ص۱۸۹ الباب الثالث فی زکوٰة الذهب والفضة والعروض۔

[2] قال العلامة طاهر بن عبدالرشید البخاریؒ: وببقرة واحدة غنی وبثلاثة ثیران غنی إذا تساوی أحدها مائتی درهم صاحب نصاب۔ (خلاصة الفتاوی ج۴ ص۳۱۰ الفصل الثانی فی نصاب الاضحیة)

غنی آدمی کا زکوٰۃ قبض کرکے پھر فقیروں کو دینے کا حکم

سوال:۔ ایک صاحب نصاب آدمی زکوٰۃ کی رقم اپنے قبضے میں لے کر خود تو استعمال نہیں کرتا ہے بلکہ فقیروں اور مستحقین کو دیدیتا ہے تو اس شخص کے لیے زکوٰۃ کے مال کا اپنے قبضہ میں لینا شرعاً کیسا ہے؟

الجواب:۔ مذکورہ شخص کے لیے دوسروں سے زکوٰۃ لینا جائز نہیں کیونکہ یہ غنی ہے اور غنی آدمی کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں، اور اس صورت میں یہ آدمی نہ اصیل ہے اور نہ وکیل، اور مالِ زکوٰۃ کو اپنے قبضہ میں لے کر دوسروں کو بطورِ صدقہ دیتا ہے لہٰذا اس طریقے سے مالِ زکوٰۃ اپنے قبضہ میں لے کر محتاجوں اور فقیروں کو دینا مناسب نہیں، تاہم توکیلاً قبضہ کرکے فقیروں میں تقسیم کرنا مرخص ہے۔

لما فی الهندیة: وکذا لو کان عنده من المصاحف وهو یحتاج إلیه وإن کان لا یحتاج الیه وهو یساوی مائتی درهم لا یجوز صرف الزکوٰة إلیه ولا یجوز له أخذها۔
(الفتاوی الهندیة ج ۱ ص ۱۸۹ کتاب الزکوٰة۔ الباب السابع فی المصارف) [1]

اصول وفروع زکوٰۃ کا مصرف نہیں

سوال:۔ اگر کسی شخص کے والدین علیحدہ علیحدہ رہتے ہوں، آمد وخرچ کا نظام ایک دوسرے سے الگ ہو، کیا ایسی صورت میں کسی ایک کے غریب ہونے کی صورت میں اس کو زکوٰۃ دے سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ اصول وفروع اور میاں بیوی کا رشتہ ایسا قوی رشتہ ہے جو املاک کے الگ ہونے کے باوجود بھی الگ نہیں ہوتا، اس لیے علیحدہ علیحدہ کاروبار کے ہوتے ہوئے ایک دوسرے کو زکوٰۃ نہیں دی جاسکتی۔

قال علی ابن ابی بکر المرغینانی رحمه الله:۔ ولا یدفع المزکی زکوٰة ماله إلی ابیه وجده وإن علا ولا إلی ولده وولد ولده وإن

---

[1] قال الامام برهان الدین المرغینانیؒ: ولا تدفع الی غنیّ لقوله علیه السلام ولا تحل الصدقة لغنیّ۔ (الهدایة علی صدر فتح القدیر ج ۲ ص ۲۰۸ باب ما یجوز دفع الزکوٰة ومالا یجوز) ومثله فی البحر الرائق ج ۲ ص ۲۴۴ کتاب الزکوٰة باب المصرف۔

سفل۔ الخ (الھدایۃ ج ۱ ص۲۰۶ باب المصارف) لے

رشتہ دار کو زکوٰۃ دینے میں صلہ رحمی کی رعایت ہے

سوال:۔ اگر ایک شخص کے رشتہ دار محتاج ہونے کے باوجود دیندار نہ ہوں تو کیا کسی اجنبی فقیر (جو دیندار ہو) کو زکوٰۃ دینی چاہیئے یا اس قریبی رشتہ دار کو؟

الجواب:۔ اگر کوئی شخص زکوٰۃ میں ملنے والی رقم بے دینی کے کاموں میں خرچ کرتا ہو تو ایسے شخص کو خواہ وہ رشتہ دار ہو یا اجنبی ہو زکوٰۃ دینا تعاون علی المعصیت کے مترادف ہے، البتہ اگر بے دینی کے کاموں میں خرچ نہ کرتا ہو ذاتی ضروریات میں صرف کرتا ہو تو پھر رشتہ دار کی رعایت اولیٰ ہے، کیونکہ زکوٰۃ کی ادائیگی کے علاوہ اس میں صلہ رحمی کی رعایت بھی ہے۔ البتہ اگر کسی اجنبی کو زکوٰۃ دی گئی ہو تو ذمہ فارغ متصور ہوگا۔

قال ابن عابدینؒ:۔ وقید بالولاد لجوازہ لبقیۃ الاقارب کالاخوۃ والاعمام والاخوال الفقراء بل ھم اولیٰ لانہ صلۃ وصدقۃ وفی الظھیریۃ ویبدأ فی الصدقات بالاقارب ثم الموالی ثم الجیران۔ (ردالمحتار ج ۲ ص۳۴۶ باب المصرف) ۲ے

بہن بھائی کو زکوٰۃ دینا جائز ہے

سوال:۔ اگر بہن بھائی غریب ہوں تو کیا ایک شخص اپنے مال کی زکوٰۃ اپنے نادار بہن و بھائی کو دے سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ میاں بیوی اور اصول و فروع کے علاوہ باقی تمام رشتہ داروں کو

لے قال العلامۃ ابن عابدینؒ:۔ ولا الیٰ من بینھما ولاد۔۔۔۔ ای اصلہ وان علا کابویہ واجدادہ وجداتہ من قبلھما وفرعہ وان سفل۔ (ردالمحتار ج ۲ ص۳۴۳ باب المصرف)

وَمِثْلُہٗ فی البحرالرائق ج ۲ ص۲۴۳ باب المصرف۔

۲ے قال زین الدین ابن نجیمؒ:۔ وقید باصلہ وفرعہ لان من سواھم من القرابۃ یجوز الدفع لھم وھو اولیٰ لما فیہ من الصلۃ مع الصدقۃ کالاخوۃ والاخوات والاعمام والعمات والاخوال والخالات الفقراء ولھذا قال فی الفتاوی الظھیریۃ ویبدأ فی الصدقات بالاقرب ثم الموالی ثم الجیران۔ الخ (البحرالرائق ج ۲ ص۲۴۳ باب المصرف)

وَمِثْلُہٗ فی الھندیۃ ج ۱ ص۱۹۰ باب المصرف۔

زکوٰۃ دینا نہ صرف جائز بلکہ مستحب ہے بشرطیکہ وہ صاحبِ نصاب نہ ہوں۔ اور بہن و بھائی اس زمرہ میں آکر ان کو زکوٰۃ دینے میں کوئی حرج نہیں۔

قال ابن عابدین ؒ: وقیّد بالولاد لجوازہ لبقیۃ الاقارب کالاخوۃ والاعمام والاخوال الفقراء بل ھم اولیٰ لانہ صلۃ وصدقۃ۔ (ردّ المحتار ج۲ ص۳۴۶ باب المصرف) [1]

کسی غریب کو ہبہ یا قرض کے نام سے زکوٰۃ دینا

سوال:۔ بعض لوگ زکوٰۃ نہیں لیتے حالانکہ وہ کافی غریب ہوتے ہیں تو اگر اُن کو ہبہ یا قرض کے نام پر زکوٰۃ دی جائے اور اس میں نیت زکوٰۃ کی ہو تو کیا اس طرح زکوٰۃ ادا ہو جائے گی یا نہیں؟

الجواب:۔ دو اوقات میں کسی ایک وقت کے اندر زکوٰۃ کی نیت ضروری ہے، ایک زکوٰۃ کی رقم کو الگ کرتے وقت اور دُوسرے زکوٰۃ دیتے وقت۔ ان اوقات میں جس وقت بھی زکوٰۃ کی نیت کرے اور کسی غریب مستحق کو جس طرح بھی دے دی جائے زکوٰۃ ادا ہو جائے گی۔ لہٰذا صورتِ مسئولہ میں جب کسی مستحق کو ہبہ یا قرض کے نام پر زکوٰۃ دے دی گئی اور نیت زکوٰۃ کی ہو تو زکوٰۃ ادا ہو جائے گی، البتہ اگر یہ غریب اُس رقم کو واپس کر دے تو اُس سے لے کر کسی دُوسرے مستحق کو دیدی جائے۔

لما فی الھندیۃ:۔ ومن اعطی مسکینًا دراھم وسمّاھا ھبۃ او قرضًا ونوی الزکوٰۃ فانھا تجزیہ وھو الاصح۔ (الفتاوی الھندیۃ ج۱ ص۱۷۱ کتاب الزکوٰۃ۔ الباب الاوّل) [2]

جس شخص کی آمدنی میں بچت نہ ہو تو وہ زکوٰۃ کا حقدار ہے

سوال:۔ ایک شخص کی آمدنی تو معقول ہے لیکن گھریلو اخراجات اتنے زیادہ ہیں کہ بمشکل اس کا گذارہ ہوتا ہے بلکہ عموماً یہ شخص

---

[1] قال زین الدین ابن نجیم ؒ: وقید باصلہ وفرعہ لان من سواھم من القرابۃ یجوز الدفع لھم وھو اولیٰ لما فیہ من الصلۃ مع الصدقۃ کالاخوۃ والاخوات والاعمام والعمات والاخوال والخالات الفقراء۔ الخ (البحر الرائق ج۲ ص۲۴۳ باب المصرف)

ومثلہ فی الھندیۃ ج۱ ص۱۹۰ باب المصرف۔

[2] لما قال العلامۃ ابن نجیم المصری ؒ:۔ من اعطی مسکینًا دراھم وسمّاھا ھبۃ او قرضًا ونوی الزکوٰۃ فانھا تجزیہ۔ (البحر الرائق ج۲ ص۲۱۲ کتاب الزکوٰۃ)

سال بھر مقروض رہتا ہے، کیا ایسے شخص کے لیے زکوٰۃ لینا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ واضح رہے کہ گھریلو اخراجات کو اس وقت اعتبار دیا جاتا ہے جب شریعت کے دائرہ میں رہتے ہوئے انسان کی ضرورت کا تکفل ہو، غیر شرعی اور تبذیر و اسراف کے اخراجات کا کوئی اعتبار نہیں۔ لہٰذا اگر ایک شخص کے گھریلو اخراجات اس کی آمدنی سے بمشکل پورے ہوتے ہوں، نصاب کی مقدار سے بچت ہو کر اس کی ضروریات سے زائد رقم اس کے پاس نہ ہو تو یہ شخص زکوٰۃ کا مصرف رہتا ہے اور اس کو زکوٰۃ دینا از روئے شرع جائز ہے۔

قال ابن عابدینؒ: وذکر فی الفتاوی فیمن لہٗ حوانیت ودور للغلۃ لکن غلتھا لا تکفیہ وعیالہ انہٗ فقیر ویحل لہ اخذ الصدقۃ عند محمد۔ (رحمہ اللہ)

(رد المحتار ج۲ ص۳۴۸ باب المصرف قبیل مطلب فی جھاز المرأۃ) [1]

صاحبِ نصاب شخص کے بچوں کو زکوٰۃ دینا

سوال:۔ کسی مالدار شخص کے بچوں کو زکوٰۃ دینے کا کیا حکم ہے؟ جبکہ بچوں کی کفالت اور خرچ وغیرہ باپ کے ذمہ ہو؟

الجواب:۔ بلوغ کے بعد اولاد اور والدین میں ملکیت کے اعتبار سے اجنبیت محسوس ہونے کی وجہ سے کوئی ملکیتی اتحاد نہیں رہتا، اس لیے باپ کی مالداری سے بچے کی حالت پر کوئی اثر نہیں پڑتا اس لیے مالدار آدمی کے غریب بالغ بچے کو زکوٰۃ دینا جائز ہے۔ لیکن قبل البلوغ بچے کی تمام ضروریات کی ذمہ داری والد پر عائد ہوتی ہے۔ لہٰذا یہ غنا میں والد کے تابع رہ کر والد کے غنی ہونے کے وقت اس کے نابالغ بچوں کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں۔

قال علی بن ابی بکر المرغینانیؒ: ولا الیٰ ولد غنی اذا کان صغیراً لانہٗ یعد غنیاً بمال ابیہ بخلاف ما اذا کان کبیراً فقیراً لانہٗ لا یعد غنیاً بیسار ابیہ وان کانت نفقتہٗ علیہ۔ (الھدایۃ ج۱ ص۱۸۸ باب المصرف) [2]

---

[1] قال العلامۃ فخر الدین قاضیخانؒ: وکذا لو کان لہٗ حوانیت او دار غلۃ تساوی ثلثۃ آلاف درھم وغلتھا لا تکفی لقوتہ وقوت عیالہ یجوز صرف الزکوٰۃ فی قول محمدؒ (فتاوی قاضی خان ج۱ ص۱۲۴ فصل فیمن یوضع فیہ الزکوٰۃ)

ومثلہٗ فی فتاوی الھندیۃ ج۱ ص۱۸۹ باب المصرف۔

[2] قال علاؤ الدین الحصکفیؒ: ولا الی طفلہ بخلاف ولدہ الکبیر وابیہ۔ قال ابن عابدینؒ: وقولہ ولا الی طفلہ ای الغنی فیصرف الی البالغ ولو ذکراً صحیحاً۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۲ ص۳۴۹-۳۵۰ باب المصرف)

ومثلہٗ فی الھندیۃ ج۱ ص۱۸۹ باب المصرف۔

مہاجرین کو زکوٰۃ دینے کا حکم

سوال:- کیا مہاجرین کو محض ہجرت کی وجہ سے زکوٰۃ دی جاسکتی ہے یا نہیں؟ کیا اگر کسی مہاجر کے پاس اپنے ملک میں نصاب کی مقدار کے برابر مال ہو لیکن ہجرت کرنے کے بعد غربت کی زندگی گزار رہا ہو تو اس کو زکوٰۃ دی جاسکتی ہے یا نہیں؟

الجواب:- زکوٰۃ میں بنیادی چیز فقراء کی مشکلات کو آسان کرنا ہوتا ہے، محض اس وجہ سے کہ فلاں مہاجر ہے اس کو زکوٰۃ نہیں دی جاسکتی۔

قال علی ابن ابی بکر المرغیناتی: ولا یجوز دفع الزکوٰۃ الی من یملک نصاباً من ای مال کان۔ (الہدایہ باب المصرف ص۱۸۹) [1]

البتہ جو شخص اپنے ملک میں صاحب نصاب تھا لیکن ہجرت کرکے کسی اور جگہ جانے کے بعد جب یہ شخص صاحب نصاب نہ رہے تو اپنے ملک میں مالدار ہونے کی وجہ سے ہجرت کی جگہ صاحب نصاب نہیں بن سکتا ہے، لہٰذا ایسے شخص کو زکوٰۃ دی جاسکتی ہے۔ لقولہ تعالیٰ: لِلْفُقَرَاءِ الْمُهَاجِرِينَ الَّذِينَ أُخْرِجُوا مِنْ دِيَارِهِمْ۔ (الآیۃ)

کسی غیر مسلم کو زکوٰۃ اور صدقاتِ واجبہ دینے کا حکم

سوال:- کسی غیر مسلم کو اس کی غربت کی وجہ سے زکوٰۃ دی جاسکتی ہے یا نہیں؟

الجواب:- زکوٰۃ کی صحتِ ادائیگی کے لیے مصرف کا مسلمان ہونا شرط ہے، اس لیے زکوٰۃ اور دیگر صدقاتِ واجبہ کسی غیر مسلم کو نہیں دیئے جاسکتے۔

قال علی ابن ابی بکر المرغیناتی: ولا یجوز ان یدفع الزکوٰۃ الی ذمی لقولہ علیہ السلام لمعاذؓ خذھا من اغنیائھم وردھا فی فقرائھم ویدفع الیہ ماسوی ذالک من الصدقۃ (الہدایہ ج۱ ص۲۰۵ باب من یجوز دفع الصدقات الیہ ومالا یجوز) [2]

---

[1] قال الحصکفیؒ: ولا الی غنی یملک قدر نصاب فارغ عن حاجۃ من ای مال کان۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۲ ص۳۴۷ باب المصرف)

وَمِثْلُہٗ فی البحر الرائق ج۲ ص۲۴۳ باب المصرف۔

[2] قال علاؤ الدین الحصکفیؒ: (و) لا تدفع الی (ذمی) لحدیث معاذؓ (وجاز) دفع (غیرھا وغیر العشر والخراج (الیہ) ای الذمی ولو واجباً کنذر وکفارۃ وفطرۃ خلافاً للثانی۔ الخ

(الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۲ ص۳۵۱ باب المصرف)

وَمِثْلُہٗ فی الھندیۃ ج۱ ص۱۸۸ باب المصرف۔

نابالغ کوزکوٰۃ دینے کا حکم

سوال: نابالغ کوزکوٰۃ دینے سے زکوٰۃ ادا ہوجاتی ہے یا نہیں؟

الجواب: زکوٰۃ کے مصرف میں یہ ضروری نہیں کہ جس کوزکوٰۃ دی جائے وہ بالغ ہو بلکہ یہ ضروری ہے کہ قبض کرنے والا عاقل ہو، رقم لینے اور اس کو خرچ کرنے کے بارے میں فہم رکھتا ہو۔ مراہق بچہ عموماً اس درجہ کا عقل ضرور رکھتا ہے اس لیے مراہق عاقل بچے یا بچی کوزکوٰۃ دینے میں کوئی حرج نہیں، تاہم ایسا نابالغ بچہ غربت و مالداری میں والد تابع ہوتا ہے، اس لیے اگر اس کا والد صاحبِ نصاب ہو تو پھر اس کے نابالغ بچے کوزکوٰۃ دینا جائز نہیں ہے۔

قال علاؤالدین الحصکفیؒ: ودفع الزکوٰۃ الی صبیان اقاربه برسم عید اوالی مبشر او مهدی الباکورۃ جاز۔ وقال ابن عابدینؒ فی تشریح۔ قوله (الی صبیان اقاربه) ای العقلاء والا فلا یصح الا بدفع الی ولی الصغیر۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۲ ص۳۵۶ باب المصرف)[۱]

علمِ دین کا طالب زکوٰۃ کا بہترین مصرف ہے

سوال: دینی مدارس کے طلباء کو زکوٰۃ دینے کا کیا حکم ہے؟ جبکہ ان میں اکثر طلباء محتاج ہوتے ہیں اور اہلِ خیر کی توجہات کے زیادہ مستحق ہوتے ہیں؟

الجواب: دینی مدارس کے طلباء شب وروز علمِ دین کے حصول میں مصروف رہتے ہیں اور دنیوی کاموں کی طرف بہت کم توجہ دے پاتے ہیں، اس لیے زکوٰۃ اور دیگر صدقات کے یہ لوگ زیادہ مستحق ہیں بلکہ دوسرے لوگوں کی نسبت ان کوزکوٰۃ دینا زیادہ بہتر ہے، تاہم کسی مالدار طالب علم کوزکوٰۃ دینے سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی۔

قال علاؤالدین الحصکفیؒ: وفی المعراج التصدق علی العالم الفقیر افضل۔ وفی رد المحتار ای من الجاهل الفقیر قهستانی۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۲ ص۳۵۶ باب المصرف)[۲]

---

[۱] وفی الهندیة: ولو قبض الصغیر وهو مراهق جاز وکذا لو کان یعقل القبض بان کان لا یرمی به ولا یخدع عنه ولو دفع الی فقیر معتوه جاز۔ (الفتاوی الهندیة ج۱ ص۱۹۰ باب المصرف)
ومثله فی فتاوی قاضی خان ج۱ ص۱۲۸ فصل فیمن یوضع فیه الزکوٰۃ۔

[۲] وفی الهندیة: التصدق علی الفقیر العالم افضل من التصدق علی الجاهل۔
(الفتاوی الهندیة ج۱ ص۱۸۷ الباب السابع فی المصارف)
ومثله فی الطحطاوی حاشیه مراقی الفلاح ص۳۹۴ باب المصرف۔

کسی دینی مدرسہ کے مالدار اُستاذ کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں

سوال: اگر کسی شخص نے اسلامی مدرسہ میں درس و تدریس کے لیے اپنے آپ کو فارغ کیا ہو اور مالی اعتبار سے اس کی حالت مستحکم ہو یعنی مالکِ نصاب ہو تو کیا ایسے شخص کو علوم دینیہ کا مدرس ہونے کی حیثیت سے زکوٰۃ دینا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: چونکہ زکوٰۃ کی تملیک میں قبض کرنے والے کا فقیر ہونا شرط ہے اس لیے عامل کے علاوہ زکوٰۃ کے مصرف کی دوسری قسموں میں کسی فقیر کے علاوہ غنی کو زکوٰۃ دینے سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی۔ تدریس کرنا کوئی ایسا عمل نہیں جو اس کو زکوٰۃ کا مصرف بنا دے اس لیے صاحبِ نصاب مدرس کو زکوٰۃ دینے سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی۔

قال ابن عابدینؒ: هٰذا الفرع مخالف لاطلاقهم الحرمة فى الغنى ولم يعتمده احد. قلت وهو كذٰلك والاوجه تقييده بالفقير... قال للاتفاق على ان الاصناف كلهم سوى العامل يعطون بشرط الفقر. (ردالمحتار ج۲ ص ۳۴۰/۳۴۳ باب المصرف)[1]

سادات زکوٰۃ کا مصرف نہیں

سوال: سادات کے لیے مالِ غنیمت میں خمس الخمس باقی نہ رہنے کی وجہ سے کیا ان کو زکوٰۃ یا دیگر صدقاتِ واجبہ دیئے جا سکتے ہیں یا نہیں، خاص کر جب سادات فقراء ہوں؟

الجواب: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک خاندان کی طرف منسوب سادات حضرات بنات خود ہر وقت تعظیم و احترام کے قابل ہیں اور حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وجہ سے ان کو عظمت و عزت کی نگاہ سے دیکھنا ایمانی جذبہ کا تقاضا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو زکوٰۃ نہ دینے کا حکم ان کی عظمت و احترام کی وجہ سے دیا تھا اس لیے ان کا حکم مرورِ زمانہ یا خمس الخمس نہ رہنے کی وجہ سے متاثر نہیں ہوتا تاہم اسبابِ استطاعت کے لیے ضروری ہے کہ نفلی صدقات اور عطیات سے ان کے ساتھ تعاون کریں تاکہ ان کی حالت بہتر رہے اور صدقاتِ واجبہ (زکوٰۃ، صدقۂ فطر وغیرہ) نہ دیا کریں، اگرچہ امام طحاویؒ سے جواز کا قول مروی ہے۔

قال علی ابن ابی بکر المرغینانیؒ: ولا تدفع الى بنى هاشم. لقوله عليه السلام: يا بنى هاشم

---

[1] قال علی ابن ابی بکر المرغینانیؒ: ولا يجوز دفع الزكوٰة الى من يملك نصابًا من اى مال كان. الخ (الهداية ج۱ ص۲۰۵ باب المصرف)
ومثلهٗ فى الهندية ج۱ ص۱۸۹ باب المصرف۔

ان الله تعالیٰ حرم علیکم غسالة الناس واوساخهم۔الخ (الھدایة ج۱ ص۲۰۶ باب المصرف) لہ

کسی مستحق کو مقدارِ نصاب زکوٰۃ دینا جائز ہے

سوال:۔ اگر کسی فقیر اور مستحق کو اتنی زکوٰۃ دی جائے جو اس کے غنا کا سبب بن سکے اور وہ اس سے صاحبِ نصاب بن جائے تو کیا اس سے زکوٰۃ ادا ہوگی یا نہیں؟

الجواب:۔ زکوٰۃ دینے میں بنیادی فلسفہ فقراء کی حالت بہتر بنانا ہے، اس لیے ان کو اتنا مال دینا مناسب ہے جس سے ان کی غربت دور ہوسکے، لہٰذا اگر کوئی شخص مقروض ہو تو اس کو قرضہ کی ادائیگی کے لیے جملہ رقم دینا جائز ہے اگرچہ یہ رقم نصاب سے زیادہ ہی کیوں نہ ہو، لیکن بلا وجہ کسی شخص کو نصاب کی مقدار کی زکوٰۃ دینا مکروہ ہے تاہم زکوٰۃ ادا ہوجاتی ہے۔

قال علاؤ الدین الحصکفیؒ: وکرہ اعطاء فقیر نصابًا او اکثر الا اذا کان المدفوع الیہ مدیونًا او کان صاحب عیال بحیث لو فرقہ علیھم لایخص کلًا او لایفضل بعد دینہ نصابًا فلایکرہ الخ۔ (الدرالمختار علیٰ صدر ردالمحتار ج۲ ص۳۵۳ باب المصرف) ۲ے

عصری علوم حاصل کرنے والے طالب علم کو زکوٰۃ دینا جائز ہے

سوال:۔ ایک طالب علم کالج یا یونیورسٹی میں پڑھتا ہو اور تعلیمی اخراجات اس کی استطاعت سے بالا ہوں، تو کیا اس کو زکوٰۃ دینا جائز ہے؟

الجواب:۔ عصری علوم کی تعلیم حاصل کرنا کوئی ناجائز نہیں اور نہ اس میں مصروفیت کی وجہ سے انسان کی اہلیت متاثر ہوتی ہے، اس لیے ایسا طالب علم جب مسلمان اور بالغ ہو اور صاحبِ نصاب نہ ہو تو اس کو زکوٰۃ دینا جائز ہے اگرچہ اس کا والد مالدار ہو کیونکہ بالغ بیٹا والد کی مالداری سے مالدار نہیں بنتا ہے، تاہم غیر شرعی اخراجات میں تعاون کرنا تعاون علی المعصیت

لہ وفی الھندیة: ولایدفع الی بنی هاشم وهم آل علیؓ وآل عباسؓ وآل جعفرؓ وآل عقیلؓ وآل الحرثؓ بن عبدالمطلب، الخ۔ (الفتاویٰ الھندیة ج۱ ص۱۸۹ باب المصرف)

وَمِثْلُہٗ فی البحرالرائق ج۲ ص۲۴۶ باب المصرف۔

۲ے قال زین الدین ابن نجیمؒ: (قوله وکرہ الاغناء) ای کرہ ان یدفع الی فقیر مایصیر بہ غنیًا۔ (البحرالرائق ج۲ ص۲۴۹ باب المصرف)

وَمِثْلُہٗ فی الھندیة ج۱ ص۱۸۸ باب المصرف۔

کے مترادف ہے۔

قال علاؤ الدین الحصکفیؒ: ولا الیٰ طفله بخلاف ولده الکبیر وابیه الخ۔ وفی ردالمحتار: ولا الیٰ طفله ای الغنی فیصرف الی البالغ ولو ذکراً صحیحاً۔

(الدر المختار علیٰ صدر ردالمحتار ج۲ ص۳۴۹، ۳۵۰ باب المصرف) لہ

مالدار طالب علم کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں

اگر کوئی طالب علم مالدار ہو تو کیا اُسے زکوٰۃ دینا جائز ہے؟

الجواب:- اگر کسی طالب علم کے پاس اپنے گھر میں مال موجود ہو اور وہ نصاب کے برابر ہو۔ مگر سفر کی حالت میں اس کے پاس مال نصاب سے کم ہو تو ایسے طالب علم کو زکوٰۃ دی جاسکتی ہے۔ کیوں کہ ملکیت ید کا اعتبار ہے۔

قال ابن عابدینؒ: وابن السبیل اذا کان له فی وطنه مال بمنزلة الفقیر۔

(رد المحتار، باب المصرف ص۳۴۳)

البتہ اگر طالب علم کے پاس موجود مال اِتنا ہو کہ نصاب تک پہنچتا ہو تو اس کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں، کیونکہ تملیک فقیر زکوٰۃ دینے میں شرط ہے، البتہ عامل زکوٰۃ اس شرط سے مستثنیٰ ہے۔

قال العلامة ابن عابدینؒ: وهذا الفرع مخالف لاطلاقهم الحرمة فی الغنی ولم یعتمده احد قلت وهو کذلک والاوجه تقییده بالفقیر۔۔۔ ثم قال الاتفاق علیٰ ان الاصناف کلهم سوی العامل یعطون بشرط الفقر۔ (ردالمحتار ج۲ ص۳۴۰ باب المصرف) ؎۲

؎۱ قال زین الدین ابن نجیم الحنفیؒ: (قوله وعبده وطفله) ای لایجوز دفع الزکوٰة وما الحق بها لعبد الغنی وولده الصغیر لان الملک فی العبد یقع لمولاه وهو لیس بمصرف۔

(البحر الرائق ج۲ ص۲۴۶ باب المصرف)

ومثله فی الهندیة ج۲ ص۱۸۹ باب المصرف۔

؎۲ قال علی ابن ابی بکر المرغینانیؒ: ولایجوز دفع الزکوٰة الیٰ من یملک نصاباً من ای مال کان لان الغنی الشرعی مقدر به۔ (الهدایة ج۱ ص۱۸۹ باب المصرف)

وایضاً: وابن السبیل من کان له مال فی وطنه وهو فی مکان لاشئ له فیه۔

(الهدایة ج۱ ص۱۸۷ باب المصرف)

مدارس عربیہ کو سفراء کے ذریعہ زکوٰۃ دینا

سوال:۔ مدارس عربیہ کے لیے کوئی مستقل ذرائع آمدنی نہ ہونے کی وجہ سے زکوٰۃ و دیگر صدقاتِ واجبہ کی رقوم سفراء کی وساطت سے جمع کی جاتی ہیں، کیا مدارس کے سفراء کو زکوٰۃ دیدینے سے انسان کی ذمہ داری فارغ ہو جاتی ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ زکوٰۃ و دیگر صدقاتِ واجبہ کی صحتِ ادائیگی کے لیے فقراء اور مساکین کی تملیک شرط ہے، اس لیے جن مدارس میں طلباء کو کھانا دیا جاتا ہے تو تملیکاً کھلانے سے زکوٰۃ کی رقوم کی ادائیگی درست ہے، البتہ جن مدارس میں مطبخ کا انتظام نہ ہو تو زکوٰۃ کی ادائیگی کے لیے طلباء کا اصالتاً یا وکالتاً قبض ضروری ہے بلکہ بہتر یہ ہے کہ علماء اور طلباء کو خود صدقات وغیرہ دیئے جائیں۔

قال علاؤ الدین الحصکفیؒ: یصرف المزکی الی کلھم او الی بعضھم الخ تملیکاً لا اباحۃ۔ (الدر المختار علیٰ صدر ردّ المحتار ج ۲ ص ۳۴۴ باب المصرف) [1]

میاں بیوی ایک دوسرے کو زکوٰۃ نہیں دے سکتے

سوال:۔ کیا خاوند اپنی مسکین بیوی کو زکوٰۃ دے سکتا ہے یا نہیں؟ ایسا ہی خاوند کو بیوی زکوٰۃ دے سکتی ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ میاں بیوی ایک دوسرے کی زکوٰۃ کے لیے مصرف نہیں اس لیے ایک دوسرے کو زکوٰۃ دینے سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی۔

قال علی ابن ابی بکر المرغینانیؒ:۔ ولا الی امرأتہ للاشتراک فی المنافع عادۃ ولا تدفع المرأۃ الی زوجھا عند ابی حنیفۃؒ۔ (الھدایۃ ج ۱ ص ۱۸۸ باب المصارف) [2]

قریبی مدرسہ کو چھوڑ کر کسی دوسرے مدرسہ میں زکوٰۃ دینے کا حکم

سوال:۔ ایک شخص زکوٰۃ ہمیشہ اپنے قریبی دینی مدرسہ کو

---

[1] وقال زین الدین ابن نجیم الحنفیؒ: ھی تملیک المال من فقیر مسلم الخ۔ (البحر الرائق ج ۲ ص ۲۰۱ کتاب الزکوٰۃ)
وَمِثْلُہٗ فی الھندیۃ ج ۱ ص ۱۷۰ کتاب الزکوٰۃ۔

[2] قال علاؤ الدین الحصکفیؒ: ولا الی من بینھما ولاد ولو مملوکاً لفقیر او بینھما زوجیۃ ولو مبانۃ۔ (الدر المختار علیٰ صدر رد المحتار ج ۲ ص ۳۴۶ باب المصرف)
وَمِثْلُہٗ فی الھندیۃ ج ۱ ص ۱۸۹ باب المصرف۔

چھوڑ کر کسی دوسری جگہ کے مدرسہ کو زکوٰۃ دیتا ہے، کیا عندالشرع ایسا کرنا جائز ہے، اور کیا اس سے زکوٰۃ ادا ہوجاتی ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ اپنے شہر سے دوسرے شہر کی طرف زکوٰۃ منتقل کرنا عندالشرع مکروہ تنزیہی ہے، البتہ اگر عزیز و اقارب کسی دوسرے شہر میں رہتے ہوں یا اپنے شہر سے دوسرے شہر والے زیادہ حاجتمند ہوں یا وہاں ایسا مدرسہ ہو جو اس قریبی مدرسہ سے زیادہ امانت دار اور حاجتمند ہو تو اس صورت میں کوئی کراہت نہیں اور ایسا کرنا صرف جائز ہی نہیں بلکہ اولیٰ ہے۔

قال علاؤالدین الحصکفیؒ: (و) کرہ (نقلھا الا الی قرابۃ) بل فی الظہیریۃ لاتقبل صدقۃ الرجل وقرابتہ محاویج حتی یبدا بھم فیسد حاجتھم (او احوج) او اصلح او اورع اوانفع للمسلمین۔ (الدرالمختار علی صدر ردالمحتار ج۲ ص۳۵۳/۳۵۴ باب المصرف) [1]

کسی سیاسی تنظیم یا انجمن کو زکوٰۃ دینے کا حکم

سوال:۔ ایک تنظیم مذہبی اور سیاسی ہو جو کہ ملک میں نفاذ اسلام کے لیے کوشش کرتی ہو تو کیا ایسی تنظیم کو زکوٰۃ اور عشر دینا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ زکوٰۃ و عشر کی ادائیگی میں مسلمان فقیر کو مالک بنانا ضروری ہے، لہٰذا کوئی تنظیم یا انجمن اگرچہ مذہبی ہی کیوں نہ ہو ان شرائط کی وجہ سے زکوٰۃ و عشر اور صدقاتِ واجبہ کی مستحق نہیں لہٰذا ایسی کسی تنظیم کو زکوٰۃ و عشر اور صدقاتِ واجبہ دینا جائز نہیں۔

قال ابن نجیمؒ:۔ ھی تملیک المال من فقیر مسلم غیر ھاشمی ولا مولاہ بشرط قطع المنفعۃ عن الملک من کل وجہ للہ تعالیٰ الخ (البحرالرائق ج۲ ص۲۰۱ کتاب الزکوٰۃ) [2]

---

[1] وفی الھندیۃ: ویکرہ نقل الزکوٰۃ من بلد الی بلد الا ان ینقلھا الانسان الی قرابتہ او الی قوم ھم احوج الیھا من اھل بلدہ ولو نقل الی غیرھم اجزأ وان کان مکروھا۔
(الفتاوی الھندیۃ ج۱ ص۱۹۰ الباب السابع فی المصارف)
ومثلہ فی البحرالرائق ج۲ ص۲۵۰ باب المصرف۔

[2] قال شیخ الاسلام محمد بن عبداللہ التمرتاشی الحنفیؒ: ھی تملیک جزء مال عینہ الشارع من مسلم فقیر۔ الخ (تنویر الابصار متن الدرالمختار علی صدر ردالمحتار ج۲ ص۲۵۶/۲۵۷ کتاب الزکوٰۃ)
ومثلہ فی الھندیۃ ج۱ ص۱۷۰ کتاب الزکوٰۃ۔

زکوٰۃ کی نیت سے غریب کو کھانا کھلانا

سوال:۔ اگر کسی غریب اور مستحق زکوٰۃ کو اپنے ساتھ بٹھا کر کھانا کھلایا جائے اور اس کھانے میں نیت زکوٰۃ کی کر لی جائے تو کیا اس سے زکوٰۃ ادا ہو گی یا نہیں؟

الجواب:۔ زکوٰۃ کی ادائیگی میں اہم شرط تملیک کی ہے کہ کسی غریب یا یتیم کو اس کا مالک کر دیا جائے، چونکہ صورتِ مسئولہ میں غریب کو کھانا کھلانے میں تملیک نہیں بلکہ اباحت ہے اس لیے اس سے زکوٰۃ ادا نہ ہو گی، تاہم اگر وہ کھانا کسی غریب کو بطورِ تملیک دیا جائے تو وہ درست ہے۔

لما قال العلامۃ الحصکفیؒ:۔ فلو اطعم یتیماً ناویاً الزکوٰۃ لایجزیہ الا اذا دفع الیہ المطعوم لانہ بالدفع الیہ بنیۃ الزکوٰۃ یملکہ فیصیر آکلا من ملکہ بخلاف ما اذا اطعمہ معہ۔ (رد المحتار ج۲ ص۲۵۷ کتاب الزکوٰۃ) [1]

وکیل کا زکوٰۃ کی رقم کو خود استعمال کرنا

سوال:۔ اگر کسی شخص کو زکوٰۃ کے پیسے کسی مدرسہ یا غریب شخص کے لیے دیئے جائیں لیکن یہ شخص وہ خود اپنے اوپر خرچ کرے جبکہ یہ شخص (وکیل) خود بھی مستحق ہے تو کیا اس طرح زکوٰۃ ادا ہو جائے گی؟

الجواب:۔ اگر مزکی (زکوٰۃ دینے والے) نے اس آدمی کو کسی خاص شخص یا مدرسہ کو زکوٰۃ پہنچانے کا وکیل بنا کر زکوٰۃ کے پیسے دیئے ہوں اور اس صورت میں وکیل نے وہ رقم اپنے اوپر خرچ کر لی تو زکوٰۃ ادا نہ ہو گی اور یہ وکیل ضامن ہو گا۔ البتہ اگر مزکی کی طرف سے مطلق اختیار دیا گیا ہو کہ جہاں چاہے اس کو خرچ کرے تو اگر یہ شخص خود مستحق زکوٰۃ ہو اور اس نے وہ رقم بطورِ زکوٰۃ اپنے لیے قبض کر لی تو زکوٰۃ ادا ہو جائے گی ورنہ نہیں۔

لما قال العلامۃ الحصکفیؒ: وللوکیل ان یدفع لولدہ الفقیر وزوجتہ لا لنفسہ الا اذا قال ربہا ضعہا حیثُ شئتَ۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۲ ص۲۶۹ کتاب الزکوٰۃ) [2]

---

[1] قال العلامہ ابن نجیمؒ: واما الاطعام ان دفع الطعام الیہ بیدہ یجوز ایضاً لہذہ العلۃ وان کان لم یدفع الیہ ویأکل الیتیم لم یجز لانعدام الرکن وھو التملیک۔ (البحر الرائق ج۲ ص۲۰۱ کتاب الزکوٰۃ)

[2] قال الشیخ وھبۃ الزحیلی: للوکیل أن یدفع الزکوٰۃ لولد الفقیر او زوجتہ الفقیرۃ اذا لم یأمرہ بالدفع الی شخص معین ولا یجوز لہ أن یأخذ الزکوٰۃ لنفسہ الا اذا قال لہ الموکل ضعہا حیث شئت (الفقہ الاسلامی وادلتہ ج۲ ص۸۹۱ کتاب الزکوٰۃ۔ ثانیا التوکیل فی اداء الزکوٰۃ)۔

وکیل کا اپنے اقرباء کو زکوٰۃ دینا

سوال:۔ اگر کسی شخص کو تقسیمِ زکوٰۃ کی ذمہ داری سونپی گئی ہو تو کیا یہ شخص اپنے اصول اور فروع کو زکوٰۃ کی رقم دے سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ وکیل ذاتی طور پر مالک کی اجازت کے بغیر زکوٰۃ نہیں لے سکتا ہے لیکن اس کے اصول و فروع جب مصرفِ زکوٰۃ ہوں تو ان کو زکوٰۃ دینے میں کوئی حرج نہیں۔

لما قال الشیخ الامام حافظ الدینؒ: الوکیل باداء الزکوٰۃ اذا صرفه الی ولدہ الکبیر او الصغیر او امرأته وهم محاویج جاز ولا یمسك لنفسه شیئاً۔

(بزازیة علی هامش الهندیة ج۴ ص۸۶ کتاب الزکاۃ۔ الثانی فی المصرف)[1]

غنی مجاہد کو زکوٰۃ دینا

سوال:۔ وہ لوگ جو جہاد میں شریک ہوں اگرچہ مالی اعتبار سے ان کی حیثیت مستحکم ہو لیکن پھر بھی محض اس مقدس کام کی وجہ سے ان کو زکوٰۃ دی جا سکتی ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ ایسا شخص اگر وطن میں مال رکھتا ہو لیکن میدانِ جہاد میں جاتے وقت اُس کے پاس مال نہ ہو تو پھر جہاد کے لیے نکلنے والے اس شخص کو زکوٰۃ دینے میں کوئی حرج نہیں، تاہم غنی کو زکوٰۃ نہیں دی جا سکتی۔

لما قال الکاسانیؒ: واما استثناء الغازی فمحمول علی حال حدوث الحاجة وسماہ غنیاً علی اعتبار ما کان قبل حدوث الحاجة وهو ان یکون غنیاً ثم حدث به الحاجة ...... ثم یعزم علی الخروج فی سفر غزو فیحتاج الی آلات سفر وسلاح یستعمله فی غزوہ ومرکب یغزو علیه ...... فیجوز ان یعطی من الصدقات ما یستعین به فی حاجته التی تحدث له فی سفرہ وهو فی مقامه غنی بما یملکه لانه غیر محتاج فی حال اقامته فیحتاج فی حال سفرہ فیحمل

---

[1] قال ابن عابدینؒ: (ولا الی طفله) ای الغنی فیصرف الی البالغ ولو ذکراً صحیحاً ..... فافاد ان المراد بالطفل غیر البالغ ذکراً او انثیٰ فی عیال ابیه او لا علی الاصح لما انه یعد غنیاً بغناہ بخلاف ولدہ الکبیر فانه لا یعد غنیاً بغنا ابیه ولا الاب بغنا ابنه ...... ولا الطفل بغنیٰ امه۔

(ردّ المحتار ج۲ ص۳۴۹/۳۵۰ باب المصرف، مطلب فی الحوائج الاصلیة)

ومثله فی الهندیة ج۱ ص۱۸۹ کتاب الزکوٰۃ۔ الباب السابع فی المصارف۔

قولہ لاتحل الصّدقۃ لغنیّ الّا لغازٍ فی سبیل اللہ علیٰ من کان غنیاً فی حال مقامہ فیعطی بعض مایحتاج الیہ لسفرہ لما احدث السفر لہٗ من الحاجۃ الّا انہ یعطی حین یعطی وھو غنیّ۔ (البدائع الصنائع ج۲ ص۴۶ فصل الذی یرجع الی المودی) [1]

داماد کو زکوٰۃ دینا

سوال:۔ کیا کوئی آدمی اپنے غریب اور مفلس داماد کو زکوٰۃ دے سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ زکوٰۃ کا مال اپنے اُس رشتہ دار کو دینا جائز نہیں جو اصول یا فروع میں داخل ہو، داماد چونکہ بذاتِ خود ان دونوں میں کسی میں بھی داخل نہیں اس لیے اگر وہ غریب ہو تو دیگر رشتہ داروں کی طرح اس کو بھی زکوٰۃ دینا نہ صرف جائز بلکہ افضل ہے۔

لما قال العلامۃ ابن نجیمؒ: قید باصلہ وفرعہ لان من سواھم من القرابۃ یجوز الدفع لھم وھو اولیٰ لما فیہ من الصلۃ مع الصدقۃ کالاخوۃ والاخوات والاعمام والعمات والاخوال والخالات الفقراء۔ ولھذا قال فی الفتاوی الظھیریۃ ویبدأ فی الصدقات بالاقارب۔ (البحر الرائق ج۲ ص۲۴۳ باب المصرف) [2]

بہو (بیٹے کی بیوی) کو زکوٰۃ دینا

سوال:۔ اگر باپ بیٹا دونوں ایک ہی جگہ رہتے ہوں، کھانا پینا آپس میں اکٹھا ہو تو ایسی حالت میں بہو کو زکوٰۃ دینے کا کیا حکم ہے؟ جبکہ بہو کو زکوٰۃ دینے سے فوائد اس کے گھر میں محصور رہ جاتے ہیں۔

الجواب:۔ اصول اور فروع کے علاوہ دیگر سب رشتہ داروں کو زکوٰۃ دینا نہ صرف جائز بلکہ افضل ہے۔ زوجۃ الابن یعنی بہو اصول اور فروع میں نہ ہونے کی وجہ سے زکوٰۃ کا

---

[1] لما قال ابن عابدینؒ: (تحت قولہ ما نسب للواقعات) وفی المبسوط لا یجوز دفع الزکوٰۃ الی من یملک نصاباً الّا الی طالب العلم والغازی ومنقطع الحج لقولہ علیہ السلام یجوز دفع الزکوٰۃ لطالب العلم وان کان لہٗ نفقۃ اربعین سنۃ۔ (ردالمحتار ج۲ ص۳۴۰ کتاب الزکوٰۃ)

وَمِثْلُہٗ فی الھندیۃ ج۱ ص۱۸۸ کتاب الزکوٰۃ۔ الباب السابع فی المصارف)

[2] وفی الھندیۃ: والافضل فی الزکوٰۃ والفطر والنذر الصرف اولاً الی الاخوۃ والاخوات ثم الی اولادھم ثم الی الجیران۔ (الفتاوی الھندیۃ ج۱ ص۱۹۰ باب المصارف)

وَمِثْلُہٗ فی ردّالمحتار ج۲ ص۳۴۶ بابُ المصرف۔

مصرف ہے اس لیے اس کو زکوٰۃ دینا جائز ہے اگرچہ اس کے فوائد گھر میں ہی رہیں بشرطیکہ ہو مستحق زکوٰۃ ہو۔

لما قال ابن نجیمؒ، وقید با صله و فرعه لان من سواھم من القرابة یجوز الدفع لهم وهو اولی لما فیه من الصلة مع الصدقة کالاخوة والاخوات والاعمام والعمات والاخوال والخالات الفقراء۔ ولهذا قال فی الفتاوی الظهریة ویبدأ فی الصدقات بالاقارب ثم الموالی ثم الجیران وذکر فی موضع آخر معزیاً الی ابی حفص الکبیرلا تقبل صدقة الرجل وقرابته محاویج فیسد حاجتهم۔ (البحرالرائق ج۲ ص۲۴۳ باب المصرف) [1]

امام مسجد کو عشروزکوٰۃ دینا

سوال:۔ اگر ایک امام مسجد اپنے مقتدیوں سے جبراً زکوٰۃ وصول کرتا ہو یعنی مقتدیوں پر لازم ہو کہ وہ زکوٰۃ وعشر امام کو دے گا، تو کیا اس سے زکوٰۃ وعشر ادا ہوگی یا نہیں؟

الجواب:۔ اُجرت میں زکوٰۃ دینا خواہ جبراً ہو یا رضاءً ہو جائز نہیں، ایسی حالت میں قوم کی زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی۔ تاہم اگر امام غریب ہو تو بطور صلہ اس کو زکوٰۃ دینے میں کوئی حرج نہیں۔

لما فی الهندية:۔ ولو نوی الزکوٰۃ بما یدفع المعلم الی الخلیفة ولم یستأجره ان کان الخلیفة لحال لو لم یدفعه یعلم الصبیان۔ ایضاً اجزاه والا فلا وکذا ما یدفعه الی الخدم من الرجال والنساء فی الاعیاد وغیرها بنیة الزکوٰۃ۔ (الفتاوی الهندية ج۱ ص۱۹۰ کتاب الزکوٰۃ۔ الباب السابع فی المصارف) [2]

مالدار امام کو صدقۂ فطر دینا

سوال:۔ اگر امام کی مالداری اس کے اقرار سے ثابت ہو تو اس کے باوجود اس کو صدقۂ فطر دینے کا کیا حکم ہے جبکہ امامت

---

[1] قال فی الهندية: یکرہ نقل الزکوٰۃ من بلد الی بلد۔۔۔۔ والافضل فی الزکوٰۃ والفطر والنذور الصرف اولاً الی الاخوة والاخوات ثم الی اولادهم ثم الی الاعمام والعمات ثم الی اولادهم ثم الی الاخوال والخالات ثم الی اولادهم۔ (الفتاوی الهندية ج۱ ص۱۹۰ کتاب الزکوٰۃ الباب السابع فی المصارف)

وَمِثْلُهُ فی الرد المحتار علی الدر المختار ج۲ ص۳۵۳ باب المصرف۔

[2] قال ابن نجیمؒ، وفی الملتقط من الاجارة المعلم اذا اعطی خلیفته شیئاً ناویاً الزکوٰۃ فان کان بحیث یعمل له لو لم یعطه یصح عنها والا فلا۔ (الاشباه والنظائر ج۲ ص۶۱)

کی اُجرت لینے کے حق میں ہو؟

الجواب:۔ صدقۂ فطر غرباء، فقراء اور مساکین کو بطورِ تملیک دیا جا سکتا ہے، امام جب مالدار ہو تو اس کو صدقۂ فطر دینے سے ذمہ داری فارغ نہیں ہوتی، قوم کو چاہیئے کہ امام کی خدمت متبادل طریقے سے کرے، نیز امامت کی اجرت میں صدقۂ فطر دینا جائز نہیں خواہ امام غریب ہی کیوں نہ ہو، تاہم اگر ایک امام غریب ہو تو اُجرت کی نیت کیے بغیر محض ایک عالم دین کی ضروریات کے تکفل کی نیت سے دینے میں کوئی حرج نہیں۔

لما قال فی الھندیۃ: ومصرف ھذہ الصدقۃ ماھو مصرف الزکوٰۃ۔

(الفتاوٰی الھندیۃ ج۱ ص۱۹۴ کتاب الزکوٰۃ۔ الباب الثامن فی صدقۃ الفطر) [۱]

زکوٰۃ میں دینی کتابیں دینا

سوال:۔ اگر کسی نے زکوٰۃ کی رقم سے کتابیں خرید کر طلباءؑ میں تقسیم کیں، تو کیا اس سے زکوٰۃ ادا ہوگی یا نہیں؟

الجواب:۔ کتابیں بھی دیگر اجناس کی طرح قابلِ تملیک و تملک ہیں، اس لیے زکوٰۃ میں کتابیں دینے سے زکوٰۃ ادا ہو جاتی ہے تاہم اس میں طلباء کو تملیکاً دینا ضروری ہے صرف عاریۃً دینا یا مدرسہ کے کتب خانہ میں بطورِ وقف رکھنے سے تملیک کے فقدان کی وجہ سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی۔

قال علاؤالدین الحصکفیؒ: یصرف المزکی الی کلھم او الی بعضھم الخ تملیکاً لا اباحۃ۔

(الدر المختار علیٰ صدر رد المحتار ج۲ ص۳۴۴ باب المصرف) [۲]

عیاشی کی وجہ سے مقروض کو زکوٰۃ دینا

سوال:۔ ایک شخص عیاشی کی وجہ سے مقروض ہو گیا تو کیا اس کو مدیون کے زمرہ میں شمار کر کے زکوٰۃ دینا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ مقروض کے قرض میں یہ ضروری نہیں کہ اُس کا دَین کسی نیکی کی وجہ سے ہو،

---

[۱] قال ابن نجیمؒ: وصدقۃ الفطر کالزکوٰۃ فی المصارف۔ (البحر الرائق ج۲ ص۲۵۶ باب المصارف)

ومثلہٗ فی رد المحتار ج۲ ص۳۶۹ باب المصرف۔

[۲] قال زین الدین ابن نجیمؒ: ھی تملیک المال من فقیر مسلم الخ۔ (البحر الرائق ج۲ ص۲۰۱ کتاب الزکوٰۃ)

ومثلہٗ فی الھندیۃ ج۱ ص۱۷۰ کتاب الزکوٰۃ۔

تاہم اگر مقروض کے قرض کی ادائیگی سے اس کے فسق و فجور میں اضافہ ہوسکتا ہو اور بے دینی کی راہیں کھل سکتی ہوں تو ایسی حالت میں کسی نیک آدمی کو زکوٰۃ دینا اولیٰ ہے۔

لما قال فی الہندیۃ: التصدق علی الفقیر العالم افضل من التصدق علی الجاھل۔
(الفتاویٰ الہندیۃ ج۱ ص۱۸۷ کتاب الزکوٰۃ الباب السابع فی المصارف) لـه

مقروض پر زکوٰۃ کا حکم

سوال:۔ اگر کسی شخص کے پاس اتنا مال موجود ہو جو مقدارِ نصاب کو پہنچتا ہے لیکن یہ شخص مقروض بھی ہے، اگر قرضہ اس مال سے نکالا جائے تو نصاب پورا نہیں رہتا، کیا اس مال پر زکوٰۃ واجب ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ اگر کسی شخص کے پاس اتنا مال ہو جو مقدار نصاب کو پہنچتا ہو لیکن مقروض ہونے کی وجہ سے اگر قرضہ اس سے نکالا جائے تو باقی مال سے مال نصاب پورا نہیں ہوتا اس لیے اس شخص پر زکوٰۃ لازم نہیں، البتہ قرضہ نکالنے کے بعد اتنا مال بچے جو مقدارِ نصاب کو پہنچے تو حولانِ حول سے اس پر زکوٰۃ لازم ہوگی۔

قال علی ابن ابی بکر المرغینانیؒ: وان کان مالہ اکثر من دینہ زکی الفاضل اذا بلغ نصاباً۔ (الہدایۃ ج۱ ص۱۶۸ کتاب الزکوٰۃ) ۲ـه

زکوٰۃ دیتے وقت ظاہری حالت پر اکتفاء کرنا

سوال:۔ اگر ایک شخص کی ظاہری حالت کو مدنظر رکھتے ہوئے اُسے فقیر و محتاج سمجھ کر زکوٰۃ دی جائے جبکہ اس کی اصل حالت سے ناواقفیت ہو تو کیا ایسی حالت میں زکوٰۃ ادا ہوگی یا نہیں؟

الجواب:۔ اس میں دار و مدار زکوٰۃ دینے والے کے غلبۂ ظن پر ہے، اگر زکوٰۃ دیتے وقت

لـه قال الحصکفیؒ: او احوج او اصلح او اورع او انفع للمسلمین...... اوالیٰ طالب العلم وفی المعراج التصدق علی العالم الفقیر افضل۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۲ ص۳۵۳، ۳۵۴ باب المصرف)
وَمِثْلُہٗ فی الطحطاوی ص۳۹۴ باب المصرف۔

۲ـه قال علاؤ الدین الحصکفیؒ: فلا زکوٰۃ علی مکاتب ومدیون للعبد بقدر دینہ فیزکی الزائد ان بلغ نصاباً۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۲ ص۲۶۳ کتاب الزکوٰۃ)
وَمِثْلُہٗ فی فتح القدیر ج۲ ص۱۱۸ کتاب الزکوٰۃ۔

اس کا غالب گمان یہ ہو کہ یہ شخص مصرفِ زکوٰۃ ہے اور زکوٰۃ دی جائے تو اس سے زکوٰۃ ادا ہو جاتی ہے اگرچہ بعد میں اس شخص کا غنا ثابت ہو جائے۔

لما قال فی الھندیۃ: اذا شك وتحری فوقع فی اکبر رأیه انه محل الصدقة فدفع الیه اوسأل منه فدفع اورآه فی صف الفقراء فدفع فان ظهر انه محل الصدقة جاز بالاجماع وکذا ان لم یظهر حاله عنده واما اذا ظهر انه غنی اوهاشمی...... فانه یجوز وتسقط عنه الزکوٰۃ فی قول ابی حنیفۃؒ ومحمدؒ الخ (الفتاوی الھندیۃ ج ۱ ص ۱۸۹، ۱۹۰ کتاب الزکوٰۃ الباب السابع فی المصارف)[1]

کاروبار کی جگہ ہی مستحقین میں زکوٰۃ تقسیم ہوگی

سوال:- فقہاء کرام نے جہاں یہ لکھا ہے کہ زکوٰۃ کا مال اپنے گاؤں کے فقراء کو چھوڑ کر دوسری جگہ فقراء کے لیے لے جانا مکروہ ہے، تو اس سے کون سا گاؤں مراد ہے؟ اگر ایک شخص وطنِ اصلی کو چھوڑ کر کسی دوسری جگہ کو وطنِ اقامت بنا کر تجارت کرے تو اس کی زکوٰۃ کی رقم کیلئے اس کا وطنِ اصلی یا وطنِ اقامت اپنا گاؤں شمار ہوگا؟

الجواب:- اس سے وہ مقام مراد ہے جہاں پر کاروبار کیا جاتا ہو خواہ وطنِ اصلی ہو یا وطنِ اقامت، ممکن ہے کہ ایک انسان اپنی جائے پیدائش (وطنِ اصلی) کو چھوڑ کر کسی دوسری جگہ مصروفِ عمل ہو تو اس کو چاہیئے کہ کاروبار کی جگہ میں فقراء پر زکوٰۃ تقسیم کرے۔

قال علاؤ الدین الحصکفیؒ: والمعتبر فی الزکوٰۃ فقراء مکان المال الخ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۲ ص ۳۵۵ باب المصرف)[2]

زکوٰۃ کی رقم سے دینی کتاب چھپوانا

سوال:- ایک شخص نے دینی کتاب چھپوانے کا ارادہ

---

[1] قال العلامۃ برہان الدین المرغینانیؒ: قال ابوحنیفۃؒ ومحمدؒ اذا دفع الزکوٰۃ الی رجل یظنه فقیراً ثم بان انه غنی اوهاشمی اوکافر اودفع فی ظلمة فبان انه ابوه اوابنه فلا اعادة علیه...... وهذا اذا تحری فدفع وفی اکبر رأیه انه مصرف اما اذا شك ولم یتحر اوتحری فدفع وفی اکبر رأیه انه لیس بمصرف لایجزیه الا اذا علم انه فقیر هو الصحیح۔ (الھدایۃ علی صدر فتح القدیر ج ۲ ص ۲۱۴، ۲۱۵ باب من یجوز دفع الصدقة الیه۔ الخ)

ومثله فی البحر الرائق ج ۲ ص ۲۴۷ باب المصارف۔

[2] قال زین الدین ابن نجیمؒ: والمعتبر فی الزکوٰۃ مکان المال فی الروایات کلها۔ (البحر الرائق ج ۲ ص ۲۵۰ باب المصرف)

ومثله فی الھندیۃ ج ۱ ص ۱۹۰ الباب السابع فی المصارف)

ارادہ کیا لیکن وہ مفلس ہے تو اگر لوگوں سے زکوٰۃ وصول کر کے کتاب چھپوائے اور پھر مستحقین زکوٰۃ پر تقسیم کرے، تو کیا یہ جائز ہے یا نہ؟

الجواب:- اگر یہ شخص خود مصرفِ زکوٰۃ ہو اور زکوٰۃ دہندگان کی اجازت سے طباعت کے بعد یہ کتاب مستحقین میں تقسیم کرے تو زکوٰۃ ادا ہو جائے گی کیونکہ ادائیگی زکوٰۃ میں تملیک ضروری ہے اور یہاں تملیک ممکن نہ ہو وہاں زکوٰۃ کا حکم لگانا درست نہیں۔

لما قال الحصکفیؒ: ویشترط ان یکون الصرف تملیکاً لا اباحة فلا یصرف الی بناء نحو المسجد ولا الی کفن میت وقضاء دینه۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۲ ص ۳۴۴ باب المصرف) [۱]

مدارس اور خانقاہوں میں زکوٰۃ کی رقم خرچ کرنا

سوال:- مدارس کے مہتمم یا کسی خانقاہ کے رئیس کے پاس زکوٰۃ جمع ہو کر مطبخ وغیرہ پر خرچ ہوتی ہے، ایسی حالت میں مطبخ سے کھانے والوں میں یہ فرق نہیں ہوتا ہے کہ یہ کسی مالدار نے کھایا یا غریب نے، تو کیا اس سے زکوٰۃ کی رقم ادا ہوگی یا نہیں؟

الجواب:- زکوٰۃ کی رقم کی صحتِ ادائیگی کے لیے کسی فقیر اور مسکین کو مالک بنانا ضروری ہے، مدارسِ دینیہ میں عموماً غریب اور نادار طلباء ہوتے ہیں جن کو زکوٰۃ کی رقم دی جا سکتی ہے، لیکن خانقاہوں کے لنگر سے کھانے والوں میں صرف مساکین نہیں ہوتے بلکہ مالدار لوگ بھی شامل ہوتے ہیں، ویسے بھی کھانا کھلانے میں جب تک باقاعدہ تملیک نہ ہو تو صرف اباحت کے طور پر زکوٰۃ کی ادائیگی صحتِ زکوٰۃ کے لیے کافی نہیں۔ بہتر یہ ہے کہ فقراء زکوٰۃ قبض کر کے پھر اگر چاہیں تو مطبخ یا لنگر میں خرچ کریں، لیکن اس میں بھی فقیر سے جبراً رقم واپس لینا حیلۂ تملیک میں ہزل کی نشاندہی کرتا ہے، بہرحال کسی حیلۂ تملیک کے بغیر زکوٰۃ کی رقم لنگر میں خرچ کرنا نقصان سے خالی نہیں۔

قال فی الهندیة: منها الفقیر وهو من له ادنی شئ وهو مادون النصاب او قدر نصاب

---

[۱] قال فی الهندیة: اما تفسیره فهی تملیک المال من فقیر مسلم۔ الخ (الفتاوی الهندیة ج ۱ ص ۱۷۰ کتاب الزکوٰة۔ الباب الاول)

وفیه ایضاً: ولا یجوز ان یبنی بالزکوٰة المسجد وکذا القناطر والسقایات...... وکل ما لا تملیک فیه۔ الخ (الفتاوی الهندیة ج ۱ ص ۱۸۸ کتاب الزکوٰة۔ الباب السابع فی المصارف)

ومثله فی فتح القدیر ج ۲ ص ۲۰۸/۲۰ باب المصرف۔

غیر نام وهو مستغرق فی الحاجة فلا یخرجه عن الفقر ملك نصاب کثیرة غیر نامیة اذا کانت مستغرقة بالحاجة۔ (الفتاوٰی الهندیة ج ۱ ص۱۸۹ کتاب الزکوٰۃ۔الباب السابع فی المصارف) [1]

دینی مدارس یا رفاہی اداروں کے مال پر زکوٰۃ

سوال:۔ بعض دینی مدارس اور رفاہی اداروں کی کافی آمدنی ہوتی ہے، کیا اس پر زکوٰۃ واجب ہوگی یا نہیں؟

الجواب:۔ زکوٰۃ کے وجوب کے لیے شخصی ملکیت کا ہونا ضروری ہے اس لیے مدارس یا کسی رفاہی ادارے کی آمدنی پر حولانِ حول کے باوجود زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی۔

لما قال ابن عابدینؒ: (قوله ملك نصاب) فلا زکوٰۃ فی سوائم الوقف والخیل والمسبلة لعدم الملك۔ (رد المحتار ج ۲ ص۲۵۹ کتاب الزکوٰۃ) [2]

کسی سیاسی جماعت کو زکوٰۃ دینا

سوال:۔ دورِ حاضر میں بعض سیاسی جماعتیں اپنے لیے زکوٰۃ اور چرمِ قربانی جمع کرتی ہیں، کیا ان کو زکوٰۃ دینا جائز ہے؟ اور اس سے زکوٰۃ ادا ہو جاتی ہے؟

الجواب:۔ زکوٰۃ یا صدقاتِ واجبہ میں تملیک بلا عوض شرط ہے، چونکہ سیاسی جماعتوں میں یہ چیز مفقود ہوتی ہے اس لیے اموالِ زکوٰۃ کو سیاسی مقاصد، مقدمات، الیکشن یا دیگر کاموں میں استعمال کرنا جائز نہیں اور نہ اس سے زکوٰۃ ادا ہوگی بلکہ اس کے بجائے دینی مدارس زکوٰۃ کا بہترین مصرف ہیں۔

لما قال العلامة الحصکفیؒ: هی تملیك خرج الاباحة فلو اطعم یتیما ناویا الزکوٰۃ لا یجزیه الا اذا دفع الیه المطعوم..... جزء ما له اخرج المنفعة فلو اسکن فقیرا دارہ سنة ناویا

---

[1] قال العلامة الحصکفیؒ: ای مصرف الزکوٰۃ والعشر هو فقیر وهو من له ادنٰی شیٔ ای دون نصاب او قدر نصاب غیر نام مستغرق فی الحاجة۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۲ ص۳۳۹ باب المصرف)

وَمِثْلُهٗ فی المراقی الفلاح ص۳۹۲ باب المصرف۔

[2] قال العلامة کاسانیؒ: واما الشرائط التی ترجع الی المال فمنها الملك فلا تجب الزکوٰۃ فی سوائم الوقف والخیل المسبلة لعدم الملك وهذا لان فی الزکوٰۃ والتملیك فی غیر الملك لا یتصور۔

(بدائع الصنائع ج ۲ ص۹ فصل الشرائط التی ترجع الی المال)

وَمِثْلُهٗ فی تبیین الحقائق شرح کنز الدقائق ج ۱ ص۲۵۲ کتاب الزکوٰۃ۔

لایجزیہ عینہ الشارع ..... من مسلم فقیر ولو عتوھا۔

(الدر المختار علیٰ صدر رد المحتار ج ۲ ص ۲۵۷، ۲۵۸ کتاب الزکوٰۃ) [1]

ٹیکس کی ادائیگی سے زکوٰۃ اور عشر کا وجوب متاثر نہیں ہوتا

سوال:۔ حکومت کاروباری اور صنعتی اداروں سے بھاری ٹیکس وصول کرتی ہے اور ان ٹیکسوں کو رفاہِ عامہ کے کاموں میں بھی خرچ کرتی ہے، کیا اس طرح ٹیکس ادا کرنے سے زکوٰۃ کی ذمہ داری ختم ہوجاتی ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ مختلف قسم کے ٹیکس حکومت کا ذریعۂ آمدنی ہوتے ہیں جن میں عبادت کا عنصر مفقود ہوتا ہے اس لیے اس سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوتی۔ یہی وجہ ہے کہ حکومت ٹیکس ہر شہری سے وصول کرتی ہے خواہ مسلمان ہو یا غیر مسلم، جبکہ زکوٰۃ کی ادائیگی کے لیے مسلمان ہونا شرط ہے۔

لما قال العلامة برهان الدین المرغینانیؒ : الزکوٰۃ واجبة علی الحر العاقل البالغ المسلم اذا ملك نصابًا ملكًا تامًا وحال علیه الحول۔ (الہدایہ ج ۱ ص ۱۸۵ کتاب الزکوٰۃ) [2]

موقوفہ زمین کے مقدمہ پر زکوٰۃ کی رقم خرچ کرنا

سوال:۔ ہمارے گاؤں کے قبرستان کی زمین پر ایک آدمی نے ناجائز قبضہ کیا ہوا ہے، کیا ہم اس کے مقدمے میں اپنی زکوٰۃ کی رقم خرچ کرسکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب:۔ زکوٰۃ کی ادائیگی میں تملیک بلا عوض شرط ہے، چونکہ اس مقدمہ میں یہ شرط مفقود ہے اس لیے قبرستان کے مقدمے یا دیگر رفاہِ عامہ کے کاموں میں زکوٰۃ کے روپے لگانا صحیح نہیں، اس سے زکوٰۃ ادا نہ ہوگی۔

---

[1] لما قال العلامة ابوالبرکات النسفیؒ : ھی تملیك المال من فقیر مسلم غیر ھاشمی۔
(کنز الدقائق علیٰ ھامش البحر الرائق ج ۲ ص ۲۱۶ کتاب الزکوٰۃ)

[2] لما قال العلامة الحصکفیؒ : وشرط افتراضھا عقل وبلوغ واسلام وحریة والعلم به ولو حکمًا ککونه فی دارنا فلا زکوٰۃ۔ قال ابن عابدینؒ :
قوله واسلام فلا زکوٰۃ علیٰ کافر لعدم خطابه بالفروع۔
(رد المحتار ج ۲ ص ۲۵۸/۲۵۹ کتاب الزکوٰۃ)
ومثله فی شرح الوقایة ج ۱ ص ۲۶۹ کتاب الزکوٰۃ۔

لما قال العلامة علاؤ الدین الحصکفیؒ، ویشترط ان یکون الصرف تملیکاً لا اباحة کما مر لا یصرف الی بناء نحو مسجد ولا الی کفن میت وقضاء دینه۔

(الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۲ ص۳۴۴ باب المصرف) [1]

زکوٰۃ کی رقم سے مشترکہ مفاد کے لیے سامان خریدنا

سوال:۔ اگر محلہ کے لوگ خوشی اور غم کے لیے کچھ برتن، ٹینٹ یا کرسیاں وغیرہ اجتماعی طور پر خریدنے کا ارادہ کریں، تو کیا اس کام کے لیے زکوٰۃ کی رقم استعمال کی جاسکتی ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ زکوٰۃ یا صدقاتِ واجبہ میں تملیک بلا عوض شرط ہے، مشترکہ مفاد کے لیے جو اشیاء خریدی جاتی ہیں اُن میں چونکہ کسی شخص کی ملکیت نہیں ہوتی اس لیے ایسے مواقع میں زکوٰۃ کی رقم کا استعمال جائز نہیں۔

لما قال علاؤ الدین الحصکفیؒ: ویشترط ان یکون الصرف تملیکاً لا اباحة کما مر لا یصرف الی بناء نحو المسجد ولا الی کفن میت......لعدم التملیك وهو الرکن۔

(الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۲ ص۳۴۴ باب المصرف) [2]

کیا سُنی العقیدہ شخص کسی شیعہ کو زکوٰۃ دے سکتا ہے

سوال:۔ اگر قرب وجوار میں شیعہ آبادی کی اکثریت ہو اور سُنی العقیدہ شخص اگر اپنی زکوٰۃ شیعہ مسلک سے تعلق رکھنے والوں میں تقسیم کرے تو کیا اس سے زکوٰۃ ادا ہوگی یا نہیں؟

الجواب:۔ زکوٰۃ کے مصرف کے لئے مسلمان ہونا شرط ہے، جبکہ غالی قسم کے شیعہ اپنے عقائدِ باطلہ کی وجہ سے اسلام سے خارج ہیں اس لیے وہ لوگ سُنی العقیدہ شخص کی زکوٰۃ کا مصرف نہیں اس سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی، تاہم زکوٰۃ کے علاوہ صدقات نافلہ غیر مسلم کو دینے میں

---

[1] لما قال العلامة ابن نجیمؒ: تحت قوله ولا الی ذمی وغیرها وبناء مسجد وتکفین میت وقضاء دینه وشراء قن یعتق......وعدم الجواز لانعدام التملیك الذی هو الرکن فی الاربعة۔ (البحر الرائق ج۲ ص۲۴۳ باب المصارف)

[2] قال فی الهندیة: ولا یجوز ان یبنی بالزکوٰة المسجد وکذا القناطر والسقایات واصلاح الطرقات......وکل ما لا تملیك فیه۔ (الفتاوی الهندیة ج۱ ص۱۸۸ کتاب الزکوٰة۔ الباب السابع فی المصارف)

ومثله فی الهدایة علی صدر فتح القدیر ج۲ ص۲۰۷ باب من یجوز دفع الصدقة الیه۔ الخ

کوئی حرج نہیں۔

لما قال العلامة التمرتاشیؒ: وهی تملیك جزء مالٍ عینه الشارع من مسلمٍ فقیرٍ.
(الدر المختار علی صدر رد المختار ج۲ ص۲۵۶/۲۵۷ کتاب الزکوٰۃ) [1]

قسطوں پر کوئی چیز فروخت کرنا اور اس پر زکوٰۃ کا حکم

سوال: ایک شخص نے ایک گاڑی نقد ایک لاکھ روپیہ پر خریدی اور پھر اس کو ایک لاکھ پچیس ہزار (۱۲۵۰۰۰) روپے قسطوں پر اس طرح فروخت کیا کہ ہر سال پچیس ہزار (۲۵۰۰۰) روپے بطور قسط خریدارِ ثانی اُسے ادا کرے گا، اس طرح زکوٰۃ مجموعی رقم پر آئے گی یا صرف اقساط پر ہوگی؟

الجواب: اگر کسی نے کوئی چیز تجارت کی نیت سے خریدی ہو اور پھر اس کو قسطوں میں منافع پر فروخت کیا ہو تو ان میں زکوٰۃ ہر قسط وصول کرنے کے بعد واجب ہوگی، جب بھی کم از کم چالیس روپے بطور قسط وصول ہوں تو اس میں چالیسواں حصہ زکوٰۃ دینا لازم ہوگا، اگر چالیسویں حصہ سے کم ہو تو اگر اس کے پاس پہلے سے کوئی نصاب موجود ہے تو قسط سے حاصل ہونے والا مال اس کے ساتھ ملا کر کل مال سے زکوٰۃ ادا کرنا لازمی ہے ورنہ چالیس دراہم کے پورا ہونے کے بعد زکوٰۃ دینا لازمی ہے۔

قال علاؤ الدین الحصکفیؒ: فتجب زکوٰتها اذا تم نصاباً وحال الحول لکن لا فوراً بل عند قبض اربعین درهما من الدین القوی کقرض و بدل مالِ تجارة فکلما قبض اربعین درهمًا یلزمه درهم۔ (الدر المختار علی صدر رد المختار ج۲ ص۳۰۵ باب زکوٰۃ المال) [2]

حیلۂ زکوٰۃ کا حکم

سوال: مدارس اور مساجد میں زکوٰۃ کی رقم خرچ کرنے کے لیے عموماً یہ حیلہ کیا جاتا ہے کہ ایک شخص حیلہ رقمِ زکوٰۃ قبض کرکے تعمیر یا دوسرے امور

---

[1] قال فی الهندیة: واما الحربی المستامن فلا یجوز دفع الزکوٰۃ والصدقة الواجبة الیه بالاجماع ویجوز صرف التطوع الیه۔ (الفتاوی الهندیة ج۱ ص۱۸۸ کتاب الزکوٰۃ الباب السابع فی المصارف)

وَمِثْلُهٗ فی البحر الرائق ج۲ ص۲۴۳ باب المصارف۔

[2] وفی الهندیة: وقوی وهو ما یجب بدلا عن سلع التجارة اذا قبض اربعین زکی لما مضی۔ (الفتاوی الهندیة ج۱ ص۱۷۵ کتاب الزکوٰۃ)

وَمِثْلُهٗ فی البحر الرائق ج۲ ص۲۰۷ کتاب الزکوٰۃ۔

میں خرچ کرتا ہے۔ بسا اوقات قبض کرنے والا متولی مسجد یا مہتمم مدرسہ خود زکوٰۃ کا مصرف نہیں ہوتا ہے، اس صورت میں زکوٰۃ کی ادائیگی سے ذمہ فارغ ہوتا ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ واضح رہے کہ زکوٰۃ کی ادائیگی کی صحت کے لیے تملیک شرط ہے لیکن تملیک میں یہ ضروری ہے کہ قبض کرنے والا خود صاحب نصاب نہ ہو۔ اگر مہتمم یا ناظم مدرسہ بذات خود صاحب نصاب نہ ہو تو ان سے قبض جائز ہے اور پھر اس کو مدرسہ یا مسجد میں خرچ کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ لیکن بہتر صورت یہ ہے کہ اس حیلہ کو اپنانے کی بجائے زکوٰۃ کی رقم طلباء میں تقسیم کی جائے تاکہ بہتر طریقہ سے ادائیگی ہو سکے۔

قال علاؤ الدین الحصکفیؒ: وحیلة التکفین بها التصدق علی فقیر ثم هو یکفن فیکون الثواب لهما وکذا فی تعمیر المسجد۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۲ ص ۳۴۵ کتاب الزکوٰۃ) [1]

زکوٰۃ دینے کی بجائے قرض معاف کرنے سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوتی

سوال:۔ اگر دائن مدیون کی مفلسی اور حالتِ زار کو دیکھ کر اپنا دَین و قرضہ اس کو زکوٰۃ میں معاف کر دے تو کیا اس سے زکوٰۃ ادا ہو جاتی ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ اسقاط میں تملیک نہ ہونے کی وجہ سے اس طرح زکوٰۃ ادا نہیں ہوتی اور اگر اس کو زکوٰۃ کی رقم دے دے اور پھر اپنے قرضہ میں وصول کرے تو اس طرح کرنے میں کوئی حرج نہیں۔

وفی الهندیة: ولو وهب دَینه من فقیر ونوی زکوٰة دین اٰخرله علی رجل اٰخر او نوی زکوٰة عین له لم یجز کذا فی الکافی۔ (الفتاوی الهندیة ج ۱ ص ۱۷۱ کتاب الزکوٰۃ۔ الباب الاول فی تفسیرها۔ الخ) [2]

---

[1] قال زین الدین ابن نجیمؒ: والحیلة فی الجواز فی هٰذه الاربعة ان یتصدق بمقدار زکوٰته علی فقیر ثم یامره بعد ذٰلک بالصرف الی هٰذه الوجوه فیکون لصاحب المال ثواب الزکوٰة وللفقیر ثواب القرب۔ (البحر الرائق ج ۲ ص ۲۴۳ کتاب الزکوٰۃ)

وَمِثْلُهٗ فی الاشباه والنظائر ج ۲ ص ۲۲۴ کتاب الزکوٰۃ۔

[2] قال فخر الدین الشهیر بقاضی خانؒ: وان کان المدیون فقیرًا فوهب الدَّین ینوی به زکوٰة مال عین عند الواهب لا یسقط عنه زکوٰة ذٰلک المال وکذا لو نوی به زکوٰة دَینٍ اٰخر علی غیره۔

(الفتاوی قاضی خان علی هامش الهندیة ج ۱ ص ۲۶۳/۲۶۴ فصل فی هبة الدَّین من المدیون)

وَمِثْلُهٗ فی خلاصة الفتاوی ج ۱ ص ۲۴۴ جنس فی هبة الدَّین۔

زکوٰۃ کی رقم چوری ہوجائے یا کوئی جبراً چھین لے تو زکوٰۃ کے ادا ہونے یا نہ ہونے کا مسئلہ

سوال:۔ اگر کسی نے زکوٰۃ کی رقم الگ کرکے اس غرض سے اپنے پاس رکھی کہ جب کوئی مسکین مل جائے تو اس کو دے دوں گا، پھر کسی چور نے اس سے یہ رقم چرالی یا کسی نے اس سے جبراً چھین لی تو کیا اس سے ذمہ داری فارغ ہو جاتی ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ زکوٰۃ کی ادائیگی میں ادا کرنے والے کی نیت ضروری ہے، بصورتِ جبر جب نیت نہ ہو تو زکوٰۃ ادا نہیں ہوتی۔ قال زین الدین ابن نجیمؒ: لو امتنع من ادائها فالساعی لا یاخذ منه کرها ولو اخذ لا یقع عن الزکوٰۃ لکونها بلا اختیار۔ (البحرالرائق ج ۲ ص۲۱۱ کتاب الزکوٰۃ)

نیت کا ہونا زکوٰۃ دینے کے وقت ضروری نہیں بلکہ اگر کہیں پوری زکوٰۃ منہا کرتے وقت نیت کی ہو تو کافی ہے تاہم اس سے ذمہ داری ساقط نہیں ہوتی جب تک فقراء قبض نہ کریں، چوری کے وقت چونکہ فقراء کی تملیک مفقود ہے اس لیے ایسی صورت میں مالک پر دوبارہ زکوٰۃ ادا کرنا واجب ہے، البتہ اموالِ ظاہرہ میں جبراً زکوٰۃ کی وصولی درست ہے۔

قال علاؤالدین الحصکفیؒ: وشرط صحة ادائها نیة مقارنة له ای للاداء ولو حکما او بعزل ما وجب کله او بعضه ولا یخرج عن العهدة بالعزل بل بالاداء للفقراء۔

(الدر المختار علیٰ صدر رد المحتار ج ۲ ص۲۶۸ کتاب الزکوٰۃ) [1]

منی آرڈر کے ذریعے زکوٰۃ بھیجنا کیسا ہے؟ جبکہ وہی رقم نہیں پہنچتی جو زکوٰۃ ادا کرنے والے نے دی ہو

سوال:۔ ایک آدمی کسی دوسرے کے ذریعے زکوٰۃ دیتا ہے تو کیا اس شخص کی دی ہوئی رقم بعینہٖ دینا ضروری ہے یا تبدیل کی جاسکتی ہے؟ نیز بذریعہ منی آرڈر زکوٰۃ کی جو رقم کسی مستحق کو بھیجی جاتی ہے تو بعینہٖ وہی رقم اس تک نہیں پہنچتی بلکہ تبدیل ہو جاتی ہے تو اس صورت میں زکوٰۃ کی ادائیگی صحیح ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ کسی دوسرے آدمی کو زکوٰۃ کی رقم دے کر مستحقین زکوٰۃ کو دینی جائز ہے اور

---

[1] قال زین الدین ابن نجیمؒ: انه لا یخرج بعزل ما وجب عن العهدة بل لا بد من الاداء الی الفقیر۔ (البحرالرائق ج ۲ ص۲۱۱ کتاب الزکوٰۃ)
ومثلهٗ فی الطحطاوی حاشیة الدر المختار ج ۱ ص۳۹ کتاب الزکوٰۃ۔

تبدیلیٔ رقم اگر مزکی کی اجازت سے ہوئی ہو تو یہ آدمی ضامن نہ ہوگا۔ اور بذریعہ منی آرڈر زکوٰۃ دینے میں کوئی حرج نہیں ہے لیکن منی آرڈر بھیجتے وقت نیت کرنا لازمی ہے۔ لما فی الشامی لایخرج المزکی عن العھدۃ بالعزل بل بالاداء للفقراء۔

لما قال علاؤالدین الحصکفیؒ: تملیک الدین ممن لیس علیہ الدّین باطل الا فی ثلث حوالۃ اووصیۃ واذا سلطہ ای سلط المملک غیر المدیون علیٰ قبضہ ای الدین فیصح حینئذ ومنہ مالووھبت من ابنہا ماعلیٰ ابیہ فا. لمعتمد الصحۃ للتسلیط۔

(الدالمختار جلد ۲ ص۵۲۱) [1]

کسی دوسری جگہ رہنے والے رشتہ دار کو زکوٰۃ بھیجنا

سوال:۔ ایک شخص اپنی زکوٰۃ کی رقم اپنے کسی رشتہ دار کے لیے دوسری جگہ بھیجنا چاہتا ہے جبکہ وہ خود جس جگہ مقیم ہے وہاں بھی غریب لوگ ہیں، تو کیا قرب وجوار کے غرباء کو چھوڑ کر دُور رہنے والے رشتہ دار کو زکوٰۃ بھیجنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ ویسے تو عموماً ایک جگہ سے دوسری جگہ زکوٰۃ منتقل کرنا مکروہ ہے لیکن اگر زکوٰۃ دینے والے کے محتاج رشتہ کسی دوسری جگہ رہتے ہوں تو رشتہ داری کی بناء پر زکوٰۃ منتقل کرنا رخص ہے، بلکہ زکوٰۃ پہلے رشتہ داروں میں تقسیم کرنا افضل ہے۔

لما قال العلامۃ ابن عابدین رحمہ اللہ: (تحت قولہ بل فی الظھیریۃ لاتقبل) عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ) مرفوعاً الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم انہٗ قال یا اُمّۃ محمد والذی بعثنی بالحق لا یقبل اللہ صدقۃ من رجلٍ ولہٗ قرابۃ یحتاجون الی صلتہ ویصرفہا الی غیرھم والذی نفسی بیدہٖ لا ینظر اللہ الیہ یومَ القیٰمۃ والمراد بعدم القبول عدم الاصابۃ علیہا وان سقط بہا الفرض لان المقصود منہا سدخلہ المحتاج وفی القریب جمع بین الصلۃ والصدقۃ

---

[1] قال العلامۃ ابن نجیم المصری رحمہ اللہ: کما اذا وکل رجلاً بدفع زکوٰۃ مالہ ونوی المالک عند الدفع الی الوکیل بلانیۃ یجزیہ لان المعتبر نیۃ الآمر لانہ المودی حقیقۃً۔ (البحر الرائق ج۲ ص۲۱۱ کتاب الزکوٰۃ)

ومثلہٗ فی الھندیۃ ج۱ ص۱۷۱ کتاب الزکوٰۃ۔

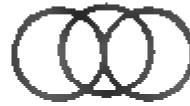
والافضل اخوته واخواته الخ۔ (رد المحتار ج۲ ص ۳۵۳/۳۵۴ باب المصرف) ؎۱

زکوٰۃ کی رقم سے تقسیم کنندہ کو مزدوری دینا

سوال:۔ موجودہ دور میں حکومت وقت بینکوں میں عوام کی جمع شدہ رقوم سے کچھ کٹوتی کرتی ہے پھر وہ رقم لوگوں کو دی جاتی ہے اور اس کام کے لیے حکومت نے کچھ آدمی مقرر کیے ہوئے ہیں جن کو اس رقم کی تقسیم اور دیگر معاملات کے عوض ماہانہ کچھ رقم بطور تنخواہ والاونس کے ملتی ہے۔ کیا ایسے لوگوں کے لیے یہ رقم لینا جائز ہے یا نہیں؟ جبکہ حکومت کے بیان کے مطابق یہ زکوٰۃ کی رقم ہوتی ہے اور ان تقسیم کاروں میں اکثریت مصرفِ زکوٰۃ بھی نہیں ہوتی؟

الجواب:۔ ایسی رقوم پر حکومت کی تمام کٹوتی زکوٰۃ پر نہیں ہوتی بلکہ اس میں سود کا بھی کچھ حصہ شامل ہوتا ہے تاہم اگر زکوٰۃ بھی ہو تو عامل کو زکوٰۃ کی رقم سے مزدوری دینا جائز ہے اگرچہ وہ مالدار ہی کیوں نہ ہو؟

لما فی الہندیۃ: ومنها العامل وهو من نصبه الامام لاستیفاء الصدقات والعشور ویعطیه مایكفیه واعوانه بالوسط مدة ذهابهم وایابهم ما دام المال باقیاً الا اذا استغرقت كفایته الزكٰوة فلا یزاد علی النصف۔ (الفتاوٰی الهندیة جلد ۱ ص ۱۸۸ كتاب الزكٰوة۔ الباب السابع فی المصارف) ؎۲



؎۱ قال ابن نجیم رحمه الله: ویبدأ فی الصدقات بالاقارب ثم الموالی ثم الجیران وذكر فی موضع اٰخر معزیاً الی ابی حفص الكبیر لاتقبل صدقة الرجل وقرابته محاویج فیسد حاجتهم۔ (البحر الرائق ج ۲ ص ۲۴۳ باب المصرف)

وَمِثْلُهٗ فی نور الایضاح ص ۱۶۱ كتاب الزكٰوة۔ باب المصارف۔

؎۲ قال العلامة الحصكفی رحمه الله:۔ وعامل یعم الساعی والعاشر فیعطی ولو غنیاً لاهاشمیاً لانه فرغ نفسه لهٰذا العمل فیحتاج الی الكفایة والغنی لایمنع من تناولها۔

(الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۲ ص ۳۳۹/۳۴ باب المصرف)

وَمِثْلُهٗ فی البحر الرائق ج ۲ ص ۲۴۱ باب المصارف

مدارس کے مہتمم زکوٰۃ کو اپنی صوابدید کے مطابق یا حیلہ تملیک کے بعد خرچ کریں

سوال:۔ مدارس کے مہتمین کو جب زکوٰۃ کی رقم مدارس کے لیے دی جائے تو کیا وہ اسے اپنی صوابدید کے مطابق مدارس کے جملہ امور میں خرچ کرسکتے ہیں یا کہ حیلہ تملیک کے بعد خرچ کریں؟

الجواب:۔ مدارس کے اہل اہتمام اگرچہ عاملین کی طرح ہیں مگر جس طرح عاملین مال زکوٰۃ کو اپنی صوابدید کے مطابق غیر شرعی مصارف میں خرچ نہیں کرسکتے تو اسی طرح مہتمین بھی مال زکوٰۃ کو نادار طلباء پر تملیکؒ کے علاوہ ان کے دیگر امور میں خرچ نہیں کرسکتے بلکہ مدرسہ کے متعلق امور میں خرچ کرنے کے لیے حیلہ شرعی ضروری ہے۔

لما قال ابو بکر الکاسانیؒ: مایوضع فی بیت المال من الاموال فاربعة انواع الاول زکوٰة السوائم والعشور وما اخذہ العشار من تجار المسلمین اذا مروا علیهم ومحله ما ذکرنا من المصارف ای الفقراء والمساکین۔ (بدائع الصنائع ج ۲ ص۶۸ فصل واما بیان مایوضع ۔۔ الخ)[1]

مدارس دینیہ کے مہتمین کو زکوٰۃ دینا

سوال:۔ لوگ مدارس دینیہ کے مہتمین کو زکوٰۃ دیتے دیتے ہیں حالانکہ وہ خود مالدار ہوتے ہیں تو کیا ان مہتمین کو زکوٰۃ دینے سے مزکّی کی زکوٰۃ ادا ہوجائے گی یا یہ کہ جب تک مہتمم کسی مصرف میں خرچ نہ کرے اس وقت تک زکوٰۃ کی ادائیگی موقوف ہوگی؟

الجواب:۔ موجودہ دور میں مدارس کے مہتمین کی حیثیت عاملین زکوٰۃ کی سی ہے، جب کوئی شخص ان کو زکوٰۃ ادا کرے تو اس کی زکوٰۃ اسی وقت سے ادا ہوجائے گی البتہ مہتمین کے لیے لازم ہے کہ وہ زکوٰۃ کو اپنے ذاتی مصارف میں خرچ نہ کریں بلکہ طلباء علوم دینیہ پر خرچ کریں اور غیر ضروری مصارف سے احتیاط لازمی ہے۔

لما قال العلامة ابن همامؒ:۔ فهذه جهات الزکوٰة فللمالك ان یدفع الی کل واحد

---

[1] وفی الهندیة، مایوضع فی بیت المال اربعة انواع الاول زکوٰة السوائم والعشور وما اخذہ العاشر من تجار المسلمین الذین یمرون علیه ومحله ما ذکرنا من المصارف (الفتاوی الهندیة ج۱ ص۱۹۰ کتاب الزکوٰة۔
ومثله فی رد المحتار ج۲ ص۶۳ کتاب الزکوٰة۔

منهم وله ان يقتصر على صنف واحد۔ (فتح القدير ج ۲ ص ۲۰۵ كتاب الزكوٰة) ؎۱

مالدار کے لیے زکوٰۃ کا لینا صحیح نہیں

سوال:۔ بعض علاقوں میں بعض مولوی صاحبان بڑے مالدار ہوتے ہیں لیکن اس کے باوجود وہ لوگوں سے زکوٰۃ اور صدقۃ الفطر وغیرہ لیتے ہیں، تو کیا ان علماء کے لیے زکوٰۃ لینا جائز ہے؟ اور اس سے زکوٰۃ ادا ہوجائے گی؟

الجواب:۔ زکوٰۃ صرف فقراء و مساکین کا حق ہے جو اللہ تعالیٰ نے اغنیاء پر مقرر کیا ہے، اس لیے مالدار چاہے وہ مولوی ہو یا غیر مولوی اُسے زکوٰۃ لینا صحیح نہیں، ایسے آدمی کو زکوٰۃ دینے سے زکوٰۃ ادا نہ ہوگی۔

لما قال الشيخ عبد الحی الكهنویؒ، علماء اغنیاء را زکوٰۃ گرفتن بالاتفاق حرام است۔ (مجموعة الفتاوٰی ج ۲ ص ۲۸۷ باب تصرف الزكوٰة) ؎۲

کیا اموال ظاہرہ سے حکومت زکوٰۃ وصول کرے گی؟

سوال:۔ کیا آدمی اپنے اموال ظاہرہ سے زکوٰۃ ادا کرسکتا ہے یا کہ حکومت کے ذمے زکوٰۃ کی وصولی واجب ہے؟

الجواب:۔ اموال دو قسم کے ہیں (۱) اموال ظاہرہ (۲) اموال باطنہ۔ فقہ حنفی کی رو سے اموالِ ظاہرہ سے حکومت زکوٰۃ وصول کرسکتی ہے اور اموالِ باطنہ سے مالک خود زکوٰۃ ادا کرے گا۔ ابتداء سے یہی صورت چلی آرہی تھی لیکن بعد میں حضرت عثمانؓ نے اموالِ ظاہرہ سے بھی زکوٰۃ ادا کرنا

؎۱ وذكر الامام ابوبكر الجصاص الرازیؒ، عن علیؓ وابن عباس رضی اللہ عنهما قالا اذا اعطی الرجل الصدقة صنفًا واحدًا من الاصناف الثمانية اجزاء وروی مثل ذلك عن عمر بن الخطاب وحذيفة وعن سعيد بن جبير وابراهيم وعمر بن عبد العزيز وابی العالية ولا يروی عن الصحابة خلافه فصار اجماعًا من السلف لا يسع احد خلافه لظهوره واستفاضته فيهم الخ (احكام القرآن ج ۳ ص ۱۳۹)

؎۲ لما قال العلامة ابوالبركات النسفیؒ: هی تمليك المال من فقير مسلم غير هاشمی ولا مولاه۔ (كنز الدقائق علی هامش البحر الرائق ج ۲ ص ۲۰۱ كتاب الزكوٰة)
ومثله فی الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۲ ص ۲۵۶ تا ۲۵۸ كتاب الزكوٰة۔

صاحب مال کے سپرد فرمایا لہٰذا اموال ظاہرہ و باطنہ سے صاحب مال خود زکوٰۃ ادا کر سکتا ہے۔

لما قال العلامۃ ابوبکر الکاسانیؒ: قال عامۃ مشائخنا ان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم طالب زکوٰتہ وابوبکر وعمر طالبا وعثمان طالب زماناً ولما کثرت اموال الناس ورأی ان فی تتبعھا حرجاً علی الامۃ وفی تفتیشھا ضرراً بارباب الاموال فوض الاداء الی اربابھا۔

(بدائع الصنائع ج ۲ ص۳۵ کتاب الزکوٰۃ، فصل بیان من لہ مطالبۃ)

نشہ کرنے والوں کو زکوٰۃ دینا

سوال:۔ آجکل اکثر ہیروئنی اور چرسی قسم کے لوگ زکوٰۃ و خیرات مانگتے ہیں اگر ایسے لوگوں کو زکوٰۃ دی جائے تو کیا اس طرح زکوٰۃ ادا ہوجائے گی۔

الجواب:۔ زکوٰۃ ہر فقیر و مسکین کو دینے سے ادا ہوجاتی ہے چاہے وہ اس مالِ زکوٰۃ کو معاصی پر خرچ کرے تاہم زکوٰۃ دینے والے کو اس بات کا خیال رکھنا چاہیئے کہ وہ کسی عاصی و گناہ کے عادی شخص سے معصیت کے کاموں میں تعاون نہ کرے، لہٰذا بنابراں ہیروئنچی، چرسی، افیمی وغیرہ کو ان امور کے ارتکاب کیلئے زکوٰۃ دینا مناسب نہیں۔

لما قال العلامۃ الحصکفیؒ:۔ ھی تملیک خرج الاباحۃ فلو اطعم یتیماً ناویا الزکوٰۃ لاتجزئہ الا اذا دفع الیہ المطعوم...... جزء مال خرج المنفعۃ فلو اسکن فقیراً دارہ سنۃ ناویاً لایجزیہ عینہ الشارع...... من مسلم فقیر غیر ھاشمی ولامولاہ۔

(الدر المختار علی ھامش الطحطاوی ج ۱ ص۳۸۹ کتاب الزکوٰۃ)[1]

دینی مدارس میں زکوٰۃ کی تصریح ضروری

سوال:۔ کسی دینی مدرسہ میں زکوٰۃ دیتے وقت صرف نیت کافی ہوتی ہے یا رسید لکھتے وقت مالِ زکوٰۃ کی تصریح ضروری ہے؟

الجواب:۔ مدارسِ دینیہ میں زکوٰۃ دیتے وقت زکوٰۃ کی تصریح کرنا ضروری ہے تاکہ

---

[1] قال الامام ابوالبرکات النسفیؒ:۔ ھی تملیک المال من فقیر مسلم غیر ھاشمی ولا مولاہ بشرط قطع المنفعۃ عن المملک من کل وجہ للّٰہ تعالیٰ۔

(کنز الدقائق علی ھامش البحر الرائق ج ۲ ص۲۰۱ کتاب الزکوٰۃ)

ومثلہ فی بدائع الصنائع ج ۲ ص۳ کتاب الزکوٰۃ۔ فصل شرائط الفریضۃ۔

مدرسے والے اس کو زکوٰۃ کے مصرف میں خرچ کرسکیں، صرف نیت کافی نہ ہوگی۔

قال العلامۃ الحصکفیؒ: ولا یخرج عن العہدۃ بالعزل بل بالاداء للفقراء۔ وقال ابن عابدینؒ: فلو ضاعت لاتسقط عنہ الزکوٰۃ۔ (الدر المختار علیٰ ھامش رد المحتار ج۲ ص۱۲ قبیل افتراضھا عمری) ۱؎

خرد برد کرنے والے کو زکوٰۃ کا وکیل بنانا

سوال:- کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلے کے بارے میں کہ اگر کسی مدرسے کا مہتمم زکوٰۃ وصدقات جمع کرکے خرد برد کرتا ہو، طلباء کے نام پر زکوٰۃ وصدقات کی رقم خود کھا جاتا ہو (اور مدرسے میں طالب علموں کا نام ونشان نہیں) حالانکہ یہ زکوٰۃ مدرسے کے طالبعلموں کے لیے مہتمم کو وکیل بنا کر دی جاتی ہے، تو کیا اس طرح کے مہتمم مدرسہ کو مدرسہ کے لیے زکوٰۃ دینا جائز ہے یا نہیں؟ اور اس سے زکوٰۃ ادا ہوجائے گی یا نہیں؟

الجواب:- جہاں خرد برد کا غلبۂ ظن ہو وہاں زکوٰۃ وغیرہ دینا مناسب نہیں اور اگر دی جاچکی ہو اور بہ خدشہ ہو کہ صحیح جگہ پر خرچ نہ کی جائے گی تو دوبارہ ادا کرنا چاہیئے تاکہ ادائیگی یقینی ہوجائے۔

قال الحصکفیؒ: دفع بتحرٍ لمن یظنہ مصرفًا..... لایعید لانہ اتی بما فی وسعہ حتی لو دفع بلا تحرٍ لم یجز ان اخطأ۔ (الدر المختار علیٰ ہامش رد المحتار ج۲ ص۶۹ باب المصرف) ۲؎

۱؎ وفی الھندیۃ: واذا وضعھا ولم یخطر ببالہ انہ مصرف ام لا فھو علی الجواز الا اذا تبین انہ غیر مصرف .... اوغلب علی ظنہ انہ لیس بمصرف فھو علی الفساد۔

(الفتاوی الھندیۃ ج۱ ص۱۹۰ الباب السابع فی المصارف)

وَمِثْلُہٗ فی البحر الرائق ج۲ ص۲۱۱ کتاب الزکوٰۃ۔

۲؎ قال المرغینانیؒ: قال ابو حنیفۃؒ ومحمدؒ اذا دفع الزکوٰۃ الی رجل یظنہ فقیرًا ثم بان انہ غنی اوھاشمی اوکافر..... فلا اعادۃ علیہ۔ وقال ابو یوسفؒ علیہ الاعادۃ .... والظاھر ھو الاول وھذا اذا تحری ودفع وفی اکبر رأیہ انہ مصرف اما اذا شک ولم یتحر اوتحری فدفع وفی اکبر رأیہ انہ لیس بمصرف لایجزیہ الا اذا علم انہ فقیر ھو الصحیح۔

(الھدایۃ ج۱ ص۱۸۹ باب من یجوز دفع الصدقات الیہ ومن لایجوز)

وَمِثْلُہٗ فی نور الایضاح ص۱۶۱ باب المصرف۔

فقیر عالم دین کو زکوٰۃ دینا افضل ہے

سوال :- ہمارا ایک مستقل با تنخواہ امام مسجد ہے لیکن وہ فقیر بھی ہے تو کیا ہم اس غریب امام کو زکوٰۃ کی رقم دے سکتے ہیں یا نہیں؟ یا کسی اور فقیر کو دینا ضروری ہے؟

الجواب :- اگر امام مسجد کی مستقل تنخواہ ہو لیکن غربت کی وجہ سے زکوٰۃ کا حقدار ہو تو کسی جاہل کو زکوٰۃ دینے کی بجائے اس غریب عالم دین کو دینا بہتر ہے۔

قال العلامۃ الحصکفیؒ : وفی المعراج التصدق علی العالم الفقیر افضل۔ قال ابن عابدینؒ عن القہستانی قولہ افضل ای من الجاہل الفقیر۔

(الدر المختار علی ہامش رد المحتار ج۲ ص۶۹ کتاب الزکوٰۃ۔ باب المصرف)[۱]

مقدارِ نصاب زکوٰۃ میں دینا مکروہ ہے

سوال :- میرے ایک دوست کو حج کرنے کا بے پناہ شوق ہے لیکن استطاعت نہیں رکھتا، کیا میں از روئے شرع اُسے زکوٰۃ کی رقم دے کر حج کرا سکتا ہوں؟

الجواب :- اگر آپ کے دوست کی ملکیت میں وہ مال جو اس کی حوائج اصلیہ سے زائد ہو اگر ۲/۱-۵۲ تولہ چاندی کی مروجہ قیمت کے برابر ہو تو وہ زکوٰۃ کا حقدار نہیں اس لیے اُسے زکوٰۃ کے پیسے دینا جائز نہیں، اور اگر فقیر ہو تو مصرفِ زکوٰۃ ہونے کی وجہ سے اسے زکوٰۃ کی اتنی رقم جو مقدارِ نصاب تک پہنچتی ہو دینا مکروہ ہے لیکن پھر بھی زکوٰۃ ادا ہو جائے گی۔ لہٰذا اگر آپ اپنے دوست کو مقدارِ نصاب سے زیادہ مال زکوٰۃ میں دے دیا اور وہ قبض کرنے کے بعد اس سے حج کرے تو زکوٰۃ ادا ہو جائے گی لیکن اتنی زیادہ مقدار میں زکوٰۃ دینا بھی کراہت سے خالی نہیں۔

لما فی الہندیۃ : ویکرہ ان یدفع الی رجل مائتی درہم فصاعداً وان دفعہ جاز۔

(الفتاویٰ الہندیۃ ج۱ ص۱۸۸ الباب السابع فی المصارف)[۲]

---

[۱] وفی الہندیۃ : التصدق علی الفقیر العالم افضل من التصدق علی الجاہل کذا فی الزاہدی۔ (الفتاویٰ الہندیۃ ج۱ ص۱۸۷ الباب السابع فی المصارف) ـــ ومثلہٗ فی البحر الرائق ج۲ ص۲۵۰ قبیل باب صدقۃ الفطر۔

[۲] قال العلامۃ الحصکفیؒ : وکرہ اعطاء فقیر نصابا او اکثر الا اذا کان المدفوع الیہ مدیونا او کان صاحب عیال۔ (الدر المختار علی ہامش رد المحتار ج۲ ص۷۶ باب المصرف)

ومثلہٗ فی البحر الرائق ج۲ ص۲۴۹ باب المصرف۔

گھریلو ملازم کو زکوٰۃ دینے کا حکم | سوال:- میرے پاس دو ہزار روپے ماہوار پر ایک گھریلو ملازم ہے، کیا میں اسے زکوٰۃ دے سکتا ہوں؟

الجواب:- فقیر ملازم کو زکوٰۃ اور صدقہ دونوں دینا درست ہے اور ملازم کے لیے لینا بھی جائز ہے تاہم تنخواہ میں زکوٰۃ دینے سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی۔

لما فی الهندیة: ویجوز دفعها الیٰ من یملك اقل من النصاب وان کان صحیحاً مکتسبا کذا فی الزاهدی۔ (الفتاویٰ الهندیة ج ۱ ص ۱۸۹ الباب السابع فی المصارف) [1]

حکومت کی طرف سے مدارسِ دینیہ کو زکوٰۃ دینے کا حکم | سوال:- کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلے کے بارے میں کہ حکومت بینکوں کی رقم سے دینی مدارس کو کچھ رقم بطور زکوٰۃ دیتی ہے، تو کیا یہ رقم زکوٰۃ شمار ہوگی یا سود یا کوئی تیسری جنس، اور طلباء کو اس کا کھانا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:- یہ بظاہر زکوٰۃ کی رقم ہے لہٰذا طلبہ جو مصرفِ زکوٰۃ ہوں ان کے لیے اس رقم سے کھانا لا بأس بہ ہے، اگرچہ اس میں سودی رقم کے اختلاط کا وہم بھی موجود ہے۔

قال العلامة ابن عابدینؒ: لو اخرج زکوٰة المال الحلال من مال حرام ذکر فی الوهبانیة انه یجزی عند البعض......ولو نوی فی المال الخبیث الذی وجبت صدقته ان یقع عن الزکوٰة وقع عنها۔ (ردّ المحتار ج ۲ ص ۲۸ مطلب فی التصدق من المال الحرام) [2]

---

[1] قال العلامة ابن نجیم المصریؒ: یجوز دفع الزکوٰة الیٰ من یملك ما دون النصاب او قدر نصاب غیر تام وهو مستغرق فی الحاجة۔
(البحر الرائق ج ۲ ص ۲۴۰ باب المصرف)
ومثله فی الدر المختار علیٰ هامش رد المحتار ج ۲ ص ۶۷ باب المصرف۔

[2] قال العلامة ابن البزاز الکردریؒ: والعبرة لنیة الدافع لا لعلم المدفوع الیه وبعد اسطر فلا یأخذه لامن لایجوز له اخذ الصدقة۔
(فتاویٰ البزازیة علیٰ هامش الهندیة ج ۴ ص ۸۶،۸۸ الباب الثانی فی المصرف)
ومثله فی قاضی خان علیٰ هامش الهندیة ج ۳ ص ۴۰۰ کتاب الحظر والاباحة وما یکره اکله وما لا۔

سید اور کسی بزرگ کی اولاد میں باعتبار مصرفِ زکوٰۃ فرق ہے

سوال:۔ ہمارے علاقے میں "سید" اور "میاں" کی یکساں قدر کی جاتی ہے، "سید" تو آلِ نبی ہیں اور "میاں" لوگ کسی بزرگ اور ولی اللہ کی اولاد ہوتے ہیں، تو کیا میاں لوگ مصرفِ زکوٰۃ ہیں یا میاں اور سید برابر ہیں؟

الجواب:۔ سید اور میاں میں فرق واضح ہے، اس لیے کہ اگر میاں صاحبان کسی غیر سید بزرگ کی اولاد ہوں تو ان کو زکوٰۃ دینا جائز ہے اور سید کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں۔

لما فی الهندية: ولا یدفع الی بنی هاشم وهم آلِ علیؓ وآلِ عباسؓ وآلِ جعفرؓ وآلِ عقیلؓ وآلِ الحرث بن عبد المطلبؓ کذا فی الهداية۔

(الفتاوی الهندية ج۱ ص۱۸۹ الباب السابع فی المصارف) [1]

عباسی خاندان مصرفِ زکوٰۃ نہیں

سوال:۔ جناب مفتی صاحب! میرا تعلق عباسی خاندان سے ہے، کیا میں عباسی خاندان کے مساکین و یتامٰی کو زکوٰۃ دے سکتا ہوں، یا کوئی ایسا شخص جو عباسی نہ ہو وہ عباسی کو زکوٰۃ دے سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ عباسی فقیر کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں کیونکہ آلِ عباس آلِ ہاشم سے ہیں اور آلِ ہاشم مصرفِ زکوٰۃ نہیں، خواہ زکوٰۃ دینے والا عباسی ہو یا کوئی دوسرا۔

لما فی الهندية: ولا یدفع الی بنی هاشم وهم آلِ علیؓ وآلِ عباسؓ وآلِ جعفرؓ

---

[1] قال العلامة ابن نجیمؒ: قوله وبنی هاشم وموالیهم ای لایجوز الدفع لهم لحدیث البخاری نحن اهل بیت لاتحل لنا الصدقة ولحدیث ابی داؤد مولی القوم من انفسهم وانا لاتحل لنا الصدقة اطلق فی بنی هاشم فشمل فان کان ناصرًا للنبی صلی اللہ علیہ وسلم ومن لم یکن ناصرًا له منهم کولد ابی لهب فیدخل من اسلم منهم فی حرمة الصدقة لکونه هاشمیًا...... (رواه ابولهب وابناءه) وروی حدیثا لا قرابة بینی و بین ابی لهب ونص فی البدائع علی ان الکرخی قید بنی هاشم بالخمسة الخ

(البحر الرائق ج۲ ص۲۴۶ باب المصرف)

وَمِثْلُهٗ فی الدر المختار علی هامش رد المحتار ج۲ ص۷۲ باب المصرف۔

وآلِ عقیلؒ وآل الحارث بن عبد المطلب کذا فی الهدایة۔
(الفتاوی الهندیة ج ۱ ص ۱۸۹ الباب السابع فی المصارف) [1]

فقیر دائن کو زکوٰۃ لینا جائز ہے

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ کے بارے میں کہ زید فی الحال مسکین ہے لیکن اس کا عمرو پر اتنا قرضہ ہے کہ اگر وہ وصول ہو جائے تو زید صاحب نصاب بن جاتا ہے لیکن عمرو بھی مسکین ہے اور قرضہ ادا کرنے سے قاصر ہے، تو کیا زید کو زکوٰۃ لینا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ اس صورت میں زید کا حکم ابن السبیل جیسا ہے کہ اگرچہ وہ صاحب نصاب ہے لیکن اس کے ہاتھ میں وہ مال موجود نہیں لہٰذا ایسے مقروض کے لیے زکوٰۃ لینا جائز ہے اور اس کو زکوٰۃ دینے سے فریضہ بھی ساقط ہو جائے گا۔

لما فی الهندیة: وان کان الدَّین غیر مؤجل فان کان من علیه الدین معسرًا یجوز له اخذ الزکوٰة فی اصح الاقاویل لانه بمنزلة ابن السبیل۔
(الفتاوی الهندیة ج ۱ ص ۱۸۹ الباب السابع فی المصارف ومنها الغارم) [2]

---

[1] قال العلامة ابن نجیم المصریؒ: والخمسة المذکورون من بنی هاشم لان العباس والحارث عمان للنبی صلی الله علیه وسلم وجعفر وعقیل اخوان لعلی رضی الله عنه بن ابی طالب وهو ابن عم النبی صلی الله علیه وسلم۔
(البحر الرائق ج ۲ ص ۲۴۶ باب المصرف)

ومثله فی الدر المختار علی هامش رد المحتار ج ۲ ص ۶۲ باب المصرف۔

[2] قال العلامة ابن عابدینؒ: قوله من له مال لا معه ای سواء کان هو فی غیر وطنه او فی وطنه وله دیون لا یقدر علی اخذها کما فی النهر......... قال والحق به کل من هو غائب عن ماله وان کان فی بلده لان الحاجة هی المعتبرة وقد وجدت لانه فقیر یدا وان کان غنیًا ظاهرًا۔
(رد المحتار علی هامش الدر المختار ج ۲ ص ۶۲ باب المصرف)

وَمِثْلُهٗ فی الفتاوی الخانیة ج ۲ ص ۲۶۶ باب المصرف۔

قرضہ کو زکوٰۃ میں مجرا کرنے کا حکم

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علماء دین کہ ایک شخص متعدد اہلِ نصاب کا مقروض ہے، کیا اہلِ نصاب حضرات اگر اپنا قرضہ زکوٰۃ میں مجرا کریں تو زکوٰۃ ادا ہو جائے گی یا نہیں؟

الجواب:۔ صورتِ مذکورہ میں اس طرح زکوٰۃ ادا نہ ہوگی بلکہ زکوٰۃ کی ادائیگی کی دو صورتیں ہیں: (۱) قرض خواہ اپنی طرف سے واجب الادا رقم اس کو زکوٰۃ میں دے کر قرضے میں وصول کرے۔ (۲) مقروض کسی اور سے قرض لے کر قرض خواہ کو دیدے اور قرض خواہ اپنے قرض میں وصول کر کے مقروض کو زکوٰۃ میں واپس کر دے تو زکوٰۃ ادا ہو جائے گی۔

قال العلامۃ الحصکفیؒ: واداء الدّین عن العین وعن دین سیقبض لایجوز وحیلۃ الجواز ان یعطی مدیونہ الفقیر زکوٰتہ ثمّ یأخذھا عن دینہ ولو امتنع المدیون مد یدہ واخذھا لکونہ ظفر بجنس حقہ فان مانعہ دفعہ للقاضی۔ (الدر المختار علیٰ ھامش ردّ المحتار ج۲ ص۱۳ قبیل فتراضھا عمری) [۱]

زکوٰۃ کی رقم سے دینی مدرسہ کے لیے قرآن مجید خریدنا

سوال:۔ ہمارے گاؤں میں ایک دینی مدرسہ ہے جبکہ گاؤں کے اکثر لوگ غریب ہیں اور مدرسے کو اپنی مدد آپ کے تحت چلا رہے ہیں، تو کیا زکوٰۃ کی رقم سے اس مدرسے کے لیے قرآن مجید اور دینی کتب خریدنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ زکوٰۃ کی ادائیگی کے لیے تملیک شرط ہے بدون تملیک کے زکوٰۃ ادا نہیں ہوتی، تاہم اگر تملیک کے بعد وہ آدمی جسے زکوٰۃ دی گئی ہے اپنی طرف سے مدرسے کیلئے قرآن مجید اور دینی کتب خرید کر وقف کر دے تو جائز ہے۔

---

[۱] قال العلامۃ ابن نجیم رحمہ اللہ: ویستفاد منہ ان رجوع المتبرع بقضاء الدّین عند التصادق علی الدائن محمول علیٰ ما اذا کان بغیر امر المدیون اما اذا کان بامرہ فھو تملیک منہ فلا رجوع عند التصادق بانہ لادین علی الدائن وانما یرجع علی المدیون وھو بعمومہ..... والحیلۃ فی الجواز فی ھٰذہ الاربعۃ ان یتصدق بمقدار زکوٰتہ علیٰ فقیر ثمّ یأمرہ بعد ذٰلک بالصرف الیٰ ھٰذہ الوجوہ الخ۔ (البحر الرائق ج۲ ص۲۴۳ باب المصرف)

قال العلامۃ الحصکفیؒ : الحیلۃ ان یتصدق علی الفقیر ثم یأمرہ ان یفعل ھٰذہٖ الاشیاء وھل لہٗ ان یخالف امرہ لم ارہ والظاھر نعم۔ (الدر المختار علی ہامش رد المحتار ج۲ ص۶۳ باب المصرف)

قال العلامۃ الحصکفیؒ : وحیلۃ التکفین بھا التصدق علی فقیرٍ ثم ھو یکفن فیکون الثواب لھما وکذا فی تعمیر المسجد۔ (الدر المختار علی ھامش ردالمحتار ج ۲ ص۱۲ قبیل افتراضھا عمری) [1]

سیّد فقیر کیلئے زکوٰۃ کی رقم سے کفن خریدنا

سوال:۔ اگر کوئی سید فقیر اور محتاج فوت ہوجائے اور اس کے پاس کفن وغیرہ کیلئے کچھ نہ ہو، تو کیا زکوٰۃ کی رقم سے سید فقیر کے لیے کفن خریدنا جائز ہے، اور اس سے زکوٰۃ کی ادائیگی ہوجائے گی یا نہیں؟

الجواب:۔ زکوٰۃ کی ادائیگی کے لیے زکوٰۃ کا مال کسی نادار اور فقیر کو تملیکاً دینا ضروری ہے تکفینِ میت میں چونکہ تملیک کی شرط مفقود ہے لہٰذا میت کیلئے چاہے سید ہو یا غیر سید، زکوٰۃ کے مال سے کفن خریدنا جائز نہیں، تاہم اگر مال زکوٰۃ کسی فقیر کے قبضے میں دے دیا جائے اور وہ اپنی طرف سے میت کے لیے کفن خرید کر اس کو پہنا دے تو زکوٰۃ بھی ادا ہوجائے گی اور فقیر کو بھی صدقے کا ثواب ملے گا۔

قال الحصکفیؒ : وحیلۃ التکفین بھا التصدق علی فقیر ثم ھو یکفن فیکون الثواب لھما وکذا فی تعمیر المسجد وتمامہ فی حیل الاشباہ۔ (الدر المختار علی ہامش ردالمحتار ج۲ ص۱۲ کتاب الزکوٰۃ) [2]

---

[1] قال العلامۃ ابن نجیم رحمہ اللہ : والحیلۃ فی الجواز فی ھٰذہ الاربعۃ ان یتصدق بمقدار زکوٰتہ علی فقیر ثم یأمرہ بعد ذٰلک بالصرف الی ھٰذہ الوجوہ فیکون لصاحب المال ثواب الزکوٰۃ وللفقیر ثواب ھٰذہ القرب۔ کذا فی المحیط۔
(البحر الرائق ج۲ ص۲۴۳ باب المصرف)

[2] قال العلامۃ ابن نجیمؒ : والحیلۃ فی الجواز فی ھٰذہ الاربعۃ ان یتصدق بمقدار زکوٰتہ علی فقیر ثم یأمرہ بعد ذٰلک بالصرف الی ھٰذہ الوجوہ فیکون لصاحب المال ثواب الزکوٰۃ وللفقیر ثواب ھٰذہٖ القرب، کذا فی المحیط۔ (البحر الرائق ج۲ ص۲۴۳ باب المصرف)

زکوٰۃ وعشر آرڈیننس کا فقہی جائزہ اور ترامیم و تجاویز

سابق صدر پاکستان اور بری فوج کے سربراہ جناب جنرل محمد ضیاء الحق مرحوم نے اپنے دورِ حکومت میں جب زکوٰۃ وعشر آرڈیننس کے اجراء کا فیصلہ کیا اور رائے عامہ معلوم کرنے کے لئے اسے مشتہر کیا تو مملکتِ خداداد اسلامی جمہوریہ پاکستان کے جید اور مقتدر علماء کرام نے اس آرڈیننس کا جائزہ لیا اور چند خامیوں کو دور کرنے اور اسے عملی طور پر مؤثر بنانے کے لئے حکومت کو اپنی طرف سے ترامیم و تجاویز پیش کیں۔ اس بورڈ میں جو علماء شامل تھے اُن کے اسماء گرامی درج ذیل ہیں:

(۱) شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق صاحبؒ بانی دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک۔
(۲) فقیہ العصر حضرت مولانا مفتی رشید احمد لدھیانوی دارالافتاء ناظم آباد کراچی۔
(۳) مفتیٔ اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی ولی حسنؒ دارالافتاء بنوری ٹاؤن کراچی
(۴) شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی نائب رئیس دارالعلوم کراچی
(۵) حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی رئیس دارالعلوم کراچی
(۶) حضرت مولانا عبدالرزاق اسکندر مہتمم جامعہ بنوری ٹاؤن کراچی
(۷) شیخ الحدیث حضرت مولانا سبحان محمودؒ دارالعلوم کراچی
(۸) حضرت مولانا مفتی عبدالرؤف سکھروی دارالافتاء دارالعلوم کراچی

ان تجاویز و ترامیم کو فقہی مباحث سے مناسبت کی بناء پر فتاویٰ دارالعلوم حقانیہ میں شامل کیا جاتا ہے۔ (از مرتب)

صدر پاکستان کی طرف سے جاری کردہ زکوٰۃ وعشر آرڈیننس کا

فقہی جائزہ اور ترامیم وتجاویز

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

الحمد للّٰہ وکفیٰ وسلامٌ علی عبادہ الذین اصطفیٰ اما بعد!

حال ہی میں حکومتِ پاکستان نے سرکاری سطح پر زکوٰۃ اور عُشر کی وصولی اور تقسیم کے لیے ایک آرڈیننس نافذ کیا ہے جس کے ذریعے مسلمانوں پر واجب الاداز کوٰۃ کا ایک حصہ حکومت وصول کرکے اس کی تقسیم کا انتظام کرے گی۔

زکوٰۃ کی وصولی اور تقسیم کا انتظام اسلامی حکومت کی ایک اہم ذمہ داری ہے اور اگر حکومت یہ انتظام ٹھیک ٹھیک شرعی احکام کے مطابق قائم کرنے میں کامیاب ہو جائے تو یہ نفاذِ شریعت کی طرف ایک نہایت مثبت قدم ہوگا اور ان شاء اللہ اس ملک کے مسلمان اس کی دنیوی اور اُخروی برکات سے بہرہ ور ہو سکیں گے، لیکن اس نظام کو سرکاری سطح پر جاری کرتے وقت حکومت کو یہ بات پوری طرح ذہن نشین رکھنی چاہیئے کہ نظامِ زکوٰۃ کا نفاذ اسلامی معیشت کے قیام کے لیے جتنا ضروری اور اہم ہے اتنا ہی نازک اور توجہ طلب بھی ہے۔ زکوٰۃ دوسرے محاصل یا ٹیکسوں کی طرح کوئی ٹیکس نہیں ہے بلکہ یہ وہ عظیم الشان عبادت ہے جو اسلام کے پانچ بنیادی ارکان میں سے ایک اہم رکن قرار دی گئی ہے[1] لہٰذا اس میں عبادت اور اطاعتِ خداوندی کے تمام تقاضوں کو ملحوظ رکھنا ضروری ہے۔

---

[1] عن ابن عمر رضی اللہ عنہما قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بُنی الاسلام علی خمس شہادۃ ان لا الٰہ الا اللہ وان محمداً عبدہٗ ورسولہٗ واقام الصلوٰۃ وایتاء الزکوٰۃ والحج وصوم رمضان متفق علیہ۔ (مشکوٰۃ المصابیح ج ۱ ص ۱۲ کتاب الایمان۔ الفصل الاول)

قال العلامۃ ابن عابدینؒ: قدموا الزکوٰۃ علیہ اقتداءً بکتاب اللہ ---- ولانہا افضل العبادات بعد الصلوٰۃ قہستانی۔ (ردّ المحتار علی ھامش الدر المختار ج ۲ ص ۲ کتاب الزکاۃ)

حکومت زکوٰۃ کی وصولی اور تقسیم کا انتظام اپنے ذمے لے کر ایک ایسی گرانبار اور نازک ذمہ داری اپنے سر لے رہی ہے جو اس کے دینی جذبے، اس کے خلاص اور اس کے حسن انتظام کے لیے ایک زبردست آزمائش اور امتحان کی حیثیت رکھتی ہے، اس میں حکومت کو ایک طرف تو اس بات کا پورا لحاظ رکھنا ہوگا کہ کسی مسلمان کے ساتھ زکوٰۃ کی وصولی میں کوئی ناانصافی نہ ہونے پائے اور جتنی رقم اس کے ذمے شرعاً واجب الادا ہے اس سے ایک پائی بھی زائد وصول نہ ہو کیونکہ حدیث پاک میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے: المعتدی فی الصدقۃ کمانعھا [1] یعنی زکوٰۃ وصول کرنے میں زیادتی کرنے والا ایسا ہی گنہگار ہے جیسے زکوٰۃ ادا نہ کرنے والا۔

اور دوسری طرف اس بات پر کڑی نظر رکھنی ہوگی کہ زکوٰۃ سے حاصل ہونے والی یہ مقدس رقوم ٹھیک شریعت کے مطابق اس کے صحیح مستحقین تک پہنچیں اور اس میں کوئی خیانت، خورد برد، بدعنوانی یا شرعی احکام سے تجاوز نہ ہونے پائے، زکوٰۃ کے تقدس کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس کے مصارف کا تعین انبیاء علیہم السلام پر بھی نہیں چھوڑا بلکہ اسے بذاتِ خود قرآن کریم میں متعین فرما دیا ہے [2] چنانچہ جب تک زکوٰۃ کو ان مصارف پر صحیح طور سے خرچ کرنے کا اطمینان بخش انتظام نہ ہو جائے زکوٰۃ کا مقصد پورا نہیں ہو سکتا، لہٰذا اگر حکومت زکوٰۃ کی وصولی اور تقسیم دونوں کا نظام صحیح طور سے مقرر کرنے میں کامیاب ہو جاتی ہے تو یہ اس کا ایک عظیم کارنامہ ہوگا جس کی برکات انشاء اللہ کھلی آنکھوں محسوس ہوں گی۔

اگر خدانخواستہ زکوٰۃ کی ان مقدس رقوم کو مستحقین تک پہنچانے کا انتظام صحیح نہ ہو سکا تو کروڑوں مسلمانوں کی عبادت خراب ہونے کا وبال بھی دنیا و آخرت میں بڑا سنگین ہو سکتا ہے، ہماری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ حکومت کو اس کڑی آزمائش میں پورا

---

[1] عن انس قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم المعتدی فی الصدقۃ کمانعھا، رواہ ابوداؤد والترمذی۔ (مشکوٰۃ المصابیح ج ا ص ۱۵۹ باب مایجب فیہ الزکوٰۃ الفصل الثانی)

[2] قال اللہ تعالیٰ: انما الصدقات للفقراء والمساکین العاملین علیھا والمؤلفۃ قلوبھم وفی الرقاب والغٰرمین وفی سبیل اللہ وابن السبیل۔ (سورۃ التوبۃ آیت ۶۰)

اترنے کی توفیق کامل عطا فرمائے اور اس نازک مرحلے کو اس کے لیے آسان فرمائے۔ آمین

اس مقصد کے حصول کے لیے پہلا قدم یہ ہونا چاہیئے کہ زکوٰۃ وعشر کا جو قانون نافذ کیا گیا ہے وہ شرعی اعتبار سے درست ہو اور اس میں شرعی لحاظ سے کوئی سقم باقی نہ رہے اور دوسرا قدم یہ ہونا چاہیئے کہ اس قانون کے مطابق عمل درست ہو، جہاں تک قانون کا تعلق ہے مجلس تحقیق مسائل حاضرہ کے اجلاس میں حالیہ زکوٰۃ وعشر آرڈی ننس پر غور کیا گیا اور شرعی نقطۂ نظر سے اس کا جائزہ لینے کے بعد مندرجہ ذیل تبصرہ اتفاق رائے کے ساتھ منظور کیا گیا۔

(۱) نصابِ زکوٰۃ

اس آرڈیننس کی سب سے زیادہ سنگین غلطی یہ ہے کہ اس میں ہر اس شخص پر زکوٰۃ کی ادائیگی لازم کر دی گئی ہے جس کے بینک اکاؤنٹ میں زکوٰۃ منہا کرنے کے دن ایک ہزار روپے سے زائد رقم جمع ہو اور بینکوں کے علاوہ دوسرے مالیاتی اداروں میں یہ ایک ہزار روپے کی قید بھی نہیں ہے بلکہ ان اثاثوں کے حامل افراد کو ان کے اثاثوں کی مالیت کا لحاظ کئے بغیر لازمی طور پر زکوٰۃ کا مستوجب قرار دے دیا گیا ہے، یہ شرعی لحاظ سے انتہائی سنگین غلطی ہے اور عملاً اس قانون سے بہت سے لوگوں کے ساتھ یہ زیادتی ہو سکتی ہے کہ ان پر شرعاً زکوٰۃ واجب نہ ہونے کے باوجود ان سے زکوٰۃ وصول کر لی جائے، حالانکہ شریعت کی رو سے زکوٰۃ صرف اس شخص پر فرض ہے جو نصاب[1] یعنی ۲/۱ ۵۲ تولہ چاندی یا اتنی مالیت کی نقدی، سونے یا مالِ تجارت کا مالک ہو یا ان چاروں اشیاء میں سے بعض یا سب کا مجموعہ ۲/۱ ۵۲ تولہ چاندی کی قیمت کے برابر اس کی ملکیت میں ہو، البتہ اگر کسی شخص کے پاس سونے کے سوا کوئی اور چیز موجود نہ ہو تو اس کا نصاب ۲/۱ ۷ تولہ سونا ہے[2]

---

[1] قال العلامۃ ابن عابدینؒ: قولہ نصاب ہو ما نصبہ الشارع علامۃ علی وجوب الزکوٰۃ من المقادیر۔ (رد المحتار علی ہامش الدر المختار ج۲ ص۵ کتاب الزکوٰۃ)

[2] قال العلامۃ الحصکفیؒ: نصاب الذہب عشرون مثقالاً والفضۃ مائتا درہم کل عشرۃ دراہم وزن سبعۃ مثاقیل ...... فی عرض تجارۃ قیمتہ نصاب۔ (الدر المختار علی ہامش رد المحتار ج۲ ص۳۱ باب زکوٰۃ المال)

پھر اگرچہ شرعاً زکوٰۃ کی فرضیت کے لیے یہ ضروری نہیں ہے کہ ہر ہر رقم پر علیحدہ سال پورا ہو لیکن یہ ضروری ہے کہ وہ سارے سال کم از کم بقدر نصاب مالیت کا مالک رہا ہو،[1] آرڈیننس میں زکوٰۃ کی ان بنیادی شرائط کا کوئی لحاظ نہیں رکھا گیا۔

لہٰذا اگر نظامِ زکوٰۃ کو واقعۃً شرعی اصولوں کے مطابق قائم کرنا ہے تو آرڈیننس میں ایسی ترمیم ناگزیر ہے جس کی رُو سے زکوٰۃ صرف انہی افراد سے وصول کی جاسکے جن کے ذمے شرعاً زکوٰۃ فرض ہے[2] اور اس کا عملی طریقہ یہ ہے کہ دفعہ ۲، ذیل: ۲۳ میں "صاحبِ نصاب" کی جو تعریف لکھی گئی ہے یعنی:

"صاحبِ نصاب سے مراد وہ شخص ہے جس کے ذمے اس آرڈیننس کی رُو سے زکوٰۃ واجب الادا ہو۔"

اسے تبدیل کرکے "صاحبِ نصاب" کی تعریف اس طرح کی جائے:۔

"صاحبِ نصاب سے مراد وہ شخص ہے جس کی ملکیت میں ۲/۱ ۵۲ تولہ چاندی یا اس کی قیمت کا نقد روپیہ، سونا یا سامانِ تجارت ہو یا ان چاروں اشیاء میں سے بعض یا سب کا مجموعہ مل کر ۲/۱ ۵۲ تولہ چاندی کی قیمت کے برابر ہو۔"[3]

---

[1] قال العلامة ابن عابدینؒ، قوله لحولانه علیه ای لان حولان الحول علی النصاب شرط لکونه سببًا وھذا اعلته للنسبة وسمی الحول حولًا لان الاموال تحول فیه اولانه یتحول من فصل الی فصل من فصوله الاربع - (رد المحتار علی هامش الدر المختار ج ۲ ص۵ مطلب الفرق بین السبب والشرط والعلة)

[2] عن ابی سعید الخدری رضی الله عنه قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم لیس فیما دون خمسة اوسق من التمر صدقة ولیس فیما دون خمس اواق من الصدق صدقة ولیس فیما دون خمس الخ - (مشکوٰۃ المصابیح ج ۱ ص ۱۵۸ باب ما یجب فیه الزکوٰۃ)

[3] قال العلامة الحصکفی رحمه الله، نصاب الذهب عشرون مثقالًا والفضة مائتا درهم کل عشرة دراهم وزن سبعة مثاقیل ..... فی عرض تجارة قیمة نصاب۔ (الدر المختار علی هامش رد المحتار ج ۲ ص ۳۱ باب زکوٰۃ المال)

پھر ہر سال تاریخ زکوٰۃ سے پہلے ۲/۱ ۵۲ تولہ چاندی کی جو قیمت ہو اس کا اعلان کرکے اس قیمت کو وصولی[1] زکوٰۃ کا معیار مقرر کیا جائے یعنی صرف ان لوگوں سے زکوٰۃ وصول کی جائے جن کی اتنی مالیت کی رقوم بینکوں یا دیگر مالیاتی اداروں میں جمع ہوں۔

(۲) سال گذرنے کا مسئلہ زکوٰۃ کی فرضیت کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ مقدار نصاب پر پورا سال گذر چکا ہو۔ یہاں یہ بات واضح رہنی چاہیئے کہ جب کوئی شخص ایک مرتبہ صاحب نصاب بن جائے اور سارا سال صاحب نصاب رہے تو سال کے اختتام پر جتنی بھی رقم اس کی ملکیت میں ہوگی اُس ساری رقم پر شرعاً زکوٰۃ واجب الادا ہوتی ہے خواہ اس رقم کا کچھ حصہ ایک دن پہلے ہی اس کی ملکیت میں آیا ہو، لہٰذا ہر ہر رقم پر تو سال گذرنا ضروری نہیں ہے لیکن مقدارِ نصاب کا پورے سال ملکیت میں رہنا ضروری ہے[2]

موجودہ آرڈیننس کے تحت ایسی صورتیں عملاً ممکن ہیں کہ جس تاریخ میں کسی شخص کے اکاؤنٹ سے زکوٰۃ وضع کی جائے اس سے صرف چند روز پہلے ہی وہ صاحب نصاب بنا ہو تو ایسی صورت میں اس سال ایسے شخص سے جبراً زکوٰۃ وضع کرنا شرعاً درست نہیں ہے[3] لہٰذا آرڈیننس میں ایسی گنجائش موجود ہونی چاہیئے کہ اگر کوئی شخص یہ ثابت کردے کہ اسے مقدارِ نصاب کا مالک بنے ہوئے سال پورا نہیں ہوا تو اس کی زکوٰۃ وضع نہ کی جائے[3]

---

[1] قال العلامة الحصکفیؒ، مقوماً باحدهما ان استویا فلو احدهما اروج تعین التقویم به ولو بلغ باحدهما نصاباً دون الاٰخر تعین ما یبلغ به الخ

(الدر المختار علی هامش رد المحتار ج ۲ ص ۳۴ باب زکوٰۃ المال)

[2] قال العلامة الحصکفیؒ، والمستفاد ولو بهبة او ارث وسط الحول یضم الی نصاب من جنسه فیزکیه بحول الاصل۔ (الدر المختار علی هامش رد المحتار ج ۲ ص ۲۵ باب زکوٰۃ الغنم)

[3] قال العلامة ابن عابدینؒ، فمن انکر تمام الحول ای علی ما فی یده وعلی ما فی بیته فلو کان فی بیته مال اٰخر قد حال علیه الحول وما مر به لم یحل علیه الحول واتحد الجنس فان العاشر لا یلتفت الیه لوجوب الضم فی متحد الجنس الا لما تع بحد۔

(رد المحتار علی هامش الدر المختار ج ۲ ص ۴۳ باب العاشر)

[4] قال العلامة الحصکفیؒ، وسببه ای سبب افتراضها ملک نصاب حولی۔

(الدر المختار علی هامش رد المحتار ج ۲ ص ۴ مطلب الفرق بین السبب والشرط والعلة)

(۳) قرضوں کا مسئلہ | آرڈیننس میں قرضہ جات کو قابلِ زکوٰۃ مالیت سے منہا کرنے کی بھی کوئی گنجائش نہیں رکھی گئی، اس سلسلے میں فقہائے امت کے مذاہب کا خلاصہ یہ ہے کہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ہر طرح کے قرضے منہا کرنے کے بعد زکوٰۃ واجب ہوتی ہے[1] امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا قول قدیم بھی یہی ہے۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک قرضے اموالِ باطنہ کی زکوٰۃ سے مانع ہیں اموالِ ظاہرہ کی زکوٰۃ سے نہیں۔ اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا قولِ جدید یہ ہے کہ کسی بھی طرح کا قرض زکوٰۃ سے منہا نہیں ہوگا[2] ملاحظہ ہو (المجموع شرح المہذب ج ۵ ص ۳۱۴/۳۱۳)

۱۲ ربیع الاول ۱۳۹۹ھ کو زکوٰۃ آرڈیننس کے جس مسودے کو رائے عامہ معلوم کرنے کے لیے مشتہر کیا گیا تھا اس میں بھی قرضوں کی منہائی کی گنجائش موجود تھی اور اس پر تبصرہ کرتے ہوئے "مجلس تحقیق مسائلِ حاضرہ" نے اس وقت بھی یہی رائے پیش کی تھی۔ (ملاحظہ ہو ماہنامہ "بینات" ص ۸ جمادی الثانی ۱۳۹۹ھ)

لہٰذا مجلس کی رائے میں نصاب، حولانِ حول اور قرضوں کے بارے میں مذکورہ بالا تجاویز کو مدِ نظر رکھتے ہوئے آرڈیننس کی دفعہ ۳ مجوزہ ترمیم کے بعد اس طرح ہونی چاہیے:-

"آرڈیننس کے دوسرے احکام کے تابع ہر مسلمان صاحبِ نصاب شخص سے شیڈول ۱ میں دی ہوئی تفصیل کے مطابق ہر سال زکوٰۃ کے اختتام پر لازماً زکوٰۃ وصول کی جائے گی، شرط یہ ہے کہ جو شخص یہ ثابت کر دے کہ تاریخ زکوٰۃ کے دن اس کی قابلِ زکوٰۃ جملہ مملوکات کو نصاب کی مقدار تک پہنچے ہوئے پورا سال نہیں گذرا، اس کے مذکورہ اثاثوں سے زکوٰۃ وصول نہیں کی جائے گی۔ مزید شرط یہ ہے کہ جو شخص یہ ثابت کر دے کہ وہ مقروض ہے اور

---

[1] قال الحصکفی رح: فارغ عن دین له مطالب من جهة العباد۔ (الدر المختار علی هامش رد المحتار ج ۲ ص ۵ کتاب الزکوٰة)

[2] قال العلامة برهان الدین المرغینانی رح: ومن کان علیه دین یحیط بماله فلا زکوٰة علیه۔ وقال الشافعی رح یجب لتحقق السبب وهو ملك نصاب تام۔ (الهدایة ج ۱ ص ۱۶۸ کتاب الزکوٰة)

اس نے قرضہ کسی پیداواری غرض سے نہیں لیا، تو اس کے قرضے کی رقم کو قابلِ زکوٰۃ رقم سے منہا کیا جائے گا۔"

(۴) اموالِ ظاہرہ و باطنہ بینک اکاؤنٹس اور دوسرے مالیاتی اداروں سے زکوٰۃ منہا کرنے پر ایک علمی اشکال یہ ہے کہ فقہاء کرام کی تصریح کے مطابق حکومت کو اموالِ ظاہرہ سے زکوٰۃ وصول کرنے کا حق ہوتا ہے اموالِ باطنہ سے نہیں۔[1]

عام طور پر فقہاء نے مفت چراگاہوں میں چرنے والے مویشیوں، کھیتوں اور باغات کی پیداوار اور اس مالِ تجارت کو جو شہر سے باہر لے جایا جا رہا ہو اموالِ ظاہرہ میں شمار کیا ہے اور نقدی، زیورات وغیرہ باقی تمام قابلِ زکوٰۃ اموال کو اموالِ باطنہ قرار دیا ہے، بینک اکاؤنٹس چونکہ بصورتِ نقد ہوتے ہیں اس لیے علمی طور پر یہ سوال قابلِ غور ہے کہ حکومت ان سے زکوٰۃ وصول کرنے کا حق رکھتی ہے یا نہیں؟ تو اس مسئلہ پر غور کرنے کے بعد مجلس اس نتیجے پر پہنچی ہے کہ موجودہ دور میں بینک اکاؤنٹس کو اموالِ ظاہرہ میں شمار کیا جا سکتا ہے۔[2]

اس مسئلے کی تفصیل یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے عہدِ مبارک میں اموالِ ظاہرہ و باطنہ کی کوئی تفریق نہیں تھی بلکہ دونوں قسم

---

[1] قال العلامة ابن نجيم رحمه الله: ان مال الزكوٰة نوعان ظاهر وهو المواشي والمال الذي يمر به التاجر على العاشر وباطن وهو الذهب والفضة واموال التجارة في مواضعها اما الظاهر فللامام ونوابه وهم المصدقون من السعاة والعشار ولاية الاخذ الخ قال بخلاف الاموال الباطنة ـ

(البحر الرائق ج ۲ ص ۲۳۱ باب العاشر)

[2] قال العلامة الحصكفي رحمه الله: ليأخذ الصدقات..... من التجار المارين باموالهم الظاهرة والباطنة عليه ـ قال ابن عابدين رحمه الله ومراده هھنا بالباطنة ما عدا المواشي بقرينة قوله المارين باموالهم ـ (الدر المختار مع رد المحتار ج ۲ ص ۴۲ مطلب ما ورد في ذم العشار)

کے اموال سے زکوٰۃ سرکاری سطح پر وصول کی جاتی تھی، لیکن حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت میں جب قابلِ زکوٰۃ اموال کی کثرت ہوگئی اور آپ نے یہ محسوس فرمایا کہ اگر عاملینِ زکوٰۃ لوگوں کے گھروں اور دوکانوں میں ہا نچکر ان کی املاک کی چھان بین کریں گے تو اس سے لوگوں کو تکلیف ہوگی اور اس سے ان کے مکانات، دوکانوں، گوداموں اور محفوظ شخصی مقامات کی نجی حیثیت مجروح ہوگی، تو آپؓ نے یہ فیصلہ فرمایا کہ صرف اُن اموال کی زکوٰۃ حکومت کی سطح پر وصول کی جائے جن کی زکوٰۃ وصول کرنے میں یہ مضرت لاحق نہ ہو اور جس کا حساب کرنے کے لیے گھروں اور دوکانوں کی تلاشی نہ لینی پڑے۔ ایسے اموال اُس زمانے میں صرف دو قسم کے تھے یعنی "مویشی اور زرعی پیداوار"۔ چنانچہ صرف ان کی زکوٰۃ آپؓ نے سرکاری سطح پر وصول کرنے کا اعلان فرمادیا اور باقی اموال کو باطنہ قرار دے کر ان کی زکوٰۃ کی ادائیگی خود مالکان کی ذمہ داری قرار دے دی۔

بعد میں جب حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کا دور آیا تو انہوں نے شہروں کے باہر ایسی چوکیاں مقرر فرمادیں کہ جب کوئی شخص مالِ تجارت لے کر وہاں سے گذرے تو اس سے وہیں زکوٰۃ وصول کرلی جائے، اس مقام پر شہر سے باہر جانے والے مالِ تجارت کو بھی اموالِ ظاہرہ میں شمار کرلیا گیا، کیونکہ حکومت کو اس کی زکوٰۃ وصول کرنے اور اس کا حساب کرنے کے لیے مالکان کے گھروں، دوکانوں اور نجی مقامات کی تلاشی کی ضرورت نہیں تھی۔

مذکورہ بالا صورتِ حال کی وضاحت کے لیے حضرات فقہاء کرام کی تصریحات مندرجہ ذیل ہیں:۔

(۱) علامہ ابن ہمام رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

ظاهر قوله تعالىٰ "خذ من اموالهم صدقة" (الآية) توجب اخذ الزكوٰة مطلقاً للامام، وعلىٰ هٰذا كان رسول الله صلى الله عليه وسلم والخليفتان بعده فلما ولى عثمان رضى الله عنه وظهر تغير الناس كره ان يفتش السعاة على الناس مستور اموالهم ففوض الدفع الى الملاك نيابة عنه ولم يختلف الصحابة فى ذٰلك عليه وهٰذا لا يسقط طلب بها۔ (فتح القدير ج ا ص۴۸۷ كتاب الزكوٰة)

(۲) اور امام ابوبکر جصاص رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:۔

وقوله تعالىٰ: "خذ من اموالهم صدقة" (الآية) يدل على ان اخذ الصدقات

الی الامام وانہ متی اداھا من وجبت علیہ الی المساکین لم یجزہ لان حق الامام قائم فی اخذھا فلا سبیل الی اسقاطہ وقد کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یوجہ العمال علی صدقات المواشی ویأمرھم بان یاخذوا علی المیاہ فی مواضعھا۔

آگے تحریر فرماتے ہیں :-

اما زکوٰۃ الاموال فقد کانت تحمل الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وابی بکر وعمر وعثمان ثم خطب عثمان فقال ھذا شھر زکوٰتکم فمن کان علیہ دین فلیؤدہ ثم لیزک بقیۃ مالہ فجعل لھم اداءھا الی المساکین وسقط من اجل ذلک حق الامام فی اخذھا لانہ عقد عقدہ امام من ائمۃ العدل فھو نافذ علی الامۃ لقولہ علیہ السلام علیکم بسنتی و… علیھم اولھم ولم یبلغنا انہ بعث سعاۃ علی زکوٰۃ الاموال کما بعثھم علی صدقات المواشی والثمار فی ذلک لان سائر الاموال غیر ظاھرۃ للامام وانما تکون مخبوۃ فی الدور والحوانیت والمواضع الحریزۃ ولم یکن جائزا للسعاۃ دخول احرازھم ولم یجز ان یکلفوھم احضارھا ..... ولما ظھرت ھذہ الاموال عند التصرف فیھا فی البلدان اشبھت المواشی فنصب علیھا عمال یاخذون منھا ما وجب من الزکوٰۃ ولذلک کتب عمر بن عبد العزیز الی عمالہ ان یاخذ واممامر بہ المسلم من التجارات عن کل عشرین دینارا نصف دینار۔

(احکام القرآن ج ۳ ص۱۵۵ مطبوعہ استنبول ۱۳۳۵ھ)

(۳) اور فقہ حنفی کی معروف کتاب "الاختیار" میں ہے :-

لان الاخذ کان للامام وعثمان رضی اللہ عنہ فوضہ الی الملاک وذلک لایسقط حق طلب الامام حتی علم ان اھل بلدۃ لایؤدون زکاتھم طالبھم بھا ولو مر بھا علی الساعی کان لہ اخذھا۔ (الاختیار ج ۱ ص۱۰۰ کتاب الزکوٰۃ)

(۴) اور علامہ برہان الدین المرغینانی تحریر فرماتے ہیں :-

ومن مر علی عاشر بمائۃ درھم واخبرہ ان لہ فی منزلہ مائۃ اخری وقد حال علیھا الحول لم یزک التی مر بھا لقلتہ۔ وما فی بیتہ لم یدخل تحت حمایتہ۔ (الھدایۃ ج ۱ ص۱۸۱ باب من یمر علی العاشر)

فقہاء کرام کی مندرجہ بالا تصریحات سے یہ بات واضح ہے کہ نقد روپیہ اور سامانِ تجارت

اُس وقت تک اموالِ باطنہ رہتے ہیں جب تک وہ پوشیدہ نجی مقامات پر مالکان کے زیرِ حفاظت ہو، ایسے اموال کی زکوٰۃ وصول کرنے میں چونکہ ان نجی مقامات میں دخل اندازی کرنی پڑتی ہے اسلئے انہیں حکومت کی وصولیابی سے مستثنیٰ رکھا گیا ہے، لیکن جب یہی اموال مالکان ان نجی مقامات سے نکال کر باہر لے آئیں اور وہ حکومت کے زیرِ حفاظت آجائیں تو وہ اموالِ ظاہرہ کے حکم میں آجاتے ہیں [1] اور حکومت کو ان سے زکوٰۃ وصول کرنے کا اختیار حاصل ہو جاتا ہے، گویا کسی مال کے اموالِ ظاہرہ میں شمار ہونے کے لیے دو بنیادی امور ضروری ہیں:۔

ایک یہ کہ وہ ایسے نجی مقامات پر رکھے ہوئے نہ ہوں جہاں سے ان کا حساب کرنے کے لیے نجی مقامات کی تفتیش کرنی پڑے۔ کما فی العبارۃ الاولیٰ والثانیۃ۔

اور دوسرے یہ کہ وہ حکومت کے زیرِ حفاظت آجائیں۔ کما فی العبارۃ الرابعۃ۔

اگر اس معیار پر موجودہ بینک اکاؤنٹس کا جائزہ لیا جائے تو ان میں یہ دونوں باتیں پوری طرح موجود ہیں۔ ایک طرف تو یہ وہ اموال ہیں جنہیں ان کے مالکان نے اپنی حرزِ حفاظت سے نکال کر خود حکومت پر ظاہر کر دیا ہے اور ان کے حسابات میں نجی مقامات کی تفتیش کی ضرورت نہیں ہے، دوسری یہ حکومت کے زیرِ حمایت ہی نہیں بلکہ زیرِ ضمانت آچکے ہیں، بالخصوص جب بینک سرکاری ملکیت میں ہوں اور ان کو جو سرکاری تحفظ حاصل ہے وہ عاشر پر گذرنے والے اموال کے مقابلے میں کہیں زیادہ ہے، اس لیے مجلس کی رائے یہ ہے کہ بینک اکاؤنٹس اور دوسرے مالیاتی اداروں میں رکھے ہوئے اموالُ اموالِ ظاہرہ کے حکم میں ہیں اور حکومت ان سے زکوٰۃ وصول کر سکتی ہے۔

اور اگر بالفرض انہیں یا ان میں سے بعض کو اموالِ باطنہ ہی قرار دیا جائے تب بھی

---

[1] قال العلامۃ الحصکفیؒ: نصبہ الامام علی الطریق ..... لیاخذ الصدقات .... من التجار ...... المارین باموالہم الظاھرۃ والباطنۃ علیہ۔ قال ابن عابدینؒ: ومرادہ ھنا بالباطنۃ ما عدا المواشی بقرینۃ قولہ المارین باموالہم والأفکل مامر بہ علی العاشر فھو من نوع ظاھر وسماھا باطنۃ باعتبار ما کان قبل المرور۔

(الدر المختار مع رد المحتار ج ۲ ص ۴۲ مطلب ما ورد فی ذم العشار)

وَمِثْلُہٗ فی الھندیۃ ج ۱ ص ۱۸۳ الباب الرابع فیمن یمر علی العاشر۔

فقہاء کرام نے تصریح فرمائی ہے کہ جن علاقے کے لوگ از خود زکوٰۃ ادا نہ کریں تو وہاں حکومت اموالِ باطنہ کی زکوٰۃ کا بھی مطالبہ کرسکتی ہے، جیساکہ "فتح القدیر" اور "الاختیار" کی عبارتوں سے اس کی تصریح گذر چکی ہے، اور یہی مسئلہ "بدائع الصنائع جلد ۲ ص۳۵" میں بھی موجود ہے۔

(۵) زکوٰۃ کی نیت کا مسئلہ

بینک اکاؤنٹس اور دیگر مالیاتی اداروں سے جبراً زکوٰۃ وضع کرنے کے بارے میں ایک دوسرا علمی اشکال یہ ہوسکتا ہے کہ زکوٰۃ ایک عبادت ہے اور دوسری عبادتوں کی طرح اس کی ادائیگی میں بھی نیت ضروری ہے لیکن جب مذکورہ اداروں سے جبراً زکوٰۃ وضع کی جائے گی تو اس میں مالکان کی طرف سے شاید نیت نہ ہوسکے؟

لیکن فقہاء کرام کی تصریحات میں اس اشکال کا حل موجود ہے اور وہ یہ کہ حکومت کو جن اموال کی زکوٰۃ وصول کرنے کا حق ہے ان میں حکومت کا وصول کرلینا بذاتِ خود نیت کے قائم مقام ہو جاتا ہے، چنانچہ علامہ ابن عابدینؒ فرماتے ہیں:۔

وفی مختصر الکرخیؒ اذا اخذھا الامام کرھا فوضعھا موضعھا اجزأ لان لہ ولایۃ اخذ الصدقات فقام اخذہ مقام دفع المالک وفی القنیۃ فیہ اشکال لان النیۃ فیہ شرط ولم توجد منہ .ھ قلت: قول الکرخیؒ فقام اخذہ الخ یصلح للجواب تامل۔ (رد المحتار حاشیہ الدر المختار ج ۲ ص۲۷ مطلب فیما لو صادر السلطان)

(۶) بینک اکاؤنٹس کے قرض ہونے کی حیثیت

بینک اکاؤنٹس سے زکوٰۃ وصول کرنے پر تیسرا شبہ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ بینکوں میں جو رقوم جمع کرائی جاتی ہیں وہ فقہی اعتبار سے قرض کے حکم میں ہیں اور مقروض کو یہ حق کیسے پہنچتا ہے کہ وہ قرض خواہ کی رقم سے زکوٰۃ وضع کرلے۔

لیکن غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ قرض بن جانے کے بعد تو یہ اموال مضمون ہونے کی بناء پر اور زیادہ سرکاری تحفظ میں آگئے ہیں اس لیے قرض ہونے سے حکومت کے وصولیٔ زکوٰۃ کے حق پر کوئی منفی اثر نہیں پڑتا، یہ بلاشک وشبہ دینِ قوی ہے جس پر بالاتفاق زکوٰۃ فرض ہے اور بینکوں کے سرکاری ملکیت ہونے کی وجہ سے یہ رقوم حکومت کے صرف علم ہی میں نہیں بلکہ اس کے قبضے اور ضمانت میں آجاتی ہیں، اسلئے اگر حکومت ولایتِ عامہ کی بناء پر ان سے زکوٰۃ وضع کرے تو اس کو کوئی شرعی قباحت نہیں ہے۔

(۷) **محتاط طریقہ** | لیکن مجلس یہ سمجھتی ہے کہ بینک اکاؤنٹس اور دیگر مالیاتی اداروں سے زکوٰۃ وصول کرنے کا محتاط طریقہ یہ ہوگا کہ جب کوئی شخص ان اداروں میں اپنی رقم رکھوانے کے لیے آئے تو وہ ایک فارم پُر کرے جس میں اس کی طرف سے متعلقہ ادارے کو یہ اختیار دیا گیا ہو کہ وہ تاریخ زکوٰۃ آنے پر اس کی رقم سے زکوٰۃ منہا کر کے زکوٰۃ فنڈ کو دے دے۔ اس طرح یہ ادارے مالکان کی طرف سے باقاعدہ وکیل باداء الزکوٰۃ بن جائیں گے اور پھر اس میں نہ اموالِ باطنہ کی بنیاد پر کوئی اشکال باقی رہے گا نہ نیت کی بنیاد پر اور نہ اکاؤنٹس کے قرض ہونے کی بنیاد پر۔

(۸) **سُودی اکاؤنٹس اور زکوٰۃ** | بینک اکاؤنٹس سے زکوٰۃ وصول کرنے پر ایک اور خلجان بعض ذہنوں میں یہ رہتا ہے کہ یہ تو سُودی اکاؤنٹس ہیں اور سود اور زکوٰۃ دونوں کیسے جمع ہو سکتے ہیں؟ اس میں کوئی شک نہیں کہ ایک اسلامی حکومت میں سودی کاروبار کا وجود اس کے ماتھے پر کلنک کا شرمناک ٹیکہ ہے اور بالخصوص زکوٰۃ کا نظام جاری کرنے کے بعد اس حرام و ناپاک ذریعۂ آمدنی کو باقی رکھنے کا کوئی جواز نہیں ہے لہٰذا یہ حکومت کا فرض ہے کہ وہ بعجلتِ ممکنہ مسلمانوں کو سودی نظام کی اس لعنت سے نجات دلائے۔ لیکن جہاں تک زکوٰۃ کی ادائیگی کا تعلق ہے فقہی اعتبار سے اگر کسی شخص کی آمدنی حرام و حلال سے مخلوط ہو اور وہ مجموعہ پر سے زکوٰۃ نکال دے تو اس میں کوئی قباحت نہیں [۱] فرق صرف اتنا ہے کہ حلال آمدنی کا ڈھائی فیصد شرعاً زکوٰۃ ہوگا اور حرام آمدنی کا ڈھائی فیصد زکوٰۃ نہیں ہوگا بلکہ وہ صدقہ سمجھا جائے گا، جو حرام آمدنی سے جان چھڑانے کی غرض سے کیا جاتا ہے، اصل شرعی حکم یہ ہے کہ سود لینا حرام ہے، لیکن اگر کوئی شخص سُود وصول کرے تو وہ سارے کا سارا

---

[۱] قال العلامۃ علاؤ الدین الحصکفی رحمہ اللہ: اما اذا اخذ من انسان مائۃ ومن اخر مائۃ وخلطھا ثم تصدق لا یکفر لانہ لیس بحرام بعینہ۔ قال ابن عابدین بان المراد لیس ھو نفس الحرام لانہ ملکہ بالخلط۔

{ الدر المختار مع رد المحتار ج ۲ ص ۲۸، ۲۹
مطلب فی التصدق من المال الحرام }

واجب التصدق ہے۔[1] اب اگر حکومت نے اس میں سے ڈھائی فیصد زکوٰۃ فنڈ میں دیدیا ہے (جبکہ زکوٰۃ فنڈ میں صدقات نافلہ اور عطیات بھی شامل ہیں) تو مالکان پر شرعاً واجب ہے کہ باقیماندہ سود بھی چھٹکارا حاصل کرنے کے لیے صدقہ کریں نہ یہ کہ اس کی بنیاد پر اصل مال کی زکوٰۃ بھی ادا نہ کریں۔

مثال کے طور پر ایک شخص کے ایک ہزار روپے بنک میں جمع ہیں اور اس پر سو روپے سود کا اضافہ ہو گیا ہے تو حکومت پورے گیارہ سو روپے پر ڈھائی فیصد کے حساب سے ساڑھے ستائیس روپے وصول کرے گی، ان ساڑھے ستائیس روپوں میں سے پچیس روپے تو اس شخص کے اصل یعنی ایک ہزار روپے کی زکوٰۃ ہے اور ڈھائی روپے زکوٰۃ نہیں ہے بلکہ سود کی جو رقم پوری کی پوری صدقہ ہونی چاہئیے تھی اس کا ایک حصہ ہے، اگر یہ بھی زکوٰۃ فنڈ میں چلا جائے تو اس میں کوئی قباحت نہیں ہے کیونکہ اس کا مصرف بھی فقراء ہی ہیں۔

(۹) نابالغ کی زکوٰۃ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک وجوب زکوٰۃ کے لیے صاحب نصاب کا عاقل و بالغ ہونا شرط ہے[2] جبکہ امام شافعی اور امام مالک رحمہما اللہ کے نزدیک نابالغ اور فاتر العقل کے مال پر بھی زکوٰۃ لازم ہے۔ آرڈیننس میں چونکہ بالغ اور نابالغ کے اکاؤنٹس میں کوئی فرق نہیں کیا گیا، اس لیے اس میں غالباً شافعی مسلک اختیار کیا گیا ہے اور لوگوں کے موجودہ حالات کے پیش نظر اگر ضرورت ہو تو اس کی گنجائش ہے لیکن پھر بھی حکومت کے لیے اس میں بڑی احتیاط کرنا لازم ہے۔

---

[1] قال العلامة الحصکفی رحمہ اللہ: انما یکفر اذا تصدق بالحرام القطعی۔ قال ابن عابدینؒ: ای مع رجاء الثواب الناشی عن استحلاله۔ وقال الحصکفی رحمہ اللہ: فلا زکوٰۃ کما لو کان الکل خبیثاً۔ (الدر المختار مع رد المحتار ج ۲ ص ۲۸ مطلب فی تصدق من المال الحرام)

[2] قال العلامة الحصکفی رحمہ اللہ: وشرط افتراضها عقل وبلوغ واسلام وحریة۔ قال ابن عابدینؒ فلا تجب علی مجنون وصبی لانها عبادة محضة ولیسا مخاطبین بها۔ (الدر المختار مع رد المحتار ج ۲ ص ۴ مطلب الفرق بین السبب والشرط والعلة)

(۱۰) ترکے کا مال | البتہ بینک اکاؤنٹس میں بعض اموال ایسے ہو سکتے ہیں جو کسی مرحوم شخص کا ترکہ ہوں، چونکہ مرحوم کے انتقال کے ساتھ ساتھ ان اموال پر ورثاء کا حق ثابت ہو جاتا ہے اور ورثاء میں سے ہر ایک کا صاحب نصاب ہونا ضروری نہیں اس لیے اس مال سے بھی زکوٰۃ وصول کرنا درست نہیں ہوگا[1] لہٰذا آرڈیننس میں یہ استثناء بھی ہونا چاہیئے کہ جو شخص زکوٰۃ وضع کرنے کے دن انتقال پا چکا ہو اس کے اکاؤنٹ سے زکوٰۃ وضع نہیں کی جائے گی۔

(۱۱) کمپنیاں اور شیئرز | آرڈی ننس میں کمپنیوں کو بھی صاحب نصاب قرار دیا گیا ہے اور کمپنیوں کے حصص کو بھی شیڈول ۱ میں درج کر کے ان سے زکوٰۃ وضع کرنے کا حکم دیا گیا ہے، اس سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ ہر کمپنی کے بینک اکاؤنٹس سے بحیثیت فرد قانونی الگ زکوٰۃ وصول کی جائے گی اور اس کمپنی کے حصہ داروں سے ان کے حصص پر الگ زکوٰۃ وصول ہوگی، اگر واقعہ یہی ہے تو یہ طریقہ شریعت کے خلاف ہے کیونکہ اس میں ایک ہی مال سے سال میں دو مرتبہ زکوٰۃ وصول ہونے کا احتمال ہے جو کسی طرح بھی جائز نہیں۔ لہٰذا اگر کمپنیوں سے زکوٰۃ وصول کی جارہی ہے تو حصہ داروں الگ زکوٰۃ وصول نہ کی جائے، اور اگر حصہ داروں سے وصول کی جارہی ہے تو کمپنیوں سے وصول نہ کی جائے، ان دونوں صورتوں میں سے مجلس کے نزدیک بہتر یہ ہے کہ زکوٰۃ حصص پر وصول کی جائے۔

(۱۲) عُشر بصورت نقد | آرڈی ننس میں عُشر کا بھی ایک حصہ لازماً وصول کرنے سے مستثنیٰ رکھا گیا ہے، مثلاً بارانی زمینوں کی پیداوار کا پانچ فیصد، ہر قسم کی زمینوں میں کاشتکار کا حصہ وغیرہ۔ لیکن ساتھ ہی یہ تصریح بھی کر دی گئی ہے کہ ان پر شرعاً عُشر واجب ہے جسے مالکان اپنے طور پر ادا کریں گے، اس حکم میں شرعاً کوئی خرابی نہیں، البتہ آرڈی ننس کی دفعہ ۵ ذیل ۵ میں صراحت کی گئی ہے کہ عُشر بصورتِ نقد وصول کیا جائے گا، صرف گندم اور دھان کے بارے میں یہ

---

[1] قال العلامة الحصکفیؒ: ولذا لا یؤخذ العُشر من الوصی اذا قال هذا مال الیتیم۔ (الدر المختار علیٰ هامش رد المحتار ج ۲ ص ۴۷ قبیل باب الرکاز)

استثناء رکھا گیا ہے کہ اگر صوبائی کونسل چاہے تو اسے بصورتِ جنس وصول کرے۔
مجلس کی رائے میں یہ حصہ بھی لائق ترمیم ہے کیونکہ شرعاً عشر کو بصورتِ نقد ادا کرنا لازم نہیں بلکہ شریعت نے اس میں مالکِ پیداوار کی سہولت کو ملحوظ رکھا ہے[1] لہٰذا یہ پابندی ختم کرکے اس معاملے کو مالکِ پیداوار کی صوابدید پر چھوڑنا چاہیئے۔

(۱۳) چوتھائی پیداوار کا عشر سے استثناء | آرڈیننس میں زرعی پیداوار کے چوتھائی حصہ کو اخراجات کی مد میں عشر سے مستثنیٰ کرنے کی گنجائش رکھی گئی ہے۔ اگرچہ بعض ائمہ کے اقوال اس قسم کے منقول ہیں کہ چوتھائی پیداوار تک اخراجات کی مد سے مستثنیٰ ہوسکتی ہے۔ ملاحظہ ہو فتح الباری ج ۳ ص ۲۷۴ باب خرص التمر) لیکن حنفیہ اور اکثر فقہاء کے مسلک میں یہ چھوٹ نہیں ہے[2] لہٰذا اگر حکومت یہ چوتھائی حصہ لازمی وصولی سے مستثنیٰ کرنا چاہتی ہے تو ساتھ ہی یہ اعلان بھی کرنا چاہیئے کہ اس حصہ کا عشر مالکان خود ادا کردیں[3]

(۱۴) تاریخ زکوٰۃ | موجودہ آرڈیننس کے مطابق ہر سال زکوٰۃ یکم رمضان المبارک سے شروع ہوکر شعبان کے آخری دن پر ختم ہوگا، اور یہ بات اطمینان بخش ہے کہ شریعت کے مطابق زکوٰۃ کی تقسیم کے لیے ہجری سال کو اختیار کیا گیا ہے[4] لیکن

---

[1] قال العلامة المرغینانیؒ: ویجوز دفع القیم فی الزکوٰۃ عندنا وکذا فی الکفارات وصدقة الفطر والعشر والنذر...... ولنا ان الامر بالاداء الی الفقیر ایصال للرزق الموعود الیہ الخ۔ (الہدایۃ ج ۱ ص ۱۷۴ فصل فی الخیل)

[2] قال العلامة المرغینانیؒ: وکل شیٔ اخرجتہ الارض مما فیہ العشر لا یحتسب فیہ اجر العمال ونفقة البقر لان النبی علیہ السلام حکم بتفاوت الواجب لتفاوت المؤنة فلا معنی لرفعہا۔ (الہدایۃ ج ۱ ص ۱۸۵ باب زکوٰۃ الزروع والثمار)

[3] قال العلامة المرغینانیؒ: فی قلیل ما اخرجتہ الارض وکثیرہ العشر سواء سقی سیحاً الخ۔ (الہدایۃ ج ۱ ص ۱۸۳ باب زکوٰۃ الزروع والثمار)

[4] قال العلامة الحصکفیؒ: وحولہا ای الزکوٰۃ قمری بحر عن القنیة لا شمسی۔ (الدر المختار علی ہامش رد المحتار ج ۲ ص ۳ قبیل باب زکوٰۃ المال)

مختلف اثاثوں کی قیمت لگانے کے لیے پہلے شیڈول میں مختلف تاریخیں مقرر کی گئی ہیں، یہ صورتحال شرعاً درست نہیں ہے۔ شرعی صورت یہ ہے کہ جب کوئی شخص صاحب نصاب بن جائے تو اس کی ہر رقم کے لیے الگ سال شمار نہیں کیا جاتا بلکہ اس کے تمام اثاثوں کے لیے زکوٰۃ کے وجوب کی ایک ہی تاریخ ہوتی ہے[1] لہٰذا صحیح طریقہ یہ ہے کہ تمام اثاثوں میں قیمت لگانے کی تاریخ (VALUTION DATE) ایک ہی رکھی جائے۔ البتہ اس قیمت کی بنیاد پر زکوٰۃ وضع کرنے کی تاریخیں (DEDUCKTION DATE) مختلف اثاثوں کے لحاظ سے مختلف ہو سکتی ہیں۔

(۱۵) قیمتی پتھروں اور مچھلیوں کی زکوٰۃ | آرڈیننس کے شیڈول ۲ میں اشیاء کی فہرست دی گئی ہے جن پر حکومت لازماً زکوٰۃ وصول نہیں کرے گی بلکہ مالکان پر بطور خود ان کی زکوٰۃ ادا کرنا واجب ہے، اس فہرست میں قیمتی پتھروں اور مچھلیوں پر بھی زکوٰۃ عائد کی گئی ہے، حالانکہ ان دونوں اشیاء پر اُس وقت زکوٰۃ واجب نہیں ہے جب تک تجارت کی نیت سے انہیں خریدا نہ گیا ہو[2] لہٰذا ان دونوں اشیاء کو اس شیڈول سے خارج کرنا چاہئے کیونکہ بہ نیت تجارت خریداری کی صورت میں یہ "اموالِ تجارت" میں شامل ہو جائیں گے جن کا ذکر شیڈول ۲ میں موجود ہے۔

(۱۶) مصارفِ زکوٰۃ | مصارفِ زکوٰۃ کے بیان میں آرڈیننس میں براہ راست فقراء کو زکوٰۃ پہنچانے کے ساتھ مختلف اداروں کے توسط سے فقراء کی

---

[1] قال العلامة المرغینانی رحمہ اللہ: ومن كان له نصاب فاستفاد فی اثناء الحول من جنسه ضمه اليه وزكوٰة به ۔۔۔۔ لنا ان المجانسة هی العلة فی الاولاد والارباح لان عندها يتعسر التمييز فيعسر اعتبار الحول لكل مستفاد وما شرط الحول الا للتيسير۔ (الهداية ج ۲ ص ۱۷۵ فصل فی الخيل)

[2] وفی الهندية: ولا شئ فيما يستخرج من البحر كالعنبر واللؤلؤ والسمك كذا فی فتاوی قاضی خان۔ (الفتاوی الهندية ج ۱ ص ۱۸۵ قبيل الباب السادس فی زكوٰة الزرع والثمار)

وقال العلامة الحصكفی رحمہ اللہ: لا زكوٰة فی اللآلی والجواهر وان ساوت الفاً اتفاقاً الا ان تكون للتجارة۔ (الدر المختار علی هامش رد المحتار ج ۲ ص ۱۵ قبيل باب السائمة)

امداد کا بھی ذکر ہے، اس میں یہ وضاحت ہونی چاہیئے کہ ہر صورۃ میں زکوٰۃ کی ادائیگی مستحق زکوٰۃ کو باقاعدہ مالک بنا کر کی جائے گی[1]

خلاصۂ تجاویز برائے حکومت

(۱) صاحب نصاب کی موجودہ تعریف کی جگہ حسب ذیل تعریف لکھی جائے:۔

"صاحب نصاب سے مراد وہ شخص ہے جس کی ملکیت میں ساڑھے باون تولہ چاندی یا اس کی قیمت کا نقد روپیہ، سونا یا سامانِ تجارت ہو، یا ان چاروں اشیاء میں سے بعض یا سب کا مجموعہ مل کر ساڑھے باون تولہ چاندی کی قیمت کے برابر ہو"۔

پھر ہر سال تاریخ زکوٰۃ سے پہلے ساڑھے باون تولہ چاندی کی جو قیمت ہو اس کا اعلان کیا جائے اور اس قیمت کو وصولی زکوٰۃ کا معیار مقرر کیا جائے، یعنی صرف ان لوگوں سے زکوٰۃ وصول کی جائے جن کی اتنی مالیت کی رقوم بینکوں یا دیگر مالیاتی اداروں میں جمع ہوں۔

(۲) آرڈیننس کی دفعہ ۳ میں ترمیم کر کے اُس کو اِس طرح بنایا جائے:۔

"آرڈی ننس کے دوسرے احکام کے تابع ہر مسلمان صاحب نصاب شخص سے شیڈول ۱ میں دی ہوئی تفصیل کے مطابق ہر سال زکوٰۃ کے اختتام پر لازماً زکوٰۃ وصول کی جائے گی"۔

شرط یہ ہے کہ جو شخص یہ ثابت کر دے کہ تاریخ زکوٰۃ کے دن اس کی جملہ مملوکات کو نصاب کی مقدار تک پہنچے ہوئے پورا سال نہیں گذرا، تو اس کے مذکورہ اثاثوں سے زکوٰۃ وصول نہیں کی جائے گی۔

مزید شرط یہ ہے کہ جو شخص یہ ثابت کر دے کہ وہ مقروض ہے اور اس نے قرضہ کسی پیداواری غرض سے نہیں لیا تو اس کے قرضے کی رقم کو قابلِ زکوٰۃ رقم سے منہا

---

[1] قال العلامة الحصکفی رحمہ اللہ: الزکوٰۃ شرعاً تملیك خرج الاباحۃ فلو اطعم یتیماً ناویا الزکوٰۃ لایجزیہ الا اذا دفع الیہ المطعوم۔
(الدر المختار علی ھامش رد المختار ج ۲ ص ۲ کتاب الزکوٰۃ)
ومثلہ فی البحر الرائق ج ۲ ص ۲۰۱ کتاب الزکوٰۃ۔

کیا جائے گا۔

مزید شرط یہ ہے کہ جس شخص کے بارے میں باضابطہ ڈیتھ سرٹیفکیٹ کے ذریعے یہ ثابت ہو جائے کہ وہ زکوٰۃ وضع کرنے کی تاریخ میں انتقال پا چکا تھا تو اس کے اکاؤنٹ سے بھی زکوٰۃ وضع نہیں کی جائے گی۔

(۳) بینکوں اور دیگر مالیاتی اداروں میں رقم رکھوانے والوں سے ایک وکالت نامہ تحریر کرایا جائے جس میں وہ متعلقہ مالی ادارے کو یہ اختیار دیں کہ تاریخ زکوٰۃ آنے پر وہ ادارہ ان کی طرف سے زکوٰۃ وضع کر کے زکوٰۃ فنڈ میں جمع کرا دے۔

(۴) کمپنیوں اور ان کے حصص پر الگ الگ زکوٰۃ وصول نہ کی جائے بلکہ اگر کمپنیوں سے وصول کی جا رہی ہے تو حصص پر وصول نہ ہو اور اگر حصص پر وصول کی جا رہی ہو تو کمپنیوں پر وصول نہ ہو، ان دونوں صورتوں میں سے بہتر یہ ہے کہ حصص پر وصول کی جائے۔

(۵) عشر کے بصورت نقد وصول کرنے کی پابندی ختم کی جائے بلکہ یہ امر مالک پیداوار پر چھوڑا جائے کہ وہ چاہے تو بصورت جنس ادا کرے اور چاہے تو بصورت نقد ادا کرے۔

(۶) ہر زرعی پیداوار میں سے چوتھائی حصہ جو کہ حکومت بطور منہائی اخراجات چھوڑ رہی ہے اس کے بارے میں یہ اعلان کیا جائے کہ اس حصہ کا عشر مالکان خود ادا کریں۔

(۷) شیڈول ۱ کے تحت تمام اثاثوں کے لیے قیمت مقرر کرنے کی تاریخ (VALUATION DATE) ایک ہی مقرر کی جائے اور مختلف اثاثوں کے لیے مختلف تاریخیں نہ رکھی جائیں البتہ زکوٰۃ وضع کرنے کی تاریخیں مختلف اثاثوں کے لحاظ سے مختلف ہو سکتی ہیں بشرطیکہ اثاثوں کے اسباب مختلف ہوں۔

(۸) قیمتی پتھروں اور مچھلیوں کو شیڈول ۲ سے خارج کیا جائے۔

(۹) شیڈول ۲ میں مویشیوں کی زکوٰۃ کی شرح بیان کرتے ہوئے پانچ سے پچیس اونٹ تک کی شرح بہت مجمل ہے جس سے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ پانچ سے پچیس اونٹوں تک ایک اونٹ واجب ہے۔ اس کی اصلاح کر کے واضح پر یہ لکھنا چاہیئے کہ پانچ سے پچیس اونٹوں تک ہر پانچ اونٹ پر ایک بکری واجب ہوگی۔

(۱۰) مصارف زکوٰۃ میں یہ وضاحت کی جائے کہ ہر صورت میں مستحق زکوٰۃ کو زکوٰۃ کا

مالک وقابض بنایا جائے گا، اور ادارے یہ رقمیں تعمیرات اور اساتذہ کی تنخواہوں میں صرف نہیں کرسکیں گے۔

——یہ چند تجاویز ہیں جو آرڈیننس کے فوری مطالعے سے سامنے آئیں۔——

ولعل اللہ یحدث بعد ذٰلک امرًا۔ وآخر دعوٰنا ان الحمد للہ رب العلمین۔

(۱) بندہ عبدالحق مہتمم دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک (پشاور) ۲۴/۹/۱۴۰۰ھ

(۲) رشید احمد عفا اللہ عنہ، دارالافتاء دارالعلوم کراچی۔ ۲۱/۸/۱۴۰۰ھ

(۳) محمد رفیع عثمانی عفا اللہ عنہ دارالافتاء دارالعلوم کراچی ۲۱/۸/۱۴۰۰ھ

(۴) احقر محمد تقی عثمانی عفی عنہ خادم " " " " " " "

(۵) (مفتی) ولی حسن دارالافتاء جامعہ علوم اسلامیہ بنوری ٹاؤن کراچی ۲۱/۸/۱۴۰۰ھ

(۶) عبدالرزاق اسکندر " " " " " " " "

(۷) بندہ سبحان محمود، دارالعلوم کراچی ۱۴

(۸) بندہ عبدالرؤف سکھروی، دارالافتاء " "

اسلامی قوانین کے نفاذ میں شیعہ سُنّی تفریق تباہ کُن ہے

(وفاقی مجلس شوریٰ کے اجلاس منعقدہ ۷ تا ۹ فروری ۱۹۸۳ء میں نظام عشر اور قاضی عدالتوں کے مسودوں پر مولانا سمیع الحق صاحب نے دس منٹ کے محدود وقت میں مختصر خطاب کے دوران دو اہم امور پر توجہ دلائی، مولانا کے اس خطاب کو قانون عشر و خراج کے ساتھ مناسبت کی وجہ سے وفاقی مجلس شوریٰ کی رپورٹنگ سے من وعن نقل کر کے افادۂ عام کیلئے قارئین میں شامل کیا جا رہا ہے۔ مرتب)

جناب چیئرمین: مولانا سمیع الحق صاحب!

مولانا سمیع الحق: نحمدہٗ ونصلّی علٰی رسولہ الکریم۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

جناب چیئرمین صاحب! عشر کے بارے میں ہمارے دوستوں نے نہایت فاضلانہ گفتگو کی ہے اور اس کے شرعی حیثیت سے جو نکات تھے وہ ہمارے علماء کرام نے بالتفصیل واضح کئے ہیں۔ اس محدود وقت میں مختصراً تین نکات کے بارے میں کچھ عرض کروں گا جن کی طرف بعض حضرات نے اشارہ بھی کیا ہے۔

عُشر کے ساتھ خراج بھی ہے: پہلا مسئلہ تو یہ ہے کہ اراضی کے متعلق، زمینوں کے متعلق اسلام کا جو نظامِ محاصل ہے وہ دو چیزوں سے عبارت ہے، عُشر اور خراج۔ تو ہم اس سمت میں جب قدم اٹھا رہے ہیں اور یہ ایک نہایت قابلِ تحسین قدم ہے، انشاء اللہ اس راستے میں جو خامیاں اور رکاوٹیں ہیں وہ آہستہ آہستہ ختم ہو جائیں گی، لیکن ہم نے نظامِ عشر کے ساتھ ساتھ خراج کے نظام کو بالکل یکسر نظر انداز کر دیا ہے، خراج معنی یہ ہے کہ جو اراضی غیر مسلموں کی ہیں اُن پر بھی عُشر کی طرح ایک خاص شرح سے ٹیکس لگایا جائے، عشر تو عبادات میں شامل ہے اور غیر مسلموں سے حاصل ہونے والے محاصل کو ہم عشر نہیں کہہ سکتے، لیکن اسلام کی نظر میں ایک اسلامی مملکت کے تمام شہری حقوق کے لحاظ سے بھی برابر ہوتے ہیں اور زاویوں کے لحاظ سے بھی۔ زمین جب اسلامی مملکت کی کسی مسلمان کے پاس ہے یا

دیئے جائیں گے اور اس کے محاصل بھی متعین ہیں اور جہاں جہاں اس کو خرچ کیا جائے گا وہ مصارف بھی متعین ہیں۔ لہٰذا موجودہ طریقہ تو بے حد خطرناک ہے کہ جس کی سارے عالم اسلام میں کوئی مثال نہیں ملتی، احوالِ شخصیہ کا معاملہ الگ ہے۔ پرسنل لاز میں ہم فقہی اختلافات کی گنجائش اور رعایت رکھیں گے لیکن جہاں مسئلہ آئے گا احوالِ عامہ اور پبلک لاز کا تو اس معاملے میں تفریق کسی جگہ بھی اختیار نہیں کی جائے گی۔ اس کے ایک خطرناک پہلو کا میں نے بحث کے موقع پر بھی ذکر کیا تھا۔ ہم سُنی حضرات یا شیعہ حضرات کے لیے اس طرح اپنے مسلک بدلنے کا راستہ نکالیں، مالی مفادات کی وجہ سے ایک شخص فارم میں یہ لکھے کہ میں فلاں مسلک سے تعلق رکھتا ہوں اور جہاں اُسے نقصان ہے وہ لکھے گا کہ میں فلاں مسلک سے تعلق رکھتا ہوں، اور جناب صدر صاحب نے خود ایک میٹنگ میں وعدہ کیا کہ غلط ڈیکلریشن پر سخت سزا مقرر کی جائے گی۔ مگر زکوٰۃ کے مسئلہ میں ایسا ہوا کہ ہزاروں لوگوں نے غلط ڈیکلریشن دیدیئے اور سُنی نے اپنے آپ کو شیعہ لکھ دیا، تو کیا کسی ایک ڈیکلریشن کو بھی شریعت کورٹ میں چیلنج کیا گیا ہے؟ نقصان اس کا سُنیوں کو ہے جو بد قسمتی یا خوش قسمتی سے اکثریت میں ہیں لیکن وہ گھاٹے میں جا رہے ہیں، سُنی محض مالی مفادات کی خاطر ایسا کر رہے ہیں کیونکہ یہ لوگوں کی کمزوری ہے۔ تو کئی لکھ دیتے ہیں کہ ہم شیعہ ہیں۔ زکوٰۃ کے مسئلے میں بھی ایسا ہی ہوا، یہی فارم کل ہمارے خلاف دلیل بنیں گے کہ شیعوں کی اتنی بڑی تعداد ہے تو تم شیعہ کو سُنی اور سُنی کو شیعہ بننے کا راستہ کیوں کھولتے ہو؟ اس کو اسلامی اصطلاح میں الحاد اور زندقہ کہا جاتا ہے۔ تو میں کہتا ہوں کہ اگر حکومت نے اسلامی نظام نافذ کرنا ہے تو خدا را ان کے اصول کے مطابق، ان کے مسلک کے مطابق، ان کی رائے کے مطابق بھی کوئی طریقِ کار وضع کیا جائے، ان کو کھلا نہیں چھوڑ دینا چاہیئے۔ کمال تو یہ ہے کہ مصارفِ زکوٰۃ اور مصارفِ عُشر کی تقسیم میں تو آپ نے کوئی تمیز متعین نہیں کی کہ اس میں شیعہ یا سُنی کا امتیاز کس طرح کیا جائے گا؟ لیکن لیتے تو آپ ایک خاص طبقہ (اہلسنت) سے ہیں اور تقسیم کرنے میں فراخ دلی اختیار کرتے ہیں، لینے والا خواہ شیعہ ہو یا سُنی وہ لے سکتا ہے۔

مراعات کے لیے حکومتِ عادلہ ضروری نہیں تو ذمہ داریوں کے لیے کیوں؟

ہمارے شیعہ دوست کہتے ہیں کہ جب حکومت عادلہ ہوگی تب یہ چیزیں ہم پر لازم ہونگی حکومتِ عادلہ کی یہ نرالی منطق ہماری سمجھ سے بالا ہے۔ اگر دنیاوی عہدوں کیلئے، مناصب کے لیے، مراعات کے لیے حکومت، حکومتِ عادلہ

کسی کافر کے پاس ہے تو اسلام یہ نہیں کہتا کہ غیر مسلم کی زمین اسی طرح چھوڑ دو اور صرف مسلمانوں پر ٹیکس لگادو یا عشر لگادو۔ تو جو اراضی غیر مسلم حضرات اور شہریوں کے پاس ہے اس پر بھی خراج لگایا جائے اگر ہمیں اسلامی اصطلاحات سے شرم آتی ہے اور ہم احساس کہتری میں ضرورت سے زیادہ مبتلا ہوتے ہیں تو ہم خراج کی بجائے اس کا نام کوئی اور بھی رکھ سکتے ہیں، لیکن خدا کی ساری زمین برابر ہے، یہ جن لوگوں کی ملکیت ہے ان میں کسی کو مستثنیٰ قرار دینا اور کسی کو پابند بنانا اس کی اسلامی تاریخ میں کہیں بھی مثال نہیں ملتی۔

پبلک لاء میں تفریق تباہ کن ہے

اس کے علاوہ ایک دوسری بات بھی بڑے درد اور افسوس سے کہتا ہوں، اسے کوئی غلط معنی نہ پہنایا جائے جناب وزیر خزانہ صاحب نے کل بڑے مدلل جواب دیئے لیکن اس مسئلے کو انہوں نے ہلکا سمجھا اور گول مول کے انداز میں اسے چھوڑ دیا۔ مسئلہ یہ ہے کہ ہم ایک مسلم مملکت کے مسلمان شہری ہیں تو ہمیں مکمل نظری یکجہتی اور یکانگت کی ضرورت ہے، ہماری حمزہ کمیٹی کی رپورٹ میں بھی اس جانب مناسب انداز سے توجہ دلائی گئی ہے کہ عشر کے معاملے میں یا کسی بھی اسلامی قانون کے بارے میں دو طریقے اختیار کرنا اور فقہی مسائل کو راستے کی رکاوٹ سمجھ کر کچھ لوگوں کو مستثنیٰ قرار دیدینا یہ چیز آگے چل کر ملک کے لیے بڑی خطرناک ثابت ہو سکتی ہے۔ خدا کی قسم میں یہ کسی تعصب کی وجہ سے نہیں کہتا ہوں بلکہ شیعہ حضرات کی خیر خواہی میں کہتا ہوں جنہوں نے خود مجھ سے بات کی ہے، یہاں میرے بھائی نصرت علی شاہ صاحب اور کئی دوسرے حضرات بھی ہیں جنہوں نے اس وقت بھی اپنے جذبات کا اظہار کیا تھا کہ چند سیاسی طالع آزماؤں کی وجہ سے (اور وہ ہر فرقہ میں ہوتے ہیں) ملک کی گاڑی کو ایسی پٹڑی پر ڈالا جا رہا ہے جس کا انجام بالآخر انتشار و افتراق ہوگا، یہ بہت خطرناک چیز ہے۔ حدود آرڈیننس کے مسئلہ میں ایسے ہی ہوا اور پھر زکوٰۃ کے مسئلہ میں بھی یہی کچھ ہوا۔ اگر کسی فرقہ کو ہمارے فقہی مسلک سے اختلاف ہے تو ہم بڑی فراخدلی سے اس کا خیر مقدم کریں گے، لیکن ان کے ہاں بھی ایک نظام ہے، کچھ قوانین ہیں، کچھ احکام ہیں جبکہ شریعت اسلامیہ نے کسی بھی فرقے کو بالکل آزاد نہیں چھوڑا۔

مثلاً ہمارے شیعہ حضرات کی فقہ میں بھی چار چیزوں پر عشر ہے، گیہوں، کھجور، کشمش اور جو میں، ان کی فقہ میں بھی ان چار چیزوں پر عشر ہے، اور جن چیزوں پر وہ عشر کے قائل نہیں ہیں ان کے متعلق یہ کہتے ہیں کہ ان کا خمس دینا چاہیئے، ان کا عقیدہ ہے کہ سو من میں سے بیس من

ہے توحکومت کی طرف سے جو ذمہ داریاں رعایا پر عائد ہوتی ہیں تو اس کے لیے وہ حکومت، کیوں حکومت عادلہ نہیں سمجھی جاتی؟ تو میں کہتا ہوں کہ اس طرح بدقسمتی سے ایک چیز عوام کے دلوں میں پیدا ہو رہی ہے، ہم تو یہی کہتے ہیں کہ شیعہ اور سنی ہمیشہ بھائیوں کی طرح رہیں اور ملک پر آواز نہ اٹھے اور لوگ یہ نہ کہیں کہ آج اس معاملہ میں شیعہ ہم سے جدا ہو گئے ہیں تو آخر کار سنیوں کی طرف سے بھی یہ آواز اٹھے گی کہ بھائی جب یہ الگ ہو رہے ہیں تو ہمیں بھی الگ کر دو اور انہیں بھی الگ کر دو۔ خدا نہ کرے خدا نہ کرے اگر ایسا ہو گیا تو یہ ملک و قوم کیلئے نہایت خطرناک ہوگا۔

کل جناب وزیر خزانہ نے کہا کہ یہ مسئلہ علماء کی افہام و تفہیم کا ہے۔ کمال یہ ہے کہ کیا علماء میں افہام و تفہیم سے ایسے احکامات لاگو ہو سکتے ہیں جو حکومت لاگو نہیں کر سکتی، علماء کیسے بیٹھ کر کیسے افہام و تفہیم کریں؟ علماء تو آپ کو کہتے ہیں کہ بھائی عشر نافذ ہی نہ کرو، آپ کے جو علماء ہیں ان کی اکثریت آپ کے خلاف ہے۔ میں آپ کو یہ حقیقت بتاؤں کہ علماء کہتے ہیں کہ عشر نافذ ہی مت کرو، زکوٰۃ مت نافذ کرو، لیکن اس مسئلے میں تو آپ علماء کو نہیں دیکھتے اور اس مسئلہ میں آپ علماء کو کہتے ہیں کہ آپس میں افہام و تفہیم پیدا کریں جو علماء کے بس کی بات نہیں۔ باہمی مفاہمت پیدا کرنا، یکجہتی کو قائم کرنا ان قوانین میں، یہ حکومت کا اولین فرض ہے اور انشاء اللہ دونوں طبقوں میں معتدل، سنجیدہ اور مخلص حضرات موجود ہیں وہ اس چیز کو گوارا نہیں کریں گے۔ تو انشاء اللہ العزیز اللہ تعالیٰ آپ کیلئے یہ راستہ آسان بنا دے گا ورنہ کہاں کہاں آپ یہ دو عملی اور تفریق کا سلسلہ جاری رکھیں گے؟

عشر اور نصف العشر

تیسری میری گذارش یہ تھی کہ اخراجات کے سلسلے میں مسئلہ کو خواہ مخواہ الجھا دیا گیا ہے، شریعت نے خود کھیتی باڑی پر اٹھنے والے مصارف پر رعایت رکھی ہے بارانی زمینوں پر زیادہ اخراجات نہیں اٹھتے اسلئے اس پر عشر یعنی دسواں حصہ اور نہری یا چاہی زمینوں پر نصف العشر یعنی بیسواں حصہ، یعنی عشر کی اس کو رعایت دیدی گئی ہے۔ تو یہ ایک عجیب صورت حال ہے کہ اخراجات کو منہا کرنے کی کو منہا کرنے کی پوری اسلامی تاریخ میں مثال نہیں ملتی کہ عشر نافذ کیا گیا ہو تو اس میں اخراجات کو منہا کیا گیا ہو پہلے اللہ تعالیٰ نے اس کی رعایت رکھی ہے، تو اس مسئلے کو اتنا نہ الجھایا جاتا اور عشر اور نصف العشر پر چھوڑ دیا جاتا۔

تو جناب والا میری بنیادی بات وہ ہے جو درمیان میں میں نے کہہ دی کہ فقہی اختلافات کا یہ سلسلہ نہ ایران میں ہے نہ عراق میں، نہ مصر میں اور نہ شام میں ہے، خدا کے لیے اس سلسلے کو روکا جائے اور اس کی اب بھی تلافی کی جائے۔ شکریہ!

زکوٰۃ ـــــ اور متجددین

قصرِ اسلام میں شگاف کی سعی

زکوٰۃ ایک عبادت ہے جو اللہ تعالیٰ نے صاحبِ نصاب مسلمانوں پر فرض کی ہے بلکہ اس کو اسلامی عمارت کا ایک اہم ستون قرار دیا ہے۔ عصر حاضر میں بعض "روشن خیال" اور "متجددین" مثلاً ڈاکٹر فضل الرحمٰن سابق ڈائریکٹر ادارہ تحقیقاتِ اسلامی پاکستان وغیرہ نے حکمرانوں کے سیاسی مقاصد کی تکمیل کے لیے علماءِ اسلام، مدارسِ دینیہ اور دین کا درد رکھنے والوں کے نام ناکام مہم شروع کی تھی اس ضمن میں زکوٰۃ کو عبادت سے نکال کر ٹیکس قرار دینے کے لیے تحریری طور پر آغاز کر دیا گیا۔ حضرت مولانا سمیع الحق صاحب مدظلہ العالی نے اس باطل نظریئے اور متجددین کی تحریرات کا تعاقب کرتے ہوئے "قصرِ اسلام میں شگاف کی سعی" کے عنوان سے ایک جاندار مضمون لکھا جو ماہنامہ الحق میں شائع بھی ہوا، جسے اب "فتاویٰ حقانیہ" میں افادۂ عام کے لیے شامل کیا جاتا ہے۔ (مرتب)

وہ ملک جو ایک طویل اور پیہم جدوجہد اور انمٹ قربانیوں کے بعد حاصل کیا گیا جس کی خاطر لاکھوں مسلمانوں کو آگ اور خون کے طوفانوں سے گزرنا پڑا۔ ہزاروں عصمتوں کے چراغ بجھے اور لاکھوں مظلوم زندگیاں اغیار کے ہاتھوں لٹ گئیں۔ غرض مسلمان زندگی کی ہر متاع اور عمر بھر کی پونجی اس کی راہ میں لٹا کر بھی مسرور و شاداں تھے کہ ؎

حاصلِ عمر نثارِ رہِ یارے کردم
شادم از زندگیِ خویش کہ کارے کردم

اب اگر کوئی بدبخت اور ناعاقبت اندیش اٹھے اور اس کی بنیادوں کو ہی ڈائنامیٹ کرے، اس کی دیواروں میں شگاف ڈالے تو کیا اس کے ایسے غدارانہ حرکات کو لمحہ بھر برداشت

کیا جائے گا۔ کیا ایسا شخص قومی غدار کہلانے کا مستحق نہ ہو گا جو اس مضبوط حصار میں نقب لگا کر قومی قتل کا مجرم بنے؟

ملت حنیفیہ کی حفاظت کیلئے حضورؐ اور صحابہؓ کی قربانیاں

امت مسلمہ کا وہ مضبوط اور آہنی حصار جس کے استحکام پہ نہ صرف ہماری ملکہ رہتی دنیا تک سسکتی ہوئی انسانیت کا مدار ہے اور جسے ہم اسلام اور ملت حنیفیہ کے پیارے نام سے تعبیر کرتے ہیں، کی خشت اوّل معمار اوّل حضرت ابراہیم علیہ السلام کے مبارک ہاتھوں رکھی گئی اور تکمیل نوامیس فطرت کے سب سے بڑے علمبردار اور کامل واکمل ہستی نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھوں ہوئی۔ آپ نے دن کا سکھ اور رات کا چین اس راہ میں قربان کر دیا۔ اس گھر کی تکمیل میں وہ مصیبتیں جھیلیں جو مخلوق میں سے کسی نے اس سے پہلے نہ سہیں۔ اوذیت فی اللہ مالم یوذ احداوکما قال ان کے معصوم اور پاکیزہ دل کی ہر دھڑکن اور ہر آرزو اس حصار کے استحکام اور مضبوطی سے وابستہ رہی کہ اب قیامت تک آنے والی مخلوق کی حقیقی فلاح دلقااس "خدائی قلعہ" کی مضبوطی سے وابستہ تھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے مقدس صحابہ سمیت اپنی زندگی، مال وجان، عزت و آبرو، گھر بار، ملک و وطن، غرض سب کچھ اسی اسلام کی حفاظت واشاعت اور مدافعت میں قربان کر دیا اور جس وقت وہ ذات قدسی صفات اس عالم خاکی سے روپوش ہوئی تو دین کا یہ "قصر" ایک حسین وجمیل کامل ومکمل مرقع کی شکل میں دنیا کے سامنے موجود تھا۔ اس میں ذرہ بھر خامی نہ تھی جس کی تکمیل وتعمیر کے لیے کسی دوسرے معمار کی ضرورت پڑے

ارکانِ خمسہ

ہر عمارت ستونوں، چھتوں اور در و دیوار سے عبارت اور اپنی مضبوط اور راسخ بنیادوں پر استوار ہوتی ہے۔ اسی طرح اسلام کی عظیم الشان عمارت بھی ان بنیادوں اور ستونوں پہ قائم ہے جسے ہم ارکان خمسہ (شہادتین، نماز، زکوٰۃ، روزہ اور حج) کے نام سے جانتے اور

پہچانتے ہیں اور جیسے حضور اقدس ؐ نے دعائم الاسلام (اسلام کے ستون) سے تعبیر کیا۔ (ملاحظہ ہو عمدۃ القاری جلد ا ص۱۲۴ بحوالہ مصنف عبدالرزاق) اگر ان بنیادی ستونوں میں سے ایک کو ہٹا دیا جائے یا ذرا ٹیڑھا کر دیا جائے تو پوری عمارت دھڑام سے گر جائے گی جو بالآخر اس کے تمام مکینوں کی تباہی اور ہلاکت پر منتج ہوگی۔ اگر کوئی خرد باختہ شخص اس عمارت کی بنیادوں پر ضرب لگاتا اور اسے اپنی جگہ سے ہلاتا ہے تو عاقبت اندیشی یہی ہے کہ اس عمارت کے تمام باشندے اٹھ کر ان ہاتھوں کو توڑ دیں جو پوری ملت کے نقصان اور تباہی کا سبب بن رہے ہیں۔ نہ صرف یہ بلکہ وہ تمام ہاتھ بھی شل کر دیئے جو پس پردہ اس مل جوڑ کی پشت پناہی کر رہے ہوں۔ یہ ایک بڑی اور سچی حقیقت ہے جو اسلام اور دین محمدی کی اہمیت، اس کی عظمت اور نزاکت کے بارہ میں خود حضور اقدس ؐ نے ایک سیدھی سادھی مثال سے ذہن نشین کرادی اور بار بار فرمایا جسے بے شمار صحابہ نے مختلف طرق سے نقل کیا۔

بنی الاسلام علی خمس	اسلام کا یہ عظیم الشان کارخانہ پانچ
شہادۃ ان لا الٰہ الا اللہ وان محمداً	ستونوں پر کھڑا کر دیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ
رسول اللہ واقام الصلوٰۃ	کی وحدانیت اور رسالت محمدیؐ کا
وایتاء الزکوٰۃ والحج	اقرار نماز ادا کرنا، زکوٰۃ دینا، حج کرنا
وصوم رمضان۔	اور رمضان کے روزے رکھنا۔

عن عبداللہ بن عمر۔ بخاری۔ مسلم۔ ترمذی۔ نسائی

کہیں ان ارکان کو دعائم الاسلام کہا گیا اور کہیں عماد کے لفظ سے ان کی اساسی حیثیت پر روشنی ڈالی گئی۔ خود قرآن مجید کے اکثر مضامین، احکام اور اوامر و نواہی قصص و آداب امثال و مواعظ کا مرکزی نقطہ بھی یہی ارکان پنجگانہ ہیں کہ ان ہی پر دین و آخرت اور غیب کا سارا عالم استوار ہے

ارکان کا باہمی ربط و تعلق

پھر نہ صرف یہ کہ اس قصر دین کی بقا ان ارکان کی مجموعی حیثیت پر موقوف ہے بلکہ یہ سارے ارکان آپس میں ایسے مربوط اور وابستہ ہیں کہ اگر ان میں ایک نہ ہو تو باقی

تمام ارکان میں اضمحلال رونما ہو اور پوری عمارت کا توازن برقرار نہ رہ سکے۔ اگر ان میں سے ایک کی ضرورت واہمیت بھی محسوس نہ ہو یا اسے فالتو سمجھ لیا جائے یا اس کی ہیئت اساسی میں تبدیلی کی سعی کی جائے خواہ وہ ایمان باللہ ہو یا نماز زکوٰۃ ہو یا حج اور روزہ تو ایسا شخص اس پوری عمارت کا دشمن ہے کیونکہ اس قصر متین کا ہر جز دیگر اجزاء وارکان کو سنبھالے ہوئے ہے، جس معمار نے ہدایات ربانی کی روشنی میں یہ عمارت تیار کی اور اس کا نقشہ بنایا۔ اس نے ان ارکان کا یہ باہمی ربط وتعلق اور اس کی اہمیت بھی ان الفاظ میں جتلادی کہ:۔

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم	(ایمان لانے کے بعد) چار چیزیں ہیں جنہیں
اربعٌ فرضھن اللہ فی الاسلام	اللہ تعالیٰ نے اسلام میں فرض قرار دیا
فمن جاء بثلاثٍ	ہے۔ نماز۔ زکوٰۃ۔ روزہ اور بیت
لم یغنین عنہٗ	اللہ کا حج جو شخص ان میں سے تین بھی
شیئاً حتی یأتی بھن	ادا کرے (اور کسی ایک کی فرضیت کا
جمیعاً الصلوٰۃ والزکوٰۃ	بھی منکر ہو) تو وہ اس کے کام نہیں
وصیامُ رمضان وحج البیت	آسکتیں جب تک سب کے سب
(ترجمان السنۃ بحوالہ احمد وطبرانی)	نہ کرے (یعنی سب پر ایمان ویقین نہ ہو)

ان چاروں ارکان میں زکوٰۃ بھی اتنی ہی اہم ہے جتنی کہ نماز (اور اس وجہ سے قرآن نے ہر جگہ اقیموا الصلوٰۃ کے بعد آتوا الزکوٰۃ کا حکم دیا۔) روزہ بھی ایسا ہی فرض ہے اور بنیادی عبادت ہے جیسا کہ حج۔

کسی ایک رکن سے انکار یا تبدیلی کرنا بھی کفر ہے

اگر کوئی شخص ایمان کا مدعی ہے۔ مگر نماز یا زکوٰۃ سے انکار کرتا ہے یا اس خاکہ میں تبدیلی وترمیم کی ناروا جسارت کرتا ہے جو اس کے معمار اوّل نے ان عبادات کے لئے تیار فرمایا تو اسے اس قصر محمدی میں رہنے کا کوئی حق حاصل نہیں اور نہ اس کا دعوٰے ایمانی قابل اعتنا ہے خواہ وہ ہزار بار اس کے استحکام و

تعمیر کی رٹ لگاتا رہے اور ہمارے اس دعوے کا ماخذ خود قرآن کریم، سنّت رسولؐ اور صحابہ کرام و خلفاءؓ راشدین کا طرزِ عمل ہے۔ ارشاد ربانی ہے:۔

فاقتلوا المشرکین حیث وجدتموھم — ان مشرکوں کو جہاں پاؤ قتل کر دو پس

فان تابوا واقاموا الصلوٰۃ واتوا الزکوٰۃ — اگر وہ تائب ہو کر نماز قائم کریں اور

فخلوا سبیلھم (توبہ) — زکوٰۃ دیں تو ان کا راستہ چھوڑ دو۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت میں ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تک لوگ توحید اور رسالت کا اقرار اور نماز و زکوٰۃ ادا نہ کریں تو مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں ان سے جنگ کرتا رہوں۔ جب وہ ایسا کرنے لگیں تب وہ اپنے مال و آبرو کو مجھ سے محفوظ کر سکیں گے۔ (بخاری و مسلم)

پھر ان ارکان کے باہمی ارتباط کی وضاحت اس طرح فرمائی کہ جب بنو ثقیف کے ایک وفد نے طائف سے خدمت اقدس میں حاضر ہو کر اسلام قبول کرنے کا ارادہ ظاہر کیا مگر اس شرط پر کہ اسلام کے ایک اہم رکن نماز سے ہمیں معاف رکھا جائے تو حضورؐ نے بڑی سختی اور حقارت سے ان کی یہ درخواست ٹھکرا دی اور فرمایا کہ:۔

لاخیر فی دین لاصلوٰۃ فیہ — بھلا وہ دین ہی کیا کہ جس میں نماز ہی نہ ہو

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے اس مفہوم کو ان الفاظ میں ظاہر فرمایا:۔

من لم یزک فلاصلوٰۃ لہ — جو زکوٰۃ نہ دے اس کی نماز بھی قبول نہیں
(ترجمان السنۃ ص۳۵۵)

خلیفۃ الرسولؐ سیدنا صدیق اکبرؓ نے صحابہ کے بھرے مجمع میں اعلان فرمایا کہ:

واللہ لاقاتلن من فرق بین الصلوٰۃ والزکوٰۃ۔ — خدا کی قسم جو شخص نماز اور زکوٰۃ میں فرق کرے گا۔ (ان میں سے ایک کی تعبدی حیثیت سے انکار کرے گا) تو میں اس سے قتال کروں گا۔

منکرین زکوٰۃ اور فراست صدیقی

عہد رسالت کے فوراً بعد جب بعض غیر راسخ الایمان قبائل۔ عبس و ذبیان۔ بنو کنانہ۔ غطفان اور بنو فزارہ نے زکوٰۃ ادا کرنے سے انکار کیا تو خلیفۃ المومنین سیدنا صدیق اکبرؓ نے اپنی ایمانی فراست کی بنا پر اس باغیانہ اور کافرانہ جسارت کے مہلک اثرات اور نتائج کو فوراً بھانپ لیا کہ اگر اس وقت قصر محمدی کی بنیادوں پر یہ پہلی کاری ضرب برداشت کر لی گئی تو آگے چل کر بد باطن منافقین، زنادقین اور محرفین کے ہاتھوں یہ پوری عمارت پیوند خاک ہو کر رہ جائے گی (ولا فعل اللّٰہ کذلک الی یوم القیامۃ) حضرت صدیق اکبرؓ نے جرأت ایمانی سے کام لے کر تلوار نیام سے نکالی اور ایک خونریز جنگ کے بعد اس فتنہ کو تہ خاک کر دیا۔ جزاہ اللّٰہ عن الاسلام والمسلمین۔

حضرت صدیق کو زکوٰۃ یا اس کے تعیّن حیثیت سے کام کرنے والوں کے اقدام کے کفر وارتداد ہونے میں ذرا بھر تردد نہ ہوا اور یہ اس لئے کہ بقول امام العصر حضرت علامہ انور شاہ صاحب کشمیری علیہ الرحمۃ۔

ان الایمان اسم لالتزام کل الدین فمن فرق بین الصلاۃ والزکوٰۃ۔ فکانہ لم یومن بالکل ومن لم یومن بالکل فھو کافر قطعا۔ (فیض الباری ص۲)	بنابریں کہ ایمان نام ہے پورے دین کے التزام کا۔ پس اگر کوئی نماز اور زکوٰۃ میں تفریق کرتا ہے۔ گویا وہ پورے دین پر ایمان نہ لایا اور جو پورے دین پر ایمان نہ لایا وہ شخص قطعی کافر ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بھی جب اندازہ ہوا کہ ان لوگوں کی جسارت محض حکومت سے سرکشی یا بغاوت نہیں بلکہ سرے سے دین کے ایک اہم رکن کا انکار یا اس میں تحریف اور غلط تاویل کرنا ہے جس کے تباہ کن اثرات پورے دین پر پڑ سکتے ہیں تو اس کا سینہ بھی اس بارہ میں

کھل گیا اور نہ صرف حضرت فاروق اعظمؓ بلکہ تمام صحابہ نے حضرت صدیقؓ کا قولاً وعملاً ساتھ دیا اور اس طرح ایک رکن اسلام (زکوٰۃ) کی قطعیت میں صحابہ کا اجماع منعقد ہوا۔ اور ایسا اجماع جس کے نفاذ میں مخالفین کا خون بہانے سے بھی دریغ نہیں کیا گیا۔

مانعین زکوٰۃ بھی زکوٰۃ کو ٹیکس سمجھ رہے تھے

مانعین زکوٰۃ کے اس اقدام کے اسباب وعوامل کی تلاش میں ہمیں یہ بات بھی مل جاتی ہے کہ منکرین زکوٰۃ نہ صرف سیدنا صدیق اکبرؓ کو زکوٰۃ دینے کے مخالف تھے بلکہ اپنی ایک من گھڑت رائے اور نظریہ کی بنا پر زکوٰۃ کو صرف ایک ٹیکس سمجھنے لگے تھے اور اس طرح اس کی عبادتی حیثیت سے انکار کر رہے تھے۔ محدث جلیل علامہ کشمیریؒ فرماتے ہیں:۔

وإنما زعموا أن الزكوٰة جباية	منکرین زکوٰۃ کا گمان تھا کہ زکوٰۃ ایک
مالية كما يجبي السلطان من	مالی ٹیکس ہے۔ جیسا کہ بادشاہ اپنی
الرعايا جبايات من جهات	رعایا سے کئی طرح کے ٹیکس وصول
فكانت إلى النبي صلى الله عليه	کرتا ہے۔ پس حضورؐ کے زمانہ میں
وسلّم في عهده وإذا وليتها	تو اس ٹیکس کی وصولی حضورؐ کا حق تھا
غيرنا ولاة منا سقطت	اور جب ہم نے اپنوں میں سے والی اور
وبقيت كسائر الجبايات	حاکم چن لئے تو زکوٰۃ ہم سے ساقط ہوئی
على رأي الوالي۔	اور دیگر ٹیکسوں کی طرح اب زکوٰۃ کا
(فیض الباری ص ۱۰۹/۱۲۰)	معاملہ بھی حاکم کی رائے پر ہے۔

ٹھیک چودہ سو سال بعد قرن اوّل کے مانعین زکوٰۃ کا یہی استدلال اور ارکان اسلام سے بغاوت کا اعادہ ہے جو آج اسلامک ریسرچ انسٹی ٹیوٹ (ادارہ تحقیقات اسلامیہ) کے سربراہ ڈاکٹر فضل الرحمان اور اس کی لادینی ریسرچ وتحقیق کی صورت میں ہمارے سامنے ہو رہا ہے۔

زکوٰۃ کے مقادیر اور مصارف میں قطع برید جائز نہیں

ڈاکٹر فضل الرحمان فرماتے ہیں: "معاشرہ کی ضروریات کے لئے زکوٰۃ کی موجودہ شرح کافی نہیں۔ حکومت کو اس میں اضافہ کا حق حاصل ہے (فکر و نظر اکتوبر ۱۹۶۴ء) پی پی اے کے نمائندہ کو اپنے انٹرویو میں بتایا۔ قرآن مقدس میں مسلمانوں پر مملکت کو صرف ایک ہی ٹیکس لگانے کا اختیار دیا گیا ہے اور وہ زکوٰۃ ہے۔ یہ ٹیکس بنیادی طور پر اس لئے وضع کیا گیا تھا کہ اسے مملکت کی مختلف ضروریات پوری کرتے ہوئے مسلم معاشرہ کی سماجی ترقی بلکہ مملکت کی دفاعی اور دیگر ضروریات سول سروس ٹرانسپورٹ اور بیرونی قرضے وغیرہ پر بھی لگایا جائے۔ الخ

کیا خوب فرمایا ڈاکٹر صاحب نے خدا نے تو قرآن میں زکوٰۃ کے خرچ کے لئے مصارف ہشتگانہ مخصوص فرمائے۔ رسولؐ نے اس کے نصاب اور مقادیر متعین کئے اور اس کے تقسیم و خرچ میں اتنا اہتمام برتا کہ ایک بار جب ایک شخص نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے زکوٰۃ کے مال میں سے کچھ دینے کی درخواست کی تو آپ نے فرمایا "اے شخص اللہ تعالیٰ نے مال زکوٰۃ کی تقسیم میں کسی انسان کو بلکہ خود پیغمبر تک کو خود اختیار نہیں دیا ہے بلکہ اس کی تقسیم خود اپنے ہاتھ میں رکھی ہے اور اس کے آٹھ مصارف بیان کر دیئے ہیں۔ اگر تم ان آٹھ مصارف میں داخل ہو تو میں تم کو دے سکتا ہوں ــــ (ورنہ نہیں) (ابوداؤد کتاب الزکوٰۃ)

اسلامی ریاست کے ذرائع آمدنی

پھر یہ بات مضحکہ خیز ہے کہ اسلام میں زکوٰۃ کے علاوہ ملکی ضروریات کے لئے کوئی اور آمدنی مقرر نہیں کی گئی۔ آخر ڈاکٹر ایسے "محقق" کے بارہ میں یہ بات نادانی پر محمول کی جائے گی یا تجاہل عارفانہ پر۔ اسلام نے ایک اسلامی ریاست کے مصارف اور ضروریات کے لئے بے شمار ذرائع متعین فرمائے ہیں۔ آمدنی کا ایک ذریعہ خراج ہے۔ جو غیر مسلموں کی ان اراضی سے لیا جائے گا جس پر مقابلہ یا صلح کے بعد مسلمانوں کا تسلط قائم ہوا ہو اور جو زمین کی پیداوار، زرخیزی اور وسائل آبپاشی کی سہولت کو ملحوظ رکھ کر پیمائش یا بٹوارے کے طریقے پر لگایا جائے گا۔ امام ابو یوسفؒ کے الفاظ میں اس کی وصولی کے لئے وہ افسر مقرر ہوں گے جو فقیہ، عالم،

پاکباز، منصف مزاج، متدین اور خودرائی سے اجتناب کرنے والے ہوں۔

ایک ذریعہ جزیہ ہے جو غیر مسلم اہل ذمہ سے وصول ہوگا اور اسلامی ریاست ان کے شہری حقوق اور مال وجان کی محافظ ہوگی۔ اس طرح غنیمت کا مخصوص حصہ جو غیر مسلموں سے جنگ کے دوران قیدیوں اور مال ودولت کی صورت میں حاصل ہوگا۔ فئے جو دشمن سے بغیر جنگ وجدال کے مسلمانوں کے ہاتھ آئے گا معادن اور رکاز۔ مدفون خزانہ یا معدن کا پانچواں حصہ بھی بیت المال میں داخل ہوگا اس طرح لگان، اجارہ یا ٹھیکہ کی آمدنی کہ زمین کا کوئی قطعہ کسی کاروبار کے لئے کسی شخص کو اس شرط پر دے دیا جاتا ہے کہ وہ اس کے منافع میں سے ایک مخصوص قسط بیت المال میں داخل کرے گا۔ اس کے علاوہ عشر کی شکل میں زمین پر محصول یعنی پیداوار کا ۱/۱۰ حصہ یا دوسری قسم اراضی پر نصف العشر یعنی ۱/۲۰ حصہ جس میں کمی یا زیادتی کا اختیار نہیں اور جس کے مصارف اور مقدار بھی مقدر اور معین ہیں۔ ان کے علاوہ غیر ملکی درآمد پر محصول (امپورٹ ڈیوٹی) جو حضرت عمرؓ کے زمانہ میں لگایا گیا جبکہ دوسرے ممالک مسلمان تاجروں کے اموال پر اس قسم کی ڈیوٹی لگانے لگے۔ اگر ایک اسلامی حکومت واقعی اسلامی بنیادوں اور حقوق پر قائم ہو۔ اسلامی نظام کا احیاء اور نفاذ کرتی ہو اور محاصل ومصارف میں قرآن وسنت کی ہدایات کی سختی سے پیروی کرتی ہو تو ایسی حکومت مذکورہ اشیاء کے علاوہ دوسرے محاصل اور ٹیکس بھی لگا سکتی ہے۔ فقہائے اسلام نے تصریح کر دی ہے کہ ملکی دفاع، فوجی قوت کے استحکام، پولیس کے اخراجات یا رفاہی امور نہروں کی کھدائی، پلوں کی تعمیر، قیدیوں کی رہائی وغیرہ کے لئے مقررہ اور ہنگامی دونوں قسم کے محاصل وصول کئے جا سکتے ہیں۔ (ہدایہ کتاب الکفالۃ اور دیگر کتب فقہ) نہ یہ کہ زکوٰۃ کی ہیئت سالمہ کو بدل کر ٹیکس بنا دیا جائے اور اللہ تعالیٰ کے مقدر ومعین مصارف کے علاوہ اسے دیگر ضروریات پر خرچ کیا جائے۔

جاہلی نظریات کی جدید تعبیر

عہد حاضر کے ان نام نہاد محققین نے آج ان تمام جاہلی نظریات کو دجل وتلبیس اور تحریف وتاویل کے حربوں سے مسلح ہو کر اسلام کی جدید تعبیر کے روپ میں دوبارہ پیش کر دیا ہے جن کو اسلام نے سختی سے غلط ٹھہرایا اور جسے اس کے پیغمبر اعظم ﷺ نے

قدموں کے نیچے پامال کیا۔ جاہلیت اولیٰ کے منحوس دیو کی وہی روح بد ہے جو کبھی مرزا غلام احمد قادیانی کے بھیس میں ظاہر ہوتی ہے اور کبھی غلام احمد پرویز کا روپ دھار لیتی ہے اور کبھی ڈاکٹر فضل الرحمان اور ان جیسے محققین اور مغرب زدہ دانشوروں میں جلوہ گر ہو جاتی ہے اور پھر تمام فتنہ سامانیوں کے ساتھ اسلام کے ایک ایک رکن اور ایک ایک اساس پر حملہ آور ہوتی ہے۔ اپنے وقت کے شیطنی ذرائع اور وسائل اس کی پشت پر ہوتے ہیں۔ کبھی اس کا وار رسالت محمدی کی بنیاد "ختم نبوت" پر ہوتا ہے تو کبھی آپؐ کی سنت کی تشریعی حیثیت اور منصب رسالت پر۔ کبھی تجدد اور نئی روشنی کے نام پر مسلمانوں کے "پرسنل لاء" کو مسخ کیا جاتا ہے تو کبھی ظاہری ترقی اور مغربیت کی چمک دمک سے اسلام کے پورے معاشرتی نظام، طلاق، نکاح، عدۃ، میراث وغیرہ میں دست درازیاں کی جاتی ہیں اس صدی میں اس طاغوتی روح نے مسلمانوں کے پورے اقتصادی ڈھانچہ، تجارت اور صنعت کو اسی جاہلی نظام، سود، قمار، حرام کاروبار، معاشی دستبرد اور ظلم و تعدی کی بنیادوں پر کھڑا کر دیا ہے اور سارے عالم اسلام کی ہیئت حاکمہ اور قوت نافذہ کو اپنے ڈگر پر ڈال دیا ہے۔ اس کا منحوس سایہ مسلمانوں کے پورے نظام اخلاق و کردار، تمدن اور طرز معاشرت پر پڑ چکا ہے اور اس کی جگہ مغربی خود غرضی، نفس پروری، مادہ پرستی جنسی ہیجان اور اباحیت نے قدم جمالئے ہیں اور بدءَ الاسلام غریباً و سیعود غریبا کا منظر سامنے ہے۔

غفلت یا مداہنت کے ہولناک نتائج ان حالات میں اگر ملت مسلمہ لمحہ بھر بھی غفلت اور مداہنت یا رواداری سے کام لے اور اسلام کی ایک ایک بنیاد اور اصول پر شیطنت کا یہ وار سہتی رہے تو ظاہر ہے کہ اس کے نتائج کتنے مہلک اور کتنے تلخ ہوں گے ؟ پھر معلوم نہیں یہ سلسلہ آخر کہاں جا کر ختم ہوگا۔ اگر آج زکوٰۃ کی شرعی حیثیت کو غتر بود کیا گیا کہ زکوٰۃ کی موجودہ شرح حکومت کے مصارف کے لئے کافی نہیں تو کل نمازوں کی تعداد اور مقدار میں بھی یہ کہہ کر قطع و برید کی جائے گی کہ آج کل کی مصروف زندگی میں اس پنج وقتہ ضیاع وقت (نارض بد ہن) کی فرصت کہاں ! اور یہ کہاں کی دانشمندی ہے کہ اس صنعتی اور مشینی دور میں مہینہ کے پورے تیس دن روزے رکھ کر ملک کی مادی

حیثیت کو نقصان پہنچایا جائے ؟ اور "حج وزیارت" کے نام پر ہزاروں میل کا سفر کر کے ملک اور قوم کا وقت اور ریاست کا "زرمبادلہ" ضائع کرنا کہاں کی عقلمندی ہے ؟ والعیاذ باللہ العظیم۔

اگر آج سود کے حلال ٹھہرائے جانے کو گوارا کر لیا جائے تو کوئی وجہ نہیں کہ کل زنا اور خمر کو حلال نہ کہنا پڑے اور اگر آج مسلمانوں کے معاشرتی معاملات میں تحریف و تبدیلی پر صبر کر لیا جائے تو کونسی ضمانت ہے کہ کل عبادات اور اعتقادات تک سے ہاتھ نہ دھونے پڑیں !

نفاق زدہ لوگوں کی مضحکہ خیز حالت

اوپر جو کچھ بیان کیا گیا اس سے دیگر ارکان کے علاوہ زکوٰۃ کی بنیادی اور تعبدی حیثیت پر بھی روشنی پڑتی ہے اور یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ڈاکٹر فضل الرحمان اور اس قماش کے دیگر "ثقافتی اور ریسرچی" ارباب فکر و نظر کی تحقیقات کی زد کہاں جا کر پڑتی ہے۔

دراصل جو قلوب اسلام کے بارہ میں سوء ظن، سطحیت یا حسد و عناد کے شکار ہیں اور اسلام کو موجودہ "عہد جاہلیت" کے لیے ایک رکاوٹ سمجھتے ہیں۔ بعض سیاسی اور مادی اغراض کی وجہ سے نہ تو کھل کر اسلام کے "دین ابدی" اور ضابطہ حیات ہونے کا انکار کر سکتے ہیں اور نہ اندرونی نفاق کی وجہ سے اسلام کی جامعیت اور دین حنیفی کی سچائیوں کا اقرار۔ اس گومگو حالت نے انہیں تضاد، تعارض اور تذبذب و نفاق کے ایک عجیب مضحکہ خیز مقام پر کھڑا کر دیا ہے۔ کبھی وہ سرمایہ دارانہ نظام پر اسلام کا ٹھپہ لگائیں گے تو کبھی کمیونزم اور مارکسیت کو دنیا کا کامیاب مذہب قرار دینے لگے۔ کبھی کہیں گے کہ سائنس و حکمت اور دین و مذہب کا کوئی جوڑ ہی نہیں ہو سکتا کبھی کہیں گے کہ اسلام کا مقصد ہی صرف سائنسی ترقی اور مادی عروج و ارتقاء ہے۔ کبھی سرے سے سنت رسول کے حجت ہونے سے انکار کر بیٹھتے ہیں تو کبھی ہر زمانہ کے ماؤف یا استشراق زدہ دل و دماغ کے اجتہادات کو بھی سنت جاریہ کا نام و مقام دیں گے۔ گویا ان کی کیفیت ٹھیک اس ارشاد خداوندی کی مصداق ہے :

فَكَأَنَّمَا خَرَّ مِنَ السَّمَاءِ — گویا وہ آسمان سے گر پڑا۔ پھر اسے

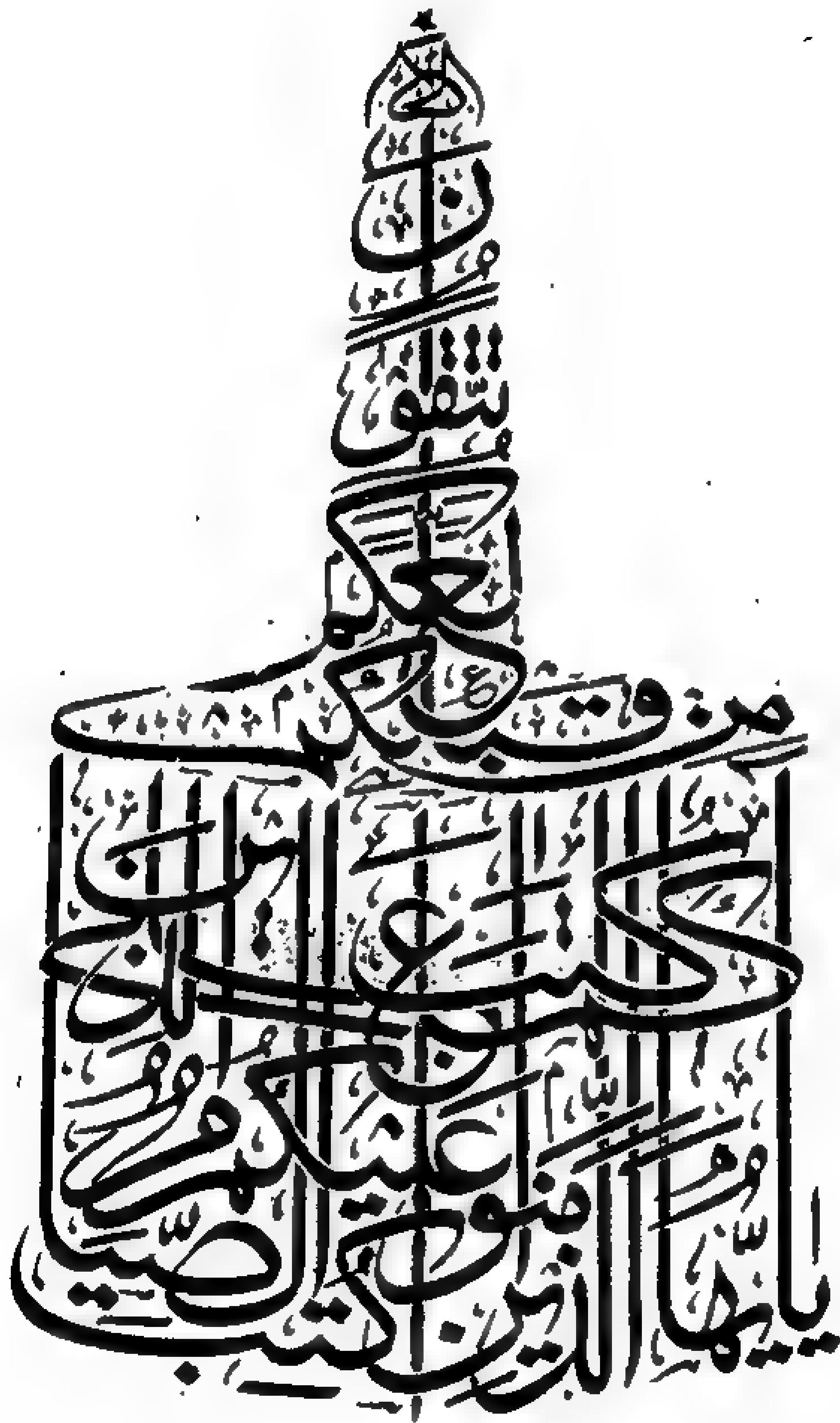
فتخطفہ الطیر او تھوی بہ الریح فی مکان سحیق (حج پ۱۷ ع۱۱) — پرندے اچک لیتے ہیں یا اسے ہوا اڑا کر کسی دور جگہ میں پھینک دیتی ہے

پھر یہ لوگ اپنی نت نئی "اختراعات" اور تحریفات کے اثبات کے لئے جو دلائل و براہین پیش کرتے ہیں کوئی عقل سلیم اور قلب مومن تو اسے کیا قبول کرے گا خود ان کا ضمیر بھی ان کی ہنسی اڑاتا ہے۔ علم و تحقیق کی دنیا ان تحریف و تلبیس پر سر پیٹنے لگتی ہے مگر تحقیق و ریسرچ کے یہ دعویدار پوری ڈھٹائی سے اپنے تبحر و تعمق کا شور مچاتے رہیں گے اور ہر طرح دین کو بازیچۂ اطفال بناتے رہیں گے

ملت مسلمہ کا فریضہ

اگر ملت مسلمہ کو اسلام کے "شجرہ طوبیٰ" کے سایہ عاطفت اور قصرِ محمدی کی پناہ میں رہنا ہے اور اس کی ہر دیوار اور بنیاد کو اعداء و اغیار کی نقب سے بچانا ہے تو ضرورت ہے کہ اس ملت کا ہر نام لیوا خواہ عامی ہو یا عالم، جاہل ہو یا مقتدار اپنے تمام اغراض اور مصلحتوں سے دست بردار ہو کر سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی فراست اور فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی جرائت سے کام لے کر میدان میں کود پڑے اور جو زبان و قلم اور جو ہاتھ بھی اس قصر محمدی میں شگاف پیدا کرنے کی سعی کرے۔ اسے ہمیشہ کے لئے خاموش اور مفلوج کر دیا جائے کہ بقول کسے یہ وقت "بدر و حنین" کا ہے جمل و صفین کا نہیں۔ واللہ فی عونکم ما دمتم فی عون الاسلام


كتاب
الصوم


يا أيها الذين آمنوا كتب عليكم الصيام كما كتب على الذين من قبلكم لعلكم تتقون

باب رؤیۃ الھلال
(چاند دیکھنے کے احکام ومسائل)

اخبارِ رؤیت کے لیے شہادت کی شرائط ضروری نہیں

سوال:۔ اگر ایک گاؤں میں رؤیتِ ہلال ثابت ہوجائے اور گاؤں والے اس پر یقین کرکے روزہ رکھ لیں تو دوسرے گاؤں کے لوگوں کو خبر دینے کے لیے کن شرائط کی رعایت ضروری ہے تاکہ وہاں کے لوگ اس کے مطابق روزہ رکھ سکیں؟

الجواب:۔ شہادت اور اخبار میں نمایاں فرق ہے، دوسرے گاؤں والوں کو رؤیت کی خبر دینے کے لیے شہادت کی شرائط کی ضرورت نہیں بلکہ جب بھی کسی شخص کی خبر غلبۂ ظن کے لیے مفید ہو تو یہ خبر کافی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس میں کتاب القاضی الی القاضی کی شرائط کی رعایت بھی ضروری نہیں۔

قال عالم بن العلاء رحمہ اللہ:۔ وتقبل شھادۃ الواحد علی شھادۃ الواحد فی ھلال رمضان ولا تشترط فیہ لفظ الشھادۃ۔ (فتاویٰ تاتارخانیۃ ج۲ ص۲۵۲ کتاب الصوم۔ الفصل الثانی فی رؤیۃ الھلال)

قال عالم بن العلاءؒ:۔ وذکر الامام الائمۃ الحلوانیؒ: ان الصحیح من مذھب اصحابنا ان الخبر اذا استفاض وتحقق فیما بین اھل احدی البلدتین یلزمھم حکم اھل ھذہ البلدۃ۔ (فتاویٰ تاتارخانیۃ ج۲ ص۳۵۵ کتاب الصوم۔ الفصل الثانی رؤیۃ الھلال)[1]

دُوربین سے ہلال (چاند) دیکھنے والوں کی گواہی کا حکم

سوال:۔ اگر کچھ لوگ دُوربین سے ہلال (چاند) دیکھ کر گواہی دیں کہ ہم نے چاند دیکھا ہے، تو کیا اُن کی گواہی قبول کی جاسکتی ہے یا نہیں؟

---

[1] قال ابن عابدینؒ: (تحت قولہ بخبرھم وھو مفوّضٌ الی رأی الامام) والصحیح من ھذا کلہ انہ مفوّضٌ الی رأی الامام ان وقع فی قلبہ صحتہ ما شھدوا بہ وکثرت شھودا امر بالصوم اوکذا صححہ فی المذاھب۔ (ردالمحتار ج۲ ص۳۸۸ کتاب الصوم۔ فصل فیما یثبت بہ الھلال الخ)

ومثلہ فی مراقی الفلاح علی صدر الطحطاوی ص۵۲۸ کتاب الصوم۔ فصل فیما یثبت بہ الھلال الخ

الجواب: موجودہ دور میں طرح طرح کے جدید آلات وجود میں آرہے ہیں جن میں دوربین بھی ایک ایسا آلہ ہے کہ جس کے ذریعے چاند دیکھنے والوں کی گواہی سے غلبۂ ظن حاصل ہو جاتا ہے، اس لیے ان کی گواہی قبول کی جاسکتی ہے۔

قال العلامة الحصکفیؒ:۔ ولو کانوا ببلدۃ لاحاکم فیھا صاموا بقول ثقۃ وافطروا باخبار عدلین مع العلۃ للضرورۃ الی ان قال وقیل بلاعلۃ جمع عظیم یقع العلم الشرعی ھو غلبۃ الظن بخبرھم وھو الامام انہ یکتفی بشاھدین واختارہ فی البحر۔

(الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۲ ص۳۸۶ کتاب الصوم) ؎۱

اختلافِ مطالع شرعاً معتبر ہے یا نہیں

سوال:۔ اختلافِ مطالع کی شرعی حیثیت کیا ہے؟

الجواب:۔ اختلافِ مطالع کے بارے میں فقہاء کرام کے اقوال سے معلوم ہوتا ہے کہ اختلافِ مطالع کا اعتبار نہیں اور یہی ظاہر المذہب ہے اور اسی قول پر فتویٰ منقول ہے اسلئے جہاں کہیں شرعی قواعد وضوابط کا لحاظ رکھتے ہوئے خبر پہنچ جائے تو وہاں روزہ رکھنا اور عید منانا چاہیئے۔

قال فی الھندیۃ: ولا عبرۃ لاختلاف المطالع فی ظاھر الروایۃ وعلیہ الفتوی الفقیہ ابی اللیث وبہ کان یفتی شمس الائمۃ الحلوانی قال لو رأی اھل مغرب ھلال رمضان یجب الصوم علی اھل المشرق۔ کذا فی الخلاصۃ ثم انما یلزم الصوم علی متاخری الرؤیۃ اذا ثبت عندھ رؤیۃ اولئک بطریق موجب۔ (الفتاوی الھندیۃ ج۱ ص۱۹۸-۱۹۹ الباب الثانی فی رؤیۃ الھلال) ؎۲

؎۱ قال عالم بن العلاءؒ:۔ وقبل الامام شھادۃ شاھدین عدلین وقد سکن قلب القاضی علی قولھما جاز وثبت حکم رمضان۔ (فتاوی تاتارخانیۃ ج۲ ص۳۵۰ کتاب الصوم رؤیۃ الھلال)

وَمِثْلُہٗ فی الھندیۃ ج۱ ص۱۹۸ الباب الثانی فی رؤیۃ الھلال۔

؎۲ قال محمد بن عبد اللہؒ:۔ واختلاف المطالع ورؤیتہ نھاراً قبل الزوال وبعدہ غیر معتبر علی ظاھر المذھب وعلیہ اکثر المشائخ وعلیہ الفتوی بحر من خلاصۃ (فیلزم اھل المشرق برؤیۃ اھل المغرب) اذا ثبت عندھم رؤیۃ اولئک بطریق موجب کما مر۔

قال ابن عابدینؒ:۔ (قولہ بطریق موجب) کان یتحمل اثنان الشھادۃ او یشھدا علی حکم القاضی او یستفیض الخبر۔ (شامی ج۲ ص۳۹۳-۳۹۴ کتاب الصوم مطلب اختلاف المطالع)

وَمِثْلُہٗ فی فتح القدیر ج۲ ص۳۲۳ کتاب الصوم۔

شرعی ثبوت کے بعد عید منانے پر حکومت کا رکاوٹ ڈالنا بے دینی کے مترادف ہے

سوال:۔ جہاں کہیں علاقائی علماء شرعی تقاضوں کو پورا کرتے ہوئے عید کا اعلان کریں لیکن حکومت اپنی انانیت پر اتر کر لوگوں کو عید منانے سے منع کرے تو اس کے بارے میں شرعاً کیا حکم ہے؟

الجواب:۔ عید اور رمضان کا ثبوت رؤیتِ ہلال کے اعلان پر موقوف ہے۔ اگر علاقائی علماء شرعی تقاضوں کی رعایت کرتے ہوئے اعلان کریں تو عام لوگوں کے حق میں خواہ وہ سرکاری ملازم ہوں یا غیر سرکاری، تمام پر روزہ رکھنا یا عید منانا واجب ہو جاتا ہے، ایسی حالت میں حکومت کا عید منانے میں رکاوٹ ڈالنا بے دینی کے مترادف ہے اور نہ ایسی صورت میں حکومت کی تابعداری کرنا ضروری ہے۔ لا طاعة لمخلوق فی معصیة الخالق۔ (رواه فی الشرح السنة، مشکوٰة ج۲ ص۳۲۱)

قال ابو محمد محمود العینیؒ:۔ ولا عبرة باختلاف المطالع بل اذا ثبت فی مصر لزم الناس۔

(شرح کنز عینی ج۱ ص۸۰ کتاب الصوم) ؎۱

رؤیت اور تکمیل ثلاثین کے علاوہ نفس حساب کا اعتبار نہیں

سوال:۔ اگر کسی جگہ رؤیت نہ ہوئے ہو اور نہ شعبان کے تیس دن پورے ہوں تو کیا کسی حساب کو اعتبار دے کر روزہ کا حکم دیا جا سکتا ہے یا نہیں؟ جبکہ حساب ماہ بیت تطبیق قائم ہو کر غلبۂ ظن کے لیے مفید بھی ہو؟

الجواب:۔ روزہ کا ثبوت رؤیت یا تکمیل ثلاثین شعبان پر موقوف ہے۔ لحدیث النبی صلی اللہ علیہ وسلم: صوموا لرؤیته وافطروا لرؤیته۔ اس کے علاوہ کسی حساب و کتاب کی وجہ سے روزہ فرض نہیں ہوتا اگرچہ غلبۂ ظن کے لیے مفید کیوں نہ ہو۔

قال عالم بن العلاء رحمہ اللہ علیہ:۔ یجب صوم رمضان برؤیة الهلال او باستکمال شعبان ثلاثین ولا یجوز تقلید المنجم فی حسابه لا فی الصوم

؎۱ قال العلامة حسن بن عمار الشرنبلالی رحمه الله: واذا ثبت الهلال (فی) بلدة (مطلع قطر) هار لزم سائر الناس فی ظاهر المذهب وعلیه الفتوٰی۔

(مراقی الفلاح علی صدر الطحطاوی ج۱ ص۳۵۰ کتاب الصوم، فصل فیما لا یثبت به الهلال الخ)

ومثله فی البحر الرائق ج۲ ص۲۷۰ کتاب الصوم۔

ولا فی الافطار۔ (فتاوی تاتارخانیۃ ج ۲ ص۳۵۵ کتاب الصوم الفصل الثانی رؤیۃ الهلال) ؎۱

تکمیلِ شعبان کے لیے ایک شخص کی گواہی قبول نہیں

سوال:۔ شعبان کے تیسویں دن کی خبر اگر ایک شخص دے دے تو اس کی گواہی معتبر ہوگی یا نہیں؟

الجواب:۔ رؤیتِ ہلال میں رمضان کے علاوہ ہر ماہ کے ثبوت کے لیے آسمان پر علت کے دوران دو مردوں یا ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی مقبول ہوگی بخلاف رمضان کے کہ اس کے ثبوت کے لیے ایک فرد کی گواہی مقبول ہے، لہٰذا شعبان کے تیسویں دن کی خبر ایک آدمی کی مقبول نہ ہوگی۔

لما قال العلامة الحصکفیؒ:۔ وهلال الاضحیٰ وبقیة الاشهر التسعة کالفطر علی المذهب۔

قال ابن عابدینؒ: قوله وبقیة الاشهر التسعة فلا یقبل فیها الاشهادة رجلین اورجل وامرأتین عدول احرار غیر محدودین۔ (ردّ المحتار ج ۲ ص۳۹۱ کتاب الصوم۔ مطلب ما قاله السبکی من الاعتماد علی قول الحساب مردودٌ) ؎۲

یوم الشّک میں روزہ رکھنے کا حکم

سوال:۔ رمضان کی پہلی اور شعبان کی تیس تاریخ کو اشتباہ کی صورت میں اس دن روزہ رکھنے کا

؎۱ قال العلامة الکاسانیؒ:۔ واما صوم رمضان فوقته شهر رمضان لایجوز فی غیره فیقع الکلام فیه فی موضعین احدهما فی بیان وقت صوم رمضان والثانی فی بیان مایعرف به وقته اما الاول فوقت صوم رمضان شهر رمضان لقوله تعالیٰ: فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ ای فلیصم فی الشهر وقول النبی صلی الله علیه وسلم وصوموا شهرکم ای فی شهرکم لان الشهر لایصام وانما یصام فیه واما الثانی وهو بیان مایعرف به وقته فان کانت السماء مصحیة یعرف برؤیة الهلال وان کانت متغیمة یعرف باکمال شعبان ثلاثین یومًا ثم صوموا۔ (بدائع الصنائع ج ۲ ص۸۰ کتاب الصوم)

وَمِثْلُهٗ فی تبیین الحقائق ج ۱ ص۳۱۶ کتاب الصوم۔

؎۲ قال فی الهندیة، وان کان بالسماء علة لا تقبل الاشهادة رجلین اورجل وامرأتین ویشترط فیه الحریة ولفظ الشهادة کذا فی خزانة المفتین۔ وتشترط العدالة هکذا فی النقایة۔

(الفتاوی الهندیة ج ۱ ص۱۹۸ کتاب الصوم۔ الباب الثانی فی رؤیة الهلال)

وَمِثْلُهٗ فی الطحطاوی علی مراقی الفلاح ج ۱ ص۵۳۳ کتاب الصوم فصل فیما یثبت بالهلال الخ

کیا حکم ہے ؟

الجواب:۔ فقہی کتابوں میں اس دن جب باقاعدہ رؤیت نہ ہوا اور نہ شعبان کے تیس دن پورے ہوں تو اس کو یوم الشک کہا جاتا ہے۔ بسا اوقات رمضان کے احتمال کی وجہ سے اس دن بھی فرض روزہ نیت کرکے رمضان کا روزہ رکھا جاتا ہے ، اسی طرح بعض لوگ نفل اور فرض میں تردید کرکے روزہ رکھتے ہیں ، ایسی حالت میں روزہ رکھنا ممنوع ہے۔

وروی عمران بن حصین: انه علیه الصلوٰة والسلام قال الرجل هل صمت من صوم شعبان قال لا۔

البتہ اگر خواص کہیں نفل کی نیت کرکے روزہ رکھیں تو اس میں کوئی حرج نہیں ، ایسا ہی اگر کہیں اس دن میں اتفاق سے کوئی قضاء روزہ آجائے تو اس دن روزہ رکھنے میں کوئی حرج نہیں۔

قال عالم بن العلاءؒ وفی التهذیب :۔ والمختار ان یفتی بالتطوع فی حق الخواص والانتظار والتلوم فی حق العوام وفی السغناقی : والفاصل بین الخاصة والعامة هو ان کل من یعلم فیه صوم یوم الشك فهو من الخواص والا فهو من العوام۔

(فتاوی تاتارخانیة ج۲ ص۳۹۲ الفصل الثامن الاوقات المکروه فیها الصوم) لہ

سوال :۔ **طلوع آفتاب کے بعد رؤیت ہلال کی اطلاع آنا** رمضان کی خبر اگر زوال سے قبل آجائے تو جن لوگوں نے صبح کے بعد کھانا کھایا ہو ان کے لیے اس خبر پر عمل کرنے کا کیا حکم ہے ؟

الجواب :۔ یوم الشک کے دن تمام اہل اسلام کو چاہیئے کہ زوال تک کھانے پینے اور روزہ کے منافی کاموں سے اجتناب کریں ، اگر رؤیت کی اطلاع ہوجائے تو روزہ پورا کریں اور اطلاع نہ آئے تو خواص کے لیے اجازت ہے اور عوام افطار کرلیں ، البتہ جن لوگوں نے کچھ کھایا پیا ہو ان پر

لہ قال ابن الهمام رحمه الله :۔ کان المختار ان یصوم المفتی بنفسه اخذا بالاحتیاط ویفتی العامة بالتلوم الی وقت الزوال ثم بالافطار حسما لمادة اعتقاد الزیادة ویصوم فیه المفتی سرا لئلا یتهم بالعصیان فانه افتاهم بالافطار بعد التلوم لحدیث العصیان وهو مشتهر بین العوام فاذا خالف الی الصوم اتهموه بالمعصیة۔ (فتح القدیر ج۲ ص۲۴۲ کتاب الصوم)

وَمِثْلُهٗ فی بدائع الصنائع ج۲ ص۷۹ کتاب الصوم فصل شرائطها فنوعان۔

رمضان کے تقدس کی خاطر امساک واجب ہے، اگر کوئی اس کے باوجود رعایت نہ رکھے تو صرف قضاء واجب رہے گی کفارہ لازم نہیں ہوگا۔

قال قاضیخان رحمہ اللہ:۔ غلام بلغ فی النصف من رمضان ای نصف النہار او نصرانی اسلم فانہ لا یأکل بقیۃ یومہ۔ (فتاوٰی قاضی خان ج ۱ ص ۱۹۶ کتاب الصوم) لہ

دن کے وقت رؤیت کی خبر ہو تو امساک ضروری ہے

سوال:۔ نصف النہار یعنی آدھا دن گذرنے کے بعد اگر رمضان کے روزے کی فرضیت کی اطلاع آجائے تو مغرب تک امساک کا کیا حکم ہے ؟

الجواب:۔ اگر نصف النہار کے بعد روزے کی فرضیت ثابت ہو جائے تو جن لوگوں نے ابھی تک روزے کے منافی چیزیں استعمال نہ کی ہوں تو وہ اپنے امساک کو مغرب تک برقرار رکھیں اس کے ساتھ بقیہ مسلمانوں پر بھی امساک واجب ہے، البتہ اگر نصف النہار سے قبل روزے کی نیت نہ کی ہو تو کھانے پینے سے کفارہ واجب نہ ہوگا اور بقیہ دن امساک رکھنے کا حکم رمضان کے مہینے کی وجہ پر خاص ہے، تاہم جن لوگوں نے رمضان کے منافی اشیاء کے استعمال کے بغیر امساک کیا ہو اُن کا امساک رمضان کا روزہ متصور ہوگا جبکہ بقیہ لوگوں پر اس دن کی قضاء لازمی ہے۔

لما قال العلامۃ محمد انور شاہ الکشمیری رحمہ اللہ:۔ لو شھد رجل بانی رأیت الھلال فی النہار لا یعتبر قولہ اصلاً سواء شھد قبل نصف النہار او بعدہ ولو قال رأیتہ فی اللیل الماضیۃ فان کان ھلال رمضان وکان قبل نصف النہار فمن لم یأکل بعد الصبح یصوم ومن اکل یقضیہ۔

(عرف الشذی علی الجامع الترمذی ج ۱ ص ۱۴۹ باب ما جاء فی الصوم بالشہادۃ) ۲ہ

لہ قال العلامۃ حسن بن عمار الشرنبلالی رحمہ اللہ:۔ یجب علی الصحیح وقیل یستحب الامساک بقیۃ الیوم علی من فسد صومہ) ولو بعذر ثم زال وعلی حائض ونفساء طھرتا بعد طلوع الفجر۔ (مراقی الفلاح علی صدر الطحطاوی ج ۱ ص ۵۵۸ کتاب الصوم)

وَمِثْلُہٗ فی التاتارخانیۃ ج ۲ ص ۳۴۷ کتاب الصوم۔ فی بیان وقت الصوم وما یتصل بہ۔

۲ہ لما قال العلامۃ السید محمد یوسف البنوری رحمہ اللہ: لو شھد برؤیتہ فی اللیلۃ الماضیۃ فان کان ھلال رمضان فلیصم بقیۃ یومہ ویقضیہ ان اکل وان لم یأکل وکان قبل الضحوۃ الکبری صام ولا قضاء۔

(معارف السنن ج ۵ ص ۳۴۵ مسئلۃ رؤیۃ الھلال نہاراً)

رؤیتِ ہلال کمیٹی کے فیصلہ کی شرعی حیثیت

سوال: رؤیتِ ہلال کمیٹی کا اعلان عموماً علاقائی فیصلوں سے مختلف ہوتا ہے، ایسی حالت میں کمیٹی کے فیصلوں کی شرعی حیثیت کیا ہے؟

الجواب: رؤیتِ ہلال کمیٹی جو با اعتماد علمی اشخاص پر مشتمل ہو، اسلئے ایسی کمیٹی کے اعلان کو ساقط الاعتبار کہنا دانشمندی نہیں، یہ الگ بات ہے کہ بعض انتظامی کمزوریوں کی وجہ سے ان کا اعلان عموماً غلط فہمی کا شکار ہوتا ہے اگر حکومت اس کے سدِ باب کے لیے کوشش کرکے علاقائی علماء کی رؤیت کو اعتبار دے تو شاید یہ اختلاف دور ہو جائے، تاہم جہاں کہیں علاقائی اعلان اگر شرعی تقاضوں کو مدِ نظر رکھ کر کیا جائے تو رؤیتِ ہلال کمیٹی کے اعلان نہ ہونے کے باوجود علاقائی علماء کے فیصلہ کا پابند رہنا ضروری ہے۔

وفی الهندية: ـ لما فی الفصل الثانی من اول الكراهية من الهندية تقبل قول الواحد فی المعاملات عدلاً كان اوفاسقاً حراً كان اوعبداً ذكراً كان او انثیٰ مسلماً كان اوكافراً دفعاً للحرج والضرورة ومن المعاملات الوكالات والمضاربات والرسالات فی الهدايا والاذن فی التجارات كذا فی الكافی اذا حضر قول الواحد فی اخبار المعاملات عدلاً كان اوغير عدل فلا بد فی ذلك من تغليب رايه فيه ان اخبره صادق فان غلب علیٰ رايه ذلك عمل عليه والا فلا كذا فی السراج الوهاج۔ (الفتاویٰ الهندية ج ۵ ص ۳۱۰ الفصل الثانی فی العمل بخبر الواحد فی المعاملات) [1]

ریڈیو اور ٹی وی کی خبر فرضیت رمضان کا حکم

سوال: ریڈیو اور ٹی وی کی خبر فرضیت رمضان اور عید کے ثبوت کے لیے ذریعہ بن سکتی ہے یا نہیں؟

الجواب: جب قاضی یا ہلال کمیٹی کسی شہادت پر مطمئن ہو کر عید یا رمضان کا اعلان ریڈیو اور

---

[1] قال العلامة ابن عابدینؒ: ـ قال العيون والفتوىٰ علیٰ قولهما اذا تيقن انه خطه سواء كان فی القضاء او الرؤية او الشهادة علی الصك وان لم يكن الصك فی يد الشاهد لان الغلط نادر واثر التغيير يمكن الاطلاع عليه وقلما يشبه الخط من كل وجه فاذا تيقن جاز الاعتماد عليه توسعة علی الناس۔ اھ (شامی ج ۵ ص ۴۳۳ كتاب القاضی الی القاضی ـ مطلب فی دفتر البياع)

وَمِثْلُهٗ فی فتاویٰ قاضی خان ج ۳ ص ۱۱۶ كتاب القاضی الی القاضی۔

ٹی وی پر نشر کرے تو یہ اعلان ثبوتِ رمضان وعیدین کا ذریعہ بن سکتا ہے، قدیم زمانہ میں توپ، دف اور قنادیل کی روشنی کو اعلانِ رمضان یا عیدین کے لیے استعمال کیا جاتا تھا تاہم یہ ضروری ہے کہ ریڈیو اور ٹی وی پر صرف قاضی یا ہلال کمیٹی کا اعلان انتہائی احتیاط سے سُنانا چاہیئے۔

لما قال العلامة ابن عابدین رحمہ اللہ:۔ والظاهر انه یلزم اهل القری الصوم بسماع المدافع او الرؤیة القنادیل من المصر لانه علامة ظاهرة تفید غلبة الظن وغلبة الظن حجة موجبة للعمل لما صرحوا به۔ (رد المحتار ج ۲ ص ۳۸۶ مبحث فی صوم یوم الشك) [1]

عید اور رمضان کے ثبوت کیلئے ٹیلیفون کی خبر کا حکم

سوال:۔ فرضیتِ رمضان اور ثبوتِ عید کے لیے ٹیلیفون کی خبر کی حیثیت کیا ہے؟

الجواب:۔ اگر ٹیلیفون کے ذریعے خبر غلبۂ ظن کے لیے مفید ہو اور کسی کے دھوکہ دینے کا اندیشہ نہ ہو تو ٹیلیفون کی خبر پر عمل کرنے میں کوئی حرج نہیں۔

لما قال العلامة ابن الهمام رحمہ اللہ:۔ ولو سمع من وراء حجاب کثیف لا یشف من ورائه لا یجوز له ان یشهد لان النغمة تشبه النغمة الا اذا احاط بعلم ذلك لان المسوغ هو العلم غیر ان رؤیة متکلماً بالعقد طریق العلم به فاذا فرض تحقق طریق آخر جاز۔

(فتح القدیر ج ۶ ص ۴۶۳ کتاب الشهادة۔ فصل مایتعلق بکیفیة الشهادة) [2]

---

[1] لما قال الشیخ مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ:۔ البتہ جس شہر میں باقاعدہ قاضی یا ہلال کمیٹی نے کسی شہادت پر اطمینان کر کے عید وغیرہ کا اعلان کر دیا ہو، اس اعلان کو اگر ریڈیو پر نشر کیا جائے تو جس شہر کے قاضی یا ہلال کمیٹی نے یہ فیصلہ کیا ہے اس شہر اور اس کے مضافات و دیہات کے لوگوں کو اس ریڈیو کے اعلان پر عید وغیرہ کرنا جائز ہے، شرط یہ ہے کہ ریڈیو کو اس کا پابند کیا جائے کہ وہ چاند کے متعلق مختلف خبریں نشر نہ کرے صرف وہ فیصلہ نشر کرے جو اس شہر کے قاضی یا ہلال کمیٹی نے اس کو دیا ہے۔

(آلاتِ جدیدہ کے شرعی احکام ص ۱۷۱ باب ہلال کے معاملہ میں آلاتِ جدیدہ کی خبروں کا درجہ)

ومثله فی امداد المفتیین الشهیر بفتاویٰ دارالعلوم دیوبند ج ۲ ص ۴۷۷ کتاب الصوم۔

[2] قال ابن عابدین رحمہ اللہ:۔ قال فی العیون والفتویٰ علی قولهما اذا تیقن انه خطه سواء کان فی القضاء او الروایة والشهادة علی الصك وان لم یکن الصك فی ید الشاهد لان الغلط نادر واثر التغییر یمکن الاطلاع علیه وقلما یشتبه الخط من کل وجه فاذا تیقن جاز الاعتماد علیه توسعة علی الناس۔ (رد المحتار ج ۵ ص ۴۳۷ کتاب القاضی الی القاضی)

ومثله فی امداد الفتاویٰ ج ۲ ص ۹۴ کتاب الصوم۔

بذریعہ خط عید یا روزے کا ثبوت

سوال:۔ جہاں کہیں رؤیت ثابت ہو اور دوسری جگہ بذریعہ خط اطلاع دی جائے تو اس کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ کیا اس سے روزے کی فرضیت ثابت ہوتی ہے یا نہیں؟ کیا اس کے لیے کتاب القاضی الی القاضی کی شرائط کی رعایت ضروری ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ دینی معاملات کا تعلق عموماً غلبۂ ظن پر مبنی ہے۔ اگر کسی کا خط ثبوتِ رمضان اور عیدین کے لیے اطمینان کا ذریعہ بنے اور خط لکھنے والا عادل ہو اور اس کے خط کی شناخت ہو سکتی ہو تو اطمینان کے بعد ثبوتِ رمضان و عیدین کا سبب بن سکتا ہے۔ شریعتِ مقدسہ میں خط کی حجیت کے کافی نظائر موجود ہیں۔

لما قال العلامة ابن الهمامؒ: الكتابة المرسومة بعلاف خط السمسار والصراف حجة للعرف الجاري۔ (فتح القدیر ج ۲ ص ۳۶۴ کتاب الصوم) [1]

ٹیلیگرام (تار) سے عید و رمضان کا ثبوت

سوال:۔ ازروئے شرع عید و رمضان کے بارے میں ٹیلیگرام کی خبر کی تصدیق کی جا سکتی ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ ٹیلیگرام یعنی تار چونکہ کوئی بھی شخص دے سکتا ہے اس لیے یہ پتہ چلنا ہی دشوار ہے کہ یہ تار کس شخص نے دیا ہے، اسی وجہ سے دورِ حاضر کے جید فقہاء کرام اس کے خبر یعنی اطلاع کا اعتبار نہیں کرتے۔

لما قال الشیخ عبد الحی اللکھنویؒ:۔ بحسب ضوابط فقهية تار کا اعتبار نہ کیا جائے گا۔ (مجموعۃ الفتاویٰ (اردو) ج ۱ ص ۳۵۳ باب رؤیۃ الهلال) [2]

---

[1] لما قال العلامة ابن عابدينؒ:۔ صراف كتب على نفسه بمال وخطه معلوم بين التجار واهل البلد ثم مات فجاء غريم يطلب المال من الورثة وعرض خط الميت بحيث عرف الناس خطه يحكم بذلك في تركته ان ثبت انه خطه وقد جرت العادة بين الناس بمثله وهو حجة۔ (رد المحتار ج ۵ ص ۴۳۴ کتاب القاضی الی القاضی)

وَمِثْلُهٗ فی امداد الفتاویٰ ج ۲ ص ۹۴ کتاب الصوم۔

[2] قال الشیخ اشرف علی التھانویؒ:۔ چونکہ تار میں اس کی کوئی علامت نہیں کہ کس کا تار ہے نیز اس میں غلط اور خلط بھی کثیر ہوتا ہے اس لیے معتبر نہیں۔ (امداد الفتاویٰ ج ۲ ص ۹۳ کتاب الصوم والاعتکاف، تحقیق خبر تار)

وَمِثْلُهٗ فی عزیز الفتاویٰ الشهیر فتاویٰ دار العلوم دیوبند ج ۱ ص ۳۸۵ کتاب الصوم۔

ہلال کمیٹی کی موجودگی میں عالم دین کے فیصلے کا حکم

سوال:۔ ہمارے علاقے قومی اسمبلی حلقہ این اے ۱۹۸ پشین جس میں کچلاک، پشین بازار، یا دو بازار، جنگل پیر علی زئی بازار، قلعہ عبداللہ بازار، چمن بازار، گلستان بازار سے زئی اڈہ بازار کے علاوہ دیگر بڑے بڑے گاؤں مثلاً کربلا، حرمزئی، گانگڑئی، مانگڑئی، مانگی، کلی کلک وغیرہ چھوٹے بڑے علاقے شامل ہیں، ان علاقوں پر حکومتِ پاکستان کا قانون لاگو ہے اور یہ تمام علاقے صوبائی حکومت کے کنٹرول میں ہیں لیکن یہاں عید اور روزہ بڑے عجیب طریقہ سے منایا جاتا ہے کہ ایک بستی میں عید دوسری میں روزہ، ایک گھر میں عید دوسرے گھر میں روزہ یہاں تک کہ گھر کے ایک فرد کا روزہ اور دوسرے لوگوں کی عید ہوتی ہے۔ جبکہ علاقہ کے معروف عالم دین مولانا عبدالغنی صاحب شرعی گواہان پر عید اور روزے کا فیصلہ فرماتے ہیں، تو کیا ان کے فیصلہ پر عمل کیا جائے یا حکومت کی طرف سے قائم ہلال کمیٹی کے فیصلہ پر عمل کیا جائے؟ نیز بعض لوگ یہ پوچھتے ہیں کہ کیا ہم افغانستان کے اعلان کے مطابق عید اور روزہ کا اہتمام کرسکتے ہیں یا نہیں؟ از راہِ کرم شریعتِ مقدسہ کی روشنی میں اس مسئلہ کی تفصیلاً وضاحت فرمائی جائے؟

الجواب:۔ اسلام لوگوں کو اجتماعیت کی دعوت دیتا ہے اسلئے مسلمانوں کے ذمے اجتماعی احکام فرض کئے۔ نماز، روزہ، حج اور زکوٰۃ اس کی مثالیں ہیں، اسی طرح عیدین بھی اجتماعیت کی داعی ہیں، مسلمانوں کو چاہیئے کہ وہ ایک ساتھ روزہ رکھیں اور ایک ساتھ عید منائیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے: صوموا لرؤیۃ الھلال فافطروا بہ۔ (مشکوٰۃ ص۱۷۴ باب رؤیۃ الھلال۔ الفصل الاوّل)

ایک اور حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: صومکم یوم تصومون واضحاکم یوم تضحون وفطرکم یوم تفطرون۔ (مجموعۃ الفتاوٰی لابن تیمیۃ: ج۲۵ ص۱۰۵ فصل مسألۃ رؤیۃ بعض البلاد الخ)

یہی وجہ ہے کہ فقہاء مذہب ثلاثہ بالاتفاق اور مذہب شافعیہ کے بعض فقہاء اور مذہب اہل حدیث، زیدیہ، ظاہریہ وغیرہ کا اجتماعی فیصلہ ہے کہ اختلافِ مطالع کا کوئی اعتبار نہیں، اہلِ غرب کی رؤیت اہلِ شرق کے لیے قابلِ حجت ہے۔ لہٰذا رمضان یا عیدین کا چاند جب نظر آجائے تو قاضی وقت، ہلال کمیٹی یا علاقے کے معتمد عالم دین کو چاہیئے کہ وہ اس شہادت کو قبول کرکے اس کے مطابق روزہ یا عیدین کا حکم صادر کرے، وہ حساب دکتاب

یا کمپیوٹر کی اطلاع عدم احکام کو نہ دیکھے۔

علامہ ابن عابدین رحمہ اللہ فرماتے ہیں ، حتیٰ لو اخبر رجل عدل القاضی بمجیئ رمضان یقبل ویأمر الناس بالصوم یعنی فی یوم الغیم ولا یشترط لفظ الشہادۃ و شرائط القضاء۔ (رد المحتار ج ۲ ص ۳۸۹ کتاب الصوم۔ مطلب فی رؤیۃ الہلال)

وایضاً قال بأن المعمول بہ فی المسائل الثلاث ما شہدت بہ البینۃ لان الشہادۃ نزلہا الشارع منزلۃ الیقین۔ وما قالہ السبکی مردود ردہ علیہ جماعۃ من المتاخرین ولیس فی العمل بالبینۃ مخالفۃ لصلاتہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ ووجہ ما قلنا ان الشارع لم یعتمد الحساب بل الغاہ بالکلیۃ بقولہ نحن امۃ امیۃ لا نکتب ولا نحسب الشہر ہکذا وہکذا۔ وقال ابن دقیق العید الحساب لا یجوز الاعتماد علیہ واصلا۔ (رد المحتار ج ۲ ص ۳۸۹ کتاب الصوم مطلب فی رؤیۃ الہلال)

اس لیے کہ قاضی شرعی کو بدون وجہ شرعی کے کسی شہادت کو رد کرنے کا کوئی حق حاصل نہیں بلکہ وہ شہادت کے حوالہ سے فیصلہ کرے گا۔

علامہ علاؤ الدین الحصکفیؒ فرماتے ہیں : رأی مکلف ہلال رمضان او الفطر ورد قولہ بدلیل شرعی۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۲ ص ۳۸۴ کتاب الصوم)

(۲) اگرچہ قاضی شرعی کی موجودگی میں کسی دوسرے شخص کا فیصلہ عیدین و رمضان میں نا قابل قبول ہے احکام شرعی کے بارے میں صرف قاضی شرعی کا فیصلہ قبول ہوگا۔

لما قال العلامۃ وہبۃ الزحیلی : القیام علی شعائر الدین من اذان واقامۃ واقامۃ الصلوٰۃ الجمعۃ والجماعۃ والاعیاد وصیام وصیم۔ (الفقہ الاسلامی وادلتہ ج ۶ ص کتاب الامارۃ)

لیکن جہاں کہیں قاضی شرعی نہ ہو یا وہ شرعی دلائل کی روشنی میں حکم صادر نہ کرتا ہو تو عیدین و رمضان وغیرہ عبادات کے قیام میں علاقے کا معتمد عالم دین قاضی شرعی کے قائم مقام ہو سکتا ہے۔

احسن الفتاویٰ میں ہے کہ : جہاں مسلم حاکم موجود نہ ہو یا وہ فیصلہ شرعی نہ کر سکتا ہو وہاں اگرچہ جمیع معاملات میں تو عالم قاضی کے قائم مقام نہیں ہو سکتا البتہ رؤیت ہلال وغیرہ بعض جزئیات میں اس کا فیصلہ حکم قاضی کے قائم مقام ہو جائے گا۔

قال العلامۃ ابن عابدینؒ : وفی الفتح اذا لم یکن سلطان ولا من یجوز التقلد منہ کما ہو

فی بعض بلاد المسلمین غلب علیھم الکفار کقرطبۃ الآن یجب علی المسلمین ان یتفقوا علی واحدٍ منھم۔ (رد المحتار ج۴ ص۳۴۲ کتاب الجھاد)

وفی عمدۃ الرعایۃ: والعالم الثقۃ فی بلدۃ لا حاکم فیھا قائم مقامہ۔ (ج ۱ ص۳۰۹ احسن الفتاوی ج۴ ص۴۶۶ کتاب الصوم)

موجودہ ہلال کمیٹی کا اعلان اگرچہ قابلِ اعتماد ہے، اس پر مسلمان عید و رمضان جیسے امور انجام دے سکتے ہیں، مگر اس کے علاوہ علماء کی کمیٹی یا ایک معتمد عالم دین بھی اس بات کا مجاز ہے کہ وہ شہادت یا دیگر اطلاعات کی بناء پر رمضان و عیدین کا فیصلہ کر سکے، یہ بھی قضاء قاضی کے قائم مقام ہے، اعلانِ رمضان و عیدین کا حق صرف ہلال کمیٹی کو حاصل نہیں۔ چنانچہ علامہ محمد یوسف بنوری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:۔

واعلم ان بلاد الھند الیوم لیست فیھا حکومۃ اسلامیۃ ولیس فیھا دار القضاء للمسلمین فالحکم فی مثلھا الصوم باخبار ثقۃ والفطر بقول ثقتین ولا ینبغی لعلماء العصر من المفتیین المشی علی ما ھو شان قضاۃ دار الاسلام من الشھادۃ وغیرھا۔ (معارف السنن ج ۵ ص۳۴۵ کتاب الصوم)

اس لیے کہ ہلال کمیٹی دیگر تسامحات کے ساتھ ساتھ شہادتِ شرعی کو بھی اپنی مفروضہ رائے اور عدم رؤیت کے اعلان کے بعد قبول نہیں کرتی اور شہادت کو کمپیوٹر کے حساب سے پرکھا جاتا ہے جس کی شریعت اجازت نہیں دیتی، جس پر گذشتہ عیدین (عید الفطر، عید الاضحیٰ) کا اعلان واضح دلیل ہے جو کہ سب کے سامنے ہے اور اخبارات وجرائد میں اس کے خلاف کافی مدلل ومفصل مضامین لکھے گئے۔ اس کے ساتھ قاضی شرعی کا حکم بھی تب نافذ ہوتا ہے جب وہ شریعت کے موافق ہو۔

لہٰذا جب ایک علاقہ میں رؤیت چاند ہو جائے تو رؤیت جہاں بھی ہو ثبوتِ شرعی کے ساتھ ثابت ہونے پر ہلال کمیٹی یا علاقے کا معتمد عالم دین روزہ یا عیدین کا فیصلہ (اعلان) کر دے تو مسلمانوں کو چاہیئے کہ وہ اس فیصلہ پر عمل کریں۔ اختلاف کو ختم کرنے کے لیے آسان سی تجویز یہ ہے کہ ہلال کمیٹی صرف مخصوص وقت تک شہادت یا اطلاع کی پابندی نہ کرے بلکہ رات گئے تک ملک وبیرونِ ملک رابطہ کرتی رہے جہاں پر بھی رؤیتِ ہلال شرعاً ثابت ہو جائے تو رمضان یا عید کا اعلان کر دیا جائے۔

ہلال کمیٹی کمپیوٹر کے حساب پر شہادت کو نہ پرکھے اس لیے کہ ممکن ہے پاکستان میں طول البلد اور

عرض البلد کے حساب سے امکانِ رویت نہ ہو اور دیگر ممالک میں امکانِ رؤیت ممکن نہ ہو اس لیے شہادت کو شرعی اصول پر پرکھا جائے ۔

لیکن اگر ہلال کمیٹی والے اپنے خود ساختہ اصولوں پر قائم رہتے ہوئے رابطہ سے روگردانی کرتے ہوں تو مسلمانوں پر لازمی ہے کہ وہ علاقے کے معتمد عالم دین کے اعلان پر رمضان وعیدین کا اہتمام کریں تاکہ اختلاف ختم ہو کر لوگوں میں وحدت پیدا ہو جو کہ اسلام کا فلسفہ ہے، لہٰذا ہلال کمیٹی یا علاقے کے معتمد عالم دین کو ثبوتِ شرعی کے ساتھ رؤیتِ ہلال کی اطلاع مل جائے تو اس کے اعلان پر علاقے کے مسلمانوں کو رمضان کا روزہ یا عید (افطار) کر لینا چاہیئے، اس طرح انشاء اللہ وحدت قائم ہو گی۔

کسی دوسرے ملک کے صرف اعلان پر روزہ یا افطار (عید) کرنا شرعاً صحیح نہیں جب تک وہاں کی رؤیت دوسرے طرقِ شرعی (شہادۃ علی الرؤیت یا شہادۃ علی الشہادۃ یا شہادۃ علی القضاء یا استفاضہ) کے ساتھ ثابت نہ ہو جائے اور علاقے کا معتمد عالم دین یا علماء کمیٹی وغیرہ اعلان نہ کرے۔

صاف مطلع کے دوران جمِ غفیر ضروری ہے

سوال: اگر مطلع بالکل صاف ہو تو پھر کتنے آدمیوں کی رؤیت پر اعتماد کر کے روزے یا عیدین کا اعلان کیا جائے گا؟ اگر بالفرض تین یا چار آدمی چاند دیکھنے کی گواہی دیں تو کیا ان کی گواہی قابلِ قبول ہو گی یا نہیں ؟

الجواب: شریعتِ مقدسہ میں چاند کی رؤیت کے لیے قانون یہ ہے کہ اگر ۲۹ کی رات کو مطلع بالکل صاف وشفاف ہو تو پھر جمِ غفیر کی رؤیت روزہ اور عید کے لیے ضروری ہے، جمِ غفیر کی تعداد کے بارے میں مختلف اقوال ذخیرۂ فقہ میں درج ہیں، بعض سے ۵۰ اور بعض سے ۵۰۰ وغیرہ مروی ہے۔ البتہ علامہ ابن عابدین رحمہ اللہ نے تعداد سے قطع نظر کر کے قاضی صاحب کے مطمئن ہونے کو ترجیح دی ہے، لیکن قاضی کا اطمینان بھی دو شرائط کے ساتھ مشروط ہے:

(۱) امکانِ رؤیت (۲) کثرتِ شہود۔

اس لیے صاف مطلع کے دوران تین یا چار آدمیوں کی گواہی ناقابلِ قبول ہے۔

کذا فی ردالمحتار ج ۲ ص ۔۔ کتاب الصوم۔

رویتِ ہلال کے بارے میں ایک استفسار کا جواب

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علماء دین مندرجہ ذیل مسائل کے بارہ میں:۔

(۱) ۲۳ جنوری ۶۶ ۱۹ء کو حکومتِ پاکستان کی وزارتِ داخلہ کی طرف سے جو عید کا اعلان کیا گیا ہے کیا یہ اعلان شریعت کے اعتبار سے درست تھا یا نہیں؟

(۲) جن لوگوں نے اس اعلان کے مطابق عید کی نماز پڑھی ہے ان کا نمازِ عید پڑھنا شرعاً جائز تھا یا نہیں؟

(۳) اور جن لوگوں نے اس دن روزہ نہیں رکھا یا رکھ کر توڑ دیا ہے اُن پر اس روزہ کی قضاء واجب ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ (۱) ہمارے ہاں اکوڑہ خٹک میں خود بندہ کے پاس رویت ماہ شوال حاضر کی شہادت گذری اور آٹھ گواہوں سے شرعی طریقے پر شہادت لی گئی، ہر ایک گواہ نے بلفظ اشہد رویت ماہ شوال حاضر کی بشب اتوار بعد از نماز مغرب مع وجود علت (گرد و غبار اور بادل) کے شہادت دی، جس پر ہم نے بروز اتوار عید کا اعلان کیا اور ان سب واقعات (شہادت اور اعلانِ عید) کی اطلاع مقامی تھانے کے ذریعے ڈپٹی کمشنر اور کمشنر پشاور کو بھی دے دی گئی، اور انہوں نے وزارتِ داخلہ کے ہوم سیکرٹری کو اطلاع دی۔ اب وزارتِ داخلہ نے جو ہلال کمیٹی مقرر کی ہے وہ اگر ثقات عادل علماء پر مشتمل ہو اور انہوں نے ہماری اس اطلاع کو اور اسی طرح دوسری جگہوں سے جو اطلاعات ان کو دی گئیں اُن کو قبول کر کے عید کا فیصلہ کیا ہو اور پھر حکومت کی نگرانی میں یہ فیصلہ اور حکم مختلف ریڈیو سٹیشنوں سے ثقات کے ذریعہ کیا ہو تو یہ اعلان شریعت کے اعتبار سے درست ہے۔

(۲) اب جن لوگوں نے اس اعلان کے مطابق (یعنی اتوار کے دن) نماز عید پڑھی ہے وہ بالکل جائز اور درست پڑھی ہے۔

(۳) مذکورہ طریق پر اعلانِ عید کے بعد جن لوگوں نے اس دن روزہ رکھا نہیں یا رکھ کر توڑ دیا ہے ان پر قضاء واجب نہیں ہوگی۔

استفتاء مندرجہ بالا کے جواب پر اشکال اور اس کا جواب

سوال: محترم حضرت مفتی صاحب! گذشتہ عید کے خلفشار میں آپ سے میں نے ایک فتویٰ منگوایا تھا جو کہ مجھے وصول ہو چکا ہے، اس کو مکرر مطالعہ

فرمانا چاہیں تو اس کا مت ۲۹ ہے۔ اس سلسلہ میں چند باتیں وضاحت طلب ہیں،۔

(۱) آپ کے فتویٰ سے معلوم ہوتا ہے کہ اکوڑہ خٹک میں چاند کا ثبوت شرعی طور پر ہوگیا تھا اس صورت میں بصورتِ ابر وغیرہ آپ کا جو فیصلہ تھا وہ اگر شرعی شرائط کے ساتھ نشر ہُوا ہو تو کیا یہ اُن لوگوں کے لیے بھی حجت ہے جہاں مطلع صاف تھا یا وہاں پھر جمِ غفیر کی علیحدہ شہادت معتبر ہوگی ؟

(۲) اگر حکومت کی نگرانی ہی میں موجودہ اعلان ہونا فرض کیا جائے تو کیا یہ اعلان پاکستان کے دونوں حصوں میں واجب العمل ہوگا یا نہیں ؟ اور اگر نہیں تو اس کا اندازہ کیا ہوگا ؟

(۳) میرے گذشتہ استفتاء کے سوال ۳ کے جواب میں آپ نے تحریر فرمایا ہے کہ مذکورہ طریق پر اعلانِ عید کے بعد جنہوں نے روزہ نہیں رکھا ان پر اس کی قضاء واجب نہیں، یہ تو تب درست ہو سکتا ہے جبکہ خود آپ کے فتویٰ میں مذکورہ شرائط پائی جائیں۔ تو کیا آپ کے علم میں حکومت کے اعلان سے پہلے یہ تمام شرطیں پائی گئی ہیں یا نہیں ؟ قابلِ حوالہ باتوں میں حوالہ بھی ضرور تحریر فرمائیں ؟

نوٹ: آپ کی عید سے ہمیں تعرض نہیں ہے، غرض صرف یہ ہے کہ آپ کا فیصلہ صحیح ہونے کی صورت میں ہم تک شرعی طریق سے پہنچا ہے یا نہیں۔ (مولوی محمد یونس ساکن نورہ ضلع راولپنڈی)

الجواب:- مخدومی المحترم جناب مولانا محمد یونس صاحب، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ ،

امید ہے مزاج گرامی بخیر و عافیت ہوں گے، آپ کے دونوں نوازش نامے ایک بنام حضرت شیخ الحدیث صاحب اور دوسرا اس بندۂ عاجز (قاضی انوارالدین) کے نام مشتمل بر چند استفسارات بوقتِ سعید شرفِ صدور لائے، حالات و کوائف سے مطلع ہوئے، گوناگوں مصروفیات اور مشاغل کی وجہ سے جواب میں تاخیر ہوئی، امید ہے آں محترم محسوس نہ فرمائیں گے۔ حضرت شیخ الحدیث صاحب کو درسِ حدیث اور اہتمام کے کام سے بالکل فرصت نہیں ملتی جو کسی کے ساتھ اس طرح خط و کتابت کا سلسلہ جاری رکھ سکیں، جس طرح کہ آں محترم نے مطالبہ کر کے تحریر فرمایا ہے، اس لیے وہ آپ کے اشکالات کا جواب نہیں دے سکیں گے، البتہ دارالافتاء سے آپ اپنے اشکالات حل فرما سکتے ہیں، وہ بھی مناظرہ کی شکل میں نہیں بلکہ تشفی اور تسلی حاصل کرنے کی غرض سے، اور اگر دارالافتاء کے جواب سے آپ کی تسلی نہ ہوتی ہو تو پاکستان کے کسی بھی دوسرے دارالافتاء سے اپنی تشفی کرا سکتے ہیں۔ واضح رہے کہ دارالافتاء دارالعلوم حقانیہ کا ایک شعبہ ہے اور کسی مسئلے کا جو جواب یہاں سے جاری ہوتا ہے

وہ حضرت شیخ الحدیث صاحب کی نظر ثانی اور ذمہ داری سے نکلتا ہے، وہ بحیثیت مہتمم دارالعلوم حقانیہ اور شیخ الحدیث اس کے ذمہ دار ہوتے ہیں۔ واقعی حضرت مولانا حسین الدین صاحب خطیب سبزی منڈی راولپنڈی مع تین اور ساتھیوں کے یہاں تشریف لائے تھے اور رویت ہلالِ عید کے متعلق انہوں نے شرعی طور پر اپنی تسلی کرائی تھی، جو کچھ انہوں نے یہاں اپنے آنے کے متعلق لکھا ہے وہ درست ہے اور واقعہ صحیح ہے۔ حضرت شیخ الحدیث صاحب کے نام آپ کا جو نوازش نامہ ہے اس کے جواب میں اتنا ہی کافی ہے، بندہ کے نام نوازش نامہ کے جواب میں یہ عرض ہے کہ:۔

(۱) رویتِ ہلال میں شہروں کی دوری کا اعتبار نہیں اور اکثر فقہاء کرام نے اختلافِ مطالع کا اعتبار نہیں کیا ہے۔ جیسا کہ کتب فقہ کی عبارات پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک شہر کی رویت کی وجہ سے دوسرے شہر میں ثبوت رویت کا فتویٰ دیا جائے گا، جیسا کہ الدرالمختار میں ہے، فیلزم اھل المشرق برویۃ اھل المغرب اذا ثبت عندھم رویۃ اولئک بطریق موجب الخ (الدرالمختار ج ۲ ص۲۹۳) یہ دوسری بات ہے کہ جو بلاد قواعد ہیئت کے اعتبار سے اختلافِ مطالع رکھتے ہوں ان میں اختلافِ مطالع کا اعتبار کیا جائے گا جیسا کہ محققین کے نزدیک ثابت ہے۔ مگر ہمارے بلاد میں قواعد ہیئت کے اعتبار سے بھی اختلافِ مطالع کا اعتبار نہیں کیا جا سکتا۔ ہاں یہ ضروری ہے کہ ایک شہر کی رویت کا ثبوت بطریق موجب ہو جائے جس تین صورتیں فقہاء نے بیان کی ہیں، شہادۃ علی الرویۃ۔ شہادۃ علی شہادۃ الرویۃ۔ شہادۃ علی قضاء الحاکم الشرعی۔ ایک چوتھی صورت بھی ہے جس کو استفاضۃ الخبر کہا جاتا ہے۔ ان چار صورتوں میں جس صورت سے بھی رویت ہلال کا ثبوت ہو جائے تو وہ حجت ہوگا۔

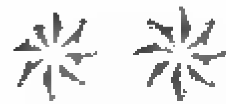
اس تحقیق کے بعد آپ کے اصل سوال کا جواب یہ ہے کہ ہمارے ہاں جو شہادت رویتِ ہلال کی گذری تھی جس کی بناء پر ہم نے بروز اتوار عید کا اعلان کر دیا اور بالوسائط اس کی اطلاع مرکزی رویتِ ہلال کمیٹی کو دیدی، اب اگر مرکزی رویتِ ہلال کمیٹی کے ارکان نے اس کو منظور کر کے حکومت کی نگرانی میں شرائط کے ساتھ نشر کیا ہو تو یہ استفاضۃ الخبر بن کر ان لوگوں کے لیے بھی حجت ہوگا جہاں مطلع صاف تھا اور انہوں نے چاند دیکھنے کا اہتمام نہیں کیا یا کیا تو ہو لیکن نظر نہیں آیا ہو تو جمِ غفیر کی علیحدہ شہادت کی ضرورت اس کے بعد نہ ہوگی۔

(۲) جی ہاں اگر حکومت کی نگرانی میں شرائط مذکورہ "فتویٰ سابقہ کے ساتھ" یہ اعلان ہونا فرض کیا

جائے تو پاکستان کے دونوں حصوں کے لیے واجب العمل ہوگا۔

(۳) اپنے علم کی حد تک جتنا کہ مجھے معلوم ہے وہ یہ ہے حکومت نے وزارتِ داخلہ کے ماتحت ایک مرکزی رویتِ ہلال کمیٹی مقرر کی ہے جس کے اعلیٰ رکن (سربراہ) ڈسٹرکٹ خطیب راولپنڈی مولانا فیض علی فیضی ہیں اور وہ رویتِ ہلال کے متعلق کمیٹی کے دوسرے ارکان کی معیت میں فیصلہ کر کے حکومت کی نگرانی میں ریڈیو اور ٹی وی پر نشر کرتے ہیں، اس لیے بندہ نے سابق فتویٰ میں آپ کے سوال ۳ کے جواب میں لکھ دیا تھا کہ مذکورہ طریق پر اعلانِ عید کے بعد جنہوں نے اس دن روزہ رکھا نہیں یا رکھ کر توڑ دیا ہے ان پر قضا واجب نہیں ہے اور بجائے "نہیں ہوگا" کے صرف "نہیں" لکھ دیا، اگر آپ کے علم میں یہ اعلان شرائط کے ماتحت نہیں کیا جاتا ہو اور یہ استفاضۃ الخبر میں داخل نہ ہو تو میں بجائے صرف "واجب نہیں" کے "واجب نہیں ہوگا" لکھ کر بری الذمہ ہو جاؤں گا۔

التماس: جنابِ من! آپ کے عید نہ کرنے سے ہمیں کوئی واسطہ نہیں۔ ہم تو اپنی معلومات کی حد تک یہ مسئلہ واضح کرنا چاہتے ہیں کہ اعلانِ عید یا روزہ بذریعۂ ریڈیو حجت ہے یا نہیں؟ تو میری رائے میں جو اطلاعات رویت اور شہادت ہلالِ عید کے متعلق ہم نے مرکزی رویتِ ہلال کمیٹی کو پہنچائی تھیں اور کمیٹی والوں نے اس پر فیصلہ کر کے بذریعہ ریڈیو نشر کر کے اعلانِ عید کیا ہے وہ استفاضۃ الخبر ہے اور جنہوں نے اس اعلان کو سن لیا ہے ان پر حجت ہے۔ اب اگر ہماری اس رائے کے ساتھ آپ کو اتفاق نہ ہو تو ہم آپ کو مجبور نہیں کر سکتے۔ (فقط والسلام)



باب تعریف الصوم واقسامہٖ وشرائطہٖ

(روزہ کی تعریف، اقسام اور شرائط کے بیان میں)

روزہ کی نیت کا وقت

سوال:۔ اگر رات کو روزہ کی نیت کرنی بھول جائے تو کس وقت تک نیت کرکے روزہ رکھنا درست ہے؟

الجواب:۔ اگر طلوع فجر کے بعد روزہ دار سے روزہ کے منافی کسی امر کا ارتکاب نہ ہوا ہو تو نصف النہار سے قبل تک نیت کرکے روزہ رکھ سکتا ہے، البتہ نصف النہار گذرنے کے بعد نیت کا کوئی اعتبار نہیں۔

قال عبد الرحمٰن الجزیریؒ:۔ ویسن لہ ان یتلفظ بہا۔ وقتہا کل یوم بعد غروب الشمس الی ماقبل نصف النہار والنہار الشرعی، من انتشار الضوء فی الافق الشرقی عند طلوع الفجر الی غروب الشمس فیقسم ھذا الزمن نصفین وتکون النیۃ فی النصف الاول بحیث یکون الباقی من النہار الی غروب الشمس اکثر مما مضی۔ (کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعۃ ج ۱ ص۵۲۵) ؎

روزہ کی فرضیت کے لیے عمر کی حد

سوال:۔ ایک مسلمان پر روزہ کس عمر میں فرض ہوتا ہے؟

الجواب:۔ بنیادی طور پر بالغ ہونے پر روزہ فرض ہو جاتا ہے جس کی پہچان لڑکے کو احتلام ہونے اور لڑکی کو حیض آنے سے ہوتی ہے، البتہ اگر کسی بچے پر بلوغت کے آثار نمایاں نہ ہوں تو پھر پندرہ سال کی عمر تک پہنچنے کی صورت میں روزہ رکھنا واجب ہے۔

قال العلامۃ الحصکفی رحمہ اللہ:۔ فان لم یوجد فیہما شیٔ منہا فحتی یتم لکل منہما

؎ قال العلامۃ سید احمد طحطاویؒ:۔ (ولو نہارًا الی ماقبل نصف النہار) المراد انہ من اللیل الی ھذا الوقت ظرف النیۃ وفمتی حصلت فی جزء من ھذا الزمان صح الصوم لما ذکرہ المصنف، وان نوی الصوم من النہار ینوی انہ صائم من اولہ حتی لو نوی قبل الزوال انہ صائم من حین نوی لا من اول النہار لا یصیر صائمًا حموی وانما تجوز قبل الضحوۃ اذا لم یوجد قبلہا ماینافی الصوم کاکل وشرب وجماع۔ (مراقی الفلاح علی ھامش الطحطاوی ج۱ ص۵۳۰ کتاب الصوم)

ومِثْلُہٗ فی فتاوٰی قاضی خان ج ۱ ص۹۵ کتاب الصوم۔

خمس عشرة سنة وبه یفتی۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۶ ص ۱۵۳ کتاب الحجر) [1]

یوم الشک میں نفل کی نیت کے باوجود روزہ فرض شمار ہوگا

سوال:۔ اگر شک والے دن نفل کی نیت سے روزہ رکھا جائے مگر بعد میں شرعی ثبوت سے یہ معلوم ہوجائے کہ آج تو یکم رمضان ہے، تو عند الشرع اس نفلی روزے کا کیا حکم ہے؟

الجواب:۔ یکم رمضان ثابت ہونے پر یہ دن یوم الشک کا نہیں بلکہ رمضان کا شمار ہوگا، چونکہ ماہ رمضان فرض روزوں کے لیے مقرر ہے اس لیے کسی نفل کی نیت سے فرض روزہ متاثر نہیں ہوتا بلکہ یہی روزہ رمضان کا روزہ شمار ہوگا اور اس پر قضاء بھی لازم نہیں۔

قال عالم بن العلاءؒ:۔ فان ظهر انه من رمضان کان صائماً عن رمضان۔ وفی الخانیة وقیل علی قول محمد لا یکون صائماً۔ (فتاویٰ تاتارخانیة ج ۲ ص ۳۹۲ کتاب الصوم، الفصل الثامن، الاوقات التی یکره فیها الصوم) [2]

پوری زندگی روزہ رکھنے کی منت ماننا

سوال:۔ اگر کسی شخص نے تمام عمر روزہ رکھنے کی نذر مان لی تو اس کے لیے افطار کرنے کا کیا حکم ہے؟

الجواب:۔ تمام عمر روزہ رکھنے کی نذر مان لینا بلاشبہ درست ہے مگر بہتر نہیں، اسلئے کہ انسان ہر حالت میں ایک جیسا نہیں ہوتا ہے۔ تمام عمر روزہ رکھنے کی نذر ماننے میں کبھی بھی افطار

---

[1] قال العلامة فخر الدینؒ:۔ بلوغ الغلام بالاحتلام والاحبال والانزال والا فحتی یتم له ثمانی عشر سنة والجاریة بالحیض والاحتلام والحبل والا فحتی یتم لها سبع عشرة سنة ویفتی بالبلوغ فیهما بخمس عشرة سنة۔ (تبیین الحقائق ج ۵ ص ۲۰۳ کتاب الحجر)
وَمِثْلُهٗ فی البحر الرائق ج ۸ ص ۸۵ کتاب الحجر۔

[2] قال ابن نجیمؒ:۔ واعلم انه یتفرع علی کیفیة النیة ووقتها مسئلة الاسیر فی دار الحرب اذا اشتبه علیه رمضان فتحری وصام شهراً عن رمضان فلا یخلوا اما ان یوافق اولا بالتقدیم او بالتاخیر فان وافق جاز وان تقدم لم یجز۔ (البحر الرائق ج ۲ ص ۲۶۳ کتاب الصوم)
وَمِثْلُهٗ فی فتح القدیر ج ۲ ص ۲۴۴ کتاب الصوم۔

کرنے کی گنجائش نہیں البتہ ایام منہیات میں روزہ رکھنا مکروہ تحریمی ہے، اس لیے افطار کرنے کے بعد ہر سال پانچ روزے اس کے ذمہ باقی رہیں گے، فراغتِ ذمہ کے لیے فدیہ کی ادائیگی کی وصیت کرنی ہوگی۔

قال طاهر بن احمدؒ۔ رجل قال للّٰه علیّ صوم هٰذه السنة فانه یفطر یوم الفطر ویوم النحر وایام التشریق ویقضی تلك الایام وعلیه کفارة الیمین۔ (خلاصة الفتاوی ج ۱ ص۲۶۱ کتاب الصوم۔ الفصل الرابع فی النذر) ؎۱

شہر میں روزہ افطار کرنے کے بعد ہوائی جہاز کے ذریعے سورج دیکھنے سے روزہ دار کیلئے کیا حکم ہے؟

سوال:۔ شہر میں سورج غروب ہونے کے بعد روزہ افطار کر لیا مگر اس کے فوراً بعد ہوائی جہاز میں سفر کے دوران سورج دوبارہ دیکھ لیا تو کیا اس سے قضاء لازم ہوگی یا نہیں؟ اور امساک کا کیا حکم ہے؟

الجواب:۔ چونکہ اس شخص کو یقینی طور پر سورج کے غروب ہونے کا علم ہو گیا تھا جس کی وجہ سے اس نے روزہ افطار کر لیا اب جبکہ دوبارہ سورج دیکھ لیا تو اس کو امساک (یعنی سورج کے غروب ہونے کا انتظار) کرنا چاہیئے تاکہ حقیقی طور پر سورج غروب ہو جائے، یہ امساک فقط روزہ داروں کے ساتھ مشابہت کی وجہ سے ضروری ہے ورنہ اس کا روزہ تو ادا ہو گیا ہے اس پر کوئی قضاء لازم نہیں۔

قال العلامة الحصکفیؒ:۔ قال فی شرح التنویر فلو غربت ثم عادت هل یعود الوقت بالظاهر نعم۔ وقال ابن عابدینؒ: (قوله الظاهر نعم) بحث صاحب النهر حیث قال ذکر الشافعیة ان الوقت یعود الیٰ قوله قلت علیٰ ان الشیخ اسمٰعیل رد ما بحثه فی النهر تبعا للشافعیة

؎۱ قال عالم بن العلاءؒ:۔ واذا قال و للّٰه علیّ صوم الابد یفطر ایام العید ویطعم عن کل یوم مسکینًا نصف صاع من حنطة۔ هشام عن محمدؒ: فیمن جعل علیٰ نفسه صوم الابد فافطر یوم الفطر ویوم الاضحیٰ۔ لا یطعم هٰذه الایام فی حیاته وعلیه ان یوصی ان یطعم۔ الخ۔ (فتاویٰ تاتارخانیة ج ۲ ص۴۰۵ کتاب الصوم، الفصل الحادی عشر فی النذور۔)

وَمِثْلُهٗ فی الهدایة ج ۱ ص۲۲۸ کتاب الصوم، فی ما یوجبه علیٰ نفسه۔

بان صلوٰۃ العصر بغیبوبۃ الشفق تصیر قضاءً ورجوعھا لایعیدھا اداء وما فی الحدیث خصوصیۃ لعلیؓ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کما یعطیہ قولہ علیہ الصلوٰۃ والسلام انہ کان فی طاعتک وطاعۃ رسولک اھ۔ عود الوقت بعودھا للکل، واللہ تعالیٰ اعلم ۔

(رد المحتار ج ۱ ص ۳۶۱،۳۶ کتاب الصوم) لـہ

طویل النہار (لمبے دن) والے ممالک میں روزہ رکھنے کا طریقہ

سوال:۔ دنیا کے بعض خطے اور ممالک ایسے ہیں جہاں دن بہت لمبے ہوتے ہیں، وہاں روزے رکھنے کا شرعی طریقہ کیا ہے؟

الجواب:۔ جن ملکوں میں دن چوبیس ۲۴ گھنٹوں سے بڑا ہو تو ان ممالک میں رہنے والے مسلمانوں کو قریب ملک اور علاقے کے وقت کی پابندی کا لحاظ رکھنا ہوگا، کیونکہ عام طور پر انسان چوبیس گھنٹے کا روزہ رکھنا برداشت نہیں کرسکتا، البتہ اگر چوبیس ۲۴ گھنٹے سے دن اس قدر چھوٹا ہو کہ سحری اور افطاری کھانے کا وقت ملتا ہو اور طلوع وغروب بھی ہوتا ہو تو اس ملک کے وقت کے موافق روزے رکھنے ہوں گے، تاہم یقیناً بیماروں کے لیے شریعت میں مراعات پائی جاتی ہیں۔

قال العلامۃ ابن عابدین رحمہ اللہ (تتمۃ) لم ار من تعرض عندنا لحکم صومھم فیما اذا کان یطلع الفجر عندھم کما تغیب الشمس او بعدہ بزمان لایقدر فیہ الصائم علی ما یقیم بنیتہ ولا یمکن ان یقال بوجوب الصوم موالاۃ الصوم علیھم لانہ یؤدی الی الھلاک فان قلنا بوجوب الصوم یلزم القول بالتقدیر وھل یقدر لیلھم باقرب البلاد الیھم کما قالہ الشافعیۃ ھنا ایضاً ام یقدر لھم بما یسع الاکل والشرب یجب علیھم القضاء فقط

لـہ لما قال العلامۃ الکاسانی رحمہ اللہ:۔ وکذا من وجب علیہ الصوم فی اول النہار لوجود سبب الوجوب والاھلیۃ ثم تعذر علیہ المضی فیہ بان افطر متعمداً او اصبح یوم الشک مفطراً ثم تبین انہ من رمضان او تسحر علی ظن ان الفجر لم یطلع ثم تبین لہ انہ طلع فانہ یجب علیہ الامساک فی بقیۃ الیوم تشبھا بالصائمین۔

(بدائع الصنائع ج۲ ص ۱۰۲،۱۰۳ کتاب الصوم الفصل ام حکم الصوم المؤقت)

وَمِثْلُہٗ فی مراقی الفلاح علی ھامش طحطاوی ج۱ ص ۵۵۸ کتاب الصوم۔

دون الاداء کل محتمل فلیتامل ۔ (رد المحتار ج ۱ ص۳۳۹ کتاب الصلوٰۃ۔ مطلب فی طلوع الشمس من مغربہا) [1]

عیدین کے دن روزہ رکھنا ممنوع ہے

سوال:۔ اگر کوئی شخص عید کے دن روزہ رکھے تو شرعاً اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب:۔ احادیثِ مبارکہ اور کتبِ فقہ سے یہ حکم واضح ہے کہ پورے سال میں پانچ دن روزہ رکھنا ممنوع ہے جن میں دو دن عیدین (یعنی عید الاضحیٰ اور عید الفطر کا پہلا دن) کے بھی شامل ہیں، لہٰذا ایسے شخص کو عیدین کے دن روزہ نہیں رکھنا چاہیئے ورنہ گنہگار ہو جائے گا۔

قال عبد الرحمٰن جزیریؒ:۔ الصوم المکروہ ینقسم الیٰ قسمین مکروہ تحریماً وھو صوم ایام الاعیاد والتشریق فاذا صامہا انعقد صومہ مع الاثم۔ (فقہ مذاہب اربعہ ج ۱ ص۵۵۹) [2]

---

[1] قال العلامۃ کمال الدینؒ:۔ ولا یرتاب متامل فی ثبوت الفرق بین عدم محل الفرض وبین سببہ الجعلی الذی جعل علامۃ علی الوجوب الخفی الثابت فی نفس الامر وجواز تعدد المعرفات للشیٔ فانتفاء الوقت انتفاء للمعرف وانتفاء الدلیل علی الشی لا یستلزم انتفاءہ لجواز دلیل اٰخر وقد وجد وھو ما تواطات علیہ اخبار الاسراء من فرض اللہ الصلوٰۃ خمساً بعد ما امروا اولاً بخمسین ثم استقر الامر علی خمس شرعاً عاماً لاھل الاٰفاق لا تفصیل فیہ بین اھل قطر وقطر وما روی ذکر الدجال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قلنا ما لبثہ فی الارض قال اربعون یوماً یوم کسنۃٍ ویوم کشہر ویوم کجمعۃ وسائر ایامہ کایامکم فقیل یا رسول اللہ فذلک الیوم الذی کسنۃٍ ایکفینا فیہ صلوٰۃ یوم قال لا اقدروا لہ (رواہ مسلم) فقد اوجب فیہ ثلثمائۃ عصر قبل صیرورۃ الظل مثلاً او مثلین وقس علیہ فاستفدنا ان الواجب فی نفس الامر خمس علی العموم غیر ان توزیعہا علی تلک الاوقات عند وجودھا فلا یسقط بعدمہا الوجوب۔ وکذا قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خمس صلوٰۃ کتبہن اللہ علی العباد ومن افتی بوجوب العشاء یجب علی قولہ الوتر ایضاً
(حاشیۃ شلبی علی تبیین الحقائق ج ۱ ص۸۱ کتاب الصلوٰۃ۔ باب المواقیت)

ومِثلُہٗ فی البحر الرائق ج ۱ ص۲۴۶ کتاب الصلوٰۃ باب المواقیت۔

[2] قال ابن نجیمؒ:۔ وعندنا یکرہ الصوم فی یومی العید وایام التشریق۔ (البحر الرائق ج ۲ ص۲۵۸)

ومِثلُہٗ فی الھندیۃ ج ۱ ص۲۰۱ کتاب الصوم۔ الباب الثالث فی ما یکرہ للصائم۔

مجنون پر روزے کا فدیہ واجب نہیں

سوال:۔ اگر مجنون روزہ کی ادائیگی پر قادر نہ ہو تو اس کے اولیاء فدیہ دے سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب:۔ احکام شرعیہ کا مکلف عاقل و بالغ انسان ہوتا ہے، یہی وجہ ہے کہ مجنون مکلف بالعبادات نہیں ہوتا، اس لیے اس کے مرنے کے بعد ورثاء پر فدیہ دینا بھی لازم نہیں، بشرطیکہ یہ عارضہ ممتد ہو (یعنی رمضان کا پورا مہینہ مجنون ہو) اور اگر عارضہ غیر ممتد ہو تو اس صورت میں ما فات کی قضاء لازمی ہے، اور اگر قضاء سے قبل مرجائے تو بصورتِ وصیت فدیہ دینا لازمی ہے۔

قال العلامة کاسانیؒ:۔ ولا وجوب علی المجنون لان الوجوب بالخطاب ولا خطاب علیه لانعدام القدرتین ولهذا لم یجب القضاء فی الجنون المستوعب شهرا وجه قول اصحابنا....فی الجنون العارض ما اذا افاق فی وسط الشهر او فی اوله حتی لو جن قبل الشهر ثم افاق فی آخر یوم منه یلزمه قضاء جمیع الشهر (بدائع الصنائع ج۲ ص۸۸، ۸۹ کتاب الصوم فصل شرائط الصوم)[۱]

کس چیز سے روزہ افطار کرنا چاہیئے؟

سوال:۔ شرعاً روزہ کس چیز سے افطار کرنا افضل ہے؟

الجواب:۔ بہتر یہ ہے کہ روزہ دار کھجور سے روزہ افطار کرے اور اگر کھجور میسر نہ ہو تو پھر پانی سے افطار کرنا بہتر ہے، تاہم اس کے علاوہ بھی دیگر اشیاء سے روزہ افطار کرنا جائز ہے۔

اخرج ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰؒ:۔ عن انس بن مالک رضی الله تعالیٰ عنه قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم من وجد تمرا فلیفطر علیه ومن لا فلیفطر علی ماء فان الماء طهور۔ (الجامع الترمذی ج۱ ص۱۴۹)[۲]

سحری و افطاری کا مستحب طریقہ

سوال:۔ سحری اور افطاری میں تعجیل و تاخیر کا حکم ایک ہے یا ان میں کچھ فرق ہے؟

---

[۱] قال ابن نجیمؒ:۔ (قوله وبجنون غیر ممتد) ای یقضیه اذ فاته بجنون غیر ممتد وهو ان لا یستوعب الشهر والممتد هو ان یستوعب الشهر وهو مسقط للحرج۔ (البحر الرائق ج۲ ص۲۹۰ کتاب الصوم فصل فی العوارض)

وَمِثْلُهٗ فی فتاوی تاتارخانیة ج۲ ص۳۹۶ کتاب الصوم۔ الفصل العاشر فی الجنون۔

[۲] محمد بن یزیدؒ:۔ عن سلیمان بن عامر قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: اذا افطر احدکم فلیفطر علی تمر فان لم یجد فلیفطر علی الماء فانه طهور۔ (ابن ماجة ج۱ ص۱۲۳ باب ما جاء علی ما یستحب الفطر)

وَمِثْلُهٗ فی ابی داؤد ج۱ ص۳۲۱ باب ما یستحب الفطر۔

الجواب: شریعتِ مقدسہ میں سورج غروب ہونے کے فوراً بعد افطاری کرنا مستحب ہے اور سحری میں آخر وقت تک تاخیر کرنا اولیٰ ہے، تاہم احتیاط اسی میں ہے کہ ظن غالب پر طلوعِ فجر سے چند منٹ پہلے سحری بند کردینی چاہیئے۔

قال العلامۃ سید احمد طحطاوی رحمہ اللہ: النہار عبارۃ عن زمان ممتد من طلوع الفجر الصادق الی غروب الشمس وھو قول اصحاب الفقہ والمعتبر (قولہ الی الغروب) ھو اول زمان بعد غیبوبۃ تمام جرم الشمس بحیث تظھر الظلمۃ فی جھۃ المشرق۔ وفی البخاری عنہ صلی اللہ علیہ وسلم: اذا اقبل اللیل من ھٰھنا فقد افطر الصائم۔ ای اذا وجدت الظلمۃ حسا فی جھۃ المشرق فقد دخل وقت الفطر او صار مفطرا فی الحکم۔ لان اللیل لیس ظرفا للصوم قہستانی۔

(مراقی الفلاح علیٰ ھامش طحطاوی ج ۱ ص ۵۲۱ کتاب الصوم)[1]

کیا اذانِ فجر انتہاءِ سحری کی دلیل ہے

سوال: سحری کا آخری وقت معلوم کرنے کا کیا طریقہ ہے؟ کیا فجر کی اذان انتہاءِ سحری کی دلیل بن سکتی ہے یا نہیں؟

الجواب: روزہ بند کرنے میں بنیادی اعتبار انتہائے وقت کا ہے اسلئے طلوعِ فجر سے قبل روزہ رکھنا واجب ہے، البتہ اگر اذان صحیح وقت پر دی جاتی ہو تو پھر یہ انتہائے وقت کی دلیل بن سکتی ہے ورنہ تقدیم وتاخیر کی صورت میں اسے انتہاءِ سحر سمجھنا درست نہیں۔ ہمارے علاقوں میں اذان عموماً وقت داخل ہونے کے بعد دی جاتی ہے اسلئے اس دوران کھانا پینا جائز نہیں بلکہ اس سے چند منٹ پہلے ہی کھانا پینا بند کردینا چاہیئے۔

قال العلامۃ عالم بن العلاء رحمہ اللہ: قال اصحابنا وقت الصوم من حین یطلع الفجر الثانی وھو الفجر المستطیر المنتشر فی الافق الی غروب الشمس، واذا غربت الشمس خرج وقت الصوم ولم ینقل عنھم ان العبرۃ لاول طلوع الفجر الثانی او لاستطارتہ وانتشارہ۔ وقد اختلف المشائخ فیہ قال بعضھم: العبرۃ لاولہ۔ وبعضھم قالوا العبرۃ لاستطارۃ۔ قال الشمس الائمۃ الحلوانی رحمہ اللہ: القول الاول احوط والثانی اوسع۔ (فتاویٰ تاتارخانیہ ج ۲ ص ۳۶۶ کتاب الصوم الفصل الاول فی بیان وقت الصوم)[2]

---

[1] قال طاہر بن احمد عبد الرشید البخاری رحمہ اللہ: ویستحب للصائم تعجیل الافطار قبل الصلوٰۃ وتاخیر السحور وفی یوم الغیم لا یستحب التعجیل ولا یفطر ما لم یغلب علیٰ ظنہ غروب الشمس۔ (خلاصۃ الفتاویٰ ج ۱ ص ۲۶۶ کتاب الصوم الفصل الخامس فی الخطر والاباحۃ)

ومثلہٗ فی رد المحتار ج ۲ ص ۴۱۹ کتاب الصوم مطلب فی حدیث التوسعۃ علی العیال الخ۔

[2] قال ابن عابدین رحمہ اللہ: (قولہ وھو الیوم) ای الیوم الشرعی من طلوع الفجر الی الغروب وھل المراد اول زمان الطلوع او انتشار الضوء؟ فیہ خلاف کالخلاف فی الصلوٰۃ والاول احوط والثانی اوسع۔ (رد المحتار ج ۲ ص ۳۷۱ کتاب الصوم)

ومثلہٗ فی الھندیۃ ج ۱ ص ۱۹۴ کتاب الصوم الباب الاول تعریفہ وتقسیمہ۔

صرف جمعہ کے دن روزے کا حکم

سوال:۔ حنفیہ کثر اللہ سوادھم کے نزدیک صرف جمعہ کے دن روزہ رکھنا کیسا ہے ؟

الجواب:۔ علماء احناف کے ہاں راجح مذہب یہ ہے کہ تنہا جمعہ کا روزہ رکھنا مکروہ نہیں البتہ جن احادیث میں نہی وارد ہے وہ ضعف اور کمزوری وغیرہ پیدا ہو جانے پر محمول ہے کہ جس کی وجہ سے جمعہ کی ادائیگی میں فرق آتا ہو۔

قال العلامہ ابن عابدینؒ: ولا بأس بصوم یوم الجمعة عند ابی حنیفةؒ ومحمدؒ لما روی عن ابن عباسؓ انه کان یصومه ولا یفطر۔ (رد المحتار ج۲ ص۹۱ کتاب الصوم) ؎۱

ذی الحجہ میں ایام بیض کے روزوں کا حکم

سوال:۔ ایام بیض کے روزے رکھنا شرعاً مسنون ہیں جو ہر ماہ کی ۱۳، ۱۴، ۱۵ تاریخ کو آتے ہیں، کیا ماہ ذی الحجہ میں بھی انہی تاریخوں کو روزے رکھے جائیں یا دوسری تاریخوں کو رکھے جائیں ؟

الجواب:۔ شریعت مقدسہ میں ایام عید الاضحیٰ یعنی ۱۰، ۱۱، ۱۲، ۱۳ ذی الحجہ کے روزے رکھنا ممنوع ہیں اس لیے ماہ ذی الحجہ میں ۱۳ تاریخ کا روزہ رکھنا جائز نہیں بلکہ بجائے ۱۳ کے ۱۴، ۱۵، ۱۶ کے روزے رکھے جائیں۔

قال العلامة عالم بن العلاء الانصاری رحمہ اللہ: یکره الصوم فی العیدین وایام التشریق لانعقاد الاجماع ولو صام یکون صائماً مسیئاً ولو افسده لا یقضی عند ابی حنیفةؒ۔ (الفتاوی التاتارخانیة ج۲ ص۳۸۸ کتاب الصوم ؎۲ فصل فی بیان الاوقات التی یکره فیها الصوم)

؎۱ قال الشیخ وهبة الزحیلی: ومنه صوم یوم الجمعة ولو منفرداً فلا بأس بصیامه عند ابی حنیفةؒ ومحمدؒ۔ لما روی عن ابن عباسؓ انه کان یصومه ولا یفطر۔

(الفقه الاسلامی وادلته ج۲ ص۵۹۲ مسائل صوم مندوب)

ومثله فی خلاصة الفتاوی ج۱ ص۲۶۵ کتاب الصوم الفصل الخامس فی الحظر والاباحة۔

؎۲ قال العلامة حسن بن عمار الشرنبلالیؒ: والثانی الذی کره تحریماً صوم عیدین الفطر والنحر ومنه صوم ایام التشریق۔ وقال السید احمد الطحطاویؒ: قوله (ومنه صوم ایام التشریق) هی ثلاثة بعد ایام النحر (طحطاوی ص۳۵۱ کتاب الصوم) ومثله فی الفقه الاسلامی وادلته ج۲ ص۵۸۲۔

حاجی کے لیے یوم عرفہ کا روزہ رکھنا جائز ہے یا نہیں

سوال:۔ احادیث مبارکہ میں یوم عرفہ کا روزہ رکھنا منقول ہے، کیا یہ حکم حاجی کے لیے بھی ہے یا نہیں؟

الجواب: یوم عرفہ کا روزہ رکھنا شرعاً مسنون ہے اور یہ حکم سب کے لیے یکساں ہے البتہ اگر حاجی کو روزہ رکھنے سے ضعف لاحق ہو جائے جس کی وجہ سے مناسکِ حج میں خلل واقع ہونے کا احتمال ہو تو اس صورت میں عرفہ کے دن کا روزہ رکھنا مکروہ ہے۔

قال العلامۃ الحصکفیؒ: المستحبۃ وعرفۃ ولو لحاج لم یضعفہ الخ۔ قال ابن عابدینؒ: (قولہ لم یضعفہ صفۃ لحاج) ای اکان لا یضعفہ عن الوقوف بعرفات ولا یخل بالدعوات محیط فلو اضعفہ کرہ۔ (ردالمحتار ج۲ ص۹۱ کتاب الصوم) [1]

یوم عاشورہ کے روزے کا حکم

سوال:۔ محرم الحرام کی دسویں تاریخ کو روزہ رکھنے کا کیا حکم ہے، کیا یہ صرف ایک دن کا روزہ رکھنا ہوگا یا اس سے پہلے یا بعد والے دن کا روزہ بھی ملانا ہوگا؟

الجواب:۔ یوم عاشورہ یعنی دس محرم الحرام کا روزہ رکھنا مسنون ہے مگر اس روزے کے ساتھ ایک دن پہلے یا بعد والے دن کا روزہ ملانا ضروری ہے اس لیے کہ صرف دس محرم کا روزہ رکھنا مکروہ ہے۔

قال العلامۃ طاھر بن عبد الرشید البخاریؒ: واما صوم یوم عاشوراء فیستحب ان یصوم قبلہ یوماً وبعدہ یوماً۔ (خلاصۃ الفتاوی ج۱ ص۲۶۵ کتاب الصوم۔ باب الحظر والاباحۃ) [2]

---

[1] قال الشیخ الدکتور وھبۃ الزحیلی: ومنہ صوم یوم عرفۃ ولو لحاج لم یضعفہ عن الوقوف بعرفات ولا یخل بالدعوات فلو اضعفہ کرہ۔
(الفقہ الاسلامی وادلتہ ج۲ ص۵۹۲ اراء المذاھب فی الصوم المنذور)
ومثلہ فی الفتاوی التاتارخانیۃ ج۲ ص۳۸۹ الاوقات التی یکرہ فیھا الصوم۔

[2] قال العلامۃ عالم بن العلاء الانصاریؒ: وکانوا یستحبون ان یصوموا قبل عاشوراء او بعدہ یوماً۔ (الفتاوی التاتارخانیۃ ج۲ ص۳۹۰ کتاب الصوم فی الاوقات التی یکرہ فیھا الصوم)
ومثلہ فی الفقہ الاسلامی وادلتہ ج۲ ص۵۹۰ النوع الرابع، صوم التطوع۔

رمضان المبارک میں مہمان کی خاطر و تواضع کا حکم

سوال:۔ جناب محترم مفتی صاحب! میں بسلسلہ روزگار انگلینڈ میں مقیم ہوں وہاں میرے کچھ انگریز دوست ہیں اگر وہ میرے پاس رمضان المبارک میں دن کے وقت ملاقات کے لیے آئیں تو کیا میں ان کی خاطر و تواضع کر سکتا ہوں یا نہیں؟ قرآن و سنت کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں؟

الجواب: اسلام نے مہمان کی خاطر مدارات کے لیے نفلی روزہ تک توڑ دینے کی گنجائش رکھی ہے، اس لیے اگر کوئی شخص مہمان کی خاطر و تواضع کے لیے نفلی روزہ توڑ دے تو اس میں کوئی حرج نہیں البتہ اس روزہ کی قضاء کرنا ضروری ہے، جب غیر رمضان میں مہمان کی خاطر نفلی روزہ افطار کیا جا سکتا ہے تو پھر رمضان المبارک میں ایسا کرنا بدرجہ اولیٰ جائز ہے اس سے روزہ پر کوئی اثر نہیں پڑے گا۔ تاہم آپ کے لئے مہمان کی خاطر رمضان کا روزہ توڑنا جائز نہیں۔

لما قال العلامۃ اشرف علی التھانویؒ: کسی کے گھر مہمان گئے یا کسی نے دعوت کر دی اور کھانا نہ کھانے سے اس کا جی برا ہوگا دل شکنی ہوگی تو اس کی خاطر سے نفل روزہ توڑ دینا درست ہے اور مہمان کی خاطر سے گھر والی کو بھی توڑ دینا درست ہے۔

(بہشتی زیور ص۱۰ ج۳ کتاب الصوم)

عاشورہ کے دن قضاءِ رمضان کا حکم

سوال:۔ جناب محترم مفتی صاحب! یوم عاشورہ (دس محرم الحرام) کو قضاءِ رمضان کا روزہ رکھنا جائز ہے یا نہیں؟ اگر کوئی رکھ لے تو اس کا کیا حکم ہے؟ فقہ حنفی کی روشنی میں مسئلے کا حل بیان فرمائیں؟

الجواب:۔ اسلام نے سال بھر میں صرف پانچ دن[۱] روزہ رکھنے کو موجب گناہ قرار دیا ہے، اس کے علاوہ باقی ایام میں جس دن چاہے قضاءِ رمضان کا روزہ رکھا جا سکتا ہے ایسا کرنے سے ذمہ فارغ ہو جائے گا۔

لما فی الھندیۃ: لو نوی قضاء رمضان والتطوع کان عن القضاء۔

(فتاویٰ قاضی خان علیٰ ھامش الھندیۃ ج۱ ص۲۰۰ کتاب الصوم)

---

[۱] ان پانچ دنوں کی تفصیل یہ ہے: عید الفطر کا دن، ۱۰، ۱۱، ۱۲، ۱۳ ذی الحجہ

پیر اور جمعرات کے دن روزہ رکھنے کا حکم

سوال:۔ جناب محترم مفتی صاحب! میری والدہ صاحبہ کئی برسوں سے پیر اور جمعرات کا روزہ رکھ رہی ہیں، کیا قرآن و سنت میں اس کے بارے میں کوئی فضیلت آئی ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ پیر اور جمعرات کے دن اللہ تعالیٰ کے دربار میں اعمال نامے پیش کیے جاتے ہیں، مجھے یہ پسند ہے کہ میرے اعمال اللہ تعالیٰ کے حضور اس حال میں پیش ہوں کہ میں روزہ سے ہوں۔ لہٰذا پیر اور جمعرات کے دن روزہ رکھنا کارِ ثواب ہے۔

عن عائشۃ رضؓ قالت: کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یتحری صوم الاثنین والخمیس ۔ (الجامع الترمذی ج ۱ ص۱۵۸ باب ماجاء فی صوم الاثنین والخمیس) لہ

پندرہ شعبان کے روزے کا شرعی حکم

سوال:۔ جناب محترم مفتی صاحب! ۱۵ شعبان کے روزے کا ثواب ملے گا یا نہیں؟ نیز اس روزے کا شرعاً کیا حکم ہے؟

الجواب:۔ فقہاء کرام نے لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں مرغوب روزوں میں ۱۵ شعبان (شب برات) کا روزہ بھی ہے، لہٰذا اس قسم کا روزہ رکھنا موجب اجر و ثواب ہے۔

لما فی الھندیۃ: المرغوبات من الصیام انواع اولھا صوم المحرم والثانی صوم رجب والثالث صوم شعبان ۔ (الفتاوی الھندیۃ ج ۱ ص۲۰۲) لہ

لہ عن حفصۃ رضؓ قالت کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یصوم ثلثۃ ایام من الشھر الاثنین والخمیس والاثنین من الجمعۃ الاخریٰ ۔ (ابوداؤد ج ۱ ص۳۳۲ باب من قال الاثنین والخمیس)
ومثلہ فی مشکوۃ المصابیح ص۱۷۹ کتاب الصوم، باب صیام التطوع ۔

لہ لما قال العلامۃ اشرف علی التھانوی رحمہ اللہ:۔ شب برات کی پندرہویں اور عید الفطر کے چھ دن نفل روزہ رکھنے کا بھی اور نفلوں سے زیادہ ثواب ہے ۔
(بہشتی زیور حصہ۳ ص۲۰ کتاب الصوم)

مرّوجہ افطار پارٹیوں میں شرکت کا مسئلہ

سوال:۔ رمضان المبارک میں بعض سیاسی لوگ ایک دوسرے کو افطار پارٹیوں میں مدعو کرتے ہیں جن میں عموماً کبیرہ گناہوں کا ارتکاب ہوتا ہے۔ شرعاً اس قسم کی افطار پارٹیوں میں شرکت کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ اگرچہ کسی روزہ دار کو روزہ افطار کرانا بہت بڑے ثواب کا کام ہے، احادیث مبارکہ میں اس کی بڑی فضیلت آئی ہے، مگر مروجہ افطار پارٹیوں میں چونکہ اکثر کبائر کا ارتکاب ہوتا ہے اس لیے اس قسم کی افطار پارٹیوں میں شرکت نہیں کرنی چاہیئے تاکہ ارتکاب گناہ سے بچا جا سکے۔

لما قال علیہ السلام: من فطر صائماً کان له مغفرة لذنوبه وعتق رقبته من النار وکان له مثل اجره من غیر ان ینقص من اجره شیء۔

(مشکوٰۃ ص۱۷۳ کتاب الصوم۔ الفصل الثالث) [۱]

مطلع صاف نہ ہونے کی صورت میں روزہ افطار کرنے کا حکم

سوال:۔ ماہ رمضان میں اگر کسی دن آسمان پر بادل ہوں اور سورج غروب ہونے کا صحیح اندازہ نہ ہو سکتا ہو تو ایسے میں روزہ افطار کرنے کا شرعاً کیا حکم ہے؟

الجواب:۔ مستحب تو یہ ہے کہ جیسے سورج ہو فوراً روزہ افطار کیا جائے، اور اگر مطلع صاف نہ ہو یا آسمان پر بادل وغیرہ ہوں تو پھر روزہ افطار کرنے میں اتنی دیر کی جائے کہ سورج ہونے یا نہ ہونے کا شک ختم ہو جائے۔ اور آجکل تو ویسے بھی تقریباً ہر آدمی کے پاس گھڑی ہوتی ہے اس کے حساب سے سورج ہونے کا یقین ہو جانے کے بعد روزہ افطار کر لینا چاہیئے۔

لما قال العلامة المرغینانیؒ: ولو شك فی غروب الشمس لا یحل له الفطر۔

(الهدایة ج۱ ص۱۸۷ کتاب الصوم) [۲]

---

[۱] لقوله علیه السلام: من فطر صائماً فله مثل اجره۔

(مجمع الزوائد ج۳ ص۳۷۲ کتاب الصوم، باب فیمن فطر صائماً)

[۲] لما قال العلامة اشرف علی التھانویؒ: جب تک سورج کے ڈوبنے میں شبہ ہے تب تک (روزہ) افطار کرنا جائز نہیں۔ (بہشتی زیور حصہ سوم ص۲۹ کتاب الصوم)

روزہ افطار کرنے کیلئے وقت مقرر کرنے کا حکم

سوال:۔ افطاری کتنے منٹ تک ہونی چاہیئے؟ بعض لوگ افطاری کے وقت پورا کھانا کھاتے ہیں اور اس کے بعد نماز پڑھتے ہیں، شریعتِ مطہرہ کا اس بارے میں کیا حکم ہے؟

الجواب:۔ افطاری کے لیے شرعاً کوئی وقت مقرر نہیں، ضروری امر یہ ہے کہ مغرب کی نماز ادا کی جائے، اس لیے بہتر یہ ہے کہ مختصر افطاری کرکے پہلے مغرب کی نماز ادا کر لی جائے اس کے بعد کھانا کھایا جائے۔ تاہم اگر پورا کھانا کھانے کے بعد نماز وقت پر ادا کی جاسکتی ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں۔

روزے کی نیت عربی یا مادری زبان میں کرنے کا حکم

سوال:۔ جناب مفتی صاحب! رمضان المبارک کے روزوں کی نیت عربی زبان میں کرنا ضروری ہے یا اپنی مادری زبان میں کرنا بھی صحیح ہے؟

الجواب:۔ نیت کا تعلق دل سے ہے، نفسِ ارادہ کرنے سے روزہ صحیح ہوجاتا ہے، تاہم زبان سے نیت پر تلفظ کرنا بہتر ہے چاہے عربی زبان میں ہو یا مادری زبان میں، دونوں طرح سے صحیح ہے۔

لما فی الهندية، والنية معرفته بقلبه أن يصوم كذا فی الخلاصة و محيط السرخسي والسنة ان يتلفظ بها كذا فی النهر الفائق۔

(الفتاویٰ الهندية ج۱ ص۱۹۵ كتاب الصوم۔ الباب الاول فی تعريفه)[1]

جہاز میں سفر کے دوران جہاز کا وقت روزہ افطار کرنے کے لیے معتبر ہوگا

سوال:۔ ایک آدمی ہوائی جہاز میں سفر کر رہا تھا، زمینی وقت کے لحاظ سے سورج غروب ہوچکا تھا مگر جہاز کی بلندی کی وجہ سے ابھی تک سورج اُفق پر چمکتا نظر آرہا تھا، تو کیا یہ آدمی زمینی وقت کے لحاظ سے روزہ افطار کرے یا حالتِ سفر

---

[1] قال العلامة المفتی عبد الرحیمؒ: روزہ کی نیت میں زبان سے بولنا ضروری نہیں صرف دل کا ارادہ کافی ہے، اپنی مادری زبان یا عربی میں زبان سے بھی کہے تو بہتر ہے منع نہیں۔
فتاویٰ رحیمیہ ج۷ ص۲۶۳ کتاب الصوم

میں جب سورج غروب ہو تب افطار کرے؟

الجواب:۔ قاعدہ یہ ہے کہ روزہ اور نماز میں اُس مقام کا وقت معتبر ہوگا جہاں پر آدمی ہو، چونکہ صورتِ مسئولہ کے مطابق یہ شخص جہاز میں ہے اس لیے جب اس حالت میں سورج غروب ہو جائے تو پھر روزہ افطار کرے۔

قال العلامة ابن عابدینؒ: المراد بالغروب زمان غیبوبة جرم الشمس بحیث تظهر الظلمة فی جهة الشرق۔ (ردّ المحتار ج۲ ص۸۸ کتاب الصوم) [۱]

شوال کے چھ روزوں کا حکم

سوال:۔ جناب مفتی صاحب! کئی سالوں سے بندہ عید الفطر کے دوسرے دن سے شوال کے چھ روزے رکھ رہا ہے، میرے ایک دوست کا کہنا ہے کہ شوال کے چھ روزے مکروہ ہیں اور یہ احناف کا مذہب ہے، اس نے ایک رسالہ بھی مجھے دیا ہے جو اسی موضوع پر لکھا ہوا ہے، اپنے دوست کی باتیں سُنکر اور رسالہ دیکھ کر سخت اُلجھن کا شکار ہوں، مہربانی فرماکر اس مسئلہ کی وضاحت فرمائیں؟

الجواب:۔ احادیث مبارکہ میں شوال کے چھ روزوں کی بڑی فضیلت آئی ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عمل کو بہت بڑے اجر و ثواب کا باعث قرار دیا ہے۔ اس لیے فقہاء احناف کی تقریباً ہر کتاب میں ان روزوں کو مستحب قرار دیا ہے، جہاں تک کراہت کے قول کا تعلق ہے تو اس بارے میں امام ابو حنیفہؒ سے ایک شاذ قول مروی ہے، احناف کا مذہب نہیں، ورنہ فقہاء کرام اس کو بڑے اہتمام سے ذکر کر کے مفتیٰ بہ قرار دیتے۔

لما قال العلامة ابن نجیمؒ، ومنه ایضاً صوم ستة من شوال عند ابی حنیفة متفرقاً کان او متتابعاً وعن ابی یوسف کراهته متتابعاً لا متفرقاً لکن عامة المتاخرین لم یروا به بأساً وقال ابن عابدینؒ: (تحت قوله ولم یروا به بأساً) قد سرد عبارتهم العلامة قاسم فی فتاواه ورد قول من صحح الکراهة فراجعه۔

(البحر الرائق ومنحة الخالق ج۲ ص۲۵۸ کتاب الصوم)



---

[۱] قال الشیخ السید احمد الطحطاویؒ: تحت (قوله وهو الیوم) ای هو من اوّل زمان نصیف الصادق الی المغرب ای زمان غیبوبة تمام جرم الشمس بحیث تظهر الظلمة فی جهة المشرق۔ (الطحطاوی علی مراقی الفلاح ص۳۴۶)

باب مایفسد الصّوم وما لایفسد

(کن کن اشیاء سے روزہ فاسد ہو جاتا ہے اور کن سے نہیں)

مذی اور ودی کے نکلنے سے روزہ نہیں ٹوٹتا

سوال:۔ بیوی کے ساتھ لمس وتقبیل یا ملاعبہ کرتے وقت اگر کبھی پانی نکل جائے تو اس سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے یا نہیں اور اگر پیشاب کے ساتھ کچھ قطرے گر جائیں تو روزہ پر اس کے کیا اثرات پڑیں گے؟

الجواب:۔ لس وتقبیل کی صورت میں اگر انزال ہو جائے تو روزہ ٹوٹ کر قضاء واجب ہے اور کفارہ نہیں، البتہ کسی کمزوری کی وجہ سے پیشاب کرتے وقت کچھ قطرے گریں تو اس سے روزہ نہیں ٹوٹتا۔

قال فی الھندیة:۔ واذا قبّل امرأته وانزل فسد صومه من غیر کفارہ ۔۔۔ ایضاً فی الھندیه وکذا لایفطر بالفکر اذا امنی ھکذا فی السراج الوھاج۔

(الفتاویٰ الھندیة ج ۱ ص ۲۰۴ کتاب الصوم۔ الباب الرابع فیما یفسد) [1]

خاوند کی سخت طبیعت کی وجہ سے کھانے پینے کی چیزوں کا چکھنا

سوال:۔ روزہ کی حالت میں خاوند کے خوف سے عورت کے لیے پکی ہوئی اشیاء کا چکھنا کیسا ہے، کیا یہ عمل روزہ پر اثر انداز ہوتا ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ روزہ کی حالت میں عموماً چیزوں کا چکھنا مکروہ ہے اور بعض اوقات مفسد صوم بھی بن جاتا ہے، لیکن اگر کسی عورت کا خاوند بدمزاج اور تلخ طبیعت کا مالک ہو اور عورت کو

---

[1] قال محمد بن عبداللہؒ:۔ او وطی امرأته میتة او بھیمة او فخذا او بطنا او قبّل او لمس فانزل قید للکل حتی لم ینزل لم یفطر کما مر۔ قال محمد بن عبداللہؒ: او قبّل ولم ینزل او احتلم او انزل بنظر او بفکر الخ
(شامی ج ۲ ص ۳۹۶ کتاب الصوم۔ باب مایفسد الصوم)
ومثلهٗ فی البحرالرائق ج ۲ ص ۲۷۲ باب مایفسد الصوم ومالایفسدہ۔

اس سے مار کھانے اور گالی گلوچ کا خطرہ ہو تو ایسی عورت کے لیے پکی ہوئی چیزیں چکھنا بلا کراہت جائز ہے۔

قال قاضی خان رحمہ اللہ:۔ اذا کان الزوج سیئ الخلق لا بأس للمرأۃ ان تذوق المرقۃ بلسانہ۔ (فتاویٰ قاضی خان ج ۱ ص۹۸ کتاب الصوم) لہ

حاملہ کو اگر خون آجائے تو اس کا روزہ فاسد نہیں ہوگا

سوال:۔ حالتِ حمل میں اگر عورت کو کبھی کبھار خون آجائے تو اس سے روزہ پر کیا اثر پڑتا ہے؟

الجواب:۔ مفسداتِ صوم میں سے ایک مفسد حیض ونفاس کا آجانا بھی ہے اور جو خون عورت کو حمل کی حالت میں آئے تو وہ بیماری کا خون ہے جو روزہ رکھنے کے منافی نہیں لہٰذا اس سے روزہ متاثر نہیں ہوتا۔

قال عبد الرحمٰن الجزائریؒ:۔ ان الدم الذی یخرج عند خروج اکثر الولد هو دم نفاس کالدم الذی یخرج عقب خروجه اما الدم الذی یخرج یخروج اقل الولد او قبله فهو فساد ولا تعتبر نفساء ویفعل مایفعله الطاهرات۔
(الفقہ علی المذاھب الاربعۃ ج ۱ ص۱۳۱ باب الحیض) ۲ہ

لہ قال عالم بن العلاءؒ:۔ ان کان زوجها سیئ الخلق بذی اللسان یضایقها فی ملوحۃ الطعام فلا بأس به۔ (فتاویٰ تاتارخانیۃ ج۲ ص۳۸ کتاب الصوم الفصل السادس فی الاسباب المبیحۃ)

وَمِثْلُہٗ فی شامی ج ۲ ص۴۱۶ کتاب الصوم، مطلب فیما یکرہ للصائم۔

۲ہ قال کمال الدینؒ:۔ لما کان الحیض اکثر وقوعاً قدمه ثم اعقبه الاستحاضة لانها اکثر وقوعاً من النفاس باعتبار وکثرۃ اسبابها فانها تکون مستحاضة بما رأت الدم حالة الحبل اوزاد الدم علی عشرۃ اوزاد علی معروضها وجاوز العشرۃ اورأت مادون الثلاث اورأت قبل تمام الطهر اورأت قبل أن تبلغ تسع سنین علی ما علیه العامة بخلاف النفاس فان سببهٗ شئ واحد وقدم حکم المستحاضة ومن بمعناها علی تعریفها لان المقصود بیان الحکم۔ قال برهان الدینؒ: یتوضئون لوقت کل صلوٰۃ۔ (العنایۃ علی هامش فتح القدیر ج ۱ ص۱۵۹ باب الحیض)

وَمِثْلُہٗ فی البحر الرائق ج ۱ ص۲۱۵ باب الحیض۔

روزہ جلدی افطار کرنا بہتر ہے

سوال:۔ افطار میں احتیاط کے لیے تاخیر کرنے کا شریعتِ مطہرہ میں کیا حکم ہے؟

الجواب:۔ غروبِ آفتاب قطعی اور بدیہی امر ہے، اس کے بعد غلبۂ ظن اور احتیاط کا دعویٰ کرنا بے بنیاد ہے یہی وجہ ہے کہ از روئے شرع روزہ افطار کرنے میں تعجیل افضل ہے۔

قال عالم بن العلاءؒ:۔ ویستحب للصائم تعجیل الافطار قبل طلوع النجوم۔

(فتاوٰی تاتارخانیة ج۲ ص۳۶۱ کتاب الصوم، الفصل السادس فی الاسباب المبیحة) [1]

رمضان میں ادویات سے حیض بند کرنے کا حکم

سوال:۔ کئی عورتیں رمضان میں روزہ کی محرومی سے بچنے یا غیر رمضان میں نماز کے فوت ہونے سے بچنے کے لیے مانع حیض ادویات استعمال کرتی ہیں، کیا از روئے شرع عورت کے لیے یہ اقدام مرخص ہے یا نہیں، نیز شرعی احکام پر اس کے کیا اثرات پڑتے ہیں؟

الجواب:۔ عورت کے لیے حیض کا آنا ایک طبعی اور فطرتی امر ہے اس لیے شریعت مطہرہ نے ان ایام میں عورت کو معذور سمجھ کر عبادات کی ذمہ داری اس سے اٹھائی ہے، یہی وجہ ہے کہ جدید اور قدیم طب میں حیض عورت کی صحت اور تندرستی کی نشانی سمجھی جاتی ہے، اگر کوئی عورت ادویات کے ذریعے اس کو بند رکھے تو شرعی احکام اس سے متاثر نہیں ہوتے، یعنی حیض نہ آنے پر روزہ اور نماز کی ادائیگی ضروری ہے لیکن عورت کی صحت کے لیے نقصان دہ ہونے کی وجہ سے ایسا کرنے سے احتراز بہتر ہے، تاہم اس طرح حیض بند کرنے سے روزہ درست رہے گا۔

قال عالم بن العلاءؒ:۔ وشرط صحة الاداء وھو الوقت القابل وھو الیوم المتعرّی عن الاکل والشرب وطھارة المؤدیین من الحیض والنفاس۔ (فتاوٰی تاتارخانیة ج۲ ص۳۴۵ کتاب الصوم) [2]

---

[1] قال طاھر بن احمدؒ:۔ ویستحب للصائم تعجیل الافطار قبل طلوع النجوم۔

(خلاصة الفتاوٰی ج۱ ص۲۶۶ کتاب الصوم۔ الفصل الخامس فی الحظر والاباحة)

ومِثْلُهٗ فی مراقی الفلاح علیٰ صدر الطحطاوی ص۵۶۲ کتاب الصوم۔

[2] قال طاھر بن احمد بن عبد الرشیدؒ:۔ اعلم بان الصوم ھو الکف عن المفطرات شرعاً فی وقته بنیة یشترط من اھله واھله العاقل البالغ المسلم وفی المرأة الطھارة من الحیض والنفاس۔

(خلاصة الفتاوٰی ج۱ ص۲۵۱ کتاب الصوم۔ الفصل الثانی فی المقدمة)

ومِثْلُهٗ فی البحر الرائق ج۲ ص۲۵۹ کتاب الصوم۔

زہریلے حشرات الارض کے کاٹنے سے روزہ فاسد نہیں ہوتا

سوال:۔ کیا بچھو اور بھڑ کے کاٹنے سے روزہ پر کوئی اثر پڑتا ہے یا نہیں جبکہ ایسی حالت میں عموماً کاٹنے والے بچھو وغیرہ کا زہر روزہ دار کے بدن میں داخل ہو جاتا ہے؟

الجواب:۔ کسی چیز کا معدہ یا دماغ میں پہنچنا مفسدِ صوم تب بنتا ہے کہ وہ چیز جوفِ دماغ یا جوفِ معدہ میں بطریقِ منفذ (نالی کے ذریعے) داخل ہو، اگر وہ چیز بصورتِ ترشح (بذریعہ پسینہ) جوفِ دماغ یا جوفِ معدہ میں پہنچ جائے تو مفسدِ صوم نہیں، چنانچہ صورتِ مسئولہ میں زہر چونکہ معدہ میں بصورتِ ترشح پہنچ جاتا ہے اس لیے مفسدِ صوم نہیں۔

لما قال العلامه برهان الدين المرغيناني رحمه الله:۔ ولو اكتحل لم يفطر لانه ليس بين العين والدماغ منفذ والدمع يترشح كالعرق والداخل من المسام لا ينافي كما لو اغتسل بالماء البارد۔ (الهداية ج ۱ ص۱۹۷ كتاب الصوم۔ باب ما يوجب القضاء والكفارة) [1]

بدنگاہی سے انزال مفطرِ صوم نہیں

سوال:۔ کسی حسین عورت کو دیکھنے سے شہوت کا شکار ہو کر اگر روزہ دار کا انزال ہو جائے تو اس سے روزہ پر کیا اثر پڑتا ہے؟

الجواب:۔ انزال سے فسادِ صوم کے لیے جماعِ حقیقی یا معنوی کا ہونا ضروری ہے، چونکہ شہوانی نظر سے انزال میں دونوں کا فقدان ہے اس لیے فقہاء کرام نے عدمِ افطار کا فتویٰ دیا ہے۔

قال ابن الهمام رحمه الله:۔ اذا نظر الى امرأة بشهوة الى وجهها او فرجها كرر النظر او لا يفطر اذا انزل لما بينا انه لم توجد صورة الجماع ولا معناه وهو الانزال

---

[1] قال العلامة عبد الله بن محمود بن مودود الموصلي رحمه الله:۔ واما الاقطار في الاحليل فعندهما لا يفطر۔ وقال ابو يوسف رحمه الله: يفطر بناء على ان بينه وبين الجوف منفذ بدليل الخروج البول والاصح انه ليس بينهما منفذ بل البول يترشح الى المثانة ثم يخرج وما يخرج رشحا لا يعود رشحا فلا يصل۔

(الاختيار لتعليل المختار ج ۱ ص۱۳۳ كتاب الصوم فصل في وجوب الكفارة والقضاء الخ)

ومثله في فتح القدير ج ۲ ص۲۶۹ كتاب الصوم۔ باب ما يوجب القضاء والكفارة۔

عن مباشرة وھو حجۃ علیٰ مالک فی قولہ اذا کررہ فانزل افطر۔

(فتح القدیر ج ۲ ص ۲۵۹ کتاب الصوم۔ باب مایوجب القضاء والکفارۃ) ۱؎

منہ میں دوائی کے ذائقہ کا احساس مفسدِ صوم ہے

سوال: دوائی کھانے کے بعد اگر طلوعِ فجر کے وقت یا بعد منہ میں دوائی کا اثر محسوس ہو تو کیا اس سے روزہ ٹوٹتا ہے یا نہیں؟

الجواب: منہ میں دوائی کے ذائقہ کا احساس فسادِ صوم کا ذریعہ نہیں بشرطیکہ حلق سے نیچے نہ جائے لیکن جب حلق سے اتر کر پیٹ کے اندر پہنچ جائے تو پھر روزہ باقی نہیں رہتا۔

قال ابن نجیمؒ:۔ وفی المحیط یجوز ان یقال لا بأس بہ کی لا یغبن وللمضغ بعذر بان لم تجد المرأۃ من یمضغ لصبیہا الطعام من حائض او نفساء او غیرھما ممن لا یصوم ولم تجد طبیخاً ولا لبناً حلیباً لا بأس بہ للضرورۃ الا تریٰ انہ یجوز لہا الافطار اذا خافت علی الولد فالمضغ اولیٰ واطلق فی الصوم فشمل الفرض والنفل۔

(البحر الرائق ج ۲ ص ۲۸۰ باب مایفسد الصوم وما لا یفسد) ۲؎

ملک کی تبدیلی پر روزہ کی تعداد میں پہلے ملک کا اعتبار ہوگا

سوال: اگر ایک شخص رمضان کے دوران سفر کر کے کسی ایسے ملک چلا جائے جہاں چاند کی رؤیت مقدم ہونے کی بناء پر اس کے تیس ۳۰ روزے پورے نہ ہوئے ہوں تو ایسی حالت میں اس شخص کو کیا کرنا چاہیئے؟ کیا روزہ کی تعداد میں موجودہ ملک کا

۱؎ لما قال العلامۃ بدر الدین العینیؒ: وکذا لا یفطر اذا نظر الی امرأۃ فامنیٰ ای انزل المنی لما بینا وھو قولہ لانہ لم یوجد صورۃ الجماع ولا معناہ ثم انہ سواء اذا نظر الی وجہہا او فرجہا بخلاف حرمۃ المصاھرۃ فانہا تثبت بالنظر الی فرجہا۔ (البنایۃ شرح الہدایۃ ج ۳ ص ۲۸۴ باب مایوجب القضاء والکفارہ)

ومثلہٗ فی طحطاوی ص ۳۶۱ باب فی بیان ما لا یفسد الصوم۔

۲؎ قال العلامۃ محمد عبد الحیؒ:۔ ودخول شئ فی فمہ فانہ لو دخل شئ من الخارج فی فمہ لا یفسد صومہ ما لم یدخل فی حلقہ وھذا آیۃ کونہ خارجاً فانہ لو کان داخلا لفسد صومہ فی ھذہ الصورۃ لان دخول شئ من الخارج الی الداخل مفسد لہ۔ (السعایۃ ج ۱ ص ۲۲۸ کتاب الطہارۃ وفرض الغسل)

ومثلہٗ فی الشامی ج ۲ ص ۴۱۶ کتاب الصوم۔ مطلب فیما یکرہ للصائم۔

اِعتبار ہوگا جہاں پر مثلاً ۲۹ روزے ہوں یا اپنے علاقے کا اعتبار ہوگا جہاں پر ۳۰ روزے پورے ہوئے ہوں ؟

الجواب: جہاں تک عید منانے کا حکم ہے تو یہ موجودہ ملک کا تابع ہے لیکن روزہ کی تعداد میں اس ملک کا اعتبار ہے جہاں پر اس شخص نے ابتدائی روزہ رکھا ہے، اور اگر اس ملک کی حالت معلوم نہ ہو تو پھر از روئے احتیاط تیس روزے پورے کرے بشرطیکہ اس کے روزے پورے نہ ہوئے ہوں۔

قال فی الهندیة: اذا صام اهل مصر تسعة وعشرین یومًا للرؤیة وفیهم مریض لم یصم فعلیه القضاء تسعة وعشرین یومًا فان لم یعلم هذا الرجل ما صنع اهل مصر صام ثلاثین یومًا لیخرج عن العهدة بیقین کذا فی المحیط۔

(الفتاوى الهندیة ج ۱ ص۱۹۹ کتاب الصوم۔ الباب الثانی فی رؤیة الهلال) [۱]

فصل کی کٹائی کی وجہ سے روزہ نہ رکھنا شرعی عذر نہیں

سوال: اگر رمضان میں اگر رمضان میں فصل پک جائے اور رمضان کے گذرنے کا انتظار کرنے کی صورت میں اس کے ضائع ہونے کا خطرہ بھی ہے، تو فصل کی کٹائی کے لیے روزہ نہ رکھنے کا شرعًا کیا حکم ہے ؟

الجواب: موجودہ دور میں فصل کی کٹائی کے لیے جدید ترین طریقے موجود ہیں مثلاً ہارویسٹر مشین وغیرہ، البتہ اگر خود کٹائی کی طاقت نہ ہو تو اجرت پر بھی کٹائی ممکن ہے، اس لیے فصل کی کٹائی روزہ نہ رکھنے کے لیے عذر شرعی نہیں۔

قال ابن نجیم رحمه الله:۔ وفی القنیة لا یجوز للخباز ان یخبز خبزاً یوصله الی ضعف مبیح للفطر بل یخبز نصف النهار ویستریح فی النصف الباقی له لا یکفیه اجرته او ربحه

---

[۱] قال عالم بن العلاء رحمه الله:۔ اذا صام اهل المصر تسعة وعشرین یومًا للرؤیة وفیهم مریض لم یصم فعلیه القضاء تسعة وعشرین یومًا فان لم یعلم هذا الرجل ما صنع اهل المصر صام ثلاثین یومًا لیخرج عن العهدة بیقین۔

(فتاوى تاتارخانیة ج ۲ ص۳۵۴ کتاب الصوم۔ رؤیة الهلال)

وَمِثْلُهٗ فی البحر الرائق ج ۲ ص۲۶۲ کتاب الصوم وثبت رمضان۔ الخ

فقال هو کاذب وھو یاطل یا قصر ایام الشتاء۔ (البحرالرائق ج۲ ص۲۸۲ باب مایفسد الصوم ومالا یفسد) [1]

قاضی کے لیے مسندِ قضاء روزہ نہ رکھنے کا سبب نہیں

سوال:۔ اگر کوئی قاضی مسند قضاء میں ایسی حالت سے دوچار ہو کر فیصلہ کرتے وقت روزہ اس کے لیے تکلیف کا باعث بنتا ہو تو کیا اس کے لیے افطار جائز ہے یا نہیں ؟

الجواب:۔ یہ کوئی ایسا شرعی عذر نہیں کہ جس سے روزے کا افطار مرخص ہو اس لیے اس پر روزہ واجب ہے۔

قال فی الھندیۃ : شرط وجوبہ الاسلام والعقل والبلوغ وشرط وجوب الاداء الصحۃ۔ (الفتاوی الھندیۃ ج۱ ص۱۹۵ کتاب الصوم الباب الاول تعریفہ الخ) [2]

روزہ کی حالت میں انجکشن لگانا مفطرِ صوم نہیں

سوال:۔ روزہ میں انجکشن لگانے کے بارے میں کیا حکم ہے؟ کیا رگ والے اور دوسرے انجکشن میں کوئی فرق ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ فقہاء کرام کی عبارات سے واضح ہوتا ہے کہ مطلق کسی چیز یا اس کے اثرات کا

---

[1] قال عالم بن العلاء رحمہ اللہ :۔ سألت اباحامد عن خباز یخبز فی شھر رمضان ویضعف فی آخر النھار ھل یجوز لہ ان یعمل ھذا العمل فقال لایجوز لہ بان یعمل ما یوصلہ الی ھذا النوع من الضعف ولکن یخبز نصف النھار ویستریح فی النصف الباقی قیل لہ : اذا کان لایکفیہ ما یاخذ فی نصف النھار فقال ھو کاذب فان ایام الشتاء اقصر الایام فما یفعل فی تلک الایام یفعلہ الیوم۔

(فتاوی تاتارخانیۃ ج۲ ص۳۸۵ کتاب الصوم الفصل الحادی عشر الاسباب المبیحۃ للفطر)

ومثلہٗ فی بدائع الصنائع ج۲ ص۱۰۱ کتاب الصوم۔ فصل فی فساد الصوم۔

[2] قال عالم بن العلاء رحمہ اللہ : شرط نفس الوجوب وھو الاسلام والعقل والبلوغ وشرط وجوب الاداء وھو الصحۃ والاقامۃ وشرط صحۃ الاداء وھو الوقت القابل۔

(فتاوی تاتارخانیۃ ج۲ ص۳۴۵ کتاب الصوم)

ومثلہٗ فی خلاصۃ الفتاوی ج۱ ص۲۵۱ کتاب الصوم الفصل الثانی فی المقدمۃ۔

بدن تک پہنچنا مفطر صوم نہیں ہے بلکہ یہ اس وقت مفطر صوم ہے جب معتاد ذرائع سے بدن میں داخل ہوکر پیٹ یا دماغ تک پہنچے۔ جدید تحقیقات کی روشنی میں انجکشن کے اثرات معدہ یا دماغ تک نہیں پہنچتے بلکہ یہ رگوں میں حلول کرکے بدن کو راحت پہنچانے کا ذریعہ بنتے ہیں اسلیئے اس سے روزہ نہیں ٹوٹتا، چونکہ یہ علت ہر قسم کے انجکشن میں موجود ہے اس لیے کسی بھی انجکشن (خواہ رگ والا ہو یا عام) سے روزہ متاثر نہیں ہوتا جیسا کہ پیاس کے وقت مسامات کے ذریعے برودت کا پہنچنا مفطر صوم نہیں تاہم حتی الامکان روزہ کی حالت میں رگ والے انجکشن سے اجتناب کیا جائے۔

قال فی الهندیة: ومن اغتسل فی ماء وجد برودة فی باطنه لا یفطر۔

(الفتاویٰ الهندیة ج۱ ص۲۰۳ کتاب الصوم۔ الباب الرابع فیما یفسد)

قال ابن نجیمؒ: وفی التحقیق ان بین الجوفین منفذا اصلیا فما وصل الی جوف الرأس یصل الی جوف البطن۔ (البحر الرائق ج۲ ص۲۷۹ باب ما یفسد الصوم وما لا یفسد) ؎۱

روزے کی حالت میں شرمگاہ سے کھیلنا

سوال: کیا روزے کی حالت میں شرمگاہ سے کھیلنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: روزہ کی حالت میں شرمگاہ سے کھیلنا کوئی ایسا عمل نہیں ہے کہ جس کی وجہ سے روزہ ٹوٹ جائے، تاہم اس عمل سے اجتناب بہتر ہے کیونکہ اس سے روزہ جانے کا خطرہ ضرور ہے۔

قال المرغینانیؒ: ولا باس بالقبلة اذا امن علی نفسه ای الجماع او الانزال ویکره اذا لم یامن۔ (الهدایة ج۲ ص۱۹۹ کتاب الصوم۔ باب ما یوجب القضاء والکفارة) ؎۲

دانت نکالتے وقت نکلنے والے خون کے روزہ پر اثرات

سوال: تکلیف کی وجہ سے روزہ دار کیلئے دانت نکلوانا شرعاً

؎۱ قال اکمل الدین محمد بن محمودؒ: اذا علم ان الدواء الیابس وصل الی جوفه الی جوفه لم یفسد صومه عنده الا انه ذکر الرطب والیابس بناء علی العادة۔
(العنایة علی هامش فتح القدیر ج۲ ص۲۶۶ باب ما یوجب القضاء والکفارة)

ومثله فی خلاصة الفتاویٰ ج۱ ص۲۵۳ کتاب الصوم۔ الفصل الثالث فیما یفسد الخ۔

؎۲ قال محمد بن عبد اللهؒ: (او قبل) ولم ینزل (او احتلم او انزل بنظر) ولو الی فرجها مرارا (او بفکر) وان طال مجمع۔ (شامی ج۲ ص۳۹۵، ۳۹۶ کتاب الصوم۔ باب ما یفسد الصوم)

ومثله فی البحر الرائق ج۲ ص۲۷۲ باب ما یفسد الصوم وما لا یفسد۔

کیسا ہے؟ اگر دانت نکالتے وقت یا بعد میں خون نکل آئے تو کیا اس سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ معالجہ کی صورت میں دانت نکلوانا جائز ہے، البتہ دانت نکالتے وقت یا ویسے منہ سے خون بہہ جائے اور نگل لیا جائے تو اس سے روزہ فاسد ہو جائے گا ورنہ نہیں۔

قال ابن نجیمؒ:۔ اذا خرج من الاسنان ودخل الحلق ان کانت الغلبة للبزاق لایفسد صومه وان کانت للدم فسد۔ (بحر الرائق ج ۲ ص ۲۷۳ باب ما یفسد الصوم ومالایفسد) لے

قے کا بلا قصد آنا مفسدِ صوم نہیں

سوال:۔ روزہ دار کو اگر قے آجائے اور اس کا کچھ حصہ اندر چلا جائے تو اس کے روزے کی صحت کا شرعاً کیا حکم ہے؟

الجواب:۔ قے کا خود بخود آجانا فسادِ صوم کا سبب نہیں، البتہ اگر چنے کی مقدار یا اس سے زائد حصہ خوراک لوٹا دی جائے تو روزہ ٹوٹ جائے گا البتہ بلا قصد قے کے اندر جانے سے روزہ نہیں ٹوٹتا۔

قال العلامة الحصکفیؒ:۔ وان ذرعه القئ وخرج) ولم یعد (لایفطر مطلقاً) ملأ اولا (فان عاد) بلاصنعه (و) لو هو ملأ الفم مع تذکره للصوم (لایفسد) قال ابن عابدینؒ: ان کان ملأ الفم واعاده اوشیئاً منه قدر الحمصة فصاعداً افطر اجماعاً لانه خارج ادخله جوفه ولوجود الصنع۔ (شامی ج ۲ ص ۴۱۴ کتاب الصوم۔ باب مطلب فی الکفارة) ۲ے

لے قال العلامة الحصکفیؒ: (او خرج الدم من بین اسنانه ودخل حلقه) یعنی ولم یصل الی جوفه اما اذا وصل فان غلب الدم او تساویا فسد والا لا، الا اذا وجد طعمه۔

(رد المحتار علی الدر المختار ج ۲ ص ۳۹۶ کتاب الصوم۔ باب ما یفسد الصوم)

وَمِثْلُہٗ فی فتاوی تاتارخانیة ج ۲ ص ۳۶۹ کتاب الصوم، باب ما یفسد الصوم ومالایفسد۔

۲ے قال ابن الهمام رحمه الله:۔ والکل اما ان خرج او عاد او اعاده فان ذرعه وخرج لایفطر قل او کثر لاطلاق ما روینا وان عاد بنفسه وهو ذاکر للصوم ان کان ملأ الفم فسد صومه عند ابی یوسفؒ لانه خارج شرعاً حتی انتقضت به الطهارة وقد دخل وعند محمد لایفسد وهو الصحیح الخ

(فتح القدیر ج ۲ ص ۲۵۹ باب ما یوجب القضاء والکفارة)

وَمِثْلُہٗ فی البحر الرائق ج ۲ ص ۲۷۴ باب ما یفسد الصوم ومالایفسد۔

پانی میں غوطہ لگانا مفسدِ صوم نہیں

سوال:۔ اگر روزہ دار کسی تالاب یا حوض میں غوطہ لگائے، اس طرح اس کا روزہ کہاں تک متاثر ہوتا ہے؟

الجواب:۔ اگر منہ میں پانی داخل نہ ہو بلکہ کان میں پانی یا بدن میں برودت (ٹھنڈک) کا احساس ہو تو اس سے روزہ فاسد نہیں ہوتا البتہ اگر پانی بدن میں داخل ہو جائے تو روزہ فاسد ہو جائے گا تاہم ایسے عمل سے اجتناب مناسب ہے۔

قال عالم بن العلاءؒ:۔ ولو اغتسل۔ وفی الفتاویٰ العتابیۃ او خاض الماء فدخل الماء اُذنہ لایفسد صومہ بلاخلاف۔ (فتاویٰ تاتارخانیۃ ج۲ ص۳۶۴ کتاب الصوم الفصل الثالث ما یفسد الصوم الخ) لہ

روزہ کی حالت میں احتلام ہو جانے کا حکم

سوال:۔ روزہ دار کو اگر احتلام ہو جائے تو اس کے روزہ کا کیا حکم ہے؟

الجواب:۔ احتلام ہو جانا ایسا عمل نہیں جو روزے کے منافی ہو اس لیے روزہ کی حالت میں احتلام ہو جانے سے روزہ پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔

قال برھان الدین رحمہ اللہ:۔ فان نام فاحتلم لم یفطر لقولہ صلی اللہ علیہ وعلی آلہ وسلم ثلث لا یفطرن الصیام القیٔ والحجامۃ والاحتلام۔ الخ (الھدایۃ ج۱ ص۱۹۹ کتاب الصوم) ۲ لہ

روزہ میں بیوی سے بوس وکنار کا حکم

سوال:۔ روزہ کی حالت میں اپنی بیوی سے کس درجہ کا انتفاع شرعاً جائز ہے؟

الجواب:۔ طرفین کے امن کی صورت میں لمس وتقبیل اور بوس وکنار میں کوئی حرج نہیں تاہم اگر فساد کا خطرہ ہو تو ایسا کرنا بھی مکروہ ہے۔

قال محمد رحمہ اللہ:۔ (و) کرہ (قبلۃ) ومس ومعانقۃ ومباشرۃ فاحشۃ

لہ قال ابن نجیم المصریؒ:۔ ان خاض الماء فدخل اُذنہ لا یفسد۔
(البحر الرائق ج۲ ص۲۷۸ باب ما یفسد الصوم وما لا یفسد)
ومثلہٗ فی تبیین الحقائق ج۱ ص۳۲۳ باب ما یفسد الصوم وما لا یفسدہ

۲ لہ قال العلامۃ الحصکفیؒ:۔ اذا احتلم او انزل بنظر ولو الی فرجہا مرارًا او بفکر ..... لم یفطر۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۲ ص۳۹۶ کتاب الصوم۔ باب ما یفسد الصوم)
ومثلہٗ فی تبیین الحقائق ج۱ ص۳۲۲ باب ما یفسد الصوم وما لا یفسدہ۔

(ان لم یأمن) المفسد وان امن لا بأس۔ (فتاویٰ شامی ج۲ ص۴۱۷ کتاب الصوم مطلب فیما یکرہ للصائم) [1]

روزہ کی حالت میں بھول کر کھانے پینے کا حکم

سوال:۔ اگر کوئی شخص روزہ کی حالت میں بھول کر روزے کے منافی کام کا ارتکاب کرے تو اس سے روزہ کی حقیقت پر کیا اثر پڑتا ہے؟

الجواب:۔ روزہ تب فاسد ہوتا ہے جب روزہ کے منافی کوئی کام دیدہ دانستہ کیا جائے محض بھول کر کھانے پینے یا جماع کرنے سے روزہ فاسد نہیں ہوتا۔

قال عبد الرحمٰن الجزیریؒ:۔ اما النسیان فانہ لا یفسد الصیام اصلاً فلا یجب بہ قضاءٌ ولا کفارۃ۔ (کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعۃ ج۱ ص۵۶۵ باب ما یوجب القضاء ودون الکفارۃ ... الخ) [2]

حوض میں غسل کرتے وقت خروجِ ریح مفسدِ صوم نہیں

سوال:۔ کسی تالاب میں نہاتے وقت اگر ہوا خارج ہو جائے اور استرخاء کی وجہ سے پانی اندر جانے کا احتمال پیدا ہو جائے تو کیا صرف اس احتمال کی وجہ سے روزہ پر کوئی اثر پڑے گا یا نہیں؟

الجواب:۔ محض استرخاء مفاصل کی وجہ سے پانی کے اندر جانے کے احتمال سے روزہ فاسد نہیں ہوتا تاہم مکروہ ہونے کی وجہ سے اجتناب ضروری ہے۔

قال فی الهندیۃ: ولو فسا الصائم او ضرط فی الماء لا یفسد الصوم ویکرہ لہ ذٰلک ھٰکذا فی معراج الدرایۃ۔ (الفتاوی الهندیۃ ج۱ ص۱۹۹ کتاب الصوم الباب الثالث فیما یکرہ للصائم) [3]

---

[1] ولا بأس بالقبلۃ اذا امن علی نفسہ الجماع والانزال ویکرہ ان لم یأمن۔

(الفتاوی الهندیۃ ج۱ ص۲۰۰ کتاب الصوم۔ الباب الثالث فیما یکرہ)

ومثلہٗ فی البحر الرائق ج۲ ص۲۷۲ باب ما یفسد الصوم وما لا یفسدہ۔

[2] قال برهان الدین رحمہ اللہ: اذا اکل الصائم او شرب او جامع ناسیاً لم یفطر۔ (الهدایۃ ج۱ ص۱۹۹ کتاب الصوم)

ومثلہٗ فی الهندیۃ ج۱ ص۲۰۲ کتاب الصوم۔ الباب الرابع فیما یفسد۔ الخ

[3] قال العلامۃ سید احمد طحطاویؒ:۔ ولا صام سبعۃ اشیاء: (قولہ ذوق شیٔ) مثلہ مثلہٗ فساءہ او ضراطہ فی الماء۔ (طحطاوی حاشیۃ مراقی الفلاح ص۵۵۹ کتاب الصوم)

نسوار کا استعمال مفسدِ صوم ہے

سوال: کیا نسوار منہ میں ڈالنے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے یا نہیں؟ بظاہر تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ نسوار استعمال کرنے سے روزہ نہیں ٹوٹتا!

الجواب: نسوار منہ میں ڈالنے سے لعاب کے ساتھ مل کر پیٹ کے اندر چلی جاتی ہے جو کہ فسادِ روزہ کا ذریعہ ہے بلکہ نسوار کے عادی لوگ تو اس کو غذا کا نعم البدل سمجھتے ہیں، اسلئے نسوار منہ میں ڈالنے سے روزہ فاسد ہو جاتا ہے۔

قال العلامة ابن عابدینؒ:۔ اختلفوا فی معنی التغذی قال بعضهم ان یمیل الطبع الی اکله وتنقضی شهوة البطن به وقال بعضهم هو ما یعود نفعه الی صلاح البدن وفائدته فیما اذا مضغ لقمة ثم اخرجها ثم ابتلعها فعلی الثانی یکفر لا علی الاول وبالعکس فی الحشیشة لانه لا نفع فیها للبدن وربما تنقص عقله ویمیل الیها الطبع وتنقضی بها شهوة البطن۔

(رد المحتار ج ۲ ص۴۱۰ کتاب الصوم۔ باب ما یفسد الصوم) [۱]

بندوق کی گولی مفسدِ صوم ہے

سوال: بندوق کی گولی پیٹ میں لگنے سے روزہ پر اس کا کیا اثر پڑتا ہے؟

الجواب: بندوق کی گولی اگر پیٹ میں لگ کر باہر نکل جائے تو اس سے روزہ فاسد نہ ہوگا، البتہ اگر گولی پیٹ میں ہی رہ جائے تو اس سے روزہ فاسد ہو جائے گا۔

قال العلامة شمس الدینؒ:۔ ولو طعن برمح حتی وصل الی جوفه لم یفطره لان کون الزج بید الطاعن من یمنع وصوله الی باطنه حکماً فان بقی الزج فی جوفه فسد صومه (المبسوط للسرخسی ج ۳ ص۹۸) [۲]

---

[۱] قال شیخ الاسلام ابی بکر بن علیؒ: قوله ومن ابتلع الحصاة او الحدید افطر ولا کفارة علیه ذکره بلفظ الابتلاع لان المضغ لا یتأتی فیه وانما افطر لوجود صورة الفطر ولا کفارة علیه لعدم المعنی وهو قضاء شهوة البطن۔ (الجوهرة النیرة ج ۱ ص۱۷۱ فصل فیما یفسد الصوم)
ومثله فی مراقی الفلاح علی صدر الطحطاوی ص۳۶۱ باب فی بیان مالا یفسد الصوم۔

[۲] قال طاهر بن احمد بن عبد الرشیدؒ:۔ ولو طعن برمح فوصل الی جوفه ثم نزاعه لا تفسد صومه ولو بقی الرمح فی جوفه اختلف المشائخ والصحیح انه لا یفسد صومه هذا فی نسخة الامام فخر الدین وفی التجرید یفسد۔ (خلاصة الفتاوی ج ۱ ص۲۵۳ کتاب الصوم۔ الفصل الثالث فیما یفسد الصوم)
ومثله فی فتح القدیر ج ۲ ص۲۶۶ باب ما یوجب القضاء والکفارة۔

رحم میں دوائی رکھنا مفسدِ صوم ہے

سوال:۔ اگر عورت کسی بیماری کی وجہ سے رحم میں بطورِ علاج دوائی رکھے تو کیا اس سے روزہ ٹوٹتا ہے یا نہیں ؟

الجواب:۔ علاج کے طور پر رحم میں دوائی رکھنا جائز ہے بشرطیکہ کسی دوسرے طریقہ سے علاج ممکن نہ ہو، تاہم جب دوائی روزہ کی حالت میں اندر رکھی جائے تو روزہ فاسد ہو جائے گا، البتہ فرج کے بیرونی حصہ پر دوائی لگانا فسادِ صوم کا ذریعہ نہیں۔

قال طاهر بن احمدؒ :۔ وتكلم المتأخر في الافطار في اقبال النساء منهم من قال على الخلاف ومنهم من قال تفسد بلاخوف وهو الصحيح۔ (خلاصة الفتاوىٰ ج۱ ص۲۵۳ كتاب الصوم الفصل الثالث فيما يفسد الصوم) [۱]

روزہ دار کیلئے ٹوتھ پیسٹ استعمال کرنا

سوال:۔ روزہ دار کے لیے ٹوتھ پیسٹ کا استعمال جائز ہے یا نہیں ؟

الجواب:۔ ٹوتھ پیسٹ میں معجون کا ذائقہ چکھا جاتا ہے بلکہ بسا اوقات دوائی کا حلق سے نیچے اُترنے کا بھی احتمال ہوتا ہے اس لئے روزہ کی حالت میں اس کا استعمال مکروہ ہے اور اگر حلق سے اندر چلا جائے تو روزہ فاسد ہو جائے گا۔

قال قاضی خانؒ :۔ وكذا اذا ذاقت شيئاً بلسانها لان فيه تعريض الصوم للفساد۔ (فتاوىٰ قاضی خان ج۱ ص۹۷ الفصل الرابع فيما يكره للصائم ومالا يكره) [۲]

بدنظری سے روزہ نہیں ٹوٹتا

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علماء کرام کہ اگر روزہ کی حالت میں نظر بے جا استعمال ہو تو اس سے

---

[۱] قال عالم بن العلاءؒ :۔ وتكلم المتأخر في الافطار في اقبال النساء منهم من قال هو على هذا الاختلاف، ومنهم من قال يفسد الصوم بلاخلاف كالحقنة وهو الصحيح۔
(فتاوىٰ تاتارخانية ج۲ ص۳۶۵ كتاب الصوم الفصل الرابع مايفسد الخ)
وَمِثْلُهٗ في الجوهرة النيرة ج۱ ص۱۷۴ باب مايفسد الصوم۔

[۲] قال ابن الهمامؒ :۔ (قوله لما بينا) من انه تعريض للصوم على الفساد اذ قد يسبق شئ منه الى الحلق فان من حام حول الحمى يوشك ان يقع فيه۔
(فتح القدير ج۲ ص۲۶۸ باب مايوجب القضاء والكفارة)
وَمِثْلُهٗ في البحر الرائق ج۲ ص۲۸۰ باب مايفسد ومالا يفسد۔

روزہ پر کیا اثر پڑتا ہے۔

الجواب:۔ روزہ کی حالت میں نظر کی حفاظت بھی ایک ضروری امر ہے، نظر میں بے احتیاطی سے روزہ کی حقیقت لازمی طور پر متاثر ہوتی ہے لیکن اس سے فسادِ صوم لازم نہیں آتا۔

قال ابن نجیمؒ: لان عینہ لیس بمفطر۔ (البحرالرائق ج۲ ص۲۷۲ باب مایفسد الصوم ومالا یفسد)[1]

دانتوں سے خون آنا مفسدِ صوم نہیں

سوال:۔ جناب مفتی صاحب! میرے دانتوں سے ہر وقت خون آتا رہتا ہے تو کیا اس سے میرے روزوں پر کچھ اثر پڑے گا یا نہیں؟

الجواب:۔ دانتوں سے صرف خون کا نکل آنا مفسدِ صوم نہیں بلکہ اس میں قدرِ تفصیل ہے کہ اگر خون قلیل مقدار میں ہو اور تھوک خون پر غالب ہو تو روزہ نہیں ٹوٹتا تاہم اگر خون کا ذائقہ حلق میں محسوس ہو تو روزہ فاسد ہو جائے گا، اسی طرح اگر خون تھوک پر غالب ہو یا مساوی ہو تو روزہ ٹوٹ جائے گا مگر صرف قضاء لازم ہوگی کفارہ نہیں۔

وفی الهندیة: الدم اذا خرج من الاسنان ودخل حلقه ان کانت الغلبة للبزاق لایضرہ وان کانت الغلبة للدم یفسد صومه وان کان سواء افسد ایضاً استحساناً۔
(الفتاوی الهندیة ج۱ ص۲۰۳ کتاب الصوم الباب الرابع فیما یفسد ومالا یفسد)[2]

---

[1] قال العلامة فخر الدینؒ:۔ واما اذا انزل بنظر فلعدم المباشرۃ ولنا ان النظر مقصور علیه متصل بها فصار کالانزال بالتفکر۔ (تبیین الحقائق ج۱ ص۳۲۳ باب مایفسد الصوم ومالا یفسدہ)
وَمِثْلُهٗ فی فتح القدیر ج۲ ص۲۵۵ باب ما یوجب القضاء والکفارۃ۔

[2] قال العلامة الحصکفی رحمه الله: او خرج الدم من بین اسنانه ودخل حلقه یعنی ولم یصل الی جوفه اما اذا وصل فان غلب الدم او تساویا فسد والا لا الا اذا وجد طعمه بزازیة۔۔
{الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۲ ص۳۹۶
کتاب الصوم۔ باب مایفسد الصوم ومالا یفسدہ}
وَمِثْلُهٗ فی البزازیة علی هامش الهندیة ج۴ ص۹۵ کتاب الصوم، الثالث فیما یفسد ومالا یفسدہ۔

اِنہیلر کے استعمال سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے

سوال:۔ جناب مفتی صاحب! عصرِ حاضر میں طب کے میدان میں کافی ترقی ہوئی ہے، خاص کر دمہ جیسی خطرناک بیماری کے علاج میں اِنہیلر (ایک خاص قسم کی گیس) کامیاب ایجاد ہے جسے دمہ کے مریض بوقتِ ضرورت سانس کی رکاوٹ ختم کرنے کے لیے استعمال کرتے ہیں۔ تو کیا اس کا استعمال روزے پر اثر انداز ہوتا ہے یا نہیں؟ وضاحت سے بیان فرمائیں؟

الجواب:۔ مذکورہ اِنہیلر پمپ کے استعمال سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے اور اگر روزہ کی حالت میں انتہائی مجبوری کے وقت اس کو استعمال کیا گیا تو رمضان کے بعد اس روزے کی صرف قضا کرنا ہوگی کفارہ نہیں۔ تاہم اگر مریض کی حالت ایسی ہو کہ اس کے بغیر اس کا گذارہ نہ ہوتا ہو تو وہ روزہ نہ رکھے صرف فدیہ دینا ہوگا۔

حالتِ صوم میں آنکھوں میں دوائی ڈالنا

سوال:۔ اگر کسی کی آنکھوں میں بہت سخت تکلیف ہو تو کیا وہ روزہ کی حالت میں دوائی استعمال کرسکتا ہے؟ جبکہ دوائی ڈالنے کے بعد اس کا اثر حلق میں محسوس ہوتا ہے؟

الجواب:۔ اسلام نے حالتِ اضطرار یعنی انتہائی تکلیف کے وقت رمضان کا روزہ افطار کرنے کی گنجائش بھی دی ہے کہ حاذق اور مسلمان طبیب کے مشورہ سے روزہ توڑ دیا جائے، البتہ آنکھوں میں دوائی ڈالنے سے روزہ متاثر نہیں ہوتا، اس لیے اگر تکلیف کے وقت روزہ کی حالت میں آنکھوں میں دوائی ڈالنا جائز ہے، اس عمل سے روزہ نہیں ٹوٹے گا، اگرچہ اس دوائی کا اثر حلق کے اندر محسوس ہو۔

لمافی الهندية: لو اقطر شيئًا من الدواء في عينيه لا يفطر صومه عندنا و ان وجد طعمه في حلقه۔ (الفتاوى الهندية ج ۱ ص ۲۰۳ كتاب الصوم، باب مالا يفسد الصوم) [1]

---

[1] لماقال العلامة الحصكفيؒ: اوادهن او اكتحل او ... وان وجد طعمه في ... لم يفطر حلقه۔ قال ابن عابدينؒ: قوله ان وجد طعمه في حلقه اي طعم الكحل اوالدهن كما في السراج وكذا لو بزق فوجد لونه في الاصح۔

(رد المحتار ج ۲ ص ۳۹۵ كتاب الصوم، باب مايفسد الصوم الخ)

روزہ کی حالت میں باربار غسل کرنے یا سر دھونے کا حکم

سوال:۔ اگر رمضان کے روزے سخت گرمی کے موسم میں آجائیں تو کیا روزہ دار آدمی گرمی کی شدت کی وجہ سے بار بار غسل کرسکتا ہے یانہیں؟

الجواب:۔ شدتِ حرارت (سخت گرمی) کی وجہ سے حالتِ صوم میں بار بار غسل کرنا یا بار بار سر دھونا بشرطیکہ پانی کے قطرات حلق میں نہ جائیں، جائز اور رخص ہے، ایسا کرنے سے روزے پر کوئی بُرا اثر نہیں پڑے گا۔

عن بعض اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال رأیت النبی صلی اللہ علیہ وسلم امر الناس فی سفرہ عام الفتح بالفطر وقال اتقوا وبعد وکم وصام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال ابو بکر قال الذی حدثنی لقد رأیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بالعرج یصب علیٰ رأسہ الماء وھو صائم من العطش اومن الحر۔ (ابوداؤد ج ۱ صـ۳۲۲ باب الصائم یصب علیہ الماء من العطش، کتاب الصوم)

روزہ کی حالت میں بیوی سے بغلگیر ہونا

سوال:۔ اگر کوئی شخص رمضان کے مہینے میں روزہ کی حالت میں اپنی بیوی کے ساتھ بغلگیر ہوکر سوجائے اور دونوں میں سے کسی کو انزال نہ ہو تو کیا اس سے روزہ متاثر ہوگا یا نہیں؟ برائے مہربانی فقہ حنفی کی رُو سے جواب عنایت فرمائیں؟

الجواب:۔ روزہ کی حالت میں بیوی کا بوسہ لینا، ایک دوسرے کے ساتھ چمٹنا یا بغلگیر ہوکر سوجانا ممنوع نہیں بشرطیکہ اپنے اوپر پوری قدرت ہو اور اگر قدرت نہ ہو تو ایسا نہیں کرنا چاہیئے تاکہ کسی محظور میں نہ پڑجائے۔ لہٰذا صورتِ مسئولہ میں اگر میاں بیوی دونوں میں سے کسی کا انزال نہ ہوا ہو تو روزہ فاسد نہیں، البتہ دونوں میں سے جس کا بھی انزال ہوجائے تو اس کا روزہ فاسد ہوجائے گا اور اس پر اس روزہ کی قضاء لازم ہوگی۔

لما قال العلامۃ قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمہ اللہ۔ یا زن را بوسہ کرد یا مس بشہوت کرد اگر انزال شُد روزہ فاسد شود والا فاسد نہ شود۔

(مالابد منہ صـ۹۶ کتاب الصوم)

باب القضاء والکفّارۃ

(قضاء اور کفّارہ کے احکام و مسائل)

سفر پر روانگی سے پہلے افطار کرنے والے کا حکم

سوال:۔ کیا سفر کا ارادہ کرنے والے کے لیے روانگی سے پہلے گھر میں کھانا پینا جائز ہے یا نہیں؟ اور اگر کسی شخص نے ایسی حالت میں گھر میں کچھ کھا پی لیا تو اس پر قضاء لازم ہے یا کفارہ واجب ہے؟

الجواب:۔ سفر پر نکلنے سے قبل افطار مرخص نہ ہونے کی وجہ سے اگر کسی شخص نے گھر میں کھانا کھایا اور پھر سفر پر روانہ ہوا تو اس پر کفارہ اور قضاء دونوں واجب ہیں، سفر کا ارادہ کفارہ پر اثر انداز نہیں ہوتا، تاہم اگر خروج کے بعد روزہ افطار کیا تو صرف قضاء لازم ہوگی کفارہ نہیں۔

لما قال الشیخ ابو اللیث السمرقندیؒ:۔ ولو افطر ثم سافر فعلیہ الکفارۃ۔

(فتاوٰی نوازل ص۹۹ کتاب الصوم۔ فصل فیما یفسد الصوم) [1]

قصداً روزہ نہ رکھنے کا حکم

سوال:۔ اگر ایک شخص رمضان المبارک کی عظمت اور تقدس میں شک ڈال کر قصداً و عمداً روزہ نہ رکھے تو اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب:۔ رمضان المبارک کے روزہ کو قصداً و عمداً توڑنے سے قضاء و کفارہ دونوں لازم ہو جاتے ہیں۔ شریعت مقدسہ نے کفارہ میں اوّلاً غلام آزاد کرنا مقرر کیا ہے اگر اس کی طاقت نہ ہو تو دو مہینے مسلسل روزے رکھے اور اگر روزوں کی استطاعت نہ ہو تو ساٹھ مساکین کو دو وقت کا کھانا کھلائے یا صدقہ کی مقدار کے برابر ہر مسکین کو غلہ یا رقم دے۔ لیکن یہ بات یاد رہے کہ قضاء کا روزہ اس کے علاوہ ہے جس کا رکھنا تینوں صورتوں میں ضروری ہے۔

لما قال العلامۃ برھان الدین المرغینانیؒ:۔ ولو اکل اوشرب ما یتغذی بہ او یتداوی

---

[1] لما قال العلامۃ محمد کامل الطرابلسیؒ: ان سافر بعد طلوع الفجر لا یفطر ذلک الیوم لانہ لزمہ صومہ وھو مقیم فلا یبطلہ باختیارہ فان افطر قبل الخروج فعلیہ القضاء والکفارۃ بخلاف مالو افطر بعد الخروج فعلیہ القضاء دون والکفارۃ۔ (الفتاوٰی الکاملیۃ ص۱۶ کتاب الصوم)

وَمِثْلُہٗ فی فتاوٰی تاتارخانیۃ ج۲ ص۳۸۵ کتاب الصوم۔ الاسباب المبیحہ للفطر۔

بہ فعلیہ القضاء والکفارۃ .... وکفارۃ الظہار۔ قال العلامۃ بدر الدین العینیؒ : تحت قولہ مثل کفارۃ الظہار ای الکفارۃ التی تجب بالوقاع مثل کفارۃ الظہار وھی عتق رقبۃ فان لم یجد فصیام شھرین متتابعین فان لم یستطع فاطعام ستین مسکیناً لکل مسکین نصف صاع من بر او صاع من تمر۔ الخ (البنایۃ شرح الہدایۃ ج۳ ص۳۰۶ باب ماتوجب القضاء والکفارۃ) لہ

رمضان میں دن کے وقت بیوی سے جماع موجب کفارہ وقضا ہے

سوال:۔ اگر ایک شخص ماہ رمضان میں دن کے وقت اپنی بیوی سے روزہ کی حالت میں جماع کرے اور اس عمل پر نادم بھی ہو تو اس کو کیا کرنا چاہیئے ؟ کیا عورت پر بھی کفارہ واجب ہے یا نہیں ؟

الجواب:۔ رمضان المبارک کے مقدس مہینے میں دن کے وقت جماع کرنے سے روزہ فاسد ہوجاتا ہے جس کے بدلے میں قضاء وکفارہ دونوں لازم ہیں، ایسے عمل پر اگر میاں بیوی دونوں راضی ہوں تو دونوں پر کفارہ وقضاء واجب ہے ورنہ بیوی کو مجبور کرنے کی صورت میں بیوی پر صرف قضاء اور خاوند پر قضاء وکفارہ دونوں واجب ہوں گے ۔

قال طاھر بن احمدؒ :۔ اذا جامع امرأتہ متعمداً فی نہار رمضان فعلیہ القضاء والکفارۃ اذا توارت الحشفۃ انزل اولم انزل ۔ (خلاصۃ الفتاوٰی ج ۱ ص۲۵۹ کتاب الصوم۔ الفصل الثالث فیما یفسد۔ الخ) ۲ہ

لہ لما قال العلامۃ التمرتاشیؒ :۔ ان جامع فی رمضان اداء او جومع فی احد السبیلین او اکل او شرب غذاء او دواء عمداً او احتجم فظن فطرہ بہ فاکل عمداً اقضی وکفر ککفارۃ المظاہر۔ قال العلامۃ ابن عابدینؒ : تحت قولہ ککفارۃ المظاہر مرتبط بقولہ وکفر ای مثلھا فی الترتیب فیعتق اولاً فان لم یجد صام شھرین متتابعین فان لم یستطع اطعم ستین مسکیناً۔

(رد المحتار ج۲ ص۴۱۲ مطلب فی الکفارۃ)

وَمِثْلُہٗ فی طحطاوی ص۳۶۶ فصل فی الکفارۃ ومایسقطھا عن الذمہ بعد الوجوب)

۲ہ قال برھان الدینؒ :۔ ومن جامع فی احد السبیلین عامداً فعلیہ القضاء استدراکاً للمصلحۃ الفائتۃ والکفارۃ لتکامل الجنایۃ ۔ (الہدایۃ ج ۱ ص۲۰۱ کتاب الصوم)

وَمِثْلُہٗ فی بدائع الصنائع ج۲ ص۹۱ کتاب الصوم فصل رکنہ ۔

کفارہ سے بچنے کا حیلہ

سوال:۔ ایک شخص نے خواہشات سے مجبور ہو کر بیوی سے جماع کا ارادہ کیا لیکن رمضان میں کفارہ کے وجوب کا ڈر بھی تھا، کفارہ سے بچنے کے لیے اس نے یہ حیلہ سوچا کہ پہلے منہ میں کاغذ رکھوں تاکہ روزہ ٹوٹ جائے، چنانچہ روزہ ٹوٹ جانے کے بعد اُس نے بیوی سے جماع کیا، کیا اس شخص پر اس صورت میں کفارہ واجب ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ اگر کاغذ منہ میں رکھ کر نگل لیا ہو تو حیلہ کارآمد ہو کر روزہ ٹوٹ جانے سے قضاء واجب ہے اور جماع کرنے پر کفارہ واجب نہیں کیونکہ جماع کے وقت اس کا روزہ نہیں تھا تاہم گناہ ضرور ہے، البتہ اگر کاغذ منہ میں رکھا ہوا ہو حلق سے نیچے نہیں اُترا ہو تو پھر حیلہ بے سود ہو کر قضاء و کفارہ دونوں واجب رہیں گے، کیونکہ صرف منہ میں کاغذ رکھنے سے روزہ نہیں ٹوٹتا۔

قال طاهر بن احمدؒ:۔ ولو اکل حصاة او نواة او حجرا او مدرا فعلیه القضاء ولا کفارة وکذا لو اکل القطن او الحشیش او التراب او الکاغذ او السفرجل اذا لم یکن مدرکا۔ (خلاصة الفتاوی ج۱ ص۲۵۵ کتاب الصوم الفصل الثالث فیما یفسد)[1]

روزہ کی حالت میں منجن کے استعمال کا حکم

سوال:۔ منجن کے استعمال سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ منجن کا استعمال روزہ کی حالت میں کسی چیز کو چکھنے کی طرح سے مکروہ ہے تاہم اگر عادتاً معدہ میں پہنچ جائے تو روزہ فاسد ہو جائے گا۔

لما قال العلامة الحصکفیؒ: او ذاق شیئا بفمه وان کره لم یفطر۔ قال ابن عابدینؒ تحت قوله ان کره ای الا لعذر کما یأتی۔ (رد المحتار ج۲ منثنہ باب ما یفسد الصوم وما لا یفسده مطلب فی حکم الاستمناء بالکف)

[illegible] قال الحصکفیؒ:۔ وکره مضغ علك ابیض ممضوغ ملتئم والا فیفطر۔ قال ابن عابدینؒ تحته فان کان مما یصل عادة حکم بالفساد لانه

---

[1] لما قال قاضی خان رحمه الله:۔ اذا اکل الصائم ما لا یؤکل عادة کالحصاة والنواة وکالقطن والحشیش والتراب والکاغذ والبزاق..... فسد صومه۔ (فتاوی قاضی خان ج۱ ص۱۰۲ باب ما یفسد الصوم وما لا یفسد)

ومثله فی الهندیة ج۱ ص۲۰۲ الباب الرابع فیما یفسد کتاب الصوم۔

کا متیقن۔ (ردّ المحتار ج ۲ ص۴۱۶ مطلب فیما یکرہ للصائم) [1]

ناس کا روزہ پر اثر انداز ہونے کا حکم

سوال:۔ ناس کے سونگھنے سے روزہ پر کیا اثر پڑتا ہے، اور ناس کی حقیقت کیا ہے؟

الجواب:۔ ناس ہندی زبان کا لفظ ہے، فیروز اللغات میں اس کا معنیٰ نسوار لکھا ہے اور اس کا استعمال ناک کے ذریعے ہوتا ہے۔ چونکہ اس نسوار کے ذرّات اتنے باریک ہوتے ہیں کہ سانس کے ذریعے جوفِ دماغ یا جوفِ معدہ میں پہنچ جاتے ہیں جو کہ مفسدِ صوم ہے لہٰذا ناس سونگھنے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے۔

لما قال فی الهندیة:۔ وفی دواء الجائفة والآمة أکثر المشائخ علی ان العبرة للوصول الی الجوف والدماغ لا لکونه رطباً او یابساً حتی اذا علم ان الیابس وصل یفسد صومه ولو علم ان الرطب لم یصل لم یفسد۔ (الفتاوی الهندیة ج ۱ ص۲۰۴ الباب الرابع فیما یفسد وما لا یفسد) [2]

دھوئیں اور غبار کے روزے پر اثرات

سوال:۔ دھواں اور گرد و غبار اگر حلق کے اندر چلا جائے تو اس سے روزہ پر کیا اثر پڑتا ہے؟

الجواب:۔ دھواں یا گرد و غبار اگر حلق کے اندر بلا قصد چلا جائے تو روزہ متاثر نہیں

---

[1] لما قال الامام برهان الدین المرغینانیؒ:۔ ومن ذاق شیئاً بفمه لم یفطر لعدم الفطر صورۃ و معنیً ویکره له ذٰلك لما فیه من تعریض الصوم علی الفساد۔ قال العلامة بدر الدین العینیؒ: تحت قوله من تعریض الصوم علی الفساد لانه لایؤمن ان یصل الی جوفه ......

قال ایضاً تحت قوله ومضغ العلك لا یفطر الصائم لانه لایصل الی جوفه وقیل اذا لم یکن ملتئماً یفسد لانه یصل الیه) ای الی جوفه بعض اجزائه) لانه اذا لم یکن ملتئماً یتفتت فیدخل فی حلقه من ذٰلك شیٔ فیفسد صومهٗ۔ (البنایة شرح الهدایة ج ۳ ص۳۴۱ ، ۳۴۸ باب ما یوجب القضاء والکفارۃ)

وَمِثْلُهٗ فی امداد الفتاوٰی ج ۲ ص۱۴۱ کتاب الصوم۔

[2] لما قال العلامة طاهر بن عبد الرشید البخاریؒ:۔ وما وصل الی جوف الرأس والبطن من الاُذن والانف والدُّبر فهو مفطر بالاجماع وفیه القضاء۔

(خلاصة الفتاوٰی ج ۱ ص۲۵۳ الفصل الثالث فیما یفسد الصوم وفیما لا یفسد)

وَمِثْلُهٗ فی امداد المفتیین ج ۱ ص۴۹۲ المعروف بفتاوٰی دار العلوم دیوبند)

ہوتا البتہ اگر قصداً وعمداً ادخال کی صورت ہو تو روزہ فاسد ہو کر قضاء کا موجب بن جاتا ہے۔

لما قال العلامۃ الحصکفیؒ:۔ اودخل حلقہ غبار اوذباب اودخان ولو ذاکراً استحساناً لعدم امکان التحرز عنہ ومفادہ انہ لو ادخل حلقہ الدخان افطر ای دخان کان ولو عوداً او عنبراً لو ذاکراً لامکان التحرز عنہ۔ (الدر المختار ج۲ ص۳۹۵ باب ما یفسد الصوم ومالا یفسد)[۱]

سوال:۔ کفارہ کے وجوب کی صورت میں اگر روزہ کی استطاعت ہو تو کیا فدیہ کی ادائیگی مفید ہے یا نہیں؟

روزہ رکھنے کی طاقت کے باوجود فدیہ دینا بے سود ہے

الجواب:۔ روزہ رکھنے کی استطاعت کے باوجود فدیہ دینا بے سود ہے، ایسی حالت میں روزہ رکھنا ضروری ہے تاہم اگر روزہ رکھنے کی استطاعت نہ ہو تو فدیہ دینا جائز ہے۔

لما قال العلامۃ بدرالدین العینیؒ: والکفارۃ مثل کفارۃ الظہار ای الکفارۃ التی تجب بالوقاع مثل کفارۃ الظہار وھی عتق رقبۃ فان لم یجد فصیام شہرین متتابعین فان لم یستطع فاطعام ستین مسکیناً الخ۔ (البنایۃ شرح الہدایۃ ج۳ ص۳۰۸ باب ما یوجب القضاء والکفارۃ)[۲]

سوال:۔ اگر ایک شخص پر جبر کر کے روزہ افطار کرایا جائے تو کیا اس پر کفارہ لازم ہوگا یا نہیں؟

جبراً روزہ افطار کرانے پر قضاء لازم ہے

الجواب:۔ اگر کسی نے زبردستی کر کے دوسرے کا روزہ افطار کرایا تو کھانے پینے والے پر

---

[۱] لما قال العلامۃ عبدالعلی بحرالعلومؒ:۔ ولو دخل ملا یستطاع الاحتراز عنہ فی الجوف بلا صنع منہ کالدخان والغبار کالایضر الصوم لان التکلیف بحسب الوسع واما لو ادخل الدخان کما یعتادیہ اکثر الناس فینبغی ان یفسد بہ الصوم خصوصاً دخان التنباک لانہ یورث الفرح وتحصل التسکین للمعتادین ودخول الذباب فی الحلق من قبیل الدخان عندنا۔ (رسائل الارکان ص۲۱۱ بیان دخول الدخان والغبار فی الجوف)

ومثلہ فی حاشیۃ الہدایۃ ج۱ ص۲۰۰ باب ما یوجب القضاء والکفارہ۔

[۲] لما قال العلامۃ ابن عابدینؒ:۔ تحت قولہ ککفارۃ الظاہر مرتبط بقولہ وکفر ای مثلھا فی الترتیب فیعتق اولاً فان لم یجد فصام شہرین متتابعین فان لم یستطع اطعم ستین مسکیناً۔ الخ (ردالمحتار ج۲ ص۴۱۲ مطلب فی الکفارۃ)

ومثلہ فی طحطاوی ص۳۶۶ فصل فی الکفارۃ وما یسقطھا عن الذمۃ بعد الوجوب۔

کفارہ واجب نہیں البتہ اُسی دن کی قضاء لازم ہوگی۔

قال شمس الدین سرخسیؒ:۔ ولو اکرہ علی اکل وشرب فعلیہ القضاء دون الکفارہ۔
(مبسوط سرخسی ج ۳ ص ۹۸ باب ما یفسد الصوم) ؎۱

غروبِ آفتاب سے قبل افطار موجبِ قضاء ہے

سوال:۔ ایک شخص نے غروبِ آفتاب کے وقت عید کا چاند دیکھ کر یہ خیال کیا کہ آج عید کا دن ہے اور یہ چاند دوسری رات کا ہے اس لیے آج ہمارا روزہ جائز نہیں، پھر اس نے فوراً روزہ توڑ کر دوسروں کو بھی افطار کرنے کی دعوت دی، تو ایسے شخص کے روزہ کا کیا حکم ہے؟ کیا اس پر صرف قضاء واجب ہے یا کفارہ یا دونوں؟

الجواب:۔ روزہ اور عید کا دار و مدار باقاعدہ چاند کی رؤیت پر ہے، حساب وکتاب کی روشنی میں عید منانا از روئے شرع مرخص نہیں۔ صورتِ مذکورہ میں محض چاند کی کیت وکیفیت سے روزہ توڑنا مناسب نہیں، اگر پہلے دن کی باقاعدہ رؤیت نہ ہو تو اس شخص پر قضاء وکفارہ دونوں واجب ہیں۔

قال طاہر بن احمد رحمہ اللہ:۔ ولو افطر واکثر رایہ ان الشمس لم تغرب فعلیہ القضاء والکفارۃ لان النہار کان ثابتا وقد انضم الیہ اکبر رایہ فصار بمنزلۃ الیقین۔ (خلاصۃ الفتاوٰی ج ۱ ص ۲۵۶ کتاب الصوم۔ الفصل الثالث فیما یفسد۔ الخ) ؎۲

بڑھاپے کی وجہ سے روزہ نہ رکھنے والے کا حکم

سوال:۔ اگر ایک شخص ضعف و بڑھاپے کی وجہ سے روزہ رکھنے پر قادر نہ ہو تو کیا

؎۱ قال برہان الدین رحمہ اللہ:۔ ولو کان مخطیاً او مکرہا فعلیہ القضاء۔
(الہدایۃ ج ۱ ص ۱۹۹ کتاب الصوم، باب ما یوجب القضاء والکفارۃ)
وَمِثْلُہٗ فی فتح القدیر ج ۲ ص ۲۵۵ کتاب الصوم۔

؎۲ قال العلامۃ الحصکفی رحمہ اللہ:۔ (الفجر طالع والشمس لم تغرب) عملاً بالاُصل فیہما۔ قال ابن عابدین رحمہ اللہ: ای فی الاوّل والثانی فان الاصل فی الاوّل بقاء اللیل، فلا تجب الکفّارۃ وفی الثانی بقاء النہار فتجب علی احد الروایتین کما علّمت۔
(شامی ج ۲ ص ۴۰۵ کتاب الصوم۔ باب ما یفسد الصوم)
وَمِثْلُہٗ فی الہدایۃ ج ۱ ص ۲۲۵ باب ما یفسد الصوم۔

فدیہ دے کر اس کا ذمہ فارغ ہوسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ ایسا شخص جو ضعف و پیرانہ سالی کی وجہ سے روزہ کی طاقت نہ رکھتا ہو تو اس کے لیے روزہ کی جگہ فدیہ ادا کرنا جائز ہے جو کہ ایک روزہ کے بدلہ نصف صاع یعنی ایک سو چالیس تولہ گندم یا اس کی مروجہ قیمت کی ادائیگی ہے۔

قال عبدالرحمٰن جزریؒ:۔ الشیخ الفانی الذی لا یقدر علی الصوم فی جمیع فصول السنۃ یفطر و تجب من کل یوم فدیۃ طعام مسکین۔ (کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعۃ ج۱ ص۵۷۶ کتاب الصوم) ۔[1]

میت کے ذمہ روزوں کا حکم

سوال:۔ اگر بیمار کو بیماری سے شفا ملنے کے بعد اتنا وقت ملا ہو کہ اس میں وہ قضا روزے رکھ سکتا تھا لیکن سستی کی وجہ سے روزے نہ رکھ سکا اور اچانک وفات پا گیا، ایسی صورت میں پسماندگان و ورثاء کے لیے کیا کرنا چاہیے؟

الجواب:۔ مذکورہ صورت کے مطابق اگر روزے رکھنے کا موقع نہ ملے تو اس پر کوئی گناہ نہیں اور نہ ورثاء پر کوئی ذمہ داری عائد ہوتی ہے، البتہ اگر موقع ملا ہو اور قدرت کے باوجود روزے نہ رکھے تو عِدَّۃٌ مِّنْ اَیَّامٍ اُخَر ملنے کی وجہ سے روزے واجب رہیں گے۔ اگر مرتے وقت وصیت کی ہو تو ورثاء کو ثلث مال سے وصیت کے مطابق عمل کرکے فدیہ ادا کرنا ضروری ہے، وصیت نہ کرنے پر میت گنہگار رہے، تاہم تبرع اور احسان کرکے ورثاء بلا وصیت بھی فدیہ ادا کرسکتے ہیں۔

قال محمد بن اسرائیلؒ:۔ لو افطر المریض یقضی بلا فدیۃ ولو مات قبل البرء لا شئی علیہ اذ لم یدرک عِدَّۃ من ایام اُخر و علیہ ان یوصی بفدیۃ مکان کل یوم نصف صاع من بر و فیما یجوز فی صدقۃ الفطر فی ردّ المحتار و یعتبر ذلک من ثلث مالہ ولو لم یوص و تبرع عنہ ورثتہ جاز ولا یلزمھم بلا ایصاء عندنا (جامع الفصولین ج۲ ص۱۹۸ کتاب الصوم) ۔[2]

---

[1] قال فی الہندیۃ:۔ فالشیخ الفانی الذی لا یقدر علی الصیام یفطر و یطعم لکل یوم مسکینا کما یطعم فی الکفارۃ۔ (الفتاوی الہندیۃ ج۱ ص۲۰۷ کتاب الصوم۔ الباب الخامس فی الاعذار التی تبیح الافطار)

وَمِثْلُہٗ فی بدائع الصنائع ج۲ ص۱۰۵ کتاب الصوم۔ فصل فی حکم الصوم المؤقت۔

[2] قال ابن نجیمؒ:۔ ولا قضاء ان ماتا علیہما ای ولا قضاء علی المریض والمسافر اذا ماتا قبل الصحۃ والاقامۃ لانہما لم یدرکا عِدَّۃ من ایام اُخر فلم یوجد شرط وجوب الاداء فلم یلزم القضاء قید بہ لانہ لو صح المریض او اقام المسافر ولم یقض حتی مات لزمہ الایصاء بقدرہ وھو مصرح بہ فی بعض نسخ المتن لوجود الادراک بھذا المقدار۔ (البحر الرائق ج۲ ص۲۸۳ فصل فی العوارض)

وَمِثْلُہٗ فی خلاصۃ الفتاویٰ ج۱ ص۲۶۲ کتاب الصوم۔ الفصل الرابع النذر۔

روزہ کی حالت میں دانت میں دوائی ڈالنا

سوال:۔ شدتِ درد کی وجہ سے اگر دانتوں میں دوائی ڈالی گئی یا دانت نکلوانے کے بعد تکلیف ناقابلِ برداشت ہو تو روزہ افطار کیا جاسکتا ہے یا نہیں، اور کیا اس روزے کی قضاء واجب ہوگی یا کفارہ؟

الجواب:۔ دانت کا درد اگر برداشت سے باہر ہو تو ایسی حالت میں دوا استعمال کرلینا جائز ہے اور اس کے لیے روزہ افطار کرنا مرخص ہے جس کی وجہ سے قضاء واجب ہے کفارہ نہیں۔

قال قاضی خانؒ:۔ لا فرق بین الرطب والیابس اذا وصل الجوف فسد صومه وان لم یصل لا یفسد وذکر فی الاصل انه یفسد الصوم مطلقاً بناءً علی الغالب والغالب هو الوصول الی الجوف وذکر الشرط فی تفسیر المجدد۔ (فتاویٰ قاضی خان ج۱ ص۲۰۸ الفصل فی ما لا یفسد الصوم) لہ

شرمگاہ میں انگلی داخل کرنے سے روزہ کا حکم

سوال:۔ اگر عورت اپنی قُبل میں یا مرد اپنی دُبر میں انگلی داخل کرے تو کیا اس سے روزہ پر کوئی اثر پڑتا ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ اگر انگلی داخل کرتے وقت خشک ہو تو روزہ پر کوئی اثر نہیں پڑتا البتہ تیل یا پانی سے اگر تر کرکے داخل کیا جائے تو اس سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے اور قضاء واجب ہوگی کفارہ نہیں تاہم اس سے اجتناب ہر حالت میں ضروری ہے۔

قال فخر الدین الزیلعیؒ:۔ لو ادخلت الصائمة اصبعها فی فرجها او دبرها لا یفسد علی المختار الا ان تکون مبلولة بماء او دهن۔ (تبیین الحقائق ج۱ ص۳۳۰ باب ما یفسد الصوم) ؎۲

لہ قال عالم بن العلاءؒ:۔ ان فعل ذٰلك به من غیر اختیاره او باختیاره لا لان به عذر الا تلزمه الکفارة۔ (فتاویٰ تاتارخانیة ج۲ ص۳۶۵ کتاب الصوم الفصل الرابع فیما یفسد الخ)

وَمِثْلُهٗ فی البحر الرائق ج۲ ص۲۸۲ فصل فی العوارض۔

؎۲ قال العلامة الحصکفیؒ: (او ادخل اصبعه الیابسة فیه) ای دبره او فرجها ولو مبتلة فسد۔ (شامی ج۲ ص۳۹۶ کتاب الصوم۔ باب ما یفسد الصوم)

وَمِثْلُهٗ فی خلاصة الفتاویٰ ج۱ ص۲۶ کتاب الصوم۔ الفصل الثالث فیما یفسد الخ

عورت کے لیے کفّارہ کا طریقہ

سوال:۔ اگر عورت کو روزے کا کفارہ ادا کرنے کے دوران حیض آجائے تو کیا وہ دوبارہ از سرِ نو روزے رکھے گی یا نہیں؟

الجواب:۔ ادائے کفارہ کے دوران اگر عورت کو حیض آجائے تو اس کے غیر اختیاری ہونے کی وجہ سے روزوں کی توالی (پے درپے) پر کوئی اثر نہیں پڑتا تاہم حیض کے ختم ہوتے ہی فوراً روزہ رکھا جائے گا تاخیر کی صورت میں استیناف لازم ہوگا۔

قال العلامۃ شمس الدین سرخسیؒ:۔ فان کانت امرأۃ فافطرت فیما بین ذٰلک للحیض لم یکن علیھا استقبالہ۔ (مبسوط سرخسی ج۳ ص۸۴ کتاب الصوم) ؎۱

کفّارہ میں تداخل ممکن ہے

سوال:۔ ماہِ رمضان میں متعدد بار روزہ افطار کرنے یا پھر متعدد ماہِ رمضان میں کئی مرتبہ جماع یا افطار کرکے ان میں تداخلِ کفارہ ممکن ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ تداخلِ کفارہ کے بارے میں فقہاء کرام کے متعدد اقوال ہیں، ظاہر الروایت اور محتاط قول یہ ہے کہ ہر روزے کا الگ الگ کفارہ ادا کیا جائے۔ تاہم اکثر فقہاء کرام نے تداخل کفارہ کی صورت اختیار کی ہے اس لیے کفارہ میں تداخل مرخص ہے۔

قال العلامۃ الحصکفیؒ:۔ ولو تکرر فطرہ ولم یکفر للاول یکفیہ واحدۃ ولو فی رمضانین عند محمدؒ وعلیہ الاعتماد بزازیۃ ومجتبیٰ وغیرھما واختار بعضھم للفتوٰی ان الفطر بغیر الجماع تداخل والّا لا۔ (الدر المختار علیٰ صدر رد المحتار ج۲ ص۴۱۳ کتاب الصوم۔ مطلب فی الکفارۃ) ؎۲

؎۱ قال ابن نجیمؒ: وکذا فی کفارۃ القتل والظھار للنص علی التتابع لا لعذر الحیض لانھا لا تجد شھرین عادۃ لا تحیض فیھما لکنھا اذا طھرت تصل بما مضٰی فان لم تصل استقبلت۔ (البحر الرائق ج۲ ص۲۷۷ باب ما یفسد الصوم... الخ)

وَمِثْلُہٗ فی فتاویٰ قاضی خان ج۱ ص۱۰۵ الفصل الخامس فیما یفسد الصوم۔

؎۲ قال ابن نجیمؒ:۔ ولو جامع مرارا فی ایام من رمضان واحد ولم یکفر کان علیہ کفارۃ واحدۃ لانھا شرعت للزجر وھو یحصل بواحدۃ فلو جامع وکفر ثم جامع مرۃ اخرٰی فعلیہ کفارۃ اخرٰی فی ظاھر الروایۃ للعلم بان الزجر لم یحصل بالاول ولو جامع فی رمضانین فعلیہ کفارتان وان لم یکفر للاولٰی فی ظاھر الروایۃ وھو الصحیح۔ (البحر الرائق ج۲ ص۲۷۷ باب ما یفسد الصوم ومالا یفسدہ)

وَمِثْلُہٗ فی بدائع الصنائع ج۲ ص۱۰۱ کتاب الصوم۔ فصل فی حکم فساد الصوم۔

روزہ کی حالت میں جماع مع حائل کا حکم | سوال:۔ رمضان میں اگر بیوی سے جماع کرتے وقت کوئی چیز حائل ہو تو کیا اس سے کفارہ ساقط ہوتا ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ اگر کسی چیز کے حائل ہونے کے باوجود حرارت اور لذت محسوس ہو تو جماع بلا حائل اور مع حائل دونوں کا حکم ایک ہے، قضاء و کفارہ دونوں واجب ہوں گے، تاہم بصورت حائل اگر حرارت محسوس نہ ہو تو صرف قضاء واجب ہوگی۔

قال ابن نجیمؒ:۔ کذا فی المعراج والمراد باللمس اللمس بلاحائل فان مسھا وراء الثیاب فامنیٰ فان وجد حرارۃ جلدھا فسد والا فلا۔ (البحرالرائق ج ۲ ص۲۷۲،۲۷۳ باب ما یفسد وما لا یفسد) [۱]

اغلام (لواطت) موجب کفارہ و قضاء ہے | سوال:۔ کیا لواطت جیسا قبیح کام کرنے سے کفارہ واجب ہوتا ہے یا صرف قضاء کافی ہے؟

الجواب:۔ قضاء شہوت کا محل مشتہات ہونا ضروری ہے جو احد السبیلین ہے، ایسی جگہوں کو جب بھی روزہ کی حالت میں استعمال کیا جائے تو کفارہ و قضاء دونوں واجب ہو جاتے ہیں لہٰذا صورت مسئولہ میں دونوں لازم ہیں۔

قال العلامۃ فخرالدین الزیلعیؒ:۔ وقولہ اوجومع نص علی انھا تجب علی المفعول بہ وعلی المرأۃ ان کان بطوعھا۔ (تبیین الحقائق ج ۱ ص۳۲۷ باب ما یفسد الصوم) [۲]

---

[۱] قال العلامۃ ابن عابدینؒ:۔ قولہ ولو بحائل لا یمنع الحرارۃ) نقیض مابعد لو وھو عدم الحائل المذکور اولیٰ بالحکم وھو وجوب القضاء لکن لا تظھر الاولویۃ بالنظر الی عدم الکفارۃ مع ان الکلام فیما یوجب القضاء دون الکفارۃ وقید الحائل بکونہ لایمنع الحرارۃ لما فی البحر لو مسھا وراء الثیاب فامنیٰ فان وجد حرارۃ جلدھا فسد والا فلا۔

(شامی ج ۲ ص۴۰۲ کتاب الصوم۔ باب ما یفسد الصوم)

وَمِثْلُہٗ فی الھندیۃ ج ۱ ص۲۰۴ کتاب الصوم۔ الباب الرابع فیما یفسد الصوم۔ الخ

[۲] قال العلامۃ قاضیخانؒ: وان جامعھا فی دبرھا اوجامع امتہ فی دبرھا متعمداً علیہ القضاء والکفارۃ انزل اولم انزل۔ (فتاوی قاضی خان ج ۱ ص۲۱۰ الفصل الخامس فی ما یفسد الصوم)

وَمِثْلُہٗ فی الاشباہ والنظائر ج ۲ ص۹۷ کتاب الصوم۔

روزہ کی حالت میں زنا کرنے پر قضاء اور کفارہ کا وجوب | **سوال**:۔ بظاہر زنا کرنے سے انسان پر حد جاری ہوتی ہے، تو کیا حد کے اجراء کی وجہ سے کفارہ کے وجوب پر کوئی اثر پڑتا ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ روزہ کی حالت میں اپنی بیوی سے جماع یا کسی اجنبیہ سے زنا کرنے میں وجوب قضاء اور کفارہ میں کوئی فرق نہیں جبکہ حد کا اجراء الگ مسئلہ ہے جس کا کفارہ و قضاء کے وجوب پر کوئی اثر نہیں پڑتا، تاہم جبر واکراہ کی صورت میں کفارہ واجب نہیں ہوتا۔

قال العلامة طاهر بن احمدؒ:۔ وان کانت المرأۃ مکرھۃ فعلیھا القضاء دون الکفارۃ ولو کان الرجل مکرھا علی الجماع فعلیہ الکفارۃ فی قول ابی حنیفۃؒ الاوّل ثم رجع وقال علیہ القضاء دون الکفارۃ وھو قولھما وعلیہ الفتوٰی۔

(خلاصۃ الفتاوٰی ج۱ ص۲۵۹ کتاب الصوم الفصل الثالث فیما یفسد الصوم)[۱]

بہیمہ (جانور) سے وطی کرنے سے روزہ کا حکم | **سوال**:۔ کسی جانور کے ساتھ وطی کرنے سے روزہ فاسد ہوجاتا ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ جانوروں کے ساتھ وطی کرنے سے روزہ یقیناً فاسد ہوکر قضاء لازم ہو جاتی ہے اور کفارہ لازمی نہیں تاہم نفس دخول سے روزہ فاسد نہیں ہوتا لیکن یہ فعل ہر صورت میں حرام ہے۔

قال العلامۃ قاضیخانؒ:۔ وکذا اذا جامع بھیمۃ ولم ینزل او میتۃ ولم ینزل الخ وان انزل فی ھٰذہ الوجوہ کان علیہ القضاء دون الکفارۃ۔ (فتاوٰی قاضی خان ج۱ ص۲۱۱ الفصل الخامس فیما یفسد الصوم)[۲]

جماع کے بغیر انزال سے صرف قضاء واجب ہے | **سوال**:۔ احد السبیلین کے علاوہ اگر کسی حرکت سے

---

[۱] قال فی الھندیۃ:۔ ولو مکنت نفسھا من صبی او مجنون فزنی بھا فعلیھا الکفارۃ بالاتفاق۔ (الفتاوٰی الھندیۃ ج۱ ص۲۰۵ کتاب الصوم، النوع الثانی ما یوجب القضاء والکفارۃ)

وَمِثْلُہٗ فی تبیین الحقائق ج۱ ص۳۲۷ باب ما یفسد الصوم۔

[۲] قال عالم بن العلاء رحمہ اللّٰہ:۔ ولو جامع میتۃ او بھیمۃ فلا کفارۃ علیہ انزل او لم ینزل۔ (فتاوٰی تاتارخانیۃ ج۲ ص۳۷۱ کتاب الصوم، الفصل الرابع فیما یفسد)

وَمِثْلُہٗ فی شامی ج۲ ص۳۹۹ کتاب الصوم، مطلب فی حکم الاستمناء بالکف۔

انزال ہو جائے تو اس پر قضاء اور کفّارہ دونوں واجب ہیں یا صرف قضاء؟

الجواب:۔ کفارہ چونکہ ایک عظیم جرمانہ ہے اور جرم کی نوعیت کو دیکھ کر اس کا حکم لگایا جاتا ہے، احد السبیلین کے علاوہ کسی اور طریقہ سے انزال میں چونکہ قضاء شہوت کامل طریقہ سے نہیں پایا جاتا اس لیے اس میں صرف قضاء واجب ہے اور کفّارہ کی ضرورت نہیں۔

قال العلامة الحصکفیؒ:۔ او جامع فیمادون الفرج ولم ینزل یعنی فی غیر السبیلین کسرۃ وفخذ وکذا الاستمناء بالکف (او ادخل ذکرہ فی بھیمۃ) او میتۃ من غیر انزال اومس فرج بھیمۃ او قبلھا فانزل او اقطر فی احلیلہ۔

(الدر المختار علیٰ صدر رد المحتار ج ۲ ص ۳۹۸،۳۹۹ کتاب الصوم باب ما یفسد الصوم) ؎۱

غیر رمضان میں روزہ افطار کرنے سے صرف قضاء لازم ہے

سوال:۔ اگر کوئی شخص رمضان کے علاوہ روزہ (بلا عذر شرعی) افطار کرے تو اس پر صرف قضاء لازم ہے یا کفّارہ بھی لازم ہے؟

الجواب:۔ رمضان کے علاوہ کسی دوسرے موقع پر روزہ توڑنے سے فقط قضاء واجب ہے خواہ روزہ فرض ہو یا نفل یا نذر ہو کفارہ واجب نہیں ہوتا، یہ صرف رمضان کے ساتھ خاص ہے۔

وفی الھندیۃ:۔ ولا کفّارۃ بافساد صوم غیر رمضان کذا فی الکنز۔

(الفتاوی الھندیۃ ج ۱ ص ۲۱۵ کتاب الصوم۔ باب المتفرقات) ؎۲

سفر میں روزہ نہ رکھنے پر صرف قضاء واجب ہے

سوال:۔ اگر ایک شخص سفر کی حالت میں روزہ نہ رکھے تو ایسے شخص کے لیے

؎۱ قال العلامۃ الکاسانیؒ:۔ ولو جامع بھیمۃ فانزل فسد صومہ وعلیہ القضاء ولا کفّارۃ علیہ لانہ وان وجد الجماع صورۃ ومعنی وھو قضاء الشھوۃ لکن علیٰ سبیل القصور لسعۃ المحل ولو جامعھا ولم ینزل لا یفسد۔ الخ (بدائع الصنائع ج ۲ ص ۹۴ کتاب الصوم۔ فصل فی ارکانہ)

وَمِثْلُہٗ فی البحر الرائق ج ۲ ص ۲۷۲ باب ما یفسد الصوم وما لا یفسدہ۔

؎۲ قال العلامۃ برھان الدینؒ:۔ ان الکفّارۃ تعلقت بجنایۃ الافطار فی رمضان علیٰ وجہ الکمال۔ (الھدایۃ ج ۱ ص ۲۱۹ باب ما یفسد الصوم) الخ

وَمِثْلُہٗ فی فتاویٰ قاضیخان ج ۱ ص ۱۰۳ الفصل الخامس فیما یفسد الصوم۔

شریعتِ مقدسہ کا کیا حکم ہے ؟

الجواب:۔ مسافر کے لیے حالتِ سفر میں روزہ نہ رکھنا رخصت ہے لہٰذا اگر کوئی شخص حالتِ سفر میں روزہ نہ رکھے تو اس پر صرف قضاء واجب ہے کفارہ نہیں ۔

قال قاضی خان رحمہ اللہ:۔ لو اصبح المقیم صائماً ثم سافر فافطر بعد ذٰلک لا کفارۃ علیہ ۔ (فتاویٰ قاضیخان ج ۱ ص۲۱۲ الفصل السابع فیما یسقط الکفارۃ ومالا یسقط) [۱]

استمناء بالید سے انزال میں قضاء واجب ہے

سوال:۔ روزے کی حالت میں اگر کوئی شخص استمناء بالید (ہاتھ سے انزال) کرے تو کیا اس شخص پر کفارہ واجب ہے یا صرف قضاء کافی ہے ؟

الجواب:۔ استمناء بالید میں چونکہ قضاءِ شہوت کامل نہیں ہوتی اس لیے اس سے کفارہ واجب نہیں ہوتا تاہم قضاء لازمی ہے، اور اگر انزال نہ ہو تو پھر قضاء بھی واجب نہیں ۔

قال العلامۃ الحصکفیؒ:۔ وکذا الاستمناء بالکف) قال ابن عابدینؒ:۔ ای فی کونہ لایفسد لکن ھٰذا اذا لم ینزل اما اذا انزل فعلیہ القضاء کما سیصرح بہ وھو المختار۔

(رشامی ج۲ ص۳۹۹ کتاب الصوم ۔مطلب فی حکم الاستمناء بالکف) [۲]

غلط فہمی سے کھانا پینا موجب کفارہ نہیں

سوال:۔ اگر کسی نے بھول کر کھا پی لیا یا بلا سبب انزال سے یہ سمجھا کہ میرا روزہ ابھی نہیں رہا اس لیے میرے لیے کھانے پینے میں کوئی حرج نہیں، تو کیا ایسے شخص کے اس طرح قصداً کھانے پینے سے کفارہ واجب ہو گا یا قضاء ؟

---

[۱] قال عالم بن العلاء رحمہ اللہ:۔ المسافر قدم مصرہ وھو صائم ثم افتی ان صومہ لا یجزیہ فافطر بعد ذٰلک متعمداً لا کفارۃ علیہ ۔ (فتاویٰ تاتارخانیہ ج۲ ص۳۲۹ کتاب الصوم ۔ الفصل الخامس وجوب الکفارہ)

وَمِثْلُہٗ فی شامی ج۲ ص۴۰۸ کتاب الصوم ۔مطلب فیما یکرہ للصائم۔

[۲] قال قاضی خانؒ:۔ وکذا اذا جامع بھیمۃ ولم ینزل اومیتۃ ولم ینزل او ناکح بیدہ ولم ینزل او جامع فیما دون الفرج ولم ینزل وان انزل فی ھٰذہ الوجوہ کان علیہ القضاء دون الکفارۃ۔

(فتاویٰ قاضی خان ج۱ ص۲۰۸ الفصل الخامس فیما لایفسد الصوم)

وَمِثْلُہٗ فی الھندیۃ ج۱ ص۲۰۵ الباب الرابع فیما یفسد ومالا یفسد۔

الجواب:۔ اگر کسی نے بھول کر کھانا کھالیا یا بلا سبب کے انزال ہؤا تو اس کا روزہ باقی ہے البتہ اگر بعد میں غلط فہمی سے کھانا کھایا کہ میرا روزہ ختم ہوچکا ہے، تو محض کسی غلط فہمی کی وجہ سے کھانا پینا موجبِ کفارہ نہیں بلکہ صرف اسی دن کی قضاء واجب ہوگی۔ کفارہ ایسی سزا ہے جو دیدہ دلیری سے کسی جرم کے ارتکاب پر دی جاتی ہے۔

قال طاهر بن احمدؒ :۔ ولو نظر الی محاسن المرأة فانزل فظن ان ذٰلك فطرہ فاکل بعد ذٰلك فهو کالقئ وقد ذکرنا حکمه وقال البعض ان کان عالماً علیه القضاء والکفارة عند الکل وان کان جاهلاً علیه القضاء دون الکفارة۔ (خلاصة الفتاوی ج۱ ص۲۵۹ کتاب الصوم الفصل الثالث فیما یفسد الخ) ؎۱

سگریٹ نوشی مفطرِ صوم ہے

سوال:۔ کیا سگریٹ پینے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے یا نہیں، اگر ٹوٹ جاتا ہے تو اس سے قضاء لازم ہوگی یا کفارہ؟

الجواب:۔ سگریٹ کا دھواں منہ کے ذریعے حلق کے اندر چلا جاتا ہے جو کہ فسادِ صوم کا سبب ہے لہٰذا سگریٹ نوشی مفطرِ صوم ہے، تاہم اس صورت میں قضاء لازم ہے کفارہ نہیں۔

قال علاؤ الدینؒ :۔ ولو دخل الغبار او الدخان او الرائحة فی حلقه لم یفطر وان ادخله حلقه متعمّداً۔ روی عن ابی یوسفؒ انه ان تعمد علیه القضاء ولا کفارة علیه۔ (بدائع الصنائع ج۲ ص۹۰ کتاب الصوم۔ فصل رکنه) ؎۲

؎۱ قال قاضی خانؒ:۔ ولو نظر الی محاسن المرأة فانزل او تفکر فانزل فظن ان ذٰلك فطرہ فاکل متعمداً فهو بمنزلة القئ۔ وقال بعضهم ان کان عالماً علیه القضاء والکفارة عند الکل وان کان جاهلاً علیه القضاء دون الکفارة۔
(فتاوی قاضی خان ج۱ ص۱۰۵ الفصل الرابع فیما یسقط الکفارة وما لا یسقط)
ومثله فی الهندیة ج۱ ص۲۰۶ کتاب الصوم۔ الباب الرابع فیما یفسد الخ)

؎۲ قال عبدالرحمٰن الجزائریؒ: شرب الدخان المعروف وتناول الافیون والحشیش ونحو ذٰلك فان الشهوة فیه ظاهرة۔ (الفقه علی المذاهب الاربعة ج۱ ص۵۶۰ کتاب الصوم)
ومثله فی ردالمحتار ج۲ ص۴۱۸ کتاب الصوم۔ باب فیما یفسد الخ۔

بے خبری میں طلوعِ فجر کے بعد کھانا کھانے کا حکم

سوال:۔ اگر کسی شخص نے ماہِ رمضان میں بے خبری میں فجر کے طلوع ہونے کے بعد کھانا کھایا جبکہ اس کا گمان یہ تھا کہ فجر اب تک طلوع نہیں ہوئی ہے، اس صورت میں ایسے شخص کے روزے کا کیا حکم ہے؟

الجواب:۔ روزہ رکھنے کی ابتداء طلوعِ فجر سے ہوتی ہے، چونکہ صورتِ مسئولہ میں موصوف نے غلط فہمی کی بناء پر طلوعِ فجر کے بعد کھانا کھایا اس لیے اُس کا یہ روزہ ختم ہوچکا ہے اب اسکے ذمّے اس دن کے روزہ کی قضاء لازم ہے کفّارہ نہیں۔

لما قال العلامة برهان الدين المرغينانيؒ: اذا تسحر وهو يظن ان الفجر لم يطلع فاذا هو قد طلع الخ عليه القضاء..... ولا كفّارة عليه لان الجناية قاصرة لعدم القصد۔

(الهداية ج۱ ص۲۰۷ باب مايوجب القضاء) [1]

فدیہ دینے سے عاجز شخص کو کیا کرنا چاہیئے

سوال:۔ اگر کوئی شخص فدیہ دینے سے عاجز ہو اور ڈاکٹر نے بھی اس کو روزہ رکھنے سے منع کر رکھا ہو تو یہ شخص کیا کرے؟

الجواب:۔ جب کوئی شخص اتنا بیمار ہو کہ اس میں روزہ رکھنے کی طاقت نہ ہو اور پھر مسلمان ڈاکٹر نے بھی اسے روزہ رکھنے سے منع کیا ہو تو اس شخص پر فدیہ دینا واجب ہے لیکن اگر کوئی فدیہ دینے کا بھی متحمل نہ ہو تو اس صورت میں استغفار کثرت سے پڑھا کرے۔

لما قال العلامة الحصكفيؒ: وللشيخ الفاني العاجز عن الصوم الفطر ويفدي وجوبًا..... لو موسرًا والا يستغفر الله۔ قال ابن عابدينؒ: (قوله والا يستغفر الله) هذا ذكره في الفتح والبحر عقيب مسئلة نذر الأبد اذا اشتغل عن الصوم بالمعيشة فالظاهر انه راجع اليها دون ما قبلها من مسئلة الشيخ الفاني لانه لا تقصير منه بوجه۔ (ردّ المحتار ج۲ ص۴۲۷ فصل في العوارض) [2]

---

[1] ولو قدم مسافرٌ او طهرت حائض او تسحر ظنه ليلاً والفجر طالع او افطر كذلك والشمس حيّة أمسك يومه وقضى ولم يكفّر كأكله عمدًا بعد أكله ناسيًا ونائمةً ومجنونةً وطئتا۔

(تبيين الحقائق شرح كنز الدقائق ج۱ ص۳۴۱ كتاب الصوم)

[2] قال العلامة ابو البركات النسفيؒ: وللشيخ الفاني وهو يفدي فقط۔ قال ابن نجيمؒ تحته..... وان لم يقدر على الاطعام لعسرته يستغفر الله تعالى۔ (البحر الرائق ج۲ ص۲۸۶ كتاب الصوم فصل في العوارض)

مُسافر یا مریض کو روزہ کی قضاء کا موقع نہ ملے تو کچھ مواخذہ نہیں

سوال:۔ اگر کسی مسافر کو سفر سے واپسی پر یا بیمار کو صحتیابی کے فوراً بعد فرض روزہ کی قضاء کا موقع نہیں ملا تو کیا اس شخص پر فدیہ دینا واجب ہے یا کہ معافی ہے؟

الجواب:۔ مرض اور سفر میں روزہ افطار کرنا رخص ہے جس کی حالتِ صحت و اقامت میں قضاء واجب ہے، اب اگر مریض و مسافر کو قضاء کرنے کا کسی وجہ سے قضاء کا موقع نہیں مل سکا اور وہ فوت ہو گیا تو اس شخص پر کچھ مواخذہ نہیں البتہ اگر موقع ملنے کے باوجود روزہ نہ رکھے تو بعد الموت فدیہ دینا لازم ہے۔

وفی الهندیة: ولو فات صوم رمضان بعذر المرض او السفر واستدام المرض والسفر حتی مات لاقضاء علیه۔۔۔۔ وان صح المریض او قدم المسافر وادرك من الوقت بقدر ما فاته یلزمه قضاء جمیع ما ادرك فان لم یصم حتی ادركه الموت فعلیه ان یوصی بالفدیة۔

(الفتاوی الهندیة ج ۱ ص۲۰۷ الباب الخامس فی الاعذار الذی یبیح الافطار) ؎۱

غیر رمضان کا روزہ قصداً توڑنے پر صرف قضاء واجب ہے کفارہ نہیں

سوال:۔ اگر کوئی شخص قصداً و عمداً غیر رمضان کا روزہ توڑ دے تو کیا اس شخص پر کفارہ واجب ہے یا صرف قضاء؟

الجواب:۔ قصداً روزہ توڑنے سے کفارے کا وجوب صرف رمضان شریف کے روزے کے ساتھ خاص ہے اس کے علاوہ جو بھی روزہ قصداً یا سہواً توڑ دیا جائے تو اس پر کوئی کفارہ نہیں البتہ اس دن کی قضاء واجب ہے۔

قال العلامة ابن همامؒ: ولیس فی افساد صوم غیر رمضان کفارة لان الافطار فی رمضان ابلغ فی الجنایة فلا یلحق به غیره۔ (فتح القدیر ج ۲ ص۲۶۵ باب مایوجب القضاء والکفارة) ؎۲

؎۱ قال الحصکفیؒ: فان ماتوا فیه ای فی ذلك العذر فلا تجب علیهم الوصیة بالفدیة لعدم ادراکهم عدة ایام اخر ولو ماتوا بعد زوال العذر وجبت الوصیة بقدر ادراکهم عدة من ایام اخر۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۲ ص۴۲۴ فصل فی العوارض)

ومثله فی الفتاوی التاتارخانیة ج ۲ ص۳۸۵ فصل فی الاسباب المبیحة للفطر۔

؎۲ قال العلامة عالم بن علاء الانصاریؒ: ولیس فی افساد الصوم فی غیر رمضان کفارة۔ (الفتاوی التاتارخانیة ج ۲ ص۳۷۷ الفصل الخامس فی وجوب الکفارة فی افساد الصوم)

ومثله فی الفتاوی الهندیة ج ۱ ص۲۱۵ باب المتفرقات۔

سگریٹ یا حقہ پینے سے جب روزہ ٹوٹ جائے تو صرف قضا کرے یا کفارہ بھی؟

سوال:۔ حقہ یا سگریٹ پینے سے روزہ کا ٹوٹ جانا تو معلوم ہے، دریافت طلب امر یہ ہے کہ جو شخص بحالت روزہ حقہ یا سگریٹ پیتا ہے اُس پر قضاء وکفارہ دونوں واجب ہیں یا صرف قضاء؟

الجواب:۔ حقہ نوشی اور سگریٹ نوشی سے روزہ ختم ہو جاتا ہے جس سے قضاء بدون کفارہ کے لازم ہو جاتی ہے لیکن اگر حقہ نوشی تلذذ، شہوتِ نفس یا کسی اور نفع کے لیے کی جائے تو اس صورت میں قضاء کفارہ دونوں واجب ہوں گے۔

لما قال العلامة الحصکفیؒ: انه لو ادخل حلقه الدخان افطر... ويمنع من بيع الدخان ـ ـه وشاربه فی الصوم لاشك يفطر ويلزمه التكفير لو ظن نافعًا كل اذا فعلًا شهوات بطن فقتِ,وا. (ردالمحتار ج۲ ص۳۹۵ باب ما يفسد الصوم ومالا يفسد) [1]

سفر کے ارادہ سے گھر سے نکلنے کے تھوڑی دیر بعد گھر واپس آکر روزہ افطار کرنے پر قضاء وکفارہ کا حکم

سوال:۔ ایک شخص سفر کی نیّت سے گھر سے نکلا مگر راستے میں کچھ ضروری کام یاد آنے کی وجہ سے تھوڑی دیر کے لیے گھر واپس آگیا اور روزہ افطار کر لیا، تو کیا اس کے لیے ایسا کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ حالتِ سفر میں اگرچہ روزہ افطار کرنا جائز ہے چاہے سفر تکلیف دہ ہو یا آرام دہ، لیکن صورتِ مسئولہ میں چونکہ اس شخص نے گھر ہی کے اندر روزہ افطار کیا ہے جو کہ حالتِ اقامت ہے اس لیے اس پر قضاء وکفارہ دونوں لازم ہیں۔

لما قال العلامة ابن عابدینؒ: اذا دخل مصرہ لشیٔ نسیه لسفر فافطر فانه يكفر ای قياسًا لانه مقيم عند الاكل حيث رفض سفره بالعود. (ردالمحتار ج۲ ص۱۳۳ فصل فی العوارض) [2]

---

[1] قال الشيخ المفتی عزيز الرحمٰنؒ: الجواب: حقہ پینے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے اور قضاء لازم ہوتی ہے اور بعض صورتوں میں کفارہ بھی لازم ہوتا ہے یعنی اگر اسے نفع بخش سمجھا تب تو کفارہ وقضاء دونوں لازم ہوں گے ورنہ صرف قضاء۔ (فتاوی دارالعلوم دیوبند ج۶ ص۴۱۹ مسائل مفسد الصوم)

[2] قال العلامة طاهر بن عبد الرشيد البخاریؒ: ولو سافر فی نهار رمضان ولم يفطر حتی تذكر شيئًا فی منزله قد نسيه فرجع الی منزله واكل شيئًا ثم خرج من المنزل فعليه القضاء والكفارة كالمقيم اذا اكل ثم سافر۔ (خلاصة الفتاوی ج۱ ص۲۵۷ الفصل الثالث ما يفسد الصوم فی ومالا يفسد۔الخ)

وَمِثْلُهُ فی الهندية ج۱ ص۲۰۷ الباب الخامس فی الاعذار المبيحة للفطر۔

نومسلم خوف کی وجہ سے روزہ نہ رکھ سکے تو اس پر قضاء و کفارہ دونوں واجب ہیں

سوال:۔ اگر ایک نومسلم خاندانی خوف و ڈر کی وجہ سے روزہ نہ رکھے تاکہ آن پر اس کا اسلام ظاہر نہ ہو تو کیا اس شخص پر بھی قضاء و کفارہ دونوں واجب ہیں یا نہیں؟

الجواب:۔ کلمہ طیبہ پڑھنے سے ایک غیر مسلم آدمی دائرہ اسلام میں داخل ہو جاتا ہے جس کی وجہ سے اُس پر جملہ احکامِ اسلام پر پورا عمل کرنا لازم ہو جاتا ہے، صورتِ مسئولہ کے مطابق نومسلم اسلامی احکامات کا مکلف ہے اس لیے روزہ نہ رکھنے کی وجہ سے اس پر قضاء لازم ہے کفارہ نہیں۔ لما قال العلامۃ الحصکفی أو لم ینو فی رمضان کلہ صوماً ولا فطراً مع الامساک لشبہۃ خلاف زفر او اصبح غیر ناو للصوم فاکل عمداً ولو بعد النیۃ قبل الزوال لشبہۃ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ۲-۴۰۳، کتاب الصوم)

قصداً روزہ توڑنے کے بعد مرض کی وجہ سے روزہ رکھنے کے قابل نہ رہے تو صرف قضاء لازم ہے

سوال:۔ اگر کوئی شخص قصداً و عمداً روزہ توڑ دے مگر اچانک کسی ایسے مرض میں مبتلا ہو جائے کہ روزہ رکھنے کے قابل نہ رہے تو کیا اس شخص پر صرف کفارہ واجب ہے یا قضاء؟

الجواب:۔ قصداً روزہ توڑنے کی صورت میں کفارہ اُس وقت واجب ہوتا ہے جب کوئی عمل مسقطِ کفارہ رونما نہ ہو جائے۔ صورتِ مسئولہ میں مرض (جو کہ مسقطِ کفارہ ہے) کی موجودگی کی وجہ سے کفارہ ساقط ہو جائے گا البتہ اُس دن کی قضاء لازم ہوگی۔

لما قال الحصکفیؒ: انما یکفر ان نوی لیلاً ولم یکن مکرھاً ولم یطرأ مسقط کمرض وحیض۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۲ ص۴۱۲، ۴۱۳ مطلب فی الکفارۃ) ؎

لما قال الکاسانی ومن اصبح فی رمضان لا ینوی الصوم فاکل او شرب او جامع علیہ قضاء ذلک الیوم ولا کفارۃ علیہ عند اصحابنا الثلاثۃ (بدائع الصنائع ۲/۲۵۸ کتاب الصوم)

؎ وفی الھندیۃ: والصحیح اذا افطر ثم مرض مرضاً لا یستطیع معہ الصوم تسقط الکفارۃ عندنا۔ (الفتاوی الھندیۃ ج۱ ص۲۱۵ الفصل السابع فیما یسقط الکفارۃ ومالا یسقط)

ومِثْلُہٗ فی فتاوی دار العلوم دیوبند ج۶ ص۴۲۸ مسائل مفسد الصوم۔

باب الاعذار المبیحۃ للافطار

(روزہ افطار کرنے (توڑنے) کے اعذار کا بیان)

ناقابلِ برداشت تکلیف کے وقت روزہ توڑنا

سوال:۔ اگر بیماری کی شدت کی وجہ سے روزہ بحال رکھنا مشکل ہو تو کیا افطار جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ کسی ناقابلِ برداشت تکلیف کی وجہ سے روزہ افطار کرنے میں کوئی حرج نہیں بلکہ ایسی حالت میں روزہ توڑنا بہتر ہے تاکہ ہلاکت کا موجب نہ بنے، البتہ اگر برداشت کی طاقت ہو تو پھر روزہ پورا کرنا بہتر ہے۔

قال فی الھندیۃ:۔ المریض اذا خاف علی نفسہ التلف او ذھاب عضو یفطر بالاجماع و ان خاف زیادۃ العلۃ وامتدادہ فکذالک عندنا و علیہ القضاء اذا افطر۔ (الفتاوٰی الھندیۃ ج ۱ ص۲۰۷ کتاب الصوم، الباب الخامس فی الاعذار) [1]

حائضہ کے لیے امساک ضروری نہیں

سوال:۔ طلوعِ فجر کے بعد اگر عورت کو حیض آجائے تو عند الشرع عورت کے لیے بقیہ یوم کا امساک (کھانا پینا بند) کرنے کا کیا حکم ہے؟

الجواب:۔ طلوعِ فجر کے بعد عورت کو ماہواری شروع ہو جائے تو اس سے روزہ ختم ہو جاتا ہے، لہٰذا ایسی عورت کے لیے کھانا پینا جائز ہے امساک ضروری نہیں تاہم ایسی عورت دوسرے روزہ داروں سے خفیہ طور پر کھانا کھائے یا پانی پئے۔

قال حسن بن عمار بن علی الشرنبلالیؒ:۔ ومن لہ نوبۃ حمی او عادۃ حیض

---

[1] قال ابن عابدین رحمہ اللہ:۔ (تحت قولہ وخادمۃ) اذا اشتد الحر وخاف الھلاک فلہ الافطار۔ (رد المحتار علی الدر المختار ج ۲ ص۴۲۲ کتاب الصوم، فصل فی العوارض)

وَمِثْلُہٗ فی البحر الرائق ج ۲ ص۲۸۳ فصل فی العوارض۔

لا بأس بفطرة علیٰ ظن وجودہ۔ (مراقی الفلاح علیٰ صدر الطحطاوی ص۵۶۲ کتاب الصوم) لہ

مسافر کے لیے افطار میں عزیمت پر عمل کرنا بہتر ہے

سوال:۔ سفر کے دوران مسافر کو روزہ رکھنا چاہیئے یا روزہ رکھنا بہتر ہے؟

الجواب:۔ روزہ رکھنا اور نہ رکھنا مسافر کی حالت پر مبنی ہے جس میں اس کو آسانی ہو وہی طریقہ اختیار کرے، تاہم اگر کوئی شدید ضرورت نہ ہو تو روزہ رکھنا افضل ہے اور یہی عزیمت ہے۔

قال برھان الدینؒ:۔ وان کان مسافراً لایستضر بالصوم فصومہ افضل وان افطر جاز لان السفر لا یعری عن المشقة۔ الخ (الھدایة ج۱ ص۲۰۱ کتاب الصوم) ۲ہ

شدید بیمار کیلئے روزہ افطار کرنا جائز ہے

سوال:۔ اگر کوئی شخص بلند فشار خون (ہائی بلڈ پریشر) یا اس جیسی کسی دوسری بیماری میں مبتلا ہو جائے جس میں دوائی کا استعمال لازمی ہو تو ایسی حالت میں روزہ افطار کرنے کی اجازت ہے یا نہیں؟ جبکہ اس جیسی بیماریاں بعض اوقات ہلاکت کا باعث بھی بن جاتی ہیں۔

الجواب:۔ جب بھی روزہ بیماری میں اضافہ کا سبب بنتا ہو تو اس میں کسی دیندار ماہر حکیم یا ڈاکٹر کے مشورہ سے یا اپنے غلبۂ ظن پر عمل کرتے ہوئے روزہ افطار کیا جا سکتا ہے تاہم معمولی قسم کی بیماری میں افطار کرنا ضروری نہیں۔

قال عبدالرحمٰن الجزائری:۔ الاعذار التی تبیح الفطر للصائم کثیرة۔ منھا المرض فاذا مرض الصائم وخاف بزیادة المرض بالصوم او خاف تاخر البرء من المرض او حصلت لہ مشقة شدیدة بالصوم فانہ یجوز لہ الفطر۔ (فقہ مذاہب اربعہ ج۱ ص۵۷۶) ۳ہ

لہ قال علامة ابی بکر بن علیؒ:۔ واذا حاضت المرأة افطرت وقضت وکذا اذا انفست وھی تأکل سراً وجھراً ولا یجب علیہ التشبہ۔ (الجوھرة النیرة ج۱ ص۱۸۱ کتاب الصوم)

وَمِثْلُہٗ فی الھندیة ج۱ ص۲۰۷ کتاب الصوم۔ الباب الخامس فی الاعذار۔ الخ

۲ہ قال ابن نجیمؒ: وللمسافر وصومہ احب ان لم یضرہ ای جاز للمسافر الفطر۔ (البحرالرائق ج۲ ص۲۸۲ کتاب الصوم)

وَمِثْلُہٗ ردالمحتار ج۲ ص۴۲۱ کتاب الصوم۔ فصل فی العوارض۔

۳ہ قال العلامة الکاسانیؒ: واما وجوب الفداء فشرطہ العجز عن القضاء عجزاً لا ترجی معہ القدرة فی جمیع عمرہ۔ (بدائع الصنائع ج۲ ص۹۷ کتاب الصوم فصل فی حکم الصوم المؤقت)

وَمِثْلُہٗ فی البحرالرائق ج۲ ص۲۸۹ فصل فی العوارض۔

کیا بیماری کی وجہ سے روزہ افطار کرنے پر کفارہ لازم ہے یا قضاء

سوال:۔ اگر کوئی شخص روزہ کی حالت میں اچانک شدید بیمار ہو جائے تو کیا اس کو روزہ افطار کر لینا چاہیئے یا نہیں؟ اور افطار کرنے کی صورت میں قضاء و کفارہ دونوں لازم ہوں گے یا صرف قضاء؟

الجواب:۔ شدتِ مرض میں جب نقصان کا خوف ہو تو اس صورت میں روزہ افطار کر لینا جائز ہے اور اس روزہ کی صرف قضاء لازم ہے کفارہ نہیں۔

لما قال العلامة الحصکفیؒ: وبقی الاکراہ وخوف ھلاك او نقصان عقل ولو بعطش او جوع شدید اغ الفطر یوم العذر...... وقضوا لزومًا۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۲ ص۴۲۱ فصل فی العوارض المبیحۃ) ل۱

شدتِ پیاس سے روزہ توڑنے کا حکم

سوال:۔ اگر کبھی اتنی گرمی ہو جائے کہ پیاس کی وجہ سے لوگوں کی ہلاکت یا کسی شدید نقصان کا خطرہ ہو تو کیا اس صورت میں روزہ توڑا جا سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ بھوک اور پیاس کی شدت میں جب کسی سخت نقصان کا خطرہ ہو تو اس صورت میں روزہ توڑا جا سکتا ہے لیکن اس روزہ کی قضا لازمی ہوگی اگرچہ کفارہ واجب نہیں۔

لما قال العلامة الحصکفیؒ: وبقی الاکراہ وخوف ھلاك او نقصان عقل ولو بعطش او جوع شدید او لسعة حیة ..... الفطر وقضوا لزومًا۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۲ ص۴۲۱ فصل فی العوارض المبیحۃ) ل۲

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی سفر میں افطار کیا تھا

سوال:۔ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی کبھی سفر میں روزہ افطار کیا تھا یا نہیں؟

الجواب:۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چونکہ مُعلّم بنا کر بھیجے گئے تھے اس لیے آپ حالات اور تقاضے کے مطابق روزہ رکھتے بھی تھے اور افطار بھی کرتے تھے، بعض حالات میں آپؐ نے

ل۱ وفی الھندیۃ: المریض اذا خاف علی نفسه التلف او ذھاب عضو یفطر بالاجماع وان خاف زیادۃ العلۃ وامتدادہ فکذلك عندنا وعلیه القضاء اذا افطر کذا فی المحیط۔ (الفتاوی الھندیۃ ج۱ ص۲۰۷ فصل فی العوارض المبیحۃ)

وَمِثْلُهُ فی الفتاوی التاتارخانیۃ ج۲ ص۳۸۳ فصل فی الاسباب المبیحۃ للفطر۔

ل۲ وفی الھندیۃ: اذا خیف منھا الھلاك او نقصان العقل کالامة اذا ضعفت عن العمل وخیفت الھلاك بالصوم وکذا الذی ذھب به ..... (الفتاوی الھندیۃ ج۱ ص۲۰۷ فصل فی العوارض والمبیحۃ)

وَمِثْلُهُ فی الفتاوی التاتارخانیۃ ج۲ ص۳۸۲ فصل فی الاسباب والمبیحۃ للفطر۔

افطار نہ کرنے والوں پر نکیر بھی فرمائی۔

عن ابن عباسؓ سافر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی رمضان حتٰی بلغ عسفان ثم دعا باناء فیہ شراب فشربہ نہارا لیراہ الناس ثم افطر حتٰی دخل مکۃ۔ قال ابن عباسؓ فصام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وافطر ومن شاء صام ومن شاء افطر۔

(صحیح مسلم ج۱ ص۲۵۶ باب جواز الصوم والفطر فی شہر رمضان للمسافر) لے

کیا سفر میں روزہ افطار کرنا قصر نماز کی طرح لازم ہے؟

سوال:۔ حالتِ سفر میں تو نماز قصر کرکے پڑھنا واجب ہے، کیا روزے کا حکم بھی نماز کی طرح ہے کہ سفر میں لازماً افطار کیا جائے؟

الجواب:۔ شریعتِ مقدسہ نے حالتِ سفر میں نماز کو قصر کرکے پڑھنا ایک نعمتِ خداوندی قرار دے کر اس میں قصر کو واجب کیا ہے مگر روزہ رکھنے یا نہ رکھنے کا اختیار بندے کو دیا ہے اور اس کے ساتھ ہی بحالتِ عافیت روزہ رکھنے کو افضل قرار دیا ہے اس لیے سفر میں روزہ رکھنا افضل و بہتر ہے بخلاف نماز کے، تاہم اگر روزہ رکھنے سے تکلیف زیادہ ہوتی ہو تو روزہ رکھنا مکروہ ہے۔

قال العلامہ ابن نجیمؒ: وانما کان الصوم افضل ان لم یضرہ لقولہ تعالٰی "وان تصوموا خیر لکم" ولان رمضان افضل الوقتین فکان فیہ الاداء اولٰی ولا یرد علینا القصر فی الصلوٰۃ فانہ واجب حتٰی یأثم بالاتمام لان القصر ھو العزیمۃ۔

(البحر الرائق ج۲ ص۲۸۳ فصل فی العوارض) ۲ے

لے وعن جابر بن عبد اللہؓ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خرج الی مکۃ عام الفتح فصام حتٰی بلغ کراع الغمیم وصام الناس معہ فقیل لہ ان الناس شق علیہم الصیام وان الناس ینظرون فیما فعلت فدعا بقدح من ماء بعد العصر فشرب والناس ینظرون الیہ فافطر بعضہم وصام بعضہم۔ (ترمذی ج۱ ص۱۵۱ باب ما جاء فی افطار الصوم فی السفر)

۲ے وفی الہندیۃ: ویکرہ للمسافر ان یصوم اذا اجھدہ الصوم فان لم یکن کذلک فالصوم افضل۔ (الفتاوٰی الہندیہ ج۱ ص۲۰۱ الباب الثالث فیما یکرہ للصائم ومالا یکرہ)

ومثلہ فی الفتاوٰی التاتارخانیہ ج۲ ص۳۸۳ فصل الاسباب مبیحۃ للفطر۔

مہمان کے مجبور کرنے پر روزہ افطار کرنا | **سوال:۔** اگر کسی شخص کا نفلی روزہ ہو مگر مہمان اس کو روزہ توڑنے پر مجبور کرے تو کیا وہ شخص روزہ توڑ سکتا ہے؟

الجواب:۔ مہمان کی ضیافتِ طبع اور خاطر تواضع کے لیے نفلی روزہ توڑنا عند الشرع مرخص ہے۔

قال العلامۃ الحصکفیؒ: والضیافۃ عذر للضیف والمضیف ان کان صاحبھا ممن لا یرضی بمجرد حضورہ ویتاذی بترک الافطار فیفطر والا لا۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۲ ص۴۲۹ فصل فی العوارض)[1]

آدمی جس علاقے یا ملک میں ہو وہاں چاند کے اعتبار سے روزہ رکھے | **سوال:۔** ایک شخص سعودی عرب سے پاکستان آیا، وہاں چاند کے حساب سے اس کے تیس روزے پورے ہو چکے ہیں جبکہ پاکستان میں روزہ ہے، تو کیا یہ شخص اب افطار کرے یا روزہ رکھے؟

الجواب:۔ سعودی عرب میں چاند کے اعتبار سے اگرچہ اس شخص کے فرض روزے پورے ہو چکے ہیں مگر یہاں کے لوگوں کے ساتھ مشابہت کی خاطر روزہ رکھے گا افطار کرنا صحیح نہیں۔

قال العلامۃ ابن عابدین رحمہ اللہ: فانہ یجب علیہ الامساک تشبھا۔

(رد المحتار ج۲ ص۴۰۸ مطلب فی جواز الافطار بالتحری)[2]

---

[1] قال العلامۃ عالم بن العلاء الانصاریؒ: والصحیح من المذھب ان ینظر فی ذلک ان کان صاحب الدعوۃ ممن یرضی بمجرد حضورہ ولا یتاذی بترک الفطر لا یفطر وان کان یعلم انہ یتاذی بترک الافطار یفطر۔

(الفتاوی التاتارخانیۃ ج۲ ص۳۸۲ فصل الاسباب مبیحۃ للمفطر)

ومِثْلُہٗ فی ما لا بد منہ ص۹۸ کتاب الصوم۔

[2] قال العلامۃ الحصکفیؒ: الاخیران یمسکان بقیۃ یومھما وجوباً علی الاصح لان الفطر قبیح وترک القبیح شرعاً واجب (کمسافر اقام وحائض ونفساء طھرتا ومجنون افاق ومریض صح)۔

قال الشیخ احمد الطحطاویؒ: تحت قولہ (کمسافر اقام) الاصل فی ھذا ان کل من صار علی حالۃ فی اخر النھار لو کان علیھا اولہ یلزمہ الامساک قضاء لحق الوقت تشبیھا بالصائمین۔

(حاشیۃ الطحطاوی علی الدر المختار ج۱ ص۴۵۵ باب ما یفسد الصوم وما لا یفسد)

شوگر کے مریض کے لیے روزے کا حکم

سوال:۔ جناب محترم مفتی صاحب! میرے والد صاحب شوگر کے مریض ہیں، ڈاکٹر نے انہیں روزہ رکھنے سے منع کیا ہے اور کہا ہے کہ اگر انہوں نے روزہ رکھا تو بیماری بڑھ جائے گی، جبکہ حقیقت بھی یہی ہے اس لیے کہ جب بھی انہوں نے روزہ رکھا تو تکلیف زیادہ ہوئی، اس صورت میں شرعاً ان کو روزہ نہ رکھنے کی اجازت ہے یا نہیں؟ اور اگر نہ رکھ سکیں تو انہیں کیا کرنا چاہیئے؟

الجواب:۔ اسلام کسی کو بلاوجہ تکلیف میں نہیں ڈالتا۔ اگر آپ کے والد محترم کو واقعی شوگر کا شدید مرض لاحق ہے کہ ان میں روزہ رکھنے کی بھی طاقت نہیں اور اگر رکھ لیں تو مرض کے بڑھنے کا خطرہ ہے اور ساتھ ہی مسلمان ڈاکٹر نے بھی خوب تشخیص کے بعد روزے نہ رکھنے کا مشورہ دیا ہے تو شرعاً ان کو اجازت ہے کہ وہ روزے نہ رکھیں۔ اور اگر مرض دائمی ہو تو ہر روزے کا فدیہ دینا ہوگا جو ایک روزے کے بدلہ میں صدقہ فطر کی مقدار کے برابر ہے۔

قال العلامة الحصکفیؒ: وللشیخ الفانی العاجز عن الصوم الفطر ویفدی وجوباً
قال ابن عابدینؒ المریض اذا تحقق الیأس من الصحة فعلیه الفدیة لکل یوم من المرض۔ (رد المحتار ج۲ ص۴۲۷ کتاب الصوم، فصل فی العوارض المبیحة لعدم الصوم)

ظن غالب کی بناء پر مرض بڑھ جانے کے خوف سے روزہ نہ رکھنا

سوال:۔ ایک شخص بیمار ہے اور اس نے ڈاکٹر سے روزہ رکھنے یا نہ رکھنے کے بارے میں پوچھا نہیں، مگر اس کا غالب گمان یہ ہے کہ اگر وہ روزہ رکھے گا تو اس کی بیماری بڑھ جائے گی، تو کیا یہ بیمار شرعاً درست کر رہا ہے یا یہ کہ اس کو روزہ نہ رکھنے کے بارے ڈاکٹر سے لازمی پوچھنا پڑے گا؟

الجواب:۔ شرعاً شدتِ مرض یا خوفِ مرض کی وجہ سے روزہ افطار کرنا جائز ہے بشرطیکہ کسی ماہر مسلمان طبیب نے کہا ہو۔ چونکہ صورتِ مسئولہ میں مریض کا غالب شدتِ مرض ہے اس لیے اس کو اپنے گمان کی بناء پر روزہ نہ رکھنا مرخص ہے، ڈاکٹر سے پوچھنے کی ضرورت نہیں۔

لما قال العلامة ابن عابدین رحمه الله: او مریض خاف زیادة مرضه وصحیح خاف المرض المراد بالخوف غلبة الظن۔
(رد المحتار ج۱ ص۱۵۳ کتاب الصوم)

باب الاعتکاف

(اعتکاف کے احکام و مسائل)

روزہ کے فاسد ہونے سے اعتکاف کا حکم

سوال:۔ اگر معتکف سے خطاً روزہ فاسد ہو جائے تو کیا اس کا اعتکاف باقی رہے گا یا نہیں؟

الجواب:۔ اعتکاف مسنون اور واجب دونوں کے لیے روزہ رکھنا چونکہ شرط ہے اسلئے اگر کسی عذر کی وجہ سے روزہ ٹوٹ جائے تو اعتکاف بھی باقی نہیں رہتا، البتہ اگر بلا صوم اعتکاف میں بیٹھا رہا تو نفلی اعتکاف شمار ہوگا۔

لما قال العلامة الحصکفیؒ:۔ وشرط الصوم لصحة الاول اتفاقاً علی المذهب قال العلامة ابن عابدینؒ: قلتُ ومقتضی ذلك ان الصوم شرط ایضاً فی الاعتکاف المسنون لانه مقدر بالعشر الاخیر حتی لو اعتکفه بلاصوم لمرض او سفر ینبغی ان لایصح عنه بل یکون نفلاً۔

(رد المحتار ج۲ ص۴۴۲ باب الاعتکاف) [1]

اعتکاف فاسد ہونے پر اس کی قضاء نہیں

سوال:۔ اگر کسی وجہ سے اعتکاف فاسد ہو جائے تو کیا اس کی قضاء واجب ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ فقہاء کرام کے اقوال سے معلوم ہوتا ہے کہ اعتکاف (مسنون اور نفلی) ٹوٹ جانے سے اس کی قضاء واجب نہیں تاہم اگر جس دن یا رات کو اعتکاف ٹوٹ جائے اور اُسی دن رات کی قضاء کی جائے تو بعض کے قول پر بھی عمل ہو جائے گا جو کہ بہتر ہے مگر ضروری نہیں۔

قال العلامة عالم بن العلاءؒ:۔ ولوشرع فیه ثم قطع لایلزمه القضاء فی روایة الاصل

---

[1] لما قال برهان الدین المرغینانیؒ:۔ قال الاعتکاف مستحب والصحیح انه سُنّة مؤکدة لان النبی صلی اللہ علیہ وسلم واظب علیه فی العشر الاواخر من رمضان والمواظبة دلیل السنة وهواللبث فی المسجد مع الصوم......والصوم من شرطه......ثم الصوم شرط لصحة الواجب منه۔ (الهدایة ج۱ ص۲۱۱ باب الاعتکاف)

وَمِثْلُهٗ فی البنایة شرح الهدایة ج۴ ص۳۹۲، ۲۹۳ باب الاعتکاف۔

وفی روایة الحسن یلزمه۔ وفی الظهیریة عن ابی حنیفةؒ انه یلزمه یوماً۔

(فتاویٰ تاتارخانیہ ج ۲ ص ۲۱۲ الفصل الثانی عشر فی الاعتکاف)[1]

اعتکاف کا اہتمام نہ کرنے کے اثرات

سوال:۔ اگر محلہ والے اعتکاف کا اہتمام نہ کریں تو اس سے ان کی ذمہ داری کہاں تک متاثر ہوتی ہے؟

الجواب:۔ اعتکاف جملہ محلے والوں کے لیے سنت مؤکدہ کفایہ ہے، اگر تمام محلہ والوں کی طرف سے ایک شخص بھی اعتکاف کے لیے بیٹھ جائے تو جملہ محلہ والوں کا ذمہ فارغ ہوجائے گا لیکن اگر پورے محلہ میں سے کوئی ایک شخص بھی اعتکاف کے لیے نہ بیٹھے تو تمام محلہ والے گنہگار ہوں گے۔

قال ابن عابدینؒ:۔ (وسن مؤکدًا) ای استنانا مؤکدا۔ بمعنی انه طلب طلبا۔ مؤکدًا زیادة علیٰ بقیة النوافل۔ ولهٰذا کانت السنة المؤکدة قریبة من الواجب فی لحوق الاثم کما فی البحر ویستوجب تارکها التضلیل واللوم کمافی التحریر۔

(رد المحتار ج ۲ ص ۱۲ باب الوتر۔ مطلب فی السنن والنوافل)[2]

معتکف کا کسی دوسری مسجد میں قرآن کریم سننے یا سنانے کیلئے نکلنا

سوال:۔ اگر حافظ قرآن، معتکف کے لیے تراویح میں قرآن سنانے کا اپنی مسجد میں انتظام نہ ہو تو کیا وہ صرف قرآن سنانے کے لیے کسی دوسری مسجد میں جاسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ تراویح میں قرآن کا ختم بلاشک سنت ہے، البتہ بصورتِ استثناء (یعنی اعتکاف میں چند امور کی نیت سے) مسجد سے نکلنا مرخص ہے لیکن بہتر عدم خروج ہے تاکہ اعتکاف کے

---

[1] قال ابن عابدینؒ: فلو شرع فی نفله ثم قطعه لا یلزمه قضاؤه لانه لا یشترط له الصوم علیٰ الظاهر من المذهب وما فی بعض المعتبرات انه یلزم بالشروع مفرع علی الضعیف قاله المصنف وغیره۔ (رد المحتار ج ۲ ص ۴۴۴ باب الاعتکاف)

وَمِثْلُهٗ فی الهدایة ج ۱ ص ۲۱۱ باب الاعتکاف۔

[2] قال العلامة محمد عبدالحیؒ: رد العیم الذی علیه جمهور الفقهاء هو انه سنة مؤکدة فی العشر الاواخر من رمضان علیٰ سبیل الاستیعاب کفایة علیٰ اهل کل بلدة۔ (حاشیه هدایه ج ۱ ص ۲۱۱ باب النوافل۔

وَمِثْلُهٗ فی حاشیة مستخلص الحقائق ج ۱ ص ۳۰۹ باب النوافل

تنذر پر کوئی اثر نہ پڑے۔

وفی الهندیة: ولو شرط وقت النذر والالتزام ان یخرج الی عیادة المریض وصلوٰة الجنازة وحضور مجلس العلم یجوز له ذلک۔ (الفتاوی الهندیة ج ۱ ص۲۱۲ الباب السابع فی الاعتکاف) [1]

اعتکاف کے دوران بے فائدہ باتوں سے اجتناب کا حکم

سوال: کیا اعتکاف کے دوران فضول باتیں کرنا جائز ہے یا نہیں؟ کیونکہ بسا اوقات انسان غیر اختیاری طور پر ایسی باتیں کرجاتا ہے جن کا کوئی مقصد نہیں ہوتا؟

الجواب: اعتکاف کا بنیادی مقصد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کثرت سے کی جائے لہٰذا دورانِ اعتکاف دنیاوی باتوں سے حتی الامکان اجتناب کرنا چاہیئے تاہم دینی مسائل پر گفتگو کرنا اور ضروریات اس سے مستثنیٰ ہیں، البتہ دنیاوی باتیں کرنے سے اعتکاف باطل نہیں ہوتا۔

قال العلامة عبد الرحمٰن جزریؒ: وما آدابه فمنها الا یتکلم الا بخیر۔

(الفقه علی المذاهب الاربعة ج ۱ ص۵۸۹ باب الاعتکاف) [2]

معتکف کی موت پر اعتکاف کی تکمیل کا حکم

سوال: اگر معتکف دورانِ اعتکاف انتقال کرجائے تو کیا کسی اور کا اُس کی جگہ اعتکاف بیٹھنا ضروری ہے یا نہیں تاکہ اعتکاف مکمل ہوجائے؟

الجواب: رمضان المبارک کے آخری عشرہ میں پورے دس دن کا اعتکاف کرنا سنت ہے چند ایام اعتکاف کرنے سے سنت ادا نہیں ہوتی، موت واقع ہونے کی صورت میں معتکف نے اعتکاف پورا نہیں کیا کیونکہ اس کا اعتکاف عشرہ تک نہ رہا۔ اگر اس کے علاوہ کوئی اور شخص اعتکاف پر

---

[1] قال عالم بن العلاءؒ: ولو شرط وقت النذر والالتزام ان یخرج الی عیادة المریض و صلوٰة الجنازة وحضور مجلس العلم یجوز له ذلک۔ (فتاوی تاتارخانیة ج ۲ ص۲۱۱ الفصل الثانی عشر فی الاعتکاف)

وَمِثْلُهٗ فی ردالمحتار ج ۲ ص۴۴۸ باب الاعتکاف۔

[2] قال عالم بن العلاءؒ: ولا یتکلم بفضول کلام الدنیا ...... او لا یتکلم بما فیه اثم فان النبی صلی اللہ علیه وسلم کان یحدث مع الناس فی اعتکافه۔

(فتاوی تاتارخانیة ج ۲ ص۲۱۳ تا ۲۱۴ الفصل الثانی عشر فی الاعتکاف)

وَمِثْلُهٗ فی البحرالرائق ج ۲ ص۳۰۲ باب الاعتکاف۔

نہ بیٹھا ہو تو پوری بستی پر ذمہ داری باقی رہے گی۔

قال العلامة ابن عابدینؒ:۔ (قوله ای سنة کفایة) نظیرها اقامة التراویح بالجماعة فاذا قام بها البعض سقط الطلب عن الباقین فلم یأثموا بالمواظبة علی الترک بلا عذر ولوکان سنة عین لاثموا بترک السنة المؤکدة اثما دون اثم ترک الواجب۔ (ردالمحتار ج۲ ص۴۴۲ باب الاعتکاف)[1]

کیا معتکف کیلئے نماز جنازہ پڑھنا درست ہے؟

سوال:۔ معتکف کے لیے شرعاً نماز جنازہ پڑھانا جائز ہے یا نہیں اور اس کے اعتکاف پر کچھ اثر پڑتا ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ وجوبی اور مسنون اعتکاف سے بلا ضرورت نکلنا مفسدِ اعتکاف ہے، البتہ اگر ابتداء میں نماز جنازہ وغیرہ کے لیے نکلنے کی شرط رکھی جائے تو اس صورت میں نماز جنازہ کا پڑھنا یا پڑھانا مفسدِ اعتکاف نہیں لیکن بغیر شرط کے نماز جنازہ پڑھنے یا پڑھانے کے لیے نکلنا فسادِ اعتکاف کا ذریعہ ضرور ہے تاہم نفلی اعتکاف میں توسع کی بناء پر بغیر استثناء کے نکلنا مفسدِ اعتکاف نہیں۔

لما قال العلامة عالم بن العلاءؒ:۔ ولا یخرج لاکله وشربه ولا لعیادة المریض ولا لصلوٰة الجنازة......ولوشرط وقت النذر والالتزام ان یخرج الی عیادة المریض وصلوٰة الجنازة وحضور مجلس العلم یجوز له ذٰلک...... واما فی الاعتکاف النفل فلا بأس بان یخرج بعذر او بغیر عذر۔ (الفتاوی التاتارخانیة ج۲ ص۲۱۲، ۲۱۳ کتاب الصوم باب الاعتکاف)[2]

---

[1] قال العلامة محمد عبد الحیؒ:۔ هو سنة مؤکدة کفایة اذا قام بها البعض سقط عن الآخرین۔ (عمدة الرعایة علی هامش شرح وقایة ج۱ ص۲۲۱ باب الاعتکاف)

وَمِثْلُهٗ فی البحرالرائق ج۱ ص۱۷ کتاب الطهارة۔

[2] لما قال العلامة السید محمد یوسف البنوریؒ:۔ لا یخرج المعتکف من معتکفه الا لحاجة شرعیة او طبعیة...... واما اذا خرج من المسجد بغیر حاجة شرعیة او طبعیة فیفسد الاعتکاف ......لوشرط وقت النذر ان یخرج لعیادة مریض وصلاة الجنازة وحضور مجلس علم جاز ذٰلک......وما روی عنه صلی الله علیه وسلم من الرخصة فی عیادة المریض وصلوٰة جنازة فقال ابو یوسف ذٰلک محمول علی اعتکاف التطوع۔ (معارف السنن ج۵ ص۵۲۹، ۵۳۰ باب المعتکف یخرج لحاجته أم لا۔)

معتکف کا نماز باجماعت کے لیے مسجد سے نکلنا

سوال:۔ جس مسجد میں نماز باجماعت پابندی کے ساتھ نہ ہوتی ہو یا سرے سے جماعت ہوتی ہی نہ ہو تو معتکف کے لیے کسی دوسری مسجد میں نماز پڑھنے کے لیے جانا شرعاً کیسا ہے؟

الجواب:۔ مرد کے اعتکاف کے لیے جماعت والی مسجد ضروری ہے، البتہ اگر کسی عذر کی وجہ سے مسجد میں جماعت کی کوئی ممکن صورت نہ ہو تو معتکف کے لیے کسی دوسری مسجد میں جماعت سے نماز پڑھنے کے لیے جانا درست ہے البتہ اگر نہ جائے تو اس کے اعتکاف پر کوئی اثر نہیں پڑے گا۔

قال العلامۃ علاؤ الدین الحصکفیؒ :۔ فی مسجد جماعۃ ھو ماله امام ومؤذن ادیت فیه الخمس ام لا، وعن الامام اشتراط اداء الخمس فیه صححه بعضھم وقال لا یصح فی کل مسجد وصححه السروجی واما الجامع فیصح فیه مطلقاً اتفاقاً۔ قال ابن عابدینؒ ۔ ای وان لم یصلوا فیه الصلوٰۃ کلھا......

ایضاً قال الحصکفیؒ :۔ حرم علیه الخروج الا لحاجۃ الانسان) طبیعۃ کبول وغائط و غسل..... او شرعیۃ کعید واذان لو مؤذنا وباب المنارۃ خارج المسجد۔

(الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۲ ص۴۴۲ باب الاعتکاف) [1]

معتکف کا غسلِ جمعہ کے لیے مسجد سے نکلنا

سوال:۔ دورانِ اعتکاف جمعہ کے دن غسل کرنے کے لیے مسجد سے نکلنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ فقہاء کرام کے اقوال سے معلوم ہوتا ہے کہ معتکف کا جمعہ کے دن غسل کے لیے مسجد سے نکلنا جائز ہے، بعض جزئیات میں سنتِ مؤکدہ اعتکاف کو نفل اعتکاف میں شمار کیا گیا ہے اسی طرح ٹھنڈک حاصل کرنے کے لیے غسل کرنے کے لیے مسجد سے نکلنے کی صورتیں اعتکاف فاسد نہیں ہوتا تاہم اجتناب اولیٰ ہے۔

قال العلامۃ الحصکفیؒ :۔ واما النفل فله الخروج لانه منه له لا مبطل کما امر

---

[1] قال العلامۃ طاھر بن عبد الرشید البخاریؒ: ثم المسجد الجامع ویجوز الاعتکاف فی الجامع وان لم یصلوا فیه بالجماعۃ...... ولا یخرج المعتکف من المسجد الا لحاجۃ لازمۃ شرعیۃ کالجمعۃ او لحاجۃ طبعیۃ کالبول والغائط۔ (خلاصۃ الفتاویٰ ج۱ ص۲۶۷ الفصل السادس فی الاعتکاف)

وَمِثْلُهٗ فی الکفایۃ فی ذیل فتح القدیر ج۲ ص۳۰۸ باب الاعتکاف۔

قال ابن عابدینؒ: (واما النفل) ای الشامل للسنة المؤکدۃ۔ (ردالمحتار ج۲ ص۴۴۲ باب الاعتکاف) ؎۱

معتکف جمعہ پڑھنے کے لیے کتنی دُور تک جاسکتا ہے

سوال:۔ اگر محلے کی مسجد میں جمعہ نہ ہوتا ہو تو معتکف جمعہ پڑھنے کے لیے کتنی دور کی مسجد تک جاسکتا ہے؟

الجواب:۔ معتکف کے لیے شرعاً جمعہ پڑھنے کے واسطے مصر (شہر) جانے کی اجازت ہے اگر مصر دور ہو تو قبل از زوال اپنی مسجد سے جمعہ پڑھنے کے لیے روانہ ہوسکتا ہے، تاہم ایسے وقت پر روانہ ہونا چاہیئے کہ وہاں پہنچ کر تسلی کے ساتھ سنتیں اور فرض پڑھ سکے، فرض پڑھنے کے فوراً بعد اپنی مسجد کو واپس آجائے لیکن بقیہ سنتیں پڑھنے کے لیے اگر وہیں ٹھہر جائے تو اس سے اعتکاف فاسد نہیں ہوتا۔

قال فی الهندیة: ویخرج للجمعة حین تزول الشمس ان کان معتکفه قریباً من الجامع بحیث لو انتظر زوال الشمس لا تفوته الخطبة والجمعة واذا کان بحیث تفوته لم ینتظر زوال الشمس لکنه یخرج فی وقت یمکنه ان یأتی الجامع فیصلی اربع رکعات قبل الاذان عند المنبر وبعد الجمعة یمکث بقدر ما یصلی اربع رکعات او ستا علی حسب اختلافهم فی سنة الجمعة۔ (الفتاوی الهندیة ج۱ ص۲۱۲ الباب السابع فی الاعتکاف) ؎۲

اعتکاف کی حالت میں تعلیم کے لیے نکلنا

سوال:۔ اگر اعتکاف کے دوران تعلیم کی ضرورت پڑے تو معتکف کے لیے مسجد سے نکلنے کا کیا حکم ہے؟

الجواب:۔ اگر کوئی شخص اعتکاف میں بیٹھنے سے قبل بعض امور کے کرنے کو مشروط کرے تو

؎۱ قال العلامة عالم بن العلاءؒ:۔ واما فی الاعتکاف النفل فلا بأس بان یخرج بعذر او بغیر عذر۔ (الفتاوی التاتارخانیة ج۲ ص۴۱۲ الفصل الثانی عشر فی الاعتکاف)

وَمِثْلُهٗ فی الهندیة ج۱ ص۲۱۳ الباب السابع فی الاعتکاف۔

؎۲ قال العلامة طاهر بن احمد بن عبد الرشیدؒ:۔ وعن محمدؒ انه ان کان منزله بعیداً من الجامع یخرج حین تری انه یبلغ الجامع عند النداء وان کان خروجه قبل الزوال هو الصحیح۔ (خلاصة الفتاوی ج۱ ص۲۶۷ الفصل السادس فی الاعتکاف)

وَمِثْلُهٗ فی البحر الرائق ج۲ ص۳۰۱ باب الاعتکاف۔

اس دوران اس کے لیے وہ عمل کرنا جائز ہوگا اور اس سے اس کا اعتکاف متاثر نہیں ہوگا۔

قال العلامۃ عالم بن العلاءؒ :۔ ولو شرط وقت النذر والالتزام ان یخرج الی عیادۃ المریض وصلوٰۃ الجنازۃ وحضور العلم یجوز لہٗ ذٰلک ۔

(فتاوٰی تاتارخانیۃ ج۲ ص۴۱۲ الفصل الثانی عشر فی الاعتکاف) ؎۱

بوقتِ ضرورت اعتکاف سے نکلنا

سوال:۔ اہل وعیال کی بیماری یا کسی بہت بڑے حادثہ کی وجہ سے اعتکاف کا چھوڑنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ جان ومال یا اہل وعیال کے کسی ممکنہ یقینی خطرہ کی وجہ سے اعتکاف کو چھوڑنا جائز ہے ایسی حالت میں ضرورتِ شدیدہ کی وجہ سے اگر معتکف باہر چلا جائے تو اعتکاف فاسد ہو جائے گا لیکن گنہگار نہ ہوگا، تاہم اگر مسجد کے انہدام کی وجہ سے یا جبراً مسجد سے نکالے جانے کی صورت میں فوراً دوسری مسجد میں داخل ہوجائے تو اعتکاف برقرار رہے گا۔

لما قال العلامۃ فخرالدین الزیلعیؒ :۔ وکذا لو خرج للجنازۃ یفسد اعتکافہ وکذا لصلوٰتہا ولو تعینت علیہ او لانجاء الغریق او الحریق او الجہاد اذا کان النفیر عامًا او لاداء الشہادۃ کل ذٰلک مفسد بخلاف الخروج لحاجۃ الانسان لانہا معلومۃ الوقوع فتکون مستثناۃ ولہٰذا لو انہدم المسجد الذی ہو فیہ فانتقل الیٰ مسجد آخر لم یفسد اعتکافہ للضرورۃ لانہ لم یبق مسجدًا بعد ذٰلک ففات شرطہ وکذا لو تفرق اہلہ لعدم الصلوٰت الخمس فیہ ولو اخرجہ ظالم کرہا اوخاف علیٰ نفسہ اومالہ من المکابرین فخرج لا یفسد اعتکافہ۔ (تبیین الحقائق ج۱ ص۳۵۱ باب الاعتکاف) ؎۲

؎۱ قال العلامۃ الحصکفیؒ : لو شرط وقت النذر ان یخرج لعیادۃ مریض وصلوٰۃ جنازۃ وحضور مجلس علم جاز ذٰلک فلیحفظ۔ (الدر المختار ج۲ ص۴۴۶ باب الاعتکاف)

وَمِثْلُہٗ فی حاشیۃ طحطاوی ج۱ ص۴۸۴

؎۲ قال العلامۃ الحصکفیؒ :ولما لا یغلب کانجاء غریق وانہدام مسجد فمسقط للاثم لا للبطلان والا لکان النسیان اولیٰ بعدم الفساد کما حققہ الکمال خلافًا لما فصلہ الزیلعی وغیرہ۔ قال ابن عابدینؒ : تحت قولہ خلافًا ما فصلہ الزیلعیؒ حیث جعل الخروج لعیادۃ المریض والجنازۃ وصلوٰتہا وانجاء الغریق والحریق والجہاد اذا کان النفیر عامًا واداء الشہادۃ مفسدًا بخلاف خروجہ الیٰ مسجد آخر بانہدام المسجد او تفرق اہلہ لعدم صلوٰۃ الخمس فیہ واخراج ظالم کرہا وخوفہ علیٰ نفسہ اومالہ من المکابرین۔ (رد المحتار ج۲ ص۴۴۹ باب الاعتکاف)

اخراجِ ریح کے لیے معتکف کا مسجد سے نکلنا

سوال:۔ ظاہر ہے کہ مسجد میں ریح نکالنا مناسب نہیں، کیا معتکف اس کے لیے مسجد سے باہر نکل سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ مسجد میں اخراجِ ریح اگرچہ بالاتفاق مکروہ ہے لیکن طبعی تقاضے کی وجہ سے معتکف کے بارے میں فقہاءِ کرام کے مختلف اقوال ہیں، بعض فقہاء اخراجِ ریح کے لیے مسجد سے نکلنا افضل مانتے ہیں جبکہ بعض فقہاء مسجد سے نکلنے کو منع کرتے ہیں، اگرچہ سب کے ہاں مسجد ہی میں ریح نکالنا مرخص ہے لیکن بہتر یہ ہے کہ اخراجِ ریح کے لیے مسجد سے باہر نکلے۔

قال ابن عابدینؒ:۔ (تحت قوله ولا البول والفصد فیه) وکذا لایخرج فیه الریح من الدبر کما فی الاشباه واختلف فیه السلف فقیل لابأس وقیل یخرج اذا احتاج الیه وهو الاصح حموی عن شرح الجامع الصغیر للتمرتاشی۔ (رد المحتار ج۱ صـ۴۸۶ مطلب فی احکام المسجد) لـه

بھول کر اعتکاف سے نکلنے کا حکم

سوال:۔ کسی آدمی کا بھول کر اپنے معتکف سے نکلنے کی وجہ سے اس کے اعتکاف کا کیا حکم ہے؟

الجواب:۔ بھول کر معتکف سے نکلنا صاحبین کے نزدیک مفسدِ اعتکاف نہیں، لیکن امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اعتکاف باقی نہیں رہتا، احتیاط اسی میں ہے۔

قال برهان الدینؒ:۔ ولو خرج من المسجد ساعة بغیر عذر فسد اعتکافه عند ابی حنیفةؒ رحمه الله تعالیٰ لوجود المنافی وهو القیاس وقالا لایفسد۔ (الهدایة ج۱ صـ۲۱۳ باب الاعتکاف) ـله

لـه لما فی الهندیة:۔ سئل ابو حنیفةؒ عن المعتکف اذا احتاج الی الفصد او الحجامة هل یخرج فقال لا وفی الأولی واختلف فی الذی یفسو فی المسجد فلم یر بعضهم بأسًا وبعضهم قالوا لایفسو ویخرج اذا احتاج الیه وهو الاصح کذا فی التمرتاشی۔ (الفتاویٰ الهندیة جلد ۵ صـ۳۲۱ کتاب الکراهیة۔ الباب الخامس فی آداب المسجد)

وَمِثْلُهٗ فی امداد الفتاویٰ ج۲ صـ۱۵۶ باب الاعتکاف۔

ـله قال العلامة شیخ الاسلام ابی بکر بن علی رحمه الله:۔ وکذا اذا خرج من المسجد ساعة بغیر عذر فسد اعتکافه عند ابی حنیفة لوجود المنافی وعندهما لایفسد۔

(الجوهرة النیرة ج۱ صـ۱۸۱ باب الاعتکاف۔

وَمِثْلُهٗ فی فتح القدیر ج۲ صـ۳۱ باب الاعتکاف۔

حُقہ پینے کے لیے مسجد سے نکلنا مرخص نہیں

سوال:۔ اگر معتکف حُقہ پینے کا عادی ہو تو کیا اس کے لیے حُقہ پینے کی خاطر مسجد سے باہر نکلنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ حُقہ نوشی کوئی ایسی چیز نہیں جو معتکف کے حوائج طبعی میں شمار ہو سکے جس کے لیے مسجد سے نکلنا مرخص ہو، اگر مسجد کے احاطہ میں کھڑے ہو کر دھواں باہر نکالنا ممکن ہو تو تطبیق کی صورت پیدا ہو سکتی ہے، ورنہ مسجد سے محض اس کے لیے نکلنا یا مسجد میں حُقہ پینا معتکف کو زیب نہیں دیتا، تاہم دورانِ اعتکاف ایسی چیزوں کا استعمال آزمائش سے خالی نہیں۔

لما قال العلامة الحصكفيؒ:۔ (الخروج الا لحاجة الانسان) طبيعية كبول وغائط وغسل لو احتلم ولا يمكنه الاغتسال فى المسجد او شرعية كعيد واذان لو مؤذنا وباب المنارة خارج المسجد ..... فلو خرج ولو ناسيًا ساعة زمانية لا رملية كما مر بلا عذر فسد۔

(الدر المختار على صدر رد المحتار ج ۲ ص۴۴۸ باب الاعتكاف) [1]

معتکف کا بیرونِ مسجد باتیں کرنا

سوال:۔ اگر معتکف کسی ضرورت کی تکمیل کے لیے مسجد سے باہر نکلے تو راستے میں کسی سے باتیں کرنے کا کیا حکم ہے؟

الجواب:۔ اگر کوئی معتکف کسی ضرورت کے تحت مسجد سے باہر نکل کر چند باتیں کرے تو اس سے اعتکاف پر کوئی برُا اثر نہیں پڑتا البتہ اگر بلا ضرورت باتوں کیلئے ٹھہر جائے تو اعتکاف فاسد ہو جائے گا تاہم بہتر یہ ہے کہ بلا ضرورت باتوں سے اجتناب کیا جائے۔

قال ابن نجيمؒ:۔ واما التكلم بغير خير فانه يكره لغير المعتكف فما ظنك للمعتكف۔

(البحر الرائق ج ۲ ص۳۰۴ باب الاعتكاف) [2]

---

[1] لما قال العلامة عماد بن حسن الشرنبلاليؒ:۔ ولا يخرج منه) من معتكفه فيشمل المرأة ..... الا لحاجة شرعية كالجمعة ..... او حاجة طبعية كالبول والغائط وازالة نجاسة ..... فان خرج ساعة بلا عذر فسد الواجب۔ (مراقى الفلاح على صدر الطحطاوى ص۵۷۹ باب الاعتكاف)

وَمِثْلُهٗ فى كفاية المفتى ج ۴ ص۲۳۲ باب الاعتكاف۔

[2] قال طاهر ابن احمد ابن عبد الرشيدؒ:۔ واذا خرج لبول او غائط لا يمكث فى منزله بعد الفراغ من الطهور۔ (خلاصة الفتاوى ج ۱ ص۲۶۷ باب الاعتكاف۔

وَمِثْلُهٗ فى الجوهرة النيرة ج ۱ ص۱۸۱ باب الاعتكاف

حالتِ اعتکاف میں بیوی سے بوس وکنار کا حکم

سوال:۔ مسجد میں اعتکاف کے دوران اپنی بیوی سے بوس وکنار سے اعتکاف فاسد ہوجاتا ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ جماع مفسدِ اعتکاف ہے البتہ دواعی جماع (بوس وکنار) مفسدِ اعتکاف نہیں مگر اس کا ارتکاب حرام ضرور ہے، تاہم اس دواعی سے اگر انزال ہوجائے تو اس صورت میں اعتکاف ختم ہوجائے گا۔

لما قال العلامة الحصکفیؒ:۔ وبطل بوطئ فی فرج انزل ام لا ولو کان وطؤہ خارج المسجد لیلا اونہارًا عامدًا او ناسیًا فی الاصح لان حالتہ مذکرۃ وبطل بانزال بقُبلۃ اولمس وتفخیذ ولولم ینزل لم یبطل وان حرم الکل لعدم الحرج ــــ قال ابن عابدینؒ تحت قولہ (وان حرم الکل) ای کل ماذکر من دواعی الوطء اذلایلزم من عدم البطلان بہا حلہا۔

(الدرالمختار مع ردالمحتار ج۲ ص۴۵۰ باب الاعتکاف) [1]

حالتِ اعتکاف میں بیوی سے باتیں کرنا

سوال:۔ کیا اعتکاف کی حالت میں بیوی سے باتیں کرنا جائز ہے یا نہیں؟ جبکہ معتکف مسجد میں ہو اور اس کی بیوی گھر میں ہو؟

الجواب:۔ حالتِ اعتکاف میں بالکل خاموش رہنا مکروہ ہے، خیر اور بھلائی کی باتیں کرنا ہر کسی سے جائز ہے چاہے انسان کی شریکِ حیات ہو یا کوئی اور، تاہم بیوی سے پیار ومحبت کی باتیں کرنے سے اجتناب کرنا چاہیے۔

قال العلامۃ الحصکفیؒ:۔ ویکرہ تحریمًا صمت ان اعتقدہ قربۃ والا لا وتکلم الا بخیر وہو مالا اثم فیہ ومنہ المباح عند الحاجۃ الیہ لاعند عدمہا الخ (الدرالمختار علی صدر ردالمحتار ج۲ ص۴۴۹ باب الاعتکاف)

---

[1] وفی الہندیۃ: (ومنہا الجماع ودواعیہ) فیحرم علی المعتکف الجماع ودواعیہ نحو المباشرۃ والتقبیل واللمس والمعانقۃ والجماع فیما دون الفرج واللیل والنہار فی ذٰلک سواء والجماع عامدًا او ناسیًا لیلاً اونہارًا یفسد الاعتکاف انزل اَوْ لم ینزل وماسواہ یفسد اذا انزل وان لم ینزل لا یفسد۔ (الفتاوی الہندیۃ ج۱ ص۲۱۳ الباب السابع فی الاعتکاف)

وَمِثْلُہٗ فی بدائع الصنائع ج۲ ص۱۱۶ کتاب الاعتکاف۔

کیا محلے کی ہر مسجد میں اعتکاف ضروری ہے؟

سوال:۔ کیا رمضان المبارک میں محلے کی ہر مسجد میں اعتکاف کرنا ضروری ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ رمضان کے مہینے میں اعتکاف مسنون علی الکفایہ ہے لیکن فقہی ذخائر میں اس بات کی کوئی تصریح نظر سے نہیں گذری ہے کہ ہر محلے کی ہر مسجد میں اعتکاف کرنا ضروری ہے، البتہ علامہ شامیؒ کی ایک تشبیہ سے جو انہوں نے اعتکاف کو تراویح کے ساتھ دی ہے معلوم ہوتا ہے کہ تراویح کی طرح اعتکاف بھی ہر محلے کی ہر مسجد میں مسنون ہے۔

قال العلامۃ ابن عابدینؒ: (قوله سنة على الكفاية) نظيرها اقامة التراويح بالجماعة فاذا قام بها البعض سقط الطلب عن الباقين فلو يأثموا بالمواظبة على الترك بلا عذر ولو كان سنة عين لاثموا بترك السنة المؤكدة اثما دون اثم ترك الواجب۔

(ردّ المحتار ج ۲ ص۴۴۲ فصل فی الاعتکاف)[1]

وقال ایضاً (تحت قوله والجماعة فيها سنة على الكفاية) افاد ان اصل التراويح سنة عين (الى ان قال) وهل المراد انها سنة كفاية لاهل كل مسجد من البلدة او مسجد واحد منها او من المحلة ظاهر كلام الشارح الاول واستظهر الثاني ويظهر لى الثالث لقول المنية حتى لو ترك اهل محلة كلهم الجماعة فقد تركوا السنة واساؤا۔ (ردّ المحتار ج ۲ ص۴۳ فصل فی التراویح)

معتکف کا اذان کے لیے خارج از مسجد اذان خانہ کو جانا

سوال:۔ اگر اذان خانہ مسجد سے باہر ہو تو کیا مؤذن جو کہ مسجد میں معتکف ہے اذان کے لیے مسجد سے باہر نکل سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ معتکف کا بلا ضرورت شرعی وطبعی کے مسجد سے نکلنا جائز نہیں چونکہ اذان دینا ایک امر شرعی ہے اسلئے اذان کے لیے مسجد سے باہر اذان خانے کو جا سکتا ہے اور اس سے اعتکاف متاثر نہیں ہوگا۔

لما قال العلامۃ الحصکفیؒ: اوشرعية اى تخرج لحاجة شرعية كعيد واذان لو مؤذنا وباب المنارة خارج المسجد۔ (الدر المختار علی صدر ردّ المحتار ج ۲ ص۴۸ باب الاعتکاف)

---

[1] قال العلامۃ ابن همامؒ:۔ وصعود المئذنة ان كان بابها من خارج المسجد لا يفسد فی ظاهر الرواية وقال بعضهم هذا فی حق مؤذن لان خروجه للاذان معلوم فيكون مستثنى اما غيره فيفسد اعتكافه وصحح قاضيخان انه قول الكل فی حق الكل۔ (فتح القدیر ج ۲ ص۳۱۱ باب الاعتکاف) ـــ ومثلہ فی خلاصۃ الفتاوی ج ۱ ص۲۶۹ الباب السادس فی الاعتکاف۔

عورتوں کے لیے اعتکاف کا حکم

سوال:۔ عورتوں کا اعتکاف کرنا شرعاً جائز ہے یا ناجائز؟ علماء احناف کی اس بارے میں کیا رائے ہے؟ ہمارے علاقے کے گھروں میں عورتوں کے لیے نماز پڑھنے کی کوئی خاص جگہ مقرر نہیں ہوتی اور وہ ہر پردہ کی جگہ میں نماز ادا کرلیتی ہیں، تو کیا وہ گھر میں جس جگہ نماز پڑھتی ہیں اُسی جگہ اعتکاف کرسکتی ہیں یا نہیں؟

الجواب:۔ عورتوں کا اپنے گھروں میں اعتکاف کرنا احناف کے ہاں جائز ہے اس میں کوئی اختلاف نہیں، عورتیں گھر کے کسی بھی کونے میں پردہ لگاکر اعتکاف کرسکتی ہیں۔ دوسرے یہ کہ عورتوں کا نماز کے لیے گھر کے اندر کوئی خاص جگہ مقرر کرنا ضروری نہیں، جہاں بھی ممکن ہو نماز بلاکراہت ادا کی جاسکتی ہے، تاہم جہاں تک ہوسکے پردہ میں نماز ادا کی جائے تو بہتر ہے۔

لما قال العلامة الحصكفيؒ: او لبث امرأة فى مسجد بيتها۔ قال العلامة ابن عابدينؒ: قوله فى مسجد بيتها وهو المعد لصلاتها الذى يندب لها و لكل احد اتخاذه۔ (رد المحتار ج ۲ ص۴۴۱ باب الاعتكاف) [1]

حالتِ اعتکاف میں اخبار وغیرہ پڑھنے کا حکم

سوال:۔ معتکف آدمی اعتکاف کے دوران اخبار و رسائل پڑھ سکتا ہے یا نہیں؟ اسی طرح خبریں سننے کی غرض سے ریڈیو اپنے پاس رکھ سکتا ہے یا نہیں؟ کیونکہ اخبارات میں اکثر عریاں تصویریں ہوتی ہیں جبکہ ریڈیو میں صرف آواز سنائی دیتی ہے، تو کیا خبریں سُننا زمرۂ عبادت میں شمار ہیں یا معاملات میں؟ ان افعال کے مرتکب شخص کو بار بار سمجھایا گیا کہ معتکف کے لیے یہ فعل غیر مناسب ہے، معتکف چونکہ ریٹائرڈ ٹیچر ہے اس لیے وہ اپنے اس فعل کو مجتہد کی حیثیت سے چھوڑنے کے لیے قطعاً تیار نہیں ــــ براہِ مہربانی تقدسِ مسجد اور آدابِ اعتکاف سے تفصیلاً آگاہ فرمائیں؟

---

[1] وفى الهندية: المرأة تعتكف فى مسجد بيتها اذا اعتكف فى مسجد بيتها فتلك البقعة فى حقها كمسجد الجماعة فى حق الرجل لا تخرج منه الا لحاجة الانسان۔ (الفتاوى الهندية ج ا ص۲۱۱ الباب السابع فى الاعتكاف)

الجواب:۔ اعتکاف کا بنیادی مقصد رضاء الٰہی ہے اس لیے اعتکاف کے دوران اُن عبادات میں مشغول ہونا چاہیئے جو رضاء الٰہی کا باعث بنتی ہوں۔ فقہاء کرام نے معتکف کے لیے قرآنِ کریم کی تلاوت، احادیثِ مبارکہ اور دینی کتابوں کا مطالعہ اور نوافل کثرت سے پڑھنا تجویز کیا ہے۔ لہٰذا ایک معتکف کو ان امور میں مشغول رہنا چاہیئے نہ کہ اخبار پڑھنے اور خبریں سُننے میں اپنا قیمتی وقت ضائع کرے۔ اور ویسے بھی مسجد کے اندر تصاویر اور آلاتِ لہو و لعب لے جانا شرعاً جائز نہیں۔ اس لیے کسی معتکف کو ریڈیو سے خبریں سننا اور اخبارات دیکھنا صحیح نہیں۔

لما قال العلامة الحصكفي رحمه الله: تكلم الا بخير وهو ما لا اثم فيه ومنه المباح عند الحاجة اليه لا عند عدمها......... كقراءة قرآن وحديث وعلم وتدريس في سير الرسول عليه الصلوٰة والسلام وقصص الانبياء عليهم السلام وحكاية الصالحين وكتابة امور الدين۔

{الدر المختار على صدر رد المحتار ج ۲ ص ۴۴۹، ۴۵۰ باب الاعتكاف}[۱]

بحالتِ اعتکاف جگہ تبدیل کرنا

سوال:۔ عمومی طور پر یہ دیکھا جاتا ہے کہ لوگ اعتکاف کے لیے ایک جگہ مخصوص کرتے ہیں، کیا جگہ مخصوص کرنے کے بعد بحالتِ اعتکاف اُس جگہ کو تبدیل کیا جا سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ اعتکاف کیلئے مسجد کا ہونا ضروری ہے، معتکف مسجد کے اندر جہاں چاہے رہ سکتا ہے، حالتِ اعتکاف میں مسجد کے اندر جگہ تبدیل کرنے میں شرعاً کوئی حرج نہیں۔

لما قال الشيخ عزيز الرحمن: تمام مسجد میں جہاں چاہے (اعتکاف) بیٹھنے میں کچھ حرج نہیں۔

(فتاویٰ دار العلوم دیوبند ج ۶ ص ۵۰۰ باب الاعتکاف)

---

[۱] وفي الهندية: ويلازم التلاوة والحديث والعلم وتدريسه وسير النبي صلى الله عليه وسلم والانبياء عليهم السلام واخبار الصالحين وكتابة امور الدين۔

{الفتاوىٰ الهندية ج ۱ ص ۲۱۲ الباب السابع في الاعتكاف}

معتکف دھوپ کے لیے مسجد کے صحن میں بیٹھ سکتا ہے

سوال:۔ کیا سردی کے دنوں میں معتکف اپنی مخصوص جگہ سے نکل کر باہر صحن میں دھوپ میں بیٹھ سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ حالتِ اعتکاف میں مسجد کے اندر رہنا ضروری ہے، تمام مسجد مُعتکِف کے لیے مُعتکَف ہے، لہٰذا مُعتکِف آدمی مسجد کے اندر جہاں چاہے قیام کرے اگرچہ مخصوص جگہ کے علاوہ ہی ہو۔

لما قال الشیخ عزیز الرحمنؒ: مُعتکِف جس مسجد میں مُعتکَف ہے اُس تمام مسجد میں جس جگہ چاہے رہ سکتا ہے اور سو سکتا ہے۔ (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند ج ۶ ص۵۰۲ باب الاعتکاف)[۱]

حالتِ اعتکاف میں کھانا لانے کیلئے گھر جانے اور وہاں منہیات کا ارتکاب کرنے والے کے اعتکاف کا حکم

سوال:۔ ہمارے گاؤں کا ایک شخص رمضان المبارک کے آخری عشرہ میں اعتکاف کرنے کیلئے محلے کی مسجد میں بیٹھ گیا۔ چونکہ اس کے لیے گھر سے سحری اور افطاری لانے کا کوئی انتظام نہ تھا اس لیے اسے خود ہی سحری اور افطاری لانے کے لیے گھر جانا پڑتا، ایک دن سحری لانے کیلئے جب وہ گھر گیا تو لاعلمی میں اس نے ضرورت سے زیادہ وقت گذارا اور اپنی بیوی کا بوسہ بھی لیا لیکن جماع نہیں کیا۔ اِس پر مسجد کے امام نے اس سے کہا کہ آپ کا اعتکاف ٹوٹ گیا ہے اسلئے آپ اس کی قضاء کریں۔ آنجناب سے التجاء ہے کہ کیا یہ شخص تمام دنوں کے اعتکاف کی قضاء کرے گا یا صرف اسی دن کی؟ نیز یہ بھی واضح فرمائیں کہ کیا اعتکاف کی قضاء غیر رمضان میں جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ جو شخص رضا الٰہی کے لیے اعتکاف کی نیت سے مسجد میں معتکف ہو جائے تو وہ بلا ضرورتِ شرعی یا دنیاوی مسجد کی حدود سے باہر نہ نکلے۔ بہتر یہ ہے کہ گھر سے سحری یا افطاری لانے کے لیے کوئی دوسرا انتظام کیا جائے لیکن اگر کوئی دوسرا انتظام ممکن نہ ہو تو پھر خود بھی جا سکتا ہے مگر بقدرِ ضرورت یعنی صرف سحری یا افطاری اٹھا کر مسجد میں لے آئے۔

---

[۱] قال العلامۃ الشیخ ظفر احمد العثمانیؒ: ہر وقت گوشہ میں رہنا ضروری نہیں بلکہ عبادتِ نافلہ و ذکر کے لیے اس میں رہنا بہتر ہے، باقی اوقات میں مسجد کے اندر جہاں چاہے اُٹھے بیٹھے۔
(امداد الاحکام ج ۲ ص۱۲۵ باب الاعتکاف)

کما قال العلامۃ المرغینانیؒ: ولا یخرج من المسجد الا لحاجۃ الانسان والجمعۃ۔ (الھدایۃ ج ۱ ص۲۱۲ کتاب الصوم، باب الاعتکاف)

ضرورت سے زیادہ تاخیر نہ کرے اور نہ اُن اُمور کا ارتکاب کرے جو شرعاً اعتکاف کے دوران ممنوع ہیں، مثلاً بیوی سے جماع کرنا یا دواعی جماع کرنا وغیرہ۔ لہٰذا صورتِ مسئولہ میں چونکہ اس شخص نے حالتِ اعتکاف میں دو منہیات کا ارتکاب کیا ہے (۱) سحری لاتے وقت بلاضرورت گھر میں ٹھہرا۔ (۲) اپنی منکوحہ کا بوسہ لیا۔ اس لیے اس کا اس دن کا اعتکاف ٹوٹ گیا ہے۔

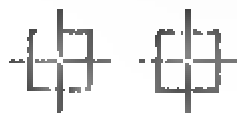
لما قال العلامۃ الحصکفیؒ: وخص المعتکف باکل وشرب ونوم وعقد احتاج الیہ ۔۔۔ فلو خرج لاجلها فسد لعدم الضرورۃ۔ (ردالمحتار ج۲ ص۱۵۱ باب الاعتکاف)۔

اس لیے اس پر صرف اسی دن کے اعتکاف کی قضا کرنا ہے۔

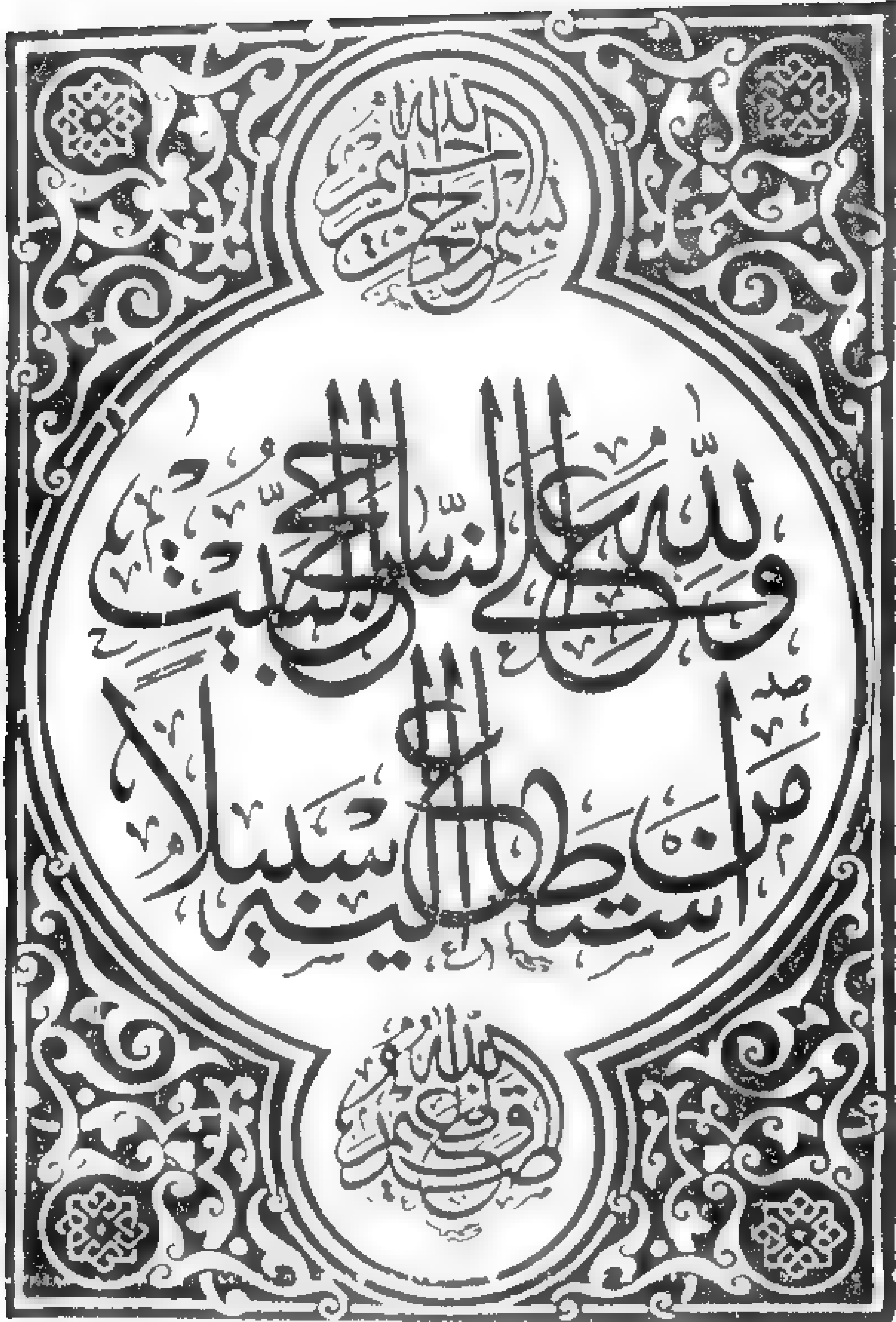
کما قال العلامۃ ابن عابدینؒ: ای علی قول ابی حنیفۃ ومحمد رحمہما اللہ فیقضی الیوم الذی افسدہ لاستقلال کل یوم بنفسہ۔

(ردالمحتار ج۲ ص۱۴۳ کتاب الصوم۔ باب الاعتکاف)

قضا چاہے رمضان میں کرے یا غیر رمضان میں، لیکن غیر رمضان میں اعتکاف کی قضا کرنے کے لیے یہ ضروری ہے کہ اس دن روزہ بھی رکھے۔




کتاب
الحج



مصر کے مشہور استاد حافظ محمد حسنی کا خط ثلث کا ایک نادر نمونہ

باب شرائط الحج وارکانہ

(حج کے شرائط وارکان کے بارے میں)

حج کی فرضیت کا وقت

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک آدمی کو رمضان کے مہینہ میں اپنے دادا کی میراث سے کافی مقدار میں مال ملا اور محرم کے مہینہ تک مال موجود رہا بعد میں مال خرچ ہو گیا تو کیا اس پر حج فرض ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ فرضیتِ حج کے لیے اشہر حج میں مالِ کثیر کا مالک ہونا ضروری ہے، چونکہ یہ آدمی اشہر حج میں مال کا مالک بنا تھا اس لیے اس پر حج فرض ہو گیا ہے، البتہ اگر یہ آدمی کسی ایسے بعید ملک میں رہتا ہو کہ وہاں سے اشہر حج سے قبل حجاج روانہ ہوتے ہوں تو قافلۂ حجاج کی روانگی کا وقت معتبر ہو گا۔

قال الامام ابن همامؒ:۔ والاولی ان یقال اذا کان قادرًا وقت خروج اهل بلده ان کانوا یخرجون قبل اشهر الحج لبعد المسافة اودارٌ فی اشهر الحج ان کانوا یخرجون فیها ولم یحج حتی افتقر تقرر دینًا۔ (فتح القدیر ج ۲ ص۳۲۱ کتاب الحج) [1]

ضرورت سے زائد زمین ہو تو حج فرض ہے

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک آدمی کی زمین اس کی ضروریات سے زائد ہے تو کیا اس پر حج فرض ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ مصارف حج ادا کرنے کے بعد اتنی زمین باقی رہتی ہو کہ وہ اس کے اور اس کے اہل وعیال کی معاشش کے لیے کافی ہو تو اس پر حج فرض اور لازمی ہے۔

وفی الهندیة:۔ ان کان له من الضیاع لو باع مقدار ما یکفی لزاد والراحلة ذاهب

---

[1] قال العلامة ابن عابدینؒ: (تحت قوله علی مسلم الاول شروط الوجوب والوقت ای القدرة فی اشهر الحج او فی وقت خروج اهل بلدة علی ما یأتی۔

ردالمحتار ج ۲ ص۴۵۸ کتاب الحج، مطلب فیمن حج بمال الحرام)

ومثلهٗ فی الهندیة ج ۱ ص۳۱۹ کتاب المناسک، الباب الاول۔

وجائیاً ونفقۃ عیالہ واولادہ ویبقی لہ من الضیعۃ قدر ما یعیش بغلۃ الباقی یفترض علیہ الحج والا فلا ۔ (الفتاوی الھندیۃ ج ۱ ص۲۱۸ الباب الاول فی تفسیر الحج) [۱]

زمین کی آمدنی پر حج کی فرضیت

سوال: میری کچھ زمین ہے اس سے جو سالانہ آمدنی حاصل ہوتی ہے اس سے صرف میرا خرچہ پورا ہوتا ہے تاہم اگر زمین کی قیمت لگائی جائے تو وہ کافی مالیت کی بنتی ہے، کیا اس قیمت کی وجہ سے مجھ پر حج فرض ہے یا نہیں؟

الجواب: حج کی فرضیت کے لیے مالی استطاعت کا ہونا ضروری ہے صرف زمین کی قیمت پر حج فرض نہیں ہوتا البتہ اگر زمین کی آمدنی اتنی مقدار میں ہو کہ جس سے اہل وعیال کا اور حج کے لیے آمد ورفت کا خرچہ پورا ہوتا ہو تو حج فرض ہے ورنہ نہیں۔

قال العلامۃ برھان الدین المرغینانیؒ: اذا قدر علی الزاد والراحلۃ فاضلۃ عن المسکن ومالا بد منہ وعن نفقۃ عیالہ الی حین عودہ۔ (الھدایہ ج ۱ ص۲۱۳ کتاب الحج) [۲]

صرف تصرف کا اختیار حج کی فرضیت کے لیے کافی نہیں

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک بیوہ عورت کی اولاد مالدار ہے اور ماں کو بھی اولاد کے مال پر تصرف کرنے کا پورا پورا اختیار ہے، تو کیا اس اختیار کی وجہ سے اس عورت پر حج فرض ہے یا نہیں؟

الجواب: اگر اس عورت کے پاس مال بطور ملک ہو اور اس میں شرائطِ حج بھی پائی جائیں تو اس پر حج فرض ہے، صرف مال پر اختیار ہونے کی وجہ سے شرعاً حج فرض

---

[۱] وقال قاضیخان: وان کان صاحب ضیعۃ ان کان لہ من الضیاع لو باع مقدار ما یکفی لزادہ والراحلۃ ذاھباً وجائیاً ونفقۃ عیالہ واولادہ ویبقی لہ من الضیعۃ قدر ما یعیش بغلۃ الباقی یفترض علیہ الحج والا فلا۔ (الفتاوی قاضی خان علی ہامش الہندیہ ج ۱ ص۲۸۱ کتاب الحج)

وَمِثْلُہٗ فی البحر الرائق ج ۲ ص۳۱۴ کتاب الحج۔

[۲] قال العلامۃ التمرتاشیؒ: وراحلۃ فضلۃ عما لا بد منہ وفضلا عن نفقۃ عیالہ الی حین عودہ۔ (تنویر الابصار علی صدر رد المحتار ج ۲ ص۴۶۲ کتاب الحج)

وَمِثْلُہٗ فی البحر الرائق ج ۲ ص۳۱۱ کتاب الحج۔

نہیں ہوتا۔

واما شرائط الوجوب منها الاسلام ومنها العقل ومنها القدرة على الزاد والراحلة بطريق الملك۔ (الفتاوى الهندية ج ۱ ص ۲۱۷ كتاب الحج، الباب الاول فی تفسير الحج) [۱]

مشترکہ مال سے حج کی فرضیت کا حکم

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہم چار بھائی مشترکہ کاروبار کرتے ہیں، کیا اس کاروبار سے جو نفع حاصل ہوتا ہے اس سے ایک بھائی حج کرسکتا ہے؟ و نیز مشترکہ مال پر حج فرض ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ اگر مشترکہ کاروبار کے اس منافع کو چار حصوں میں تقسیم کرنے کے بعد ہر ایک کے حصہ میں اتنی رقم آئے کہ اس سے حج کے جملہ اخراجات پورے ہوتے ہوں تو ہر حصہ دار پر حج فرض ہے، مال مشترکہ کے کل نفع پر مجموعی طور پر حج فرض نہیں ہوتا۔

قال العلامة الحصكفیؒ:۔ على مسلم ذی زاد، الخ۔ وراحلة فضلاً عما لابد منه و فضلاً عن نفقة عياله الخ الى حين عوده۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ص ۴۵۸ ج ۲ كتاب الحج) [۲]

حکومت کے خرچ پر حج کرنے سے حج کا فریضہ ساقط ہوجاتا ہے

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علماء کرام کہ ایک آدمی سرکاری ملازم ہے اور وہ ۱/۴ حصہ رقم جمع کراتا ہے باقی رقم حکومت اپنی جانب سے ادا کرتی ہے لہٰذا اگر یہ شخص اس طرح حج کرے تو کیا یہ حج فرض حج شمار ہوگا یا نفل؟

الجواب:۔ اس سفر سے اس کا حج فرض ادا ہوکر اس کا ذمہ فارغ ہوجائے گا، کیونکہ

---

[۱] قال العلامة التمرتاشیؒ: على مسلم ذی زاد وراحلة وفضلاً عن نفقة عياله الی حين عوده۔ (تنوير الابصار علی صدر رد المحتار ج ۲ ص ۴۶۱ كتاب الحج)
وَمِثْلُهٗ فی البحر الرائق ج ۲ ص ۳۱۱ كتاب الحج۔

[۲] قال العلامة عالم بن العلاء الانصاریؒ:۔ شرائط وجوب الحج العقل والبلوغ والحرية والاستطاعة وتكلموا فی تفسير الاستطاعة۔ قال ابوحنيفةؒ فی ظاهر رواية تفسيرها سلامة البدن وملك الزاد والراحلة۔ (فتاوى تاتارخانية ج ۲ ص ۴۲۹ كتاب الحج، الفصل الاول فی شرائط الوجوب)
وَمِثْلُهٗ فی الهندية ج ۱ ص ۲۱۷ الباب الاول فی تفسير الحج۔

حکومت نے جو رقم دی ہے وہ حج بدل کے لیے نہیں بلکہ بطور تعاون دی ہے۔

قال العلامة الحصکفیؒ:۔ بخلاف ما لو حج یحج عن نفسه وفقیر جاز عنه وصوله الی المیقات صار قادرا لقدرۃ نفسه وقیه ایضًا الا فاقی اذا وصل الی المیقات فهو کالمکی۔

(الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۲ ص۴۶۰ کتاب الحج) [1]

حرام مال سے حج کرنے کا حیلہ

سوال:۔ ایک شخص کے مال میں حرام مال کا اختلاط ہے اب وہ حج کرتا ہے تو اس کے لیے کسی سے کچھ رقم قرض پر لیتا ہے لیکن جب قرض ادا کرتا ہے تو حرام مال سے ادا کرتا ہے، تو کیا اس شخص کا حج صحیح ہے یا غلط؟

الجواب:۔ وجوب حج کے لیے مال حلال یا مخلوط مال کا ہونا ضروری ہے چونکہ اس شخص نے قرض (مال حلال) سے حج کیا تو اس کا حج صحیح ہے اگرچہ اس شخص نے قرض کو مال حرام سے واپس کیا ہو تاہم اس طرح کی حیلہ بازیوں سے اجتناب ضروری ہے۔

اذا اراد الرجل ان یحج بمال الحلال فیه شبهة فانه یستدین للحج ویقضی دینه من ماله کذا فی فتاوی قاضیخان۔ (الفتاوی الهندیة ج ۱ ص۲۲۰ الباب الاول فی الحج) [2]

چوری کا مال مخلوط ہو جانے پر حج کا حکم

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک شخص چوری کے مال کو اپنے مال کے ساتھ ملا کر تجارت کرے اور جب اسے غنا حاصل ہو اور اس پر حج فرض ہو جائے تو کیا یہ شخص اُس مال سے حج کر سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ چوری کے مال کو اپنے مال کے ساتھ ملانے سے کل مال اس کی ملک میں

---

[1] قال العلامة عالم بن العلاء الانصاریؒ:۔ والفقیر اذا حج ماشیا ثم ایسر لا حج علیه۔
(الفتاوی التاتارخانیة ج ۲ ص۴۳۶ کتاب الحج۔ الفصل الاول فی شرائط الوجوب)
وَمِثْلُهٗ فی الهندیة ج ۱ ص۲۱۷ کتاب المناسک الباب الاول۔

[2] قال العلامة عالم بن العلاء الانصاریؒ:۔ واذا اراد ان یحج بمال الحلال فیه شبهة فانهٗ یستدین للحج ویقضی دَینه من ماله۔ (الفتاوی التاتارخانیة ج ۲ ص۵۲۶ کتاب الحج الفصل العشرون فی المتفرقات)
وَمِثْلُهٗ فی البحر الرائق ج ۲ ص۳۰۹ کتاب الحج۔

داخل ہوگیا ہے تو وجوب کے شرائط پائے جانے کی صورت میں اس پر حج فرض ہے اسلئے حج سے بچنے کیلئے مالِ حرام کی موجودگی کا بہانہ نہ بنائے بلکہ حج ادا کرے۔

قال العلامة ابن عابدینؒ: کالحج بمال حرام) لیس الحرام بل حرام هو الانفاق للمال الحرام ولا تلازم بينهما۔ (ردّ المحتار ج ۲ ص۴۵۶ کتاب الحج مطلب فیمن حج بمال حرام) ؎۱

حج فرض ہونے کے بعد تنگدستی سے حج ساقط نہیں ہوتا

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک عورت پر حج فرض تھا لیکن بعض عوارض کی وجہ سے وہ حج نہ کرسکی جبکہ اب وہ تنگدست ہوچکی ہے، کیا اس تنگدستی کی وجہ سے اُس سے حج ساقط ہوگیا یا نہیں؟ نیز اگر کوئی آدمی حج فرض ہونے کے باوجود صرف عمرہ کرلے تو کیا اُس سے حج ساقط ہوجائے گا یا نہیں؟

الجواب:۔ اگر کسی عورت کے پاس اتنی رقم موجود ہو کہ وہ اپنا اور محرم کا خرچہ برداشت کرسکتی ہو تو اس پر حج فرض ہے، تنگدست ہوجانے سے یا عمرہ کرلینے سے حج ساقط نہ ہوگا زندگی میں حج کرنا ضروری ہے اور اگر حج نہ کرسکا تو پھر موت سے قبل حج کی وصیت کرے اور اس کی وصیت پر عمل کیا جائے گا۔

ومنها المحرم للمرأة شابة كانت او عجوزًا اذا كانت بينها وبين مكة ثلاثة ايام، هٰكذا في المحيط۔ (الفتاوى الهندية ج ۱ ص۲۱۹ كتاب الحج)

وقال ايضاً:۔ واما شرائط وجوبه منها الاسلام حتّٰى لوملك به الاستطاعة حال كفره ثمّ اسلم بعد ما افتقر لا يجب عليه شئ بتلك الاستطاعة بخلاف ما لوملكه مسلمًا فلم يحج حتّٰى افتقر حيث يتقرر الحج في ذمته دَيْنًا عليه۔

(الفتاوى الهندية ج ۱ ص۲۱۷ كتاب المناسك، الباب الاوّل) ؎۲

؎۱ وفي الهندية: ويجتهد في تحصيل نفقة حلال فانه لا يقبل الحج بالنفقة الحرام مع انه يسقط الفرض معها۔ (الفتاوى الهندية ج ۱ ص۲۲۰ الباب الاوّل في تفسير الحجّ)
وَمِثْلُهٗ في البحر الرائق ج ۲ ص۳۰۹ كتاب الحج۔

؎۲ قال العلامة ابن همامؒ:۔ بخلاف ما لو ملكه مسلمًا فلم يحج حتّٰى افتقر حيث يتقرر الحج في ذمته دينا عليه۔ (فتح القدير ج ۲ ص۳۲۲ كتاب الحج)
وَمِثْلُهٗ في ردّ المحتار ج ۲ ص۲۱۵ كتاب الحج۔

مکانات حوائج اصلیہ سے زائد ہوں تو حج فرض ہے

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک آدمی کے پاس زمین کے علاوہ مکانات بھی ہیں جو حوائج اصلیہ سے زائد ہیں تو کیا اس پر حج فرض ہے یا نہیں؟ اور اگر یہ شخص حج نہ کرے تو گنہگار ہوگا یا نہیں؟

الجواب:۔ زرعی زمین، مکانات اور دیگر جائیداد وغیرہ اگر حوائج اصلیہ سے زائد ہوں تو اس پر حج فرض ہے لہٰذا یہ شخص فریضۂ حج ادا کرے تاہم اگر حج ادا نہ کرے تو گنہگار ہوگا۔

قال العلامة التمرتاشیؒ: وراحلة فضلة عمالا بد منه وفضلاً عن نفقة عياله الى الى حين عوده۔ (تنویر الابصار علی صدر رد المحتار ج۲ ص۴۶۲ کتاب الحج) لـه

بیٹی کی شادی کرنا مانع حج نہیں

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ زید پر حج فرض ہو چکا ہے لیکن اس کی ایک غیر شادی شدہ بالغہ لڑکی ہے جس کا ابھی تک نکاح بھی نہیں ہوا ہے، تو کیا زید گھر میں غیر شادی شدہ بیٹی کی موجودگی میں حج کر سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ غیر شادی شدہ اولاد کا ہونا والدین کی عدالت پر کوئی اثر نہیں ڈالتی اور اولاد کی شادی کے لیے کثیر مال خرچ کرنا نہ ضروری ہے اور نہ ہی یہ حج کے لیے مانع شرعیہ میں سے ہے، لہٰذا جب زید پر شرعاً حج فرض ہو چکا ہے تو اس کے لیے حج پر جانا ضروری ہے۔

قال فی الهندية:۔ ومنها القدرة على الزاد والراحلة بطريق الملك والاجارة۔ الخ (الفتاوى الهندية ج۱ ص۲۱۷ الباب الاول فی تفسير الحج۔) لـه

لـه قال العلامة برهان الدين المرغينانی رحمه الله:۔ اذا قدر على الزاد والراحلة فاضلة عن المسكن ومالا بد منه وعن نفقة عياله الى حين عوده۔

(الهداية ج۱ ص۲۱۲ کتاب الحج)

ومثله فی البحر الرائق ج۲ ص۳۱۱ کتاب الحج۔

لـه قال العلامة ابن عابدينؒ:۔ (على المسلم) تحت هذه العبارة الاول شروط والوجوب اذا وجبت بتمامها وجب الحج والافلا۔ (رد المحتار ج۲ ص۴۵۹ کتاب الحج)

ومثله فی البحر الرائق ج۲ ص۳۱۱ کتاب الحج۔

صاحب استطاعت کیلئے مکان کا نہ ہونا مانع حج نہیں

سوال: میرے پاس اتنی رقم موجود ہے کہ جس سے میں فریضۂ حج ادا کر سکتا ہوں، اگر اس رقم سے مکان بناؤں تو حج کے لیے پیسے نہیں بچتے، کیا اس وقت مکان بنانا ضروری ہے یا حج کرنا؟

الجواب: مکان ایسی ضرورت نہیں جو شرعاً فریضۂ حج کے لیے مانع بنے، جب آپ کے پاس حج کی ادائیگی کے لیے مناسب رقم موجود ہے تو اس پر حج کرنا فرض ہے مکان بنانا ضروری نہیں۔

قال العلامة ابن نجیم المصریؒ: هو فرض بشرط حرية وبلوغ وعقل وصحة وقدرة زاد وراحلة فضلت عن مسكنه۔ وفي قوله وما لا بد منه اشارة الى ان المسكن لا بد ان يكون محتاجاً اليه لمسكن فلا يثبت الاستطاعة بدار يسكنها وعبد يستخدمه وثياب يلبسها ومتاع يحتاج اليه وثبت الاستطاعة بدار يسكنها وعبد لا يستخدمه فعليه ان يحج۔

(البحر الرائق ج۲ ص۳۱۳ کتاب الحج) [1]

اولاد کا غیر شادی شدہ ہونا وجوب حج سے مانع نہیں

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میں نے اس سال مع اہلیہ حج بیت اللہ کا ارادہ کیا ہے لیکن اتفاق سے میرا ایک بالغ لڑکا غیر شادی شدہ ہے کیا بیٹے کا غیر شادی شدہ ہونا عذر شرعی بن سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب: بیٹے کا غیر شادی شدہ ہونا عذر شرعی نہیں جو وجوب حج سے مانع بنے، لہٰذا جب آپ پر حج فرض ہو چکا ہے اور کوئی شرعی مانع نہیں تو جتنا جلد ممکن ہو سکے آپ فریضۂ حج ادا کریں۔

قال العلامة الحصکفیؒ: وفي الاشباه ومع الخوف من الفقر وبة ان كان قبل خروج اهل بلدة فله التزوج ولو وقته لزم الحج۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۲ ص۴۶۲ کتاب الحج) [2]

---

[1] قال العلامة ابن عابدینؒ: وان لم يكن له مسكن ولا شئ من ذلك وعنده دراهم تبلغ به الحج وتبلغ الثمن مسكنها وخادم وطعام وقوت وجب عليه الحج وجعلها في غيره (رد المحتار ج۲ ص۴۶۲ کتاب الحج قبیل مطلب فی قولہم یقدم حق العبد)

وَمِثْلُهٗ فی التاتارخانیة ج۲ ص۴۳۳ کتاب الحج، الفصل الاول فی شرائط الوجوب۔

[2] وفی الهندية: اذا وجد ما يحج به وقد قصد التزوج يحج به ولا يتزوج لان الحج فريضة اوجبها الله تعالى على عبده كذا فی التبيين۔ (الفتاویٰ الہندیۃ ج۱ ص۲۱۷ کتاب المناسک الباب الاول فی تفسیر الحج)

وَمِثْلُهٗ فی التاتارخانیة ج۲ ص۴۳۳ کتاب الحج، الفصل الاول فی شرائط الوجوب۔

سعودی عرب میں رہ کر بھی حج نہیں کیا تو اب حج فرض ہے یا نہیں

سوال:۔ ایک شخص کاروبار کی غرض سے کچھ عرصہ سعودی عرب میں رہا اور چند عمرے بھی کر لیے لیکن کسی وجہ سے سعودی حکومت نے گرفتار کر کے وطن واپس بھیج دیا، کیا اس آدمی پر اب حج فرض ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ حج کی فرضیت کے لیے استطاعتِ حج ہونا ضروری ہے صرف سعودی عرب جانے سے حج فرض نہیں ہوتا، چونکہ اس شخص نے نہ احرام باندھا ہے اور نہ ایامِ حج تک وہاں رہا ہے لہٰذا اس شخص پر حج فرض نہیں۔

کما ھو فی الہندیة: ثم ذکر من شرائط الوجوب الحج عن الزاد والراحلة وغیر ذلك یعتبر وجودھا وقت خروج اھل بلدہ الی مکة۔ (الفتاویٰ الہندیہ ج۱ ص۲۱۹ الباب الاول فی تفسیر الحج) [۱]

عورت پر حج فرض ہو تو خاوند کی اجازت ضروری نہیں

سوال:۔ ایک عورت پر حج فرض تھا اُس نے خاوند کی اجازت کے بغیر اپنے بھائی کے ہمراہ حج ادا کیا تو کیا اس عورت کا حج صحیح ہوا یا نہیں؟

الجواب:۔ اگر اس عورت پر شرعاً حج فرض تھا تو اس کا بغیر اجازتِ شوہر کے بھائی کے ساتھ حج ادا کرنا صحیح ہے، لیکن اگر نفلی حج ہو تو خاوند سے اجازت لینا ضروری ہے۔

قال العلامة عالم بن العلاء الانصاریؒ: واذا وجدت محرماً ولا یأذن لها زوجها ان تخرج فلها ان تخرج بغیر اذنه فی حجة الاسلام دون التطوع۔

(الفتاویٰ التاتارخانیة ج۱ ص۳۳۵ کتاب الحج، الفصل الاول فی شرائط الوجوب) [۲]

---

[۱] قال العلامة الحصکفیؒ: وقت خروج اھل بلدھا وکذا سائر الشرائط۔

(الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۲ ص۴۶۵ کتاب الحج)

وَمِثْلُہٗ فی البحر الرائق ج۲ ص۳۱۱ کتاب الحج۔

[۲] قال العلامة ابن نجیم المصریؒ: واشار بعدم اشتراط رضا الزوج الی انه لیس له منعها عن حجة الاسلام واذا وجدت محرما لانه حقه لا یظهر فی الفرائض بخلاف التطوع۔ (البحر الرائق ج۲ ص۳۱۵ کتاب الحج)

وَمِثْلُہٗ فی الهندیة ج۲ ص۲۱۹ کتاب الحج۔ الباب الاول فی تفسیر الحج۔

عورت کا کراچی سے جدہ تک بغیر محرم کے سفر کرنا اور حج محرم کے ساتھ ادا کرنے کا حکم

سوال: اگر ایک آدمی سعودی عرب سے اپنی والدہ کے لیے حج کا داخلہ کرے اور اس کی والدہ کراچی سے جدہ تک بلا محرم سفر کرے اور حج اپنے بیٹے کے ساتھ ادا کرے تو اس کا حج شرعاً ادا ہوگا یا نہیں؟

الجواب: صورتِ مسئولہ کے مطابق عورت کا بغرضِ حج کراچی سے جدہ تک بلا محرم سفر کرنا ناجائز ہے تاہم اس کے باوجود حج ادا ہو جائے گا اگرچہ مکروہ ضرور ہے۔

قال العلامة الحصكفی رحمه الله: ولو حجت بلا محرم جاز مع الكراهة۔

(الدر المختار علی صدر ردّ المحتار ج۲ ص۴۶۵ کتاب الحج) ؎۱

عورت کے لیے اس کا بہنوئی محرم نہیں

سوال: میرا خاوند بیمار ہے کیا میں حج کے لیے اپنے بہنوئی کے ساتھ جا سکتی ہوں یا نہیں؟

الجواب: فریضۂ حج کی ادائیگی کے لیے عورت کے ساتھ اس کے محرم کا ہونا لازمی ہے بہنوئی چونکہ شرعاً محرم نہیں اس لیے بہنوئی کے ساتھ فریضۂ حج کے لیے کسی بھی عورت کا جانا درست نہیں، البتہ اگر کوئی عورت بغیر محرم کے حج کے لیے جائے تو ذمہ فارغ ہو جائے گا مگر ایسا کرنا کراہت سے خالی نہیں۔

ومنها المحرم للمرأة شابة كانت عجوزا إذا كانت بينها وبين مكة ثلاثة أيام هكذا في المحيط وإن كان أقل من ذلك حجت بغير محرم والمحرم الزوج ومن لا يجوز مناكحتها على التابيد بقرابة أو رضاع أو مصاهرة كذا في الخلاصة۔

(الفتاوی الهندية ج۱ ص۲۱۹ الباب الاول في تفسير الحج) ؎۲

؎۱ وفي الهندية: ووجود المحرم للمرأة شرط لوجوب الحج أم لأدائه بعضهم جعلوها شرط للوجوب وبعضهم شرط لأدائه وهو الصحيح. (الفتاوی الهندية ج۱ ص۲۱۹ الباب الاول في تفسير الحج)
وَمِثْلُهٗ في البحر الرائق ج۲ ص۳۱۵ كتاب الحج۔

؎۲ قال العلامة الحصكفيؒ: ومع زوج أو محرم وفي ردّ المحتار والمحرم من لا يجوز له مناكحتها على التابيد بقرابة أو رضاع وصهرية. (الدر المختار على صدر ردّ المحتار ج۲ ص۴۶۴ كتاب الحج مطلب في قولهم يقدم حق العبد)
وَمِثْلُهٗ في البحر الرائق ج۲ ص۳۱۵ كتاب الحج۔

عورت کیلئے خاوند کے بھائی یا بھتیجے کے ساتھ حج کرنے کا حکم

سوال:۔ ایک عورت کا خاوند فوت ہو گیا ہے، خاوند کی زندگی میں وہ حج ادا کر چکی ہے اب وہ دوبارہ حج کرنا چاہتی ہے تو کیا وہ اپنے خاوند کے بھائی یا بھتیجے کے ساتھ حج کے لیے جا سکتی ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ عورت کے لیے حج پر جانے کے لیے کسی محرم کا ساتھ ہونا ضروری ہے، خاوند کا بھائی اور بھتیجا چونکہ محرم نہیں اس لیے عورت کا ان کے ساتھ حج پر جانا صحیح نہیں۔

ومنها المحرم للمرءة شابة كانت او عجوزاً اذا كانت بينها وبين مكة ثلاثة ايام۔ هكذا في المحيط وان كان اقل من ذلك حجت بغير محرم والمحرم الزوج ومن لا يجوز مناكحتها على التابيد بقرابة او رضاع او مصاهرة كذا في الخلاصة۔

(الفتاوى الهندية ج۱ ص۲۱۹ الباب الاول في تفسير الحج) لـه

عورت غیر محرم ہمسایہ کے ساتھ حج کیلئے نہیں جا سکتی

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک عورت حج ادا کرنا چاہتی ہے لیکن اس کا خاوند، بھائی وغیرہ نہیں ہے، کیا وہ اپنے غیر محرم ہمسایہ کے ساتھ حج کے لیے جا سکتی ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ جب تک اس عورت کے ساتھ اس کا محرم نہ ہو اُس وقت تک اس پر حج فرض نہیں اور یہ کسی غیر محرم پڑوسی کے ساتھ حج کے لیے نہیں جا سکتی۔

قال العلامة برهان الدين المرغيناني رحمه الله: ويعتبر في المرءة ان يكون لها محرم تحج بها او زوج ولا يجوز لها ان تحج بغيرهما اذا كان بينها وبين مكة سيرة ثلثة ايام۔ (الهداية ج۱ ص۲۱۳ كتاب الحج) ـ ۲ ـه

لـه قال العلامة الحصكفي: ومع زوج او محرم۔ وفي رد المحتار والمحرم من لا يجوز له مناكحتها على التابيد لقرابة او رضاع او صهرية۔ (الدر المختار على صدر رد المحتار ج۲ ص۴۶۴ كتاب الحج مطلب في قولهم يقدم حق العبد)

وَمِثْلُهُ في البحر الرائق ج۲ ص۳۱۵ كتاب الحج۔

۲ـه قال العلامة الحصكفي: ومع زوج او محرم مع وجوب النفقة لمحرمها عليها الخ لامرأة (ولو غنية) والمحرم من لا يجوز له مناكحتها على التابيد بقرابة او رضاع او صهرية۔ (الدر المختار على صدر رد المحتار ج۲ ص۴۶۴ كتاب الحج)

وَمِثْلُهُ في البحر الرائق ج۲ ص۳۱۵ كتاب الحج۔

عورت کا دیور یا شوہر کے چچا کے ساتھ حج کے لیے جانا

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ کوئی عورت اپنے دیور یا شوہر کے چچا کے ساتھ حج کے لیے جاسکتی ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ عورت کے لیے حالتِ سفر میں محرم یا خاوند کا ساتھ ہونا ضروری ہے، دیور اور شوہر کا چچا محارم نہ ہونے کی وجہ سے عورت شرعاً ان کے ساتھ سفر نہیں کرسکتی، اس لیے کسی بھی عورت کا اپنے دیور یا شوہر کے چچا کے ساتھ حج پر جانا صحیح نہیں۔

قال ابن عابدینؒ : ویؤیدہ حدیث صحیحین لا یحل لامرأۃ تؤمن باللہ والیوم الآخر ان تسافر مسیرۃ یوم ولیلۃ الا مع ذی محرم علیھا۔ (ردّ المحتار ج ۲ ص۴۶۵ کتاب الحج)[۱]

رہن کے پیسوں سے حج کرنا

سوال:۔ ایک آدمی نے اپنی زمین رہن پر دے دی اس مرہونہ سے جو رقم حاصل ہوتی ہے وہ اس رقم سے حج کرنا چاہتا ہے تو کیا اس کا یہ حج ادا ہوگا یا نہیں؟

الجواب:۔ رہن سے انتفاع لینا جائز نہیں، البتہ حج نام ہے ارکانِ حج کی ادائیگی کا، چاہے جس مال بھی ہو، اولیٰ یہی ہے کہ حلال مال سے ہو البتہ حرام مال سے حج کرنے سے بھی فرضیت ساقط ہوجاتی ہے اس لیے راہن کا رہن کے پیسوں سے حج کرنا جائز ہے۔

وفی الھندیۃ : ویجتھد فی تحصیل نفقۃ حلال فانہ لا یقبل الحج بالنفقۃ الحرام مع انہ یسقط الفرض معھا وان کان مغصوبۃ۔

(الفتاوی الھندیۃ ج ۱ ص۲۲۰ کتاب المناسک الباب الاول)[۲]

---

[۱] قال ابن نجیم المصریؒ : (تحت ھذہ العبارۃ) ومحرم اوزوج لامرأۃ فی سفر ای وبشرط محرم الی آخرہ۔ کما فی الصحیحین لا تسافر امرأۃ الا ومعھا محرم وزاد مسلم فی روایۃ اوزوج۔ (البحر الرائق ج ۲ ص۳۱۴ کتاب الحج)
وَمِثْلُہٗ فی الھندیۃ ج ۱ ص۲۱۸،۲۱۹ الفصل الاول فی تفسیر الحج۔

[۲] قال ابن نجیم المصریؒ : ویجتھد فی تحصیل نفقۃ حلال فانہ لا یقبل بالنفقۃ الحرام کما ورد فی الحدیث مع انہ یسقط الفرض۔ (البحر الرائق ج ۲ ص۳۰۹ کتاب الحج)
وَمِثْلُہٗ فی ردّ المحتار ج ۲ ص۴۵۶ کتاب الحج۔ مطلب فیمن حج بمال الحرام۔

صرف نیت کرلینے سے حج فرض نہیں ہوجاتا

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ چند آدمیوں نے زید سے کہا کہ تم حج کی نیت کرو ہم تم کو حج کے لیے بھیج دیں گے، زید نے حج کی نیت کی مگر انہوں نے زید کو حج کے لیے نہیں بھیجا، دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا صرف نیت کر لینے سے حج فرض ہوجاتا ہے یا نہیں ؟

الجواب:۔ صرف نیت کر لینے سے حج فرض نہیں ہوتا جب تک تلبیہ نہ پڑھا ہو، لہٰذا زید پر صرف نیت کر لینے سے حج فرض نہیں ہوا ہے۔

وفی الھندیۃ :۔ ولا یصیر شارعاً بمجرد النیۃ ما لم یأت بالتلبیۃ او ما یقوم مقامھا۔

(الفتاویٰ الھندیۃ ج ۱ ص۲۲۲ کتاب المناسک۔ الباب الاول فی تفسیر الحج) [۱]

خاوند کی اجازت کے بغیر حج کرنا

سوال:۔ عورت پر حج فرض ہونے کے بعد اس کے لیے خاوند سے اجازت لینا ضروری ہے یا نہیں ؟

الجواب:۔ حج ایک عبادت ہے جو مالدار مسلمان پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے فرض ہے اس کی ادائیگی کیلئے کسی سے اجازت لینے کی ضرورت نہیں ہے، لہٰذا اگر کسی عورت پر حج فرض ہوجائے تو اس کے لیے خاوند سے اجازت لینا ضروری نہیں اور وہ خاوند کی اجازت کے بغیر بھی حج کرسکتی ہے بشرطیکہ محرم ساتھ ہو۔

وفی الھندیۃ :۔ وعند وجود المحرم کان علیھا ان یحج حجۃ الاسلام وان لم یأذن لھا زوجھا۔ (الفتاویٰ الھندیۃ ج ۱ ص۲۱۹ الباب الاول فی تفسیر الحج) [۲]

والدہ کی اجازت کے بغیر نفل حج کرنا

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ زید نفلی حج کے لیے جانا چاہتا

---

[۱] قال العلامۃ عالم بن العلاء الانصاریؒ :۔ ولا یصیر داخلاً فی الاحرام بمجرد النیۃ ما لم یضم الیہ التلبیۃ او یسوق ھدیاً۔ (الفتاویٰ التاتارخانیۃ ج ۲ ص۴۳۹ الفصل الثالث فی تعلیم اعمال الحج)

ومِثلُہٗ فی البحر الرائق ج ۲ ص۳۲۳ کتاب الحج۔ باب الاحرام۔

[۲] قال الشیخ ابن عابدینؒ :۔ ولیس لزوجھا منعھا عن حجۃ الاسلام اذا کان معھا محرم والا فلہ منعھا۔ (ردّ المحتار ج ۲ ص۴۶۵ کتاب الحج۔ مطلب فی قولھم یقدم حق العبد)

ومِثلُہٗ فی البحر الرائق ج ۲ ص۳۱۵ کتاب الحج۔

ہے لیکن والدہ اجازت نہیں دیتی، تو کیا زید والدہ کی اجازت کے بغیر نفلی حج کے لیے جا سکتا ہے؟

الجواب:۔ شریعتِ مقدسہ نے والدین کی اطاعت وفرمانبرداری پر بہت زور دیا ہے لہٰذا زید کو نفلی حج ادا کرنے کے لیے والدہ سے اجازت لینا ضروری ہے بغیر اجازت کے جانا کراہت سے خالی نہیں البتہ فرض حج کے لیے والدہ یا کسی اور کی اجازت ضروری نہیں۔

وفی الهندیة: ویکرہ الخروج الی الحج اذا کرہ احد ابویه ان کان الوالد محتاجاً الی خدمة الولد وان کان مستغنیاً عن خدمته فلا بأس ... ومنه ... الفرض اولی من طاعة الوالدین وطاعتهما اولی من حج النفل۔ (الفتاوی الهندیة ج ۱ ص۲۲۱ الباب الاول فی تفسیر الحج)[1]

نفلی حج کیلئے خاوند کی اجازت ضروری ہے

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک عورت فرض حج ادا کر چکی ہے، اب وہ نفلی حج ادا کرنا چاہتی ہے، اس عورت کے لیے خاوند سے اجازت لینا ضروری ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ فرض حج کی ادائیگی کے لیے کسی سے اجازت کی ضرورت نہیں البتہ عورتوں کیلئے نفلی حج ادا کرنے میں اپنے خاوند سے اجازت لینا ضروری ہے بشرطیکہ محرم ساتھ ہو، خاوند سے اجازت لیے بغیر عورت کا نفلی حج پر جانا درست نہیں۔

قال العلامة عالم بن العلاء الانصاریؒ: واذا وجدت محرما ولا یأذن لها زوجها ان تخرج فلها ان تخرج بغیر اذنه فی حجة الاسلام دون التطوع۔

(فتاوی تاتارخانیة ج ۲ ص۴۳۵ کتاب الحج الفصل الاول فی شرائط الوجوب)[2]

---

[1] قال الشیخ ابن عابدینؒ: (تحت هذه العبارة) ممن یجب استیذانه کاحد ابویه المحتاج الی خدمته ۔۔۔ آگے فرماتے ہیں: وهذا کلهم فی حج الفرض اما حج النفل وطاعة الوالدین اولی مطلقاً۔ (رد المحتار ج ۲ ص۴۵۲ کتاب الحج مطلب فیمن حج بمال حرام)

ومثله فی البحر الرائق ج ۲ ص۳۰۸ کتاب الحج۔

[2] قال العلامة ابن نجیمؒ: اشار بعدم اشتراط رضا الزوج الی انه لیس له منعها عن حجة الاسلام واذا وجدت محرماً لانه حقه لایظهر فی الفرائض بخلاف حج التطوع۔ (البحر الرائق ج ۲ ص۳۱۵ کتاب الحج)

ومثله فی الهندیة ج ۱ ص۲۱۹ الباب الاول فی تفسیر الحج۔

نفلی حج افضل ہے یا صدقہ

سوال:۔ فرض حج ادا کرنے کے بعد نفلی حج کرنا افضل ہے یا اس رقم کو غرباء اور محتاجوں پر خرچ کرنا افضل ہے ؟

الجواب:۔ فرض حج ادا کرنے کے بعد فقراء و مساکین پر مال کو خرچ کرنا نفلی حج سے افضل و بہتر ہے خاص کر جہاں پر فقراء کو ضرورت زیادہ ہو۔

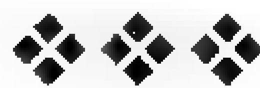
قال الشیخ ابن عابدینؒ : ورد فی البزازیۃ افضلیت الحج وحیث قال الصدقۃ افضل من الحج التطوع واذاکان الفقیر مضطراً الخ ۔ (ردالمحتار ج۲ ص۶۲۱ کتاب الحج مطلب فی تفضیل الحج عن الصدقۃ) ۔[1]

حائضہ عورت طوافِ زیارت چھوڑ دے تو کیا حکم ہے ؟

سوال:۔ اگر کسی عورت نے بوجہ حیض طوافِ زیارت نہ کیا ہو تو کیا اس پر دم لازم ہے؟ کیا یہ عورت اب حلال ہے یا نہیں ؟

الجواب:۔ طوافِ زیارت حج کے ارکان میں سے ایک رُکن ہے، اگر حائضہ عورت حالتِ حیض میں طوافِ زیارت کرے تو اس پر ایک بدنہ (اُونٹ) دم آتا ہے اور اگر طوافِ زیارت کے بغیر ہی وطن واپس آگئی ہے تو یہ عورت حلال نہ ہوگی بلکہ اُسے دوبارہ مکہ مکرمہ جاکر طوافِ زیارت کرنا ہوگا۔

قال العلامۃ ابن العلاء الانصاریؒ :۔ اذا ترکھا جمیعا ان صار بمکۃ فانہ یعیدھا وان رجع الی اھلہ فھو محرم من النساء ابداً فیعود الی مکۃ بذلک الاحرام ۔
(الفتاوی التاتارخانیۃ ج۲ ص۵۱۸،۵۱۹ الفصل السابع فی الطواف والسعی) ۔[2]



---

[1] قال العلامۃ ابن عابدینؒ : قد یقال ان صدقۃ التطوع فی زماننا افضل لما یلزم الحاج غالباً من ارتکاب المحظورات ۔ (منحۃ الخالق علی ھامش البحر الرائق ج۲ ص۳۱۰ کتاب الحج)
وَمِثْلُہٗ فی التاتارخانیۃ ج۲ ص۶۷۵ کتاب الحج ۔ الفصل العشرون فی المتفرقات ۔

[2] قال الشیخ ابن عابدینؒ : ویمتد الوقت الی آخر العمر فان اخرہ عنھا ای ایام النحر ولیالیھا منھا کرہ تحریما ووجب الدم ولو لم یطف اصلاً لایحل لہ النساء وان طال ومضت سنون باجماع ۔
(ردالمحتار ج۲ ص۵۱۸ مطلب فی طواف الزیارت)
ومثلہٗ فی الھندیۃ ج۱ ص۲۴۵ الباب الثامن فی الجنایات، الفصل الرابع ۔

زمین حل میں رہنے والے کے لیے طوافِ قدوم کا حکم

سوال:۔ اگر ایک آدمی زمینِ حل میں رہتا ہو تو وہ طوافِ قدوم کرے گا یا نہیں؟

الجواب:۔ طوافِ قدوم جس کو طوافِ تحیۃ الکعبہ بھی کہا جاتا ہے ہر اُس شخص پر واجب ہے جو حدودِ حرم سے باہر رہتا ہو چونکہ یہ شخص ارضِ حل میں رہتا ہے جو حدودِ حرم سے باہر ہے اس لیے اس شخص کے لیے طوافِ قدوم کرنا ضروری ہے۔

وفی الھندیۃ: وھٰذا الطواف یسمّٰی طواف قدوم والتحیۃ واللقاء ولیس علی اھل مکّۃ طواف القدوم کذافی الکافی۔ (الفتاوٰی الھندیۃ ج۱ ص۲۲۶ الباب الخامس فی کیفیۃ اداء الحج) [۱]

میقات کے اندر رہنے والوں کے لیے طوافِ وداع کا حکم

سوال:۔ جو لوگ میقات کے اندر رہتے ہوں ان لوگوں پر طوافِ وداع واجب ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ طوافِ وداع اُن لوگوں پر واجب ہے جو حج کے لیے باہر سے آتے ہوں اور جو لوگ میقات کے اندر رہتے ہوں اُن پر طوافِ وداع واجب نہیں۔

قال ابن نجیم المصریؒ: واراد باھل مکۃ من اتخذ مکۃ او داخل المواقیت دارافلاطواف صدر علی من کان داخل المواقیت۔ (البحر الرائق ج۲ ص۳۵۱ باب الاحرام) [۲]

فجر اور عصر کی نماز کے بعد احرام کی نماز کا حکم

سوال:۔ کیا نمازِ فجر اور عصر کے بعد احرام کے دو رکعت پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ نمازِ فجر اور عصر کے بعد مطلقاً نفل پڑھنا جائز نہیں اس لیے نوافل ذوات الاسباب (احرام یا طواف وغیرہ کی نماز) بھی ممنوع ہے۔

---

[۱] قال ابن عابدینؒ: للآفاقی ای لاغیر فتح فلا یسن للمکی ولا لاھل المواقیت ومن دونھا الی المکۃ۔ (ردالمحتار ج۲ ص۴۹۳ کتاب الحج، مطلب فی دخول مکہ)

وَمِثْلُہٗ فی البحر الرائق ج۲ ص۳۳۲ باب الاحرام۔

[۲] قال ابن عابدینؒ: ثم طواف الصدر ای الوداع سبعۃ اشواط بلا رمل وسعی وھو واجب الا علی اھل مکۃ ومن فی حکمھم۔ (درالمختار ج۲ ص۵۲۳ مطلب فی طواف الصدر)

وَمِثْلُہٗ فی الھندیۃ ج۱ ص۲۳۵ الباب الخامس فی کیفیۃ اداء الحج۔

وفی الهندیة : ویصلی رکعتی الطواف فی وقت یباح له اداء التطوع فیه کذا فی شرح الطحاوی۔
(الفتاوی الهندیة ج ۱ ص۲۲۶ الباب الخامس فی کیفیة اداء الحج) [1]

مکروہ اوقات میں احرام کی دو رکعت پڑھنے کا حکم

سوال :۔ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ جن اوقات میں احناف کے نزدیک نفل پڑھنا جائز نہیں احرام کی نماز پڑھی جاسکتی ہے یا نہیں؟

الجواب :۔ احناف کے ان جن اوقات میں مطلقاً نفل نماز پڑھنا جائز نہیں تو انہی اوقات میں نوافل ذوات الاسباب (مثلاً احرام یا طواف وغیرہ کی نماز) بھی پڑھنا ممنوع ہے۔

قال ابن عابدینؒ ، ثم صلی شفعاً فی وقت المباح۔ قال ابن عابدینؒ تحت هذه العبارة وفی اطلاقه نظر لما مر فی اوقات الصلوٰة من ان الواجب ولو لغیره کرکعتی الطواف والنذر لاتنعقد فی ثلاثة من الاوقات المنهیة۔ (رد المحتار ج ۲ ص۴۹۹ مطلب فی طواف القدوم) [2]

احرام باندھنے سے قبل غسل کرنے کا حکم

سوال :۔ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ زید نے حج کے لیے روانگی کے وقت بخار کی وجہ سے احرام باندھنے سے قبل غسل نہیں کیا صرف وضو کر کے احرام باندھ لیا تو کیا اس سے زید کے حج میں کوئی نقص تو نہیں آیا؟ اگر نقص آیا ہو تو زید کو کیا کرنا چاہیئے؟

الجواب : احرام باندھنے سے قبل غسل کرنا فرض یا واجب نہیں بلکہ ایک مستحب عمل ہے اگر بغیر غسل کے صرف وضو پر اکتفاء کر کے احرام باندھا جائے تو بھی حج میں کوئی نقص نہیں آتا۔

قال العلامة ابن العلاء الانصاریؒ : ویستحب من اراد الاحرام ان یقص شاربه واظفاره

---

[1] قال الشیخ ابن عابدینؒ : ثم صلی شفعاً فی وقت مباح۔ قال ابن عابدینؒ تحت هذه العبارة وفی اطلاقه نظر لما مر فی اوقات الصلوٰة من ان الواجب ولو لغیره کرکعتی الطواف والنذر لاتنعقد فی ثلاثة من الاوقات المنهیة۔ (رد المحتار ج ۲ ص۴۹۹ مطلب فی طواف القدوم)
وَمِثْلُهٗ فی البحر الرائق ج ۲ ص۲۳۲ کتاب الحج، باب الاحرام۔

[2] لما فی الهندیة : ویصلی رکعتی الطواف فی وقت مباح له اداء التطوع فیه کذا فی شرح الطحاوی۔ (الفتاوی الهندیة ج ۱ ص۲۲۶ الباب الخامس فی کیفیة اداء الحج)
وَمِثْلُهٗ فی البحر الرائق ج ۲ ص۳۳۱ باب الاحرام۔

وفی الینابیع ویحلق عانتہ - ثمّ یغتسل اویتوضاء وفی الکافی فیقوم الوضوء مقام الغسل کما فی العیدین والجمعۃ ۔ والغسل افضل وھٰذا الاغتسال لنظافۃ ولیس بواجب ۔

(الفتاوٰی التاتارخانیۃ ج۲ ص۴۴۱ الفصل الثالث فی اعمال الحج) [1]

احرام کی چادروں کے رنگ کا مسئلہ

سوال:۔ کیا احرام کی چادروں کا رنگ سفید ہونا ضروری ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ احرام کی چادروں کا رنگ سفید ہونا ضروری نہیں البتہ مستحب یہ ہے کہ احرام سفید رنگ کا ہو۔

قال الحصکفیؒ: ولبس ازار ورداء جدیدین اوغسیلین طاہرین۔ قال العلامۃ ابن عابدینؒ: ابیض ککفن الکفایۃ وھٰذا بیان السنۃ والا فساتر العورۃ کافٍ ۔

(الدر المختار علیٰ صدر رد المختار ج۲ ص۴۸۱ کتاب الحج، فصل فی الاحرام) [2]

تبلیغ پر حج مقدم ہے

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ مجھ پر حج فرض ہے لیکن میرا ارادہ ایک سال کے لیے جماعت میں جانے کا ہے، کیا میں پہلے حج کروں یا تبلیغ میں ایک سال لگاؤں؟

الجواب:۔ جب آپ پر حج فرض ہو چکا ہے تو آپ تمام چیزوں سے حج کو مقدم رکھیں تبلیغ عذر شرعی نہیں۔ البتہ ایسا کیا جاسکتا ہے کہ کوشش کرکے آپ کسی ایسی جماعت میں تشکیل کرائیں جس میں حج ہو سکتا ہو تو اس طرح ایک ہی سفر میں آپ کے دونوں مقاصد پورے ہو جائیں گے ۔

خطبنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال یا یھا النّاس قد فرض علیکم الحج فحجوا (مشکوٰۃ ج ص۲۲۱ کتاب الحج) [3]

---

[1] قال الشیخ ابن الھمامؒ: واخرج ایضاً عن ابن عمر رضی اللہ عنہ قال من السنۃ ان یغتسل اذا اراد ان یحرم - (فتح القدیر ج۲ ص۴۲۹ باب الاحرام)

وَمِثْلُہٗ فی الھندیۃ ج۱ ص۲۲۲ الباب الثالث فی الاحرام۔

[2] قال ابن نجیمؒ: وما فی الکتاب بیان السنۃ والا فساتر العورۃ کاف فی الجمع واشارۃ بتقدیم الجدید الی افضلیۃ وکونہ ابیض افضل۔ (البحر الرائق ج۲ ص۳۲۱ باب الاحرام)

وَمِثْلُہٗ فی الھندیۃ ج۱ ص۲۲۲ الباب الثالث فی الاحرام ۔

[3] قال ابن عابدینؒ: الاوّل شروط الوجوب وھی التی اذا وجدت بتمامھا وجب الحج والا فلا وھی سبعۃ الاسلام والعلم بالوجوب لمن فی دار الحرب والبلوغ والعقل والحریۃ ۔ (رد المحتار ج۲ ص۴۵۸ مطلب فیمن حج بمال حرام)

وَمِثْلُہٗ فی الھندیۃ ج۱ ص۲۱۶ کتاب المناسک۔ الباب الاوّل فی تفسیر الحج ۔

بلوغت کے بعد دوبارہ حج کی فرضیت

سوال:۔ میں نے پانچ سال کی عمر میں اپنے والدین کے ساتھ حج کیا تھا جبکہ اب میں بالغ اور صاحبِ استطاعت ہوں کیا مجھ پر اب حج فرض ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ بلوغت سے قبل جو حج کیا جاتا ہے اس سے حج فرض ادا نہیں ہوتا کیونکہ فرض حج کے لیے بالغ ہونا شرط ہے اسلیے سوال مذکورہ کے مطابق بلوغت کے بعد دوبارہ حج کرنا ضروری ہے۔

عن ابی ظبیان عن ابن عباس رضی اللہ عنہما قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: ایما صبی حج ثم بلغ الحنث فعلیہ ان یحج حجۃ اخری۔ (فتح القدیر ج۲ ص۳۲۵ کتاب الحج) ؎۱

فقر کی حالت میں حج کرنے کے بعد غنی ہونے کی صورت میں دوبارہ حج کرنا فرض نہیں

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ زید نے حالتِ بلوغ اور فقر میں اپنے والد کے مال سے حج کیا ہے جبکہ اب زید خود غنی ہو چکا ہے، کیا اس پر دوبارہ حج کرنا فرض ہے یا پہلے حج سے فرضیت ساقط ہو گئی ہے؟

الجواب:۔ فرض حج کی ادائیگی کے لیے غناء شرط نہیں، بلوغت کے بعد جب بھی یا جیسے بھی حج ادا کرے تو فرضیت ساقط ہو جائے گی، لہٰذا زید نے جو حج حالتِ فقر میں اپنے والد کے مال سے کیا ہے اس سے حج فرض ہی ادا ہوا ہے اب غنی ہونے کے بعد دوبارہ حج کرنا لازمی نہیں۔

قال ابن عابدینؒ: (تحت قولہ للافاقی لا لمکی) ان الفقیر الآفاقی اذا وصل الی المیقات فھو کالمکی فی انہ ان قدر علی المشی لزمہ الحج ولا ینوی النفل علیٰ زعمہ انہ فقیر۔ (رد المحتار ج۲ ص۴۵۶ کتاب الحج، مطلب فیمن حج بمال حرام) ؎۲

؎۱ لما فی الھندیۃ: ولو ان الصبی اذا حج قبل البلوغ فلا یکون ذلک حجۃ الاسلام ویکون تطوعاً۔ (الفتاویٰ الھندیۃ ج۱ ص۲۱۷ الباب الاول فی تفسیر الحج)

وَمِثْلُہٗ فی التاتارخانیۃ ج۲ ص۴۳۶ الفصل الحادی عشر فی الاحصار۔

؎۲ وفی الھندیۃ: الفقیر اذا حج ماشیاً ثم ایسر لا حج علیہ ھٰکذا فی فتاویٰ قاضی خان۔ (الفتاویٰ الھندیۃ ج۱ ص۲۱۷ الباب الاول فی تفسیر الحج)

وَمِثْلُہٗ فی التاتارخانیۃ ج۲ ص۴۳۴ الفصل الثانی عشر فی بیان رکن الحج۔

حج میں تجارت کی وجہ سے ثواب کم نہیں ہوتا

سوال: ایک آدمی حج کے لیے جاتا ہے لیکن وہ کچھ سامان وغیرہ بھی تجارت کی نیت سے ساتھ لے جاتا ہے، کیا ایسے آدمی کا حج صحیح ہے یا نہیں؟

الجواب: حج مخصوص نیت کے ساتھ خاص اوقات میں مخصوص ارکان کے ساتھ مخصوص مقامات کی زیارت کا نام ہے جو کہ اس شخص نے پورا کیا ہے لہٰذا اس کا حج صحیح ہے، تاہم حج میں تجارت کی نیت نہیں کرنی چاہیے۔

قال ابن نجیمؒ: وتجرید السفر عن التجارة احسن ولو اتجر لا ینقص ثوابه۔
(البحر الرائق ج ۲ ص ۳۰۹ کتاب الحج) [1]

۱۰ ذی الحجہ کے بعد آئندہ رات کا حکم

سوال: عام طور پر قربانی سے فارغ ہوتے ہوتے منیٰ میں ہی شام ہو جاتی ہے، اب اگر عشاء کے بعد آدمی طواف زیارت کے لیے مکہ مکرمہ جائے تو واپس ہوتے ہوتے فجر ہو جائے گی اور رات کا اکثر حصہ منیٰ سے باہر گذرے گا، تو کیا دس ذی الحجہ کو طواف زیارت نہ کرے یا دس ذی الحجہ کو طواف زیارت کر کے رات کا اکثر حصہ منیٰ سے باہر مکہ میں گذارے؟ اگر ایسا کرے تو اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب: فقہائے کرام نے ذی الحجہ کے دسویں دن کے بعد آنے والی رات کو بھی دسویں کے حکم میں قرار دیا ہے۔ اور عام فقہاء کرام کی تعبیر بھی یہی ہے کہ طواف زیارت کے بعد منیٰ کو واپس چلا جائے، نیز یہ پیشرفت رمی جمار کے لیے ہے اور رمی کا رتبہ طواف کے بعد ہے۔

قال ابن عابدینؒ: (تحت قوله ولیالیها منها) والمراد بلیلة کل یوم من ایام النحر اللیلة التی تعقب ذلك الیوم کما ان لیلة یوم عرفة اللیلة التی تعقب الیوم فی الوجود قلت وهذا علی اطلاقه ظاهر فی حق الرمی فانه اذا لم یرم نهاراً من النحر یرمی اللیلة التی تعقب فی ذلك۔ (رد المحتار ج ۲ ص ۵۱۸ فصل فی الاحرام، مطلب فی طواف الزیارة) [2]

---

[1] لما فی الهندیة: وتجرید السفر عن التجارة احسن ولو اتجر لا ینقص ثوابه کذا فی البحر الرائق۔
(الفتاوى الهندیة ج ۱ ص ۲۲۰ کتاب المناسك۔ الباب الاول)

ومثله فی احکام القرآن ج ۲ ص ۳۰۹

[2] قال السید احمد الطحطاویؒ: (تحت قوله ولیالیها منها) ..... والمراد بلیلة کل یوم من ایام النحر اللیلة التی تعقب ذلك الیوم فی الوجود کما ان لیلة یوم عرفة اللیلة التی تعقبه فی الوجود۔ اھ
(الطحطاوی حاشیة الدر المختار ج ۱ ص ۵۰۸ کتاب الحج، فصل فی الاحرام)

حائضہ عورت کے لیے حج کرنے کا طریقہ

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ اگر ایک عورت حج کے لیے جائے اور دورانِ حج اسے حیض آجائے تو اس عورت کے لیے کیا حکم ہے؟ اور وہ ارکانِ حج کیسے ادا کرے گی؟

الجواب: حج کے دوران جب کسی عورت کو حیض شروع ہو جائے تو اس کے لیے شرعی حکم یہ ہے کہ طواف وسعی بین الصفا والمروہ کے علاوہ تمام ارکانِ حج ادا کرے گی، مثلاً وقوفِ عرفات و مزدلفہ، رمی جمار و ذبح وغیرہ، اور جب پاک ہو جائے تو پھر طوافِ زیارت وغیرہ کرے گی۔

قال العلامۃ المرغینانیؒ: اذا حاضت المرأۃ عند الاحرام اغتسلت واحرمت وصنعت کما یصنع الحاج غیر انہا لا تطوف بالبیت حتی تطہر لحدیث عائشۃ رضی اللہ عنہا۔

(الھدایۃ ج۱ ص۲۴۵ کتاب الحج) [1]

حائضہ عورت پر طوافِ صدر لازمی نہیں

سوال:۔ زید کی زوجہ نے دورانِ حج حیض کی وجہ سے طوافِ صدر چھوڑ دیا تو اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب:۔ ایامِ حیض کے اندر عورت کے لیے طوافِ کعبہ شرعاً ممنوع ہے، اگر حائضہ طوافِ صدر ترک کر دے تو شرعاً اس میں کوئی حرج نہیں۔

قال ابن عابدینؒ: فلا یجب علی المکی ولا علی المعتمر مطلقاً وفائت الحج والمحصر والمجنون والصبی والحائض والنفساء کما فی اللباب وغیرہ۔ (ردالمحتار ج۲ ص۵۲۳ مطلب فی طواف القدوم) [2]

---

[1] قال ابن العلاء الانصاریؒ: والمرأۃ اذا حاضت فی الحج ان حاضت قبل ان تحرم وانتہت الی المیقات فانہا تغتسل فتحرم فاذا قدمت مکۃ وھی حائض تصنع کما یصنع الحاج غیر انہا لا تطوف بالبیت وتسعیٰ بین الصفا والمروۃ وتشھد جمیع المناسک۔ (الفتاویٰ التاتارخانیۃ ج۲ ص۴۱۱ کتاب الحج)

وَمِثْلُہٗ فی ردالمحتار ج۲ ص۵۲۸ قبل باب القران)

[2] قال ابن العلاء الانصاریؒ: وکذلک لیس علی الحائض والنفساء طواف الصدر۔

(الفتاویٰ التاتارخانیۃ ج۲ ص۵۲۲ الفصل السابع فی الطواف والسعی)

وَمِثْلُہٗ فی البحرالرائق ج۲ ص۳۵۱ الباب الاحرام۔

حج میں گرمی کی وجہ سے صرف تہبند پر اکتفاء کرنا

سوال:۔ اگر حج کے ایام میں سخت گرمی ہو اور کوئی حاجی گرمی کی شدت کی وجہ سے احرام کی چادر اتار کر صرف تہبند پر اکتفاء کرے تو کیا اس سے حج متاثر ہو گا یا نہیں ؟

الجواب:۔ احرام میں سترِ عورت کے لیے تہبند باندھنا فرض ہے، لہٰذا اگر کسی عذر کی وجہ سے کوئی حاجی چادر اتار کر صرف تہبند پر اکتفاء کرے تو حج پر کوئی بُرا اثر نہیں پڑے گا۔

قال العلامة الحصکفیؒ : وکذا یستحب لمرید الاحرام ...... لبس ازار ورداء علی ظهره...... وهذا بیان السنة والافستر العورة کاف۔ (الدرالمختار علی صدر ردالمحتار ج ۲ ص۴۸۱ کتاب الحج فصل فی الاحرام) [1]

عورت کی طرف سے مرد کا رمی جمار کرنا

سوال:۔ حج میں رمی جمار کے وقت بہت زیادہ رش ہوتا ہے جس میں عورتیں رمی جمار نہیں کر سکتیں، تو اگر مرد ان کی طرف سے رمی جمار کریں تو کیا اس سے دم لازم ہو گا یا نہیں ؟

الجواب:۔ رمی جمار واجباتِ حج میں داخل ہے، اگر کسی شرعی عذر کی وجہ سے واجب ترک کیا جائے تو ترک کرنے والے پر دم لازم نہیں ہوتا، اس لیے صورتِ مسئولہ میں عورت پر دم واجب نہیں۔

لما قال العلامة ابن نجیم رحمہ اللہ : اما اذا ترك واجب لعذر فانه لاشئ علیه۔

(البحرالرائق ج ۲ ص۲۳ فصل فی الجنایات) [2]

رمی جمرات کیلئے حاجی کنکریاں کہاں سے لے؟

سوال:۔ اگر کوئی شخص شیطان کو مارنے کے لیے کنکریاں وہیں سے اٹھائے تو اس کا کیا حکم ہے ؟

الجواب:۔ بہتر یہ ہے کہ رمی جمار یعنی شیاطین کو مارنے کے لیے کنکریاں مزدلفہ یا راستے

---

[1] قال العلامة المفتی عزیزالرحمٰنؒ : ہر وقت اوڑھنے کی ضرورت نہیں ہے، پسینہ وغیرہ کی ضرورت سے علیحدہ کی جا سکتی ہے۔ (فتاوٰی دارالعلوم دیوبند ج ۶ ص۵۵۲ تیسرا باب احرام)

[2] قال العلامة ابن عابدین رحمہ اللہ :۔ لو ترك شیئاً من الواجبات بعذر لا شئ علیه۔ (ردالمحتار ج ۲ ص۲۷۵ کتاب الحج، باب الجنایات)

ومثله فی بدائع الصنائع ج ۲ ص۱۳۴ فصل فی بیان واجبات الحج۔

سے اٹھا کر ساتھ لائے اُسی جگہ (یعنی جہاں کنکریاں ماری جاتی ہیں) سے نہ لے تاہم اگر وہیں سے اٹھا کر رمی جمار کرے تو ایسا عمل مکروہ تنزیہی ہے۔

وفی الھندیة: ویستحب ان یأخذ حصی الجمار من المزدلفة من الطریق ولا یرمی بحصاة اخذھا من عند الجمرة فان رمی بھا جاز وقد اساء. (الفتاوی الھندیہ ج ۱ ص۲۱۸ کتاب الحج) [1]

عرفات میں نمازِ مغرب پڑھنے کا حکم

سوال:۔ اگر کوئی شخص عرفات میں مغرب کی نماز پڑھ کر مزدلفہ چلا جائے اور عشاء کی نماز وہاں ادا کرے تو کیا اس شخص کی نماز درست ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ حج میں عرفات کے بعد مغرب اور عشاء کی نماز مزدلفہ میں ادا کرنا لازمی ہے اگر کوئی شخص مغرب کی نماز عرفات کے میدان کے راستے میں ادا کرے تو نماز کا اعادہ لازمی ہے۔

قال العلامة الحصکفیؒ: ولو صلی المغرب والعشاء فی الطریق او فی عرفات اعادہ۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۲ ص۵۰۹ کتاب الحج ، مطلب فی اجابة الدعاء) [2]

عرفات میں جمع تاخیر کی صورت میں ظہر اور عصر ایک ساتھ پڑھنے کا حکم

سوال:۔ اگر عرفات میں امام حج کی نماز پڑھانے کے بعد چند آدمی اکٹھے ہو کر جمع تقدیم یعنی ظہر اور عصر کی نماز باجماعت پڑھنا چاہیں تو کیا وہ ایسا کر سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب:۔ احناف کے ہاں عرفات کے میدان میں جمع تقدیم کے لیے چند شرائط کا ہونا ضروری ہے: (۱) احرام (۲) عرفات کا میدان (۳) عرفہ کا دن (۴) امام اعظم یا ان کا نائب۔ ان شرائط میں سے اگر ایک بھی نہ پائی جائے تو نماز صحیح نہیں ہوگی، لہٰذا صورتِ مسئولہ میں نماز درست نہیں ہے، البتہ اگر اپنے اپنے اوقات میں اکیلے پڑھی جائے تو کوئی حرج نہیں۔

قال العلامة علاؤ الدین الحصکفی رحمہ اللہ: وشرط لصحة ھذا الجمع الامام الاعظم

---

[1] قال العلامة حسن بن عمار الشرنبلالیؒ: ویستحب اخذ الجمار من المزدلفة او من الطریق ویکرہ من الذی عند الجمرة۔ (مراقی الفلاح علی صدر الطحطاوی ص۴۰۵ فصل فی کیفیة افعال الحج)

[2] وفی الھندیة: ولو صلی المغرب بعد غروب الشمس قبل ان یأتی المزدلفة فعلیه ان یعیدھا اذا اتی بمزدلفة فی قول ابی حنیفةؒ ومحمدؒ الخ (الفتاوی الھندیة ج ۱ ص۲۳۰ فصل فی کیفیة اداء الحج)

اوناثبہ والاصلوا وحدانًا۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۲ ص۵۰۲ کتاب الحج مطلب فی شروط الجمع بین الصلوتین)[1]

مزدلفہ میں مغرب اور عشاء کی نماز جمع تاخیر میں پڑھنا

سوال:۔ عرفات سے مزدلفہ جانے کے بعد اگر چند لوگ اکٹھے ہوکر مغرب اور عشاء کی نماز ایک وقت جمع تاخیر کے ساتھ پڑھیں تو کیا ان کی یہ جمع بین الصلوتین صحیح ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ احناف کے ہاں عرفات میں جمع تقدیم کے اندر امام کا ہونا ضروری ہے مگر مزدلفہ میں یہ شرط نہیں ہے' اس لیے اگر چند آدمی اکٹھے ہوکر مزدلفہ میں جمع بین الصلوتین یعنی مغرب اور عشاء کی نماز ایک وقت میں پڑھیں تو جائز اور صحیح ہے۔

قال العلامة الحصكفیؒ: كما لا احتیاج طهنا للامام۔ قال ابن عابدینؒ: وشرائط هذا الجمع[لا] احرام بالحج وتقدیم الوقوف علیه الزمان والمكان والوقت الخ (رد المحتار ج۲ ص۵۰۹ کتاب الحج مطلب فی اجابة الدعاء)[2]

میلے احرام کو تبدیل کرنے کا حکم

سوال:۔ اگر کسی شخص کا احرام بہت گندا ہو جائے تو کیا وہ احرام بدل سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ حج میں احرام باندھنا ضروری امر ہے چاہے ایک ہی احرام باندھ کر حج ادا کرے یا تبدیل کرکے مناسکِ حج ادا کرتا ہے' اس تبدیلیٔ احرام کی وجہ سے حج پر کچھ اثر نہیں پڑتا۔

تلبیہ جہراً پڑھے یا سرًا' کیا مرد اور عورت دونوں اس میں یکساں ہیں؟

سوال:۔ کیا عمرہ یا حج کی نیت کرنے اور احرام باندھنے کے بعد تلبیہ بآواز بلند پڑھا جائے یا کہ آہستہ؟ کیا تلبیہ کا یہ حکم مرد و عورت دونوں کے لیے ایک ہی ہے یا الگ الگ؟

---

[1] وفی الهندیة: ومنها ان یكون الامام هو الامام الاعظم او نائبه وهو شرط عند ابی حنیفةؒ فلو صلی الظهر بجماعة لا مع الامام والعصر مع الامام لم یجز العصر عند ابی حنیفةؒ والصحیح قوله۔ (الفتاوی الهندیة ج۱ ص۲۲۸ فصل فی كیفیة اداء الحج)

[2] قال الشیخ اشرف علی التھانویؒ: اس سے معلوم ہوا کہ جمع میں امام اور جماعت شرط نہیں' پس اگر فرادیٰ پڑھیں یا چند آدمی جمع ہو کر جماعت سے پڑھیں ہر طرح صحیح ہے۔ (امداد الفتاوی ج۲ ص۱۷۰ کتاب الحج)

الجواب:۔ حج یا عمرہ کی نیت کرنے اور احرام باندھنے کے بعد بلند آواز سے تلبیہ پڑھا جائے لیکن زیادہ چیخنے چلانے (جہر مفرط) کی بجائے اعتدال یعنی درمیانی آواز سے تلبیہ پڑھا جائے، البتہ عورت اس انداز سے تلبیہ پڑھے کہ خود سُن سکے۔

قال العلامة برهان الدين المرغيناني:۔ ویرفع صوته بالتلبية لقوله عليه السلام افضل الحج العج والثج فالعج رفع الصوت بالتلبية۔ قال ابن همام: قوله ويرفع صوته بالتلبية وهو سنة فان تركه كان مسيئاً ولا شئ عليه ولا يبالغ فيه فيجهد نفسه۔ (فتح القدير ج۲ ص۳۴۵ باب الاحرام) [1]

احرام باندھنے سے قبل ناخن وغیرہ کاٹنا

سوال:۔ کیا احرام باندھنے سے قبل ناخن کاٹنا، مونچھیں اور دیگر غیر ضروری بال صاف کرنا لازمی ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ ایسا کرنا لازمی تو نہیں البتہ مستحب یہ ہے کہ احرام باندھنے سے قبل ناخن کاٹ لیے جائیں، مونچھیں اور دیگر غیر ضروری بال صاف کرلینے چاہئیں اور اس کے بعد وضو یا غسل کر کے احرام باندھا جائے۔

قال العلامة عبد الله بن مودود الموصلي رحمه الله: واذا اراد ان يحرم يستحب له ان يقلم اظفاره ويقص شاربه ويحلق عانته وهو المتوارث لانه انظف للبدن فكان احسن ثم يتوضأ او يغتسل وهو افضل۔
(الاختيار لتعليل المختار ج۱ ص۱۴۳ کتاب الحج) [2]

---

[1] قال العلامة عثمان الزيلعي رحمه الله:۔ قال النخعي كان السلف يستحبون التلبية في هذه الاحوال ولان التلبية في الحج بمنزلة التكبير في الصلوٰة اوّلها شرط وباقيها سنة فيأتي بها عند الانتقال من حال الى حال ويرفع بها صوته. اھ
(تبيين الحقائق ج۲ ص۱۱ باب الاحرام)

[2] قال العلامة علاؤ الدين الحصكفي رحمه الله: وكذا يستحب لمريد الاحرام ازالة ظفره وشاربه وعانته وحلق رأسه ان اعتاده والافيسرحه اھ
(الدر المختار على صدر رد المحتار ج۲ ص۱۸۱ کتاب الحج)

قصر کی مقدار کا مسئلہ

سوال:۔ حج کے دوران سر کے بال کٹوانے کی مقدار کتنی ہے؟

الجواب:۔ حج اور عمرہ کے احرام سے نکلنے کے لیے حلق وقصر دونوں جائز ہیں البتہ حلق افضل ہے اور عورت کے لیے حلق نہیں بلکہ مرد اور عورت کے لیے ایک بند انگشت کی مقدار تمام سر سے بال کتروانا ضروری ہے، اور اس طریقہ کو قصر کہتے ہیں۔

قال العلامة ابن العلاء الانصاریؒ: اما المرأة فلا علیها ولکنها تقصر باخذ شئ من اطراف الشعر مقدار انملہ والا فضل لها ان تقصر من کل شعرة مقدار انملہ وان قصرت بعض رأسها وترکت البعض اجزاها اذا کانت ما قصرت مقدار ربع رأس فصاعداً وان کان اقل من ذلک لا یجزیها اعتباراً لتقصیر فی حقها بالحلق وفی حق الرجال۔

(الفتاوی التاتارخانیة ج۲ ص۴۷۳ الفصل الرابع عشر فی الحلق والقصر)[1]

حج اور نکاح کی تقدیم وتاخیر کا مسئلہ

سوال:۔ ایک آدمی کے پاس اتنا مال ہے کہ وہ حج کے لیے جا سکتا ہے مگر وہ شادی کا بھی خواہشمند ہے، تو کیا یہ شخص پہلے شادی کرے یا حج کے لیے جائے شرعاً کیا حکم ہے؟

الجواب:۔ اگر موصوف اپنے جذبات کو قابو میں رکھ سکتا ہو اور زنا میں مبتلا ہونے کا اندیشہ نہ ہو تو اس کے لیے حج کی ادائیگی شادی پر مقدم ہے، اور اگر کسی فتنے میں مبتلا ہونے کا خوف قوی ہو تو پھر اس کیلئے شادی کرنا حج پر مقدم ہے۔

قال العلامة ابن عابدینؒ: (قوله فی الاشباہ) المسئلة منقولة عن ابی حنیفةؒ فی تقدیم الحج علی التزویج ----- ولذا اعترضه ابن کمال باشا فی شرحه الهدایة بانه حال التوقان مقدم علی الحج انما قالوا فی ترکه امرین ترک الفرض والوقوع علی الزنا وجواب ابی حنیفةؒ فی غیر حال التوقان۔

(رد المحتار ج۲ ص۱۹۷ کتاب الحج)

---

[1] قال صاحب البحرؒ: والمراد بالتقصیر أخذ الرجل أو المرأة من رؤس شعر ربع رأس مقدار انملہ۔ (البحر الرائق ج۲ ص۳۲۶ باب الاحرام)

وَمِثْلُهُ فی الهندیة ج۱ ص۲۳۱ الباب الثالث فی الاحرام۔

استفتاء

حج کے متعلق چند سوالات
اور
اُن کے جوابات

ہم چند خادمانِ حرم شریف کو چند مسائل کے بارے میں کافی تشویش ہے، امید ہے کہ آنجناب ان سوالات کے جوابات تفصیل سے ارسال فرمائیں گے۔

(۱) تقریباً سات سو افراد نے (جو کہ سعودی عرب جا رہے تھے) اسلام آباد سے احرام نہیں باندھا کیونکہ کمپنی والوں نے احرام باندھنے کی اجازت نہیں دی، کمپنی والوں نے تیسرے دن ہمیں عمرہ کی اجازت دیدی، چونکہ اس میں ہمارا اپنا اختیار نہیں تھا، تو کیا ہم پر دم واجب ہے یا نہیں؟

(۲) کمپنی والے ہمیں مدینہ منورہ زیارت کے لیے لے گئے واپسی پر ہم نے احرام باندھا اور عمرہ ادا کیا، یہ حج افراد ہے یا تمتع؟ عمرہ شوال میں ادا کیا۔

(۳) بعض افراد نے احرام نہیں باندھا اور مدینہ منورہ سے شوال میں واپسی عمرہ نہیں کیا کیونکہ ان کا خیال یہ تھا کہ اگر ہم نے احرام باندھ لیا تو ہم پر قربانی واجب ہوگی۔ تو کیا ان افراد پر دم واجب ہو گیا ہے یا نہیں؟

(۴) جن لوگوں نے مدینہ منورہ سے واپسی پر عمرہ کیا تو ان کا کون سا حج ہوگا اور جن لوگوں نے احرام باندھا ہی نہیں تو ان پر کون سا حج واجب ہوگا؟

(۵) کیا ہم خادمانِ حرم شریف پر قربانی واجب ہے یا نہیں؟ کیونکہ ہم یہاں صرف چار ماہ کے لیے آئے ہیں۔

(۶) اگر کسی پر دم واجب ہو گیا اور وہ غریب ہے تو وہ متبادل مسئلے کے مطابق کیا کرے گا؟

(۷) اے (A) شفٹ والے صبح چھ بجے سے لے کر ڈھائی بجے تک حرم شریف میں ڈیوٹی کرتے ہیں، وہ کس طریقے سے حج کر سکتے ہیں؟

بی (B) شفٹ ڈھائی بجے دن سے لے کر رات ساڑھے دس بجے تک ہوتی ہے، وہ کس

طریقے سے حج کر سکتے ہیں؟

س (ح) شفٹ رات ساڑھے دس بجے سے لے کر صبح چھ بجے تک ہوتی ہے، اس شفٹ والے کس طریقے سے حج کر سکتے ہیں؟

الجواب (۱) بغیر احرام کے دخولِ حرم سخت گناہ ہے اور ایسی صورت میں توبہ اور آفاق کی کسی میقات پر واپس جاکر حج یا عمرہ کا احرام باندھنا واجب ہے، اگر واپس نہ ہوا اور وہیں سے احرام باندھا تو گنہگار ہوگا اور دم واجب ہوگا۔ البتہ اگر اسی سال آفاق کی کسی بھی میقات پر جاکر حج یا عمرہ کا احرام باندھ لیا یا حرم میں احرام باندھ لیا مگر طواف کا ایک شوط پورا کرنے سے قبل کسی میقات پر جاکر تلبیہ کہہ کر حج یا عمرہ کر لیا تو دم ساقط ہو جائے گا۔ اس حج یا عمرہ میں بدون احرام تجاوز کی وجہ سے واجب کی ادائیگی کی نیت ضروری نہیں بلکہ حج یا عمرہ نفل یا نذر یا حج فرض، جو نیت بھی کرے گا اس سے بدون احرام تجاوز کے واجب ادا ہو جائے گا اور اگر اس سال آفاق کی کسی میقات سے حج یا عمرہ نہیں کیا بلکہ دوسرے سال کیا تو دم ساقط نہ ہوگا البتہ تجاوز کی وجہ سے جو نسک واجب ہوا تھا وہ ادا ہو جائے گا اگرچہ نفل یا نذر یا فرض کی نیت کی ہو۔

فتاویٰ قاضی خان میں ہے: ولو دخل آفاقی مکة بغیر احرام ثم رجع الی المیقات فی تلک السنة واحرم بحجة الاسلام سقط عنه ما کان واجبا بالمجاوزة ودخول مکة بغیر احرام عندنا وان لم یخرج من مکة حتی مضت السنة ثم خرج الی المیقات فی السنة الثانیة واحرم بحجة الاسلام وحج یجزیه حجة الاسلام ولا یسقط عنه الدم الذی کان واجبا علیه فی العام الاول۔

(فتاویٰ قاضی خان علی ھامش الھندیة ج۱ ص۲۸۷)

اور ھدایہ میں ہے، واذا اتی الکوفی بستان بنی عامر فاحرم بعمرة فان رجع الی ذات عرق ولبی بطل عنه دم الوقت۔ وفی ھامشه قوله الی ذات عرق التخصیص به بالنظر الی حال الکوفی والا فالرجوع الیه والی غیرہ من مواقیت الآفاقیین سواء فی سقوط الدم فی ظاھر الروایة۔ (ج۱ ص۲۶۸ باب مجاوزة الوقت بغیر احرام)

اور مواقیت الآفاق یہ ہیں: ذو الحلیفہ، ذات عرق۔ جحفہ، قرن یلملم۔

یہ ہیں آفاقی کے مواقیت، اور میقاتی کا میقات وہ زمینِ حل ہے جو حرم اور میقات کے درمیان ہو، اور مکی کا میقات حج کے لیے حرم ہے اور عمرہ کیلئے زمین حل۔ (فتاویٰ علائیہ ج۲ ص۱۶۸ تا ۱۶۹)

اور عذر من جہت العباد مسقطِ دم نہیں ہے۔
اور مسائلِ حج لسیدی مولانا المفتی الاعظم مولانا مفتی محمد فرید صاحب مدظلہ میں ہے کہ :۔
مسئلہ : اگر ایک محرم میقات سے احرام کی نیت نہ کرے اور اس سے آگے دوسرا میقات ہو تو دوسرے میقات سے احرام باندھے گا اور اگر دوسرا میقات نہ ہو اور احرام باندھ لیا تو طواف شروع کرنے سے پہلے ایک میقات کی طرف واپس لوٹے گا، اگر واپس نہ ہوا تو دم واجب ہے۔ (شرح لباب وغیرہ ، مسائلِ حج پشتو ص ۹۳)

فائدہ : ایسا ڈرائیور یا ملازم جو خارج میقات سے حرم یا مکہ مکرمہ کو کثرت سے جایا کرتا ہے تو اس کے لیے ہر بار عمرہ کرنا ضروری ہے، اور جتنی دفعہ بغیر احرام کے ارضِ حرم یا مکہ مکرمہ میں داخل ہوا اتنی دفعہ عمرے اور دم اس پر واجب ہوئے۔

اور صدرالشریعہ اور صاحبِ دُرر اور صاحبِ ایضاح فرماتے ہیں کہ جس آدمی کا حج یا عمرے کا ارادہ نہ ہو تو وہ زمینِ حرم اور مکہ معظمہ بغیر احرام کے آمد و رفت کر سکتا ہے، لیکن محققین احناف نے ان کی تغلیط کی ہے۔ (شرح لباب وغیرہ)

(۲) ھندیہ میں ہے : ولو احرم لعمرة قبل اشھر الحج فقضاھا وتحلل بمکۃ فاحرم بعمرة ثم حج من عامہ ذٰلک لم یکن متمتعا فان کان حین فرغ من الاولیٰ خرج فجاوز المیقات قبل اشھر الحج ناھل منہ لعمرة فی اشھر الحج وحج من عامہ فھو متمتع وان کان جاوز المیقات فی اشھر الحج لم یکن متمتعاً الا اذا خرج الی اھلہ ثم اعتمر ثم حج من عامہ عند ابی حنیفۃ وعندھما ھو متمتع جاوز المیقات قبل اشھر الحج او بعدہ، ھکذا فی محیط سرخسی۔ (الفتاویٰ الھندیۃ ج ۱ ص ۲۴۰ باب العمرة۔ کتاب الحج)

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ آپ خدام مکہ مکرمہ میں قیام اور عمرہ کی ادائیگی کی صورت میں اگر مدینہ منورہ کو شوال سے پہلے چلے گئے ہوں اور شوال (یعنی اشہرِ حج) میں مدینہ منورہ سے عمرہ ادا کیا ہو اور پھر اسی سال آپ لوگ حج بھی ادا کریں تو پھر تمہارا حج حجِ تمتع ہوگا اور اگر آپ لوگ شوال ہی میں مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ چلے گئے ہوں اور مدینہ منورہ سے شوال میں عمرہ کر چکے ہوں اور پھر حج بھی کریں تو آپ لوگ امام ابوحنیفہؒ کے مذہب کے مطابق متمتع نہ ہوں گے اور امام محمدؒ اور امام ابویوسفؒ کے مذہب کے مطابق متمتع ہوں گے۔

(۳) جن حضرات نے شوال میں مدینہ منورہ سے عمرہ کیا ہے وہ سوالِ ثانی کا جواب ملاحظہ کریں اور جنہوں نے مدینہ منورہ سے عمرہ نہیں کیا ہے اور بغیر احرام کے مکہ مکرمہ آئے ہیں وہ سوالِ اول کا جواب ملاحظہ کریں۔

(۴) جن لوگوں نے شوال سے پہلے مدینہ منورہ جاکر وہاں سے شوال یعنی اشہرِ حج میں عمرہ کیا ہے اور اس سال حج بھی کرلیں تو ان کا حج بالاتفاق تمتع ہے اور شوال یعنی اشہرِ حج میں مدینہ طیبہ جاکر مدینہ طیبہ سے اشہرِ حج میں عمرہ کیا گیا ہو اور پھر حج کیا جائے تو یہ حج تمتع نہ ہوگا، اور یہ امام ابوحنیفہؒ کا مسلک اور مذہب ہے، اور امام محمدؒ اور امام ابویوسفؒ کے نزدیک یہ حج بھی حج تمتع ہے اور جو لوگ مدینہ منورہ سے بغیر احرام کے مکہ مکرمہ آئے ہیں ان کا حج حجِ تمتع نہیں، البتہ ان کے ذمہ سابقہ تفصیل کے مطابق میقات سے بغیر احرام کے تجاوز کی وجہ سے دم لازم آئے گا، اور اس صورت میں بھی اگر اشہرِ حج سے پہلے آفاق کی کسی میقات سے تجاوز کیا جائے اور پھر اسی میقات سے اشہرِ حج میں عمرہ کیا جائے اور اسی سال میں حج بھی کیا جائے تو یہ بھی بالاتفاق تمتع حج تمتع ہوگا، اور اگر اشہرِ حج میں تجاوز کیا گیا ہو اور اسی میقات سے عمرہ کیا جائے اور اسی سال میں حج بھی کیا جائے تو یہ حج امام صاحبؒ کے نزدیک تمتع نہیں اور صاحبینؒ کے نزدیک تمتع ہے ــــ

اب ملاحظہ ہو ھندیہ کی وہ عبارت جو جوابِ ثانی کی ابتداء میں درج کی گئی ہے اور تمتع کی تعریف بھی ملاحظہ ہو اور وہ یہ ہے: والمتمتع من یاتی بافعال العمرۃ فی اشہر الحج او یطوف اکثر طوافہا فی اشہر الحج ویحج من عامہ ذٰلک قبل ان یلم باھلہ بینھما المامًا صحیحًا سواء حل من احرامہ الاول اولا۔ (الفتاوی الہندیۃ ج ۱ ص ۲۳۸) نیز "غنیۃ المناسک" کی یہ عبارت ملاحظہ ہو: التاسع ان لا یدخل علیہ اشہر الحج وھو حلال بمکۃ او ماحولھا او محرم طاف للعمرۃ اکثرہ قبلھا حتی لو احرم بعمرۃ اخری وحج من عامہ لا یکون متمتعا الا ان یعود الی اھلہ فیحرم بھا فیکون متمتعا اتفاقًا والی خارج المیقات فیکون متمتعًا عندھما۔ (غنیۃ المناسک ص ۱۱۴)

(۵) ہندیہ میں ہے: ولا تجب علی المسافر ولا علی الحاج اذا کان محرمًا وان کان من اھل مکۃ، کذا فی شرح الطحاوی۔ (الفتاوی الہندیۃ ج ۵ ص ۲۹۳)

اس روایت سے معلوم ہوا کہ وہ حاجی جو حج کے احرام میں ہو اس پر قربانی واجب نہیں اگرچہ مکہ میں مقیم ہو، اور دوسرا قول اس مسئلہ مذکورہ کی مخالفت میں یہ ہے کہ مکی اور مکہ میں مقیم پر

قربانی واجب ہے اگرچہ وہ حج کے احرام میں ہو۔

فتاویٰ علائیہ میں ہے: (فتجب ای التضحیۃ) علیٰ حر مقیم فلا تجب علیٰ حاج مسافر فاما اہل مکۃ فتلزمھم وان حجوا وقیل لا تلزم المحرم۔ سراج وفی رد المحتار قولہ (وقیل لا تلزم المحرم) وان کان من اہل مکۃ جوھرۃ عن الخجندی وحملہ فی الشرنبلالیۃ علی المسافر وفیہ نظر ظاہر۔ (فتاویٰ علائیہ ج ۵ ص ۲۲۲)

(۵) مگر میرے شیخ اور مربی سیدی حضرت مفتی اعظم مفتی محمد فرید صاحب دامت برکاتہم قول اول کو پسند فرمایا کرتے ہیں۔

(۶) رد المحتار میں ہے: تحت شرح قول صاحب الدر المختار: الواجب دم علی محرم بالغ۔ الخ

(تنبیہ) فی شرح النقایۃ للقاری ثم الکفارات کلھا واجبۃ علی التراخی فیکون مؤدیا فی ای وقت وانما یتضیق علیہ الوجوب فی اٰخر عمرہ فی وقت یغلب علیٰ ظنہ انہ لو لم یؤدہ لفات فان لم یؤد فیہ حتیٰ مات اثم وعلیہ الوصیۃ ولو لم یوص لم یجب علی الورثۃ ولو تبرعوا عنہ جاز الا الصوم۔ وفیہ ایضاً (قولہ ولو ناسیاً) قال فی اللباب ثم لا فرق فی وجوب الجزاء بینما اذا جنی عامدا او خاطئاً مبتدئاً او عائداً ذاکراً او ناسیاً عالماً او جاھلاً طایعاً او مکرھا نائماً او منتبھاً سکراناً او صاحیا مغمی علیہ او مفیقا موسراً او معسراً بمباشرتہ او مباشرۃ غیرہ بامرہ۔ (ج ۲ ص ۲۱۷ باب الجنایات۔کتاب الحج)

ان عبارات وروایات سے معلوم ہوا کہ غریب کے لیے بھی دم دینا ضروری ہے البتہ دم دینے میں اتنی سہولت ہے کہ علی الفور ضروری نہیں بلکہ اگر موت سے پہلے پہلے دے دیا تو بھی اس سے ذمہ فارغ ہو جائے گا۔

(۷) یہ تو آپ اور کمپنی والوں پر منحصر ہے کہ کمپنی والے آپ لوگوں کی اتنی رعایت تو کریں کہ آپ لوگ کم از کم ضروریات حج تو ادا کر سکیں۔

(وھو الموفق)



باب التمتع والقران

(حج قران وتمتع کے مسائل واحکام)

حج تمتع میں قربانی نہ کرنے کا حکم

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ زید نے حج تمتع کے ارادہ سے سفر کیا لیکن بعض اعذار کی وجہ سے قربانی نہ کرسکا، اب اس قربانی کا نقصان مکہ مکرمہ ہی میں قربانی کرنے سے پورا ہوگا یا اپنے وطن میں بھی قربانی کرسکتا ہے۔

الجواب: متمتع پر چونکہ قربانی کرنا واجب ہے اور اگر کسی شرعی عذر کی بناء پر قربانی نہ کرسکا تو حج کے بعد اس شخص کو دو قربانیاں کرنی ہوں گی اور دونوں قربانیاں مکہ مکرمہ میں ہی کرنی ہیں اصالتاً کرے یا وکالتاً، چاہے جن ایام میں ہو۔

قال ابن نجیم المصریؒ: فلو لم یقدر علی الھدی تحلل وعلیہ دمان دم التمتع ودم التحلل قبل الھدی۔ (البحرالرائق ج۲ ص۳۶۱ باب القران)[1]

متمتع اور قارن کا قربانی سے پہلے حلق کرنا

سوال: متمتع یا قارن اگر قربانی سے پہلے حلق کرے تو اس کا شرعی حکم کیا ہے؟

الجواب: اگر مفرد بالحج ہو تو دم واجب نہیں کیونکہ جنایت نہیں ہوا، اور اگر متمتع یا قارن ہو تو قربانی سے قبل حلق کرنے سے دم واجب ہوا اور اس پر زمینِ حرم میں ہی قربانی کرنی پڑے گی۔

قال ابن نجیمؒ: فان حلق القارن قبل ان یذبح فعلیہ دمان عند ابی حنیفۃؒ دم بالحلق فی غیر اوانہ لان اوانہ بعد الذبح ودم بتاخیر الذبح عن الحلق وعندھما یجب علیہ دم واحد ھو الاول۔ (البحرالرائق ج۲ ص۳۶۱ باب القران)[2]

---

[1] قال العلامۃ الحصکفیؒ: فلو لم یقدر تحلل وعلیہ دمان۔ قال ابن عابدینؒ: فی قولہ دمان دم التمتع ودم التحلل قبل اوانہ۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۲ ص۵۳۳ کتاب الحج، باب القران)

وَمِثْلُہٗ فی الھدایۃ ج۲ ص۲۲۰ باب القران۔

[2] لما قال ابن ہمامؒ: قال محمدؒ فی الروایۃ دم للقران ودم للحلق قبل ان یذبح الا تری ان المفرد لو حلق قبل ان یذبح لم یلزمہ شئ بالاتفاق لعدم استلزامہ لتاخیر الواجب۔ (فتح القدیر ج۲ ص۴۲۳ باب الجنایات)

وَمِثْلُہٗ فی رد المحتار ج۲ ص۵۵۵ باب الجنایات۔

حج قران وتمتع کی تعریف

سوال:۔ زید نے اگر سفر حج میں عمر کی طرف سے عمرہ ادا کیا تو کیا یہ صحیح ہے یا نہیں، اگر صحیح ہے تو کیا زید حج ادا کرنے تک احرام میں رہے گا یا اس سے پہلے بھی حلال ہو سکتا ہے؟

الجواب:۔ زید نے اگر عمرے کا ثواب عمر کو بخش دیا تو صحیح ہے اور اشہر حج میں عمرہ کر کے احرام سے نکلنے کے بعد حج کے لیے دوبارہ احرام باندھے تو شریعت کی اصطلاح میں یہ شخص متمتع کہلاتا ہے اور اگر یہ دونوں ایک احرام سے کرے تو قران ہے اور اس پر دم شکر واجب ہوگا۔

کمافی الهندیة: هو ان یجمع بین احرامی الحج والعمرة من المیقات او قبله فی اشهر الحج او قبلها. هکذا فی معراج الدرایة والمتمتع من یأتی باعمال العمرة فی اشهر الحج او یطوف اکثر طوافها فی اشهر الحج ثم یحرم بالحج ویحج من عامه۔ (الفتاوی الهندیة ج۱ ص۲۳۶ الباب السابع فی القران والتمتع) [1]

متمتع کے لیے عمرہ کرنے کے بعد حج کا احرام باندھنے کی جگہ

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ متمتع عمرہ سے فارغ ہونے کے بعد حج کا احرام کہاں سے باندھے گا؟

الجواب:۔ متمتع جب عمرہ سے فارغ ہو کر حلال ہو جائے تو جب حج کے لیے احرام باندھنے کا ارادہ کرے تو مکہ مکرمہ اور تمام زمینِ حرم سے احرام باندھ سکتا ہے۔

قال الحصکفیؒ: قال فی اللباب والافضل ان یحرم من المسجد ویجوز من جمیع الحرم ومن مکة افضل من خارجها۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۲ ص۵۳۷ باب التمتع) [2]

---

[1] قال العلامة ابن العلاء الانصاریؒ: والقارن هو الجامع بین الحج والعمرة سواء احرم بهما معاً او احرم بالحجة واضاف الیها العمرة وعلیه دم الشکر لما انعم الله علیه من التوفیق للجمع بین العبادتین بسفر واحد۔ (الفتاوی التاتارخانیة ج۱ ص۵۲۶ الفصل التاسع فی القارن)

وَمِثْلُهٗ فی البحر الرائق ج۲ ص۳۵۷ باب القران۔

[2] قال الشیخ ابن الهمامؒ: فاذا کان یوم الترویة احرم بالحج من المسجد۔ هدایة وفی فتح القدیر والمسجد لیس بلازم بل هو افضل ومکة افضل من غیرها من الحرم۔

(فتح القدیر ج۲ ص۴۲۳ باب التمتع)

وَمِثْلُهٗ فی البحر الرائق ج۲ ص۳۶۳ باب التمتع۔

حج تمتع کرنے والے کے لیے عمرہ کے بعد احرام کھولنے کا حکم

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ پاکستان سے کچھ حجاج کرام حج تمتع کے ارادہ سے شعبان میں مکہ مکرمہ گئے اور عمرہ کرنے کے بعد حلال ہو گئے، رمضان کا مہینہ انہوں نے بیت اللہ ہی میں گذارا، شوال کے مہینے میں زیارت نبوی کے ارادے سے مدینہ منورہ چلے گئے، واپسی پر پھر عمرہ کا احرام باندھا، تو اب عمرہ کرنے کے بعد انہیں احرام کھولنے کی اجازت ہے یا نہیں یا حج تک وہ اسی احرام میں رہیں گے؟

الجواب:۔ مدینہ منورہ سے واپسی پر اگر کوئی شخص حج تمتع کا ارادہ رکھتا ہو تو ذوالحلیفہ والے احرام سے عمرہ کرکے بعد میں احرام کھول دے اور اس کے بعد حج کے لیے احرام باندھے جو کہ واجب ہے۔

قال ابن نجیم المصریؒ: و لم یقید احرامها باشهر الحج لانه لیس بشرط لکن اداء اکثر طوافها فیها شرط فلو طاف الاقل فی رمضان مثلاً ثم طاف الباقی فی الشوال ثم حج من عامه کان متمتعاً۔ (البحر الرائق ج۲ ص۳۶۲ کتاب الحج)[1]

میقات میں رہنے والے کیلئے حج تمتع اور قران کا حکم

سوال:۔ جو شخص میقات کے اندر رہتا ہو وہ حج تمتع اور قران کر سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ قران اور تمتع ہر اُس شخص کے لیے ہے جو میقات سے باہر رہتا ہو لہٰذا جو شخص میقات کے اندر رہتا ہو وہ تمتع اور قران نہیں کر سکتا وہ صرف حج یا صرف عمرہ کرے گا۔

قال العلامة التمرتاشیؒ: والمکی ومن فی حکمه ای من اهل داخل المواقیت یفرد فقط ولو قرن او تمتع جاز واساء وعلیه دم جبر۔ (تنویر الابصار علی صدر رد المحتار ج۲ ص۵۳۹ باب التمتع)[2]

---

[1] وفی الهندیة: ولیس من شرائط التمتع وجود الاحرام بالعُمرة فی اشهر الحج بل اداؤها فیها او اداء اکثر طوافها۔ (الفتاوی الهندیة ج۱ ص۲۳۹ الباب السابع فی القران والتمتع)

وَمِثلُهٗ فی التاتارخانیة ج۲ ص۵۳۱ الفصل العاشر فی التمتع۔

[2] وفی الهندیة: ولیس لاهل مکة تمتع ولا قران وانما لهم الافراد خاصة۔ کذا فی الهدایة و کذلک اهل المواقیت۔ (الفتاوی الهندیة ج۱ ص۲۳۹ الباب السابع فی القران والتمتع)

وَمِثلُهٗ فی الهدایة ج۱ ص۲۴۳ باب القران والتمتع۔

حج تمتّع کی نیّت کرنے کے بعد حج قران کی نیّت کرنا

سوال:۔ اگر کوئی شخص پاکستان سے حج تمتّع کی نیّت سے مکہ مکرمہ جائے مگر وہاں پہنچ کر عمرہ کرنے کے بعد مدینہ منورہ جا کر وہاں سے حج قران کی نیّت کرے تو کیا یہ شخص حج قران کر سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ صاحبینؒ کے نزدیک جب محرم حدودِ حرم سے نکل جائے تو اس کی حیثیّت آفاقی کی ہوگی، اب اگر وہ تمتّع کی جگہ قران کی نیّت کرے تو حج قران جائز ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کے ہاں حدودِ حرم سے نکل جانے سے نیّتِ تمتّع باطل ہو جاتی ہے اور امام صاحبؒ کے نزدیک خروجِ حرم سے نیّتِ تمتّع باطل نہیں ہوتی اس لیے صورتِ مسئولہ کے مطابق حج قران کی نیّت کرنا جائز نہیں البتہ موجودہ حالات کو مدِ نظر رکھ کر صاحبینؒ کی رائے کو مفتیٰ بہ قرار دینا چاہیئے۔

لما قال العلامة ظفر احمد العثمانیؒ، وھو متمتع ان حج من عامه وکذا لوخرج الی الآفاق لحاجة فقرن لا یکون قارنًا عند ابی حنیفةؒ وعلیه رفض احدھما ولا یبطل تمتعه لان الاصل عندہٗ ان الخروج فی اشھر الحج الی غیر اھله کالاقامة بمکّة فکانه لم یخرج وقرن من مکة اما عندھما فکالرجوع الی اھله فاذا خرج بطل تمتعه ثم اذا قرن من المیقات کان قارنًا۔ (امداد الاحکام ج۲ ص۱۸۱ کتاب الحج)

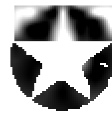
حج تمتّع افضل ہے یا قران؟

سوال:۔ حج تمتّع اور قران میں سے احناف کے ہاں کون سا حج افضل ہے؟

الجواب:۔ حج کی تین قسمیں ہیں (۱) حج افراد (۲) حج تمتّع (۳) حج قران۔ احناف کے ہاں ان تینوں میں سے حج قران افضل ہے اور قران کے بعد حج تمتّع بہتر ہے۔

قال العلامة الحصکفیؒ: باب القران وھو افضل لحدیث اتانی اللیلة من ربی وانا بالعقیق فقال یا آلِ محمد اھلوا بحجة وعمرة معا۔۔۔۔ ثم التمتع ثم الافراد۔

(الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۲ ص۵۳۰ باب القران، کتاب الحج) له



بَابُ الْحَجِّ عَنِ الْغَیْرِ
(حج بدل کے مسائل واحکام)

نفلی حج میں حج بدل کی نیت کرنا ضروری نہیں

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میرے والد صاحب پر حج فرض نہیں تھا اور نہ انہوں نے وصیت کی تھی، اب میں ان کے ایصالِ ثواب کیلئے نفلی حج میں حج بدل کی نیت کروں یا صرف نفلی حج کی؟

الجواب:۔ جب کسی پر حج فرض ہی نہ ہو تو اس کی طرف سے حج بدل بھی نہیں ہوتا لہٰذا اس صورت میں آپ نفلی حج ادا کریں اور اس کا ثواب اپنے والد کو بخش دیں۔

قال العلامۃ ابن عابدینؒ: (بعبادۃ مالہ جعل ثوابہا لغیرہ) ای سواء کانت صلوٰۃ او صوما او صدقۃ او قراءۃ قرآن او ذکرًا او طوافًا او حجًا او عمرۃً او غیر ذلک۔

(ردّ المحتار ج ۲ ص۵۹۵ باب الحج عن الغیر، مطلب فی إهداء ثواب الاعمال الخ) [1]

فوت شدہ آدمی کے لیے نفل حج کا ثواب

سوال:۔ اگر ایک آدمی اپنے فوت شدہ والد کے ایصالِ ثواب کے لیے نفلی حج کرے تو کیا اس کو نفلی حج کا ثواب ملے گا یا نہیں؟

الجواب:۔ ہر نفلی عبادت چاہے بدنی ہو یا مالی، کرنے سے اس کا ثواب کسی فوت شدہ کو بخشنا شرعاً صحیح اور ثابت ہے اور یہی اہل السنۃ والجماعۃ کا عقیدہ ہے، لہٰذا اگر کوئی شخص اپنے فوت شدہ والد کے لیے نفلی حج کر کے اس کا ثواب اُسے بخش دے تو وہ ثواب اس کو پہنچے گا۔

قال العلامۃ ابن نجیم المصریؒ:۔ فان من صام او صلی او تصدق وجعل ثوابہ لغیرہ

---

[1] قال العلامۃ ابن نجیم المصریؒ:۔ فان من صام او صلی او تصدق وجعل ثوابہ لغیرہ من الاموات والاحیاء جاز ویصل ثوابہا الیہم عند اھل السنۃ والجماعۃ کذا فی البدائع۔

(البحر الرائق ج ۳ ص۵۹ باب الحج عن الغیر)

ومثلہٗ فی الہندیۃ ج ۱ ص۲۵۷ الباب الرابع عشر فی الحج عن الغیر۔

من الاموات والاحياء جاز ویصل ثوابها الیهم عند اهل السنۃ والجماعۃ کذا فی البدائع ۔

(البحر الرائق ج ۳ ص ۵۹ باب الحج عن الغیر) [1]

نفلی حج کے لیے والدہ سے اجازت لینے کا حکم

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک آدمی سعودی عرب میں مقیم ہے وہ اپنی بوڑھی والدہ کے لیے نفلی حج کرنا چاہتا ہے جو کہ پاکستان میں رہتی ہے، کیا اُسے اپنی والدہ سے اجازت لے کر پاکستان سے سفرِ حج اختیار کرنا ہوگا یا سعودی عرب سے ہی والدہ کی طرف سے حج ادا کرے؟

الجواب:۔ حج بدل فرضی میں اُس مکان سے بہ نیّتِ حج جانا ضروری ہے جہاں پر رہتا ہو، البتہ اگر کوئی کسی کی طرف سے نفلی حج کا ارادہ کرے تو اس میں اجازت لینا ضروری نہیں اور نہ ہی صورتِ مسئولہ کے مطابق پاکستان آنے کی ضرورت ہے، لہٰذا آپ اپنی والدہ کی طرف سے بغیر اُن کی اجازت کے سعودی عرب سے ہی نفلی حج کرسکتے ہیں ۔

وفی الهندیة: الآمر بالحج فلا یجوز حج الغیر عنه بغیر أمره الا الوارث ۔ هندیة ففی الحج النفل تجوز النیابة حالة القدرة لأن باب النفل اوسع کما فی سراج الوهاج ۔ (الفتاویٰ الهندیه ج ۱ ص ۲۵۷ الباب الخامس عشر فی الوصیة بالحج) [2]

نفلی حج کے لیے پاکستان آنا ضروری نہیں

سوال:۔ اگر کوئی آدمی اپنے فوت شدہ والدین یا کسی رشتہ دار کے لیے نفلی حج کرتا ہے اور وہ ابوظہبی میں ملازم ہے تو کیا وہ ابوظہبی سے ہی نفلی حج کیلئے جاسکتا

---

[1] ان الانسان ان یجعل ثواب عمله لغیره صلوٰة کان او صوماً او صدقة او غیرها کالحج ۔ الخ
(الفتاویٰ الهندیة ج ۱ ص ۲۵۷ الباب الرابع عشر فی الحج عن الغیر)
وَمِثْلُهٗ فی التاتارخانیة ج ۲ ص ۵۲۵ الفصل الخامس عشر فی الرجل یحج عن الغیر ۔

[2] قال العلامة ابن نجیم المصری رحمه الله: وانما شرط غیر المنوب للحج الفرض لا النفل لجواز الانابة مع القدرة فی حج النفل لأن المقصود منه الثواب ۔
(البحر الرائق ج ۳ ص ۶۲ باب الحج عن الغیر)
وَمِثْلُهٗ فی التاتارخانیة ج ۲ ص ۵۲۵ الفصل الخامس عشر فی الرجل یحج عن الغیر ۔

ہے یا اس کے لیے پاکستان آنا ضروری ہے؟

الجواب:۔ کسی فوت شدہ کے ایصالِ ثواب کے لیے نفل حج ممنوع نہیں اور نہ اس کے لیے صورتِ مسئولہ کے مطابق ابوظہبی سے پاکستان آنا ضروری ہے بشرطیکہ فوت شدہ آدمی نے وصیت نہ کی ہو تو فوت شدہ کی طرف سے نفلی حج کرنے والا جہاں بھی ہو وہیں سے مکہ مکرمہ جا کر حج کرے تو صحیح ہے، کیونکہ نفل حج کی صورت میں توسیع ہے البتہ حج بدل وصیت کی صورت میں ہو تو پھر پاکستان آنا ضروری ہے۔

وفی الهندية: ففی الحج النفل تجوز نیابة حال القدرة لان باب النفل اوسع کما فی السراج الوهاج۔ (الفتاوی الهندية ج ۱ ص۲۵۷ الباب الرابع عشر فی الحج عن الغیر) [۱]

غریب آدمی سے حج بدل کرانا

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک شخص غریب و نادار ہے جسے ایک صاحبِ ثروت حج بدل کے لیے بھیج رہا ہے، کیا کسی غریب و نادار کو جس نے خود حج نہیں کیا ہو حج بدل کے لیے بھیجنا جائز ہے یا اس کیلئے کسی ایسے شخص کا انتخاب ضروری ہے جس نے خود حج کیا ہو؟

الجواب:۔ بہتر یہ ہے کہ حج بدل کے لیے کسی ایسے آدمی کو بھیجا جائے جس نے خود فریضۂ حج ادا کیا ہو، لیکن باوجود اس کے اگر ایک غریب و نادار شخص کو حج بدل کے لیے بھیجا جائے تو اس سے بھی حج بدل ادا ہو جاتا ہے اور اس شخص پر حج فرض نہیں ہوتا۔

وفی الهندية: والافضل للانسان اذا اراد ان یحج رجلاً فاحج عن نفسه ان یحج رجلاً قد حج عن نفسه ومع هذا لو احج رجلاً لم یحج عن نفسه حجة الاسلام یجوز عندنا وسقط الحج عن الآمر کذا فی المحیط۔ (الهندية ج ۱ ص۲۵۷ الباب الرابع عشر فی الحج عن الغیر) [۲]

---

[۱] قال العلامة ابن نجیم المصری رحمه الله: وانما شرط عجز المنوب للحج الفرض لجواز الانابة مع القدرة فی حج النفل لان المقصود منه الثواب۔

(البحر الرائق ج ۳ ص۶۲ باب الحج عن الغیر)

ومثله فی التاتارخانية ج ۲ ص۵۲۵ الفصل الخامس عشر فی الرجل یحج عن الغیر۔

[۲] قال ابن عابدین: (ثم فرع علیه) علی ان الشرط هو الاهلية دون اشتراط ان یکون المامور قد حج عن نفسه۔ (رد المحتار ج ۲ ص۶۰۳ باب الحج عن الغیر قبل مطلب فی حج الضرورة)

ومثله فی التاتارخانية ج ۲ ص۵۲۶ الفصل الخامس عشر فی الرجل یحج عن الغیر۔

حج بدل میں آمر کی اطاعت کا حکم

سوال:۔ زید نے عمر کو حج بدل کے لیے بھیجا، عمر نے میقات سے عمرہ کی نیت کرلی اور جب حج میں پانچ روزہ رہ گئے تو عمر نے زید کی طرف سے حج بدل کے لیے احرام باندھ کر افعال حج ادا کیے تو کیا شرعاً زید کا حج بدل ادا ہوگیا یا نہیں؟

الجواب:۔ حج بدل کرنے والے کے لیے آمر کے حکم کی اطاعت ضروری ہے، صورت مسئولہ کے مطابق چونکہ عمر نے زید کے امر کی مخالفت کی ہے اس لیے اس صورت میں زید کی طرف سے حج بدل ادا نہیں ہوا آئندہ سال عمر کو زید کیلئے دوسرا حج کرنا پڑے گا۔

قال ابن عابدینؒ:۔ الثانی عشر ان یحرم من المیقات فلو اعتمر وقد امرہ بالحج ثم حج من مکۃ لا یجوز ویضمن۔ (ردّ المحتار ج ۲ ص ۶۰۱ باب الحج عن الغیر) [1]

حج بدل میں عمرہ کی نیت کا حکم

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ حج بدل میں عمرہ کی نیت صحیح ہے یا نہیں، اور اگر کسی شخص نے حج بدل میں عمرہ کی نیت کرلی تو اس سے حج بدل صحیح ہوگا یا نہیں؟

الجواب:۔ حج بدل میں صرف حج کی نیت کرنا اُس وقت ضروری ہے جبکہ آمر نے مامور کو حج افراد پر مامور کیا ہو، چونکہ ہمارے بلاد میں حج قران، تمتع اور افراد تینوں کو حج کہا جاتا ہے اور آمر کی طرف سے تینوں کی اجازت ہوتی ہے لہٰذا تمتع کرسکتا ہے، بہتر یہی ہے کہ آمر سے اس کی تصریح کرالی جائے۔

وفی الہندیۃ: واذا امر غیرہ بالافراد بحجۃ او عمرۃ فقرن فھو ضامنٌ فی قول ابی حنیفۃؒ۔ وقال ابو یوسفؒ ومحمدؒ رحمہما اللہ یجزیٔ عن الآمر استحساناً۔ (الفتاوی الہندیہ ج ۱ ص ۲۵۸ الباب الرابع عشر فی الحج عن الغیر) [2]

---

[1] قال العلامۃ عالم بن العلاء الانصاریؒ، ولو امرہ بالحج فاعتمر ثم حج من مکۃ فھو مخالف فی قولہم۔ (الفتاوی التاتارخانیۃ ج ۲ ص ۵۲۶ الفصل الخامس عشر فی الرجل یحج عن الغیر)
وَمِثْلُہٗ فی الہندیۃ ج ۲ ص ۱۵۸ الباب الرابع عشر فی الحج عن الغیر۔

[2] قال ابن عابدینؒ، فلو امرہ الافراد فقرن او تمتع ولو للمیت لم یقع عنہ ویضمن النفقۃ۔
(رد المحتار ج ۲ ص ۶۰۱ باب الحج عن الغیر، مطلب شروط الحج عن الغیر عشرون)
وَمِثْلُہٗ فی التاتارخانیۃ ج ۲ ص ۵۲۶ الفصل الخامس عشر فی الرجل یحج عن الغیر۔

ذیابیطس کے مریض کے لیے حج بدل کا حکم

سوال:۔ ایک آدمی ذیابیطس (شوگر) کے مرض میں مبتلا ہے، ڈاکٹر اور حکیم اسے سفر کی اجازت نہیں دیتے، تو کیا ایسا شخص اپنی طرف سے کسی کو حج بدل کے لیے بھیج سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ ذیابیطس کا مریض اگر کسی دوائی یا اور کسی واسطہ سے اپنے مرض پر وقتی طور پر کنٹرول حاصل کرسکتا ہو یا اس کو امید ہو کہ عنقریب اس مرض سے صحتیاب ہوجائیں گا تو یہ شخص کسی کو اپنی طرف سے حج بدل نہیں کراسکتا اور اگر ایسا ہونا ممکن نہیں تو پھر حج بدل کراسکتا ہے۔

وفی الهندیة: ومنها ان یکون المحجوج عنه عاجزاً عن الاداء۔

(الفتاوٰی الهندیة ج۱ ص۲۵۷ الباب الرابع عشر فی الحج عن الغیر) ؎۱

حج بدل میں خرچہ محجوج عنہ کی طرف سے ہوگا

سوال:۔ کیا حج بدل محجوج عنہ کے مال سے کرنا ضروری ہے یا کوئی شخص اپنی جانب سے بھی کرسکتا ہے؟

الجواب:۔ حج بدل میں یہ شرط ہے کہ مامور کا حج محجوج عنہ کے مال سے ہو، پس اگر حج بدل کرنے والے نے اپنے مال سے حج کرلیا تو محجوج عنہ کی طرف سے ادا نہ ہوگا۔

کما فی الهندیه: ومنها ان یکون حج المامور بمال المحجوج عنه فان تطوع الحاج عنه بمال نفسه لم یجز عنه حتی یحج بماله۔ (الفتاوٰی الهندیه ج۱ ص۲۵۷ الباب الرابع عشر فی الحج عن الغیر) ؎۲

میقات کی بجائے حرم سے حج بدل کا احرام باندھنا

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک شخص نے حج بدل میں میقات سے حج کا احرام نہیں باندھا بلکہ عمرہ احرام باندھا ہے، تو کیا

؎۱ قال العلامة الحصکفیؒ: لکن بشرط دوام العجز الی الموت ونیة الحج عنه هٰذا اذا کان المرض یرجی زواله۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۲ ص۵۹۸ باب الحج عن الغیر)

وَمِثْلُهٗ فی التاتارخانیة ج۲ ص۵۲۵ الفصل الخامس عشر فی الرجل یحج عن الغیر۔

؎۲ قال العلامة الحصکفیؒ: وبقی من الشرائط النفقة من مال الآمر کلها او اکثرها۔

(الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۲ ص۶۰۱ باب الحج عن الغیر)

وَمِثْلُهٗ فی التاتارخانیة ج۲ ص۵۲۵ الفصل الخامس عشر فی الرجل یحج عن الغیر۔

حرم شریف سے دوبارہ حج بدل کا احرام باندھنے سے حج بدل ادا ہو جائے گا یا نہیں ؟

الجواب:۔ مامور کے لیے آمر کے حکم کی اطاعت کرتے ہوئے افعالِ حج ادا کرنے چاہییں اس لیے اگر آمر نے مامور کو حج تمتع کی اجازت دی ہو تو بنا بر تحقیق آمر کا ذمہ فارغ ہوگا ورنہ نہیں۔

قال العلامة علاؤ الدین الحصکفیؒ: ان اذن له الامر بالقران والتمتع والا فیصیر مخالفاً۔ (الدر المختار ج۲ ص۱۱۹ باب الحج عن الغیر) لہ

حج بدل میں خرچہ آمر کی طرف سے ضروری ہے

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک عورت پر حج فرض ہے اور اس عورت نے بنا بر ضعف اپنے بیٹے کو رقم دے کر حج بدل کے لیے روانہ کیا ہے کیا مامور بہ کو آمر کے مال سے ہی حج کرنا ضروری ہے یا اپنی طرف سے بھی کچھ خرچ کر سکتا ہے ؟

الجواب:۔ حج بدل میں ضروری ہے کہ خرچہ آمر کی طرف سے ہو صورتِ مسئولہ کے مطابق اس بیٹے کے لیے ضروری ہے کہ جب وہ اپنی والدہ کے لیے حج بدل کر رہا ہے تو خرچہ بھی والدہ کے مال سے کرے گا تاہم اگر حج فرض نہ ہو تو نفلی حج میں توسع ہے۔

وفی الهندية: ومنها ان يكون الحج بمال المحجوج عنه فان تطوع الحاج عنه بمال نفسه لم يجز عنه حتى يحج بماله۔ (الفتاوی الهندیہ ج۱ ص۲۵۷ الباب الرابع عشر فی الحج عن الغیر) لہ

حج بدل میں اپنے لیے حج کرنا اور کسی دوسرے کو حج بدل کیلئے مقرر کرنا

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ زید نے عمر کو اپنی والدہ کی طرف سے حج بدل کے لیے کہا، تو عمر نے

لہ قال العلامة الانصاریؒ: ولو امره بالحج فاعتمر ثم حج من مكة فهو مخالف فی قولهم۔ (الفتاوی التاتارخانية ج۲ ص۵۲۶ الفصل الخامس عشر فی الرجل يحج عن الغير)

ومثلهٗ فی الهندية ج۱ ص۲۵۸ الباب الرابع عشر فی الحج عن الغير۔

۲ قال ابن عابدینؒ: (فتطوع رجل) اطلق الرجل المتطوع فشمل الوارث۔ وبه صرح قاضیخانؒ بقوله المیت اذا اوصی بان یحج عنه بماله فتبرع عنه الوارث او الاجنبی لایجوز (قلت یعنی لایجوز عن فرض المیت والا فله ثواب ذلك الحج)۔ (رد المحتار ج۲ ص۶۰۶ باب الحج عن الغیر مطلب العمل علی القیاس دون الاستحسان هٰذا)

ومثلهٗ فی البحر الرائق ج۳ ص۱۲ باب الحج عن الغير۔

سے کہا کہ آپ آمدورفت کا خرچہ مجھے دے دیں میں مکہ مکرمہ میں کسی آدمی کو حج بدل کے لیے مقرر کردوں گا اور ان پیسوں سے میں اپنی جانب سے حج کر لوں گا۔ تو کیا یہ طریقہ درست ہے؟

الجواب:۔ حج بدل میں آمر کے وطن سے جانا ضروری ہے اس لیے صورتِ مسئولہ میں طریقہ مذکورہ سے حج کرنا غیر مشروع ہے اور نہ ہی اس طریقے سے حج بدل ادا ہوتا ہے اور زید کی والدہ ذمہ بھی فارغ نہ ہُوا۔

قال العلامة محمد امین الشہیر بابن عابدین رحمہ اللہ: الحادی عشر ان یحج عنہ من وطنہ ان اتسع الثلث والافمن حیث یبلغ۔

(رد المحتار ج ۲ ص۶۰۱ باب الحج عن الغیر۔ مطلب شروط الحج عن الغیر) [1]

سفر کی تھکاوٹ کی وجہ سے حج بدل ادا کرنا صحیح نہیں

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک آدمی پر حج فرض ہو چکا ہے لیکن سفر کی تکالیف اور تھکاوٹ کی وجہ سے وہ حج بدل کرانا چاہتا ہے، کیا یہ حج بدل صحیح ہوگا۔

الجواب:۔ اگر کسی پر حج فرض ہو جائے تو حج کی ادائیگی اسی شخص پر ضروری ہے محض تھکاوٹ کی وجہ سے حج بدل نہیں کرا سکتا کیونکہ حج بدل کے لیے فقہاء کرام نے جو شرائط ذکر کی ہیں ان میں سے کچھ یہ ہیں، ۱۔ کہ محجوج عنہ ادائے حج سے خود عاجز ہو، ۲۔ یہ کہ یہ عجز موت تک قائم ہو وغیرہ، چونکہ صورتِ مسئولہ میں یہ شرائط مفقود ہیں اس لیے حج بدل نہیں کرایا جا سکتا۔

قال العلامۃ الحصکفیؒ:۔ لکن بشرط دوام العجز الی الموت ونیۃ الحج عنہ ھٰذا اذا کان المرض یرجی زوالہ۔ الخ (الدر المختار علی صدر ردالمحتار ج۲ ص۵۹۹ باب الحج عن الغیر) [2]

---

[1] رجل اوصٰی ان یحج عنہ فاَحج عنہ رجلاً فلما بلغ الکوفۃ مات او سرقت نفقتہ وقد انفق النصف فانہ یحج عن المیّت منزلہ بثلث ما بقی۔ (جامع الصغیر ص۱۳۵ کتاب الحج

وَمِثْلُہٗ فی التاتارخانیۃ ج۲ ص۵۵۲ الفصل السادس عشر فی الوصیۃ بالحج۔

[2] وفی الھندیۃ: ومنہا ان یکون المحجوج عنہ عاجزاً عن الاداء ومنہا استدامۃ العجز من وقت الاحجاج الی وقت الموت۔ (الفتاوٰی الھندیۃ ج۱ ص۲۵۷ الباب الرابع عشر فی الحج عن الغیر)

وَمِثْلُہٗ فی التاتارخانیۃ ج۲ ص۵۴۵ الفصل الخامس عشر فی الرجل یحج عن الغیر۔

حج بدل کی شرائط

سوال :۔ ایک شخص حج بدل کرنا چاہتاہے اس کے لیے شرعاً کیا شرائط ہیں ؟

الجواب :۔ فقہاء اسلام نے اس مسئلہ کی وضاحت کے لیے کتب فقہ میں مستقل باب (باب فی الحج عن الغیر) قائم کیاہے جس میں حج بدل کی شرائط ذکر ہیں، اگر ان شرائط کے تحت حج بدل کیا جائے تو درست ہے ورنہ نہیں، اور وہ شرائط مندرجہ ذیل ہیں :۔
۱ ؎ محجوج عنہ خود ادائے حج سے عاجز ہو اور وہ مال کا مالک ہو ۲ ؎ وہ حج کرنے سے عاجز ہو اور عجز موت تک قائم ہو ۳ ؎ امر بالحج ہو ۴ ؎ احرام کے وقت نیت محجوج عنہ کی طرف سے ہو ۵ ؎ مامور کا حج محجوج عنہ کے مال سے ہو۔

کما فی الھندیۃ: ومنہا ان یکون المحجوج عنہ عاجزًا عن الاداء ومنہا استدامۃ العجز من وقت الاحجاج الی وقت الموت ومنہا الامر بالحج ومنہا نیۃ المحجوج عنہ عند الاحرام ومنہا ان یکون الماموربہ مالہ۔ (الفتاوی الہندیۃ ج ۱ ص۲۵۷ الباب الرابع عشر فی الحج عن الغیر) [1]

وصیت کے بغیر حج بدل کا حکم

سوال :۔ ایک آدمی پر حج فرض تھا زندگی میں اُس نے حج ادا نہ کیا اور نہ ہی مرتے وقت وصیت کی تو اس کے لیے حج بدل کیا جا سکتا ہے یا نہیں ؟

الجواب :۔ اگر کوئی شخص وفات پاگیا اور اس پر حج فرض ہوچکا تھا مگر اُس نے عین حیات ادا نہ کیا اور مرتے وقت وصیت بھی نہ کی تو اب اگر اس کے وُرثا اپنی خوشی سے میت کی طرف سے حج بدل کریں تو جائز ہے اور امید کی جاسکتی ہے کہ اللہ تعالیٰ میت کی طرف سے قبول فرمالیں گے، مگر میت کی وصیت ضروری ہے۔

کما فی الھندیۃ :من علیہ الحج اذا مات قبل ادائہ من غیر وصیۃ یاثم بلاخلاف وان احب الوارث ان یحج عنہ یحج وارجو ان یجزئہ ذلک ان شاء اللہ تعالیٰ، کذا ذکر ابو حنیفۃ رحمۃ اللہ علیہ وان مات عن وصیۃ لایسقط الحج عنہ واذا حج عنہ یجوز عندنا باستجماع

---

[1] قال الحصکفی رحمہ اللہ :لکن بشرط دوام العجز الی الموت ونیۃ الحج عنہ ھذا اذا کان المرض یرجی زوالہ۔ الخ (الدر المختار علیٰ صدر رد المحتار ج ۲ ص۵۹۹ باب الحج عن الغیر)
ومثلہٗ فی التاتارخانیۃ ج ۲ ص۵۴۵ الفصل الخامس فی الرجل یحج عن الغیر۔

شرائط الجواز۔ (الفتاوی الهندیة ج ۱ ص۲۵۹ الباب الخامس عشر فی الوصیّة بالحج) ۱؎

عورت کا مرد کی طرف سے حج بدل کرنا

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ مرد کی طرف سے عورت حج بدل کر سکتی ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ حج بدل کے لیے مسلمان عاقل بالغ ہونا ضروری ہے خواہ مرد ہو یا عورت! البتہ اگر عورت نے حج بدل کیا تو فقہاء کی تصریح کے مطابق مکروہ ہے تاہم حج بدل ادا ہو جائے گا۔

وفی الهندیة، ولو احج عنه امرأة او عبدًا او امة باذن السید جاز ویکره هکذا فی محیط السرخسی۔ (الفتاوی الهندیة ج ۱ ص۱۵۷ الباب الرابع عشر فی الحج عن الغیر) ۲؎

غیر وصی کا حج بدل ادا کرنا

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک آدمی نے موت کے وقت چار اشخاص کو وصیت کی کہ مجھ پر حج فرض ہے آپ میری طرف سے حج بدل ادا کر دیں، تو کیا حج بدل صرف اوصیاء اور وارثین کو ادا کرنا ضروری ہے یا غیر وصی بھی حج بدل کر سکتا ہے؟

الجواب:۔ حج بدل اوصیاء، وارثین کو ادا کرنا ضروری نہیں بلکہ غیر وصی بھی حج بدل ادا کر سکتا ہے۔

یکون الاوصیاً مطلقاً ویدل علیه مافی الهندیة۔ ولو اوصی المیت ان یحج عنه ولم یزد کان للوصی ان یحج بنفسه فان کان الوصی وارث المیت اودفع المال الی وارث المیت لیحج عن المیت (الفتاوی الهندیة ج ۱ ص۲۵۹ الباب الخامس عشر فی الوصیة بالحج) ۳؎

۱؎ قال الشیخ ابن العلاء الانصاریؒ: ومن مات وعلیه فرض الحج ولم یوص به لم یلزم الوارث ان یحج عنه وان احب ان یحج عنه وارجوا ان یجزیه ان شاء الله۔ (الفتاوی التاتارخانیه ج ۲ ص۵۶۲ الفصل السابع عشر فی احرام المرأة)

وَمِثْلُهٗ فی البحر الرائق ج ۳ ص۶۱ باب الحج عن الغیر۔

۲؎ قال الشیخ ابن الهمامؒ: ویجوز حجاج الحر والامة والحرة وفی الاصل نص علی کراهة المرءة۔ (فتح القدیر ج ۳ ص۱۵۱ باب الحج عن الغیر)

وَمِثْلُهٗ فی البحر الرائق ج ۳ ص۶۲ باب الحج عن الغیر۔

۳؎ قال الشیخ ابن العلاء الانصاریؒ: وفی الکبری اوصی بان یحج عنه ولم یوص الی احد فاجتمعت الورثة لیحجوا عنه رجلاً جاز۔ (الفتاوی التاتارخانیه ج ۲ ص۵۵۶ الفصل السادس عشر فی الوصیة بالحج)

وَمِثْلُهٗ فی رد المحتار ج ۲ ص۵۹۹ باب الحج عن الغیر۔

ایک سال کے بعد حج بدل ادا کرنا

سوال:۔ گذشتہ سال رمضان میں زید نے عمر کے ساتھ وعدہ کیا کہ آپ میرے بھائی بکر مرحوم کی طرف سے حج بدل ادا کریں میں آپ کو ماہ شوال میں پانچسو روپیہ ارسال کروں گا، عمر نے رقم کا انتظار کیا لیکن زید نے شوال میں رقم ارسال نہیں کی، جب دس روز حج کو رہ گئے تو عمر نے اپنی والدہ کی طرف سے حج بدل ادا کیا، پھر تین ماہ بعد زید نے عمر کو پانچسو روپے ارسال کئے اور عمر ایک سال مکہ مکرمہ میں رہا اور ۱۳۸۴ھ میں بکر مرحوم کی طرف سے حج بدل ادا کیا، تو کیا حج بدل ادا ہوا یا نہیں؟

الجواب:۔ اگر بکر مرحوم کے لیے حج نفل برائے ایصال ثواب ہو تو ہر کس اور ہر جگہ سے ہر وقت درست ہے اور اگر فرض حج بدل ہو تو میت کے ثلث کا یا وصی کی وصیت کا اعتبار ہوگا، لہٰذا اگر ثلث میت کے وطن سے حج بدل کے لیے کافی ہو تو میت کے وطن سے سفر حج ضروری ہے اور اگر کافی نہ ہو تو جہاں سے ممکن ہو سکے ادا کر لیا جائے۔

قال الحصکفیؒ: الاصل ان کل من اتی بعبادۃ ما جعل ثوابها لغیرہ وان نواها عند الفعل لنفسه۔

قال ابن عابدینؒ: (بعبادۃ ما) ای سواء کانت صلوٰۃ او صوماً الخ (رد المحتار ج۲ ص۵۹۵ باب الحج عن الغیر)

قال ابن عابدینؒ: الحادی عشر ان یحج عنه من وطنه ان اتسع الثلث والا فمن حیث یبلغ کما سیأتی بیانه۔ (رد المحتار ج۲ ص۶۰۰ باب الحج عن الغیر، مطلب شروط الحج عن الغیر) [1]

صاحب عذر کا عذر ختم ہو جانے کے بعد حج بدل کا حکم

سوال:۔ اگر ایک معذور آدمی (جس پر حج فرض تھا) حج بدل کرائے،

---

[1] قال العلامۃ عالم بن العلاء الانصاریؒ: اذا اوصی بان یحج عنه وهو فی منزله ان بیت مکاناً یحج عنه من ذلك المکان بالاجماع، فان لم یبین مکاناً یحج عنه من وطنه عند علمائنا وهذا اذا کان ثلث ماله یکفی للحج من وطنه فاما اذا کان لا یکفی لذالك فان یحج عنه من حیث یمکن الاحجاج عنه بثلثه۔ (الفتاوی التاتارخانیة ج۲ ص۵۵۳ الفصل السادس عشر فی الوصیة بالحج)

وفی الهندیة: الاصل فی هذا الباب ان الانسان له ان یجعل ثواب عمله لغیرہ صلوٰۃ کان او صوماً او صدقة او غیرها کالحج وقراءۃ القرآن۔ (الفتاوی الهندیة ج۱ ص۲۵۷ الباب الرابع عشر فی الحج عن الغیر)

اور حج بدل کے بعد اس کا عذر کسی بھی وقت ختم ہو جائے تو باقی ماندہ زندگی میں اُسے دوبارہ حج کرنا ضروری ہے یا نہیں ؟

الجواب: حج بدل کے لیے عجز (مرض) کا دائمی ہونا ضروری ہے، اگر مرض دائمی نہ ہو تو اس کی طرف سے حج بدل ادا نہ ہوگا، چونکہ صورتِ مسئولہ میں اس شخص کا مرض تاموت دائمی نہ تھا بلکہ مرنے سے پہلے پہلے ہو گیا تو اس پر دوبارہ خود حج کرنا لازمی ہے حج بدل سے ذمہ فارغ نہ ہوگا۔

وفی الهندیة: ومنها استدامة العجز من وقت الاحجاج الی وقت الموت هکذا فی البدائع حتی لو احج عن نفسه وهو مریض یکون مراعی فان مات اجزءه وان تعافی بطل۔ (الفتاوی الهندیة ج ۱ ص ۲۵۷ الباب الرابع عشر فی الحج عن الغیر) [۱]

حج بدل کے بعد منذورہ عمرہ ادا کرنا

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ زید نے عمرہ کی نذر مانی ہے دریں اثنا زید کسی آدمی کے لیے حج بدل کرنے کے لیے گیا تو حج بدل ادا کرنے کے بعد زید نے اپنا منذورہ عمرہ ادا کیا، تو کیا زید کا یہ عمرہ صحیح ہوا یا نہیں؟

الجواب: بظاہر اس نے اداء کا احترام کیا ہے، کیونکہ اس نے اولاً حج بدل ادا کیا ہے اور آمر کے حکم کی کوئی مخالفت نہیں کی اس لیے زید کا یہ عمرہ ادا کرنا صحیح ہے اور اس سے زید کا ذمہ فارغ ہو گیا۔

قال العلامة عالم بن العلاء الانصاری: ۲۰ ابن سماعة عن محمدؒ المأمور بالحج اذا حج عن الامر ثم احرم بعمرة ینفق من مال نفسه ما دام معتمراً فاذا انفق من مال الآمر۔ (الفتاوی التاتارخانیة ج ۲ ص ۵۴۳ الفصل الخامس عشر فی الرجل یحج عن الغیر) [۲]

---

[۱] قال ابن نجیمؒ: وان کان مرضاً یرجی زواله فاحج فالامر مراعی فان استمر العجز الی الموت سقط الفرض والا لا۔ (البحرالرائق ج ۳ ص ۶۱ باب الحج عن الغیر)

وَمِثْلُهٗ فی الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۲ ص ۵۹۸ باب الحج عن الغیر۔

[۲] قال ابن عابدینؒ: (تحت هذه العبارة فیصیر مخالفاً) ولو امره بالعمرة فاعتمر ثم حج عن نفسه لم یکن مخالفاً بخلاف ما اذا حج اولاً ثم اعتمر۔ (رد المحتار ج ۲ ص ۶۱۱ باب الحج عن الغیر)

وَمِثْلُهٗ فی البحرالرائق ج ۳ ص ۶۳ باب الحج عن الغیر۔

والدین کی طرف سے حج کرنے میں زیادہ ثواب ہے

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ فرض ادا کرنے کے بعد اپنے لیے نفلی حج کرنا افضل ہے یا والدین کی طرف سے حج کرنا افضل ہے؟

الجواب:۔ اگر والدین پر حج فرض نہیں تھا تو اپنے لیے نفلی حج کرنے کی بجائے والدین کی طرف سے حج کرنا افضل واولیٰ ہے اور بعض احادیث میں دس گنا کی زیادتی آئی ہے۔

قال العلامۃ الحصکفی رحمہ اللہ: بخلاف مالواھل عن ابویہ اوغیرھما من الاجانب حال کونہ متبرعا فعین بعد ذٰلک جاز لانہ متبرع بالثواب فلہ جعلہ لاحدھما اولھما وفی الحدیث من حج عن ابویہ فقد قضیٰ عنہ حجتہ وکان لہٗ فضل عشر حجج و بعث من الابرار۔

(رد المحتار ج ۲ ص۶۰۶ باب الحج عن الغیر) [1]

دم تمتع ودم قران آمر پر ہے یا مامور پر

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ اگر کسی میت کی طرف سے حج بدل میں تمتع یا قران کی نیت کرے تو کیا اس کا حج ادا ہو جائے گا یا نہیں اور دم کس پر واجب ہوگا، آمر پر یا مامور پر؟

الجواب:۔ اگر آمر نے حج تمتع یا قران کی اجازت نہ دی ہو تو اس کا حج ادا نہ ہوگا اور اگر اجازت دی ہو تو حج ادا ہو جائے گا مگر دم تمتع یا قران مامور پر ہوگا آمر پر نہیں۔

قال الحصکفیؒ: ودم القران والتمتع والجنایۃ علی الحاج ان اذن لہ الاٰمر بالقران والتمتع والافیصیر مخالفاً فیضمن۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۲ ص۶۱۱ باب الحج عن الغیر) [2]



---

[1] قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم من حج عن ابیہ واُمہ فقد قضیٰ عنہ حجتہ وکان لہ افضل عشر حجج۔ (فتح القدیر ج ۳ ص۶۵ باب الحج عن الغیر)

وَمِثْلُہٗ فی البحر الرائق ج ۳ ص۶۹ باب الحج عن الغیر۔

[2] قال ابن نجیمؒ: ودم الحصار علی الاٰمر ودم القران ودم الجنایۃ علی المامور۔ قال ابن نجیمؒ: وانما وجب دم القران علی المامور باعتبار انہ وجب الشکر لما وفقہ اللہ تعالیٰ من الجمع بین النسکین۔

(البحر الرائق ج ۳ ص۶۵ باب الحج عن الغیر)

وَمِثْلُہٗ فی التاتارخانیۃ ج ۲ ص۵۴۹ الفصل الخامس عشر فی الرجل یحج عن الغیر۔

محرم نہ ملنے کی صورت میں عورت حج بدل بھی نہیں کراسکتی

سوال:۔ اگر کسی پردہ دار عورت کے پاس اتنا مال ہو کہ وہ اپنا اور محرم کا خرچہ کرسکتی ہے مگر اس کو کوئی ایسا محرم نہیں مل رہا کہ اس کے ساتھ حج ادا کرنے کے لیے جاسکے، تو کیا یہ عورت حج بدل کراسکتی ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ عورت پر حج کی فرضیت کے لیے محرم کا ہونا شرط ہے بغیر محرم کے عورت پر حج فرض ہی نہیں اگرچہ اس کے پاس مال زیادہ ہو' اس لیے اس عورت پر حج بدل کرانا بھی لازمی نہیں۔

قال العلامة الحصكفيؒ: ومع زوج أو محرم ولو عبدًا اوذميًا أو برضاع بالغ قيد لهما.

قال ابن عابدينؒ: تحت (قوله ومع زوج أو محرم) هٰذا وقوله ومع عدم عدة عليها شرطان مختصان بالمرأة. الخ (ردالمحتار ج ۲ ص۴۶۴ كتاب الحج) ؎۱

حج بدل ادا کرنے کے بعد مامور وطن واپس نہ آئے تو حج کا حکم

سوال:۔ اگر کوئی شخص کسی کی طرف سے حج بدل ادا کرنے کے لیے سعودی عرب (مکہ مکرمہ) چلا جائے اور حج ادا کرنے کے بعد واپس وطن نہ آئے بلکہ وہیں رہے تو کیا اس طرح حج بدل ادا ہو جائے گا؟

الجواب:۔ حج بدل میں آمر کے ملک/شہر سے جانا ضروری اور شرط ہے حج ادا کرنے کے بعد آمر کے وطن واپس آنا ضروری نہیں، اس لیے اگر کوئی حج کے بعد وہیں مقیم ہو جائے تو حج بدل ادا ہو جائے گا، اقامت اختیار کرنے سے حج متاثر نہ ہوگا، البتہ بہتر یہ ہے کہ واپس آجائے۔

لما في الهندية: ولو احج رجلاً يؤدي الحج ويقيم بمكة جاز والافضل ان يحج ويرجع واذا فرغ المامور من الحج ونوى الاقامة خمسة عشر يومًا فصاعدًا انفق من مال نفسه ولو انفق من مال الآمر يضمن. الخ (الفتاوى الهندية ج ۱ ص۲۵۸ الباب الرابع عشر في الحج عن الغير) ؎۲

؎۱ قال العلامة عبد الله بن مودود الموصليؒ: ولا تحج المرأة الا بزوج أو محرم اذا كان سفرًا ونفقة المحرم عليها. وفي شرحه ولا بد من العقل والبلوغ لعجز الصبي والمجنون عن الحفظ. (الاختيار لتعليل المختار ج ۱ ص۱۴۱ كتاب الحج)

؎۲ قال العلامة الكاسانيؒ: ولو احج رجلاً يؤدي الحج ويقيم بمكة جاز لانه فرض الحج صار مؤديًا بالفراغ عن افعاله والافضل أن يحج ثم يعود اليه لان الحاصل للآمر ثواب النفقة فمهما كانت النفقة اكثر كان الثواب اكثر. (بدائع الصنائع ج ۲ ص۲۱۵ كتاب الحج، فصل في الذي يرجع الى النيات)

حج افراد پر مامور شخص اپنے لیے عمرہ کر سکتا ہے

سوال:۔ اگر کوئی شخص کسی کو حج افراد کرنے کے لیے اپنا نائب مقرر کرے تو مامور حج افراد کے بعد اپنے لیے عمرہ کرے تو کیا یہ حج بدل جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ اصل میں حج بدل کے اندر یہ ضروری ہے کہ مامور اپنے آمر کے حکم کی خلاف ورزی نہ کرے، صورتِ مسئولہ میں مامور نے چونکہ پہلے آمر کے حکم کو پورا کیا ہے اور بعد میں اپنے لیے عمرہ کیا تو اس سے آمر کی طرف سے حج پر کوئی اثر نہیں پڑے گا بلکہ حج اور عمرہ دونوں درست ہیں تاہم اس عمرے کا خرچہ مامور کے ذمے واجب ہوگا۔

لما قال الشیخ عبد الرحمٰن الجزائری رحمہ اللہ:۔ اما لو امرہ بالعمرۃ فنفذ امرہ واعتمر عنہ ثم حج عن نفسہ او امرہ بالحج فحج عنہ ثم اعتمر عن نفسہ فان ذٰلک یجوز وتجزی العمرۃ فی الصورۃ الاولیٰ والحج فی الصورۃ الثانیۃ عن المستنیب الا ان نفقۃ اقامتہ للحج عن نفسہ فی الاولیٰ والعمرۃ عن نفسہ فی الثانیۃ فلزمہ فی مالہ۔

(کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعۃ ج۱ ص۷۱۴ کتاب الحج) لہ

حج کے منافی عمل سے فسادِ حج کی صورت میں حج کا خرچ کس پر ہوگا؟

سوال:۔ اگر مامور سے کوئی ایسا عمل سرزد ہو جائے کہ جس سے حج فاسد ہوتا ہے تو اب حج کا خرچہ آمر پر ہوگا یا مامور پر؟

الجواب:۔ اگر حج میں فساد وقوفِ عرفہ سے قبل آیا ہو تو مامور آمر کے خرچے کا ضامن ہوگا اس لیے کہ مامور اس فساد کا سبب بنا ہے اور اگر وقوفِ عرفہ کے بعد فساد آیا ہو تو مامور ضامن نہ ہوگا اس لیے کہ وہ حج کا رکنِ اعظم ادا کر چکا ہے۔

لما قال الشیخ عبد الرحمٰن الجزائری رحمہ اللہ:۔ واذا فعل المامور ما یفسد الحج فان کان ذٰلک قبل الوقوف بعرفۃ فانہ یضمن المال للمنیب وان کان ذٰلک بعد الوقوف فلا یضمن لانہ ادی الرکن الاعظم وھو الوقوف

لہ قال العلامۃ عالم بن العلاء الانصاریؒ:۔ ولو امرہ بالعمرۃ فاعتمر اولاً ثم حج عن نفسہ لم یکن مخالفاً۔۔۔۔ (الفتاویٰ التاتارخانیۃ ج۲ ص۵۴۶ الحج عن الغیر)

ومِثلُہٗ فی الفقہ الاسلامی وادلتہٗ ج۳ ص۵۶ باب النیابۃ فی الحج۔ الخ

وكل كفارة جناية تجب على المأمور لأنه سببها۔

(كتاب الفقه على المذاهب الاربعة ج۱ ص۶۸۰ كتاب الحج) لـه

کیا حج افراد پر مامور شخص تمتع یا قران کرسکتا ہے یا نہیں؟

سوال:۔ اگر آمر نے حج افراد کا حکم دیا ہو اور مامور حج تمتع یا قران کرے تو اس حج کا کیا حکم ہے؟

الجواب:۔ مامور حج میں ہر وقت آمر کے حکم کا تابع ہے، اگر آمر نے صرف افراد کا حکم دیا ہو تو مامور کو صرف حج افراد کرنا چاہیئے، اگر اس نے آمر کے حکم کے خلاف حج تمتع یا قران کیا تو حج مامور کی طرف سے ادا ہوگا اور مامور آمر کی رقم کا ذمہ دار ہوگا، تاہم اگر آمر کی طرف سے کلی اختیار ہو کہ مامور جس قسم کا حج کرنا چاہے کرسکتا ہے تو اس صورت میں مامور جو بھی حج ادا کرے گا وہ آمر ہی کی طرف سے ہوگا۔

قال الشيخ عبد الرحمٰن الجزائري رحمه الله: ومنها عدم مخالفة ما شرطه المستنيب، فلو أمر بالافراد فحج عنه الغائب قارنا او متمتعا لم يقع عنه ويضمن النفقة التي صرفت له۔ (كتاب الفقه على المذاهب الاربعة ج۱ ص۶۸۰ كتاب الحج) لـه۲

مامور کا مدینہ منورہ جانے کے لیے آمر کی رقم سے خرچ کرنا

سوال:۔ حج بدل میں مامور جب مدینہ منورہ جائے تو یہ خرچہ کس پر واجب ہوگا، مامور پر یا آمر پر؟ کیا مامور آمر کے مال سے اس سفر کے لیے خرچ کرسکتا ہے یا نہیں؟

لـه قال العلامة عالم بن العلاء الانصاريؒ: قال ابو يوسف الحاج عن الغير اذا افسد حجه قبل الوقوف عليه ضمان النفقة وعليه الحج الذي افسده وعمرته وحجته للآمر ولو فاته الحج لا يضمن لأنه امين وعليه قضاء الفائت وحج عن الآمر. (الفتاوى التاتارخانية ج۲ ص۵۲۹ الحج عن الغير)

وَمِثْلُهُ فى الهداية ج۱ ص۲۷۹ الحج عن الغير۔

لـه۲ قال العلامة عالم بن العلاء الانصاريؒ: واذا أمر غيره بالافراد بحجة او عمرة فقرن فهو مخالف ضامن۔ (الفتاوى التاتارخانية ج۲ ص۵۲۶ الحج عن الغير)

وَمِثْلُهُ فى الفقه الاسلامي وادلته ج۳ ص۵۱ النيابة في الحج۔

الجواب: حج سے پہلے یا بعد مدینہ طیبہ جانا چونکہ نہ فرض ہے نہ واجب، اس لیے آمر کی اجازت کے بغیر مامور اُس کے مال سے خرچ نہیں کرسکتا بلکہ اس خرچہ کو خود برداشت کرے، ہاں اگر آمر کی اجازت ہو تو پھر اُس کے مال سے خرچ کرنا جائز ہے۔

قال الشیخ وهبة الزحیلی رحمه الله: ولو امره ان یعتمر، فاحرم بالعمرة واعتمر، ثمّ احرم بالحج عن نفسه، لم یکن مخالفاً، لانهٔ فعل ما امر به، اوهو اداء العمرة وحجّة عن نفسه بعد ئذ کاشتغاله بعمل اٰخر من التجارة وغیرها، لکن النفقة فی حجه تکون من ماله، لانه عمل لنفسه۔

(الفقه الاسلامی وَاَدِلَّتُهٗ ج۳ ص۵۰ کتاب الحج) [1]

حج بدل میں نیت آمر کی طرف سے ہوگی

سوال: حج بدل کی نیت مامور اپنی طرف سے کرے گا یا آمر کی طرف سے کرے گا؟

الجواب: جب ایک آدمی کسی دوسرے کی طرف سے حج بدل کرنا چاہتا ہو تو احرام باندھ کر اُس کی طرف سے نیت کرے اور تلبیہ کہتے وقت آمر کا نام لیکر تلبیہ پڑھے۔

لما قال العلامة عبد الله بن مودود الموصلی رحمه الله: ومن حج عن غیره وینوی الحج عنه ویقول لبیك بحجة عن فلان۔

(المختار علی صدر الاختیار ج۱ ص۱۷۱ باب الحج عن الغیر) [2]

---

[1] قال الکرمانی رحمه الله: ثمّ عندنا المحرم الذی یحجّ عن المیت او عن غیره من العاجزین علی ذکرنا فی الفصول المتقدمة یحج عنه بنفقة وسط من غیر تقتیر ولا اسراف ذاهباً وجائیاً راکباً غیر ماش۔ ......

(حاشیة الشلبی علی تبیین الحقائق ج۲ ص۸۸ باب الحجّ عن الغیر)

[2] قال العلامة علاؤ الدین الحصکفی رحمه الله: وبشرط نیة الحج عنه ای عن الاٰمر فیقول احرمتُ عن فلان ولبیت عن فلان ولنسی اسمه فنوٰی عن الاٰمر صح وتکفی نیة القلب۔

{الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۲ ص۵۹۹ باب الحج عن الغیر}

باب الجنایات

(حج میں غلطی کرنے کے مسائل)

رمی چھوڑنے کی وجہ سے دَم واجب ہونے کا حکم

سوال:۔ ایام حج میں ایک آدمی کے ساتھ اپنی عورت ہو اور وہ رمی جمار کی استطاعت نہیں رکھتی ہو، اگر یہ عورت اپنے شوہر کو رمی جمرات میں وکیل مقرر کرے تو کیا یہ جائز ہے یا نہیں، اور اس پر دم واجب ہے یا نہیں؟

الجواب: ایام حج میں رات کے وقت رمی جمار کرنے میں کوئی دقت نہیں ہوتی اسلئے بلا عذرِ شرعی اس کو ترک کرنا اور کسی کو وکیل بنانا موجب دم ہے، لہٰذا صورتِ مسئولہ کے مطابق اس عورت پر دم واجب ہے۔

وفی الهندیة: ولو ترك الجمار كلها او رمی واحدة او جمرة العقبة یوم النحر فعلیه شاة۔ (الفتاوی الهندیة ج ۱ ص۲۴۷ الباب الثامن فی الجنایات، الفصل الخامس)[1]

جمرۃ العقبہ کی رمی بلاعذر شرعی چھوڑنے کا حکم

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک آدمی ایام حج میں شرعی عذر کے بغیر جمرۃ العقبہ کی رمی چھوڑ دے تو کیا اس پر دم واجب ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ رمی جمار واجباتِ حج میں سے ہے جس کے چھوڑ دینے سے دم واجب ہو جاتا ہے لہٰذا جس شخص نے جمرۂ عقبہ کی رمی ترک کردی اُس پر دم لازم ہے۔

وفی الهندیة: ولو ترك الجمار كلها او رمی واحدة او جمرة العقبة یوم النحر فعلیه شاة۔ (الفتاوی الهندیة ج ۱ ص۲۴۷ الباب الثامن فی الجنایات، الفصل الخامس)[2]

---

[1] قال المرغینانیؒ: ومن ترك رمی الجمار فی الایام كلها فعلیه دم لتحقق ترك الواجب۔ (الهدایہ ج ۱ ص۲۵۵ باب الجنایات)

وَمِثْلُهٗ فی ردّ المحتار ج ۲ ص۵۵۴ باب الجنایات۔

[2] قال الحصكفیؒ: (والرمی كله او فی یوم واحد۔ قال ابن عابدینؒ: انما وجب بتركه كله دم واحد۔

(ردّ المحتار ج ۲ ص۵۵۴ كتاب الحج باب الجنایات)

وَمِثْلُهٗ فی البحر الرائق ج ۳ ص۲۳ باب الجنایات۔

۱۱ ذی الحجہ کی رمی چھوڑنے کا حکم

سوال:۔ اگر ایک آدمی گیارہ ذی الحجہ کی رمی بلاعذر شرعی نہ کرے تو کیا اس پر دم واجب ہوگا یا نہیں؟

الجواب:۔ ذی الحجہ کی گیارہ اور بارہ تاریخ کو جمرات کی رمی واجب ہے، اگر کوئی شخص ان دنوں میں رمی نہ کرے تو اس پر دم واجب ہے جو کہ ارضِ حرم میں خود یا کسی اور سے ذبح کرائے۔

وفی الهندية: ولو ترك الجمار او رمی واحد او جمرة العقبة يوم النحر فعليه شاة۔ (الفتاویٰ الهندية ج ۱ ص۲۴۷ الباب الثامن فی الجنايات، الفصل الخامس) ؎۱

ترکِ سنت کی وجہ سے دم لازم نہیں

سوال:۔ اگر کوئی شخص رمی جمار کے بعد منیٰ میں قیام نہ کرے بلکہ مکہ معظمہ میں قیام کرے تو کیا اس پر دم واجب ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ رمی جمار کے بعد منیٰ میں قیام کرنا سنت ہے واجب نہیں اور ترکِ سنت پر دم لازم نہیں آتا اگرچہ ایسا کرنا خلافِ سنت ہے۔

قال الشيخ ابن عابدينؒ: فيبيت بها للرمی ای ليالی ايام الرمی هو السنة فلو بات بغيرها كره ولا يلزمه شئ۔ اھ ۔ (رد المحتار ج ۲ ص۵۲۰ فصل فی الاحرام، مطلب فی حکم صلوٰة العيد والجمعة فی منیٰ) ؎۲

مفرد پر دم شکریہ لازم نہیں

سوال:۔ کیا حج افراد کرنے والے پر دم شکر واجب ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ حج افراد کرنے والے پر دم شکر واجب نہیں افضل ضرور ہے تاہم حج تمتع اور حج قران کرنے والے پر واجب ہے۔

کما قال العلامة الحصکفیؒ: ثم بعد الرمی ذبح ان شاء لانه مفرد۔ علامہ شامی اس عبارت

؎۱ قال الحصکفیؒ: او الرمی کله او فی يوم واحد۔ قال ابن عابدينؒ: انما وجب بترکه کله دم واحد۔
(الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۲ ص۵۵۴ باب الجنايات)
وَمِثْلُهٗ فی الهداية ج ۱ ص۲۵۵ باب الجنايات ۔

؎۲ قال الشيخ ابن نجيم المصریؒ:۔ (تحت ثم الی منیٰ الخ) ثم الی منیٰ فارم الجمار اقتداءً برسول الله صلی الله عليه وسلم ولم يذکر البيتوتة بمنیٰ لانها ليست بواجبة لان المقصود الرمی لکن هی السنة ۔ (البحر الرائق ج ۲ ص۳۴۹ باب الاحرام)
وَمِثْلُهٗ فی الهندية ج ۱ ص۲۱۹ الباب الاول فی تفسير الحج ۔

کے تحت لکھتے ہیں: والذبح لهٗ افضل ویجب علی القارن والمتمتع۔
(الدرالمختار علی صدر ردالمحتار ج۲ ص۵۱۵ فصل فی الاحرام وصفة المفرد، مطلب فی رمی جمرة العقبی) ؎۱

احرام کی حالت میں سلے ہوئے کپڑے پہننے کا حکم

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ اگر ایک آدمی حج کے دوران سلے ہوئے کپڑے پہن لے بعض سلے ہوئے کپڑوں میں تین گھنٹے اور بعض میں آٹھ گھنٹے وقت گذارے تو دم واجب ہوگا یا نہیں؟

الجواب:۔ دن یا رات سے کم وقت میں سلے ہوئے کپڑے پہننا موجب صدقہ ہے اور دن یا رات سے زائد وقت تک سلے ہوئے کپڑے پہننا موجب دم ہے۔

قال الحصکفیؒ: اولبس مخیطا اوستر رأسه یوما کاملاً۔ قال فی شرح التنویر فی الاقل صدقة۔ (الدرالمختار علی صدر ردالمحتار ج۲ ص۵۴۷ کتاب الحج، فصل الجنایات) ؎۲

حالتِ احرام میں سر ڈھانپنے کا حکم

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک شخص نے مچھروں سے تنگ آکر اپنے سر کو تمام رات احرام کی چادر میں ڈھانپے رکھا، کیا اس شخص پر دم واجب ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ احرام کی حالت میں مردوں کے لیے سر چھپانا جائز نہیں، البتہ اگر کسی نے تمام رات سر کو ڈھانپے رکھا تو اس پر دم واجب ہے البتہ اگر کسی نے اس سے کم وقت تک سر کو ڈھانپے رکھا تو اس پر صدقہ واجب ہے۔

وفی الهندیة: ولو غطی المحرم رأسه اووجهه یوماً فعلیه دم وان کان اقل من

؎۱ قال العلامة عالم بن العلاء الانصاریؒ: ولم یذکر الذبح هذا الرمی قبل الحلق لانه مفرد فلا یلزم الذبح ولا اضحیة علیه لانه مسافر وان کان قارن اومتمتع یذبح۔
(الفتاوی التاتارخانیة ج۲ ص۴۷۶ الفصل الثالث فی تعلیم اعمال الحج)

ومِثْلُهٗ فی الهدایة ج۱ ص۲۱۳ کتاب الحج۔

؎۲ قال العلامة ابن نجیمؒ: وکذا قوله والا تصدق ای وان کان لبس المخیط وتغطیة الرأس اقل من یوم لزمه صدقة۔ (البحرالرائق ج۳ ص۱ باب الجنایات)

ومِثْلُهٗ فی الهندیة ج۱ ص۲۴۲ الباب الثامن فی الجنایات، الفصل الثانی فی اللبس۔

ذلك فعليه صدقة ۔ (الفتاوى الهندية ج۱ ص۲۴۲ الباب الثامن في الجنايات، الفصل الثاني في اللبس) لـه

حالتِ احرام میں چہرے کو ڈھانکنے کا حکم

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک آدمی نے شرعی عذر کے بغیر احرام کی حالت میں پورا ایک دن اپنے چہرے کو ڈھانکا، تو کیا اس پر دم واجب ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ حالتِ احرام میں عذر کے بغیر چہرے کو چھپانا جائز نہیں، اگر بلا عذر چہرے یا سر کا چوتھائی یا چوتھائی سے زیادہ حصہ ایک دن یا ایک رات ڈھانکا تو دم واجب ہے۔

قال ابن عابدینؒ: في تغطية كل الوجه او الرأس يوماً اوليلة دم والربع منهما كالكل الخ (ردّ المحتار ج۲ ص۴۸۸ كتاب الحج مطلب في يحرم بالاحرام ولا يحرم) لـه

حالتِ احرام میں عطّاری کی دوکان میں بیٹھنا

سوال: حالتِ احرام میں عطّاری کیساتھ مصافحہ کرنا یا اسکی دوکان میں بیٹھنا موجبِ دم ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ عطّاری کی دوکان میں بیٹھنا اور اس کے ساتھ مصافحہ کرنا جائز ہے بشرطیکہ اس کے بدن پر خوشبو کی ذات یعنی عطر وغیرہ نہ لگے اور اگر عطر وغیرہ اس کو لگ جائے تو زیادہ لگنے سے دم اور معمولی مقدار میں لگ جائے تو صدقہ واجب ہوگا۔

قال ابن نجیمؒ:۔ ولا بأس ان يجلس في حانوت عطار ولا فرق ايضاً بين ان يقصده اولا ولذا قال في المبسوط، وان استلم الركن فاصاب فمه اويده خلوق كثير فعليه دم وان كان قليلاً فصدقة ۔ (البحر الرائق ج۳ ص۱۳ باب الجنايات) لـه

لـه قال العلامة عالم بن العلاء الانصاریؒ، وكذا اذا غطى اربع رأسه يوماً فصاعداً فعليه دم ۔ (الفتاوى التاتارخانية ج۲ ص۴۹۵ الفصل الخامس فيما يحرم على المحرم، نوع منه في لبس المخيط)

وَمِثْلُهٗ في البحر الرائق ج۳ ص۶ باب الجنايات

لـه وفي الهندية: ولو غطى المحرم راسه او وجهه يوماً فعليه دم وان كان اقل من ذلك فعليه صدقة. كذا في الخلاصة ۔ (الفتاوى الهندية ج۱ ص۲۴۲ الباب الثامن في الجنايات، الفصل الثاني في اللبس)

وَمِثْلُهٗ في الفتاوى تاتارخانية ج۲ ص۴۹۴ الفصل الخامس، نوع منه في لبس المخيط)

لـه وفي الهداية، ولا بأس ان يقعد في دكان عطار او موضع يتبخر فيه قبر الا انه يكره۔

(الفتاوى الهندية ج۱ ص۲۴۲ الباب الثامن في الجنايات، الفصل الاول)

وَمِثْلُهٗ في الفتاوى تاتارخانية ج۲ ص۵۰۶ الفصل الخامس فيما يحرم على المحرم ۔ نوع منه في الدهن والتطيب والخضاب ۔

ذبح اور حلق میں ترتیب

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ حکومت سعودی عرب نے قربانی کے گوشت کو محفوظ کرنے کے لیے ایک نئی قربان گاہ قائم کی ہے بعض حاجی حضرات سہولت کے لیے اپنی قربانی کو دوسرے کے سپرد کر دیتے ہیں یا قربانی کی قیمت بینک میں جمع کرا دیتے ہیں، اس طرح قربانی کا وقت کامل طور پر معلوم نہیں ہو سکتا کہ کس وقت ذبح کی گئی، اب اگر کسی شخص نے حلق کر لیا اور یہ حلق ذبح پر مقدم ہو گیا تو کیا اس مقدم ہونے پر دم واجب ہو گا یا نہیں؟

الجواب:۔ احناف کے نزدیک ذبح حلق پر مقدم کرنا واجب ہے مؤخر کرنے سے دم واجب ہو گا، اسلیئے اگر بینک والوں نے ذبح بعد میں کیا اور حاجی نے حلق پہلے کیا ہو تو دم لازم ہوتا ہے اسلیئے بہتر یہ ہے کہ اپنی قربانی خود ذبح کر کے پھر حلق کرے۔

قال ابن نجیمؒ:۔ فان حلق القارن قبل ان یذبح فعلیه دمان عند ابی حنیفةؒ دم بالحلق فی غیر اوانه لان اوانه بعد الذبح ودم بتاخیر الذبح عن الحلق۔

(البحر الرائق ج۲ ص۳۶۱ باب القران) [1]

ترکِ سعی کا دم ایام النحر کے ساتھ مخصوص نہیں

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ اگر ایک آدمی آدمی سے واجب سعی ترک ہو جائے تو اس کا شرعًا کیا حکم ہے؟

الجواب:۔ حج وعمرہ میں صفا ومروہ کے درمیان سعی کرنا واجب ہے ترک کرنے کی صورت میں دم واجب ہو جاتا ہے اور یہ ذبح ہر وقت جائز ہے ایام نحر کے ساتھ مخصوص نہیں کسی کو بھی پیسے دے کر مکہ مکرمہ میں ذبح کیا جا سکتا ہے۔

قال العلامة المرغینانیؒ: ومن ترك السعی بین الصفا والمروة فعلیه دم وحجة تام وفیهما ایضًا یجوز ذبح بقیة الایام فی ای وقت شاء۔ (الهدایة ج۱ ص۲۵۵ باب الجنایات) [2]

---

[1] قال الحصکفیؒ:۔ ثم بعد الرمی ذبح ثم قصر وفی ردّ المحتار ای او حلق کما دل علیه قوله و حلقه افضل۔ (رد المحتار ج۲ ص۵۱۵ فصل فی الاحرام وصفة الحج مطلب فی رمی العقبة)

وَمِثْلُهٗ فی فتح القدیر ج۲ ص۲۷۳ باب الجنایات۔

[2] قال فی الهندیة: من ترك السعی بین الصفا والمروة فعلیه دم وحجة تامٌ۔
(الفتاوی الهندیة ج۱ ص۲۴۷ الباب الثامن الجنایات ، فصل خامس فی الطواف والسعی)
ومثلهٗ فی فتح القدیر ج۳ ص۸۱ باب الهدی۔

طوافِ صدر چھوڑنے پر دم واجب ہے

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ طوافِ صدر کے ترک کرنے سے دم واجب ہوتا ہے یا نہیں؟

الجواب: طوافِ صدر ترک کرنے سے دم واجب ہوتا ہے، البتہ طوافِ صدر اب بھی کرسکتا ہے، یعنی عمرہ کی نیت کرکے عمرہ ادا کیا جائے تو اس طوافِ عمرہ سے طوافِ صدر ادا ہو جائے گا۔

وفی الهندیة: ولو ترك طواف صدر او اکثر تجب علیه الشاة۔
(الفتاوى الهندیة ج ۱ ص۲۴۶ الباب الثامن فی الجنایات، الفصل الخامس)[1]

عورت کے لیے وقوفِ مزدلفہ کا دم

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ بعض اعذار کی وجہ سے اگر کوئی عورت وقوفِ مزدلفہ اور رمی نہ کر پائے تو اس پر دم واجب ہوگا یا نہیں؟

الجواب: بغیر عذرِ شرعی کے وقوفِ مزدلفہ اور رمی کو ترک کرنا صحیح نہیں چھوٹ جانے کی صورت میں دم لازم ہے، البتہ کسی شرعی عذر کی وجہ سے وقوفِ مزدلفہ اور رمی چھوٹ جانے پر دم واجب نہیں۔

قال العلامة الشامی رحمه الله: ثم وقف بمزدلفة ووقته من طلوع الفجر الی طلوع الشمس ولو مارًّا کما فی عرفة لکن لو ترکه بعذر کزحمة بمزدلفة فلا شیٔ علیه۔ قال ابن عابدینؒ: الا اذا کانت بعلة او ضعف او یکون امرأة تخاف الزحام فلا شیٔ علیه۔ (رد المحتار ج ۲ ص۵۱۱ کتاب الحج، مطلب فی الوقوف بالمزدلفة)[2]

---

[1] قال العلامة ابن نجیم المصریؒ: ولما کان طواف الصدر واجبًا وجب بترك کله او اکثره دم۔ (البحر الرائق ج۳ ص۲۱ باب الجنایات)
وَمِثْلُهٗ فی رد المحتار ج۲ ص۵۵۵ باب الجنایات۔

[2] قال العلامة ابن نجیمؒ: اراد بالترك الترك لغیر عذرٍ اما اذا ترك واجبًا لعذرٍ فانه لاشیٔ علیه۔ (البحر الرائق ج۳ ص۲۳ باب الجنایات)
وَمِثْلُهٗ فی الهندیة ج۱ ص۲۴۷ الباب الثامن فی الجنایات، الفصل الخامس۔

دم جنایت زمینِ حرم سے خاص ہے

سوال:۔ ایک شخص پر ترکِ رمی کی وجہ سے دم واجب ہوا اُس کا ذبح کرنا کہاں ضروری ہے ؟

الجواب:۔ دمِ جنایت زمینِ حرم سے خاص ہے خواہ منیٰ ہو یا مکہ مکرمہ، لیکن حرم کی زمین ضروری ہے۔

قال العلامة برهان الدين المرغيناني ؒ: ولا يجوز ذبح الهدايا الا فى الحرم لقوله تعالىٰ فى جزاء الصيد هدياً بالغ الكعبة فصار اصلا فى كل دم۔ (الهداية ج۱ ص۲۸۱ باب الهدى) ؎۱

بلا احرام میقات سے تجاوز کرکے پھر عود کرنا

سوال:۔ ایک شخص جو آفاقی ہے ماہ شوال میں حج کے لیے آیا اور میقات سے عمرہ کا احرام باندھ کر مکہ مکرمہ میں اقامت کی نیت کر لی، اس کے بعد مدینہ منورہ چلا گیا پھر مکہ مکرمہ میں بغیر احرام داخل ہوا تو کیا اس آدمی پر دم واجب ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ اس آفاقی پر دونوں صورتوں میں دم واجب نہیں، پہلی صورت میں اس وجہ سے کہ ابتداء میں اس نے عمرہ کا احرام میقات سے باندھا ہے تو تجاوز میقات سے بلا احرام نہ پایا گیا اور مدینہ منورہ جانے میں تجاوز میقات سے بلا احرام پایا گیا ہے لیکن پھر عود کرکے واپس مکہ مکرمہ میں داخل ہوا ہے اور حج کا احرام زمینِ حرم سے باندھا ہے اسلئے دم ساقط ہوا ہے۔

وفى الهندية: فان عاد حلالاً ثم احرم سقط عنه الدم۔

(الفتاوى الهندية ج۱ ص۲۵۳ الباب العاشر فى مجاوزة الميقات بغير احرام) ؎۲

آفاقی شخص کا زیارتِ نبوی کیلئے بغیر احرام جانا

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک آفاقی شخص

؎۱ وفى الهندية: ولا يجوز ذبح الهدايا الا فى الحرم۔ (الفتاوى الهندية ج۱ ص۲۶۱ الباب السادس عشر فى الهدى)

ومثله فى التاتارخانية ج۲ ص۵۳۶ الفصل الحادى عشر فى الاحصار۔

؎۲ قال الشيخ ابن نجيم المصرىؒ: من جاوز آخر المواقيت بغير احرام ثم عاد اليه وهو محرم ولبى فيه فقد سقط عنه الدم لزمه بالمجاوزة بغير احرام۔

(البحر الرائق ج۳ ص۴۸ باب مجاوزة الميقات بغير احرام)

ومثله فى التاتارخانية ج۲ ص۴۷۰ الفصل الرابع فى بيان مواقيت الاحرام۔

مکہ مکرمہ آیا اور وہاں اقامت کی نیت کرکے شوال میں مدینہ منورہ زیارتِ روضۂ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے چلا گیا پھر ذوالحلیفہ سے عمرہ کے لیے احرام باندھ کر مکہ مکرمہ آیا، تو کیا اس شخص پر دم واجب ہے یا نہیں؟

الجواب:- مواقیت سے بلا احرام تجاوز کرتے ہوئے حج وعمرہ کے لیے جانا جائز نہیں، چونکہ اس شخص نے میقات سے تجاوز حج یا عمرہ کے لیے نہیں بلکہ زیارتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے کیا ہے اس لیے ایسا کرنے سے اس پر کوئی دَم وغیرہ لازم نہیں ہوا۔

قال ابن عابدینؒ: (تحت قوله کمکی یرید الحج) اما لو خرج الی الحل لحاجة فاحرم منه ووقف بعرفة فلا شئ علیه کالافاقی اذا جاوز المیقات قاصداً البستان ثم احرم منه۔
(رد المحتار ج ۲ ص۵۸۱ باب الجنایات، مطلب لا یجب الضمان بکسر آلات اللهو) [1]

جدہ جانے والے کے لیے میقات سے بلا احرام تجاوز کرنا

سوال:- کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک شخص جدہ جانے کا قصد کرتا ہے تو کیا وہ میقات سے بغیر احرام کے گذر سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب:- اگر کوئی شخص ہوائی جہاز سے صرف جدہ تک سفر کا قصد رکھتا ہو تو وہ میقات سے بلا احرام تجاوز کر سکتا اور اس شخص پر کوئی دَم لازم نہیں۔

قال العلامة الحصکفیؒ: اما لو قصد موضعاً من الحل کخلیص وجدة حل له مجاوزته بلا احرام۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۲ ص۴۷۷ مطلب فی المواقیت) [2]

---

[1] قال الشیخ ابن الهمام رحمه اللہ:- لانه خرج الی الحل لحاجة فاحرم منه ووقف بعرفة فلا شئ علیه کالافاقی اذا جاوز المیقات قاصداً للبستان ثم احرم منه...... التمتع بما اذا خرج لحاجة الی الحل ثم احرم بالحج منه لا یجب علیه شئ کالمکی۔
(فتح القدیر ج۳ ص۴۲ باب مجاوزة المیقات بغیر احرام)
ومثله فی التاتارخانیة ج۲ ص۴۷۶ الفصل الرابع فیما یلزم لمجاوزة المیقات بغیر احرام۔

[2] قال ابن العلا الانصاریؒ: رجل دخل بستان بنی عامر وفی التجرید وبستان بنی عامر لحاجة فله ان یدخلها مکة بغیر احرام۔ (الفتاوی التاتارخانیة ج۲ ص۴۷۷ الفصل الرابع ما یخرج علی المحرم)

میقات میں تلبیہ بھول جانے پر دم کا وجوب

سوال:۔ ایک آدمی نے میقات سے عمرہ و حج وغیرہ کے لیے احرام باندھا اور تلبیہ پڑھنا بھول گیا اور میقات میں داخل ہونے کے بعد تلبیہ شروع کیا تو کیا اس آدمی پر دم واجب ہے یا نہیں؟

الجواب: شرعی قواعد کی رو سے اس آدمی پر دم واجب ہے کیونکہ صرف نیت کرنا اور بغیر تلبیہ کے احرام میں داخل ہونا غیر ظاہر روایت ہے، پس اس آدمی پر ضروری ہے کہ دوسرے شخص کے ذریعے حدودِ حرم میں ذبح کرائے۔

قال العلامة الحصکفیؒ: (وجاوز وقته) ظاهر ما فی النهر عن البدائع اعتبار الارادة عند المجاوزة (ثم احرم) لزمه دم كما اذا لم يحرم۔ (الدر المختار علی صدر رد المختار ج ۲ ص۵۷۹ باب الجنایات)[۱]

طوافِ زیارت سے پہلے بیوی سے جماع حرام ہے

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ اگر کسی سے طوافِ رہ جائے تو طوافِ زیارت ادا کرنے سے پہلے اپنی بیوی سے جماع کر سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ طوافِ زیارت ادا کرنے سے پہلے بیوی سے جماع کرنا حرام ہے، اگر حلق کے بعد اور طواف سے پہلے جماع کرے تو دم لازم ہوگا، اور اگر حلق و طواف دونوں سے پہلے اور وقوفِ عرفہ کے بعد کرے تو ایک بُدنہ (یعنی اونٹ ذبح کرنا) واجب ہے۔

لما قال العلامة الحصکفیؒ: وطؤه بعد وقوفه لم يفسد حجه وتجب بُدنة وبعد الحلق قبل الطواف شاة لخفة الجناية۔ قال ابن عابدینؒ: بعد وقوفه ای قبل الحلق والطواف۔

(رد المختار ج ۲ ص۵۶۰ باب الجنایات۔ کتاب الحج)[۲]

---

[۱] لما فی الهندیة: اذا دخل الآفاقی مکة بغیر احرام وهو لا یرید الحج والعمرة فعلیه لدخول مکة اما حَجّة او عُمرة فان احرم بالحج او العمرة من غیر ان یرجع الی المیقات فعلیه دم لترك حق المیقات۔ (الفتاوی الهندیة ج ۱ ص۲۵۳ الباب العاشر فی مجاوزة المیقات بغیر احرام)

وَمِثْلُهُ فی البحر الرائق ج ۳ ص۴۸ باب مجاوزة المیقات بغیر احرام۔

[۲] لما قال العلامة برهان الدین المرغینانیؒ: ومن جامع بعد الوقوف بعرفة لم یفسد حجه وعلیه بُدنة ۔۔۔۔ وان جامع بعد الحلق فعلیه شاة لبقاء احرامه فی حق النساء دون لبس المخیط ۔۔۔ (الهدایة ج ۱ ص۲۵۱، ۲۵۲ کتاب الحج، باب الجنایات)

وَمِثْلُهُ فی الهندیة ج ۱ ص۲۴۵ الباب الثامن فی الجنایات۔ الفصل الرابع فی الجماع۔

عینک کے ساتھ حج کرنا درست ہے

سوال:۔ اگر کسی شخص کی آنکھیں خراب ہوں تو کیا وہ چشمہ لگا کر حج کر سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ احرام کی حالت میں پورے چہرے کا چھپانا ممنوع ہے اور چشمہ سے چونکہ چہرہ نہیں چھپتا ہے لہٰذا چشمہ لگا کر حج کرنا جائز ہے۔

لما قال العلامة ظفر احمد العثمانیؒ: لگا سکتا ہے۔ (امداد الاحکام ج۲ ص۱۸۰) [1]

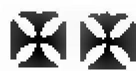
احرام کی حالت میں خوشبودار پان کھانے کا مسئلہ

سوال:۔ اگر کوئی شخص پان کھانے کا عادی ہو اور وہ احرام کی حالت میں خوشبودار پان کھائے تو کیا اس سے دم لازم آئے گا یا نہیں؟

الجواب:۔ خوشبودار چیز کسی اور کھانے والی شئے میں پکا کر یا بغیر پکائے استعمال کی جائے تو اگر خوشبودار چیز مغلوب ہو جائے تو اس چیز کے کھانے سے دم لازم نہیں آتا مگر کراہت سے خالی بھی نہیں اور اگر خوشبودار شئے غالب ہو تو اس کے کھانے کی صورت میں دم ضرور لازم ہوگا، لہٰذا پان میں چونکہ خوشبودار چیز مغلوب ہوتی ہے اس لیے پان کھانے سے دم تو لازم نہیں ہوتا مگر ایسا کرنا مکروہ ضرور ہے، بہتر یہ ہے کہ احرام کی حالت میں پان میں خوشبودار چیز استعمال نہ کی جائے۔

وفی الہندیۃ: ولو کان الطیب فی طعام طبخ وتغیر فلا شئ علی المحرم فی اکلہ سواء یوجد رائحتہ اولا کذا فی البدائع وان خلطہ بما یوکل بلا طبخ فان کان مغلوبا فلا شئ علیہ غیر انہ ان وجدت معہ الرائحۃ کرہ وان کان غالبا وجب الجزاء۔

(الفتاوی الہندیۃ ج۱ ص۲۴۱ الباب الثامن فی الجنایات) [2]



---

[1] لما قال المفتی عزیز الرحمٰنؒ:۔ سوال، محرم چشمہ لگا سکتا ہے یا نہیں؟ جواب: لگا سکتا ہے۔ (فتاوی دار العلوم دیوبند ج۶ ص۵۵۴ مسائل جنایات)

[2] قال العلامۃ الشیخ اشرف علی التھانوی رحمہ اللہ: پان چونکہ داخل طیب نہیں بلکہ موجب زینت ہے منافی احرام نہیں اور الائچی اور مثل اس کے طیب ضرور ہیں مگر چونکہ پان و تمباکو میں مغلوب ہیں لہٰذا وہ بھی جنایت نہیں گو خالی از کراہت بھی نہیں۔ اھ

(امداد الفتاوی ج۲ ص۱۶۲ باب الاحرام)

دورانِ حج خرید و فروخت کرنا جائز ہے

سوال: جو شخص حج کرنے کے لیے مکہ مکرمہ جائے تو کیا وہ وہاں حج کے دوران تجارت یعنی خرید و فروخت کر سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب: صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے زمانہ میں منیٰ وغیرہ کے مقامات میں بازار لگتے تھے تو جو لوگ حج کے لیے آتے تھے وہ حج کے ساتھ ساتھ خرید و فروخت بھی کرتے تھے، قرآنِ کریم نے بھی اس کے جواز کا حکم دیا ہے، یہاں ایک بات ذہن میں رہے کہ یہ سفر صرف حج کی نیت سے ہونا چاہیئے اور اگر یہ سفر تجارت کی غرض سے ہو تو حج ادا نہ ہوگا۔

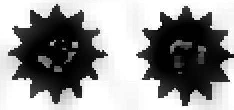
قال اللہ تبارک وتعالیٰ: لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَنْ تَبْتَغُوا فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكُمْ فَإِذَا أَفَضْتُمْ مِّنْ عَرَفَاتٍ فَاذْكُرُوا اللهَ عِنْدَ الْمَشْعَرِ الْحَرَامِ۔ (سورۃ البقرۃ آیت ۱۹۸)[۱]

حدودِ حرم سے باہر حلق یا قصر کر کے احرام سے نکلنا

سوال: اگر کوئی شخص عمرہ کا احرام باندھے، طواف اور سعی کے بعد حلق نہ کرے اور حدودِ حرم سے باہر چلا جائے اور وہاں یاد آنے پر حلق کر کے احرام کھول دے تو کیا اس شخص پر دم لازم ہوگا یا نہیں؟

الجواب: احرام سے نکلنے کے لیے ضروری ہے کہ حلق یا قصر حدودِ حرم کے اندر کیا جائے، اگر کوئی محرم حالتِ احرام میں حدودِ حرم سے باہر جا کر حلق یا قصر کر کے احرام سے نکلے تو اس پر دم لازم ہوگا اور اس دم کو حدودِ حرم کے اندر ذبح کرنا لازم ہوگا۔

لما قال العلامۃ ابن عابدینؒ: واعتمر فخرج من الحرم وقصر فعلیہ دم عندھما۔ (ردالمحتار ج۲ ص۲۲۵ کتاب الحج)



---

[۱] قال ابوبکر الجصاص الحنفی رحمہ اللہ۔ حتی قال فی جوازہ بعد ذکر الدلائل وجمیع ذٰلک یدل علی ان الحج لا یمنع التجارۃ وعلی ھٰذا امر الناس من عصر النبی علیہ السلام الی یومنا ھٰذا فی مواسم منی ومکۃ فی ایام الحج۔ واللہ اعلم ــــ وکذا قال محمد بن احمد الانصاری القرطبی فی تفسیرہ احکام القرآن ج۲ ص۴۱۳۔ (احکام القرآن ج۱ ص۳۲۵ باب التجارۃ فی الحج)

باب الھدی

(قربانی کے احکام و مسائل)

قارن یا متمتع کا اپنی قربانی سے گوشت کھانا

سوال:۔ کیا متمتع اور قارن اپنی قربانی سے گوشت کھا سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ احناف کے ہاں دم تمتع اور دم قران دم شکر ہے اور اس کے گوشت کا حکم بھی عام قربانی کی طرح ہے یعنی جس طرح اضحیۃ سے مالک خود کھا سکتا ہے اسی طرح دم قران اور دم تمتع سے بھی کھا سکتا ہے بلکہ اوروں کو بھی کھلایا جا سکتا ہے۔

قال الشیخ وھبۃ الزحیلی: ویری الحنفیۃ انہ یجوز الأکل من ھدی التطوع والتمتع والقران اذا بلغ الھدی محلہ لانہ دم نسك فیجوز الأکل منہ بمنزلۃ الاضحیۃ[1] وما جاز لصاحبہ الأکل منہ جاز للغنی الأکل منہ۔

(الفقہ الاسلامی وادلتہ ج۳ ص۳۰۳ باب الھدی رابعاً الأکل من الھدی)

دم جنایت سے خود کھانا جائز نہیں

سوال:۔ دم جنایات مثلاً احرام میں خوشبو لگانے یا تقدیم و تاخیر وغیرہ سے جو دم لازم آتا ہے حاجی کا اس سے کھانا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ ہر وہ قربانی (دم) جو کسی جنایت کی وجہ سے حاجی پر لازم ہو جائے یا وہ خود اس کو اپنے اوپر لازم کرے تو اس قربانی کا استعمال (کھانا وغیرہ) خود حاجی اور اغنیاء دونوں کے لیے حرام ہے بلکہ صرف فقراء ہی اس سے کھا سکتے ہیں۔

قال الشیخ وھبۃ الزحیلی: ولا یجوز الأکل من بقیۃ الھدایا کدماء الکفارات والنذور وھدی الاحصار والتطوع اذا لم یبلغ محلہ و

---

[1] قال العلامۃ برھان الدین المرغینانی ؒ یجوز الأکل من ھدی التطوع والمتعۃ والقران ویستحب لہ ان یأکل منھا۔ (الھدایۃ ج۱ ص۲۸۰ کتاب الحج)

ومثلہ فی تبیین الحقائق ج۲ ص۸۹ باب الھدی۔

محلہ منیٰ اومکۃ۔ (الفقہ الاسلامی وادلتہٗ ج ۳ ص۳۰۳ باب الھدی رابعاً الاکل من الھدی)[1]

حرم کی حدود میں تحلیل کے لیے یوم النحر سے قبل ذبح کرنا

سوال:۔ اگر کوئی شخص احرام باندھنے کے بعد کسی عذرِ شرعی کی وجہ سے حج کے لیے نہ جا سکے اور وہ تحلیل کے لیے حرم کی حدود میں یوم نحر سے قبل جانور ذبح کرے تو کیا یہ آدمی ایسا کرنے سے حلال ہو سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک دمِ احصار کے ذبح کے لیے صرف حرم کی حدود کا ہونا ضروری ہے اگرچہ یوم نحر سے قبل ہو، اس لیے صورتِ مسئولہ میں اس محصر کا احرام سے حلال ہونا درست ہے۔

قال الشیخ وھبۃ الزحیلی: فیجوز عند ابی حنیفۃؒ ذبح الھدی قبل یوم النحر لاطلاق النص ولانہ لتعجیل التحلل۔ وقال الصاحبان لایجوز الذبح للمحصر بالحج الا فی یوم النحر کدم التمتع والقران وعلی الرای الاول ھو الراجح یکون زمان ذبح الھدی مطلق الوقت لا یتوقف بیوم النحر سواء کان الاحصار من الحج أم عَنِ العُمْرَۃِ۔

(الفقہ الاسلامی وادلتہٗ ج ۳ ص۲۹۲ باب الھدی۔ اما زمان ذبح الھدی)[2]

حج سے واپسی کے بعد دم اپنے وطن میں ادا کرنا

سوال:۔ اگر کسی شخص پر دم لازم آئے اور اس کے پاس قربانی کے لیے پیسے نہ ہوں تو کیا یہ شخص واپس آکر اپنے وطن میں دم دے سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ جو قربانی (دم) ایامِ حج میں حج کی وجہ سے یا جنایات کی وجہ سے حاجی پر

---

[1] قال العلامۃ برھان الدین المرغینانیؒ:۔ ولایجوز الاکل من بقیۃ الھدایا لانھا دماء کفارات۔ (الھدایۃ ج ۱ ص۲۸۰ کتاب الحج۔ باب الھدی)

وَمِثْلُہٗ فی تبیین الحقائق ج ۲ ص۸۹ کتاب الحج۔ باب الھدی۔

[2] قال العلامۃ برھان الدین المرغینانیؒ:۔ ولایجوز دم الاحصار الا فی الحرم ویجوز ذبحہ قبل یوم النحر عند ابی حنیفۃؒ وقالا لایجوز الذبح للمحصر بالحج الا فی یوم النحر۔

(الھدایۃ علی صدر فتح القدیر ج ۳ ص۵۵ باب الاحصار)

وَمِثْلُہٗ فی الفتاویٰ الھندیۃ ج ۱ ص۲۵۶ الباب الثانی عشر فی الاحصار۔

لازم آئے تو ان ھدایا کا حدودِ حرم میں ذبح کرنا ضروری ہے، حدودِ حرم سے باہر اُن کا ذبح کرنا جائز نہیں، اس لیے یہ شخص اپنے وطن میں ذبح کرنے کے بجائے حرم میں ہی ذبح کرے گا۔

قال الشیخ وھبۃ الزحیلی: ولا یجوز ذبح الھدایا الا فی الحرم لأن الھدی اسم لما یھدی الی مکان ومکانہ الحرم۔ (الفقہ الاسلامی وَاَدِلَّتُہٗ ج۳ ص۳۰۰ خامسًا مکان ذبح الھدی) [1]

دمِ جنایات کے لیے وقت یا دن کا مشروط ہونا

سوال:۔ کیا دمِ جنایات کے لیے کوئی وقت یا دن شرعًا مقرر ہے یا کہ جس وقت اور جب چاہے ادا کرسکتا ہے؟

الجواب:۔ حج میں نقصان کے جبیرہ (ازالہ) کے لیے جو دم لازم ہوتا ہے شرعًا اس کے ادا کرنے کے لیے کوئی وقت مقرر نہیں بلکہ حاجی جب اور جس وقت چاہے ادا کرسکتا ہے۔

قال الشیخ وھبۃ الزحیلی: ویجوز ذبح بقیۃ الھدایا ای وقت شاء لانھا دماء کفارات فلا یختص بیوم النحر لانھا وجبت لجبر النقصان۔

(الفقہ الاسلامی وادلتہٗ ج۳ ص۳۰۲ خامسًا مکان ذبح الھدی وزمانہ) [2]

منیٰ میں قربانی پر عدمِ قدرت کی صورت میں کیا کرنا چاہیئے؟

سوال:۔ اگر حاجی منیٰ میں قربانی کرنے پر قادر نہ ہو تو اس کو کیا کرنا چاہیئے، شرعًا اس کا کوئی بدل ہے؟

---

[1] قال العلامۃ برھان الدین المرغینانیؒ: لایجوز ذبح الھدایا الا فی الحرم. لقولہ تعالیٰ: فِیْ جَزَاءِ الصَّیْدِ هَدْیًا بَالِغَ الْکَعْبَۃِ ---- ولان الھدی اسم لما یھدیٰ الیٰ مکانٍ و مکانہ الحرم۔ (الھدایۃ ج۱ ص۲۸۱ باب الھدی)

وَمِثْلُہٗ فی تبیین الحقائق ج۲ ص۹۰ باب الھدی۔

[2] قال العلامۃ برھان الدین المرغینانیؒ: ویجوز ذبح بقیۃ الھدایا فی ای وقت شاء ولنا ان ھذہٖ دماء کفارات ولا یختص بیوم النحر لانھا لما وجبت بجبر النقصان کان التعجیل بھا اولیٰ لارتفاع النقصان بہٖ من غیر تاخیر بخلاف دم المتعۃ والقران لانہٗ دم نسك۔

(الھدایۃ ج۱ ص۲۸۱ کتاب الحج، فصل فی الھدی)

وَمِثْلُہٗ فی الھندیۃ ج۱ ص۲۶۱ الباب السادس عشر فی الھدی۔

الجواب: منیٰ میں قربانی پر عدم قدرت کی وجہ سے قربانی کے بدلے میں ایامِ حج میں تین روزے اور حج سے فارغ ہوکر گھر آجانے کے بعد سات روزے رکھنے لازمی ہیں، یاد رہے کہ یہاں عدم قدرت سے مراد منیٰ میں قربانی کرنے پر قادر نہ ہونا ہے اگرچہ اپنے وطن میں قادر ہو۔

قال الشیخ وھبۃ الزحیلی: فان لم یجد المتمتع الھدی ینتقل الی صیام ثلاثۃ ایام فی الحج وسبعۃ اذا رجع الی وطنہ وتعتبر القدرۃ علی الھدی فی موضعہ فمتی عدمہ فی موضعہ جاز لہ الانتقال الی الصیام وان کان قادراً علیہ فی بلدہ۔ (الفقہ الاسلامی وادلتہ ج۳ ص۳۰۲ باب الھدی) [1]

بینک کے ذریعے قربانی کرنا جائز ہے

سوال: آجکل بعض حجاج حکومتی بینکوں میں قربانی کے پیسے جمع کرا دیتے ہیں اور بینک والے اُن کی طرف سے قربانی کرتے ہیں، جبکہ اس طریقہ میں تقدیم و تاخیر اور نہ کرنے کا خطرہ بھی رہتا ہے، تو کیا ان شبہات کے ہوتے ہوئے بینک کے ذریعے قربانی کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: قربانی کرنا ایسا عمل ہے جس میں نیابت درست ہے اس لیے بینک کی معرفت قربانی کرنے سے قربانی کا فریضہ ادا ہو جائے گا، مگر اس میں اس بات کا خیال رکھنا ضروری ہے کہ حلق اور قربانی میں تقدیم و تاخیر نہ ہو ورنہ حنفیہ کے نزدیک دمِ جنایت لازم آئے گا، اسی طرح قربانی میں جانور کا ذبح کرنا ضروری ہے صرف قربانی کے پیسے جمع کرا دینے سے ذمہ فارغ نہ ہوگا، لہٰذا مذکورہ شبہات کے ہوتے ہوئے بینک کے ذریعے قربانی نہ کرائی جائے بلکہ خود قربانی کرکے حلال ہو جائے۔

قال الشیخ وھبۃ الزحیلی: والاولیٰ بالاتفاق ان یتولی الانسان ذبح الھدی بنفسہ ان کان یحسن ذلک لانہ قربۃ والعمل بنفسہ فی القربات اولیٰ لما فیہ من زیادۃ الخشوع..... وان ذبح الھدی غیر صاحبہ اجزاہ والمستحب ان یشھد ذبحہ۔ (الفقہ الاسلامی وادلتہ ج۳ ص۳۰۹ باب الھدی، سادساً ذبح الھدی) [2]

---

[1] قال اللہ تبارک وتعالیٰ: فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ فِي الْحَجِّ وَسَبْعَةٍ اِذَا رَجَعْتُمْ تِلْكَ عَشَرَةٌ كَامِلَةٌ۔ (سورۃ البقرۃ آیت ۱۹۶)

وَمِثْلُہٗ فی الفتاویٰ التاتارخانیۃ ج۲ ص۵۳۸ کتاب الحج۔ تفسیر الھدی۔

[2] قال العلامۃ برھان الدین المرغینانیؒ: والاولیٰ ان یتولی ذبحھا بنفسہ اذا کان یحسن ذلک..... الا ان الانسان قد لا یھتدی لذلک ولا یحسنہ فجوزناہ تولیۃ غیرہ۔ (الھدایۃ ج۱ ص۲۸۱ باب الھدی)

وَمِثْلُہٗ فی تبیین الحقائق ج۲ ص۹۰ باب الھدی۔

باب العمرة
(عمرہ کے مسائل واحکام)

عمرہ کے بعد سر منڈانے کا حکم

سوال: عمرہ ادا کرنے کے بعد سر کو منڈانا ضروری ہے یا نہیں، اگر سر نہ منڈائے تو کیا گنہگار ہوگا؟

الجواب: عمرہ میں قاعدہ حلق یا قصر واجب ہے اس کو ترک کرنا یا حرم سے باہر جاکر حلق کرنا موجب دم ہے۔

کما فی الهندية: اما واجباتها فالسعي بين الصفا والمروة والحلق او التقصير (الفتاوى الهندية ج ۱ ص ۲۳۷)

وقال ايضاً: وتجب شاة بتاخير النسك عن مكانه كما اذا خرج من الحرم وحلق رأسه سواء كان الحلق للحج او للعمرة۔ (الفتاوى الهندية ج ۱ ص ۲۴۷۔ الباب الثامن فی الجنایات۔ الفصل الخامس) [1]

متعدد عمرے کرنے کی صورت میں حلق کیسے کیا جائے؟

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک شخص نے عمرہ کرنے کے بعد حلق کرلیا، اس کے بعد جب دوسرا عمرہ کیا تو چونکہ اس کا سر پہلے سے محلوق تھا، اب یہ شخص کیا کرے، سر پر استرہ پھیرے یا ویسے ہی چھوڑ دے؟

الجواب: جب ایک عمرہ ادا کرنے کے بعد حلق کرلیا جائے تو دوسرے اور تیسرے عمرے کی ادائیگی کے بعد سر پر صرف استرہ ہی پھیر دے جو کہ قائم مقام حلق کے ہوگا۔

قال العلامة عالم بن العلاء الانصاریؒ: واذا جاء وقت الحلق ولم يكن على رأسه شعر بان كان حلق قبل ذلك او بسبب آخر ذكر فی الاصل انه يجری الموسى على رأسه۔ (الفتاوى التاتارخانية ج ۲ ص ۵۴۳ الفصل الرابع عشر فی الحلق والقصر) [2]

---

[1] قال الحصكفیؒ: وغيرهما واجب وفی رد المحتار اراد بالغير من المذكورات هنا وذلك اقل اشواط الطواف والسعي والحلق او التقصير۔ (رد المحتار ج ۲ ص ۴۷۳ كتاب الحج، مطلب فی احكام العمرة)

ومثله فی تاتارخانية ج ۲ ص ۵۲۶ الفصل الثامن فی بيان وقت الحج والعمرة۔

[2] قال فی الهندية: واذا جاء وقت الحلق ولم يكن على رأسه شعر بان كان حلق قبل ذلك او بسبب آخر ذكر فی الاصل انه يجری موسى على رأسه۔ (الفتاوى الهندية ج ۱ ص ۲۳۱ الباب الثالث فی الاحرام۔)

عُمرہ اور مزدوری

سوال: کیا فرماتے ہیں علماءِ کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ زید عمرہ کے ویزہ سے سعودی عرب جانا چاہتا ہے، عمرہ کے بعد اگر وہ وہاں مزدوری کرے تو کیا اسلام میں یہ اقدام جائز ہوگا یا نہیں؟

الجواب: یہ طریقہ کار قانونی جرم تو ہے اسلامی جرم نہیں، جیسا کہ حج وعمرہ کے لیے جاتے وقت تجارت کا ارادہ کرنا اسلامی جرم نہیں، اس لیے زید کا عمرہ کے ویزہ سے سعودی عرب جانے کے بعد وہاں مزدوری کرنا درست ہے۔

لما فی قوله تعالیٰ: لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَنْ تَبْتَغُوا فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكُمْ ۔ قال ابن العربی: أی فی مواسم الحج المسئلة الثانیة فی هذا دلیل علی جواز التجارة فی الحج للحاج مع اداء العبادة (احکام القرآن ج ۱ ص۱۳۶ سورۃ البقرۃ)

بسلسلہ مزدوری جدہ جانے والے پر عمرہ واجب نہیں

سوال: ایک شخص جدہ میں ملازمت کے سلسلہ میں رہتا ہے تو کیا اس پر عمرہ کرنا واجب ہے یا نہیں؟

الجواب: جدہ چونکہ حرم کعبہ کی حدود سے خارج ہے اور خارج حرم میں جانے سے عمرہ واجب نہیں ہوتا، لہٰذا جدہ جانے والے پر عمرہ واجب نہیں۔

قال ابن عابدینؒ: اما لو قصد موضعاً من الحل کخلیص وجدة حل له مجاوزتہ بلا احرام۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۲ ص۴۷۷ کتاب الحج، مطلب فی المواقیت) [۲]

حج کی بجائے عمرہ ادا کرنا

سوال: کیا فرماتے ہیں علماءِ کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک شخص پر حج فرض ہے لیکن اس نے حج کی بجائے عمرہ

---

[۱] قال الشیخ ابن نجیمؒ: وتجرید السفر عن التجارة احسن ولو اتجر لا ینقص ثوابه کالغازی۔ (البحر الرائق ج ۲ ص۳۰۹ کتاب الحج)

وَمِثْلُهٗ فی الهندیة ج ۱ ص۲۲۰ کتاب المناسک، الباب الاوّل فی تفسیر الحج۔

[۲] قال العلامة العالم بن العلاء الانصاریؒ: رجل دخل بستان بنی عامر وفی المتجر ید وغیرہ لحاجته فله ان یدخل مکة بغیر احرام۔ (الفتاوی التاتارخانیة ج ۲ ص۴۷۷ الفصل الرابع فی ما یحرم علی المحرم)

وَمِثْلُهٗ فی الهندیة ج ۱ ص۲۲۱ الباب الثانی فی المواقیت۔

ادا کیا، تو کیا اس سے فریضۂ حج ساقط ہوا یا نہیں؟

الجواب:۔ حج ارکانِ اسلام میں سے ایک اہم رکن ہے جو خاص وقت میں مخصوص مقامات کی زیارت وافعال کا نام ہے اسلئے عمرہ ادا کرلینے سے حج کا فریضہ ساقط نہیں ہوتا بلکہ ایسا کرنے والے کو حج کرنا ضروری ورنہ مستحقِ وعید ہے۔

عن علیؓ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من ملک زادًا وراحلۃ تبلغہ الی بیت اللہ ولم یحج فلا علیہ ان یموت یھودیًا اونصرانیًا۔ (مشکوٰۃ ج ۱ ص۲۲۲ کتاب الحج) [1]

دن میں متعدد عمرے کرنے کا حکم

سوال:۔ کیا ایک دن میں ایک سے زائد عمرے کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ عمرہ کی ادائیگی کے لئے شریعت مقدسہ نے کسی وقت یا تعداد کا تعین نہیں کیا بلکہ ایک شخص دن میں جتنے عمرے ادا کرسکتا ہے کرلے اس میں کسی قسم کی کوئی پابندی نہیں۔

وفی الھندیۃ: ووقتھا جمیع السنۃ الّا فی خمسۃ ایام تکرہ فیھا العمرۃ لغیر قارن واما رکنھا فالطواف واما واجبتھا فالسعی بین الصفا والمروۃ والحلق او التقصیر۔

(الفتاوٰی الھندیۃ ج ۱ ص۲۳۷ الباب السادس فی العمرۃ) [2]

شوال اور ذیقعدہ میں عمرہ ادا کرنے کا حکم

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ اشہرِ حج میں عمرہ ادا کرنا جائز ہے یا نہیں، اگر کسی نے عمرہ کر لیا تو کیا اس پر دم لازم آئے گا یا نہیں؟

الجواب:۔ ایامِ تشریق، عرفہ اور عید کے دن کے علاوہ تمام سال میں عمرہ کرنا جائز ہے چاہے اشہرِ حج ہوں یا غیر اشہرِ حج۔

قال العلامۃ عالم بن العلاء الانصاریؒ: ووقت العمرۃ السنۃ کلھا۔ وفی الھدایۃ والعمرۃ

---

[1] قال ابن الھمامؒ: بشرائط نوعان ولو ملکہ مسلمًا فلم یحج حتی افتقر حیث یتقرر الحج فی ذمتہ دینًا علیہ۔ (فتح القدیر ج ۲ ص۳۲۰ کتاب الحج)
ومثلہٗ فی الھندیۃ ج ۱ ص۲۱۷ الباب الاول فی تفسیر الحج۔

[2] لما قال الحصکفیؒ: وھی احرام وطواف وسعی وحلق او تقصیر فالاحرام شرط .... وجازت فی کل سنۃ (الدر المختار علیٰ صدر رد المحتار ج ۲ ص۴۷۲، ۴۷۳ مطلب فی احکام العمرۃ)
ومثلہٗ فی التاتارخانیۃ ج ۲ ص۵۲۵ الفصل الثامن فی بیان وقت الحج والعمرۃ۔

لا تفوت ولكن تكره في يوم عرفة وايام التشريق۔ (الفتاوى التاتارخانية ج۲ ص۵۲۵ الفصل الثامن في بيان وقت الحج والعمرة) لـه

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے رمضان المبارک میں کوئی عمرہ نہیں کیا

سوال:۔ کیا رمضان شریف میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی عمرہ ادا فرمایا ہے، اگر ادا فرمایا ہے تو وہ رمضان شریف کی کون سی تاریخ تھی؟

الجواب:۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے رمضان شریف میں کوئی عمرہ نہیں کیا ہے، البتہ رمضان شریف میں عمرہ کرنے کی فضیلت بیان فرمائی ہے۔

قال البراء ابن عازب، اعتمر النبي صلى الله عليه وسلم عمرتين قبل ان يحج فلم يحتسب بعمرة الحديبية كذا في الصحيحين وكلهن في ذيقعدة على ما هو الحق۔ (فتح القدير ج۳ ص۱۳۷ باب العمرة) ٢ـه

زندہ آدمی کیلئے طواف اور عمرہ کرنا

سوال:۔ عمرہ اور طواف کا ثواب اگر کسی زندہ آدمی کو بخشا جائے تو کیا شرعاً یہ جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ زندہ آدمی کے لیے عمرہ اور طواف کا ثواب بخشا جائز ہے اس کی مشروعیت میں کوئی اختلاف نہیں۔

قال ابن عابدين تحت هذه العبارة بعبادة ماله جعل ثوابها لغيره اى سواء كانت صلوٰة اوصوماً اوصدقة اوقرأة اوذكراً اوطوافاً اوحجاً اوعمرة اوغير ذلك۔ (رد المحتار ج۲ ص۵۹۵ مطلب فى اهداء ثواب الاعمال للغير) ۳ـه

لـه قال الحصكفيؒ: (وجازت كل سنة) وندبت في رمضان (وكرهت) تحريماً يوم عرفة واربعة بعدها۔
(الدر المختار على صدر رد المحتار ج۲ ص۴۷۳ مطلب احكام العمرة)
ومِثْلُهٗ في الهندية ج۱ ص۲۳۷ الباب السادس في العمرة۔

٢ـه قال العلامة ابن عابدينؒ: وندب في رمضان وقد اعتمر النبي صلى الله عليه وسلم اربع عمرات كلهن بعد الهجرة في ذيقعدة على ما هو الحق وتمام فيه۔ (رد المحتار ج۲ ص۴۷۳ مطلب احكام العمرة)
ومِثْلُهٗ في التاتارخانية ج۲ ص۵۲۶ كتاب الحج۔ باب العمرة۔

۳ـه قال ابن نجيمؒ: فان من صام اوصلى او تصدق وجعل ثوابه لغيره من الاموات والاحياء جاز ويصل ثوابها اليهم عند اهل السنة والجماعة، كذا في البدائع۔ (البحر الرائق ج۳ ص۵۹ باب الحج عن الغير)
ومِثْلُهٗ في الهندية ج۱ ص۲۵۷ الباب الرابع عشر في الحج عن الغير۔

حج بدل کے بعد کسی کے ایصالِ ثواب کیلئے عمرہ کرنے کا حکم

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک آدمی حج بدل کے لیے گیا، حج بدل ادا کرنے کے بعد اُس نے اپنے والد مرحوم کے ایصالِ ثواب کے لیے عمرہ ادا کیا، تو کیا اس کا یہ عمرہ صحیح ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ حج بدل کرنے والے پر ادائیگی حج تک اپنے آمر کے فرمان کے مطابق ارکانِ حج ادا کرنے لازمی ہیں تاکہ آمر کے حکم کی خلاف ورزی لازم نہ آئے، صورتِ مسئولہ میں اُس نے چونکہ پہلے حج بدل ادا کیا اور پھر ایصالِ ثواب کیلئے عمرہ کیا اس طرح اس نے آمر کے حکم کی مخالفت نہیں کی اس لیے اس کا یہ عمرہ صحیح ہے۔

قال عالم بن العلاء الانصاریؒ: ابن سماعة عن محمدؒ المأمور بالحج اذا حج عن الآمر ثم احرم بعمرة ینفق من مال نفسه مادام معتمراً فاذا انصرف من مال آمر۔ (الفتاوی التاتارخانیة ج۲ ص۵۴۷ الفصل الخامس عشر فی الرجل یحج عن الغیر) [۱]

بیوی کی طرف سے عمرہ کرنا

سوال:۔ کیا صحت مند آدمی کی طرف سے عمرہ ادا کیا جاسکتا ہے یا نہیں، بیوی کی طرف سے خاوند کے عمرہ ادا کرنے کا کیا حکم ہے؟

الجواب:۔ عمرہ اور نفلی حج ہر شخص چاہے صحت مند ہو یا غیر صحت مند اور بیوی یا کسی اور خاتون کی طرف سے ادا کرنے میں کوئی قباحت نہیں۔

قال ابن عابدینؒ: بعبادة ماله جعل ثوابها لغیرہ (ای سواء کانت صلوٰة اوصوماً او صدقة او قرء ة او ذکراً او طوافاً او عمرة وغیر ذٰلک۔

(ردالمحتار ج۲ ص۵۹۵ مطلب فی اِھْدَاء ثواب الاعمال للغیر) [۲]

---

[۱] قال ابن عابدینؒ: ولو امرہ بالعمرة فاعتمر ثم حج عن نفسه لم یکن مخالفاً بخلاف ما اذا حج اولاً ثم اعتمر۔ (ردالمحتار ج۲ ص۶۰۱ مطلب شروط الحج عن الغیر عشرون)
وَمِثْلُهٗ فی البحرالرائق ج۳ ص۷۳ باب الحج عن الغیر۔

[۲] قال ابن نجیمؒ: فان من صام او صلی او تصدق وجعل ثوابه لغیرہ من الاموات والاحیاء جاز ویصل ثوابها الیهم عند اهل السنة والجماعة کذا فی البدائع۔
(البحرالرائق ج۳ ص۵۹ باب الحج عن الغیر)
وَمِثْلُهٗ فی الهندیة ج۱ ص۲۵۷ الباب الرابع عشر فی الحج عن الغیر۔

عمرہ کا احرام باندھنے کے بعد تلبیہ کتنی مرتبہ پڑھنا ضروری ہے؟

سوال:۔ عمرہ کے لیے احرام باندھنے کے بعد کتنی مرتبہ تلبیہ پڑھنا چاہیئے، کیا شرعاً اس کے لیے کوئی تعداد مقرر ہے؟

الجواب:۔ عمرہ یا حج کے لیے احرام باندھنے کی نیت کرنے کے بعد ایک مرتبہ تلبیہ پڑھنا شرط ہے اور تین مرتبہ پڑھنا مستحب امر ہے۔

قال العلامة علاؤ الدین الحصکفیؒ: ثم لبی دبر صلوته ناویًا بها الحج وهی لبیك اللّٰهم لبیك لبیك لاشریك لك لبیك ان الحمد والنعمة لك والملك لاشریك لك۔ وزاد فیها ولا تنقص۔ قال شارح التنویر (ولا تنقص) ای منها فانها مکروه ای تحریما لقولهم انها مرة شرط والزیادة سنة ویکون مسیئا بترکها وبترك رفع الصوت بها۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۲ ص۲۸۲ فصل فی الاحرام)[۱]

عمرہ فرض ہے یا واجب یا سنت؟

سوال:۔ عمرہ فی نفسہٖ کیا حکم رکھتا ہے، فرض ہے یا واجب یا سنت ہے؟

الجواب:۔ احناف کے ہاں زندگی میں ایک بار عمرہ کرنا سنتِ مؤکدہ ہے فرض نہیں۔

قال الشیخ عبدالرحمٰن الجزائریؒ: المالکیة والحنفیة قالوا العمرة سنة مؤکدة فی العمر مرة لافرض لقوله صلی اللّٰه علیه وسلم الحج مکتوب والعمرة تطوع۔

(کتاب الفقه علی المذاهب الاربعة ج۱ ص۶۸۷ مبحث العمرة)[۲]

---

[۱] لما فی الهندیة: وله رکن وشرط (فالرکن) ان یوجد منه فعل من خصائص الحج وهو نوعان احدهما قول) بان یقول لبیك اللّٰهم لبیك، لبیك لاشریك لك ....الخ وهی مرة شرط والزیادة سنة۔ الخ

(الفتاوی الهندیة ج۱ ص۲۲۱،۲۲۲ کتاب المناسك۔ باب الثالث فی الاحرام)

[۲] وفی الهندیة: العمرة عندنا سنة ولیست بواجبة ویجوز تکرارها فی السنة الواحدة (ووقتها) جمیع السنة الاخمسة ایام وتکره فیها العمرة لغیر القارن کذا فی فتاوی قاضیخان، وهی یوم عرفة ویوم النحر وایام التشریق والاظهر من المذهب ماذکرنا ولکن مع هذا لو اداها فی هذه الایام صح ویبقی محرما بها فیها کذا فی الهدایة۔ (الفتاوی الهندیة ج۱ ص۲۳۷ الباب السادس فی العمرة)

ومثله فی رد المحتار ج۲ ص۱۵۱ مطلب احکام العمرة۔

کن ایام میں عمرہ کرنا منع ہے؟ سوال:۔ سال کے کون کون سے دنوں میں عمرہ کرنا جائز نہیں؟

الجواب:۔ احناف کے ہاں عمرہ سال بھر میں صرف پانچ دن کرنا مکروہ ہے، (۱) یوم العرفہ (۲) یوم النحر (۳) اور عید الضحیٰ کے بعد تین دن۔

قال الشیخ عبد الرحمٰن الجزائریؒ: قال الحنفیۃ: یکرہ الاحرام بالعمرۃ تحریماً فی یوم عرفۃ قبل الزوال وبعدہ علی الراجح وکذٰلک یکرہ الاحرام بھا فی یوم عید النحر وثلاثۃ ایام بعدہ۔ (کتاب الفقہ علی المذاھب الاربعۃ ج۱ ص۶۸۵ کتاب الحج، ارکان العمرۃ) [۱]

عمرہ کے کتنے ارکان ہیں سوال:۔ اگر کوئی شخص عمرہ کرنا چاہتا ہو تو اس کیلئے کیا کیا کرنا ضروری ہے یعنی عمرہ کے ارکان کیا ہیں؟

الجواب:۔ احناف کے ہاں عمرہ کے لیے ایک رکن (طواف) ایک شرط (احرام) اور سعی بین الصفا والمروۃ اور حلق یا قصر واجبات میں شامل ہیں، عمرہ کرنے والے کے لیے ان امور کا خیال رکھنا ضروری ہے۔

قال الشیخ عبد الرحمٰن الجزائریؒ: الحنفیۃ قالوا للعمرۃ رکن واحد ھو معظم الطواف اربعۃ اشواط أما الاحرام فھو شرط لھا واما السعی بین الصفا والمروۃ فھو واجب کما تقدم فی الحج ومثل السعی الحلق او التقصیر فھو واجب۔

(کتاب الفقہ علی مذاھب الاربعۃ ج۱ ص۶۸۵ کتاب الحج۔ ارکان العمرۃ) [۲]

---

[۱] قال العلامۃ حسن بن عمار الشرنبلالی رحمہ اللہ:۔ العمرۃ سنۃ وتصح فی جمیع السنۃ، وتکرہ یوم عرفۃ ویوم النحر وایام التشریق۔

(مراقی الفلاح علی نور الایضاح ص۴۰۸ کتاب الحج فی فصل العمرۃ)

وَمِثْلُہٗ فی شرح الوقایۃ ج۱ ص۲۵ کتاب الحج۔

[۲] لما قال العلامۃ قاضی خان رحمہ اللہ:۔ ورکن العمرۃ شیئان الاحرام والطواف بالبیت وواجبھا شیئان السعی بین الصفا والمروۃ والحلق ولیس علیہ ماسوی ذٰلک من رمی الجمار۔

(فتاویٰ قاضی خان علی ھامش الھندیۃ ج۱ ص۳۰۱ فصل فی العمرۃ)

وَمِثْلُہٗ فی الھندیۃ ج۱ ص۲۳۷ الباب السادس فی العمرۃ۔

ایامِ تشریق میں عمرہ کرنے کا حکم

سوال :- اگر کوئی شخص ایامِ تشریق میں عمرہ کرے تو کیا اس کا عمرہ ادا ہوگا یا نہیں ؟

الجواب :- اگرچہ عید الاضحیٰ اور ایامِ تشریق میں عمرہ کرنا شرعاً ممنوع یعنی مکروہ تحریمی ہے، تاہم اگر ایامِ تشریق یا یوم النحر میں عمرہ کیا جائے تو کراہت تحریمی کے ساتھ ادا ہو جائے گا۔

قال العلامة عبد الله بن مودود الموصلیؒ : تکرہ یوم عرفة والنحر وایام التشریق.......... ولو اداها فیها جاز مع الکراهیة کصلاة التطوع فی الاوقات الخمسة المکروهة۔ (الاختیار لتعلیل المختار ج ۱ ص۱۵۷ فصل فی العمرة ۔)[۱]

ارکانِ عمرہ میں تقدیم و تاخیر کا حکم

سوال :- اگر کوئی شخص عمرہ کے طواف و سعی کے بعد حلق کرنے کی بجائے پہلے زیرِ ناف بالوں کی صفائی کرے اور پھر حلق کرے تو کیا اس پر دم لازم ہوگا یا نہیں ؟

الجواب :- جس طرح حج کے ارکان و واجبات میں ترتیب کا خیال رکھنا ضروری ہے اور تقدیم و تاخیر کی وجہ سے دم لازم آتا ہے، تو اسی طرح عمرہ میں بھی ترتیب کا خیال رکھا جائے اگر کہیں ترتیب ساقط ہو جائے تو دم دینا لازم ہوگا۔

لما قال المفتی عبد الرحیم لاجپوری : ہاں دم واجب ہوگا، پہلے سر منڈا کر پھر مونچھ یا دیگر مواضع کے بال کٹوانا چاہئیں، الٹا کرنے سے دم لازم آئے گا، فتاویٰ اسعدیہ میں ہے۔ (سوال) فی رجل اهل بعمرة وطاف وسعی وحلق احد ابطیه ثم حلق رأسه وحلق ابطیه الآخر ماذا یجب علیه افتونا. (الجواب) یجب علیه دم والصورة ما شرح۔ (فتاوی رحیمیة ج ۲ ص۹۲ کتاب الحج)

---

[۱] وفی الهندیة: جمیع السنة الآخمسة ایام تکره فیها العمرة لغیر القارن وهی یوم عرفة والنحر وایام التشریق والاظهر من المذهب ما ذکرنا ولکن مع هذا لو اداها فی هذه الایام صح۔ (الفتاوی الهندیة ج ۱ ص۲۳۷ الباب السادس فی العمرة)

باب فی زیارۃ قبر النبی صلی اللہ علیہ وسلم

(روضۂ اقدس کی زیارت کے بیان میں)

حج یا عمرہ میں روضۂ اقدس کی زیارت کیلئے جانا لازمی ہے

سوال:۔ جو شخص حج یا عمرہ کے لیے مکہ مکرمہ جائے تو کیا اس پر روضۂ اقدس کی زیارت کے لیے مدینہ منورہ جانا لازمی ہے؟ شرعاً اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب:۔ روضۂ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کے بارے میں فقہاء کرام کے تین اقوال ہیں بعض مندوب کہتے ہیں، بعض واجب اور بعض واجب کے قریب کے قائل ہیں۔ علامہ شامیؒ اور مولانا اشرف علی تھانویؒ نے تیسرے قول کو ترجیح دی ہے۔

قال العلامۃ ابن عابدین رحمہ اللہ: وشرح المختار انہا قریبۃ من الوجوب لمن لہٗ سعۃ۔ (ردّ المحتار ج۲ ص۳۵۲ باب الھدی) [1]

زیارتِ روضۃ النبیؐ کے وقت کیا کرنا چاہیئے؟

سوال:۔ جو شخص روضۂ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کے لیے جانا چاہتا ہو تو مدینہ منورہ داخل ہونے سے قبل اُسے کیا کرنا چاہیئے؟

الجواب:۔ جو شخص زیارۃِ قبر النبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارادہ کرے تو اس کو چاہیئے کہ کثرت سے دُرود پڑھے اور جب مدینہ طیبہ کی حدود یعنی شہر کی دیواریں نظر آنے لگیں تو درود شریف پڑھ کر یہ دعا مانگے: اللھم ھٰذا حرم نبیك فاجعلہ وقایۃ لی من النار وأمانا من العذاب وسوء الحساب، اور مدینہ منورہ میں داخل ہونے سے قبل غسل کرکے، اچھا لباس زیب تن کرکے خوشبو لگا کر تواضع اور وقار کے ساتھ داخل ہو کر یہ دعا پڑھے: بِسْمِ اللّٰہِ وعلٰی ملّۃِ رسول اللّٰہ

---

[1] قال العلامۃ عبد اللہ بن محمود الموصلیؒ: اذ ھی من افضل المندوبات والمستحبات بل تقرب من درجۃ الواجبات فانہٗ صلی اللہ علیہ وسلم حرص علیھا وبالغ فی الندب الیھا۔ (الاختیار لتعلیل المختار ج۱ ص۱۷۵ فصل فی زیارۃ النبی)

ومِثْلُہٗ فی امداد الفتاوٰی ج۲ ص۱۶۹ کتاب الحج۔

رَبِّ اَدْخِلْنِیْ مُدْخَلَ صِدْقٍ وَّاَخْرِجْنِیْ مُخْرَجَ صِدْقٍ الخ

لما قال العلامة عبداللّٰه بن مودود الموصلیؒ: ینبغی لمن قصد زیارة قبر النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم ان یکثر الصلوٰة علیه فقد جاء فی الحدیث انه یبلغه ویصلی علیه فاذا عاین حیطان المدینة یصلی علیه ویقول اللّٰھم ھٰذا حرم نبیّكؐ فاجعله وقایة لی من النار وأمانا من العذاب وسوء الحساب ویغتسل قبل الدخول او بعدہٗ ان امکنه ویتطیب ویلبس أحسن ثیابه فھو اقرب الی التعظیم ویدخلھا متواضعا علیه السکینة والوقار ویقول بسم اللّٰه وعلیٰ ملّةِ رسول اللّٰه رَبِّ اَدْخِلْنِیْ مُدْخَلَ صِدْقٍ۔۔۔ الی آخر الآیة۔

(الاختیار لتعلیل المختار ج ۱ ص ۱۷۵ فصل فی زیارة قبر النبیؐ) [۱]

زیارت روضۃ الرسولؐ کیلئے مسجد نبوی میں داخلہ کے وقت دو رکعت پڑھنا

سوال: جو شخص زیارت روضۃ الرسولؐ کیلئے مسجد نبوی میں داخل ہو تو کیا وہ دُو رکعت نماز پڑھے یا نہیں؟

الجواب: جو شخص زیارت کے لیے مسجد نبوی میں داخل ہو تو اُسے چاہیئے کہ پہلے دُو رکعت نماز اگر ممکن ہو تو منبر نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اس طرح پڑھے کہ منبر کے ستون اُسکے دائیں طرف آجائیں ورنہ جہاں بھی موقع ملے نماز ادا کرے اور پھر سلام کیلئے روضۂ اطہر پر حاضر ہو۔

لما قال العلامة عبداللّٰه بن مودود الموصلیؒ: ثم یدخل المسجد فیصلی عند منبرہٖ صلی اللّٰہ علیہ وسلم رکعتین یقف بحیث یکون عمود المنبر بحذاء منکبه الایمن فھو موقفه صلی اللّٰہ علیہ وسلم وھو بین قبرہٖ ومنبرہٖ۔

(الاختیار لتعلیل المختار ج ۱ ص ۱۷۶ فصل فی زیارة النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم) [۲]

---

[۱] وفی الھندیة: اذا توجه الی الزیارة یکثر من الصلوٰة والسلام علی النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم مدة الطریق۔۔۔۔ واذا عاین حیطان المدینة یصلی علیه ویقول اللھم ھٰذا حرم نبیك فاجعله وقایة لی من النار وأمانا من العذاب وسوء الحساب ویغتسل قبل الدخول او بعدہ ان امکنه ویتطیب ویلبس أحسن ثیابه ویدخلھا متواضعا علیه السکینة والوقار۔ (الفتاوی الہندیہ ج ۱ ص ۲۶۵ کتاب الحج، خاتمہ فی زیارۃ قبر النبیؐ)

[۲] وفی الھندیة: ویصلی عند منبرہ رکعتین یقف بحیث یکون عمود المنبر بحذاء منکبه الایمن وھو موقفه علیه السلام وھو بین قبرہ ومنبرہ ثم یسجد شکرًا للّٰه تعالیٰ۔

(الفتاوی الہندیہ ج ۱ ص ۲۶۵ کتاب الحج، خاتمہ فی زیارۃ قبر النبیؐ)

حرمِ نبویؐ کی زیارت کے وقت کیا کرنا چاہیئے

سوال:- روضۂ اقدس کی زیارت کے لیے مسجد نبوی میں داخل ہو تو کیا کرنا چاہیئے ؟

الجواب:- دو رکعت نماز پڑھنے کے بعد جب قبر شریف کی زیارت کے لیے جائے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سرہانے قبلہ رُخ مواجہہ شریف سے تین چار ذراع (گز) دور اس طرح آرام سے کھڑا ہو جیسا کہ نماز کے لیے کھڑا ہوا جاتا ہے اور یہ تصور کرے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم آرام فرما ہیں اور اس کے آنے کا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو علم ہے اور آپؐ اس کے کلام کو سن رہے ہیں، اور پھر آہستہ سے سلام پیش کرے۔

لما قال العلامة عبد الله بن مودود الموصليؒ : ثم ينهض فيتوجه الى قبره صلى الله عليه وسلم فيقف عند رأسه صلى الله عليه وسلم مستقبلا للقبلة يدنو منه قدر ثلاثة أذرع او اربعة ولا يدنو منه اكثر من ذلك ..... ويقف كما يقف فى الصلوٰة ويمثل صورته الكريمة البهية صلى الله عليه وسلم كانه نائم فى لحده عالم به يسمع كلامه ۔ قال النبى صلى الله عليه وسلم من صلى عند قبرى سمعته وفى الخبر انه وكل بقبره ملك يبلغه سلام من سلم عليه من أمته ..... ويقول السلام عليك يارسول الله ۔ الخ (الاختيار لتعليل المختار ج ۱ ص۱۷۵ فصل فى زيارة النبى صلى الله عليه وسلم) [1]

قانوناً حجاز میں مدت قیام کم ہونے کی وجہ سے حاجی مدینہ طیبہ نہ جا سکے تو کیا اس کا حج متاثر ہوگا یا نہیں ؟

سوال:- اگر ملکی قانون کی وجہ سے حج کے ویزے میں وقت کم ہونے کی وجہ سے حاجی مدینہ طیبہ نہ جا سکے تو کیا اس کا حج متاثر ہوگا یا نہیں ؟

---

[1] وفى الهندية : ثم ينهض فيتوجه الى قبره صلى الله عليه وسلم فيقف عند رأسه مستقبل القبلة ثم يدنو منه ثلاثة أذرع او اربعة ولا يدنو منه أكثر من ذلك ولا يضع يده على جدار التربة فهو أهيب وأعظم للحرمة ويقف كما يقف فى الصلوٰة ويمثل صورته الكريمة البهية كانه نائم فى لحده عالم به يسمع كلامه ثم يقول السلام عليك يا نبى الله الخ (الفتاوى الهندية ج ۱ ص۲۶۵ كتاب الحج خاتمة فى زيارة قبر النبىؐ)

الجواب: جس کو روضۂ اقدس کی زیارت کرنے کی طاقت وقدرت ہو تو اس پر زیارت روضۂ اقدس کے لیے جانا قریب الی الوجوب (حکماً واجب) ہے، البتہ اگر کسی قانونی اور عذرِ شرعی کی وجہ سے نہ جا سکے تو اس کا حج کامل اور صحیح ہے۔

قال العلامة الحصکفی رحمہ اللہ: وزیارۃ قبرہ صلی اللہ علیہ وسلم مندوبۃ بل قیل واجبۃ لمن لہٗ سعۃ ویبدأ بالحج لو فرضًا ویخیر لو نفلاً ما لم یمر بہٖ۔

(الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۲ ص۳۵۷ باب الھدی) ؎۱

اُسطوانۃ ابولبابۃ کے پاس دو رکعت پڑھنے کا حکم

سوال: کیا اُسطوانہ ابولبابہ کے پاس دو رکعت پڑھنا ضروری ہے یا نہیں؟

الجواب: زیارت قبر النبی صلی اللہ علیہ وسلم سے فارغ ہو کر مستحب یہ ہے کہ اُسطوانہ ابولبابہ کے قریب دو رکعت نماز ادا کی جائے اور اپنے لیے مغفرت کی دعا کی جائے۔

قال العلامۃ عبد اللہ بن مودود الموصلی رحمہ اللہ: ثم یأتی أسطوانۃ ابی لبابۃ الّتی ربط نفسہ فیہا حتّٰی تاب اللہ علیہ وھی بین القبر والمنبر ویصلی رکعتین ویتوب الی اللہ تعالٰی ویدعو بما شاء۔

(الاختیار لتعلیل المختار ج۱ ص۱۷۷ فصل زیارۃ قبر النبی صلی اللہ علیہ وسلم) ؎۲

؎۱ قال العلامۃ عبد اللہ بن مودود الموصلیؒ: اذ ھی من افضل المندوبات والمستحبات بل تقرب من درجۃ الواجبات فانہ صلی اللہ علیہ وسلم حرص علیہا وبالغ فی الندب الیہا فقال من وجد سعۃ ولم یزرنی فقد جفانی۔ (الاختیار لتعلیل المختار ج۱ ص۱۷۵ فصل فی زیارۃ قبر النبی صلی اللہ علیہ وسلم)

وَمِثْلُہٗ فی فتاوٰی دار العلوم دیوبند ج۶ ص۵۸۸ مسائلِ حج۔

؎۲ وفی الھندیۃ: ثم یأتی أسطوانۃ ابی لبابۃ التی ربط نفسہ فیہا حتّٰی تاب اللہ علیہ وھی بین القبر والمنبر فیصلی رکعتین ویتوب الی اللہ ویدعو بما شاء۔

{الفتاوی الھندیۃ ج۱ ص۲۶۶ کتاب الحج خاتمۃ فی زیارۃ قبر النبی صلی اللہ علیہ وسلم}

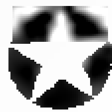
روضۂ اطہر کی زیارت کے وقت صلوٰۃ وسلام کا طریقہ

سوال:۔ جب کوئی شخص روضۂ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کے لیے مدینہ منورہ حاضر ہو تو وہ کن الفاظ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ وسلام پیش کرے، اور اس کا طریقہ کیا ہے؟

الجواب:۔ اللہ تعالیٰ جب کسی کو روضہ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی توفیق عطا فرمائے تو اسے چاہیئے کہ وہ روضۂ اطہر پر مواجہ شریف کے سامنے نہایت ادب واحترام سے کھڑا ہو جائے اور یہ تصور کرے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبر مبارک میں آرام فرما رہے ہیں اور یہ بھی خیال کرے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یہ جانتے ہیں کہ فلاں ابن فلاں حاضر ہو کر صلوٰۃ وسلام پیش کر رہا ہے، اس کے بعد درمیانی آواز سے مؤدبانہ لہجے میں ان الفاظ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ وسلام پیش کرے۔

السلام علیك ایها النبی ورحمة الله۔ السلام علیك یاخیر خلق الله۔ السلام علیك یاخیرة الله من خلق الله۔ السلام علیك یاحبیب الله۔ السلام علیك یاسید ولد آدم۔ السلام علیك ایها النبی ورحمة الله وبرکاته۔ یارسول الله انی اشهد ان لا اله الا الله وحده لا شریك له واشهد انك عبده ورسوله۔ اشهد انك بلغت الرسالة وادیت الامانة ونصحت الامة وکشفت الغمة فجزاك الله خیرًا جزاك الله عنا افضل ما جزی نبیًا عن امته۔ اللهم اعط لسیدنا عبدك ورسولك محمد الوسیلة والفضیلة والدرجة الرفیعة وابعثه مقامًا محمودا الذی وعدته انك لا تخلف المیعاد وانزله المنزل المقرب عندك انك سبحانك ذوا الفضل العظیم۔

(قرۃ العینین الشہیر بفتاوی حرمین ص۲۰۷)




کتاب
النکاح

هو الذي خلقكم من

نفس واحدة وجعل منها

زوجها ليسكن اليها

باب آداب النّکاح وشرائطه

(نکاح کے آداب و شرائط)

خطبہ نکاح سے پہلے پڑھنا چاہیئے

سوال:- بعض علاقوں میں یہ بات دیکھنے میں آئی ہے کہ نکاح (ایجاب وقبول) کے بعد خطبہ پڑھا جاتا ہے، کیا خطبہ ایجاب وقبول سے قبل پڑھنا چاہیئے یا بعد میں؟

الجواب:- نکاح باہمی رضامندی سے ایجاب وقبول کا نام ہے، البتہ نکاح سے پہلے خطبہ پڑھنا ایک استحبابی عمل ہے اس لیے نکاح سے پہلے خطبہ پڑھا جائے بعد میں پڑھنا صحیح نہیں۔

قال الحصکفیؒ: ویندب اعلانه وتقدیم خطبة. (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۳ ص۸ کتاب النکاح)[1]

لفظ "نکاح" کے بجائے "بیع" کا لفظ کہنے سے نکاح کا حکم

سوال:- اگر نکاح کے وقت لفظ نکاح کے بجائے بیچنے وغیرہ کے الفاظ کہہ دیئے جائیں تو ان الفاظ سے نکاح منعقد ہوجاتا ہے یا نہیں؟

الجواب: خرید وفروخت اور بیچنے وغیرہ کے الفاظ جب نکاح کی نیت سے استعمال کیے جائیں تو نکاح بلا اختلاف صحیح ہے۔

قال ابن نجیمؒ: فینعقد النکاح بلفظ الهبة والعطیة والصدقة والملك والتملیك والجعل والبیع والشراء علی الأصح. (البحر الرائق ج۳ ص۸۵ کتاب النکاح)[2]

---

[1] قال ابن نجیم رحمه الله، وفی المجتبیٰ یستحب ان یکون النکاح ظاهرًا وأن یکون قبله خطبة. (البحر الرائق ج۳ ص۸۱ کتاب النکاح)
ومِثْلُهٗ فی الفقه الاسلامی وأدلّتهٗ ج۷ ص۱۲۲ البحث الخامس مندوبات عقد النکاح)

[2] قال ابن عابدینؒ: (تحت قوله: وکل ما تملك به الرقاب) کالجعل والبیع والشراء فإنّه ینعقد بها ...... ثم قال هذا حاصل ما فی الفتح وملخصه أنّه لا بد فی کنایات النکاح من النیّة مع قرینة او تصدیق القابل للموجب وفهم الشهود المراد او اعلامهم. (رد المحتار ج۳ ص۱۸ کتاب النکاح)
ومِثْلُهٗ فی الهندیة ج۱ ص۲۷۱ الباب الثانی فیما ینعقد به النکاح وما لا ینعقد به)

نکاح کے لیے عورت کی زبان پر اعتماد کرنا

سوال:۔ ایک لڑکی نے بیان دیا کہ میں بالغ ہو چکی ہوں اور اس سے پہلے میرا کسی کے ساتھ نکاح نہیں ہوا ہے، تو کیا اس کے اس اقرار پر اس سے نکاح کیا جا سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ اگر عورت کا بیان غلبۂ ظن کے لئے مفید ہو تو اس کے قول پر اعتماد کیا جا سکتا ہے ایسی حالت میں اس سے نکاح درست رہے گا بشرطیکہ بالغہ عاقلہ ہو۔

قال ابن عابدینؒ : قالت ارتدت زوجی بعد النکاح وسعہ أن یعتمد علی خبرھا و یتزوجھا وإن اخبرت بالحرمة بأمر عارض بعد النکاح من رضاع طاری اونحو ذلك فان کانت ثقة اونحو ذلك فان کانت ثقة اولم تکن ووقع فی قلبه صدقھا فلا بأس بأن یتزوجھا۔ (ردّ المحتار ج۲ ص۶۲۹) [۱]

رشتہ منظور ہے" سے نکاح کے انعقاد کا حکم

سوال:۔ لڑکی کے والد نے لڑکے کو دیکھتے وقت کہا کہ مجھے یہ رشتہ منظور ہے، تو کیا یہ الفاظ کہنے سے نکاح منعقد ہو گیا یا نہیں؟

الجواب:۔ اگر لڑکی کے والد نے ایجاب وقبول کی مجلس میں باقاعدہ گواہوں کے سامنے یہ الفاظ کہے ہوں تو شرعاً نکاح منعقد ہو چکا ہے، اگر لڑکی نابالغ ہے تو خیارِ فسخ بھی حاصل نہیں اور اگر بالغ ہے تو نکاح اس کی اجازت پر موقوف ہے، اور اگر ان الفاظ سے فقط وعدۂ نکاح مقصود ہو تو پھر شرعاً نکاح منعقد نہیں ہوا۔

قال ابن عابدینؒ : (تحت قوله اذا لم ینو الاستقبال) قال فی شرح الطحاوی لو قال ھل اعطیتنیھا فقال أعطیت ان کان المجلس للوعد فوعد وان کان للعقد فنکاح۔

(ردّ المحتار ج۳ ص۱۱ کتاب النکاح) [۲]

---

[۱] قال الحصکفیؒ : وحاصله أنه متی أخبرت بأمر محتمل فان ثقة أو وقع فی قلبه صدقھا لا بأس بتزوجھا وان بأمر مستنکر لا. مالم یستفسرھا۔ (الدر المختار علی صدر ردّ المحتار ج۵ ص۲۹۸)

وَمِثْلُهٗ فی البحر الرائق ج۳ ص۱۰۹ کتاب النکاح، فصل فی المحرمات۔

[۲] قال الحصکفی رحمه الله : وینعقد تلبسا بایجاب من احدھما وقبول من الآخر۔

(الدر المختار علی صدر ردّ المحتار ج۳ ص۹ کتاب النکاح)

وَمِثْلُهٗ فی البحر الرائق ج۳ ص۸۳ کتاب النکاح۔

بغیر گواہوں کے ایجاب وقبول سے نکاح منعقد نہیں ہوتا

سوال:۔ اگر کسی بالغ لڑکی اور لڑکے کے درمیان گواہوں کے بغیر ایجاب وقبول ہوجائے تو کیا یہ شرعی نکاح متصور ہوگا یا نہیں؟

الجواب:۔ نکاح کے انعقاد کے لیے باقاعدہ دو گواہوں کا موجود ہونا شرط ہے، اس لیے اگر مجلس نکاح میں گواہوں کے بغیر ایجاب وقبول ہوجائے تو بے سود ہے، شرعاً ایسے معاہدۂ نکاح کو نکاح نہیں کہا جاسکتا۔

قال ابن نجیم المصریؒ: وھو الاشھاد فلم یصح بغیر شھود لحدیث الترمذی البغایا اللاتی ینکحن انفسھن من غیر بینۃ۔ (البحر الرائق ج۳ ص۸۸ کتاب النکاح) [۱]

اثباتِ نکاح کیلئے شہادت بالتسامع کافی ہے

سوال:۔ کیا نکاح کے ثبوت کیلئے ان لوگوں کی گواہی قبول ہوسکتی ہے جو نکاح کے وقت حاضر نہ ہوں بلکہ دوسروں سے نکاح کی خبر سُنکر گواہی دیں؟

الجواب: اثباتِ نکاح کے لیے جو گواہی دی جاتی ہے اُس کے لیے گواہوں کا مجلسِ نکاح میں حاضر ہونا ضروری نہیں بلکہ ثبوتِ نکاح کے لیے شہادت بالتسامع بھی کافی ہے بشرطیکہ اتنے لوگوں سے نکاح کے انعقاد کی سماعت ہوچکی ہو جن کا جھوٹ بولنے پر اتفاق کرنا متصور نہ ہو۔

قال فی الھندیۃ: الشھادۃ بالشھرۃ والتسامع تقبل فی اربعۃ اشیاء بالاجماع وھی النکاح والنسب والموت والقضاء کذا فی المحیط السرخسی۔ (الفتاوی الہندیہ ج۳ ص۲۵۷) [۲]

---

[۱] وھو حدیث صحیح روی مرفوعاً وموقوفاً قالہ العثمانیؒ۔ (اعلاء السنن ج۱۱ ص۱۷)

قال فی الھندیۃ: ومنھا الشھادۃ۔ قال عامۃ العلماء انھا شرط جواز النکاح ھکذا فی البدائع۔ (الفتاوی الھندیۃ ج۱ ص۲۶۷ کتاب النکاح۔ الباب الاول فی تفسیرہ شرعاً)

ومثلہٗ فی فتاویٰ قاضی خان علی ھامش الھندیۃ ج۱ ص۳۳۱، ۳۳۲ فصل فی شرائط النکاح۔

[۲] قال الکاسانیؒ: فلا تطلق الشھادۃ بالتسامع إلا فی اشیاء مخصوصۃ وھی النکاح والنسب والموت فلہٗ تحمل الشھادۃ فیھا بالتسامع من الناس وان لم یعاین بنفسہ۔ (بدائع الصنائع ج۶ ص۲۶۶)

وَمِثْلُہٗ فی البحر الرائق ج۳ ص۸۹ کتاب النکاح۔

نکاح کی اجازت لیتے وقت گواہ بنانا مستحب ہے

سوال: عورت سے نکاح کی اجازت طلب کرتے وقت گواہوں کی موجودگی ضروری ہے یا نہیں؟

الجواب: عورت سے نکاح کی اجازت طلب کرتے وقت دو گواہوں کی موجودگی مستحب ہے البتہ نکاح پڑھاتے وقت دو گواہوں کی موجودگی ضروری ہے۔

قال ابن نجیم المصریؒ: ولا یشترط الاشهاد علی التوکیل۔ (البحر الرائق ج ۳ ص۸۹ کتاب النکاح) [1]

بذریعۂ دف نکاح کا اعلان کرنا

سوال: نکاح کا اعلان دف کے ذریعے کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: نکاح کی تشہیر و اعلان سنت ہے بشرطیکہ دیگر ممنوعات شرعیہ سے خالی ہونے کی صورت میں دف کے ذریعے نکاح کا اعلان کرنا جائز ہے۔

روی عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم: اعلنوا ھذا النکاح...... الخ

(مشکوٰۃ المصابیح ج ۲ ص۲۷۲ کتاب النکاح) [2]

جوان بیٹیوں کو گھر میں رکھ کر بلا عذرِ شرعی اُن کا نکاح نہ کرنا

سوال: کیا جوان بیٹیوں کو گھر میں رکھنے اور بلا کسی شرعی رکاوٹ کے اُن کے نکاح نہ کرنے سے سرپرست یا والد کی شرعی حیثیت متأثر ہوتی ہے یا نہیں؟

الجواب: کفو ملنے کی صورت میں جوان بیٹیوں کا نکاح جلد از جلد کر دینا ضروری ہے تاہم

---

[1] قال العلامة ابن عابدینؒ: واعلم انه لا تشترط الشهادة علی الوکالة بالنکاح بل علی عقد الوکیل وانما ینبغی أن یشهد علی الوکالة اذا خیف جحد الموکل إیاها۔ (رد المحتار ج ۳ ص۹۵ باب الاکفاء، مطلب فی الوکیل والفضولی فی النکاح)

وَمِثْلُهٗ فی بدائع الصنائع ج ۲ ص۲۵۶ کتاب النکاح فصل ومنها العذر۔

[2] قال الشیخ الطوریؒ: وعن الحسن بن زیاد لا بأس بأن یکون فی العرس دف یضرب به یشتهر ویعلن النکاح..... وفی الذخیرة لا بأس بضرب الدف فی العرس والولیمة والاعیاد۔ (تکملة البحر الرائق ج ۸ ص۱۸۹ کتاب الکراهیة قبل فصل فی اللبس)

موزوں رشتہ کی تلاش میں تاخیر ہوجانا ممنوع نہیں اور اس سے سرپرست یا والد کی شرعی حیثیت متاثر نہیں ہوتی، البتہ موزوں رشتہ ملنے کی صورت میں سازگار حالات کے باوجود بیٹیوں کو رسمی غیرت کی وجہ سے نکاح سے محروم رکھنا زیادت علی الشرع کے مترادف ہے۔

قال اللہ تبارک وتعالیٰ: وَاَنْكِحُوا الْاَيَامٰى مِنْكُمْ۔ (سورۃ النور آیت ۳۲)

قال ابن عابدینؒ: ویزوجها کفوًا فان خطبها الکفو لا یؤخرها وھو کل مسلم تقی۔ (رد المحتار ج ۲ ص۲۸۵ کتاب النکاح)[۱]

رخصتی کے وقت دوبارہ نکاح پڑھانا جائز ہے

سوال:۔ ایک بالغہ لڑکی کا نکاح اس کے باپ نے کر دیا تو رخصتی کے وقت دوبارہ نکاح پڑھانا کیسا ہے؟

الجواب:۔ بالغہ عورت کے نکاح کا حکم یہ ہے کہ جب دوسرا کوئی شخص (سرپرست یا والد) اس کا نکاح کسی سے کر دے اور اس کی خبر پہنچنے پر وہ اسے رد نہ کرے بلکہ رضامندی ظاہر کرے تو نکاح درست ہے، تاہم رخصتی کے وقت دوبارہ نکاح پڑھانا جائز اور مستحسن ہے۔

قال فی الھندیۃ: لا یجوز نکاح احد علی بالغۃ صحیحۃ العقل من أب وسلطان بغیر إذنها بکرا کانت او ثیبًا فإن فعل ذلک فالنکاح موقوف علیٰ إجازتها فإن أجازته جاز. وإن ردّته بطل کذا فی السراج الوهاج ولو ضحکت البکر عند الاستئمار او بعد ما بلغها الخبر

---

[۱] وعلی رضی اللہ عنہ مرفوعًا: ثلاث لا تؤخر: اَلصَّلٰوةُ إِذَا أَتَتْ وَالْجَنَازَةُ إِذَا حَضَرَتْ وَالْاَيِّمُ إِذَا وَجِدَتْ لها کفوًا۔ اخرجه الترمذی والحاکم باسناد ضعیف۔ قلت حسنه السیوطی فی الجامع الصغیر وصححه الحاکم والذهبی کلاهما فی المستدرک۔

(اعلاء السنن ج ۱۱ ص۷۲ فصل فی الکفارۃ باب مراعاۃ الکفاءۃ وجواز النکاح)

وعن عمر بن الخطابؓ وَ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍؓ عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال فی التوراۃ مکتوب من بلغت إبنته اثنتی عشرۃ سنة ولم یزوجها فاصابت اثما فاثم ذلک علیه۔ رواه البیهقی فی الشعب۔ (مشکوٰۃ المصابیح ج ۲ ص۲۷۱ کتاب النکاح)

فهو رضا۔ (الفتاوٰی الھندیۃ ج۱ ص۲۸۷ الباب الرابع فی الاولیاء) لہ

منگنی ہوجانے کے بعد کسی لڑکی کا دوسری جگہ نکاح کرانا

سوال:۔ ایک لڑکی کی باقاعدہ منگنی ہوچکی ہے جبکہ اس نے کسی دوسرے شخص سے نکاح کرلیا ہے، کیا یہ دوسرا نکاح صحیح ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ اگرچہ منگنی کی مجلس میں باقاعدہ گواہوں کے سامنے ایجاب وقبول نہ ہُوا ہو تو یہ فقط وعدۂ نکاح ہے نکاح نہیں، لہٰذا اس لڑکی کا کسی دوسرے شخص سے نکاح کرنا جائز ہے، البتہ وعدے کی خلاف ورزی کرنا مروت کا تقاضا نہیں جس کی وجہ سے گناہ لازم ہے۔

قال ابن عابدینؒ: (تحت قولہ اذا المرینوالاستقبال) قال فی شرح الطحاوی لو قال ھل أعطتنیھا فقال اعطیت ان کان المجلس للوعد فوعد وان کان للعقد فنکاح۔ (ردّ المحتار ج۳ ص۱۱ کتاب النکاح) ٢ہ

صرف وعدۂ نکاح سے نکاح منعقد نہیں ہوتا

سوال:۔ بعض علاقوں میں منگنی کی رسومات کی ادائیگی پر کافی مالی اخراجات کیے جاتے ہیں لیکن کوئی باقاعدہ ایجاب وقبول نہیں ہوتا ہے، کیا ایسی رسومات کی ادائیگی کو نکاح کہا جائے گا یا نہیں؟

الجواب:۔ نکاح نام ہے گواہوں کے سامنے باقاعدہ ایجاب وقبول کرنے کا، چونکہ منگنی کی جملہ رسومات میں باقاعدہ طور پر ایجاب وقبول کا اہتمام نہیں ہوتا صرف رشتہ دینے یا

لہ قال العلامۃ الحصکفیؒ: فإن استاذنھا ھو أی الولی وھو السنۃ أو وکیلہ أو رسولہ أو زوّجھا ولیھا وأخبرھا رسولہ أو فضولی عدل فسکتت عن ردّہ مختارۃ أو ضحکت غیر مستھزءۃ أو تبسمت أو بکت بلاصوت ..... فھو إذن۔ (ثم قال بعد أسطر) ولذا استحسنوا التجدید عند الزفاف لأن الغالب اظھار النفرۃ عند فجأۃ السماع۔ (الدر المختار علی صدر ردالمحتار ج۳ ص۶۰ کتاب النکاح)

وَمِثْلُہٗ فی البحر الرائق ج۳ ص۱۱۱ کتاب النکاح۔

٢ہ قال العلامۃ الحصکفیؒ: وینعقد ملتبسا بایجاب من أحدھما وقبول من الآخر۔ (الدر المختار علی صدر ردّ المحتار ج۳ ص۹ کتاب النکاح)

وَمِثْلُہٗ فی البحر الرائق ج۳ ص۸۳ کتاب النکاح۔

لینے کا وعدہ ہوتا ہے، اس لیے صرف ان رسومات کے ادا کر لینے سے نکاح منعقد نہیں ہوتا اور نہ اس پر شرعی ازدواجی احکام جاری ہوں گے۔

قال ابن عابدینؒ: (تحت قوله اذا اریدبه الاستقبال) قال فی شرح الطحاوی لو قال هل أعطیتنیها فقال أعطیت إن کان المجلس للوعد فوعد وان کان للعقد فنکاح۔

(رد المحتار ج۳ ص۱۱ کتاب النکاح) ۱؎

بالغہ عورت سے زبردستی کیے گئے نکاح کا حکم

سوال:۔ اگر کسی عورت سے زبردستی ایجاب وقبول کرایا جائے تو کیا جبر و اکراہ سے کیے گئے ایجاب وقبول سے شرعاً نکاح منعقد ہو جاتا ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ اگر عاقلہ بالغہ عورت سے زبردستی ایجاب وقبول کرایا جائے تو چونکہ اس میں من وجہ اس عورت کی رضامندی شامل ہے اس لیے اس صورت میں شرعاً نکاح منعقد ہو جائے گا۔

قال العلامۃ ابن عابدینؒ: (تحت قوله لیتحقق رضاهما) ای لیصدر منهما ما من شأنه ان یدل علی الرضاء اذ حقیقة الرضاء غیر مشروطة فی النکاح لصحته مع الاکراه والهزل۔ (رد المحتار ج۳ ص۲۱ کتاب النکاح) ۲؎

بالغہ عورت کو نکاح کیلئے مجبور نہیں کیا جاسکتا

سوال:۔ کیا کسی عاقلہ بالغہ عورت کو شادی پر مجبور کیا جاسکتا ہے یا نہیں؟ اگر کسی نے زبردستی اس کا نکاح کسی مرد سے کر دیا جس سے وہ عورت انکاری ہو تو یہ نکاح منعقد ہوگا یا نہیں؟

الجواب:۔ نکاح مسلمان مرد وعورت کی باہمی رضامندی سے منعقد ہوتا ہے، اس میں

۱؎ قال ابن نجیمؒ: لو قال هل أعطیتنیها فقال أعطیتك ان کان المجلس للوعد فوعد وان کان للعقد فنکاح۔ (البحر الرائق ج۳ ص۸۳ کتاب النکاح)

ومثله فی الهندیة ج۱ ص۲۷۱ کتاب النکاح، الباب الاول فی تفسیره شرعاً۔ الخ

۲؎ وقال الطوریؒ: وفی المبسوط فکل تصرف یصح مع الهزل کالطلاق والعتاق والنکاح یصح مع الاکراه۔ (البحر الرائق ج۸ ص۷۵ کتاب النکاح)

ومثله فی الفقه الاسلامی وأدلته ج۷ ص۷۹ کتاب النکاح۔

کسی بالغہ عورت کو شرعاً مجبور نہیں کیا جاسکتا بلکہ نکاح میں اس کی رضامندی ضروری ہے بغیر اسکی رضامندی کے اگر نکاح کیا جائے تو وہ نکاح شرعاً منعقد نہیں ہوگا۔

قال ابن نجیمؒ : (تحت قول صاحب الکنز) ولا تجبر بکر بالغة علی النکاح أی لا ینفذ عقد الولی علیہا بغیر رضاها عندنا۔ انتہٰی (البحر الرائق ج۳ ص۱۱۷ کتاب النکاح، باب الاولیاء والاکفاء) لہ

سوال :۔ باپ نے اپنی بالغہ بیٹی کا نکاح بغیر اس کی اجازت

بالغہ کی اجازت سے والد کا کرایا ہوا نکاح ناقابل فسخ ہے

کے ایک نابالغ لڑکے سے کر دیا اور نکاح کے بعد اس نے بیٹی کو خبر دی کہ میں نے تیرا نکاح فلاں لڑکے سے کر دیا ہے اس پر اسکی بیٹی نے صرف یہ کہا کہ کم از کم مجھ سے تو پوچھ لیتے، اسکے بعد وہ خاوند کے گھر چلی گئی، دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا یہ نکاح نافذ ہے، اور وہ عورت دوسری جگہ نکاح کر سکتی ہے یا نہیں؟

الجواب :۔ بالغہ بیٹی کے نکاح کے لیے باپ کو بیٹی سے اجازت لینا ضروری ہے اگر لاعلمی میں باپ نے بالغہ بیٹی کا نکاح کر دیا اور پھر باپ نے جب اپنی بالغہ بیٹی کو اس نکاح کی خبر دی اور اس نے رد نہیں کیا تو یہ نکاح اب لازم اور منعقد ہے اور بالغہ دوسری جگہ نکاح نہیں کر سکتی تاہم اگر وہ پہلے سے رد کرتی تو اس کو یہ حق حاصل تھا۔

قال صاحب الکنز : فإن استأذنها الولی فسکتت أو ضحکت أو زوجها فبلغها الخبر فسکتت فهو إذن۔ (کنز الدقائق ج۲ ص۱۱۱ کتاب النکاح)

لہ قال فی الهندیة : لا یجوز نکاح أحد علی بالغة صحیحة العقل من أب أو سلطان بغیر إذنها بکرا کانت او ثیبا۔ (الفتاوی الهندیة ج۱ ص۲۸۷ کتاب النکاح)

وقال العلامة العثمانی رحمه الله : روی عن ابن عباسؓ ان جاریة بکرا أتت النبی صلی الله علیه وسلم فذکرت أن أباها زوجها وهی کارهة فخیرها النبی صلی الله علیه وسلم۔ رواہ الامام أحمد ورجاله ثقات، وقال ابن القطان صحیح۔ (درایة ص۲۲۱)۔ (إعلاء السنن ج۱۱ ص۶۷ کتاب النکاح)

لہ قال ابن نجیمؒ : والسنة أن یستأمر البکر ولیها قبل النکاح ..... وإن زوجها بغیر استئمار فقد أخطأ السنة و توقف علی رضاها انتہی فهو محمل النهی فی حدیث مسلم لا تنکح الأیم حتی تستأمر ولا تنکح البکر حتی تستأذن قالوا یا رسول الله وکیف إذنها قال ان تسکت، فهو بیان السنة للاتفاق علی أنها لو صرحت بالرضاء بعد العقد نطقاً فانه یجوز۔ (البحر الرائق ج۳ ص۱۱۳ کتاب النکاح۔ باب الاولیاء والاکفاء)

ومثلہ فی الهندیة ج۱ ص۲۸۷ الباب الرابع فی الاولیاء۔

نکاح کا شرعی حکم

سوال:۔ شریعتِ مقدسہ میں نکاح کرنے کا کیا حکم ہے؟ فرض ہے، واجب ہے یا سُنّت؟

الجواب:۔ نکاح کرنا تمام انبیاء کرام کی سُنّت ہے، جو شخص نکاح کے جملہ حقوق ادا کر سکتا ہو تو اس کو نکاح کر لینا چاہیئے۔ اور اگر شہوت کا غلبہ ہو تو واجب جبکہ خوفِ زنا کے وقت فرض ہو جاتا ہے۔

قال العلّامة الحصکفیؒ: ویکون ای النکاح واجب عند التوقان فان تیقن الزناء الا به فرض نهایة وهٰذا إن ملك المهر والنفقة والا فلا اثم بترکه، بدائع ویکون سنة مؤکدة فی الاصح۔ (الدر المختار علیٰ صدر رد المحتار ج۲ ص۳۵۷ تا ۳۵۹ کتاب النکاح)[1]

نکاح نفلی عبادت سے بہتر ہے

سوال:۔ کیا احناف کے ہاں نکاح کرنا افضل ہے یا نفل عبادت کرنا؟

الجواب:۔ حنفیہ کثر اللہ سوادہم کے ہاں جو شخص بیوی کے نان ونفقہ کی طاقت رکھتا ہو تو اس کے لیے نکاح کرنا نفلی عبادت کرنے سے افضل ہے، البتہ شوافع کے ہاں نفلی عبادت نکاح سے افضل ہے۔

قال العلامة ابن عابدینؒ: قالوا إن الإشتغال به ای بالنکاح افضل من التخلی لنوافل العبادات ای الإشتغال به ومایشتمل علیه من القیام بمصالحه واعفاف النفس عن الحرام وتربیة الولد ونحو ذٰلك۔ (ردّ المحتار ج۲ ص۳۵۵ کتاب النکاح)[2]

اسلام میں بیک وقت تعددِ ازواج کا حکم

سوال:۔ اسلام نے ایک مرد کے لیے بیک وقت کتنی بیویاں جمع کرنے

---

[1] وقال فی الهندیة: واما صفة فهو انه فی حالة الاعتدال سُنّة مؤکدة وحالة التوقان واجب وحالة خوف الجور مکروه۔ (الفتاویٰ الهندیة ج۱ ص۲۶۷ کتاب النکاح، فصل اوّل)

[2] قال العلامة ابوبکر الکاسانیؒ: وعلیٰ هٰذا الاصل بنی اصحابنا من قال منهم ان النکاح فرض او واجب لان الاشتغال به مع اداء الفرائض والسنن اولیٰ من التخلی لنوافل العبادات مع ترك النکاح وهو قول اصحاب الظواهر۔
(بدائع الصنائع ج۲ ص۲۲۹ کتاب النکاح)

کی گنجائش رکھی ہے؟

الجواب:۔ اسلام نے ایک مرد کے لیے بشرطِ عدل و مساوات ایک وقت میں چار بیویاں رکھنے کی اجازت دی ہے، ایک وقت میں چار سے زیادہ بیویاں رکھنے کو حرام و ناجائز قرار دیا ہے۔

قال اللہ تبارک وتعالیٰ: فانکحوا ما طاب لکم۔ ای تزوجوا ما بمعنی من النساء مثنیٰ وثلث ورُبع (ولا تزیدوا علیٰ ذٰلک) ۔ (تفسیر جلالین ص۶۹ سورۃ البقرۃ) [1]

دوسری شادی کیلئے پہلی بیوی کی اجازت کا مسئلہ

سوال:۔ کیا دوسری شادی کے لیے پہلی بیوی سے اجازت لینا شرعاً ضروری ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ اسلام میں مرد کو چار تک شادیاں کرنے کی اجازت ہے بشرطیکہ ان کے درمیان عدل و مساوات قائم رکھ سکتا ہو، اس کے علاوہ کسی بھی شادی کے لیے پہلی بیوی سے اجازت لینا شرعاً ضروری نہیں۔

قال العلامۃ الحصکفیؒ: وصح نکاح اربع من الحرائر والاماء فقط للحر لا اکثر۔
(الدر المختار علیٰ هامش رد المحتار ج۲ ص۲۸۰ باب المحرمات) [2]

خطبۂ نکاح کے دوران باتیں کرنا گناہ ہے

سوال:۔ اگر قاضی نکاح کا خطبہ پڑھ رہا ہو اور لوگ آپس میں باتوں میں مشغول ہوں تو کیا وہ لوگ گنہگار ہوں گے یا نہیں؟

---

[1] قال العلامۃ الحصکفیؒ: وصح نکاح اربع من الحرائر والاماء فقط للحر لا اکثر وله التسری بما شاء من الاماء ۔ (الدر المختار علی هامش رد المحتار ج۲ ص۲۸۰ فصل فی المحرمات)

ومثلہٗ فی الهدایۃ ج۲ ص کتاب النکاح۔

[2] قال العلامۃ المرغینانیؒ: وللحر ان یتزوج اربعًا من الحرائر والاماء ولیس له ان یتزوج اکثر من ذلک، لقولہٖ تعالیٰ: فَانْكِحُوْا مَاطَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ مَثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ ۔

(الهدایۃ ج۲ ص کتاب النکاح)

وَمِثْلُہٗ فی تفسیر جلالین ص۶۹ سورۃ البقرۃ ۔

الجواب:۔ ہر خطبہ چاہے وہ نکاح کا ہو یا عیدین وجمعہ کا، سننا واجب ہے، اور جو شخص وجوب کو قصداً ترک کرے تو گنہگار ہوگا، اسی طرح خطبۂ نکاح کے دوران باتیں کرنے والے لوگ بھی گنہگار ہیں۔

قال العلامة الحصکفیؒ: وکذا یجب الاستماع لسائر الخطب کخطبۃ نکاح وخطبۃ عید وختم علی المعتمد۔ (الدر المختار علی ہامش رد المحتار ج۲ ص۷۶۹ کتاب النکاح) [1]

عدالتی نکاح (کورٹ میرج) کا شرعی حکم

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ عظام درج ذیل مسئلہ کے بارے میں کہ ایک لڑکی اور لڑکے نے اپنے ورثاء اور اولیاء کو بتائے بغیر چپکے سے عدالت میں جاکر کورٹ میرج (نکاح) کرلیا، جبکہ مجلس نکاح میں سرکاری خطیب صاحب کے علاوہ صرف دو اور آدمی بطور گواہ موجود تھے۔ اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا یہ نکاح شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ نیز اس نکاح سے لڑکا لڑکی ایک دوسرے کے لیے حلال ہیں یا نہیں؟

الجواب:۔ احادیث مبارکہ میں ذکر ہے کہ عقدِ نکاح خوب ظاہر کرکے علی الاعلان کیا جائے، چپکے سے بغیر گواہوں کے نکاح کرنے کو شریعتِ مقدسہ نے باطل قرار دیا ہے۔ چونکہ صورتِ مسئولہ کے مطابق اس نکاح میں لڑکے لڑکی کے علاوہ سرکاری خطیب اور دو آدمی اور بھی بطور گواہ شریک تھے اس لیے یہ نکاح جائز اور درست ہے مگر کراہت سے خالی نہیں تاہم اس عقدِ نکاح کے بعد دونوں ایک دوسرے کے لیے حلال ہیں۔

کما قال العلامۃ ظفر احمد العثمانیؒ: (الجواب) نکاح سرکہ ممنوع وباطل است آن است کہ دو شاہدین علاوہ ناکح ومنکوحہ نباشد واگر شاہدین یا شہود حاضر باشند ایں چنیں نکاح نکاح سرکہ باطل نباشد اما خالی از کراہت نباشد۔ لان السنۃ فی النکاح الاعلان ولذا شرع لہ الدف ونحوہ وفی الحدیث الفرق بین الحلال والحرام الدف ولان فیہ القاء نفسہ فی التہمۃ ویتہمہ بالزنا من لم یعلم بالنکاح والحدیث اتقوا مواضع التہم۔ (امداد الاحکام ج۲ ص۲۳۶)

بالغ اولاد کا نکاح کرنا والدین کی ذمہ داری ہے

سوال:۔ عوام الناس میں یہ بات مشہور ہے کہ والدین کا یہ فرض ہے کہ

---

[1] قال العلامۃ ابن الہمام رحمہ اللہ: وہذہ فروع تتعلق بالحل وقدمناہا فی باب صفۃ الصلوۃ ویتعین ان لا یعلی عنہا مظنتہا یحرم فی الخطبۃ الکلام وان کان امراً بمعروف او تسبیحاً والاکل والشرب والکتابۃ۔ (فتح القدیر ج۲ ص۳۷ کتاب النکاح)

جب اولاد بالغ ہوجائے تو اس کا نکاح کریں، کیا واقعی یہ بات صحیح ہے؟

الجواب:۔ احادیثِ مبارکہ سے معلوم ہوتا ہے کہ جب بیٹا یا بیٹی بالغ ہوجائے تو والدین کی یہ ذمہ داری ہے کہ ان کی شادی کا انتظام کریں، اور اگر بغیر کسی شرعی عذر کے نہ کیا اور وہ کسی معصیت میں مبتلا ہوگئے تو والدین بھی اس گناہ میں ان کے ساتھ برابر کے شریک ہوں گے، اس لیے عوام الناس کی یہ بات درست معلوم ہوتی ہے۔

عن ابی سعید وابن عباس قال قال رسول اللہ ﷺ من ولد لہ ولد فلیحسن اسمہ وادبہ فاذا بلغ فلیزوجہ فان بلغ ولم یزوجہ فاصاب اثماً فانما اثمہ علی ابیہ۔

(مشکوٰۃ ج۲ ص۲۷۱ کتاب النکاح۔ باب الولی) لہ

بیوہ کے نکاحِ ثانی کا حکم

سوال:۔ پٹھانوں میں یہ رواج ہے کہ جس بیوہ کا چھوٹا بچہ ہو تو اس کے لیے نکاحِ ثانی کرنا معیوب سمجھا جاتا ہے تو کیا بیوہ عورت کا چھوٹے بچے کی وجہ سے نکاحِ ثانی نہ کرنا صحیح ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ نکاح کرنا یا نہ کرنا انسان کا ذاتی عمل ہے، بیوہ کو عدتِ وفات کے بعد دوسرا نکاح کرنے کی شرعاً اجازت ہے اس کو رواج یا رسم کی وجہ سے نہ روکا جائے، تاہم اگر کوئی بیوہ عورت اپنی اولاد کی پرورش کے لیے دوسرا نکاح نہ کرے تو اس میں کوئی حرج نہیں۔

ان امرأۃ قالت یارسول اللہ ان ابنی ھذا کان بطنی لہ وعاء وثدی لہ سقاء وحجری لہ حواء وان اباہ طلقنی واراد ان ینزعہ منی فقال علیہ السلام انت احق بہ مالم تنکحی۔ رواہ احمد وابوداؤد

(مشکوٰۃ ج۲ ص۲۹۳ کتاب النکاح) ۲لہ

لہ وعن عمر بن الخطاب وانس بن مالک عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال فی التوراۃ مکتوب من بلغت ابنتہ عشرۃ سنۃ ولم یزوجھا فاصابت اثماً فاثم ذلک علیہ رواھما البیہقی فی شعب الایمان۔ (مشکوٰۃ ج۲ ص۲۷۱ کتاب النکاح۔ باب الولی)

۲لہ وفی الھندیۃ: ولو تزوجت الام بزوج آخر وتمسک الصغیرۃ معھا ام الام فی بیت الراب فللاب ان یاخذھا منھا صغیرۃ عند جدۃ تخون حقھا فلعما تھا ان تأخذھا منھا اذا طھرت خیانتھا۔

(الفتاوی الھندیۃ ج۱ ص۵۴۱ الباب السادس عشر فی الحضانۃ)

لڑکیوں کے نکاح میں بلاوجہ تاخیر کرنا گناہ ہے

سوال:۔ بعض لوگ مالدار داماد نہ ملنے کی وجہ سے لڑکیوں کی شادیوں میں تاخیر کرتے ہیں، کیا ایسا کرنا شرعاً جائز ہے؟

الجواب:۔ احادیثِ مبارک میں نکاح میں تعجیل کی ترغیب دی گئی ہے، جس کی وجہ سے بالغ لڑکے لڑکیوں کا نکاح جلدی کرنا چاہیئے، محض دنیاوی اغراض اور رسم و رواج کی وجہ سے تاخیر کرنا موجبِ گناہ ہے۔

قال علیه السلام: من ولد له ولد فلیحسن اسمه وادبه فاذا بلغ فلیتزوجه فان بلغ ولم یزوجه فاصاب اثماً فانما اثمه علی ابیه۔ (مشکوٰۃ ج۱ ص۲۷۱ کتاب النکاح) ؎۱

کیا لڑکی کو از خود نکاح کا حق حاصل ہے

سوال:۔ اگر والدین نے اس بات کی وصیت کی ہو کہ ان کی لڑکی کا نکاح فلاں مرد سے کردیا جائے لیکن کسی وجہ سے لڑکی اُس مرد سے نکاح نہیں کرتی تو کیا لڑکی کو ایسا کرنے کا حق حاصل ہے؟

الجواب:۔ بالغ مرد و عورت اپنے نفس کے خود حقدار ہیں، صورتِ مسئولہ میں اگر کسی وجہ سے لڑکی والدین کی وصیت پر عمل نہیں کرتی تو اس کو یہ حق حاصل ہے کہ دوسری جگہ نکاح اس سے متاثر نہ ہوگا، اور اگر لڑکی نابالغ ہو تو یہ حق اُس کے ورثاء کو حاصل ہے۔

عن ابی هریرۃؓ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم الثیب احق بنفسها من ولیها والبکر یستاذنها ابوها فی نفسها واذنها صماتها۔ (مسلم بحوالہ مشکوٰۃ ج۲ ص۲۷۰ باب الولی فی النکاح واستیذان المرأۃ) ؎۲

؎۱ قال علیه السلام: من بلغت ابنته اثنتی عشرۃ سنة ولم یزوجها فاصابت اثماً فاثم ذٰلک علیه۔ (مشکوٰۃ ج۱ ص۲۷۱ کتاب النکاح)

؎۲ قال العلامة الحصکفی رحمه اللہ: (فنفذ نکاح حرۃ مطلقة بلا) رضا (ولی) والاصل ان کل من تصرف فی ماله تصرف فی نفسه وما لا فلا (وله) ای للولی (اذا کان عصبة الاعتراض فی غیر الکفء) .... (ویفتی) فی غیر الکفء (بعدم جوازه اصلاً) وهو المختار للفتوی (لفساد الزمان) فلا تحل مطلقة ثلاثاً نکحت غیر کفء الخ

(الدر المختار مع رد المحتار ج۲ ص۳۲۲ کتاب النکاح۔ باب الولی)

وَمِثْلُهُ فی الهدایة ج۲ ص۲۹۳ باب فی الاولیاء والاکفاء۔

مجلسِ نکاح میں لڑکی کا نام لینا

سوال:۔ کیا نکاح کے انعقاد کے وقت لڑکی کا نام مجمع کے سامنے لینا ضروری ہے یا کہ بغیر نام لیے بھی نکاح صحیح ہو جائے گا؟

الجواب:۔ نکاح کے انعقاد کے لیے لڑکی کا امتیاز ضروری ہے، یہ امتیاز چاہے نام سے حاصل ہو یا اشارے سے یا دیگر صفات سے حاصل ہو جائے جس کے بعد کوئی شبہ نہ رہے، صرف نام لینا ضروری نہیں۔

قال العلامۃ ابن عابدین رحمہ اللہ: قلتُ وظاھرہ انھا لو جرت المقدمات علیٰ معیّنۃ وتمیزت عند الشھود ایضاً یصح العقد وھی واقعۃ الفتوٰی لان المقصود نفی الجھالۃ وذٰلک حاصل بتعینھا عند العاقدین والشھود وان لم یصرح باسمھا۔

(ردالمحتار ج ۲ ص ۳۲۷ کتاب النکاح) [۱]

نکاح میں ایجاب وقبول کا تین بار دہرانا ضروری نہیں

سوال:۔ ہمارے علاقے کے نکاح خوان حضرات نکاح باندھتے وقت ایجاب وقبول کے الفاظ تین مرتبہ دہراتے ہیں، کیا یہ امر مستحب ہے یا ضروری ہے؟

الجواب:۔ نکاح کا انعقاد نفس ایجاب وقبول کے صرف ایک مرتبہ کرنے سے ہو جاتا ہے، تین مرتبہ دہرانا ضروری نہیں اور نہ یہ امر مستحب ہے۔

قال المرغینانی رحمہ اللہ: وینعقد بلفظین یعبر باحدھما عن الماضی وبالآخر عن المستقبل ان یقول زوّجنی فیقول زوجتک ....الخ (الھدایۃ ج ۲ ص ۲۸۵ کتاب النکاح) [۲]

---

[۱] قال العلامۃ ابن نجیم رحمہ اللہ: لا بد من تمییز المنکوحۃ عند الشاھدین لتنتفی الجھالۃ فان کانت حاضرۃ متنقبۃ کفی الاشارۃ الیھا ------ ان کانت المرأۃ فی البیت وحدھا جاز النکاح لزوال الجھالۃ۔

(البحرالرائق ج ۳ ص ۸۸ کتاب النکاح)

[۲] قال العلامۃ ابن نجیم رحمہ اللہ: وینعقد بایجاب وقبول وضعًا للمضی اواحدھما۔ الخ

(کنزالدقائق علیٰ ھامش بحرالرائق ج ۳ ص ۸۱ کتاب النکاح)

وَمِثْلُہٗ فی الھندیۃ ج ۱ ص ۲۷۰ کتاب النکاح۔ الباب الثانی فیما ینعقد بہ النکاح۔ الخ

ثیبہ (مطلقہ) عورت سے نکاح ثانی کیلئے اجازت بالقول کا حکم

سوال:۔ اگر کسی عورت کا پہلے نکاح ہوچکا ہو پھر شوہر نے اُسے طلاق دیدی ہو تو کیا دوسرے نکاح کے لیے اُس سے اجازت بصورتِ سکوت صحیح ہے یا نہیں ؟

الجواب:۔ ثیّبہ عورت جب دوسرا نکاح کرنا چاہتی ہو تو اجازت دیتے وقت زبان سے کہنا ضروری ہے اس کا سکوت وغیرہ اجازت کے قائم مقام نہیں، یہ حکم صرف باکرہ لڑکی کے ساتھ مختص ہے۔

عن ابی هريرةؓ قال: قال رسول الله صلی الله علیه وسلم الثّیب احق بنفسها من ولیها والبکر یستاذنها ابوها فی نفسها واذنها صماتها۔ (مسلم بحواله مشکوٰة ج۲ ص۲۷ باب الولی فی النکاح واستیذان المرأة) [1]

زفاف (پہلی ملاقات) کے وقت دُعا پڑھنے کا حکم

سوال:۔ جناب مفتی صاحب! زفاف کے وقت کون سی دُعا پڑھنی چاہیئے ؟

الجواب:۔ جب کوئی آدمی شادی کرے تو پہلی ملاقات میں سُنّت یہ ہے کہ بیوی کے پیشانی کے بال پکڑ کر اللہ تعالیٰ سے برکت کی دُعا مانگے اور پھر بِسْمِ اللہ پڑھ کر یہ دُعا مانگے: اللّٰھم انّی اسئلك خیرها وخیر ما جبلت علیه واعوذ بك من شرّها و شرّ ما جبلت علیه۔ اور جب جماع کا ارادہ ہو تو یہ دُعا پڑھے: بسم الله اللّٰھم

---

[1] قال العلامة علاؤ الدین الحصکفی رحمه الله: (فنفذ نکاح حرّة مکلفة بلا) رضا (ولی) والاصل ان کل مَن تصرف فی ماله تصرف فی نفسه وما لا فلا (وله) ای للولی (اذا کان عصبةً الاعتراض فی غیر الکفء)...... (ویفتی) فی غیر الکفء (بعدم جوازه اصلاً) وهو المختار للفتوی (لفساد الزمان) فلا تحل مطلقة ثلاثاً نکحت غیر کفء الخ۔

(الدر المختار مع ردّ المحتار ج۲ ص۳۲۲ کتاب النکاح۔ باب الولی)

وَمِثْلُهٗ فی الهدایة ج۲ ص۲۹۳ باب فی الاولیاء والاکفاء۔

جَنِّبْنا الشیطٰن وجنب الشیطٰن ما رزقتنا۔

عن ابن عباسٍ رضی اللہ عنہما قال قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم اما لو احدھم یقول حین یأتی اھلہ بسم اللہ اللّٰھم جنّبنی الشیطٰن وجنّب الشیطٰن ما رزقتنا ثم قدر بینھما فی ذٰلک او قضی ولدٌ لم یضرّہٗ شیطٰنٌ ابدًا۔

(صحیح البخاری ج ۲ ص ۷۷۶ کتاب النکاح۔ باب ما یقول الرجل اذا اتی اھلہ) لہ

نکاح کے وقت بھول کر کسی دوسری عورت کا نام لینا

سوال:۔ نکاح کے انعقاد کے وقت وکیل نے غلطی سے اصل لڑکی کے نام کی بجائے اس کی دوسری بہن کا نام لیا۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ اب نکاح کس کے ساتھ منعقد ہوگا؟

الجواب:۔ مجلسِ نکاح میں جب کوئی ممیّز اشارہ وغیرہ نہ ہو جس کی وجہ سے اصل لڑکی دوسروں سے الگ ہو، صورتِ مسئولہ میں وکیل نے جس لڑکی کا نام لیا ہے تو نکاح اُسی کے ساتھ ہوا ہے، اس لیے اب اصل لڑکی کی بہن کو طلاق دے کر اس کے ساتھ نکاح باندھا جائے۔

قال العلامۃ الحصکفیؒ: غلط وکیلھا بالنکاح فی اسم ابیھا بغیر حضورھا لم یصح للجھالۃ وکذا لو غلط فی اسم ابنتہ الا اذا کانت حاضرۃ واشار الیھا فیصح ولو لہ بنتان اراد تزویج الکبریٰ فغلط فسماھا باسم الصغریٰ صح للصغریٰ خانیہ۔ (الدر المختار علی ہامش رد المحتار ج ۲ ص ۳۵۰ کتاب النکاح) ۲ہ

لہ اخرج امام الترمذی رحمہ اللہ، عن ابن عباس قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لو ان احدکم اذا اتی اھلہ قال بسم اللہ اللّٰھم جنبنا الشیطٰن وجنب الشیطٰن ما رزقتنا فان قضی اللہ بینھما ولدًا لم یضرہ الشیطان۔ (الجامع الترمذی ج ۱ ص ۲۰۶ ابواب النکاح۔ باب ما جاء فیما یقول اذا دخل علی اھلہ)

۲ہ قال العلامۃ قاضی خانؒ: امرأۃ وکلت رجلا بان یزوجھا فزوجھا وغلط فی اسم ابیھا لا ینعقد النکاح اذا کانت غائبۃ۔ رجل لہ ابنۃ واحدۃ واسمھا عائشۃ فقال الاب وقت العقد زوجت منک ابنتی فاطمۃ لا ینعقد النکاح بینھما ولو کانت المرأۃ حاضرۃ فقال الاب زوجتک ابنتی فاطمۃ ھذہ واشار الی عائشۃ وغلط فی اسمھا وقال الزوج قبلت جاز النکاح۔

(فتاوٰی قاضیخان علی ہامش الھندیۃ ج ۱ ص ۳۲۱ کتاب النکاح)

وَمِثْلُہٗ فی امداد الاحکام ج ۲ ص ۲۲۶ کتاب النکاح۔

بیوی کو خاوند کے پاس جانے سے روکنا

سوال :- جناب مفتی صاحب! میری شادی کے ۔۔۔ سسرال والوں نے میری بیوی کو اپنے پاس روک رکھا ہے اور اُسے میرے گھر آنے نہیں دیتے۔ کیا ایسا کرنا شرعاً جائز ہے؟

الجواب :- جب ایک مرتبہ کسی لڑکی اور لڑکے کا نکاح ہو جائے تو وہ لڑکی شوہر کے تابع ہے والدین کو شرعاً یہ اختیار نہیں کہ وہ اپنی بیٹی کو بلا وجہ روکیں، تاہم شوہر کو بھی بیوی کے حقوق کا خیال رکھنا ضروری ہے۔

مولانا مفتی عزیز الرحمن رحمہ اللہ فتاوی دار العلوم دیو بند میں لکھتے ہیں :-

"الجواب :- بے وجہ لڑکی کو شوہر کے گھر نہ بھیجنے کا والدین کو کچھ حق نہیں ہے والدین دختر بسبب روکنے اپنی دختر کے گنہگار ہیں، ان کو لازم ہے کہ اس سے توبہ کریں اور لڑکی کو اسکے شوہر کے پاس بھیجیں اور لڑکی کو لازم ہے کہ اس بارہ میں وہ والدین کی اطاعت نہ کرے اور شوہر کی فرمانبرداری کرے کیونکہ اس بارہ میں شوہر کی اطاعت زوجہ کو کرنا مقدم ہے۔" فقط

(فتاوی دار العلوم دیو بند ج ۸ ص ۳۵۷ کتاب النکاح) [۱]

رخصتی میں تاخیر کا حکم

سوال :- ایک لڑکی کا نکاح صغر سنی میں ہوا تھا، اب وہ تیرہ سال کی عمر کو پہنچ چکی ہے لیکن اس کے والدین ابھی تک رخصتی سے انکار کر رہے ہیں، کیا شرعاً ان کو یہ حق حاصل ہے؟

الجواب :- رخصتی کیلئے عمر کی کوئی قید نہیں لیکن جب لڑکی جماع کے قابل ہو جائے تو شوہر اس کو اپنے گھر لا سکتا ہے والدین کو منع کرنے کا حق نہیں اور اگر لڑکی جماع کے قابل نہ ہو تو اس صورت میں رخصتی سے منع کیا جا سکتا ہے۔

قال ابن عابدین: وقد ۔۔۔ ۔۔۔ ۔۔۔ صغیرۃ لا تطیق الوطی لا تسلم الی الزوج حتی تطیقہ والصحیح انہ غیر مقدر بالسن بل یفوض الی القاضی بالنظر الیھا من سمن او ھزال۔ (رد المحتار ج ۳ ص ۵۴۹ باب القسم) [۲]

---

[۱] قال ابن عابدین، قالوا للزوج ان یسکنھا حیث احب ولکن بین جیرانہ صالحین۔ (رد المحتار ج ۲ ص ۹۱۴ باب النفقہ)

[۲] وفی الھندیۃ: واذا نقد الزوج المھر وطلب من القاضی ان یأمرابا المرأۃ بتسلیم المرأۃ فقال ابوھا انھا صغیرۃ لا تصلح للرجال ولا تطیق الجماع وقال الزوج بل ھی تصلح وتطیق ینظر ان کانت ممن تخرج اخرجھا واقعدھا وینظر الیھا وان صلحت للرجال امر بدفعھا الی الزوج وان لم تصلح لم یأمرہ۔

(الفتاوی الھندیۃ ج ۱ ص ۲۸۷ الباب الرابع فی الاولیاء)

ومثلہ فی البحر الرائق ج ۳ ص ۱۱۹ کتاب النکاح، باب الاولیاء والاکفاء۔

بیوی کو وطن سفر میں ساتھ لے جانے کا مسئلہ

سوال :- جناب مفتی صاحب! میں بسلسلۂ روزگار لندن میں مقیم ہوں، میں نے پاکستان میں ایک جگہ شادی کی، اب میں بیوی کو اپنے ساتھ لندن لے جانا چاہتا ہوں مگر میرے سسرال والے اس کو میرے ساتھ نہیں جانے دیتے، کیا میں شرعاً اس کو ساتھ لے جاسکتا ہوں یا نہیں؟

الجواب :- اگر آپ کی بیوی آپ کے ساتھ جانا چاہتی ہو تو اُس کے والدین یا دیگر رشتہ داروں کو منع کرنے کا کوئی حق نہیں اور اگر آپ کی بیوی ہی آپ کے ساتھ جانا نہیں چاہتی ہو تو مفتیٰ بہ رائے کی رُو سے اُسے ساتھ جانے کے لیے مجبور نہیں کیا جاسکتا۔

قال العلامة ابن عابدین ؒ: لکن فی النهر والذی علیه العمل فی دیارنا انه لایسافر بها جبرًا علیها وجزم به البزازی وغیره وفی المختار وعلیه الفتویٰ۔

(الدر المختار علیٰ هامش رد المحتار ج۲ ص۲۹۵ باب المهر) ؎

مفقود الخبر کی موت کی خبر کا مسئلہ

سوال :- ایک شخص کئی سالوں تک غائب رہا، کافی مدت کے بعد کسی نے یہ اطلاع دی کہ فلاں شخص فوت ہوچکا ہے اور میں اس کے جنازہ میں بھی شرکت کرچکا ہوں (جبکہ حقیقت میں وہ زندہ تھا) اس اطلاع کے بعد اس کی بیوی نے عدتِ وفات گذار کر دوسری شادی کرلی، اب وہ شخص زندہ واپس آگیا ہے تو یہ عورت کس کی بیوی شمار ہوگی؟

الجواب :- کسی آدمی کے زیادہ مدت غائب رہنے سے نکاح متاثر نہیں ہوتا اور نہ خبرِ وفات کی شہرت سے نکاح ختم ہوتا ہے، اس صورتِ مسئولہ میں یہ عورت بدستور پہلے خاوند کی بیوی ہے تجدیدِ نکاح کی ضرورت نہیں۔

قال العلامة المرغینانی ؒ: ولو ان امرأة اخبرها ثقة ان زوجها الغائب مات عنها او طلقها ثلاثًا او کان غیر ثقة واتاها بکتاب من زوجها بالطلاق الخ

؎ قال المرغینانی ؒ: وقیل لایخرجها الیٰ بلد غیر بلدها لان الغریب یؤذی وفی قری المصر القریبة لاتتحقق الغربة۔ وقال ابن الهمام ؒ: فی شرح هٰذه العبارة وافتی کثیر من المشائخ بقول الفقیه لان النص مقید بعدم المضارة بقوله تعالیٰ: وَلَا تُضَارُّوْهُنَّ، بعد اسکنوهن والنقل الیٰ غیر بلدها مضارة۔ الخ (فتح القدیر ج۳ ص۲۵۰ باب المهر)

فلا بأس بان تعتد ثم تتزوج ۔ (الهداية ج۴ ص۴۵۳ کتاب الکراهية) لہ

نکاح میں نان ونفقہ نہ دینے کی شرط لگانا

سوال:۔ اگر کوئی شخص بوقتِ نکاح یہ شرط لگائے کہ میں بیوی کے نان ونفقہ کا ذمہ دار نہ ہوں گا، کیا شرعاً یہ شرط درست ہے؟ اور اگر اس شرط پر نکاح ہو گیا تو شوہر بیوی کے نان ونفقہ سے مبرا ہو گا یا نہیں؟

الجواب:۔ شریعتِ مقدسہ میں ہر وہ شرط جو مقتضائے عقد کے خلاف ہو وہ ناقابلِ عمل اور باطل ہے، اور اس شرط پر کیا گیا نکاح فی ذاتہٖ جائز اور درست ہے، اور شرط کالعدم ہونے کی وجہ سے شوہر پر بیوی کے جملہ حقوق مثلاً نان ونفقہ وغیرہ لازم ہوں گے۔

قال العلامة ابن عابدين رحمه الله: تحت قوله (والنكاح) كتزوجتك على ان لا يكون لك مهر فيصح النكاح ويبطل الشرط ۔ (رد المحتار ج۲ ص۳۱۶،۳۱۷ کتاب النکاح) ٢ہ

ٹیلیفون پر نکاح کا حکم

سوال:۔ اگر مجلسِ نکاح میں ایجاب وقبول ٹیلیفون کے ذریعے ہو جبکہ نکاح کے گواہ اور حاضرینِ مجلسِ نکاح اس ایجاب وقبول کو سُن بھی لیں تو کیا اس سے نکاح ہو جائے گا؟

الجواب:۔ آجکل ٹیلیفون سیٹ کئی قسم کے ملتے ہیں مثلاً (۱) وہ ٹیلیفون سیٹ جس سے

لہ وفی الهندية: امرأة غاب زوجها فاتاها مسلم غير ثقة بكتاب الطلاق من زوجها ولا تدري انه كتابه ام لا الا ان اكبر رأيها انه حق فلا بأس ان تعتد ثم تتزوج ۔ كذا في محيط السرخسي: اذا غاب الرجل عن امرأته فاتاها مسلم عدل فاخبرها ان زوجها طلقها ثلاثاً اومات عنها فلها ان تعتد وتتزوج بزوج آخر ۔
(الفتاوى الهندية ج۵ ص۳۱۳ الفصل الثاني في العمل بخبر الواحد في المعاملات)

ومِثلُهٗ في فتاوى دار العلوم ديوبند ج۸ ص۵۰۶ كتاب النكاح ۔

٢ہ قال الشيخ مولانا محمد زكريا كاندهلويؒ: مايبطل الشرط ويصح العقد مثل ان يشترط ان لا مهر لها وان لاينفق عليها وان لايطاها او شرط على المرأة ان تنفق عليه او تعطيه شيئاً فهذه الشروط كلها باطلة والعقد صحيح ۔ (اوجز المسالك ج۲ ص۲۶۵ كتاب النكاح)

ومِثلُهٗ في فتاوى قاضي خان على هامش الهندية ج۱ ص۳۳۱ فصل في النكاح على الشرط ۔

صرف ایک آدمی آواز سن سکتا ہے۔ (۲) وہ ٹیلیفون سیٹ جن کے ذریعے بات کرنے والے ایک دوسرے کی تصویر بھی دیکھ سکتے ہیں۔ (۳) وہ ٹیلیفون سیٹ جن کے ذریعے بات چیت کرنے والوں کی آواز حاضرین مجلس بھی سن سکتے ہیں۔ اوّل الذکر میں نکاح منعقد نہ ہوگا، اس لیے کہ گواہوں کے لیے ایجاب وقبول کا ایک ساتھ سننا ضروری ہے جو یہاں مفقود ہے اور آخرین میں چونکہ شہادت کے تمام تقاضے پورے ہوسکتے ہیں لہٰذا نکاح درست ہے۔

قال العلامة الحصکفیؒ: وشرط حضور شاهدين حرين او حر وحرتين مكلفين سامعين قولهما معاً على الأصح۔ (الدرالمختار علیٰ ہامش ردالمحتار ج۲ ص۲۲۲ کتاب النکاح) ؎۱

بالغ اولاد کی شادی کرنا والدین کا فرض ہے

سوال:۔ ہمارے پٹھانوں میں یہ رواج ہے کہ جب بیٹا یا بیٹی بالغ ہو جائے تو کہتے ہیں کہ یہ باپ کے فرائض میں سے ہے کہ وہ ان کی شادی کا انتظام کرے، کیا یہ صحیح ہے؟

الجواب:۔ جب اولاد بالغ ہوجائے اور اسکے کفو کی لڑکی یا لڑکا مل جائے تو یہ باپ کے فرائضِ منصبی میں داخل ہے کہ وہ ان کی شادی کا بندوبست کرے اور اس میں دیر کرنا مناسب نہیں۔

عن ابی سعید وابن عباس قالا قال رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم من ولد له ولد فيحسن اسمه وادبه فاذا بلغ فليزوجه فان بلغ ولم يزوجه فاصاب اثماً فانما اثمه على ابيه۔

(مشکوٰۃ المصابیح ص۲۷۱ باب الولی) ؎۲

؎۱ وفی الهندية: ومنها سماع الشاهدين كلامهما معاً هكذا فی فتح القدير فلا ينعقد بشهادة نائمين اذا لم يسمعا كلام العاقدين۔ الخ

(الفتاویٰ الهندية ج۱ ص۲۶۸ کتاب النکاح، الفصل الاوّل)

؎۲ عن عمر بن الخطاب وانس بن مالك (رضی الله عنهما) عن رسول الله صلی الله عليه وسلم قال: فی التوراة مكتوبٌ من بلغت ابنته اثنتی عشرة سنة ولم يزوجها فاصابت اثماً فاثمُ ذلك عليه۔

(مشکوٰۃ المصابیح ص۲۷۱ باب الولی)

قوتِ گویائی سے محروم شخص کے نکاح کا حکم

سوال:۔ کیا قوتِ گویائی سے محروم شخص کا نکاح اشارے سے منعقد ہو جائے گا یا نہیں؟

الجواب:۔ بہت سارے احکامات میں اشارہ قائم مقام ملفوظ ہوتا ہے‘ اس لیے اگر نکاح کے معاملے میں فریقین یا ایک فریق بات کرنے پر قادر نہ ہو تو وہ ایجاب وقبول اشارے سے کر سکتا ہے بشرطیکہ وہ اشارہ رشتۂ زوجیت کے انسلاک کو واضح کرتا ہو۔

قال العلامة الکاسانیؒ: کما ینعقد النکاح بالعبارة ینعقد بالاشارة من الاخرس اذا کانت اشارته معلومة الخ (بدائع الصنائع ج۲ ص۲۳۱ فصل اما رکن النکاح) [1]

وکیل کے ذریعے تحریری ایجاب سے نکاح کا حکم

سوال:۔ کیا مجلسِ نکاح میں فریقین کا حاضر ہونا اور زبانی ایجاب وقبول کرنا ضروری ہے یا نہیں؟ اگر کسی کی طرف سے مجلسِ نکاح میں تحریری صورت میں بغیر اس کی موجودگی کے ایجاب پیش کیا جائے اور فریقِ ثانی گواہوں کے سامنے اُس ایجاب کو قبول کرے تو کیا اس سے نکاح منعقد ہو جائے گا یا نہیں؟

الجواب:۔ اگرچہ بہتر یہ ہے کہ دونوں عاقدین یا ان کے وکلاء مجلسِ نکاح میں موجود ہوں لیکن اگر کوئی فریق خود یا اس کا وکیل نہ ہو مگر اس کی طرف سے ایجاب مستند تحریری شکل میں موجود ہو اور فریقِ ثانی گواہوں کی موجودگی میں قبول کا اظہار کرے تو نکاح درست ہو گا۔

قال العلامة الکاسانیؒ: ولو ارسل الیها رسولاً وکتب الیها بذٰلک کتاباً فقبلت بحضرة شاهدین سمعا کلام الرسول وقرأة الکتاب جاز ذٰلک لاتحاد المجلس من حیث المعنی۔ (بدائع الصنائع ج۲ ص۲۳۳ فصل اما شرائط النکاح) [2]

---

[1] قال ابن عابدینؒ: فان کان الاخرس لایکتب وکان له اشارة کعرف فی طلاقه ونکاحه وشرائه وبیعه فهو جائز۔ (رد المحتار ج۲ ص۴۲۱ کتاب الطلاق)

[2] وفی الهندیة: ولو ارسل الیها رسولاً وکتب الیها بذٰلک کتاباً فقبلت بحضرة الشاهدین سمعا کلام الرسول وقرأة الکتاب جاز ذٰلک لاتحاد المجلس من حیث المعنی۔ (الفتاوی الهندیة ج۱ ص۲۶۹ کتاب النکاح۔ باب الاوّل)

نکاح کے لیے قاضی کا لانا ضروری نہیں

سوال: کیا نکاح پڑھانے کے لیے قاضی یا نکاح رجسٹرار وغیرہ کو مجلس نکاح میں لانا ضروری ہے کہ وہ نکاح پڑھائیں یا یہ کہ مرد و عورت کو باہم ایجاب و قبول سے گواہوں کے سامنے نکاح باندھنے کی اجازت ہے؟

الجواب: جب عاقدین باہم گواہوں کے سامنے ایک مرتبہ ایجاب و قبول کرلیں تو نکاح منعقد ہو جاتا ہے، انعقادِ نکاح کے لیے رجسٹرار یا قاضی کو نکاح پڑھانے کے لیے بلانا ضروری نہیں اور نہ مروجہ نکاح نامے کو پُر کرنا لازم ہے تاہم فسادِ زمانہ اور قانونی پیچیدگیوں کی وجہ سے نکاح نامہ پُر کرنا مستحسن ہے۔

قال العلامة المرغینانیؒ: النکاح ینعقد بالایجاب والقبول بلفظین یعبر بهما عن الماضی...... ولاینعقد نکاح المسلمین الا بحضور الشاهدین حرین عاقلین بالغین مُسلمین رجلین ورجل وامرأتین الخ۔ (الهدایة ج۲ ص۲۸۵، ۲۸۶ کتاب النکاح)[1]

نکاح نامہ پُر کرنے کی شرعی حیثیت

سوال: آجکل پورے ملک میں یہ رواج ہے کہ نکاح کے وقت نکاح نامہ فارم لازمی پُر کرنا ہوتا ہے، کیا انعقادِ نکاح کے لیے شرعاً یہ فارم پُر کرنا ضروری ہے؟

الجواب: نکاح عاقدین کے ایجاب و قبول کا نام ہے جبکہ یہ دو گواہوں کے سامنے کیا جائے، انعقادِ نکاح کے لیے قاضی کے پاس نکاح نامہ فارم پُر کرنا، اسٹامپ لکھوانا شرعاً ضروری نہیں، تاہم آجکل کے حالات کے پیشِ نظر قانونی گرفت سے بچنے کے لیے نکاح نامہ فارم پُر کرنا مستحسن ضرور ہے۔

قال العلامة المرغینانی رحمه الله: النکاح ینعقد بالایجاب والقبول یعبر بهما عن الماضی...... ولا ینعقد نکاح المسلمین الّا بحضور شاهدین حرین

---

[1] قال داماد آفندی رحمه الله: وینعقد بایجاب من الزوج او من الزوجة وقبول من الآخر کلاهما بلفظ الماضی...... وشرط سماع کل واحدٍ من العاقدین..... وحضور شاهدین حرین او حرٍ وحرتین عاقلین بالغین مسلمین سامعین معًا لفظهما۔
(دُرر المنتقی علیٰ هامش مجمع الانهر ج۱ ص۳۱۹ و ۳۲۰ کتاب النکاح)

عاقلین بالغین مسلمین رجلین او رجل وامرأتین ۔ الخ (الھدایۃ ج ۲ ص ۲۸۵، ۲۸۶ کتاب النکاح) ؎۱

ایجاب نامے پر دستخط کردینے سے نکاح منعقد نہیں ہوتا

سوال :- اگر کوئی شخص کسی عورت سے دھوکہ سے اسٹامپ دستخط کرائے جس میں نکاح پر ایجاب وقبول درج ہو، تو کیا نفس تحریر سے نکاح منعقد ہوگا یا نہیں جبکہ عورت نے زبان سے قبول نہ کیا ہو ؟

الجواب :- شریعتِ اسلامی میں نکاح دو گواہوں کے سامنے زبانی ایجاب و قبول کا نام ہے نفسِ تحریر سے نکاح منعقد نہیں ہوتا ۔

قال العلامۃ الحصکفی رحمہ اللہ : فلو کتب تزوجتك فکتبت قبلت لم ینعقد بحر ۔ (رد المحتار ج ۲ ص ۲۸۸ کتاب النکاح) ؎۲

ایجاب وقبول میں مطابقت ضروری ہے

سوال :- اگر ایجاب وقبول میں بظاہر مطابقت نہ ہو تو کیا اس سے نکاح منعقد ہو جائے گا یا نہیں ؟

الجواب :- ہر معاملہ میں ایجاب وقبول کے اندر مطابقت ضروری ہے، اگر دونوں میں مطابقت نہ ہو تو معاملہ صحیح نہ ہوگا، اسی طرح اگر نکاح کے ایجاب وقبول میں بھی مطابقت نہ ہو تو نکاح درست نہ ہوگا ۔

کما قال العلامۃ الحصکفیؒ : وینعقد النکاح بایجاب من احدھما وقبول من الآخر وضعا للمضی لان الماضی ادل علی التحقیق کزوجت نفسی او بنتی او موکلتی منك و بقول الآخر تزوجتُ الخ (الدر المختار علی ھامش رد المحتار ج ۲ ص ۲۶۳ کتاب النکاح) ؎۳

؎۱ قال العلامۃ داماد افندیؒ : وینعقد بالایجاب من الزوج او من الزوجۃ وقبول من الآخر کلاھما بلفظ الماضی .... وشرط سماع کل واحد من العاقدین .... وحضور شاھدین حرین او حر وحرتین عاقلین بالغین مسلمین سامعین معاً لفظھما ۔ الخ (درر المنتقی علی ھامش مجمع الانھر ج ۱ ص ۳۱۹، ۳۲۰ کتاب النکاح)

؎۲ قال العلامۃ ابن نجیمؒ : افاد المصنف أن انعقاد النکاح بکتاب احدھما یشترط فیہ سماع الشاھدین قراءۃ الکتاب مع قبول الآخر ۔ (البحر الرائق ج ۳ ص ۸۹ کتاب النکاح)

؎۳ وفی الھندیۃ : ومنھا ان لایخالف القبول الایجاب فلو قال الآخر زوجتك ابنتی علی الف درھم فقال الزوج قبلت النکاح ولا اقبل المھر کان باطلاً ۔ (الفتاوی الھندیۃ ج ۱ ص ۲۶۹ کتاب النکاح الباب الاول)

نکاح میں نابینا شخص کی گواہی

سوال:۔ اگر نکاح کی مجلس میں دو گواہ تو موجود ہوں مگر نابینا (بصارت سے محروم) ہوں تو کیا ان کی گواہی سے نکاح صحیح ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ فقہاء احناف کے ہاں نکاح کے گواہوں میں چار شرائط کا ہونا ضروری ہے: (۱) حریت (۲) عقل (۳) بلوغ (۴) اسلام۔ چونکہ بینا ہونا ان شرائط میں داخل نہیں لہٰذا نکاح کے معاملہ میں ان کی گواہی احناف کے ہاں درست ہے۔

لما قال ابن نجیم المصری رحمه الله: وشرط فی الشاهد اربعة امور الحریة والعقل والبلوغ والاسلام۔ (البحر الرائق ج۳ ص۹۵ کتاب النکاح) [1]

مجلسِ نکاح میں گواہوں کی موجودگی ضروری ہے

سوال:۔ کیا مجلس انعقادِ نکاح میں گواہوں کی موجودگی ضروری ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ مجلس انعقادِ نکاح میں ماسوائے مالکیہ کے تمام ائمہ کے ہاں گواہوں کا موجود ہونا ضروری ہے، گواہوں کی موجودگی کے بغیر نکاح صحیح نہیں۔

قال العلامة صدر الشریعة ؒ: وحضور حرین او حر وحرتین مکلفین مسلمین سامعین معًا لفظهما۔ (شرح الوقایة ج۲ ص۹ کتاب النکاح) [2]

زانی اور مزنیہ کا نکاح پڑھانے والے پر کوئی عتاب نہیں

سوال:۔ اگر بے خبری میں نکاح خوان زانی اور مزنیہ کا نکاح پڑھا دے تو کیا نکاح خوان پر کوئی عتاب ہوگا یا نہیں؟

---

[1] قال العلامة المرغینانی ؒ: ولاینعقد نکاح المسلمین الابحضور شاهدین حرین عاقلین بالغین مسلمین رجلین اورجل وامرأتین۔ (الهدایة ج۲ ص۲۸۶ کتاب النکاح)

وَمِثْلُهٗ فی شرح الوقایة ج۲ ص۹ کتاب النکاح۔

[2] قال العلامة المرغینانی ؒ: ولاینعقد نکاح المسلمین الابحضور شاهدین حرین عاقلین بالغین مسلمین رجلین اورجل وامرأتین۔ (الهدایة ج۲ ص۲۸۶ کتاب النکاح)

وَمِثْلُهٗ فی الهندیة ج۱ ص۲۶۹ کتاب النکاح۔ الباب الاوّل۔

الجواب:۔ زانی اور مزنیہ کا آپس میں نکاح کرنا صحیح ہے۔

قال العلامۃ الحصکفیؒ: وصح نکاح حبلیٰ من زنا الی قولہ وان حرم وطؤھا ودواعیہ حتی تضع الی قولہ لو نکحھا الزانی حل لہ وطؤھا اتفاقاً۔ (تنویر الابصار مع الدر المختار ج۲ ص۳۱۷ فصل فی المحرمات مطلب فی وطء السراری الخ)[1]

لہٰذا جب زانی اور مزنیہ کا آپس میں نکاح کرنا جائز ہے تو پھر نکاح پڑھانے والے (نکاح خواں) پر بھی کوئی عتاب نہیں ہوگا۔

نکاح میں صرف آمین کہہ کر قبول کرنا درست ہے

سوال:۔ نکاح پڑھتے وقت مولوی صاحب کے اس قول کے جواب میں کہ میں نے فلاں کی بیٹی فلانہ کو اتنے حق مہر کے عوض آپ کے نکاح میں دیدی تو لڑکے نے جواب میں "قبول ہے" کی بجائے تین بار "آمین" کہا، تو کیا اس سے نکاح ہو جاتا ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ آمین کا لفظ قبول کا فائدہ دیتا ہے اس لیے صورتِ مسئولہ میں لڑکے کا ایجاب کے مقابلے میں آمین کہنے سے نکاح درست ہے اور مہر لازم ہے۔

قال العلامۃ ابن عابدینؒ: وعبارۃ الفتح لما علمنا ان الملاحظۃ من جھۃ الشرع ثبوت الانعقاد ولزوم حکمہ جانب الرضاء فعدینا حکمہ الی کل لفظ یفید ذلک الخ۔ (ردّ المحتار ج۲ ص۲۸۷ کتاب النکاح، مطلب التزوج بارسال کتاب الخ)[2]

---

[1] قال العلامۃ المرغینانیؒ: وان تزوج حبلیٰ من زنا جاز النکاح ولا یطأھا حتی تضع حملھا الخ۔ (الھدایۃ ج۲ ص۲۹۱،۲۹۲ فصل فی بیان المحرمات)۔

وَمِثْلُہٗ فی البحر الرائق ج۳ ص۱۰۲ فصل فی المحرمات۔

[2] وفی الھندیۃ: امرأۃٌ قالت لرجل زوجت نفسی منکَ فقال الرجل بخدا وندکاری پذیرفتم یصح النکاح ولو لم یقل الرجل ذلک لکنّہٗ قال لھا شاباش ان لم یقل بطریق الطنز یصح النکاح۔ (الفتاویٰ الھندیۃ ج۱ ص۲۷۲ الباب الثانی فیما ینعقد بہ النکاح ومالا ینعقد)

وَمِثْلُہٗ فی خلاصۃ الفتاویٰ ج۲ ص۳ کتاب النکاح۔ الفصل الاول فی جواز النکاح والاجازۃ۔

نکاح پر اظہارِ مسرت کے بعد ناراضگی کا حکم

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ حاجی محمد اسلم نے اپنی لڑکی نور جہاں کی منگنی مسمی بشیر محمد ولد سلطان محمد سے آج سے تقریباً آٹھ سال پہلے کی، اور اس وقت مظفر اللہ ولد محمود خان، محمد قریش ولد مقدر، اسرار محمد ولد توارے، عثمان غنی اور دیگر افراد کی موجودگی میں مسماۃ نور جہاں کے والد حاجی محمد اسلم نے یہ الفاظ کہے کہ "میں نے اپنی بیٹی نور جہاں کی شادی بشیر محمد ولد سلطان محمد سے کر دی" اور فضل محمد ولد سلطان محمد (جو کہ دولہا کا بھائی ہے) نے اسی وقت گواہوں کے سامنے بطور وکیل یہ الفاظ کہے کہ "میں نے اپنے بھائی بشیر محمد ولد سلطان محمد کے لیے قبول کیا" اور سات تولہ سونا حق مہر مقرر کیا گیا، اس کے بعد مٹھائی وغیرہ بھی تقسیم کی گئی لیکن رواج اور عرف کی وجہ سے یہ کاروائی تحریر میں نہ لائی جاسکی۔ اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ:۔

(۱) قرآن وسنت کی رُو سے مندرجہ بالا الفاظ کہنے سے یہ نکاح منعقد ہوا ہے یا نہیں؟ حالانکہ مذکورہ لڑکی نور جہاں کو اس کاروائی کی خبر کر دی گئی تھی اور وہ راضی بھی تھی، جبکہ پٹھانوں کے رواج کے مطابق سونے کی انگوٹھی بطور نشانی اُسے پہنا دی گئی۔

(۲) اب اتنا عرصہ گذرنے کے بعد چند ماہ پہلے مسماۃ نور جہاں دختر حاجی محمد اسلم نے کہا کہ میں خوش نہیں ہوں حالانکہ اس سات آٹھ سال کے عرصے میں وہ برابر خوشی کا اظہار کرتی رہی اس کے بعد مسماۃ نور جہاں نے اپنے والد کی مرضی اور اسے اطلاع کیے بغیر چوری چھپے مسمی خالد سے نکاح کر لیا اور سرکاری کاغذات میں بھی نکاح رجسٹرڈ کرا لیا ـــــ اب عرض یہ ہے کہ حاجی محمد اسلم جو کہ دُلہن کا والد ہے (اور اب بھی بقائمی ہوش وحواس ہے) نے عدالت میں یہ گواہی دی ہے کہ میں نے اپنی بیٹی نور جہاں کا نکاح تقریباً آٹھ سال پہلے مسمی بشیر محمد ولد سلطان محمد سے کر دیا تھا۔ تو اس کے باوجود قرآن وسنت کی روشنی میں نور جہاں کا نکاح مسمی خالد سے منعقد ہو گیا ہے یا نہیں؟ اور کیا یہ لڑکی اس طریقہ سے والد کی مرضی کے بغیر اپنا سابقہ نکاح فسخ کر سکتی ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ (۱) شریعتِ محمدی میں نکاح جانبین کی طرف سے باہمی ایجاب وقبول کو کہا جاتا ہے چاہے یہ ایجاب وقبول عاقدین کے وکلاء کے مابین ہوں یا خود عاقدین ایک دوسرے سے ایجاب وقبول کر لیں تو نکاح منعقد ہو جاتا ہے۔ لما فی الدر المختار: وینعقد

ملبسًا بایجاب من احدھما وقبول من الآخر وضعًا للمضی ..... الخ

(الدر المختار علی ہامش رد المحتار ج ۲ ص ۲۶۳ کتاب النکاح)

(۲) اور گواہوں کی موجودگی اور حق مہر کا تقرر بھی نکاح کی شرائط میں سے ہے۔

قال العلامۃ الحصکفیؒ: وشرط حضور شاھدین حرین او حر و حرتین مکلفین الخ (الدر المختار علی ہامش رد المحتار ج ۲ ص ۲۶۲ کتاب النکاح)

ولقولہ تعالیٰ: وابتغوا باموالکم محصنین غیر مسافحین۔ الآیۃ

(۳) اور جب ایک عورت کا نکاح اس کی خوشی اور رضامندی سے کسی مرد سے کر دیا جائے یا بغیر اس کے علم کے کر دیا جائے اور اس کی خبر ہونے کے بعد وہ اُسے رَدّ نہ کرے بلکہ اس پر خاموش رہے یا رضامندی کا اظہار کر دے تو اس کے بعد عورت کا نکاح سے انکار ناقابلِ مسموع ہوگا۔

قال العلامۃ الحصکفیؒ: فان استأذنھا ای الولی او وکیلہ او رسولہ او زوجھا ولیھا واخبرھا رسولہ او فضولیٌ عدل فسکتت او ضحکت غیر مستھزأۃ او تبسمت او بکت بلا صوت فھو اذن۔ (الدر المختار علی ہامش رد المحتار ج ۲ ص ۲۹۹ کتاب النکاح)

ان جملہ مقدمات کے بعد صورتِ مسئولہ کے مطابق حاجی محمد اسلم کی بیٹی نور جہاں کا نکاح بشیر محمد ولد سلطان محمد کے ساتھ منعقد ہو چکا ہے اور شرعاً یہ لڑکی اس کی منکوحہ ہے لہٰذا خالد کے ساتھ اس کا نکاح منعقد ہی نہیں ہوا ہے اور خالد کا نکاح منکوحۃ الغیر کے ساتھ نکاح ہے جو بنصِ قرآنی ممنوع ہے۔

لقولہٖ تعالیٰ: وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ النِّسَآءِ۔ (سورۃ النساء آیت ۲۴)

قال العلامۃ الحصکفیؒ: واما النکاح منکوحۃ الغیر ومعتدتہ ..... لانہ لم یقل احد بجوازہ فلم ینعقد اصلاً۔ (الدر المختار علی ہامش رد المحتار ج ۲ ص ۶۵۹ باب العدۃ)

نکاح کے انعقاد کو صفحۂ قرطاس پر لانا شرعاً ضروری نہیں ہے بلکہ صرف گواہوں کی موجودگی شرط ہے لہٰذا مسماۃ نور جہاں بنت حاجی محمد اسلم شرعاً بشیر محمد ولد سلطان محمد کی منکوحہ ہے اور مسمی خالد سے اس کا نکاح کالعدم ہے اور اسی طرح مسماۃ نور جہاں کا بشیر محمد ولد سلطان محمد سے نکاح کے لیے اجازت دینے کے بعد نکاح پر عدمِ رضامندی کا اظہار کرنا بھی ناقابلِ تسلیم ہے۔

حلفاً نکاح کا وعدہ کرنے کی شرعی حیثیت

سوال:- جناب مفتی صاحب! میں ایک شخص کو دیکھنا بھی گوارا نہیں کرتی، ایک دفعہ مجھے اکیلا دیکھ کر قرآن مجید لے کر وہ میرے پاس آگیا اور مجھے ڈرا دھمکا کر کہنے لگا کہ اس پر ہاتھ رکھ کر کہو کہ تم مجھ سے شادی کرو گی، میں نے خوف کی وجہ سے قرآن مجید پر ہاتھ رکھ کر ہاں کہہ دیا، کیا ایسا کرنے سے میرا اس شخص کے ساتھ نکاح ہو گیا ہے یا میں آزاد ہوں؟ میں اب بھی اس کو دیکھنا نہیں چاہتی، اگر میں نے یہ گناہ کیا ہے تو قرآن و سنت کی روشنی میں اس کا کفارہ بھی بتائیں، میں دعاگو رہوں گی۔ (ایک دکھی بیٹی)

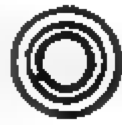
الجواب:- سوال میں مذکورہ الفاظ نکاح کے الفاظ نہیں ہیں بلکہ وعدۂ نکاح ہے اور اگر یہ الفاظ الفاظِ نکاح ہوتے تو پھر بھی نکاح نہ ہوتا، کیونکہ مستفتیہ کے بیان کے مطابق یہ بات بغیر گواہوں کے ہوئی ہے۔ لہٰذا آپ آزاد ہیں، البتہ بظاہر یہ معاملہ حلف و قسم کا ہے اس لیے حنث کی صورت میں کفارہ دینا پڑے گا۔

خطبہ پر خطبہ کا حکم

سوال:- ایک شخص کے ساتھ ایک عورت کا رشتہ طے ہو گیا ہے اب دوسرے لوگوں کا اس عورت کے ساتھ رشتہ کی بات کرنا شرعاً کیسا ہے؟

الجواب:- جب کسی عورت کا ایک جگہ رشتہ طے پا جائے تو جب تک لڑکے اور لڑکی کے رشتہ دار اس رشتہ سے اعراض نہ کریں تو دوسرے لوگوں کے لیے اس عورت سے رشتہ کی بات کرنا شرعاً جائز نہیں، اس سے شرع کی مخالفت لازم آتی ہے۔

قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم: إیاکم والظن فإن الظن أکذب الحدیث ولا تجسسوا ولا تحسسوا ولا تباغضوا وکونوا إخوانا ولا یخطب الرجل علی خطبة أخیه حتی ینکح او یترك۔
(صحیح البخاری کتاب النکاح ج ۵ ص ۱۹۶) [1]



---

[1] قال ابن عابدینؒ: ولا یخطب مخطوبة غیرہ لأنه جفاء وخیانة۔
(ردّ المحتار ج۳ ص۹ کتاب النکاح)
ومثلہ فی البحر الرائق ج ۳ ص۸ کتاب النکاح۔

بوقتِ نکاح چھوہارے پھینکنا سُنّت ہے

سوال:۔ نکاح کے وقت چھوہارے پھینکنا سُنت ہے یا کہ حاضرینِ مجلسِ نکاح میں فرداً فرداً تقسیم کرنا افضل ہے۔

الجواب:۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل مبارک اور فقہاء کرام کی عبارات سے معلوم ہوتا ہے کہ مجلسِ نکاح کے شرکاء میں فرداً فرداً چھوہارے تقسیم کرنے کی بجائے پھینکنا سنت ہے۔

ذکر العلامہ ظفر احمد العثمانیؒ: انّ النبی صلی اللہ علیہ وسلم حضر فی املاک (ای نکاح) فاتی بطباق علیہا جوز ولوز وتمر فنثرت فقبضنا ایدینا فقال ما بالکم لا تأخذون فقالوا لانك نهيت عن النهبیٰ فقال منا نهيتكم عن نهبی العساكر خذوا علی اسم اللہ فجاذبنا وجاذبناہ۔ (اعلاء السنن ج ۱۱ ص۱۲ کتاب النکاح، باب الولیمۃ) لہ

اغوا سے نکاح متاثر نہیں ہوتا

سوال:۔ ایک عورت کو اغوا کرکے اغوا کنندہ نے اس سے دوسرا نکاح کرلیا، تو کیا دوسرے نکاح سے عورت کے پہلے نکاح پر کوئی اثر پڑے گا یا نہیں؟

الجواب:۔ جب ایک مرتبہ کسی عورت کا نکاح کسی مرد سے ہو جائے تو یہ عورت اس مرد کی بیوی ہے، اب اس کا کسی دوسرے مرد سے نکاح کرنا ناجائز ہے اور اس سے پہلا نکاح متاثر نہیں ہوگا جب تک خاوند اس کو طلاق نہ دے۔

لما فی الهندية: لا يجوز للرجل ان يتزوج زوجة غيره وكذلك المعتدة۔
(الفتاوی الهندية ج ۱ ص۲۸۰ الباب الثالث فی بیان المحرمات) ۲ہ

لہ لما فی خیر الفتاویٰ: سوال:۔ شادی کے موقع پر چھوہارے پھینکنا سُنت ہے یا تقسیم کرنا سُنت ہے؟
الجواب: صورتِ مسئولہ میں شادی کے موقع پر چھوہارے پھینکنا سُنت ہے۔
(خیر الفتاویٰ ج ۴ ص۵۸۵ کتاب النکاح، باب متفرقات النکاح)

۲ہ قال عالم بن علاء الانصاریؒ: ولا یجوز نکاح منکوحۃ الغیر ومعتدۃ الغیر عند الکل۔ (الفتاویٰ التاتارخانیہ ج ۲ ص۱۲ کتاب النکاح، فی بیان ما یجوز من الانکحۃ وما لا یجوز)
وَمِثْلُهٗ فی ردّ المحتار ج ۲ ص۲۰ فصل فی المحرمات۔

سول میرج کا شرعی حکم

سوال:- کیا فرماتے ہیں علماء کرام و مفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ جو مسلمان یورپین ممالک میں "سول میرج" کے ذریعے شادی کرتے ہیں، شریعتِ اسلامیہ میں ایسے مسلمانوں کے متعلق کیا حکم ہے؟ اور کیا اس نظریہ کو شریعتِ اسلامیہ قبول کرتی ہے یا نہیں؟ اگر نہیں کرتی تو ان کی جو اولاد پیدا ہوتی ہے اسلامی معاشرے میں اس کی کیا حیثیت ہوتی ہے اور اس کو کس نظر سے قبول کرنا ہے اگر نہیں کرتا تو ایسے میاں بیوی کا اسلامی معاشرے میں کیا درجہ رہ جاتا ہے، اس کے علاوہ اگر وہ "سول میرج" کے بعد اسلامی قواعد و ضوابط کے مطابق دوبارہ تجدیدِ نکاح کر لیں تو پھر ان کی پوزیشن کیا ہوگی؟

الجواب:- صورتِ مسئولہ میں چونکہ "سول میرج" کی وضاحت نہیں کی گئی ہے کہ "سول میرج" کس طریقہ پر کیا جاتا ہے تاکہ شرعی نکاح اور سول میرج کا مقابلہ کرکے اس جواز اور عدمِ جواز پر کچھ اظہارِ خیال کیا جاسکتا۔ تاہم اپنی معلومات کی حد تک شرعی طریقہ کے مطابق ازدواجی سلسلے کے چند اصول قانونی شکل میں پیش کیے جاتے ہیں، اگر سول میرج ان اصولوں کے مطابق ہو تو اس کو نکاح تسلیم کیا جائے اور اس پر تمام وہ احکام جاری ہوں گے جو کہ شرعی نکاح پر جاری ہوتے ہیں اور اگر "سول میرج" ان اصولوں کے مخالف ہو تو شریعتِ اسلامی اس کو "نکاح" تسلیم نہیں کرے گی، اور ایسے میاں بیوی سے جو اولاد پیدا ہوگی وہ ولد الزنا شمار کی جائے گی۔

اس سلسلے میں سب سے پہلے تو یہ ذہن نشین کر لینا چاہیئے کہ مطلق نکاح قطع نظر متناکحین کے بالغ یا نابالغ ہونے سے آیا دُنیا کا کام ہے یا دین کا، تاکہ اس سے یہ سمجھنا آسان ہو کہ اس میں تصرّف کرنا یہ تصرّف فی الدنیا ہے یا فی الدین! سو اس کا ایک معیار ہے، وہ یہ کہ جس کا شریعت میں تاکیدی یعنی وجوبی یا ترغیبی یعنی استحبابی حکم کیا گیا ہو یا اس پر ثواب کا وعدہ کیا گیا ہو، تو وہ دین کا کام ہے۔ پھر اگر اس کے ترک کرنے پر کوئی وعید یا ناراضگی بھی وارد ہوئی ہو تو وہ فرض ہے یا واجب، اور جس کے ترک پر کوئی وعید یا ناراضگی وارد نہ ہوئی ہو تو وہ مستحب ہے، اور جس میں یہ بات نہ ہو وہ دنیا کا کام ہے، اگرچہ اس کے متعلق جو احکام

وارد ہوں وہ احکام ہر حال میں دین ہی ہیں، اور جس اعتقاد یا عمل سے ان احکام میں تغیر ہوتا ہو وہ تغیر فی الدین ہے ـــــ اب نکاح کو اس معیار پر منطبق کر کے دیکھا جائے تو صاف معلوم ہوگا کہ وہ دین کا کام ہے، کہ بعض حالات میں اس کا تاکیدی اور بعض میں ترغیبی حکم بھی ہے، اور اس پر ثواب کا وعدہ بھی ہے اور اس کے ترک پر مذمت اور شناعت بھی فرمائی گئی۔ چنانچہ قرآن مجید میں ارشاد ہے، وانکحوا الایامیٰ منکم (سورۃ النور ع ۱۱) تم میں سے جو بے نکاح عورتیں ہوں تم ان کا نکاح کر دیا کرو۔ وغیرھا من الآیات والاحادیث۔

علماء امت اور ائمہ کے اقوال سے بھی اس کے امر دینی ہونے کا اثبات موجود ہے، دُرِّ مختار میں ہے، لیس لنا عبادۃ شرعت من عھد آدم علیہ السلام الی الآن ثم تستمر فی الجنۃ الا النکاح والایمان۔ اس میں نکاح کے عبادت ہونے کی تصریح ہے، اور عبادت بھی ایسی کہ تمام شرائع میں مشترک اور عبادت کے دینی کام ہونے میں کس کو کلام ہو سکتا ہے، اگر چہ اس کے استمرار فی الجنۃ پر بعض نے کلام کیا ہے لیکن باقی دوسرے اجزاء سب کے نزدیک مسلّم ہیں ـــــ اور شامی میں لکھا ہے: وقدمہ علی الجهاد الیٰ قولہ وکذا علی العتق والوقف والاضحیۃ وان کانت عبادات ایضًا لانہ اقرب الی الارکان الاربع حتی قالوا ان الاشتغال بہ افضل من التخلی لنوافل العبادات ای الاشتغال بہ ومایشتمل علیہ من القیام بمصالحہ واعفاف النفس عن الحرام وتربیۃ الولد ونحو ذلک اھ۔

دیکھئے اس عبارت میں کس شد و مد کے ساتھ نکاح کی فضیلتِ دینیہ کو بیان کیا گیا ہے۔

جب یہ ثابت ہو گیا کہ نکاح ایک امر دینی ہے اور ہر ایک دینی کام کے لیے شریعت نے کچھ اسلوب اور طریقے بیان کیے ہیں، نکاح کے لیے بھی ضرور ارکان اور شرائط ہوں گے، جن کے مطابق اگر کیا جائے تو اس کو نکاح کہا جائے گا اور اس پر سب نتائج درست مرتب ہوں گے، اور اگر ان شرائط اور ارکان کے مطابق نہ کیا جائے تو اس کو شرعًا نکاح نہیں کہا جائے گا اور اسلامی معاشرہ میں اس کی کوئی وقعت نہ ہوگی اور بجائے بہتر نتائج کے بد نتائج اس پر مرتب ہوں گے ـــــ اس مقصد کے حصول اور اس مشکل کے حل

کے لیے جب ہم اپنی شریعتِ اسلامی کی کتابوں کی تتبع اور تلاش کرتے ہیں تو کتابوں میں
اس کے متعلق ایک مستقل بحث "کتاب النکاح" کی شکل میں موجود ہے جس کا مطالعہ کرنے سے
شرعی نکاح کی حقیقت واضح ہوجاتی ہے۔ شریعتِ اسلامی کے فقہاء کرام نے شرعی نکاح
کی تفسیر یوں بیان کی ہے: هو عقد يفيد ملك المتعة اى حل استمتاع
الرجل من امرأة لم يمنع من نكاحها مانع شرعي۔ رد المحتار ج ۲ ص ۳ کتاب النکاح۔
یعنی یہ مرد اور عورت کے درمیان ایک ایسا ربط و تعلق قائم کرتا ہے کہ جس سے آدمی کو عورت
سے اور عورت کو آدمی سے نفع حاصل کرنا حلال ہوجاتا ہے۔ جن الفاظ سے یہ خاص ربط و
تعلق پیدا ہوجاتا ہے وہ نکاح کے ارکان ہیں۔ کسی چیز کا رکن اس کو کہتے ہیں کہ اس چیز کی
ذات کا دارومدار اسی پر ہو۔ و اما ركنه فالايجاب والقبول كذا في الكافي۔
والايجاب ما يتلفظ به اولاً من اى جانب كان والقبول جوابه۔ هكذا
في العناية۔ یعنی شرعی نکاح کا انعقاد ایجاب و قبول سے ہوتا ہے، چاہے یہ ایجاب و
قبول خود مرد و عورت کرلیں، اگر خوفِ فتنہ نہ ہو یا بذریعہ اولیاء یا وکیل یا فضولی کے ہوجائے۔
اب اس ایجاب و قبول کے معتبر اور مسلّم ہونے کے لیے چند شرائط ہیں جن پر اس ایجاب و
قبول کے معتبر ہونے کا توقف ہے۔ واما شرطه فمنها العقل والبلوغ والحرية
في العاقد الا ان الاول شرط الانعقاد فلا ينعقد نكاح المجنون والصبي
الذي لا يعقل والاخيران شرط النفاذ فان نكاح الصبي العاقل يتوقف
نفاذه على اجازة وليه هكذا في البدائع۔ ومنها المحل القابل وهي
المرأة التي احلها الشرع بالنكاح كذا في النهاية۔ ومنها سماع كل من
العاقدين كلام صاحبه هكذا في فتاوى قاضي خان۔ ومنها الشهادة قال
عامة العلماء انها شرط جواز النكاح هكذا في البدائع ومنها سماع
الشاهدين كلامهما معاً، هكذا في فتح القدير۔ ومنها رضا المرأة اذا
كانت بالغة بكراً كانت او ثيباً ومنها ان يكون الايجاب والقبول في مجلس
واحد۔ الخ ومنها ان لا يخالف القبول الايجاب ومنها ان يضيف النكاح

لى كلها او ما يعبر من الكل ـــ الخ ـ ومنها ان يكون الزوج والزوجة معلومين فلو زوج بنتة ولهٗ بنتان لا يصح الا اذا كانت احداهما متزوجة فينصرف الى الفارغة كذا فى انهما لفائق والكل۔

(الفتاوٰى الهندية ج ۱ ص۲۸۵ تا ص۲۸۷ كتاب النكاح)

ان عبارات کا حاصل یہ ہے کہ ایجاب وقبول کرنے والا عاقل بالغ اور آزاد ہو۔ اس میں اوّل شرط یعنی عقل شرط انعقاد ہے، اس لیے کہ مجنون اور صبی غیر عاقل کا نکاح منعقد ہی نہیں ہوتا، اور آخیر دو شرط بلوغ وحریت شرائط ہیں نفاذِ نکاح کے کیونکہ اگر لڑکا عاقل ہو تو اس کا نکاح منعقد تو ہو جاتا ہے مگر اجازتِ ولی پر موقوف ہوتا ہے۔ اور یہ بھی شرط ہے کہ جس عورت کے ساتھ نکاح ہو رہا ہے وہ محلِ صالح ہو یعنی وہ عورت محرماتِ شرعیہ سے نہ ہو بلکہ شریعتِ مطہرہ نے نکاح میں لینا اس کا حلال کیا ہو، اور یہ کہ نکاح کرنے والے متعاقدین ایک دوسرے کی بات سُن لیں۔ اور یہ بھی شرط ہے کہ یہ ایجاب وقبول روبروئے گواہان کے ہو جس کو شہادت کہتے ہیں۔

عام علماء نے یہ لکھا ہے کہ شہادت جوازِ نکاح کے لیے شرط ہے، اگر ایجاب و قبول ہو جائے مگر روبروئے گواہان کے نہ ہو تو یہ نکاح ہی نہیں ـــ اور یہ بھی شرط ہے کہ شاہدین (گواہان) دونوں متعاقدین کی بات سُن لیں۔ اگر عورت بالغہ ہو، چاہے باکرہ ہو یا ثیبہ، تو اس کی رضامندی اور اجازت لینا بھی ضروری ہے، اور یہ کہ ایجاب و قبول ایک ہی مجلس میں ہوں، اور یہ کہ قبول ایجاب سے مخالف نہ ہو، اور یہ کہ نکاح کی اضافت اس کے کل بدن کی طرف ہو یا ایسے جزو کی طرف جس کو کل بدن سے تعبیر کیا جاتا ہو۔ اور یہ بھی شرط ہے کہ زوج اور زوجہ دونوں معلوم ہوں، مجہول نہ ہوں۔

ان شرائط اور ارکان کے علاوہ نکاح میں بعض امور ایسے ہیں جو سُنن اور مستحبات کے درجہ میں ہیں جن پر عمل کرنے سے اس ازدواجی سلسلہ میں خیر و برکت پیدا ہوتی ہے۔ فقہ اسلامی کی معتبر کتاب "درمختار" میں ہے: ويندب اعلانه وتقديم

خطبۃ۔ و فی الشامی: لحدیث الترمذی اعلنوا ھذا النکاح وجعلوہ فی المساجد۔ (الحدیث) والمراد من تقدیم الخطبۃ ما یذکر قبل اجراء العقد من الحمد والتشہد وانہا لا تتعین بالفاظ مخصوصۃ وان خطب بما ورد فہو احسن۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اعلانِ نکاح مستحب ہے، اور اسی طرح ایجاب و قبول کرنے سے قبل خطبہ پڑھنا جو حمد و شہادت پر مشتمل ہو مستحب ہے — آگے لکھتے ہیں: وکونہ فی المسجد یوم جمعۃ بعاقد رشید وشہود عدل والاستدانۃ لہ والنظر الیہا قبلہ وکونہا دونہ سنًا وحسبًا وعزًا ومالًا وفوقہ خلقًا و ادبًا وورعًا وجمالًا — مگر یہ تمام امور ایسے ہیں کہ جن سے اس ازدواجی سلسلہ میں مزید استحکام اور خیر و برکت پیدا ہوتی ہے، اور یہ امور شرائط اور ارکان نہیں ہیں کہ جن کے نہ ہونے سے نکاح صحیح نہ ہوگا بلکہ یہ مستحب امور ہیں جن کا لحاظ رکھنا نہ رکھنے سے بہتر ہے۔

اس تمام تفصیل کو مدنظر رکھ کر شرعی نکاح کی حقیقت واضح ہو جاتی ہے، اور اس سے یہ اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ "سول میرج" (جو یورپ وغیرہ میں مسلمان لوگ کرتے ہیں) اور "شرعی نکاح" میں کچھ فرق ہے یا نہیں۔ اگر جواب نفی میں ہے کہ دونوں میں کچھ فرق نہیں تو فبہا ونعمت، اور اگر جواب اثبات میں ہے کہ دونوں میں کچھ فرق ہے تو سول میرج کو ہرگز شرعی نکاح نہیں کہا جا سکے گا۔ ہاں اگر بعد میں مذکورہ بالا شرائط کے مطابق تجدیدِ نکاح کر لیں تو درست ہوگا، ورنہ حرام کاری سے جو گندگی معاشرہ میں پھیلتی ہے وہ اس کا لازمی نتیجہ ہوگا۔ عقلِ سلیم، فطرتِ اسلامی اور شریعتِ اسلامیہ مرد و عورت کے ایسے بے باکانہ اور اصولِ دین کے خلاف ملنے کو ہرگز تسلیم نہیں کرے گا۔

ھذا ما عندی واللہ اعلم وعلمہ اتم واحکم

حضرت آدم علیہ السلام کے نکاح کے گواہوں کی تحقیق

سوال:۔ حضرت آدم علیہ السلام کا نکاح کس جگہ ہوا اور کس نے یہ نکاح کیا، نیز اس کے گواہ کون تھے اور حق مہر کیا مقرر ہوا؟

الجواب:۔ اس مسئلہ کے متعلق وحی (قرآن وحدیث) میں کوئی تفصیل نہیں ملتی اور بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپؑ کو وحی کے ذریعہ سے اذنِ استمتاع ملا جیسا کہ ہمیں گواہوں کے رُوبرو ایجاب وقبول کرنے سے اذن ملتا ہے۔ البتہ حق مہر کے متعلق بعض روایات میں آیا ہے کہ پیغمبرِ آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجنا حقِ مہر قرار دیا گیا۔ کما فی الصاوی وغیرہ فلیراجع۔

لما قال العلامة احمد الصاوی المالکی رحمہ اللہ: وقد خلقت بعد دخوله الجنة نام فلما استیقظ وجدها فاراد ان یمد یده الیها فقالت له الملٰئکة مه یا آدم حتی تؤدی مهرها وما مهرها فقالوا ثلاث صلوات او عشرون صلاة علی سیدنا محمد صلی اللہ علیه وسلم۔

(الصاوی ج ۱ ص۲۲ سورة البقرة)

باب من یجوز بها النکاح ومن لا یجوز

(کن عورتوں کے ساتھ نکاح جائز ہے اور کن کے ساتھ ناجائز ہے)

خنثیٰ مشکل سے نکاح کا حکم

سوال: خنثیٰ مشکل سے نکاح کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: نکاح کے لیے محلِ نکاح ہونا ضروری ہے خنثیٰ مشکل چونکہ محلِ نکاح نہیں اس لیے خنثیٰ مشکل سے نکاح جائز نہیں؟

قال الحصکفیؒ: ای حل استمتاع الرجل من إمرأة لم یمنع من نکاحھا مانع شرعی فخرج الذکر والخنثی المشکل۔ (الدر المختار علیٰ صدر رد المحتار ج۳ ص۱ کتاب النکاح) [1]

بانجھ عورت سے نکاح کرنا

سوال: بانجھ عورت سے نکاح جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: بانجھ عورت سے نکاح کرنے میں چونکہ بعض منافع حاصل ہوتے ہیں اس لیے نکاح کرتے میں کوئی حرج نہیں، تاہم نکاح سے چونکہ اعلیٰ مقصود افزائش نسل ہے اس لیے بانجھ عورت کے علاوہ کسی صحیح اور قابلِ اولاد عورت سے نکاح کرنا افضل ہے۔

بوب الامام النسائی فی سننہ "کراھیة تزویج العقیم" وذکر تحتہ حدیثاً عن معقل بن یسارؓ قال جاء رجل الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال اصبت إمرأة ذات حسب ونسب إلا أنھا لا تلد أفأتزوجھا فنھاہ ثم أتاہ الثانیة فنھاہ ثم أتاہ الثالثة فنھاہ وقال تزوجوا الولود الودود فانی مکاثر بکم۔ (سنن النسائی ج۲ ص۵۴) [2]

---

[1] قال ابن نجیم المصریؒ: وفی العنایة محلہ إمرأة لم یمنع من نکاحھا مانع شرعی فخرج الذکر للذکر والخنثی مطلقاً۔ (البحر الرائق ج۳ ص۸ کتاب النکاح)

ومثلہٗ فی الھندیة ج۱ ص۲۶۷ کتاب النکاح۔ الباب الاول فی تفسیرہ شرعاً۔

[2] قال الشیخ خلیل احمد السہارنفوریؒ: (تحت حدیث معقل بن یسار جاء رجل الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الخ) وھذا یدل علی أن النھی ما کانت للتحریم بل کان مبنی النھی المکاثرة فی الأخرة وھی لا تقتضی التحریم۔ (بذل المجھود ج۱۰ ص۱۵)

ومثلہٗ فی نیل الاوطار ج۶ ص۱۱۰ تا ۱۱۲ وعون المعبود ج۶ ص۴۵

پہلی بیوی کی موجودگی میں دوسری شادی کرنا شرعاً جرم نہیں

سوال :۔ ملکی قانون کے اعتبار سے دوسری شادی کے لیے خاوند کو اپنی پہلی بیوی سے بذریعہ یونین کونسل اجازت لینا ضروری ہے اور پہلی بیوی کی اجازت کے بغیر دوسرا نکاح کرنا عائلی قوانین کی رُو سے جرم سمجھا جاتا ہے، کیا از روئے شرع بھی یہ جرم ہے ؟

الجواب :۔ پہلی بیوی کے جملہ حقوق کی رعایت کرتے ہوئے دوسری شادی کرنا خاوند کا انفرادی حق ہے اس میں پہلی بیوی سے اجازت لینا شرعاً ضروری نہیں اور نہ کسی یونین کونسل کو اس میں واسطہ بنانا ضروری ہے، ایسا کرنا قانونی تقاضا تو ہو سکتا ہے شریعتِ اسلامی کا نہیں۔

قال الله تبارك وتعالىٰ: "فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ مَثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ" (الآية)[1]

قال العلامة طاهر البخاري: رجل له إمرأة أراد يتزوج إمرأة أخرىٰ إن خاف أن لا يعدل لا يسعه وإن لم يخف جاز۔ (خلاصة الفتاوىٰ ج ۱ ص۲۲۶ كتاب النكاح)

زانی اور مزنیہ کے درمیان نکاح

سوال :۔ زانی اور مزنیہ کے درمیان رشتہ نکاح قائم ہو سکتا ہے یا نہیں ؟

الجواب :۔ زانی اور مزنیہ کے درمیان نکاح ہو سکتا ہے، شرعاً اس میں کوئی قباحت نظر نہیں آتی۔

قال ابن نجيم المصري رحمه الله: أما تزوج الزاني فجائز اتفاقاً وتستحق النفقة عند الكل ويحل وطؤها عند الكل كما في النهاية۔ (البحر الرائق ج ۳ ص۱۰۶ كتاب النكاح، فصل في المحرمات)[2]

---

[1] عن ابن عمر رضي الله عنه أن غيلان بن سلمة الثقفي اسلم وله عشر نسوة في الجاهلية فأسلمن معه فقال النبي صلى الله عليه وسلم: أمسك اربعاً وفارق سائرهن۔ رواه احمد والترمذي وابن ماجة۔ (مشكوٰة ج ۲ ص۲۷۴ باب المحرمات)

وَمِثْلُهٗ في بدائع الصنائع ج ۲ ص۲۶۵ كتاب النكاح، فصل الجمع في الوطء۔

[2] قال الحصكفي رحمه الله: لو نكحها الزاني حل وطؤها اتفاقاً۔ (الدر المختار على صدر رد المحتار ج ۳ ص۴۹ كتاب النكاح، فصل في المحرمات)

وَمِثْلُهٗ في بدائع الصنائع ج ۲ ص۲۶۹ كتاب النكاح فصل ان لا يكون بها حمل۔

حاملہ عورت سے نکاح کا حکم

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ حاملہ عورت سے نکاح جائز ہے یا نہیں ؟

الجواب:۔ اگر کوئی عورت نکاح سے حاملہ ہو تو وضع حمل تک اس سے نکاح کرنا جائز نہیں اور اگر زنا سے حاملہ ہو تو اگرچہ نکاح کرنا جائز ہے لیکن اگر اسی زانی سے نکاح ہو گیا ہو تو اس کے لیے جماع بھی جائز ہے اور اگر کسی اور سے نکاح ہو گیا ہو تو اس شخص کے لیے وضع حمل تک جماع ممنوع ہے۔

قال العلامة الکاسانیؒ: ومنها ان لا یکون بها حمل ثابت النسب فان کان لا یجوز نکاحها..... وعلیٰ هذا یخرج ما اذا تزوج إمرأة حاملاً من الزنا انه یجوز فی قول ابی حنیفةؒ ومحمدؒ ولکن لا یطؤها۔ (بدائع الصنائع ج۲ ص۲۶۹ کتاب النکاح۔فصل ومنها ان لا یکون بها حمل) [1]

سوتیلی ماں کی بیٹی سے نکاح کا مسئلہ

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علماء دین کہ سوتیلی ماں کی بیٹی جو اس کے پہلے شوہر سے ہو کے ساتھ نکاح کرنا جائز ہے یا نہیں ؟

الجواب:۔ اگر اور کوئی ذریعۂ حرمت موجود نہ ہو تو سوتیلی ماں کی بیٹی سے نکاح کرنا از روئے شرع جائز ہے۔ صورتِ مسئولہ میں بظاہر چونکہ کوئی ایسی صورت نہیں اس لیے سوتیلی ماں کی بیٹی جو اسکے پہلے شوہر سے ہو سے نکاح جائز ہے۔

قال العلامة الحصکفی رحمه الله: وأما بنت زوجة أبیه أو ابنه فحلال۔
(الدر المختار علیٰ صدر رد المحتار ج۳ ص۳۱ کتاب النکاح۔فصل فی المحرمات) [2]

---

[1] وقال ابن نجیمؒ: ای وحل تزوج الحبلیٰ من الزنا ولا یجوز تزوج الحبلیٰ من غیر الزنا.... أما تزوج الزانی فجائز اتفاقاً وتستحق النفقة عند الکل ویحل وطؤها عند الکل کما فی النهایة۔
(البحر الرائق ج۳ ص۱۰۶ کتاب النکاح۔فصل فی المحرمات)
ومثله فی رد المحتار ج۳ ص۴۸ کتاب النکاح۔فصل فی المحرمات۔

[2] وقال الشیخ وهبة الزحیلی: والمحرم بهذه الآیة هو زوجة الأب فقط أما بنتها أو أمها فلا تحرم علی الابن۔ (الفقه الاسلامی وأدلته ج۷ ص۱۳۲ حرمة القرابة الخ)
ومثله فی منحة الخالق علیٰ هامش البحر الرائق ج۳ ص۹۴ کتاب النکاح۔فصل فی المحرمات۔

منطوبۃ الأب سے نکاح جائز ہے

سوال:- ایک شخص نے کسی عورت سے باقاعدہ نکاح نہیں کیا صرف نکاح کا پیغام دیا ہے اب اس شخص کے فوت ہو جانے کے بعد اس شخص کا بیٹا اس عورت سے نکاح کرنا چاہتا ہے تو کیا اس کے لیے ایسا کرنا جائز ہے؟

الجواب:- اگر اس مرد اور عورت کا باقاعدہ ایجاب وقبول نہیں ہوا ہے تو اس صورت میں اس مرد کے اعراض کرنے یا فوت ہو جانے کے بعد اس کا بیٹا اس عورت سے نکاح کر سکتا ہے، اس لیے کہ یہ عورت اس شخص کے باپ کی منکوحہ نہیں۔

قال ابن عابدینؒ: (تحت قوله مصاهرة) وتحرم موطوءات آبائه وأجداده وإن علوا ولو بزنا والمعقودات لهم عليهن بعقد صحيح. (ردالمحتار ج۳ ص۲۸ کتاب النکاح. فصل فی المحرمات) لے

بیوہ عورت سے نکاح کرنا جائز ہے

سوال:- جو عورت بیوہ ہو جائے اس سے نکاح کرنے میں شرعاً کوئی حرج تو نہیں؟

الجواب:- جب کوئی دوسری وجہ حرمت موجود نہ ہو تو بیوہ عورت سے نکاح درست ہے، شریعت مقدسہ میں کہیں بھی بیوہ عورت سے نکاح ناجائز ہونے کا کوئی ذکر نہیں بلکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات میں سوائے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے باقی تمام ازواج مطہرات بیوہ یا مطلقہ تھیں، اس لیے بیوہ عورت سے نکاح کرنے کو منحوس جاننا زیادت علی الشرع ہے۔

قال الله سبحانه وتعالیٰ: "وَأَنكِحُوا الْأَيَامَىٰ مِنكُمْ الخ" والأيامى جمع الأيم من النساء من لا زوج لها بكراً كانت أو مطلقة أو أرملة۔ (معجم لغة الفقهاء ص۹۹) ؎۲

لے قال ابن نجیمؒ: أي ينعقد النكاح أي ذلك العقد الخاص ينعقد بالإيجاب والقبول حتى يتم حقيقة في الوجود۔ (البحر الرائق ج۳ ص۸۱ کتاب النکاح)

ومثله في البدائع الصنائع ج۲ ص۲۲۹۹ کتاب النکاح۔ فصل رکن النکاح۔

؎۲ وعن أنس رضي الله عنه قال من السنة إذا تزوج الرجل البكر على امرأته أقام عندها سبعاً وقسم وإذا تزوج الثيب على امرأته أقام عندها ثلاثاً۔

(نصب الرایة ج۳ ص۲۱۵ کتاب النکاح۔ باب القسمة)

ومثله في ردالمحتار ج۲ ص۴۳۴ کتاب النکاح۔

سوتیلی ساس سے نکاح کرنا

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ میں کہ سوتیلی ساس سے نکاح کرنا جائز ہے یا نہیں ؟

الجواب:۔ دو رشتہ دار عورتوں کا ایک شخص کے نکاح میں جمع ہونا تب حرام ہے جب دونوں میں سے ہر ایک مرد فرض کر کے دوسری اس کے لیے حرام ہے، چونکہ صورتِ مسئولہ میں صرف ایک جانب سے حُرمت ہے دوسری جانب سے نہیں اس لیے سوتیلی ساس سے نکاح جائز ہے اگرچہ اس کی سوتیلی بیٹی اس کے نکاح میں پہلے سے موجود ہو۔

قال العلامة الحصکفیؒ: فجاز الجمع بین امرأة وبنت زوجها ..... لأنه لو فرضت المرأة ذکرًا لم یحرم بخلاف عکسه ۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۳ ص۳۹ کتاب النکاح فصل فی المحرمات) [1]

سوتیلی ماں کی بہن سے نکاح کرنا

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ میں کہ سوتیلی ماں کی بہن سے نکاح جائز ہے یا نہیں ؟

الجواب: سوتیلی ماں کی بہن اور اس مرد کے درمیان کوئی ایسا رشتہ نہیں جس کی وجہ سے ان دونوں کے درمیان نکاح جائز نہ ہو، اور یہ عورت نہ محرمات علی التابید اور نہ محرمات غیر مؤبد میں شامل ہے، اس لیے سوتیلی ماں کی بہن سے نکاح درست ہے۔

قال العلامة الکاسانیؒ: والمحرمات علی التابید ثلاثة انواع محرمات بالقرابة والمحرمات بالمصاهرة ومحرمات بالرضاع ۔ (بدائع الصنائع ج۳ ص۲۵۶ کتاب النکاح فصل ان تکون المرأة محللة) [2]

---

[1] قال فی الهندیة: ویجوز (الجمع) بین المرأة وبنت زوجها فان المرأة لو فرضت ذکرًا حلت له تلك البنت بخلاف العکس ۔ (الفتاوی الهندیة ج۱ ص۲۷۷ فصل فی المحرمات)

ومِثْلُهٗ فی البحر الرائق ج۳ ص۹۸ کتاب النکاح، فصل فی المحرمات۔

[2] قال العلامة الحصکفی رحمه الله: أسباب التحریم انواع قرابة مصاهرة رضاع جمع ملك شرك ادخال أمة علی حرة فهی سبعة ذکرها المصنف بهذا الترتیب وبقی التطلیق ثلاثا وتعلق حق الغیر بنکاح أو عدة ذکرهما فی الرجعة ۔

{ الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۳ ص۲۸
کتاب النکاح، فصل فی المحرمات }

ومِثْلُهٗ فی الهندیة ج۱ ص۲۷۳ الباب الثالث فی المحرمات ۔

بیوی کی وفات کے چند دن بعد اس کی بہن سے نکاح کرنا

سوال:۔ جب کسی شخص کی بیوی فوت ہو جائے تو اس کی وفات کے ایک یا دو دن بعد وہ اس کی بہن سے نکاح کر سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ خاوند کے لیے بیوی کا سوگ منانے کی ضرورت نہیں اور نہ اس پر عدت ہے، اس لیے بیوی کے فوت ہونے کے فوراً بعد اس کی بہن سے نکاح کرنے میں کوئی حرج نہیں۔

قال العلامة ابن عابدینؒ:۔ (تحت قوله ولو من طلاق بائن) ---- (فرع) ماتت امرأة له التزوج بأختها بعد یوم من موتها. کما فی الخلاصة عن الاصل. وکذا فی المبسوط لشمس الاسلام والمحیط السرخسی۔ (رد المحتار ج ۲ ص ۳۸ کتاب النکاح، فصل فی المحرمات) [1]

عدتِ وفات میں کیے گئے نکاح کا حکم

سوال:۔ اگر ایک عورت خاوند کی وفات کے بعد چار ماہ کے اندر اندر دوسرے آدمی سے نکاح کرے تو یہ نکاح صحیح ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ طلاق یا وفات کی عدت میں کیا گیا نکاح کالعدم رہے گا عدت گذرنے کے بعد جو نکاح پڑھایا جائے اس کا اعتبار ہوگا۔

قال العلامة الکاسانی رحمه الله:۔ ومنها ان لا تکون معتدة الغیر لقوله تعالیٰ: "وَلَا تَعْزِمُوا عُقْدَةَ النِّکَاحِ حَتّٰی یَبْلُغَ الْکِتٰبُ اَجَلَهٗ" أی ما کتب علیها من التربص ثم قال وسواء کانت العدة عن طلاق او عن وفاة الخ۔
(بدائع الصنائع ج ۲ ص ۲۶۸، ۲۶۹ کتاب النکاح فصل ان لا یکون بها حمل) [2]

---

[1] وقال فی الهندیة: ویجوز لزوج المرتدة اذا لحقت بدار الحرب تزوج أختها قبل انقضاء عدتها کما اذا ماتت۔ (الفتاویٰ الهندیة ج ۱ ص ۲۷۹ القسم الرابع المحرمات بالجمع)
وَمِثْلُهٗ فی خلاصة الفتاوی ج ۲ ص ۱۳ الفصل الثانی فیمن یکون محلا للنکاح وفیما لا یکون۔

[2] قال فی الهندیة: لا یجوز للرجل ان یتزوج زوجة غیره وکذلک المعتدة کذا فی السراج الوهاج سواء کانت العدة عن طلاق او وفات الخ
(الفتاویٰ الهندیة ج ۱ ص ۲۸۰ کتاب النکاح الباب الاول القسم السادس المحرمات التی یتعلق الخ)
وَمِثْلُهٗ فی الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۳ ص ۲۱ کتاب النکاح فصل فی المحرمات۔

سوتیلی ماں غیر مدخولہ سے نکاح حرام ہے

سوال:۔ کیا سوتیلی ماں سے نکاح درست ہے جبکہ والد نے دخول نہ کیا ہو؟

الجواب:۔ جس عورت کے ساتھ باپ کا عقد نکاح ہو جائے چاہے باپ نے دخول کیا ہو یا نہ کیا ہو بیٹے کا اس عورت سے نکاح کرنا بنص قرآنی حرام ہے۔

قال ابن عابدین رحمہ اللہ: (تحت قولہ مصاھرۃ) وتحرم موطوٰات اٰبائہ واجدادہ وإن علو ولو بزنا والمعقودات لھم علیھن بعقد صحیح۔

(ردّ المحتار ج۳ ص۲۸ کتاب النکاح، فصل فی المحرمات) ؎۱

ساس اور بہو دونوں کو ایک ساتھ نکاح میں رکھنا

سوال:۔ کیا کسی عورت اور اس کے بیٹے کی بیوی (بہو) کو نکاح میں جمع کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ صورتِ مسئولہ کے مطابق ان عورتوں میں ایسا کوئی رشتہ نہیں جو حرمتِ اجتماع کا باعث بنے اس لیے اس عورت اور اس کے بیٹے کی بیوی (بہو) کے درمیان جمع کرنا جائز ہے۔

قال العلامۃ الحصکفی رحمہ اللہ: فجاز الجمع بین امرأۃ وبنت زوجھا أو امرأۃ ابنھا۔ (الدر المختار علیٰ صدر رد المحتار ج۳ ص۳۶ کتاب النکاح، فصل فی المحرمات) ؎۲

؎۱ قال العلامۃ ابن نجیم المصری رحمہ اللہ: أما حلیلۃ الأب فبقولہٖ تعالیٰ: "وَلَا تَنْكِحُوا مَا نَكَحَ اٰبَآؤُكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ" فتحرم بمجرد العقد علیھا۔

(البحر الرائق ج۳ ص۹۹ کتاب النکاح فصل فی المحرمات)

وَمِثْلُہٗ فی بدائع الصنائع ج۲ ص۲۶۰ کتاب النکاح، فصل الفرقۃ الرابعۃ۔

؎۲ قال العلامۃ ابن نجیم المصری رحمہ اللہ: فی بحث: "لانہٗ لو جاز نکاح إحداھما علی تقدیر مثل المرأۃ وبنت زوجھا أو امرأۃ ابنھا فانہٗ یجوز الجمع بینھما عند الأئمۃ الاربعۃ۔ (البحر الرائق ج۳ ص۹۸ کتاب النکاح، فصل فی المحرمات)

وَمِثْلُہٗ فی الفتاوی الھندیۃ ج۱ ص۲۷۷ القسم الرابع المحرمات بالجمع۔

نانی اور نواسی کو ایک نکاح میں جمع کرنا | **سوال**:۔ کیا کوئی شخص ایک عورت اور اس کی نواسی کو ایک نکاح میں جمع کر سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ نواسی اور نانی کو ایک نکاح میں جمع کرنا جائز نہیں، اس کے لیے فقہاء نے ایک قاعدہ تحریر فرمایا ہے کہ دو عورتوں میں سے کسی ایک کو مذکر (مرد) فرض کر کے اگر ان کا نکاح آپس میں جائز نہ ہو تو ایسی دو عورتوں کا ایک نکاح میں جمع کرنا جائز نہیں۔

قال العلامة الحصکفیؒ: حرم الجمع وطأ بملك يمين بين إمرأتين أيتهما فرضت ذكرًا لم تحل للاخرىٰ أبدا۔ (الدرالمختار علیٰ صدر رد المحتار ج ۳ ص۳۸ کتاب النکاح، فصل فی المحرمات) ؎۱

پھوپھی اور بھتیجی کو ایک نکاح میں جمع کرنا | **سوال**:۔ کیا سگی پھوپھی اور بھتیجی کو ایک نکاح میں شرعاً جمع کیا جا سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ پھوپھی اور بھتیجی کے درمیان ایسا رشتہ ہے کہ اگر دونوں میں سے کسی ایک کو بھی مرد فرض کر لیا جائے تو دوسری کا نکاح اس سے جائز نہیں اس لیے ان دونوں کو ایک نکاح میں جمع کرنا شرعاً جائز نہیں۔

قال ابن نجیم المصریؒ: حرم الجمع بين إمرأتين إذا كانتا بحيث لو قدرت إحداهما ذكرًا حرم النكاح بينهما أيتهما كانت المقدرة ذكرًا كالجمع بين المرأة وعمّتها..... لحديث مسلم لا تنكح المرأة على عمتها الخ (البحرالرائق ج ۳ ص۹۷ کتاب النکاح، فصل فی المحرمات) ؎۲

دو بہنوں کو ایک نکاح میں جمع کرنے کا حکم | **سوال**:۔ ایک آدمی نے ایک عورت سے نکاح کیا ہوا ہے، اب وہ اس عورت کو طلاق

؎۱ قال ابن نجیم المصریؒ: الاصل الذی بینا ان کل إمرأتين لو كانت إحداهما ذكرا والاخرىٰ أنثىٰ لم يجز للذكر ان يتزوج الانثىٰ فانه يحرم الجمع بينهما۔ (البحرالرائق ج ۳ ص۹۵ کتاب النکاح۔ فصل فی المحرمات)

وَمِثْلُهٗ فی بدائع الصنائع ج ۲ ص۲۶۲ کتاب النکاح۔ فصل ان لا یقع نکاح المرأة۔

؎۲ قال ابن عابدینؒ: (تحت قوله وايتهما فرضت) أى اية واحدة منهما فرضت ذكرًا لم يحل للاخرىٰ كالجمع بين المرأة وعمتها الخ۔ (رد المحتار ج ۳ ص۳۸ کتاب النکاح، فصل فی المحرمات)

وَمِثْلُهٗ فی بدائع الصنائع ج ۲ ص۲۶۲ کتاب النکاح، فصل ان لا یقع نکاح المرأة۔

دیئے بغیر اس کی بہن سے نکاح کرنا چاہتا ہے، تو کیا اس آدمی کے لیے ایسا کرنا جائز ہے؟

الجواب:۔ ایک عورت کا کسی شخص کے نکاح میں ہوتے ہوئے اس کی سگی بہن سے یہ شخص نکاح نہیں کر سکتا ہے جو کہ بنص قرآنی حرام ہے، ایسا کیا ہوا نکاح کالعدم ہے گا۔

قال العلامة الکاسانیؒ: لا خلاف فی أن الجمع بین الأختین فی النکاح حرام ـ لقوله تعالیٰ: "وأن تجمعوا بین الاختین معطوفاً" علی قوله عزوجل: حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ أُمَّهَاتُكُمْ۔ (بدائع الصنائع ج۲ ص۲۶۲ کتاب النکاح، فصل ان لایقع النکاح المرأة) [1]

والدہ کو بیوی سمجھ کر ہاتھ لگانے کے اثرات

سوال:۔ رات کے وقت بے خبری کی حالت میں زید نے اپنی والدہ کو بیوی سمجھ کر شہوت کے ساتھ ہاتھ لگایا تو کیا زید کی والدہ اس کے والد پر حرام ہوگئی یا نہیں؟

الجواب:۔ اگر زید نے اپنی والدہ کو شہوت کی حالت میں بلا حجاب ہاتھ لگایا ہو اور زید کے والد کو یہ معاملہ معلوم ہو اور اس کی تصدیق کرتا ہو تو اب یہ عورت اپنے خاوند پر حرام ہے ورنہ حرام نہیں۔

قال ابن نجیم المصریؒ: واراد بحرمة المصاهرة المحرمات الاربع، حرمة المرأة علی اصول الزانی وفروعه نسباً ورضاعاً وحرمة اصولها وفروعها علی الزانی نسباً ورضاعاً کما فی الوطأ الحلال۔ (البحر الرائق ج۳ ص۱۰۱ کتاب النکاح فصل فی المحرمات) [2]

ساس کے ساتھ نکاح کرنا

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ساس کے ساتھ نکاح کرنا درست ہے یا نہیں؟

---

[1] قال فی الهندیة: فانهٗ لایجمع بین الاختین ولا بوطئ ملک یمین۔
(الفتاوی الهندیة ج۱ ص۲۷۷ القسم الرابع المحرمات بالجمع)

ومثلهٗ فی البحر الرائق ج۳ ص۹۵ کتاب النکاح، فصل فی المحرمات۔

[2] قال فی الهندیة: فلو أیقظ زوجته لیجامعها فوصلت یده إلی بنت منها فقرصها بشهوة وهی ممن تشتهی یظن أنها أمها حرمت علیه الأم حرمة مؤبدة۔ (الفتاوی الهندیة ج۱ ص۲۷۴ فصل فی المحرمات)

وفی ایضاً: ثم المس انما یوجب حرمة المصاهرة إذا لم یکن بینهما ثوب۔
(الفتاوی الهندیة ج۱ ص۲۷۵ فصل فی المحرمات)

الجواب: ساس کے ساتھ نکاح کرنا قطعی حرام ہے اگرچہ بیوی کو طلاق دے دی ہو یا وہ وفات پاگئی ہو، اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں محرمات کی فہرست میں بیوی کی ماں کو بھی ذکر کیا ہے، ارشادِ ربانی ہے: وَاُمَّھَاتُ نِسَآئِکُمْ.... الخ۔ (سورۃ النساء آیت ـ)

قال علاؤ الدین الحصکفی رحمہ اللہ: اسباب التحریم انواع قرابۃ مصاھرۃ۔ قال ابن عابدینؒ: مصاھرۃ کفروع نسائہ المدخول بھن وان نزلن وامھات الزوجات وجداتھن بعقد صحیح وان علون۔ الخ (الدر المختار علیٰ صدر رد المحتار ج۳ ص۳۵ کتاب النکاح فصل فی المحرمات) [1]

سوتیلی ماں کی بیٹیوں سے نکاح کرنا

سوال: اگر ایک شخص نے اپنی بیوی کو طلاق دے کر فارغ کر دیا ہو تو کیا اس مطلقہ کے پہلے خاوند سے جو بیٹیاں ہیں اُن کے ساتھ دوسرے شوہر کی پہلی بیوی کے بیٹوں سے نکاح جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: حرمتِ نکاح کے لیے مابین جزئیت کا رشتہ ہونا ضروری ہے، صورتِ مسئولہ میں بظاہر حرمت کی ایسی کوئی خاص وجہ نہیں پائی جاتی جس سے حرمتِ نکاح ثابت ہو سکے بلکہ فقہاء کی تصریحات کی روشنی میں بھی نسبی بھائی کی نسبی بہن سے نکاح کا جواز ثابت ہے، اس لیے مذکورہ صورت میں کیا گیا نکاح درست ہے۔

قال العلامۃ الحصکفیؒ: وتحل اخت اخیہ رضاعاً..... وکذا نسباً بان یکون لاخیہ لابیہ اخت لأم۔ (الدر المختار علیٰ صدر رد المحتار ج۲ ص۲۱ کتاب النکاح، فصل فی الرضاع) [2]

---

[1] قال ابن نجیم المصری رحمہ اللہ: تحت قول الماتن "وأم امرأتہ" بیان لما ثبت بالمصاھرۃ۔ لقولہ تعالیٰ: "وَاُمَّھَاتُ نِسَآئِکُمْ" أطلقہ فلا بین کونہ إمرأتہ مدخولا بھا أو لا وھو المجمع علیہ عند الأئمۃ الاربعۃ۔

(البحر الرائق ج۳ ص۹۳ کتاب النکاح فصل فی المحرمات)

وَمِثْلُہٗ فی بدائع الصنائع ج۲ ص۲۵۸ کتاب النکاح، فصل النوع الثانی فالمحرمات۔

[2] قال ابن نجیم المصری رحمہ اللہ: أی تحل اخت اخیہ نسباً بان یکون لہ أخ من أب لہ أخت من أمہ فانہ یجوز لہ التزوج بھا۔

(البحر الرائق ج۳ ص۲۲۷ کتاب الرضاع)

وَمِثْلُہٗ فی الھندیۃ ج۱ ص۳۴۳ کتاب الرضاع۔

فیملی کورٹ سے تنسیخ نکاح کے بعد نکاح ثانی کا حکم

سوال:۔ آجکل حکومت کے قائم کردہ فیملی کورٹس سے اگر کوئی عورت تنسیخ نکاح کی ڈگری حاصل کرے جبکہ شوہر اسے طلاق نہیں دینا چاہتا بلکہ وہ اس کو رکھنے کا خواہشمند ہو تو کیا اس طرح تنسیخ نکاح کی ڈگری حاصل کرنے کے بعد عورت کا دوسری جگہ نکاح کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ شریعت مقدسہ نے طلاق کا حق صرف شوہر کو دیا ہے اس کے علاوہ کسی اور کو یہ حق نہیں، اسلئے فیملی کورٹس شرعاً اسکی مجاز نہیں کہ کسی عورت کو بلاعذر شرعی خاوند سے جدا کرے، لہٰذا اگر کوئی عورت بلاعذر شرعی فیملی کورٹ سے تنسیخ نکاح کی ڈگری حاصل کر لیتی ہے تو اس پر طلاق واقع نہ ہوگی اس لیے دوسری جگہ نکاح کرنا باطل ہے کیونکہ یہ عورت شرعاً پہلے شوہر کی منکوحہ ہے۔

قال الله تبارك وتعالى: اِلَّآ اَنْ يَّعْفُوْنَ اَوْ يَعْفُوَا الَّذِىْ بِيَدِهٖ عُقْدَةُ النِّكَاحِ۔ (البقرہ آیت ۲۳۷)
قال العلامة شوكانى رحمه الله (تحت هٰذه الآية) فيكون الذى بيده عقدة النكاح حقيقةً هو الزوج لانه هو الذى اليه رفعه بالطلاق۔ (تفسير فتح القدير ج ۱ ص ۲۲۲) سله

طلاق مغلظہ میں بغیر حلالہ کے تجدید نکاح کرنے کا حکم

سوال:۔ ہمارے محلے کے ایک آدمی نے تین گواہوں کے سامنے اپنی بیوی کو تین طلاق مغلظہ دیں، اب چند دنوں کے بعد بغیر حلالہ شرعی کے بذریعہ جرگہ اس سے تجدید نکاح کر لی ہے، کیا اس طرح میاں بیوی کا تجدید نکاح کرنا درست ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ صورت مسئولہ میں بغیر حلالہ شرعی کے اس عورت کا سابقہ شوہر سے نکاح کرنا باطل ہے اور یہ دونوں بحیثیت میاں بیوی ایک دوسرے کے لیے حلال نہیں، ان کا بذریعہ جرگہ تجدید نکاح کرنا باطل ہے، جب تک عورت حلالہ شرعی نہ کرے

سله قال العلامة ابن رشد المالكى رحمه الله: الاصل ان الطلاق ليس بيد احد سوى الزوج او من يوكله الزوج۔ (بداية المجتهد ج ۲ ص ۸۱ كتاب الطلاق۔
ومثله فى مقدمات ابن رشد رحمه الله ج ۲ ص ۳۸۲ كتاب طلاق السنة۔

پہلے خاوند کے لیے حلال نہ ہوگی ۔

قال اللہ تبارک وتعالیٰ : فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهٗ مِنْۢ بَعْدُ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهٗ ۚ (سورۃ البقرہ آیت ۲۳۰) ؎۱

مطلقہ عورت کا وضع حمل سے قبل نکاحِ ثانی کرنا

سوال :۔ اگر کوئی آدمی اپنی بیوی کو اس حالت میں طلاق دے کر وہ اس سے دو تین ماہ کی حاملہ ہو اور پھر یہ عورت وضع حمل سے پہلے دوسری جگہ نکاح کرلے تو کیا اس عورت کا یہ نکاح صحیح ہے یا نہیں ؟

الجواب :۔ ایسی مطلقہ عورت جو کہ حاملہ ہو اور حمل بھی ثابت النسب ہو، کا نکاح ثانی کرنا باطل ہے، اس لیے صورتِ مسئولہ میں اس مطلقہ کا نکاح وضع حمل سے قبل باطل ہے لہٰذا اس عورت کو وضع حمل کے بعد دوبارہ نکاح باندھنا چاہیئے ۔

وفی الہندیۃ : وحبلی ثابت النسب لایجوز نکاحہا اجماعاً ۔ (الفتاوی الہندیۃ ج۱ ص۲۸۰، کتاب النکاح ، القسم السادس المحرمات التی یتعلق بہا حق الغیر) ؎۲

مُتعہ کی شرعی حیثیت

سوال : مُتعہ کی شرعی حیثیت کیا ہے ؟ کیا واقعی امام مالکؒ مُتعہ کے جواز کے قائل تھے ؟

الجواب :۔ ابتداءِ اسلام میں مُتعہ جائز تھا لیکن بعد میں یہ حکم منسوخ ہوگیا اسلئے اہل السنۃ والجماعت کے ہاں مُتعہ بالاتفاق حرام ہے ۔ اگرچہ ھدایہ میں امام مالک رحمہ اللہ کی طرف جواز کا قول

؎۱ وفی الہندیۃ : وان کان الطلاق ثلاثاً فی الحرۃ وثنتین فی الامۃ لم تحل حتی تنکح زوجاً غیرہ نکاحاً صحیحاً ویدخل بہا ثم یطلقہا او یموت عنہا ۔ (الفتاوی الہندیۃ ج۱ ص۴۷۳ ۔ الباب السادس فی الرجعۃ ۔ فصل فیما تحل بہ المطلقۃ ومایتصل بہ)

ومثلہٗ فی الدر المختار علی ہامش رد المحتار ج۲ ص۵۸۳ باب الرجعۃ ، مطلب فی العقد علی المبانۃ ۔

؎۲ قال العلامۃ ابوبکر الکاسانیؒ : ومنہا ان لایکون بہا حمل ثابت النسب من الغیر فان کان لایجوز نکاحہا وان لم تکن معتدۃ ...... لوجود حمل ثابت النسب .... الخ ۔ (بدائع الصنائع ج۲ ص۲۶۹ کتاب النکاح ۔ فصل ومنہا ان لایکون بہا حمل)

ومثلہٗ فی البحر الرائق ج۳ ص۱۰۱ اوائل کتاب النکاح ۔

ہے لیکن حقیقت اس کے خلاف ہے یہاں کاتب یا ناسخ ھدایہ سے غلطی ہوئی ہے۔

قال العلامة شیخزادہؒ: واعلم ان نکاح المتعة قد کان مباحًا بین ایام خیبر وایام فتح مکة الّا انہ صار منسوخًا باجماع الصحابة رضی اللہ تعالیٰ عنھم حتی لو قضی بجوازہ لم یجز ولو اباحہ صار کافرًا۔۔۔۔فعلیٰ ھذا یلزم عدم ثبوت ما نقل من اباحتہ عند مالکؒ۔الخ

(مجمع الانھر ج ۱ ص ۳۳۱ کتاب النکاح باب المحرمات) [۱]

نکاح مؤقت کی تعریف

سوال:۔ نکاح مؤقت کسے کہتے ہیں؟ اور شریعت مقدسہ میں اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب:۔ نکاح مؤقت کی تعریف یہ ہے کہ لڑکا اور لڑکی دو گواہوں کے سامنے ایک معین مدت مثلاً ایک یا دو ماہ وغیرہ کے لیے نکاح کریں، اس قسم کا نکاح شرعًا باطل ہے، تاہم اگر نکاح ایسی مُدت مقرر کر دی جائے کہ جہاں تک دونوں یا ایک کا جینا محال ہو تو ایسا نکاح جائز اور صحیح ہوگا۔

قال العلامة شیخزادہؒ: ولا یصح نکاح المتعة والموقت والفرق بینھما ان یذکر فی الموقت لفظ النکاح او التزویج مع التوقیت۔۔۔۔۔ وعن الامام اذا وقتا وقتًا لا یعیشان الیہ کمائة سنة او اکثر یکون صحیحًا۔ (مجمع الانھر ج ۱ ص ۳۳۱ کتاب النکاح، باب المحرمات) [۲]

عیسائی اور یہودی عورت سے نکاح

سوال:۔ کیا موجودہ دور کی عیسائی یا یہودی عورت سے مسلمان مرد کا نکاح جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ اہلِ کتاب (یہود و نصاریٰ) کی عورتوں سے مسلمان مرد کا نکاح کرنا اگرچہ

---

[۱] قال العلامة المرغینانیؒ: ونکاح المتعة باطلٌ وھو ان یقول لامرأة اتمتع بک کذا مدة بکذا من المال وقال مالکؒ ھو جائز لانہ کان مُباحًا فیبقی الا ان یظھر ناسخہ قلنا ثبت النسخ باجماع الصحابةؓ۔الخ (الھدایة ج ۲ ص ۲۹۲ کتاب النکاح)

وَمِثْلُہٗ فی فتح القدیر ج ۳ ص ۱۵۰ کتاب النکاح، فصل فی بیان المحرمات۔

[۲] قال العلامة المرغینانیؒ: والنکاح الموقت باطل مثل ان یتزوج امرأة بشھادة شاھدین عشرة ایام۔الخ (الھدایة ج ۲ ص ۲۹۲ کتاب النکاح)

وَمِثْلُہٗ فی شرح الوقایة ج ۲ ص ۲ کتاب النکاح۔

مرخص ہے لیکن ان کے ساتھ نکاح کرنے سے اگر کسی مسلمان کا عقیدہ اور مذہب متاثر ہونے کا اندیشہ ہو تو پھر اس سے اجتناب کرنا ضروری ہے، یہی وجہ ہے کہ فقہاء نے یہود و نصاریٰ کی عورتوں سے نکاح کرنے کو مکروہ لکھا ہے۔

کما قال العلامۃ الحصکفیؒ: وصح نکاح کتابیۃ وان کرہ تنزیہاً مومنۃ بنبی مرسل مقرۃ بکتاب منزل وان اعتقد والمسیح الٰہاً وقال ابن عابدینؒ: ففی الفتح ویجوز تزوج الکتابیات والاولیٰ ان لایفعل ولا یأکل ذبیحتہم الا للضرورۃ وتکرہ الکتابیۃ الحربیۃ اجماعاً لانفتاح باب الفتنۃ من امکان التعلق المستدعی للمقام معہا فی دار الحرب۔ (رد المحتار ج۳ ص۴۵ کتاب النکاح۔ مطلب مہم فی وطء السراری الخ)[1]

مسلمان عورت کا غیر مسلم سے نکاح

سوال:۔ ایک مسلمان عورت کا نکاح کافر مرد کے ساتھ جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ مسلمان عورت کا نکاح غیر مسلم مرد کے ساتھ جائز نہیں، خواہ یہ نکاح طوعاً ہو یا کرہاً، خواہ یہ غیر مسلم اہل کتاب سے یا غیر اہل کتاب سے ہو۔

لقولہ تعالیٰ: ولا تنکحوا المشرکین حتیٰ یؤمنوا ولعبد مؤمن خیر من مشرک ولو اعجبکم۔ (سورۃ البقرۃ آیت ۲۲۱)[2]

قادیانی عورت سے نکاح جائز نہیں

سوال:۔ اہل کتاب عورت سے تو مسلمان مرد نکاح کرسکتا ہے تو کیا ایک قادیانی عورت

---

[1] قال ابن نجیمؒ: وحل تزوج الکتابیۃ۔ لقولہ تعالیٰ: والمحصنات من الذین اوتوا الکتاب ...... والاولیٰ ان لا یتزوج کتابیۃ ولا یأکل ذبائحہم الا للضرورۃ وفی المحیط یکرہ تزوج الکتابیۃ الحربیۃ لان الانسان لا یأمن ان یکون بینہما ولد فینشاء علیٰ طبائع اہل الحرب۔ (البحر الرائق ج۳ ص۱۰۳ فصل فی المحرمات)۔

وَمِثْلُہٗ فی فتح القدیر ج۳ ص۱۳۵ فصل فی المحرمات۔

[2] قال العلامۃ الکاسانی رحمہ اللہ: ومنہا اسلام الرجل اذا کانت المرأۃ مسلمۃ۔ (بدائع الصنائع ج۲ ص۲۷۱ فصل کتاب النکاح)

وَمِثْلُہٗ فی الہندیۃ ج۱ ص۲۸۲ کتاب النکاح۔

سے بھی مسلمان مرد کا نکاح جائز ہے یا نہیں ؟

الجواب :- قادیانی چونکہ باجماعِ امت مرتد اور دائرہ اسلام سے خارج ہیں اس لیے ان سے کسی قسم کا رشتہ ناطہ کرنا شرعاً جائز نہیں۔ جس طرح کسی قادیانی سے مسلمان عورت کا نکاح نہیں ہو سکتا ایسے ہی کوئی مسلمان شخص کسی قادیانی عورت سے نکاح نہیں کر سکتا، اس لیے کہ قادیانی اہلِ کتاب کے حکم میں نہیں بلکہ مرتد اور دائرہ اسلام سے خارج ہیں۔

کما قال شیخ الاسلام برهان الدین المرغیناتیؒ: ان تصرفات المرتد علی اقسام نافذ بالاتفاق کالاستیلاء والطلاق لانه لایفتقر الی حقیقة الملك وتمام الولایة وباطل بالاتفاق کالنکاح والذبیحة لانه یعتمد الملة۔ (الهدایة ج۲ ص۶۰۳ باب المرتد) [1]

خاوند کے مرتد ہو جانے سے نکاح کا حکم

سوال :- میاں بیوی دونوں مسلمان تھے اور خوشگوار زندگی گذار رہے تھے کہ اچانک خاوند قادیانیوں کا شکار ہو کر مرتد ہو گیا جبکہ عورت دینِ حق یعنی اسلام پر قائم ہے، ایسی حالت میں اس عورت کو کیا کرنا چاہیئے ؟

الجواب :- قادیانی چونکہ مرتد کے حکم میں ہیں، اس لیے صورتِ مسئولہ میں خاوند کے مرتد ہو جانے سے مسلمان بیوی سے اس کا گذشتہ نکاح ختم ہو گیا ہے۔ ایسی حالت میں یہ عورت عدت گذار کر دوسری جگہ نکاح کر سکتی ہے۔

قال الحصکفیؒ: وارتداد احدهما ای الزوجین فسخ عاجل۔ (الدر المختار علی هامش رد المحتار ج۲ ص۴۲۵ باب نکاح الکافر) [2]

لاعلمی میں قادیانی سے نکاح کا حکم

سوال :- ایک مسلمان عورت کا نکاح لاعلمی میں کسی قادیانی سے ہو گیا، یعنی نکاح کے وقت مرد نے

---

[1] قال العلامة عالم بن العلاء الانصاریؒ: والمرتدة لایجوز نکاحها مع احد وکذلك المرتد لایجوز نکاحه مع احد۔ (فتاوی تاتارخانیة ج۳ ص۸ کتاب النکاح)
وَمِثْلُهٗ فی الدر المختار علی هامش رد المحتار ج۳ ص۲۳۰ باب المرتد۔

[2] وقال فی الهندیة: ارتد احد الزوجین عن الاسلام وقعت الفرقة بینهما کذا فی الکافی۔ (الفتاوی الهندیة ج۱ ص۳۳۹ الباب العاشر فی نکاح الکفار)
وَمِثْلُهٗ فی الهدایة ج۲ ص۳۴۸ فصل فی النکاح الکافر۔

اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کیا لیکن نکاح کے بعد معلوم ہوا کہ یہ شخص قادیانی ہے، اندریں صورت یہ نکاح منعقد ہوا ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ قادیانی چونکہ مرتد اور دائرہ اسلام سے خارج ہیں، اس لیے جس شخص کا قادیانی ہونا قطعی اور یقینی ہو تو اس کے ساتھ مسلمان عورت کا نکاح شرعاً جائز نہیں اور لاعلمی میں کیا ہوا نکاح کالعدم رہے گا۔

کما فی الهندیة: ارتد احد الزوجین عن الاسلام وقعت الفرقة بغیر طلاق فی الحال۔ (الفتاوی الهندیة ج۱ ص۳۳۹ الباب العاشر فی نکاح الکفار) [۱]

شیعہ عورت سے سنی مرد کے نکاح کا حکم

سوال:۔ جو شیعہ حضرت علیؓ کی الوہیت کا قائل ہو اور حضرت جبریلؑ سے غلطی صادر ہونے کا عقیدہ رکھتا ہو اور صحبتِ ابوبکر صدیقؓ کا منکر ہونے کے ساتھ ساتھ قذفِ عائشہؓ کا قائل ہو اور قرآنِ مجید کو محرف سمجھتا ہو تو ایسے شیعہ مرد کے ساتھ سنی عورت یا سنی مرد کے ساتھ شیعہ عورت کا نکاح کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ جو روافض قطعیاتِ اسلام کے خلاف کوئی عقیدہ رکھتے ہوں وہ کافر ہیں مثلاً حضرت علیؓ کی الوہیت اور حضرت عائشہؓ پر قذف کا قائل ہونا، جو قرآنِ کریم کی نصِ قطعی کے خلاف ہے، اور حضرت جبریلؑ سے غلطی ہونے کا عقیدہ رکھتے ہوں اور صحبتِ ابوبکر صدیقؓ کے منکر ہوں تو اس قسم کے گمراہ فرقہ کے لوگوں سے رشتۂ مناکحت سے احتراز واجتناب لازم ہے اور ایسے لوگوں کا حکم مرتد کی طرح ہے اور مرتد کے ساتھ نکاح جائز نہیں۔

کما فی الهندیة: ویجب اکفار الروافض فی قولهم برجعة الاموات الی الدنیا..... واحکامهم احکام المرتدین۔ (الفتاوی الهندیة ج۲ ص۲۶۴) [۲]

---

[۱] قال الحصکفیؒ: وارتداد احدهما ای الزوجین فسخ عاجل۔ (الدر المختار ج۳ ص۲۵۴ کتاب النکاح)
ومثله فی الهدایة ج۲ ص۳۴۸ کتاب النکاح۔

[۲] قال العلامة عالم بن العلاء انصاریؒ: یجب اکفار الروافض فی قولهم لرجع الاموات الی الدنیا..... وهؤلاء القوم خارجون عن ملة الاسلام واحکامهم احکام المرتدین۔ (فتاوی تاتارخانیه ج۵ ص۵۴۰ نمبر ۵ کتاب احکام المرتدین)
ومثله فی الفتاوی قاضیخان علی هامش الهندیة ج۳ ص۳۱۸ باب المرتد۔

لاعلمی میں رضاعی بہن سے نکاح کا حکم

سوال:۔ اگر کہیں لاعلمی اور غلطی سے رضاعی بہن بھائی کا نکاح غلطی سے ہوجائے اور سال دو سال کے بعد رضاعت کا علم ہوجائے تو دونوں میں جدائی ہوجائے گی یا دونوں کا نکاح برقرار رہے گا؟

الجواب:۔ صورتِ مرقومہ کے مطابق اگرچہ رضاعی بہن سے نکاح شرعاً حرام ہے مگر جب نکاحِ فاسد سے دونوں کا ملاپ ہوجائے تو مہر واجب ہوجاتا ہے، لہٰذا یہ عورت شوہر سے مہر لینے کی حقدار ہوگی۔

قال العلامۃ الحصکفیؒ: ویجب مہر المثل فی نکاح فاسد بالوطء لابغیرہ۔
(الدر المختار علیٰ ہامش رد المحتار ج۲ ص۴۸۱، ۴۸۲ باب المہر) [1]

غیر مسلم عورت کو جبراً مسلمان کرکے اس سے نکاح کرنا

سوال:۔ افغانستان میں روس کی آمد کے بعد جب جہاد شروع ہوا تو بعض مجاہدین نے روسی عورتوں کو جبراً مسلمان کرکے ان کے ساتھ نکاح کیا، کیا ان عورتوں کا اسلام معتبر ہے؟ اور ان کے ساتھ نکاح کا کیا حکم ہے؟

الجواب:۔ جب کسی کافر کو اسلام پر مجبور کیا جائے اور وہ کلمۂ شہادت پڑھ لے تو وہ مسلمان تصور ہوگا۔ لہٰذا صورتِ مسئولہ میں روسی عورتوں کا اسلام لانا اور بعض مجاہدین کا ان کے ساتھ نکاح کرنا دونوں صحیح ہے۔

لما قال العلامۃ فخر الدین الشہیر بقاضی خانؒ: واذا اجبر الکافر علی الاسلام فاسلم صح اسلامہ فان ارتد بعد ذلک یجبر علی الاسلام ولا یقتل۔
(فتاویٰ قاضی خان ج۴ ص۴۱۶ باب الاکراہ)

کسی عورت کا جن مرد سے نکاح کرنا

سوال:۔ اگر کوئی عورت کسی جن مرد سے اپنا نکاح کرالے تو کیا یہ نکاح شرعاً جائز

---

[1] وفی الہندیۃ: ولو تزوج امرأۃ فقالت امرأۃ ارضعتکما ...... واذا فارقہا ...... وان کان بعد الدخول بہا فالافضل للزوج ان یعطیہا کمال المہر والنفقۃ والسکنیٰ۔
(الفتاویٰ الہندیۃ ج۱ ص۳۴۷ کتاب الرضاع)

ہے یا نہیں؟

الجواب: شریعتِ مقدسہ میں نکاح کرنے کے لیے دونوں کا ایک جنس ہونا ضروری ہے، مختلف الاجناس میں نکاح جائز نہیں، اس لیے جن مرد سے اس عورت کا نکاح شرعاً جائز نہیں۔

قال العلامۃ ابن عابدینؒ: وفی الاشباہ عن السراجیۃ لاتجوز المناکحۃ بین بنی ادم والجن وانسان ای لاختلاف الجنس ومفاد المفاعلۃ انہٗ لایجوز للجنی ان یتزوج انسیۃ ایضًا...... عن شرح الملتقی عن زواھر الجواھر الاصح انہٗ لایصح نکاح ادمی جنیۃ کعکسہ لاختلاف الجنس فکانوا کبقیۃ الحیوانات۔
(ردّ المحتار ج۲ ص۲۸۱ اوائل کتاب النکاح) [۱]

بھائی کی بیوی سے ناجائز تعلقات کے نکاح پر اثرات

سوال: اگر کوئی شخص اپنے بھائی کی بیوی سے ناجائز تعلقات رکھتا ہو اور وہ اس ناجائز عمل پر رنگے ہاتھوں پکڑا بھی گیا ہو تو کیا اس سے اس کے بھائی کی بیوی کا نکاح متاثر ہوگا یا نہیں؟

الجواب: دیور سے ناجائز تعلقات قائم کرنے سے شوہر کا نکاح متاثر نہیں ہوگا بلکہ وہ تا حال اس کی منکوحہ ہے، تاہم اگر شوہر اس کو طلاق دے کر الگ کرنا چاہتا ہو تو کر سکتا ہے۔

قال العلامۃ ابن عابدینؒ: ولو زنت امرأۃ رجل لم تحرم علیہ وجاز لہ وطؤھا عقب الزنا۔ (رد المحتار ج۲ ص۳۸۶ فصل فی المحرمات) [۲]

---

[۱] قال العلامۃ علی بن عثمان سراج الدین رحمہ اللہ: لایجوز المناکحۃ بین بنی ادم والجن الانسان المائی لاختلاف الجنس اذا مس بشھوۃ تثبت حرمۃ المصاھرۃ۔ (الفتاوی السراجیۃ ص۴۲ کتاب النکاح باب نکاح المحارم)

[۲] قال الشیخ وھبۃ الزحیلی: یحل بالاتفاق للزانی ان یتزوج بالمزنیۃ التی زنی بھا فان جاءت بولد۔ (الفقہ الاسلامی وادلتہ ج۷ ص۱۴۸، کتاب النکاح، المرأۃ الحامل من الزنا ۔۔ الخ)

جنسی کمزوری کی صورت میں نکاح کرنے کا حکم

سوال:۔ بعض لوگ جنسی طور پر کمزور ہوتے ہیں اور بیوی کے حقوق ادا کرنے کے قابل نہیں ہوتے لیکن اس کے باوجود وہ شادی کر لیتے ہیں، تو ایسے شخص کے لیے نکاح کا کیا حکم ہے؟

الجواب:۔ شادی کرنا ہر اُس مسلمان مرد کے لیے سُنّت ہے جو نان و نفقہ اور حقوقِ زوجیت پورا کر سکتا ہو، لہٰذا جو شخص یہ حقوق ادا نہیں کر سکتا اُس کے لیے نکاح کرنا جائز نہیں، کرنے کی صورت میں مرد گنہگار ہو گا۔

قال العلامة الحصکفیؒ: ویکون سنة مؤکدة فی الاصح فیأثم بترکه ویثاب ان نوی تحصیناً وولداً حال الاعتدال ای القدرة علیٰ وطءٍ ومہر ونفقةٍ۔ الخ

قال العلامة ابن عابدینؒ: تحت قوله ای القدرة علیٰ وطءٍ (ای الاعتدال فی التوقان ان لا یکون بالمعنیٰ المار فی الواجب والفرض وهو شدة الاشتیاق وان لا یکون فی غایة الفتور کالعنین ...... بان یکون بین الفتور والشوق وزاد المهر والنفقة لان العجز عنهما یسقط الفرض فیسقط السنیة بالاولیٰ

(الدر المختار مع الرد المحتار ج۲ ص کتاب النکاح (مطلب کثیراً ما تیساهل فی اطلاق المتجر علی السنة) [1]

کسی اسلامی ملک میں مسلمان ہونے والی شادی شدہ عورت سے نکاح کرنے کا طریقہ

سوال:۔ اگر کسی اسلامی ملک میں کوئی شادی شدہ غیر مسلم عورت اسلام قبول کرے تو کیا اس عورت کے ساتھ بغیر عدت گذارنے ہوئے کسی مسلمان مرد کے لیے نکاح کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ جب کوئی غیر مسلم شادی شدہ عورت اسلام قبول کرے تو یہ عورت اوّلاً عدالت میں اپنے اسلام لانے کا قصہ پیش کرے، اور عدالت اس کے غیر مسلم شوہر پر اسلام پیش کرے گی، اب اگر وہ اسلام قبول نہ کرے تو عدالت عورت کو تنسیخ نکاح

---

[1] وَمِثْلُهٗ فی الهندیة ج ۱ ص۲۶ کتاب النکاح۔ الباب الاوّل۔

کی ڈگری جاری کرے گی اور یہ عورت عدت طلاق گذار کر کسی مسلمان مرد سے نکاح کر سکتی ہے، اس کے علاوہ بغیر عدالتی فیصلے اور مرورِ عدت کے نکاح نہیں کر سکتی۔

قال العلامۃ برہان الدین المرغینانیؒ: واذا اسلمت المرأۃ وزوجہا کافر عرض القاضی علیہ الاسلام فان اسلم فہی امرأتہ وان ابیٰ فرق بینہما وکان ذٰلک طلاقاً عند ابی حنیفۃ ومحمد۔ (رحمہم اللہ)

(الہدایۃ ج ۲ ص۳۲۵ باب نکاح اھل الشرک) ؎۱

ماموں کی بیوہ سے نکاح کا حکم

سوال: سگے ماموں کی بیوہ سے نکاح کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: حقیقی ماموں کی بیوہ کے ساتھ بعد از اختتام عدت نکاح کرنا جائز ہے۔ اس لیے کہ اب ان کے درمیان ایسا کوئی رشتہ نہیں جو حرمت کا سبب ہو۔

لما قال اللہ تعالیٰ: وَاُحِلَّ لَکُمْ مَّا وَرَآءَ ذٰلِکُمْ۔ (سورۃ النساء آیت ۲۴) ؎۲

؎۱ قال ابن الہمامؒ: اذا احد الزوجین اللذین ہما مجوسیان او الزوجۃ عنہا مجوسیۃ والزوج کتابی او الزوجۃ من الکتابین او الزوجۃ الکتابیۃ والزوج قائم فان ابیٰ فرق بینہما۔ (فتح القدیر ج ۳ ص۲۸۸ باب نکاح اھل الشرک)

وَمِثْلُہٗ فی الہندیۃ ج ۱ ص۳۳۷ الباب العاشر فی نکاح الکفار۔

وَمِثْلُہٗ فی الفتاویٰ التاتارخانیۃ ج ۳ ص۱۸۱ کتاب النکاح. باب نکاح الکفار۔

؎۲ قال العلامۃ علاؤالدین الکاسانیؒ: والمحرمات علی التابید ثلاثۃ انواع محرمات بالقرابۃ ومحرمات بالمصاھرۃ ومحرمات بالرضاع، اما النوع الاول فالمحرمات بالقرابۃ سبع فرق الاُمہات والبنات والعمات..... قال اللہ تعالیٰ حُرِّمَتْ عَلَیْکُمْ اُمَّہَاتُکُمْ۔ الاٰیۃ۔ وفی الصفحۃ الثانیۃ وتحل لہٗ بنت العمۃ والخالۃ وبنت العم والخال لان اللہ تعالیٰ ذکر المحرمات فی اٰیۃ التحریم ثم اخبر سبحانہٗ وتعالیٰ انہٗ احل ما وراء ذٰلک بقولہٖ وَاُحِلَّ لَکُمْ مَّا وَرَآءَ ذٰلِکُمْ (الاٰیۃ) الخ

(بدائع الصنائع ج ۲ ص۲۵۶، ۲۵۷ فصل ومنہا ان تکون المرأۃ محللۃ)

وَمِثْلُہٗ فی الہدایۃ ج ۲ ص۲۸۷ فصل فی بیان المحرمات۔

بھانجی کی بیٹی سے نکاح کا حکم

سوال:- زید زینب کا علاتی بھائی ہے، زینب کی بیٹی رقیہ ہے، رقیہ کی بیٹی کلثوم ہے، تو کیا زید کا نکاح کلثوم کے ساتھ صحیح ہے یا نہیں؟

الجواب:- اپنے والدین کے کسی بھی فروع (یعنی اولاد جس درجے میں بھی ہو) سے نکاح کرنا درست نہیں، لہٰذا زید کا نکاح کلثوم کے ساتھ جائز نہیں ہے۔

قال العلامة الحصکفیؒ: وفروع ابویه وان نزلن فتحرم بنات الاخوة والاخوات وبنات اولاد الاخوة والاخوات وان نزلن۔ (الدر المختار علیٰ ہامش رد المحتار ج۲ ص۳۰۰ فصل فی المحرمات) ۔ [۱]

بہنوئی کی دوسری بیوی کی لڑکی سے نکاح کا حکم

سوال:- بہن کے شوہر کی دوسری بیوی کی لڑکی سے نکاح کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:- بھائی کے لیے یہ جائز ہے کہ وہ بہن کے شوہر کی دوسری بیوی کی لڑکی سے نکاح کرے کیونکہ اس لڑکی میں اس بھائی کی نسبت حرمت کی کوئی وجہ نہیں ہے۔

قال اللہ تعالیٰ بعد ذکر المحرمات: وَاُحِلَّ لَکُمْ مَّا وَرَآءَ ذٰلِکُمْ۔ سورۃ النساء آیت ۲۴ ۔ [۲]

---

[۱] وفی الهندية: القسم الاول المحرمات بالنسب وهن الامهات والبنات والاخوات ....الی قوله واما الاخوات فالاخت لاب وام والاخت لاب والاخت لام وكذا بنات الاخ والاخت وان سفلن۔ (الفتاوی الهندية ج۱ ص۲۷۳ الباب الثالث فی بیان المحرمات)
وَمِثْلُهٗ فی الهداية ج۲ ص۲۸۵ فصل فی بیان المحرمات۔

[۲] قال العلامة الكاسانیؒ: والمحرمات علی التابيد ثلاثة انواع محرمات بالقرابة ومحرمات بالمصاهرة ومحرمات بالرضاع اما النوع الاول فالمحرمات بالقرابة سبع فرق الامهات والبنات والعمات والخالات وبنات الاخ وبنات الاخت..... وفی الصفحة الثانية۔ وتحل له بنت العمة والخالة وبنت العم والخال لان الله تعالیٰ ذكر المحرمات فی اٰية التحريم ثم اخبر سبحانه وتعالیٰ انه احل ما وراء ذلك بقوله واحل لكم ما وراء ذلكم الاٰية الخ
(بدائع الصنائع ج۲ ص۲۵۶، ۲۵۷ فصل ومنها ان تكون المرأة محللة)
وَمِثْلُهٗ فی الهداية ج۲ ص۲۸۵ فصل فی بیان المحرمات۔

ایک جگہ منگنی کر دینے کے بعد لڑکی کا نکاح کسی دوسری جگہ کرنا

سوال:۔ اگر ایک لڑکی کی کسی جگہ منگنی ہو جانے کے بعد اس کے والدین اس کا نکاح کسی دوسری جگہ کر دیں، تو کیا اس لڑکی کا نکاح دوسری جگہ ہو سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ اگر منگنی کے موقع پر صحیح اور شرعی طریقے سے ایجاب وقبول ہو چکا ہو تو اس کے بعد دوسری جگہ نکاح کرنا درست نہیں، اور اگر ایجاب وقبول نہ ہوا ہو تو یہ منگنی صرف وعدۂ نکاح ہے نکاح نہیں، اس صورت میں دوسری جگہ نکاح درست ہے لیکن وعدہ خلافی کی وجہ سے گنہگار ضرور ہوں گے۔

قال ابن عابدینؒ : لو قال هل اعطیتنیها فقال اعطیت ان کان المجلس للوعد فوعد وان کان للعقد فنکاح۔ اھ (ردالمحتار ج۲ ص۲۸۷ کتاب النکاح) [1]

کسی لڑکی اور اس کی سوتیلی ماں کا ایک مرد کے نکاح میں آنا

سوال:۔ ایک شخص نے کسی لڑکی اور اس کی سوتیلی ماں کو اپنے نکاح میں جمع کیا ہے، کیا ایسا کرنا شرعاً جائز ہے؟ کیا یہ اَنۡ تَجۡمَعُوۡا بَیۡنَ الۡاُخۡتَیۡنِ میں داخل ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ جمع بین الاختین کی پہچان کے لیے فقہاء کرام نے جو قاعدہ مقرر کیا ہے کہ دونوں میں سے جس کو بھی مرد تصور کر کے دوسرے کے ساتھ اس کا نکاح صحیح نہ ہو، لہٰذا صورتِ مسئولہ میں اگر لڑکی کو مرد تصور کر کے سوتیلی ماں کا تو منکوحۃ الاب کی وجہ سے نکاح صحیح نہیں مگر سوتیلی ماں کو مرد تصور کرنے کے بعد لڑکی سے نکاح کے عدم جواز پر کوئی دلیل نہیں، اس لیے یہ صورت اَنۡ تَجۡمَعُوۡا بَیۡنَ الۡاُخۡتَیۡنِ میں داخل نہیں، دونوں ایک شخص کے نکاح میں جمع کی جا سکتی ہیں۔

قال العلامۃ الحصکفی رحمہ اللہ : حرم الجمع وطاء بملکِ یمین بین

---

[1] وفی الهندیة : ولو قال تزوجینی نفسك فقبلت العقد، ان لم یقصد به الاستقبال، هکذا فی النهر الفائق ۔ (الفتاویٰ الهندیة ج۱ ص۲۷۰ الباب الثانی فیما ینعقد به النکاح)
ومثلہٗ فی تبیین الحقائق ج۲ ص۹۶ کتاب النکاح ۔

امرأتین ایتھما فرضت ذکرًا لم تحل للاُخریٰ ابدًا ...... فجاز الجمع بین امرأة وبنت زوجھا او امرأة ابنھا الخ۔ (الدر المختار علیٰ ھامش ردّ المحتار ج ۲ ص ۳۰۹ فصل فی المحرمات) ؎۱

مذاق میں کیا گیا نکاح منعقد ہو جاتا ہے

سوال:۔ اگر کوئی لڑکی اور لڑکا دونوں آپس میں مذاق ہی مذاق میں گواہوں کے رُوبرو نکاح کے ایجاب وقبول کر لیے، اب لڑکا کہتا ہے کہ تم نے میرے ساتھ نکاح کیا ہے اس لیے تم میری بیوی ہو، جبکہ لڑکی کا دعویٰ ہے کہ وہ تو مذاق کر رہی تھی میرا ارادہ نکاح نہ تھا، دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا مذاق ہی مذاق میں کیا گیا نکاح منعقد ہو جاتا ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ شریعتِ اسلامی میں چند امور ایسے ہیں کہ جن میں مذاق اور حقیقت دونوں مساوی ہیں جن میں سے ایک نکاح بھی ہے، اس لیے نکاح خواہ مذاق ہی مذاق میں کیوں نہ کیا جائے منعقد ہو جاتا ہے۔ لہٰذا صورتِ مسئولہ میں یہ لڑکی اب اس لڑکے کی منکوحہ ہے لڑکی کا دعویٰ باطل ہے۔

لقولہ علیہ الصلوٰة والسلام، ثلاث جدھن جد وھزلھن جد الطلاق والعتاق والنکاح۔ (مشکوٰة ص ۲۸۴ باب الخلع والطلاق) ؎۲

چھوٹی بچی اور بچے کے نکاح کا حکم

سوال:۔ جناب مفتی صاحب! یہاں دیر کے علاقہ میں والدین چھوٹے چھوٹے بچوں کا نکاح کر دیتے ہیں جبکہ وہ ابھی تک کچھ بھی نہیں سمجھتے ہیں، کیا ان بچوں کا نکاح جائز ہے؟ کیا یہ چھوٹے بچوں پر ظلم تو نہیں؟

؎۱ فی الھندیة: ویجوز بین امرأة وبنت زوجھا۔ (الفتاویٰ الھندیة ج ۱ ص ۲۷۷ الباب الثانی فی بیان المحرمات، القسم الرابع المحرمات بالجمع)

؎۲ عن ابی ھریرةؓ، قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ثلاث جدھن جد وھزلھن جد۔ (ابوداؤد ج ۱ ص ۲۹۸ باب ما جاء فی الجد والھزل فی الطلاق)

ومثلہ فی الترمذی، باب ما جاء فی الجد والھزل فی الطلاق۔

الجواب، شریعتِ اسلامی میں جب بچے کا ولی اس کا نکاح کردے تو نکاح صحیح ہے نابالغ کے سمجھنے کی ضرورت نہیں صرف ولی کا سمجھنا ہی کافی ہے اور نہ یہ بچوں پر ظلم ہے۔

قال العلامة برهان الدين المرغيناني رحمه الله : يجوز نكاح الصغير والصغيرة اذا زوجهما الولي بكراً كانت الصغيرة او ثيبًا۔

(الهداية ج۲ ص۲۹۵ باب الاولياء) لـه

ربیب کی بیوہ یا مطلقہ سے نکاح کرنے کا حکم

سوال، جناب مفتی صاحب! اگر کوئی شخص ایک عورت سے شادی کرے اور اس عورت کے ساتھ پہلے شوہر سے ایک لڑکا بھی ہے جس کی پرورش اس زوجِ ثانی نے کی، اب اگر یہ لڑکا اپنی بیوی کو طلاق دیدے یا وہ فوت ہو جائے، تو کیا یہ شخص اپنے ربیب کی بیوہ یا مطلقہ سے نکاح کرسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ ربیب یا متبنّٰی حقیقی یا رضاعی بیٹوں کی طرح نہیں، اس لیے صورتِ مسئولہ میں ربیب کی بیوہ یا مطلقہ سے یہ مربی (منہ بولا باپ) شادی کرسکتا ہے۔

قال العلامة ابن عابدين رحمه الله : (تحت قوله، واما بنت زوجة ابيه وابنه فحلال) ولا تحرم زوجة الربيب ولا زوجة الراب۔

(ردالمحتار ج۲ ص۳۰۳ فصل فى المحرمات) لـه۲

عدت کے دوران سالی سے نکاح کرنا صحیح نہیں

سوال:۔ اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو طلاق دے کر عدت

لـه وفى الهندية : لولى الصغير والصغيرة ان ينكحهما وان لم يرضيا بذلك سواءً كانت بكراً او ثيبًا۔ (الفتاوى الهندية ج۱ ص۲۸۵ كتاب النكاح۔الباب الرابع فى الاولياء)

وَمِثْلُهٗ فى الدر المختار ج۳ ص۵۵ كتاب الولى۔

لـه۲ وفى الهندية : ولا تحرم حليلة الابن المتبنى على الاب المتبنى۔

(الفتاوى الهندية ج۱ ص۲۷۴ الباب الثالث فى بيان المحرمات۔القسم الثانى المحرمات بالصهرية)

وَمِثْلُهٗ فى الهداية ج۲ ص۲۸۸ كتاب النكاح۔فصل فى بيان المحرمات۔

کے دوران ہی اس کی بہن سے نکاح کرے، تو کیا ایسا کرنا شرعاً جائز ہے ؟

الجواب :۔ چونکہ عدت کے اندر عورت شوہر کے نکاح میں من وجہ داخل ہے اس لیے اس دوران بیوی کی بہن سے نکاح کرنا جائز نہیں۔ تاہم اگر عدت کے بعد نکاح کرنا چاہتا ہو تو کر سکتا ہے۔

لما قال العلامة الحصکفی رحمہ اللہ : والجمع نکاحاً وعدۃ ولو من طلاق بائن۔ (الدر المختار علی هامش رد المحتار ج ۲ ص۳۸ فصل فی المحرمات) لہ

منکوحہ کی بیٹی سے نکاح کرنا

سوال :۔ ایک شخص نے کسی مطلقہ یا بیوہ سے نکاح کیا، اس عورت کی سابقہ خاوند سے ایک جوان بیٹی بھی ہے، جبکہ اس شخص نے دخول سے قبل ہی اس کو طلاق دیدی، اور اب وہ اس کی بیٹی سے نکاح کرنے کا خواہشمند ہے، تو کیا اس شخص کا اپنی مطلقہ کی بیٹی سے نکاح کرنا جائز ہے یا نہیں ؟

الجواب :۔ منکوحہ کی بیٹی سے نکاح شرعاً حرام ہے مگر یہ حرمت دخول یا خلوتِ صحیحہ کے ساتھ مشروط ہے، اگر یہ شرط پائے جانے سے قبل طلاق واقع ہو جائے تو منکوحہ مطلقہ کی بیٹی سے نکاح کرنا مرخص ہے ورنہ خلوتِ صحیحہ یا دخول کی صورت میں نکاح ناجائز وحرام ہے۔ صورتِ مسئولہ میں چونکہ خلوتِ صحیحہ یا دخول کی شرط مفقود ہے اس لیے اس شخص کا اس لڑکی سے نکاح درست ہے۔

قال العلامۃ المرغینانیؒ : ولا بام امرأتہ دخل بها او لم یدخل، لقولہ تعالیٰ : وامهات نسائکم من غیر قید الدخول ولا ببنت امرأتہ التی دخل بها لثبوت قید الدخول بالنص سواء کانت فی حجرہ او فی حجر غیرہ۔

(الهدایۃ ج ۲ ص۲۸۷ کتاب النکاح۔ فصل فی المحرمات) ٢ہ

لہ قال العلامۃ برهان الدین المرغینانیؒ :۔ واذا طلق امرأتہ طلاقاً بائناً او رجعیاً لم یجز لہ ان یتزوج باختها حتیٰ تنقضی عدتها۔

(الهدایۃ ج ۲ ص۲۸۹ کتاب النکاح۔ فصل فی بیان المحرمات)

ومثلہ فی الهندیۃ : الباب الثالث فی بیان المحرمات۔ (القسم الرابع المحرمات بالجمع۔

٢ہ قال اللہ تعالیٰ : وربائبکم التی فی حجورکم من نسائکم اللّتی دخلتم بهن۔ (سورۃ البقرہ ۔

باپ کی سوتیلی بیٹی سے نکاح جائز ہے

سوال:۔ باپ کی دوسری بیوی کی بیٹی سے جبکہ وہ بیٹی اس بیوی کے پہلے خاوند سے ہو نکاح ہوسکتا ہے یا نہیں ؟

الجواب:۔ باپ کی دوسری بیوی کی بیٹی جو کہ اس کے پہلے خاوند سے ہو اُس سے نکاح کرنا شرعاً جائز ہے۔

قال العلامۃ الحصکفیؒ:(واما بنت زوجۃ ابیہ اوابنہ فحلال) قال ابن عابدینؒ: وکذا بنت ابنھما الخ. (الدرالمختار مع ردالمحتار ج۲ ص۳۰۳،۳۰۲ کتاب النکاح،فصل فی المحرمات)[۱]

بیٹے کی مزنیہ سے نکاح کا حکم

سوال:۔ ایک لڑکے کے کسی لڑکی کے ساتھ ناجائز تعلقات ہیں،اب چند دن قبل دونوں ننگے ہاتھوں پکڑے گئے،علاقائی جرگہ نے یہ فیصلہ کیا کہ اس لڑکی کا اسی لڑکے سے نکاح کردیا جائے لیکن لڑکا کسی صورت میں بھی اس سے نکاح کے لئے تیار نہیں،جبکہ لڑکے کا باپ کہتا ہے کہ میں اس لڑکی سے شادی کے لیے تیار ہوں۔اب دریافت طلب مسئلہ یہ ہے کہ کیا لڑکے(زانی)کے باپ کا نکاح اس لڑکی(مزنیہ)سے جائز ہے یا نہیں؟ فقہ حنفی کی رُو سے جواب عنایت فرمائیں ؟

الجواب:۔ فقہ حنفی کی رُو سے زنا بھی سببِ مصاہرت ہے۔لہٰذا اگر واقعی لڑکے نے اس لڑکی کے ساتھ زنا کا ارتکاب کیا ہو تو یہ لڑکی لڑکے کے باپ کی بمنزلہ بہو(منکوحۃ الابن)کے ہے جبکہ بہو سے نکاح کرنا شرعاً جائز نہیں،اسی وجہ سے بیٹے کی مزنیہ سے اس کا باپ نکاح نہیں کرسکتا۔

لما فی الھندیۃ:کذا تحرم المزنی بھا علی اباء الزانی واجدادہ وان علوا وابنائہ وان سفلوا.کذا فی فتح القدیر. (الفتاوی الھندیۃ ج۱ ص۔ کتاب النکاح،الباب الثالث)[۲]

---

[۱] قال العلامۃ صدر الشھید رحمہ اللہ: وتحل اخت اخیہ رضاعاً کما تحل نسباً کالاخ من الاب لہ اخت من امہ تحل لاخیہ من ابیہ۔
(شرح الوقایۃ ج۲ ص۶۹،۶۸ کتاب النکاح)

[۲] قال العلامۃ الحصکفیؒ: وحرم ایضاً بالصھریۃ اصل مزنیۃ۔قال ابن عابدینؒ: تحتہ حرمۃ المرأۃ علی اصول الزانی وفروعہ نسباً ورضاعاً۔
(الدرالمختار علی ھامش ردالمحتار ج۲ ص۳۸۲ کتاب النکاح)

بیٹے کی ساس سے نکاح کرنا

سوال:۔ جناب مفتی صاحب! میرا سسر فوت ہو چکا ہے اور اس کے چھوٹے چھوٹے بچے ہیں، اب میں چاہتا ہوں کہ اپنی بیوہ ساس کا نکاح اپنے باپ سے کر دوں تاکہ ہم مشترکہ طور پر ان کی دیکھ بھال کر سکیں، تو کیا شرعاً ان دونوں کا نکاح جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ صورتِ مسؤلہ کے مطابق دونوں کے مابین کوئی ایسا رشتہ نہیں جو کہ موجب حرمت ہو، اس لیے ان دونوں کا نکاح شرعاً جائز ہے، اور اُمید ہے کہ اس کارِ خیر پر آپ کو منجانب اللہ اجر بھی ملے گا۔

لما قال العلامۃ ابن عابدینؒ: ولا تحرم ام زوجۃ الابن۔ (رد المحتار جلد ۲ ص ۲۸۳ کتاب النکاح) [1]

نو مسلمہ عورت سے عدت ختم ہونے سے قبل نکاح کرنا

سوال:۔ اگر کوئی غیر مسلم شادی شدہ عورت اسلام قبول کر لے تو کیا عدت گذارنے سے قبل اس کے ساتھ نکاح کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ جب کوئی غیر مسلمہ شادی شدہ عورت اسلام قبول کرے اور اس کا خاوند غیر مسلم ہو تو اس کا نکاح از خود ختم ہو جاتا ہے، اب اگر وہ عورت دار الحرب میں ہو تو صرف تین حیض گذار کر کسی مسلمان مرد سے نکاح کر سکتی ہے، اور اگر دار الاسلام میں ہو تو تفریق قاضی کے بعد دوبارہ نکاح کیلئے تین حیض گذارنا لازمی ہے، بدون اس کے نکاح جائز نہیں۔

لما قال العلامۃ الحصکفی رحمہ اللہ: ولو اسلم احدھما ان احد المجوسین او امرأۃ الکتابی ثمۃ ای فی دار الحرب و ملحق بھا کالبحر الملح لم تبن حتی تحیض ثلاثاً وتمضی ثلاثۃ اشھر قبل اسلام الآخر اقامۃ لشرط الفرقۃ مقام السبب۔ (الدر المختار علی ھامش رد المحتار ج ۲ ص ۳۹۰ کتاب النکاح)

---

[1] قال العلامۃ مفتی عبد الرحیم رحمہ اللہ: الجواب: حامداً و مصلیاً و مسلماً! زید کا باپ زید کی زوجہ کی ماں یعنی باپ اپنے بیٹے کی خوشدامن سے نکاح کر سکتا ہے یہ رشتہ حرام نہیں ہے۔ {فتاویٰ رحیمیۃ ج ۱۰ ص ۱۹۴ کتاب النکاح}

باب المھر

(حق مہر کے احکام ومسائل)

رخصتی سے قبل طلاق دے کر لڑکی والوں کو کچھ رقم دینا

سوال:۔ یہاں ایک لڑکے کا نکاح ہوا لیکن کسی وجہ سے رخصتی نہ ہوسکی بلکہ لڑکے نے بیوی کو طلاق دے دی، اب اگر یہ لڑکا لڑکی والوں کو کچھ رقم دے تو یہ جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ اگر نکاح کے وقت مہر مقرر ہوا ہو تو طلاق قبل الدخول کی صورت میں نصف مہر مسمیٰ لازم ہے اور اگر مہر مقرر نہ ہوا ہو تو متعہ دینا لازمی ہے،[1] تاہم اگر لڑکے والے اپنی طرف سے مہر مسمیٰ کے علاوہ کچھ رقم لڑکی یا اس کے رشتہ داروں کو بطور ہدیہ دیدیں تو بہتر ہے۔

قال العلامة برهان الدين المرغيناني رحمه الله: ومن سمى مهرًا عشرة فما زاد فعليه المسمى ان دخل بها او مات عنها...... وان طلقها قبل الدخول والخلوة فلها نصف المسمى...... قال وان تزوجها ولم يسم لها مهرًا اوتزوجها على ان لامهر لها فلها مهر مثلها ان دخل بها او مات عنها...... ولو طلقها قبل الدخول بها فلها المتعة۔

(الهداية ج ۲ ص ۳۰۴ باب المهر)[1]

---

[1] قال الله تبارك وتعالىٰ: ﴿لَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اِنْ طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ مَا لَمْ تَمَسُّوْهُنَّ اَوْ تَفْرِضُوْا لَهُنَّ فَرِيْضَةً﴾ ﴿وَمَتِّعُوْهُنَّ عَلَى الْمُوْسِعِ قَدَرُهٗ وَعَلَى الْمُقْتِرِ قَدَرُهٗ مَتَاعًا بِالْمَعْرُوْفِ حَقًّا عَلَى الْمُحْسِنِيْنَ﴾ ﴿وَاِنْ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْهُنَّ وَقَدْ فَرَضْتُمْ لَهُنَّ فَرِيْضَةً فَنِصْفُ مَا فَرَضْتُمْ﴾۔ (سورة البقره پ ۲ آیت ۲۳۶)

وَمِثْلُهٗ فِي الهندية ج ۱ ص ۳۰۳ كتاب النكاح، باب المهر۔

مہر کی کم از کم مقدار

سوال:۔ شریعتِ اسلامی میں مہر کی کم از کم مقدار کتنی ہے اور اس کی قیمت کیا ہوگی؟

الجواب:۔ مہر کی کم از کم مقدار دس درہم ہے جس کی وزنی مقدار تقریباً ۳۵ گرام چاندی ہے یا اس کی قیمت رائج الوقت قیمت کے اعتبار سے ہے۔

قال فی الهندیة: اقل المهر عشرة دراهم مضروبة اوغیر مضروبة حتی یجوز وزن عشرة تبراً وان کانت قیمته اقل۔ (الفتاوی الهندیة ج ۱ ص ۳۰۲ الفصل الاول فی بیان ادنیٰ مقدار المهر) ؎۱

مہر فاطمی کی مقدار

سوال:۔ جناب مفتی صاحب! مہر فاطمی (حضرت فاطمۃ الزہراءؓ کے حق مہر) کی مقدار کیا ہے؟

الجواب:۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر صاحبزادیؓ کا حق مہر ۴۸۰ درہم ہے جو کہ موجودہ نظامِ اوزان کے مطابق ۱۴۶۹.۶۳۲ کلو چاندی کا وزن بنتا ہے یا رائج الوقت کرنسی کے حساب سے اس کی قیمت کا اعتبار ہے۔

قال عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ ما علمت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نکح شیئاً من نسائه ولا انکح شیئاً من بناته علیٰ اکثر من ثنتی عشرة اوقیة۔ هٰذا حدیث حسن صحیح۔ (ترمذی ج ۱ ص ۱۶۵ باب ماجاء فی مهور النساء) ؎۲

حلالہ کے بعد نکاح میں مہر مقرر کرنا لازمی ہے

سوال:۔ جو شخص طلاقِ مغلظہ کے بعد حلالہ شرعی کرکے دوبارہ نکاح کرنا چاہتا ہو تو اس کو دوبارہ مہر مقرر کرنا ضروری ہے یا کہ سابقہ مہر ہی کفایت کر جائے گا؟

؎۱ قال العلامة ابوبکر الکاسانیؒ: واما بیان ادنی المقدار الذی یصلح مهراً فادناه عشرة دراهم اوما قیمته عشرة دراهم۔ (بدائع الصنائع ج ۲ ص ۲۷۵ فصل واما بیان ادنی المقدار)

؎۲ وذکر الامام ابوداؤد السجستانیؒ: عن ابی العجفاء قال خطبنا عمرؓ فقال الا لا تغالوا بصدق النساء فانها لو کانت مکرمةً فی الدنیا او تقوی عند اللہ کان اولٰکم بها النبی صلی اللہ علیه وسلم مَا اَصْدَقَ رسول اللہ امرأة من نسائه ولا اُصدِقت امرأة من بناته اکثر من ثنتی عشرة اوقیةً۔ (ابوداؤد ج ۱ ص ۲۹۳ باب الصداق)

الجواب:۔ مہر کے تقرر کا تعلق نکاح باندھنے کے ساتھ ہے، جب بھی نکاح باندھا جائے گا تو مہر مقرر کیا جائے گا چاہے اپنی مطلقہ سے حلالہ شرعی کے بعد نکاح کرنا ہو یا کسی اور عورت سے نکاح کرنا ہو، لہٰذا صورتِ مسئولہ میں دوبارہ مہر مقرر کرنا ہوگا ورنہ مہرِ مثل لازم ہوگا۔

قال العلامة الحصکفیؒ: وکذا یجب مھر المثل فیما اذا لم یسم مھرًا او نفی ان وطئ الزوج اَو مات عنها اذا لم یتراضیا علی شیٔ یصلح مھرًا والا فذلك الشیٔ ھو الواجب۔
(الدر المختار علی ھامش ردّ المحتار ج۲ ص۳۶۳ باب المھر) [1]

متعدد ازواج کی صورت میں مہر میں مساوات کا مسئلہ

سوال: جناب مفتی صاحب! ہم نے سنا ہے کہ جس شخص کی ایک سے زائد بیویاں ہوں تو ان کے درمیان برابری شرعاً ضروری ہے، تو کیا مہر میں بھی برابری ضروری ہے؟

الجواب:۔ اسلام نے حقوقِ نسواں کا خیال رکھ کر مرد کو ایک سے زیادہ بیویوں کے درمیان مساوات کا حکم دیا ہے لیکن یہ مساوات کھانے پینے، لباس، رہائش اور رات گذارنے میں ہے، مہر میں یہ تساوی جاری نہ ہوگا، اس لیے مہر مقرر کرنا صرف مرد کا کام نہیں بلکہ باہمی رضامندگی کا مسئلہ ہے، اس لیے متعدد بیویوں کے درمیان مہر میں تفاوت موجبِ گناہ نہیں ہے۔

قال العلامة ابن نجیم المصریؒ: یجب علیه التسویة بین الحرتین او الامتین فی المأکول والمشروب والملبوس والسکنی والبیتوتة۔ (البحر الرائق ج۳ ص۲۳۴ باب القسم) [2]

---

[1] قال العلامة قاضی خانؒ: المھر یتکرر بالعقد مرة وبالوطئ اخری یتکرر بھما۔
(فتاوی قاضیخان علی ھامش الھندیة ج۱ ص۳۹۲ فصل فی تکرار المھر)

[2] قال العلامة قاضیخانؒ: ومایجب علی الازواج للنساء العدل والتسویة بینھن فیما یملك وھو البیتوتة عندھا للصحبة والمؤانسة لا فیما لا یملك۔
(الفتاوی قاضیخان علی ھامش الھندیة ج۱ ص۴۳۹ فصل فی القسم)
وَمِثْلُہٗ فی بدائع الصنائع ج۲ ص۳۳۲ فصل ومنھا وجوب العدل بین النساء۔

حق مہر میں نقدی کے بجائے زمین وغیرہ دینا

سوال:۔ جناب مفتی صاحب! ہمارے علاقہ میں یہ دستور ہے کہ لوگ حق مہر میں نقدی کے بجائے مکان، زمین یا سونے کے زیورات دیتے ہیں، کیا نقد رقم کی جگہ مذکورہ اشیاء دینا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ حق مہر میں ہر وہ چیز دینا جائز ہے جو بذاتِ خود مال ہو، صورتِ مسئولہ میں چونکہ مذکورہ اشیاء بھی مالِ متقوم ہیں اس لیے ان اشیاء کو مہر میں دینا جائز ہے۔

وفی الهندية: المهر انما يصح بكل ما هو مال متقوم۔ (الفتاویٰ الہندیہ ج۱ ص۳۰۲ الفصل الاوّل فی بیان ادنیٰ مقدار المهر و بیان ما یصلح مهراً۔۔۔۔) [1]

انعقادِ نکاح کے بعد حق مہر میں زیادتی کرنا

سوال:۔ کیا انعقادِ نکاح کے بعد شوہر مہر میں زیادتی کر سکتا ہے یا نہیں؟ اور اگر کرے تو کیا بیوی اُس زیادتی کا مطالبہ کر سکتی ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ جس طرح نکاح سے قبل حق مہر میں کمی بیشی کی جا سکتی ہے اسی طرح نکاح کے انعقاد کے بعد بھی شوہر مہر میں زیادتی کر سکتا ہے اور اس زیادتی کا مطالبہ عورت کا حق بن جائے گا۔

وفی الهندية: الزيادة فی المهر صحيحة حال قيام النكاح۔۔۔۔۔ فاذا زادها فی المهر بعد العقد لزمته الزيادة كذا فی السراج الوهاج۔

(الفتاوىٰ الهندية ج۱ ص۳۱۳ الفصل السابع فی الزيادة فی المهر والحطعنه وفيما يزيد وينقص) [2]

---

[1] قال العلامة ابوبكر الكاسانیؒ: منها ان يكون المسمى مالاً متقوماً۔

(بدائع الصنائع ج۲ ص۲۷۷ فصل واما بيان ما يصح تسمية مهر)

[2] قال العلامة ابن نجيم المصری رحمه الله: (تحت قوله وما فرض بعد العقد او زيد لا يتنصف)۔۔۔۔ دل وضع المسئلة علىٰ جواز الزيادة فی المهر بعد العقد وهی لازمة له بشرط قبولها فی المجلس على الأصح۔ (البحر الرائق ج۳ ص۱۴۸ باب المهر)

اپنی حیثیت سے زیادہ مہر مقرر کرنا

سوال:۔ جو شخص نکاح کے وقت اپنی حیثیت سے زیادہ مہر مقرر کرے تو اس کے اس عمل کا کیا حکم ہے؟

الجواب:۔ مہر کی تقرری میں اپنی حیثیت کو مدِنظر رکھنا چاہیئے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مہر میں زیادتی کو ناپسند فرمایا ہے اس لیے حیثیت سے زیادہ مہر مقرر کرنا اچھا نہیں لیکن تقرر کے بعد شوہر کے ذمے ادا کرنا لازم ہو جائے گا۔

قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم: لا تغالوا صدقة النساء۔ (مشکوٰۃ ص۲۷۷ باب الصداق) [۱]

عورت مہر کا مطالبہ کس سے کرے گی

سوال:۔ یہاں صوبہ سرحد میں اکثر والدین بیٹوں اور بیٹیوں کی شادیاں کراتے ہیں، تو کیا عورت مہر کا مطالبہ شوہر سے کرے گی یا سسر سے؟ (جس نے اس کا نکاح کرایا ہے)

الجواب:۔ مہر منفعتِ زوجیت کا عوض ہے جو شرعاً شوہر کے ذمے واجب ہوتا ہے، صورتِ مسئولہ میں اگر لڑکے کے باپ نے مہر کا ضمان اپنے ذمے لے لیا ہو تو عورت سسر اور شوہر دونوں سے اس کا مطالبہ کرسکتی ہے بصورتِ دیگر مہر کا مطالبہ صرف شوہر سے ہوگا۔

وفی الهندية: زوج ابنة الصغيرة اوالكبيرة وهى بكر او مجنونة رجلاً اوضمن عنه مهرها صح ضمانه ثم هى بالخيار ان شاءت طالبت زوجها او وليها ان كانت اهلاً لذٰلك ويرجع الولى بعد الاداء على الزوج ان ضمن بامره۔

(الفتاوىٰ الهندية ج۱ ص۳۲۶ الفصل الرابع عشر فى ضمان المهر) [۲]

---

[۱] قال المفتی عزیز الرحمٰن رحمه الله: زیادہ مہر مقرر کرنا اچھا نہیں سمجھا گیا۔
(فتاوىٰ دار العلوم دیوبند ج۸ ص۲۳۱ مسائل واحکام مہر)

[۲] وقال العلامة الحصکفیؒ: (وتطالب أيّاً شاءت) من زوجها البالغ او الولى الضامن۔
(الدر المختار علیٰ هامش رد المحتار ج ۲ ص۳۸۷ مطلب فى ضمان المهر)
ومثله فى فتاوىٰ دار العلوم دیوبند ج۲ ص۲۴۴ مسائل واحکام مهر۔

عورت کے ورثاء شوہر سے مہر کا مطالبہ کرسکتے ہیں

سوال:- ایک عورت کو اس کے شوہر نے طلاق دیدی، طلاق کے بعد اس عورت کا نکاح دیور سے ہوگیا، اب وہ عورت وفات پاگئی ہے تو کیا عورت کے ورثاء دونوں شوہروں سے مہر کا مطالبہ کرسکتے ہیں یا نہیں ؟

الجواب:- نکاح کرنے کے بعد مہر عورت کا حق بن جاتا ہے جو کسی وقت بھی مطالبہ کرسکتی ہے چونکہ اس عورت نے دو مردوں سے یکے بعد دیگرے نکاح کیا ہے لہٰذا اگر دونوں نے اس کی وفات تک حق مہر ادا نہ کیا ہو تو ان کے ذمے عورت کا مہر لازمی ہے، اس لیے وفات کے بعد عورت کے ورثاء دونوں سے مطالبہ کرسکتے ہیں۔

قال العلامة ابن عابدین رحمه الله: افادان المهر وجب بنفس العقد۔

(ردالمحتار ج۲ ص۳۵۸ باب المهر) [1]

مہر عورت کے ورثاء کو دیا جاسکتا ہے

سوال:- اگر کوئی عورت شوہر کے گھر فوت ہوجائے اور اس کے والدین و دیگر رشتہ دار شوہر سے مہر کا مطالبہ کریں تو کیا مہر ورثاء کو دیا جاسکتا ہے یا شوہر ہی اس کا حقدار ہے ؟

الجواب:- اگر مہر شوہر کے ذمے قرض ہو تو بیوی کی وفات کے بعد مہر بطریقہ میراث تقسیم ہوگا جس میں شوہر عورت کی اولاد اور والدین شریک ہیں، اس لیے کل مہر نہ تو شوہر کے پاس رہے گا اور نہ کل مہر عورت کے رشتہ داروں کو دیا جائے گا۔

قال العلامة الکاسانیؒ: ومنها الارث من الجانبین جمیعاً لقوله عزوجل: وَلَكُمْ نِصْفُ مَا تَرَكَ أَزْوَاجُكُمْ الی قوله عزوجل: وَلَهُنَّ الثُّمُنُ مِمَّا تَرَكْتُمْ مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ تُوصُونَ بِهَا أَوْ دَيْنٍ۔ (بدائع الصنائع ج۲ ص۳۳۲ فصل ومنها الارث) [2]

---

[1] قال العلامة الکاسانیؒ: المهر فی النکاح الصحیح یجب بالعقد لانه احداث الملك والمهر یجب بمقابلة احداث الملك۔ (بدائع الصنائع ج۲ ص۲۸۷ فصل واما بیان ما یجب المهر)

وَمِثْلُهٗ فی فتاویٰ قاضیخان علی هامش الهندیة ج۱ ص۳۹۲ فصل فی تکرار المهر۔

[2] قال العلامة المفتی عزیز الرحمٰنؒ: جو مہر ہندہ کا بذمہ شوہر ہے اس میں نصف شوہر کو پہنچے گا اور نصف ہندہ کے والدین کو ملے گا، زید کو اپنے حصہ کا اختیار ہے کہ خیرات کردے، والدین کا حصہ ان کو دینا چاہیئے۔

(فتاویٰ دارالعلوم دیوبند ج۸ ص۲۱۴ فصل اول مسائل واحکام مہر)

نابالغ لڑکے کی شادی کے مہر کا حکم

سوال: ایک آدمی نے بچپن میں اپنے لڑکے کی شادی کردی تو اب بیوی کا حق مہر نابالغ شوہر پر واجب ہوگا یا سسر پر؟

الجواب:۔ مہر کے وجوب کے لیے بلوغ شرط نہیں اس کا تعلق نکاح سے ہے یعنی جس سے نکاح ہوا ہو اُس کے ذمے مہر دینا واجب ہے چاہے بالغ ہو یا نابالغ، اگرچہ باپ ضامن بن سکتا ہے۔

وفی الهندية: واذا زوج ابنه الصغير امرأة وضمن عنه المهر وكان ذلك فى صحته جاز اذا قبلت المرأة الضمان واذا ادى الاب ذلك ان كان الاداء فى حالة الصحة لا يرجع على الابن بما ادى استحساناً الا اذا كان بشرط الرجوع فى اصل الضمان۔

(الفتاوى الهندية ج ١ ص ٣٢٦ الفصل الرابع عشر فى ضمان المهر) [1]

بذریعہ جرگہ طلاق لینے کی صورت میں مہر کا مطالبہ کرنا

سوال: بعض عورتیں گھریلو ناچاقی کی وجہ سے شوہر سے بذریعہ جرگہ وغیرہ طلاق لے لیتی ہیں، تو کیا طلاق لینے کے بعد مہر کا مطالبہ کرسکتی ہیں یا نہیں؟

الجواب:۔ اگر طلاق دیتے وقت شوہر نے مہر معاف کرنے کی شرط لگائی ہو اور عورت نے قبول کرکے شوہر سے طلاق لی ہو تو اُسے مہر کے مطالبہ کا حق نہیں رہتا اور اگر طلاق دیتے وقت ایسی کوئی شرط نہ لگائی گئی ہو اور نہ عورت نے مہر معاف کیا ہو تو مہر اس کا حق ہے اور وہ مطالبہ کرسکتی ہے۔

قال ابن عابدينؒ: افادان المهر وجب بنفس العقد... انما يتاكد لزوم تمامه بالوطء ونحوه. (رد المحتار ج ٢ ص ٣٥٨ باب المهر) [2]

---

[1] قال العلامة الحصكفيؒ: (وتطالب اى اذا شاءت) من زوجها البالغ (او الولى الضامن)۔

(الدر المختار على هامش رد المحتار ج ٢ ص ٣٨٧ مطلب فى ضمان الولى المهر)

[2] وفى الهندية: امرأة قالت لزوجها اخلعنى فقالت خويشتن خريدم فقال الزوج مجيباً لها انت طالق صار بمنزلة قوله خلعت هكذا ذكر فى النوازل والفتوى على انه اذا اراد به الجواب يكون جواباً ولو قال فروختم بيك طلاق ويكون جواباً بدون النية وبعض اسطر... وهل يبرأ الزوج عن المهر اختلفوا فيما بينهم قال بعضهم لا يبرأ وهو الاصح۔ (الفتاوى الهندية ج ١ ص ٤٩١ الفصل الاول فى شرائط الخلع وحكمه وما يتعلق به)

ومثله فى فتاوى ديوبند ج ٨ ص ٢١٥ مسائل واحكام مهر۔

جبراً مہر معاف کرانا

سوال:۔ اگر کوئی عورت جبرو اکراہ سے یا کسی دباؤ میں آکر حق مہر معاف کردے تو کیا مہر معاف ہو جائے گا؟

الجواب:۔ بتقاضائے نصِ قرآنی مہر کی معافی کے لیے طیب نفس کا ہونا ضروری ہے جبرو اکراہ کے ساتھ معاف کرانے سے مہر معاف نہیں ہوتا۔

لقولہ تعالیٰ: فَاِنْ طِبْنَ لَکُمْ عَنْ شَیْءٍ مِّنْهُ نَفْسًا فَکُلُوْهُ هَنِیْٓئًا مَّرِیْٓئًا۔

(سورۃ النساء آیت ۴)[1]

مقدارِ مہر میں اختلاف کا پیدا ہونا

سوال:۔ اگر کبھی میاں بیوی کے درمیان مہر کی مقدار میں اختلاف ہو جائے اور شرعی دلیل کسی کے پاس نہ ہو تو دونوں میں سے کس کا قول معتبر ہوگا؟

الجواب:۔ نکاح کے معاملے میں اصل مہر مثل ہے، جب میاں بیوی کا مقدارِ مہر میں اختلاف پیدا ہو جائے اور دلیل کسی کے پاس نہ ہو تو اس متنازع صورت میں فیصلہ مہر مثل پر ہوگا۔

قال العلامة الحصکفی رحمہ اللہ: وقالا یقضی بمھر المثل کحال حیاۃ وبہ یفتی۔ (الدرالمختار علیٰ ھامش ردالمحتار ج۲ ص۳۹۳ باب المھر)[2]

عدالت کے ذریعے مہر کم کروانا

سوال:۔ اگر کوئی شخص مفلس ہو اور بوقتِ نکاح لڑکی والوں نے مہر زیادہ مقرر کر دیا ہو، تو اب اگر وہ عدالت کے ذریعے مہر کو کم کروانا چاہے تو کروا سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ مہر کا تقرر میاں بیوی کی باہمی رضامندی سے ہوتا ہے، تقرری کے بعد

---

[1] قال الشیخ المفتی محمد شفیع رحمہ اللہ، دورِ حاضر میں چونکہ عورتیں یہ سمجھتی ہیں کہ مہر ملنے والا نہیں ہے، اگر سوال کروں یا معاف نہ کروں تو بددلی یا بدمزگی پیدا ہوگی، اس لیے بادلِ نخواستہ معاف کر دیتی ہیں، اس معافی کا کوئی اعتبار نہیں۔ (معارف القرآن ج۲ ص۲۹۸ سورۃ النساء)

[2] وفی الھندیۃ: اذا اختلف الزوجان فی قدر المھر حال قیام النکاح عند ابی حنیفۃ ومحمد رحمہما اللہ تعالیٰ یحکم مھر المثل۔ (الفتاویٰ الھندیۃ ج۱ ص۳۱۹ الفصل الثانی عشر فی اختلاف الزوجین فی المھر)

ومثلہ فی بدائع الصنائع ج۲ ص۳۰۵ فصل واما حکم اختلاف الزوجین فی المھر۔

جب مہر ایک مرتبہ متاکد ہو جائے تو بیوی کی رضامندی کے بغیر عدالت یا کوئی جرگہ وغیرہ نہ تو مہر کم کرا سکتے ہیں اور نہ ختم کر سکتے ہیں، شوہر پر اس کی ادائیگی لازم ہے۔

قال العلامة ابوبکر الکاسانیؒ: فالمھر یتاکد باحد معانٍ ثلاثة ۔۔۔۔ لایسقط بعد ذلک الا بالابراء۔ (بدائع الصنائع ج۲ ص۲۹۱ فصل بیان مایتاکد به المھر) [1]

تاجیل وتعجیل مہر میں عرف کا اعتبار ہے

سوال:۔ اگر بوقت نکاح مہر کی تاجیل وتعجیل کا کوئی ذکر نہ ہوا ہو تو کیا عورت مہر فوراً لینے کا حق رکھتی ہے یا نہیں؟

الجواب: جس مہر کی تاجیل وتعجیل کا ذکر بوقت انعقادِ نکاح نہ ہو تو اس صورت میں مہر عرف کا تابع ہو کر جتنا مال مؤجل دیا جاتا ہے تو اتنی مقدار میں عورت حق مہر کا مطالبہ کر سکتی ہے۔

قال العلامة ابن عابدینؒ: ولھا منعه عن الوطء والسفر بھا ولو بعد وطء وخلوة رضیتھما لاخذ مابین تعجیله او قدر مایعجل لمثلھا عرفًا وان لم یؤجل قال الحصکفیؒ: به یفتی لان المعروف کالمشروط۔ (ردالمحتار ج۲ ص۳۸۹ باب المھر) [2]

رخصتی سے قبل شوہر کی وفات پر عورت پورے مہر کی حقدار ہے

سوال:۔ اگر کسی عورت کا شوہر رخصتی سے قبل وفات پا جائے تو کیا عورت پورے مہر کی حقدار ہوگی یا نہیں؟

---

[1] قال العلامة ابن عابدینؒ: واما المسمی فانما قام مقامه للتراضی به ثم عرف المھر فی العنایة بانه اسم للمال الذی یجب فی عقد النکاح علی الزوج فی مقابلة البضع اما بالتسمیة او بالعقد۔
(ردالمحتار ج۲ ص۳۵۷ باب المھر)

ومثله فی الھندیة ج۱ ص۳۰۳ الفصل الثانی فیما یتاکد به المھر والمتعة۔

[2] قال العلامة ابوبکر الکاسانیؒ: اذا کان المھر معجلاً بان تزوجھا علی صداق عاجل او کان مسکوتًا عن التعجیل والتاجیل لاحکم المسکوت حکم المعجل لان ھذا عقد معاوضة فیقتضی المساواة من الجانبین والمرأة لمیت حق الزوج فیجب ان یعین الزوج حقھا وانما یتعین بالتسلیم۔
(بدائع الصنائع ج۲ ص۲۸۸ فصل واما بیان مایجب به المھر وبیان وقت وجوبه)

الجواب:۔ موت ایک ایسا حادثہ ہے کہ جس کی وجہ سے مہر متأکد ہو جاتا ہے، لہٰذا صورتِ مسئولہ کے مطابق اگر رخصتی سے قبل کسی عورت کے شوہر کا انتقال ہو جائے تو عورت بوقت نکاح مقرر کردہ پورے مہر کی حقدار ہے۔

قال العلامة الحصکفیؒ: ویتأکد عند وطء او خلوة صحت من الزوج او موت احدهما۔ الخ (الدر المختار علیٰ هامش رد المحتار ج۲ ص۳۵۸ باب المهر) [1]

بیٹی کے حق مہر کی رقم سے جہیز کا سامان خریدنا

سوال: بعض علاقوں میں رواج ہے کہ باپ بیٹی کا مہر لے کر اس سے بیٹی کے لیے جہیز کا سامان خریدتا ہے، کیا ایسا کرنا شرعاً جائز ہے؟

الجواب:۔ مہر کی رقم سے بیٹی کے لیے جہیز کا سامان خریدنا جائز ہے اور یہ سامان لڑکی کی ذاتی ملکیت تصور ہوگا، باپ کے اس قبضے سے شوہر کا ذمہ فارغ ہو جائے گا۔

قال ابن عابدینؒ: وفیها قبض الاب المهر وهی بالغة اولا وجهزها او قبض مکان المهر عینا لیس لها ان لا تجیز لان ولایة قبض المهر الی الاباء وکذا التصرف فیها۔ (ردّ المحتار ج۲ ص۵۰۸ باب المهر قبیل باب النکاح الرقیق) [2]

جہیز کی شرعی حیثیت

سوال:۔ جناب مفتی صاحب! آجکل ہم اکثر لوگوں سے یہ الفاظ سنتے رہتے ہیں کہ جہیز کی لعنت ہمارے سروں پر سوار ہے۔ تو کیا واقعی ایک لعنت ہے؟ شریعت میں اس کا کوئی ثبوت ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ ایک باپ جب اپنی بیٹی کے لیے کہیں شادی کا ارادہ رکھتا ہو تو سنت یہ ہے کہ اپنی وسعت کے مطابق کچھ نہ کچھ سامان بیٹی کو جہیز میں دینا چاہیئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کو شادی کے موقع پر جہیز دیا تھا۔ تاہم اپنی وسعت سے زیادہ کام کرنا مناسب نہیں۔

---

[1] قال فی الهندیة: والمهر یتأکد باحد معان ثلاثة الدخول والخلوة الصحیحة وموت احد الزوجین۔ (الفتاویٰ الهندیة ج۱ ص۳۰۳ الفصل الثانی فیما یتأکد به المهر والمتعة)

[2] قال العلامة المفتی عزیز الرحمٰنؒ: لڑکی کے سامان کے لیے باپ کو مہر کا کچھ حصہ لے کر اس میں صرف کرنا جائز ہے۔ (فتاویٰ دار العلوم دیوبند ج۸ ص۲۴۳ مسائل واحکام مہر)

عن عَلیؓ: انّ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لما زوّجہ فاطمۃؓ بعث معہا بخمیلۃ ووسادۃ اُدمٍ حشوھا لیف ورحائین وسقائین ...... الحدیث (الاصابۃ ج۴ ص۳۷۹)

حضرت علیؓ سے روایت ہے آپ فرماتے ہیں جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہؓ کی شادی میرے ساتھ کی تو جہیز میں ساتھ ایک چادر اور ایک گدا جس کے اندر کھجور کے پتے بھرے تھے اور دو چکیاں اور دو مشکیں بھیجی تھیں۔ (امداد الاحکام جلد۲ ص۳۷۱ باب المہر) لہ

جہیز کے سامان کی ملکیّت کا حکم

سوال:۔ لڑکی کے والدین جو جہیز کا سامان اپنی بیٹی کو شادی کے موقع پر دیتے ہیں، یہ سامان کس کی ملکیت ہے؟ لڑکی کی یا شوہر کی؟

الجواب: یہ تو جہیز کا سامان دینے والے کی نیّت پر موقوف ہے، اگر اُس نے لڑکے کو دیا ہو تو اسی کی ملکیت ہے اور اگر لڑکی کو دیا ہو تو اُس کی ملکیت ہے۔ چونکہ یہ سامان لوگ عموماً اپنی بیٹی کو دیتے ہیں اسلیئے عدم نیّت کی صورت میں یہ سامان لڑکی کا متصور ہوگا۔

قال فی الھندیۃ: لو جھز ابنتہ وسلمہ الیھا لیس لہٗ فی الاستحسان استردادہ وعلیہ الفتوٰی..... واذا بعث الزوج الی اھل زوجتہ اشیاء عند زفافھا منھا دیباج فلمّا زفت الیہ اراد ان یسترد من المرأۃ الدیباج لیس لہٗ ذٰلک اذا بعث الیھا علیٰ جھۃ التملیک کذا فی الفصول العمادیۃ۔ (الفتاوٰی الھندیۃ ج ا ص۳۲۷ الفصل السادس عشر فی جھاز البنت) ۲ہ

لہ عن علیؓ رضی اللہ عنہ قال، جھز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فاطمۃؓ فی خمیل وقربۃ ووسادۃ حشوھا اذخر۔ (سنن النسائی ج ۲ ص۹۲ جھاز الرجل ابنتہ)

۲ہ وقال العلامۃ ابن عابدین رحمہ اللہ: "سُئل" فیما اذا زوّجا بنتھما البالغۃ وجھزھا بجھاز سلماہ منھا فی صحتھما ثم ماتا عنھا وعن ورثۃ غیرھا یریدون قسمۃ الجھاز بینھم مع البنت فھل لیس لہٗ ذٰلک۔ الجواب "نعم"

(تنقیح الحامدیۃ ج ا ص۲۶ مسائل الجھاز)

ومثلہٗ فی جامع الفصولین جلد ۱ ص۱۹۲ فی الفصل العشرون فی دعوی النکاح۔

مہر معاف کرنے کے بعد دوبارہ مطالبہ کرنا

سوال:۔ یہاں ہمارے گاؤں میں ایک عورت نے شوہر کو اپنا حق مہر معاف کر دیا تھا، اب کسی گھریلو ناچاقی کی وجہ سے نوبت طلاق تک پہنچ گئی ہے، تو کیا یہ عورت، دوبارہ اپنے مہر کا مطالبہ کر سکتی ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ جب کوئی عورت برضا و رغبت ایک مرتبہ اپنا حق مہر معاف کر دے تو اس کو دوبارہ مطالبہ کا حق حاصل نہیں رہتا، اس لیے صورتِ مسئولہ میں عورت کا دوبارہ مطالبہ کرنا صحیح نہیں۔

وفی الهندیة:۔ للمرأة ان تهب مالها لزوجها من صداق دخل بها زوجها أو لم یدخل ولیس لاحد من اولیائها اب ولا غیره الاعتراض علیها۔ (الفتاوی الهندیة ج۱ ص۳۱۶ الباب السابع فی المهر، الفصل الثانی عشر فی هبة المهر)[1]

مہر معاف کرنے پر اولیاء کا اعتراض کرنا

سوال:۔ کیا عورت اپنے شوہر کو حق مہر معاف کر سکتی ہے یا نہیں؟ اگر کر سکتی ہے تو کیا معاف کرنے کے بعد عورت کے باپ یا دیگر رشتہ داروں کا اعتراض معتبر ہوگا یا نہیں؟

الجواب:۔ شریعتِ اسلامی میں عورت اپنے مہر کی خود مالکہ ہے وہ اسکو جس طرح استعمال کر سکتی ہے چاہے شوہر کو معاف کرے یا کسی اور کو ہدیہ دیدے، باپ یا کسی اور رشتہ دار کو اعتراض کا کوئی حق نہیں ہے۔

وفی الهندیة:۔ للمرأة ان تهب مالها لزوجها من صداق دخل بها زوجها او لم یدخل ولیس لاحد من اولیائها اب ولا غیره الاعتراض علیها۔ (الفتاوی الهندیة ج۱ ص۳۱۶ الباب السابع فی المهر، الفصل الثانی عشر فی هبة المهر)[2]

خلوتِ صحیحہ کے بعد نامرد شوہر کامل مہر دے گا

سوال:۔ جناب مفتی صاحب! ہمارے گاؤں میں چند سال قبل ایک لڑکے کی شادی ہوئی، شادی کے بعد وہ نامرد ثابت ہوا جبکہ عورت نے رات کے وقت اپنے آپ کو

---

[1] و [2] قال العلامة الحصکفی رحمه الله: (وصح حطها) لکله او بعضه (عنه) قبل او لا الخ
قال العلامة ابن عابدین رحمه الله:۔ تحت هذه العبارة (وصح حطها) وقید بحطها لأن حط ابیها غیر صحیح لو صغیرة ولو کبیرة توقف علی اجازتها ولا بد من رضاها۔ (الدر المختار مع رد المحتار ج۳ ص۱۱۳ باب المهر، مطلب فی حط المهر والابراء منه)
وَمِثْلُهٗ فی الهدایة ج۲ ص۳۰۵ باب المهر۔

شوہر کے حوالے کر دیا تھا، تو کیا اب طلاق کے بعد عورت کو نصف مہر ملے گا یا کامل ؟

الجواب :۔ مہر کی تاکید صرف دخول پر موقوف نہیں بلکہ عورت کا اپنے آپ کو شوہر کے حوالے کرنے پر بھی مہر مؤکد ہو جاتا ہے، صورتِ مسئولہ میں چونکہ عورت نے اپنے آپ کو شوہر کے حوالے کیا ہے اس لیے وہ کامل مہر کی حقدار ہے۔

وفی الهندیة : وخلوة المجبوب خلوة صحیحة عند ابی حنیفة وخلوة العنین والخصی خلوة صحیحة ۔ (الفتاوی الهندیة ج ۱ ص۳۰۵ الباب السابع فی المهر، الفصل الثانی فیما یتأکد به المهر والمتعة) [1]

تجھے خُلع دیا ہے، سے سقوطِ مہر کا حکم

سوال :۔ اگر شوہر اپنی بیوی سے یہ الفاظ کہے کہ میں نے تجھے خلع دیا ہے مگر عوضِ خلع ذکر نہیں کیا، اور عورت اُس کو قبول کرلے تو کیا اس سے مہر ساقط ہو جائے گا یا نہیں ؟

الجواب :۔ خلع سے چونکہ میاں بیوی کے حقوق ساقط ہو جاتے ہیں، اب اگر عورت نے اپنا مہر وصول نہ کیا ہو تو خلع قبول کر لینے سے اس کا حقِ مہر شوہر کے ذمّے سے ساقط ہو جائے گا اور اگر وصول کیا ہو تو اس خلع کے عوض کچھ لازم نہ ہوا اور نہ عورت پر مہر واپس کرنا لازم ہے اسلئے کہ سوال میں بدلِ خلع مذکور نہیں۔

وفی الهندیة : واذا خالعها علیٰ مالٍ مسمی معروف سوی الصداق فان کانت المرأة مدخولاً بها والمهر مقبوضاً فانها تسلم الی الزوج بدل الخلع ولا یتبع احدهما صاحبه بعد الطلاق بشیٔ وان کان المهر غیر مقبوض فالمرأة تسلم الی الزوج بدل الخلع ولا ترجع علی الزوج بشیٔ من المهر الخ ۔ (الفتاوی الهندیة ج ۱ ص۴۸۹ الباب الثامن فی الخلع ...الخ) [2]

---

[1] قال العلامة برهان الدین المرغینانی رحمه الله ، واذا خلا المجبوب بامرأته ثم طلّقها فلها کمال المهر عند ابی حنیفة ؒ وقال علیه نصف المهر لانه اعجز من المریض بخلاف العنین.... لان الحکم ادیر علی سلامة الالة ۔ الخ

(الهدایة ج ۲ ص۳۰۶ باب المهر)

وَمِثْلُهٗ فی الدر المختار مع رد المحتار ج ۳ ص۱۱۸ تا ۱۲۷ باب المهر مطلب فی احکام الخلوة ۔

[2] قال العلامة قاضیخان ؒ : واما حکم المهر فان کانت المرأة مدخولة فقد قبضت المهر یلزمها البدل ولا یرجع احدهما علی صاحبه بشیٔ فی قولهم ۔ (فتاوی قاضیخان ج ۲ ص۲۵۶ باب الخلع)

وَمِثْلُهٗ فی خلاصة الفتاوی ج ۲ ص۱۰۱ الفصل الثالث فی الخلع ۔

لڑکے والوں سے شادی کا خرچہ لینا

سوال:۔ بعض لوگ لڑکی کا رشتہ دینے کے بعد لڑکے والوں سے مختلف رسومات کے نام پر شادی کا خرچہ وغیرہ لیتے ہیں، تو کیا شرعاً ایسا کرنا جائز ہے؟

الجواب:۔ عقدِ نکاح میں لڑکی دینے کی وجہ سے لڑکے یا اس کے رشتہ داروں سے رسومات کے بہانے شادی بیاہ کا خرچہ لینا ناجائز اور حرام ہے، اگر پیسے لیے ہوں تو واپس کرنا لازمی ہے، تاہم اس سے نکاح متاثر نہیں ہوتا۔

قال العلامة ابن عابدین رحمه الله: ومن اسخت ما یأخذه الصهر من الختن بسبب بنته بطیب نفسه حتی لو کان بطلبه یرجع الختن۔

(ردّ المحتار ج ۵ ص۳۰۱ کتاب الحظر والاباحة، فصل فی البیع) [۱]

حق مہر کی قسمیں

سوال:۔ جناب مفتی صاحب! مہر کی کتنی قسمیں ہیں؟

الجواب:۔ شریعتِ مقدسہ میں حق مہر کی دو قسمیں بیان کی گئی ہیں:۔

(۱) **مہرمسمّٰی**: یہ وہ مہر ہے جو زوجین یا ان کے وکلاء نکاح کرتے وقت باہمی رضامندی سے مقرر کرتے ہیں۔

(۲) **مہرمثل**: یہ وہ مہر ہے جو عورت کے خاندان کی دیگر عورتوں مثلاً سگی بہنوں، پھوپھیوں اور چچازاد بہنوں کے مہر کے برابر مقرر کیا جائے۔ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اصل مہر مہرِ مثل ہے۔

قال الشیخ وهبة الزحیلی: المهر عند الفقهاء نوعان مهر مسمّٰی ومهر مثل۔ اما المهر المسمّٰی فهو ما سمی فی العقد او بعد بالتراضی..... اما مهر المثل فقد حدد الحنفیة بانه مهر امرأة تماثل الزوجة وقت العقد من جهة ابیها لا امها ان لم تکن من قوم ابیها کاختها وعمتها وبنت عمها فی بلدها وعصرها۔

(الفقه الاسلامی وادلته ج۷ ص۲۶۶ رابعاً انواع المهر)

---

[۱] قال العلامة الحصکفیؒ: اخذ اهل المرأة شیئاً عند التسلیم فللزوج ان یسترده لانه رشوة۔
(الدر المختار علی هامش ردالمحتار ج۲ ص۳۹۶ مطلب انفق علی معتدة الغیر)
ومثله فی الهندیة ج۱ ص۳۲۷ الفصل السادس عشر فی جهاز البنت۔

حق مہر خاوند کے ذمہ واجب ہے

سوال:- نکاح باندھتے وقت اگر بالغ لڑکے کا باپ حق مہر میں مقرر شدہ مال کی ادائیگی کا وعدہ کرے مگر ناداری اور غربت کی وجہ سے ادا نہ کر سکے تو کیا خاوند کے ذمے مہر دینا واجب ہے یا نہیں ؟

الجواب:- صراحتاً یا عرفاً لڑکے کی طرف سے اجازت کی صورت میں مذکورہ حق مہر اس کے ذمہ واجب الادا ہے، حق مہر کی ادائیگی کا اصل ذمہ دار خاوند ہے، تاہم اگر باپ نے بیٹے کی جگہ حق مہر میں کوئی چیز دے دی تو وہ حق مہر شمار ہوگا خاوند پر دوبارہ ادائیگی ضروری نہیں، اور اگر باپ وعدہ کر کے نہ دے سکے تو خاوند پر لازمی ہے کہ مقرر شدہ حق مہر ادا کرے۔

قال ابن نجیمؒ: أما ولی الزوج الکبیر فهو وکیل عنه کالاجنبی وکالته علیه وکالة استحبابا وحکم ضمان مهره کحکم ضمان الاجنبی فان ضمن عنه باذنه رجع والافلا۔ (البحر الرائق ج ۳ ص۱۲۵ باب المهر) ؎۱

حق مہر کے بغیر نکاح کا حکم

سوال:- نکاح کے انعقاد کے وقت اگر ایجاب وقبول کے دوران حق مہر مقرر مقرر نہ کیا جائے تو کیا اس صورت میں نکاح شرعاً درست ہے یا نہیں؟

الجواب:- حق مہر کا تقرر ضروریاتِ نکاح میں سے ہے رکن نہیں، لہٰذا اگر مجلس نکاح میں گواہوں کے سامنے شرعی طریقہ پر نکاح پڑھایا گیا ہو تو اگرچہ اس میں مہر کا ذکر نہ کیا جائے تب بھی نکاح درست ہے لیکن خاوند کے ذمہ دخول کے بعد مہر مثل کی ادائیگی لازم ہے۔

قال ابن نجیمؒ: (تحت قوله الماتن) صح النکاح بلا ذکره لأن النکاح عقد انضمام وازدواج لغة فیتم بالزوجین ثم المهر واجب شرعاً ابانة لشرف المحل فلا یحتاج إلی ذکره لصحة النکاح .... وذکر الأکمل والکمال أنه لا خلاف لاحد فی صحته بلا ذکر المهر۔ (البحر الرائق ج ۳ ص۱۴۲ باب المهر) ؎۲

؎۱ قال فی الهندیة: ویرجع الولی بعد الأداء علی الزوج إن ضمن بأمره هٰکذا فی التبیین۔

(الفتاویٰ الهندیة ج ۱ ص۳۲۶ الفصل الرابع عشر فی ضمان المهر)

ومثله فی الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۲ ص۱۴۱ باب المهر مطلب فی ضمان الولی المهر۔

؎۲ قال العلامة العثمانیؒ: عن علقمة قال أتی عبد الله فی إمرأة تزوجها رجل ثم مات عنها ولم یفرض لها صداقا ولم یکن دخل قال فاختلفوا إلیه فقال أری لها مثل مهر نسائها ثم ذکر أن معقل بن سنان الأشجعی شهد أن النبی صلی الله علیه وسلم قضی فی واقعة مثل ما قضیت۔ رواه الخمسة وصححه الترمذی۔ (اعلاء السنن ج ۱۱ ص۸۶) وقال فی الهندیة: وان تزوجها ولم یسم لها مهرا أو تزوجها علی أن لا مهر لها فلها مهر مثلها إن دخل بها أو مات عنها۔

(الفتاویٰ الهندیة ج ۱ ص۳۰۴ الفصل الثانی فیما یتأکد به المهر والمتعة)

ومثله فی بدائع الصنائع ج ۲ ص۲۷۴ فصل ان لا یکون مجهولا جهالة۔

مقررشدہ حق مہر میں اضافہ کرنا جائز ہے

سوال:۔ اگر خاوند کی طرف سے مقررشدہ حق مہر میں کوئی اضافہ ہو جائے تو کیا عورت اس اضافے کی حقدار ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ حق مہر میں اضافہ اور کمی دونوں شرعاً جائز ہیں اس لیے بیوی کے قبول کرنے کی صورت میں خاوند کی طرف سے مقررشدہ مہر میں اضافہ درست اور نافذ ہے اور عورت اس کی مالکہ متصور ہوگی۔

قال فی الھندیة: الزیادة فی المھر صحیحة حال قیام النکاح عند علمائنا الثلاثة۔ کذا فی المحیط فاذا زادھا فی المھر بعد العقد لزمته الزیادة۔ کذا فی السراج الوھاج: ھذا اذا قبلت المرأة الزیادة سواء کانت من جنس المھر أو لا من زوج أو من ولی کذا فی النھر الفائق۔ (الفتاوی الھندیة ج۱ ص۳۱۲ الفصل السابع فی الزیادة فی المھر۔الخ) ؎۱

خاوند سے حق مہر کے علاوہ لیے گئے مال کا حکم

سوال:۔ شادی سے پہلے لڑکی والوں کا لڑکے سے حق مہر کے علاوہ کچھ روپیہ وغیرہ لینا شرعاً کیسا ہے؟ کیا لڑکا شادی کے بعد یا پہلے اس کی واپسی کا مطالبہ کرسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ شادی سے پہلے لڑکی کے والدین یا دوسرے اولیاء کے لیے حق مہر کے علاوہ لڑکے سے نقدی یا جنس کی شکل میں کچھ لینا حرام اور ناجائز ہے، ایسا مال لڑکے کی ملکیت ہے اور وہ کسی وقت بھی اس کی واپسی کا مطالبہ کرسکتا ہے۔

قال الحصکفیؒ: اخذ اھل المرأة شیئاً عند التسلیم فللزوج أن یستردہ لانه رشوة۔
(الدرالمختار علی صدر ردالمحتار ج۳ ص۱۵۶ آخر باب المھر) ؎۲

؎۱ قال العلامة ابن نجیم المصری رحمه الله: ودل وضع المسئلة علی جواز الزیادة فی المھر بعد العقد وھی لازمة له بشرط قبولھا فی المجلس علی الأصح۔ (البحرالرائق ج۳ ص۱۴۸ باب المھر)

؎۲ قال فی الھندیة: ولو اخذ أھل المرأة شیئاً عند التسلیم فللزوج ان یستردہ لأنه رشوة۔ (الفتاوی الھندیہ ج۱ ص۳۲۷ الفصل السادس عشر فی جھاز البنت)

ومثله فی البحرالرائق ج۳ ص۱۸۶،۱۸۷ باب المھر۔

حصولِ مہر کیلئے عورت اپنے آپ کو خاوند سے روک سکتی ہے

سوال:۔ حق مہر حاصل کرنے کے لیے عورت اپنے آپ کو خاوند کے سپرد کرنے سے روک سکتی ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ اگر خاوند بیوی کو مہر معجل ادا نہ کرے تو مہر کے حصول کے لیے عورت اپنے آپ کو اُس وقت تک خاوند سے روک سکتی ہے جب تک وہ اُسے مہر ادا نہ کر دے۔

قال فی الهندية: فی کل موضع دخل بها أو صحت الخلوة وتأکد کل المهر لو أرادت أن تمنع نفسها لاستيفاء المعجل لها ذلك عندہ خلافاً لهما.... وقبل تسليم النفس لها ذلك بالاجماع۔ (الفتاوی الهندية ج ۱ ص۳۱۷ الفصل الحادی عشر فی منع المرأة نفسها بمهرها) [1]

حق مہر قسط وار ادا کرنا جائز ہے

سوال:۔ اگر مہر کی مقدار زیادہ ہو کہ خاوند کیلئے یکمشت ادا کرنا مشکل ہو تو کیا اس کیلئے قسط وار ادا کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ اگر عقدِ نکاح کے وقت تمام مہر یا بعض کا مؤجل یا معجل (یکمشت یا قسطوار) دینے کا فیصلہ ہوا ہو تو اس کے موافق عمل کرنے میں کوئی حرج نہیں۔

قال الحصکفیؒ:۔ ان لم یؤجل أو یعجل کله فکما شرط لأن الصریح یفوق الدلالة۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۳ ص۱۴۴ مطلب زمان الولی) [2]

---

[1] قال ابن عابدین رحمه الله: تحت قول الماتن ولها منعه من الوطء وکذا الولی الصغيرة المنع المذکور حتی یقبض مهرها۔ (رد المحتار ج ۳ ص۱۴۳ مطلب فی منع الزوجة نفسها لقبض المهر)

وَمِثْلُهٗ فی بدائع الصنائع ج ۲ ص۲۸۸ فصل یجب به المهر۔

[2] قال فی الهندية: وإن بینوا قدر المعجل یعجل ذلك وإن لم یبینوا شیئاً ینظر إلی المرأة وإلی المهر المذکور فی العقد أنه کم یکون المعجل لمثل هذہ المرأة من مثل هذا المهر فیعجل ذلك معجلا ولا یتقدر بالربع ولا بالخمس وإنما ینظر إلی المتعارف وإن شرطوا فی العقد تعجیل کل المهر یجعل الکل معجلاً ویترك العرف۔ (الفتاوی الهندية ج ۱ ص۳۱۸ الفصل الحادی عشر فی منع المرأة نفسها)

وَمِثْلُهٗ فی البحر الرائق ج ۳ ص۱۷۹ باب المهر۔

تقلیلِ مہر مندوب ہے

سوال:۔ مہر میں کیا معیار ہونا چاہیئے، بعض علاقوں میں زیادہ مہر مقرر کرنا بڑائی اور عظمت وشرافت کی علامت سمجھا جاتا ہے جبکہ کئی علاقوں میں تقلیلِ مہر ثواب سمجھا جاتا ہے؟

الجواب:۔ لڑکے کی مالی حالت کو مدِنظر رکھ کر مہر مقرر کرنا چاہیئے، اگر لڑکے کی غربت معلوم ہونے کے باوجود زیادہ مہر مقرر کر دیا جائے تو یہ لڑکے پر بے جا بوجھ لادنے کے مترادف ہے تاہم زیادہ سے زیادہ کے لیے کوئی خاص حد مقرر نہیں پھر بھی مہر ایسا ہونا چاہیئے جس کی ادائیگی لڑکے کے دائرہ اختیار میں ہو۔

عن عائشۃ رضی اللہ عنہا أن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم إن أعظم النکاح برکۃ أیسرہ مؤنۃ۔ رواہ احمد (اعلاء السنن ج ۱۱ ص ۸۹ کتاب النکاح) [1]

تحدیدِ مہر جائز نہیں

سوال:۔ کیا حاکم وقت یا علاقے کے بڑوں کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ مہر کثیر کی حد مقرر کریں کہ مثلاً کوئی بھی دس ہزار روپے سے زیادہ مہر نہیں باندھ سکتا، اور یہ اسلئے کیا جائے کہ لوگ مغالاۃ فی المہور مہروں میں زیادتی سے باز آجائیں؟

الجواب:۔ مہر کی حد اکثر اور تحدید قرآن وحدیث کی کسی دلیل سے ثابت نہیں بلکہ بعض آیاتِ کریمہ سے تکثیر اور بعض دلائل سے اس کا اطلاق معلوم ومفہوم ہوتا ہے، لہٰذا حاکم وقت یا اہل حل وعقد کیلئے جائز نہیں کہ وہ مہر کی تحدید کریں، تاہم ذرائع ابلاغ بطورِ علم ووعظ عوام کے اندر اسکی تقلیل کی مسنونیت پر ترغیب دیں اور صاحبِ اقتدار طبقہ، علماء وحکام اس کا عملی نمونہ پیش کریں۔

قال اللہ سبحانہ وتعالیٰ: وَاٰتَیْتُمْ اِحْدٰىهُنَّ قِنْطَارًا فَلَا تَاْخُذُوْا مِنْهُ شَیْئًا وَ اٰتُوا النِّسَآءَ صَدُقٰتِهِنَّ نِحْلَةً ؕ وَاُحِلَّ لَكُمْ مَّا وَرَآءَ ذٰلِكُمْ اَنْ تَبْتَغُوْا بِاَمْوَالِكُمْ مُّحْصِنِیْنَ غَیْرَ مُسٰفِحِیْنَ (سورۃ النساء) [2]

---

[1] وعن عائشۃ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال إن من یمن المرأۃ تیسیر خطبتہا وتیسیر صداقہا وتیسیر رحمہا، اخرجہ الحاکم وغیرہ بسند حسن قالہ الالبانی (سلسلۃ الاحادیث الضعیفۃ ج ۳ ص ۲۲۳)

ومثلہ رواہ احمد واصحاب السنن الاربعہ والدارمی عن عمر رضی اللہ عنہ۔ (مشکوٰۃ المصابیح ج ۲ ص ۲۷۷)

[2] قال الشیخ وھبۃ الزحیلی: وقد ثبت إمرأۃ الی صحۃ الآیۃ حینما اراد عمر بن الخطاب تحدید المھور فنھی ان یزاد فی الصداق علی اربعمأۃ درھم وخطب الناس فیہ..... فقالت لہ إمرأۃ من قریش بعد نزولہ من علی المنبر لیس ذلک إلیک یا عمر، فقال ولم؟ قالت لأن اللہ تعالیٰ یقول وآتیتم إحداھن قنطارا فلا تاخذوا منہ شیئا أتاخذونہ بھتانا وإثما مبینا، فقال عمر امرأۃ اصابت ورجل اخطاء۔ ورواہ ابو یعلی فی الکبیر فقال اللھم غفرا کل الناس أفقہ من عمر ثم رجع فرکب المنبر فقال ایھا الناس انی کنت نھیتکم أن تزیدوا النساء فی صدقاتھن علی اربعمأۃ درھم فمن شاء أن یعطی من مالہ ما أحب۔ (الفقہ الاسلامی وادلتہ ج ۷ ص ۲۵۶)

ومثلہ فی الفتاوی الاسلامیۃ ج ۲ ص ۳۳۳ وابحاث ھیئۃ کبار العلماء ج ۲ ص ۳۰۹

جہیز کس کا حق ہے؟

سوال:۔ شادی کے وقت جو مال، سامان وغیرہ والدین لڑکی کے ساتھ اُس کے شوہر کے گھر بھیجتے ہیں یہ کس کا حق ہے؟ شوہر کا یا بیوی کا؟

الجواب:۔ والدین کی طرف سے شادی کے وقت جو سامان وغیرہ لڑکی کو دیا جاتا ہے اس کی اصل حقدار لڑکی ہی ہے خاوند کا اُس سامان کے ساتھ کچھ تعلق واسطہ نہیں۔

قال فی الهندية: لوجهز ابنته وسلمه اليها ليس له فی الاستحسان استرداده منها و عليه الفتوٰی۔ (الفتاوٰی الهندية ج ۱ ص۳۲۷ الفصل السادس عشر فی جهاز البنت) [1]

مُطلقہ مہر کی حقدار ہے

سوال:۔ ایک آدمی نے اپنی مدخولہ بیوی کو فاحشہ ہونے کی وجہ سے طلاق دے دی، تو کیا یہ عورت اب مہر کی حقدار ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ دخول سے مہر مؤکد ہو جاتا ہے اس لیے بعد ازاں طلاق دینے سے حق مہر پر کوئی اثر نہیں پڑتا، مطلقہ عورت شرعاً مہر کی حقدار ہے طلاق خواہ کسی بھی وجہ سے دی گئی ہو۔

قال فی الهندية: والمهر يتأكد بأحد معان ثلاثة، الدخول والخلوة الصحيحة وموت احد الزوجين سواء كان مسمى أو مهر المثل حتى لا يسقط منه شئ بعد ذلك الا بالإبراء من صاحب الحق۔ (الفتاوٰی الهندية ج ۱ ص۳۰۴ الباب السابع فی المهر) [2]

خاوند کے مرنے کے بعد بھی بیوہ مہر کی حقدار ہے

سوال:۔ بعض علاقوں میں یہ رسم ہے کہ اگر خاوند مر جائے اور اس کی بیوہ کسی دوسری جگہ شادی کرے تو اس کو پہلے خاوند سے مہر نہیں دیا جاتا کیا یہ شرعاً درست ہے؟

---

[1] قال العلامة الحصکفیؒ: جهز ابنته بجهاز وسلمها ذلك ليس له الاسترداد ولا لورثته بعده ان سلمها ذلك فی صحته بل تختص به۔ (الدر المختار علیٰ صدر رد المحتار ج ۳ ص۱۶۵ مطلب النفق علیٰ معتدة الغير)

وَمِثْلُهٗ فی البحر الرائق ج ۳ ص۱۸۵ باب المهر۔

[2] قال الحصکفیؒ: ويتأكد عند وطأ وخلوة صحت من الزوج أو موت أحدهما۔

(الدر المختار علیٰ صدر رد المحتار ج ۳ ص۱۰۲ باب المهر)

وَمِثْلُهٗ فی البحر الرائق ج ۳ ص۱۴۳ باب المهر۔

الجواب: نکاح کے انعقاد کے بعد خاوند کے فوت ہو جانے سے بیوی کا حق مہر مؤکد ہو جاتا ہے اسلئے بیوہ مہر کی حقدار ہے خواہ وہ دوسری جگہ شادی کرے یا نہ کرے۔

قال فی الہندیۃ: والمہر یتأکد باحد معان ثلاثۃ الدخول والخلوۃ الصحیحۃ وموت احد الزوجین سواء کان مسمّی او مہر المثل حتی لا یسقط منہ شیء بعد ذٰلک الا بالابراء من صاحب الحق۔ (الفتاویٰ الہندیۃ ج ۱ ص ۳۰۴ الباب السابع فی المہر) ؎۱

طلاق قبل الدخول میں مہر کی مقدار

سوال: ایک منکوحہ عورت کو رخصتی سے پہلے طلاق دی گئی تو یہ عورت کتنے مہر کی حقدار ہے؟

الجواب: اگر کسی منکوحہ عورت کو خلوتِ صحیحہ اور جماع سے پہلے طلاق دی جائے تو وہ عورت مقررشدہ مہر کے نصف کی حقدار ہے۔

قال العلامۃ الحصکفیؒ: ویجب نصفہ بطلاق قبل وطء او خلوۃ فلو کان علی ما قیمتہ خمسۃ کان لہا نصفہ۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۲ ص ۱۰۴ باب المہر) ؎۲

مہر دینے کے لیے باپ کا بیٹے کی طرف سے ضامن ہونا

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ اگر کسی کا باپ گواہوں کے سامنے بیٹے کے حق مہر کی ادائیگی کا وعدہ کرے اور گواہوں کے سامنے دستخط بھی کر دے تو بیٹے کی وفات کی صورت میں لڑکی یا اُسکے والدین لڑکے کے باپ سے مہر کا مطالبہ کر سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب: صورتِ مذکورہ میں باپ بیٹے کی طرف سے مہر کا ضامن ہے اگر عورت مہر معاف نہیں کرتی تو اس کے شوہر کے انتقال کے بعد عورت یا اس کے والدین لڑکے کے باپ سے مہر کا مطالبہ کر سکتے ہیں۔

قال العلامۃ الحصکفیؒ: وتطالب ایّاً شاءت من زوجہا البالغ او الولی الضامن۔ (الدر المختار علی ہامش رد المحتار ج ۲ ص ۳۸۷ باب المہر) ؎۳

؎۱ قال العلامۃ الحصکفیؒ: ویتأکد عند وطء او خلوۃ صحت من الزوج او موت احدہما۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۳ ص ۱۰۲ باب المہر) — ومثلہ فی البحر الرائق ج ۳ ص ۱۴۳ باب المہر۔

؎۲ قال النسفیؒ: وبالطلاق قبل الدخول یتنصف۔ (کنز الدقائق علی ہامش البحر الرائق ج ۳ ص ۱۴۴ باب المہر)

؎۳ قال العلامۃ المرغینانیؒ: واذا ضمن الولی المہر صح ضمانہ ثم المرأۃ بالخیار فی مطالبتہا زوجہا او ولیہا الخ۔ (الہدایۃ ج ۲ ص ۳۱۳ باب المہر)

باب الاولیاء والاکفاء

(ولایت اور کفو کے مسائل واحکام)

قریشی سادات کے کفو ہیں

سوال:۔ کیا غیر سید قریشی سادات کے کفو ہیں یا نہیں؟

الجواب:۔ قریش کے جملہ خاندان یعنی شعوب آپس میں برابر ہیں کسی کو دوسرے پر نکاح کے معاملے میں کوئی فوقیت حاصل نہیں، اس لیے قریشی سادات کا نکاح غیر سید قریشی سے جائز ہے۔

قال ابن عابدینؒ: (تحت قول الحصکفیؒ) وقریش بعضہم اکفاء بعض أشار بہ الیٰ أنہ لاتفاضل فیما بینہم من الھاشمی والنوفلی والتیمی والعدوی وغیرھم ولھٰذا ازوج علی وھو ھاشمی ام کلثوم بنت فاطمۃ لعمر وھو عدوی۔ (ردالمحتار ج۳ ص۸۶ باب الاکفاء) [1]

غیر عالم کا عالم دین کی لڑکی سے نکاح کرنا

سوال:۔ کسی عالم دین یا پیش امام کی لڑکی سے غیر عالم کا نکاح کرنا کیسا ہے؟ کیا جاہل آدمی عالم دین کی بیٹی کا کفو ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ علم یا جہالت کفو بننے کی صفات نہیں، اس لیے اگر کفایت کے دیگر اقسام موجود ہوں تو ولی کی رضامندی سے غیر عالم عالم دین کی بیٹی سے نکاح کر سکتا ہے۔

قال العلامہ الکاسانیؒ:۔ لأن فی الکفاءۃ حقاً للاولیاء لانہم ینتفعون بذٰلک ..... ولوکان التزویج برضاھم یلزم حتیٰ لایکون لہم حق الاعتراض۔ (بدائع الصنائع ج۲ ص۳۱۸ فصل فی النکاح الذی الکفاءۃ) [2]

---

[1] قال فی الھندیۃ: وقریش بعضہم اکفاء لبعض کیف کانوا حتیٰ ان القرشی الذی لیس بھاشمی کفاء للھاشمی۔ (الفتاویٰ الھندیۃ ج۱ ص۲۹۰ الباب الخامس فی الاکفاء)

وَمِثْلُہٗ فی البحرالرائق ج۳ ص۱۳۰ ج۳ ص۱۳۰ فصل فی الاکفاء۔ و بدائع الصنائع ج۲ ص۳۱۹۔

[2] قال ابن نجیمؒ: تحت قول النسفیؒ ورضاء البعض کالکل أی ورضاء بعض الاولیاء المستویین فی الدرجۃ کرضاء کلہم حتیٰ لایتعرض أحد منہم بعد ذٰلک۔ (البحرالرائق ج۳ ص۱۲۹ باب الاولیاء والاکفاء)

وَمِثْلُہٗ فی رد المحتار ج۲ ص۳۲۴ باب الاولیاء۔

فاسق لڑکے کو صالح سمجھ کر رشتہ دینا

سوال:۔ ایک شخص نے بے دین لڑکے کو صالح سمجھ کر اپنی نابالغ لڑکی کا نکاح کر دیا، نکاح کے بعد لڑکے کا فسق معلوم ہوا، تو اب نکاح کا کیا حکم ہے؟

الجواب:۔ اگر لڑکی نے بالغ ہونے کے بعد اس نکاح پر ناراضگی کا اظہار کیا ہو اور لڑکی کے خاندان کے اکثر افراد صالح ہوں تو یہ نکاح باطل ہے، دونوں کے درمیان تفریق کی جائے گی۔

قال ابن عابدینؒ: تحت قوله ان عرف لایصح النکاح (زوج بنته الصغيرة ممن ينكر أنه يشرب مسكراً فاذا هو مدمن له فقالت لا أرضى بالنكاح اى بعد ما كبرت إن لم يكن يعرفه الأب بشربه وكان غلبة أهل بيته صالحين فالنكاح باطل لأنه انما زوج على ظن أنه كفء اه۔ (رد المحتار ج ۳ ص ۶۷ باب الاولیاء)[۱]

غیر سیّد کا سیّد زادی سے نکاح کا حکم

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علماء دین کہ کسی غیر سید کا نکاح سیدزادی سے ہو سکتا ہے؟

الجواب:۔ اگر سیدہ لڑکی کا باپ کسی غیر سید لڑکے کو رشتہ دینے میں عار محسوس نہیں کرتا ہو اور لڑکی بھی راضی ہو تو سیدزادی کا نکاح غیر سید لڑکے سے کرنے میں شرعاً کوئی حرج نہیں ہے۔

قال ابن نجیمؒ: تحت قول النسفیؒ (ورضاء البعض کالکل) أی ورضاء بعض الاولياء المستوين فی الدرجة كرضاء كلهم حتى لا يتعرض احد منهم بعد ذلك۔

(البحر الرائق ج ۳ ص ۱۲۹ فصل فی الاکفاء)[۲]

---

[۱] قال فی الهندية: رجل زوج ابنته الصغيرة من رجل على ظن أنه صالح لايشرب الخمر فوجده الأب شريباً مدمناً وكبرت الابنة فقالت لا أرضى بالنكاح إن لم يعرف أبوها يشرب الخمر وغلبة اهل بيته الصالحون فالنكاح باطل وهذه المسئلة بالاتفاق كذا فی الذخيرة۔ (الفتاویٰ الهندیہ ج ۱ ص ۲۹۱ الباب الخامس فی الاکفاء)

وَمِثْلُهُ فی البحر الرائق ج ۳ ص ۱۳۵ فصل فی الاکفاء۔

[۲] قال العلامة الكاسانیؒ: لأن فی الکفاءة حقاً للاولياء لأنهم ينتفعون بذلك..... ولو كان التزوج برضاهم يلزم حتى لايكون لهم حق الاعتراض۔ (بدائع الصنائع ج ۲ ص ۳۱۸ فصل فی النکاح الذی الکفاءة فیه شرط)

وَمِثْلُهُ فی رد المحتار ج ۳ ص ۹۴ فصل فی الاکفاء۔

مجنون اور دیوانہ عاقلہ عورت کا کفو نہیں ہو سکتا

سوال:۔ کیا مجنون اور دیوانہ شخص کسی عاقلہ عورت کا کفو ہو سکتا ہے اور ان دونوں کے درمیان نکاح درست ہے؟

الجواب:۔ جنون ایسی چیز ہے جو عار بننے کا سبب بنتا ہے اس لیے مجنون اور پاگل مرد راجح قول کے مطابق عاقلہ عورت کا کفو نہیں ہو سکتا ہے، لہٰذا ان دونوں کے درمیان نکاح بھی درست نہیں۔

قال ابن عابدینؒ: قال فی النهر وقیل یعتبر لأنه یفوت مقاصد النکاح فکان أشد من الفقر ودناءة الحرفة وینبغی اعتماده لأن الناس یعیرون بتزویج المجنون أکثر من دنیٔ الحرفة الدنیئة وفی البنایة عن المرغینانیؒ لایکون المجنون کفوًا للعاقلة وعند بقیة الائمة هو من العیوب التی ینفسخ لها النکاح۔
(منحة الخالق علی هامش البحر الرائق ج۳ ص۱۳۴ فصل فی الأکفاء)[1]

نکاح میں ولایت کی ترتیب

سوال:۔ نکاح میں ولایت کی ترتیب کیا ہے اور کون کس پر مقدم ہے؟

الجواب:۔ ولایتِ نکاح میں سب سے مقدم ولی وارث وجب کی ترتیب سے عصبہ ہو تا ہے پھر اگر عصبہ نہ ہوں تو ماں ولی ہے۔

قال العلامة الکاسانیؒ: واما شرط التقدم فشیئان احدهما العصوبة عند ابی حنیفةؒ فتتقدم العصبة علی ذوی الرحم سواء کانت العصبة أقرب أو أبعد ..... وعند عدم العصبات تثبت الولایة لذوی الرحم الأقرب منهم یتقدم علی الأبعد۔ (بدائع الصنائع ج۲ ص۲۵۰ فصل شرط التقدم فشیئان)[2]

---

[1] قال العلامة الحصکفیؒ: فی النهر عن المرغینانیؒ، المجنون لیس بکفء للعاقلة۔
(الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۳ ص۹۳ فصل الاکفاء)

[2] قال فی الهندیة: وعند عدم العصبة کل قریب یرث الصغیر والصغیرة من ذوی الارحام یملك تزویجهما فی ظاهر الروایة..... والاقرب عند ابی حنیفةؒ الأم ثم البنت ثم بنت الابن الخ۔ (الفتاویٰ الهندیة ج۱ ص۲۸۳ الباب الرابع فی الاولیاء)
ومثله فی البحر الرائق ج۳ ص۱۲۴ باب الاولیاء والاکفاء۔

قریب کے ولی کی موجودگی میں بعید کا ولی نکاح کرے تو اس کا حکم

سوال: باپ کی موجودگی میں ایک نابالغ لڑکی کا نکاح اس کا چچا کر دے اور باپ اس پر ناراضگی کا اظہار کرے تو کیا یہ نکاح شرعاً صحیح ہے؟

الجواب: قریبی رشتہ دار کی موجودگی میں دور کا رشتہ دار نکاح کر دے تو یہ نکاح قریبی رشتہ دار کی اجازت پر موقوف ہوتا ہے، اگر وہ اجازت دے تو نکاح درست ہے ورنہ اس نکاح کا کوئی اعتبار نہیں، اس لیے صورت مسئولہ میں چچا کا کیا ہوا نکاح باپ کی ناراضگی کی وجہ سے درست نہیں۔

قال ابن نجیمؒ: وأما إذا كان أحدهما أقرب من الآخر فلا ولاية للأبعد مع الأقرب إلا إذا غاب غيبة منقطعة۔ (البحر الرائق ج۳ ص۱۱۹ باب الأولياء والأكفاء)[۱]

باپ دادا کے علاوہ کسی ولی کا نابالغہ کا نکاح غیر کفو میں کر دینے کا حکم

سوال: چچا نے اپنی نابالغ بھتیجی کا نکاح ایک فاسق لڑکے سے کر دیا جبکہ لڑکی صالحہ، نیک سیرت ہے، تو کیا شرعاً یہ نکاح درست ہے یا نہیں؟

الجواب: فسق چونکہ عار بننے کا سبب ہے اسلئے صالح عورت کا فاسق مرد کفو نہیں اور باپ دادا کے علاوہ ولیوں کا نابالغ صالحہ عورت کا فاسق اور غیر کفو کے نکاح میں دینے سے نکاح منعقد نہیں ہوتا بلکہ بالغ ہونے پر لڑکی کو نکاح فسخ کرنے کا اختیار حاصل ہے، چاہے تو نکاح ختم کر سکتی ہے۔

قال العلامة الكاسانيؒ: وأما إنكاح الأب والجد الصغير والصغيرة فالكفاءة فيه ليست بشرط للزومه عند أبي حنيفةؒ... بخلاف إنكاح الأخ والعم من غير الكفء أنه لا يجوز بالإجماع لأنه ضرر محض۔ (بدائع الصنائع ج۲ ص۳۱۸ فصل فالنكاح الذي الكفاءة فيه شرط)[۲]

---

[۱] قال في الهندية: وإن زوج الصغير والصغيرة أبعد الأولياء فإن كان الأقرب حاضراً وهو من أهل الولاية توقف نكاح الأبعد على إجازته۔ (الفتاوى الهندية ج۱ ص۲۸۵ الباب الرابع في الأولياء)

وَمِثْلُهُ في ردّ المحتار ج۳ ص۸۱ باب الاولياء۔

[۲] قال النسفيؒ: ولو زوج طفله من غير كفء أو بغبن فاحش صح ولم يجز ذلك لغير الأب والجد۔ (البحر الرائق ج۳ ص۱۲۴ فصل في الأكفاء) وَمِثْلُهُ في ردّ المحتار ج۳ ص۷۶ باب الاولياء۔

کسی ایک ولی کا اپنا حق ولایت استعمال کرنے سے دوسرے اولیاء کا حق ساقط ہوجاتا ہے

سوال: اگر کسی عورت کے متعدد اولیاء ہوں اور ان میں سے کسی ایک ولی کا اپنا حق استعمال کرنے سے نکاح کے بعد دوسرے اولیاء کو نکاح کے رد کرنے کا حق حاصل ہے یا نہیں؟

الجواب: کسی عورت کے متعدد اولیاء جب مرتبہ میں برابر ہوں تو جس ولی نے پہلا نکاح کرایا تو وہ درست ہے، دوسرے اولیاء کے رد کرنے سے نکاح باطل نہیں ہوگا۔

قال ابن نجیمؒ: ثم اذا اجتمع فی الصغیر او الصغیرة ولیان فی الدرجة علی السواء فزوجه احدهما جاز اجاز الاٰخر او فسخ۔ (البحر الرائق ج۳ ص۱۱۹ باب الاولیاء والاکفاء) [1]

نابالغہ کا نکاح دادی کے کردینے سے لڑکی کو خیار بلوغ کا حق ہے

سوال: دادی نے اپنی نابالغہ پوتی کا نکاح کردیا تو بالغ ہونے پر لڑکی کو خیارِ بلوغ کا حق حاصل ہے یا نہیں؟

الجواب: فقہ کی کتابوں میں مرقوم ہے کہ باپ یا دادا جب نابالغ کا نکاح کرائیں تو بعد البلوغ اس کو نکاح فسخ کرنے کا حق حاصل نہیں، صورتِ مسئولہ میں چونکہ نکاح دادی نے کرایا ہے جس کو حق ولایت بھی حاصل نہیں اس لیے لڑکی بلوغ کے بعد خیارِ بلوغ کی وجہ سے فسخ نکاح کا حق رکھتی ہے تاہم نکاح فسخ کرنے کا حق قاضی/حاکم کے ذریعے ہوگا جس کے بعد لڑکی دوسری جگہ نکاح کرسکتی ہے۔

قال النسفیؒ: ولهما خیار الفسخ بالبلوغ فی غیر الاٰب والجد بشرط القضاء۔ (البحر الرائق ج۳ ص۱۲۰ باب الاولیاء والاکفاء) [2]

---

[1] قال فی الهندیة: واذا اجتمع للصغیر والصغیرة ولیان مستویان کالاخوین والعمین فأیهما جاز عندنا۔ کذا فی فتاوٰی قاضیخان۔ (الفتاوی الهندیة ج۱ ص۲۸۴ الباب الرابع فی الاولیاء)
وَمِثْلُهٗ فی الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۳ ص۸۱ باب الاولیاء۔

[2] قال ابن عابدینؒ: وحاصله أنه اذا کان المزوج للصغیر أو الصغیرة غیر الاٰب والجد فلهما الخیار بالبلوغ او العلم به فان اختار الفسخ لا یثبت الفسخ الا بشرط القضاء۔ (رد المحتار ج۳ ص۷۰ باب الاولیاء)
ومثله فی الهندیة ج۱ ص۲۸۵ الباب الرابع فی الاولیاء۔

کفائت میں مالداری کے اعتبار کا حکم

سوال:۔ چچا نے اپنی نابالغہ یتیم بھتیجی کا نکاح اپنے عدیم المال بیٹے سے کردیا، تو کیا یہ نکاح شرعاً معتبر ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ بناء بر روایت مختار کفائت صحتِ نکاح کے لیے شرط ہے اور جن چیزوں میں کفایت شرط ہے ان میں سے ایک مال بھی ہے، پس صورتِ مسئولہ میں اگر لڑکا مہر معجل اور متعارف نہ ہونے کی صورت میں ایک ماہ کے نفقے پر قادر ہو اور لڑکی بھی بلوغ کے بعد راضی ہو تو نکاح درست ہے ورنہ نہیں۔

قال ابن عابدینؒ: تحت قول الحصکفیؒ (الکفاءة معتبرة فی ابتداء النکاح للزومه اولصحته) وهذا بناء علی ظاهر الروایة من ان العقد صحیح وللولی الاعتراض اما علی روایة الحسن المختارة للفتوی من انه لایصح فالمعنی معتبرة فی الصحة۔ انتهی۔ وقال الحصکفیؒ: ومالاً بأن یقدر علی المعجل ونفقة شهر لوغیر محترف۔ (ردالمحتار ج۳ ص۸۴ باب الکفاءة)[1]

شریعت میں بلوغ کی حد

سوال:۔ شریعت میں لڑکے اور لڑکی کی حدِ بلوغ کیا ہے؟

الجواب:۔ لڑکے میں بلوغ کی نشانی احتلام کا ہونا ہے اور لڑکی کے بلوغ کی علامت حیض کا آنا ہے، اگر یہ دونوں نشانیاں نہ ہوں تو مفتیٰ بہ قول کی رو سے پندرہ سال پورے ہو جانے پر بلوغ کا حکم جاری کیا جائے گا۔

قال فی الهندیة: بلوغ الغلام بالاحتلام او الاحبال او الانزال والجاریة بالاحتلام او الحیض او الحبل کذا فی المختار، والسن الذی یحکم ببلوغ الغلام والجاریة اذا انتهیا الیه خمس عشرة سنة عند ابی یوسف ومحمد رحمهما الله تعالیٰ وهو روایة عن ابی حنیفةؒ وعلیه الفتوی۔ (الفتاوی الهندیة ج۵ ص۶۱ الباب الثانی فی الحجر الفصل الثانی فی معرفة البلوغ)[2]

---

[1] وقال ابن نجیم المصریؒ: الفقیر لایکون کفواً للغنیة کبیرة کانت او صغیرة إلا ان یکون عالماً او شریفاً۔ (الأشباه والنظائر ج۲ ص۱۶ کتاب النکاح)

ومثلهٗ فی بدائع الصنائع ج۲ ص۳۱۹ فصل ماتعتبر فیه الکفاءة۔

[2] قال النسفیؒ: بلوغ الغلام بالاحتلام والاحبال والانزال۔۔۔۔ والجاریة بالحیض والاحتلام والحبل۔۔۔۔۔ ویفتی البلوغ فیهما بخمسة عشرة سنة۔ (البحرالرائق ج۸ ص۸۵ باب الحجر)

ومثلهٗ فی البدائع الصنائع ج۷ ص۱۷۱ کتاب الحجر فصل حکم الحجر اما معرفة البلوغ۔

وکیل کے ذریعے نکاح کا حکم

سوال:۔ اگر لڑکا یا لڑکی اپنے نکاح کے لیے کسی کو وکیل بنائیں اور وہ ان کی طرف سے ایجاب قبول کرے تو اس سے نکاح منعقد ہو جائے گا یا نہیں؟

الجواب:۔ نکاح و انکاح ان امور میں سے ہے جن میں وکالت جائز ہے پس لڑکا یا لڑکی اپنے نکاح میں ایجاب وقبول کے لیے کسی کو وکیل بنا سکتے ہیں اور اس پر اکتفاء کرکے ان کا نکاح منعقد ہو گا۔

قال العلامۃ الکاسانیؒ: ثم النکاح کما ینعقد بہذہ الالفاظ بطریق الاصالۃ ینعقد بہا بطریق النیابۃ بالوکالۃ والرسالۃ لأن تصرف الوکیل کتصرف الموکل۔ (بدائع الصنائع ج۲ ص۲۳۱ فصل رکن النکاح) [1]

نکاح میں نابالغ کی وکالت کا حکم

سوال:۔ کیا نکاح میں کسی نابالغ لڑکے کو وکیل بنایا جا سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ نابالغ لڑکا جب عاقل اور ممیز ہو تو نکاح میں اس کی وکالت درست ہے۔

قال العلامۃ الکاسانیؒ: واما البلوغ والحریۃ فلیسا بشرط لصحۃ الوکالۃ فتصح وکالۃ الصبی العاقل الخ۔ (بدائع الصنائع ج۶ ص۲۰ فصل الشرائط الوکالۃ) [2]

نکاح میں کسی اجنبی کی توکیل کے لیے تصریح ضروری ہے

سوال:۔ بالغہ عورت سے اگر کوئی اجنبی شخص نکاح کی اجازت مانگے تو ایسی حالت میں عورت کا رونا یا خاموش رہنا اجازت کے مترادف ہے یا صراحتاً اجازت ضروری ہے؟

الجواب:۔ اجنبی شخص کا اجازت طلب کرتے وقت عورت کا رونا یا خاموش رہنا اجازت

---

[1] قال فی الہندیۃ: یصح التوکیل بالنکاح وان لم یحضرہ الشہود۔ کذا فی التاتارخانیۃ۔ (الفتاوی الہندیۃ ج۱ ص۲۹۴ الباب السادس فی الوکالۃ بالنکاح)
ومثلہ فی رد المحتار ج۳ ص۹۵ مطلب فی الوکیل والفضولی فی النکاح۔

[2] قال الشیخ النسفیؒ: صح التوکیل وھو اقامۃ الغیر مقام نفسہ فی التصرف ممن یملکہ اذا کان الوکیل یعقل العقد ولو صبیاً الخ۔ (البحر الرائق ج۷ ص۱۴۲ کتاب الوکالۃ)
ومثلہ فی الہندیۃ ج۳ ص۵۶۳ کتاب الوکالۃ۔ الباب الاول

شمار نہیں ہوگی بلکہ اس میں تصریح بالقول (واضح الفاظ میں اجازت دینا) ضروری ہے۔

قال الحصکفیؒ : فان استاذنها غیر الاقرب کأجنبی أو ولی بعید فلا عبرة لسکوتها بل لا بد من القول کالثیب البالغة ۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۳ ص۶۲ کتاب النکاح۔ باب الولی) [1]

نکاح میں عاقد کا خود وکیل بننا

سوال :- ایک عورت نے ایک مرد کو اختیار دیا کہ تم میری طرف سے وکیل ہو تم میرا نکاح اپنے نفس کے ساتھ باندھ لو، اس شخص نے دو گواہوں کے رُوبرو ایسا ہی کیا تو کیا اس طریقہ سے نکاح کا شرعاً انعقاد ہو جاتا ہے؟

الجواب :- عقد نکاح میں جیسا کہ ایک آدمی مرد عورت دونوں کی طرف سے وکیل بن سکتا ہے، ایسا ہی کوئی مرد ایک طرف سے اصیل اور دوسری طرف سے وکیل ہو کر نکاح کر سکتا ہے۔ لہٰذا صورتِ مسئولہ میں عورت نے جب اس مرد کو وکیل بنایا کہ اپنے نفس کے ساتھ میرا نکاح باندھ لو تو جب اس شخص نے روبروئے گواہان نکاح باندھ لیا تو یہ نکاح درست اور صحیح ہے۔

قال العلامة الحصکفیؒ : کما للوکیل الذی وکلته أن یزوجها من نفسه فان له ذٰلک فیکون اصیلاً من جانب ووکیلاً من آخر ۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۳ ص۹۸ کتاب النکاح۔ باب الکفاءة) [2]

خیارِ بلوغ میں عدالت سے نکاح فسخ کرائے بغیر دوسری جگہ نکاح کرنا

سوال :- ایک لڑکی جس کا نکاح بچپن میں اس کی ماں نے کسی سے کر دیا تھا بلوغ کے بعد عدالت سے فسخ کرائے بغیر دوسری جگہ

---

[1] قال ابن نجیم المصری رحمه الله ، تحت قول المتن : وإن استاذنها غیر الولی فلا بد من القول کالثیب أی فلا یکفی لقلة الالتفات أی کلامه فلم یقع دلالة علی الرضا۔
(البحر الرائق ج۳ ص۱۱۵ کتاب النکاح۔ باب الاولیاء والاکفاء)
ومثله فی البزازیة علی هامش الهندیة ج۴ ص۱۲۷ باب الاولیاء والاکفاء۔

[2] قال ابن نجیم المصری رحمه الله ، تحت قول الماتن ، وللوکیل أن یزوج موکلته من نفسه والمراد بالوکیل الوکیل فی أن یزوجها من نفسه لما فی المحیط لو وکلته بتزویجها من رجل فزوجها من نفسه لم یجز۔ (البحر الرائق ج۳ ص۱۳۶ کتاب النکاح۔ فصل لابن العم ان یزوج الخ)
ومثله فی الهندیة ج۱ ص۲۹۵ الباب السادس فی الوکالة بالنکاح وغیرها۔

نکاح کیا تو کیا یہ نکاح درست ہے؟

الجواب:۔ جس لڑکی کو خیار بلوغ کا حق حاصل ہو بالغ ہونے کے بعد باقاعدہ عدالت سے فسخ نکاح کے بعد دوسری جگہ نکاح کر سکتی ہے، عدالت سے فسخ نکاح کی ڈگری حاصل کیے بغیر دوسری جگہ نکاح کا اختیار درست نہیں، تنسیخ نکاح کے لیے عدالت کا سہارا لینا ضروری ہے۔

قال ابن عابدین رحمہ اللہ: (تحت بشرط القضاء للفسخ) وحاصلہ انہ اذا کانت المزوج للصغیر والصغیرۃ غیر الاب والجد فلھما الخیار بالبلوغ او العلم به فان اختار الفسخ لا یثبت الفسخ الا بشرط القضاء۔ (رد المحتار ج۲ ص کتاب النکاح باب الولی، مطلب مهم هل للعصبة تزویج الصغیر الخ) لہ

وکیلِ نکاح کی شرائط

سوال:۔ جو نکاح وکیل کے ذریعے انجام دیا جاتا ہے تو اس کے انعقاد کے لیے وکیل میں کون کون سی شرائط ہونی چاہئیں؟

الجواب:۔ نکاح کا انعقاد وکلاء کے ذریعے ہو سکتا ہے بشرطیکہ وکلاء عاقل و بالغ ہوں ورنہ نکاح صحیح نہیں ہوگا، تاہم اگر وکیل نابالغ ہو مگر اچھے برے اور نفع نقصان میں میز کر سکتا ہو تو ایسی صورت حنفیہ کے نزدیک نکاح صحیح ہوگا۔

قال العلامة داماد افندیؒ: فیصح توکیل حر بالغ عاقل بفرینة ذلك والمأذون الصبی او البالغ من جهة الولی او المولی حرًا بالغًا ومأذونًا۔ (الدر المنتقی علی هامش مجمع الانهر ج۲ ص۲۲۲ کتاب الوکالة)

وفی مجمع الانهر: الصبی العاقل الذی اذن له الولی والعبد الذی اذن له المولیٰ ای یصح توکیل کل منهما۔ (مجمع الانهر ج۲ ص۲۲۲ کتاب الوکالة) ۲

لہ قال النسفیؒ: وعنهما خیار الفسخ بالبلوغ فی غیر الاب والجد بشرط القضاء۔ (البحر الرائق ج۳ ص۱۳۰ کتاب النکاح، باب الاولیاء والاکفاء)

وَمِثلُهٗ فی الهندیة ج۱ ص۲۸۵ الباب الرابع فی الاولیاء

۲ قال العلامة الحصکفیؒ: ثم ذکر شرط التوکیل فقال: اذا کان الوکیل یعقل ولو صبیًا او عبدًا محجورًا لا یخفی ان الکلام الآن فی صحة الوکالة۔

(الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۵ ص۵۱۱ کتاب الوکالة)

وَمِثلُهٗ فی رد المحتار ج۵ ص۵۱۱ کتاب الوکالة۔

ولایت میں قریب و بعید کے ورثاء کا اعتبار

سوال:۔ جناب مفتی صاحب! ہمارے گاؤں میں ایک یتیم بچی ہے جس کے اولیاء میں دادا اور دو چچے ہیں، بچی کے بالغ ہونے پر چھوٹے چچا نے باپ اور بڑے بھائی کی اجازت کے بغیر بچی کا ایک جگہ نکاح کر دیا، جب بچی کے دادا کو پتہ چلا تو اس نے یہ نکاح نامنظور کر دیا، تو کیا اس بچی کا نکاح صحیح ہے یا کہ دادا کے انکار کی وجہ سے اس کی حیثیت ختم ہو جائے گی؟

الجواب:۔ واضح ہو کہ اولیاء دو قسم کے ہوتے ہیں (۱) قریب (۲) بعید۔ اگر کسی بچی کا نکاح اس کا ولیِ بعید بغیر اجازت ولیِ قریب کے کسی جگہ کر دے تو وہ نکاح ولی قریب کی اجازت پر موقوف ہوگا اگر وہ نافذ کر دے تو فبہا ونعما ورنہ ناجائز ہے۔ لہٰذا صورت مسئولہ میں اگر دادا اجازت دیدے تو نکاح صحیح ہے ورنہ نہیں۔

قال العلامة السرخسیؒ: فان زوجها الابعد والاقرب حاضر توقف علی اجازة الاقرب لان الابعد کالاجنبی عند حضرة الاقرب فیتوقف عقده علی اجازة الولی۔ الخ

(المبسوط ج۴ ص۲۲۰ کتاب النکاح۔ باب نکاح الصغیر والصغیرة) ؎

مساوی ورثاء میں سے کسی ایک کا نابالغ لڑکی کا نکاح کرا دینے کا حکم

سوال:۔ اگر کسی نابالغ لڑکی کا باپ فوت ہو جائے اور اس کے اولیاء میں تین چچا ہوں اور ان میں سے ایک چچا اس بچی کا نکاح کرا دے تو کیا یہ نکاح صحیح ہوگا یا نہیں؟

الجواب:۔ صورت مسئولہ میں چونکہ لڑکی کے تینوں چچا رشتے میں مساوی ہیں اور قرابت میں تجزیہ بھی نہیں ہو سکتا ہے اس لیے راجح مذہب یہ ہے کہ تینوں چچاؤں میں سے کوئی ایک چچا بھی لڑکی کا نکاح کرا دے تو جائز ہے اس میں شرعاً کوئی قباحت نہیں۔

قال العلامة السرخسیؒ: واذا اجتمع فی الصغیرة اخوان لاب وام فایهما زوجها جاز عندنا۔۔۔۔۔۔ علی ان کل واحد منهما ینفرد بالعقد والمعنی فیه ان سبب الولایة

؎ قال ابن عابدینؒ: (قوله والا) ای وان لم یستووا فی الدرجة وقد رضی الابعد فللاقرب الاعتراض۔ (رد المحتار ج۳ ص۳۲۳ کتاب النکاح۔ باب الولی)

ومثله فی درر المنتقی شرح الملتقی ج۱ ص۳۳۹ کتاب النکاح باب الاولیاء والاکفاء۔

هو القرابة وهو غیر محتمل للوصف بالتجزی۔ الخ (المبسوط ج ۴ ص ۲۱۸ کتاب النکاح، باب نکاح الصغیر والصغیرۃ) ۱؎

عدالت کے ذریعے نکاح فسخ کرانے سے حق مہر کا حکم

سوال:۔ ایک لڑکی نے ازخود غیر کفو میں نکاح کر لیا اور ورثاء نے بذریعہ عدالت نکاح ختم کرایا، تو کیا لڑکی اب مہر کی مالکہ ہوگی یا نہیں؟

الجواب:۔ صورتِ مسئولہ میں غیر کفو میں نکاح کے بعد اگر دخول ہوا ہو تو حقِ مہر شوہر کے ذمے لازم ہے اور عدمِ دخول کی صورت میں تفریق ہو جانے سے بیوی حق مہر کا مطالبہ نہیں کر سکتی۔

وفی الھندیۃ: ولو تزوجت المرأۃ ونقصت من مھر مثلھا فللولی الاعتراض علیھا حتی یتم لھا مھرھا او یفارقھا واذا فارقھا قبل الدخول فلا مھر لھا وان فارقھا بعدہ فلھا المسمی الخ (الفتاوی الھندیۃ ج ۱ ص ۲۹۳، ۲۹۴ الباب الخامس فی الاکفاء) ۲؎

عدالت سے تنسیخ نکاح کی ڈگری حاصل کیے بغیر عورت کا دوسری جگہ نکاح کردینے کا حکم

سوال:۔ ایک لڑکی نے ورثاء کی رضامندی کے بغیر غیر کفو میں نکاح کر لیا، بعد ازاں ورثاء اُسے اپنے گھر لے آئے اور اس کا نکاح کسی دوسرے مرد سے کر دیا جبکہ انہوں نے عدالت سے تنسیخ نکاح کی ڈگری نہیں لی ہے، تو کیا یہ دوسرا نکاح صحیح ہے یا عدالت سے تفریق کرانا لازمی ہے؟

الجواب: بعض تفاریق ایسے ہیں کہ جن میں قضاءِ قاضی (یعنی بذریعہ عدالت تفریق کرانا) لازمی

۱؎ قال العلامۃ ابن عابدینؒ: (قولہ لثبوتہ لکل کملا) لانہ حق واحدٌ لا یتجزأ لانہ ثبت بسبب لا یتجزأ۔ (رد المحتار ج ۲ ص ۳۲۳ کتاب النکاح، باب الولی)

وَمِثْلُہٗ فی الھندیۃ ج ۱ ص ۲۸۴ کتاب النکاح، الباب الرابع فی الاولیاء۔

۲؎ قال العلامۃ عالم بن العلاء الانصاریؒ: واذا فسخ القاضی بینھما تکون ھٰذہٖ فرقۃ بغیر طلاق حتی لو لم یکن الزوج دخل بھا فلا شئ لھا من المھر وان کان قد دخل بھا فلھا ما سمی من المھر وعلیھا العدۃ۔ (الفتاوی التاتارخانیۃ ج ۲ ص ۲۶ کتاب النکاح الفصل الخامس عشر فی الکفاءۃ)

وَمِثْلُہٗ فی الدر المختار علی ھامش رد المحتار ج ۲ ص ۳۵۲ باب الکفاءۃ۔

ہے ان میں سے ایک صورت مسئولہ بھی ہے لہٰذا مذکورہ عورت کا دوسرا نکاح اُس وقت تک صحیح نہیں جب تک عدالت سے فسخِ نکاح کی ڈگری نہ لی جائے۔

قال العلامة عالم بن العلاء الانصاریؒ: ثم الفرقة التی تختص بقضاء القاضی، هی الفرقة بالجب والعنة واللعان واباء الزوج الاسلام ـ هو طلاقٌ وبخیار البلوغ وعدم الکفاءة ونقصانٌ فی المهر: فسخٌ۔ (الفتاوی التاتارخانیة ج۳ ص۲۸ کتاب النکاح، الفصل الحادی عشر فی معرفة الاولیاء) لہ

کفاءت ایک جانب سے ہوتی ضروری ہے

سوال:۔ کیا کفوت جانبین سے ہونی چاہیئے یا کہ صرف مرد کے لیے عورت کا کفو ہونا ضروری ہے؟

الجواب:۔ ائمہ کرام کا متفقہ فیصلہ ہے کہ نکاح میں صرف مرد کا عورت کا کفو ہونا ضروری ہے، باقی عورت کے لیے یہ شرط لازمی نہیں اس لیے کہ نکاح کے بعد بیوی شوہر کا کفو بن جاتی ہے۔

قال العلامة الجزیریؒ: انّ الکفاءَة معتبرةٌ فی جانب الرجل لا فی جانب المرأة فللرجل ان یتزوج من یشاء ولو امةً او خادمةً الخ۔ (الفقہ علی المذاهب الاربعہ ج۴ ص۵۷، کتاب النکاح، مبحث الکفاءة فی الزواج) ۲ے

کفوت کی شرائط

سوال:۔ جناب مفتی صاحب! کفاءت کے اندر کون سے امور داخل ہیں جن کی عدم موجودگی کی وجہ سے مرد عورت کے

لہ قال العلامة الحصکفیؒ: (وله) ای للولی (اذا کان عصبة) ... (الاعتراض فی غیر الکفء) فیفسخه القاضی ویتجدد بتجدد النکاح الخ (الدر المختار علی هامش رد المحتار ج۲ ص۳۲۲ کتاب النکاح باب الولی)

وَمِثْلُهٗ فی الهندیة ج۱ ص۲۹۲ کتاب النکاح - الباب الخامس فی الاکفاء۔

۲ے قال العلامة وهبة الزحیلی: یریٰ جمهور الفقهاء ان الکفاءة تطلب للنساء لا للرجال بمعنیٰ ان الکفاءة تعتبر فی جانب الرجال للنساء، فهو حق فی صالح المرأة لا فی صالح الرجل۔ الخ

(الفقه الاسلامی وادلته ج۷ ص۲۳۹ الفصل الخامس الکفاءة فی الزواج المبحث الرابع من تطلب الکفاءة فی جانبہ)

وَمِثْلُهٗ فی الاحوال الشخصیة ص۱۴۱ ۱۱۷- الجانب الذی تشترط فیه الکفاءة۔

کفو بننے سے نکل جاتا ہے؟

الجواب: کفاءت کے بارے میں ائمہ اربعہؒ نے مختلف امور ذکر کئے ہیں مگر حنفیہ کے نزدیک اسلام، نسب، آزادی، پیشہ، دیانت اور مال جیسے امور کفوت میں داخل ہیں۔

قال العلامة الجزریؒ: انّ الکفاءة هی مساواة الرجل للمرأة فی امور مخصوصة وهی ستٌّ، النسب، والاسلام، والحرفة، والحریة، والدیانة، والمال۔ الخ

(الفقه علی المذاهب الاربعة ج ۴ ص۵۴ کتاب النکاح مبحث الکفاءة فی الزواج) لہ

تفریقِ قاضی طلاق ہے یا فسخ؟

سوال: جناب مفتی صاحب! ہم نے استاذ سے سبق میں پڑھا ہے کہ عدم کفو کی بناء پر قاضی تفریق کرسکتا ہے، اب سوال یہ ہے کہ یہ تفریق بمنزلہ طلاق ہوگی یا فسخ؟ فقہاء احناف کی اس بارے میں کیا رائے ہے؟

الجواب: عدم کفاءت کی وجہ سے عدالت جو تفریق بین الزوجین کراتی ہے وہ بمنزلہ فسخ نکاح ہوگی بمنزلہ طلاق نہیں۔

وفی الهندیة: ولا یکون التفریق بذٰلک الّا عند القاضی، امّا بدون فسخ القاضی فلا ینفسخ النکاح بینهما وتکون هٰذه فرقةً بغیر طلاق حتّٰی لو لم یکن الزوج دخل بها فلا شیٔ لها من المهر۔ (الفتاوی الهندیة ج۱ ص۲۹۲ الباب الخامس فی الاکفاء) ۲ـہ

لہ قال الدکتور وهبة الزحیلیؒ: وفی اصطلاح الفقهاء: المماثلة بین الزوجین دفعاً للعار فی امورٍ مخصوصة هی عند المالکیة: الدین والحال (ای السلامة من العیوب التی توجب لها الخیار) وعند الجمهور: الدین والنسب والحریة والحرفة (او الصناعة) وزاد الحنفیة والحنابلة الیسار (والمال)

(الفقه الاسلامی وادلته ج ۷ ص۲۳۹ الفصل الخامس الکفاءة فی الزواج)

وَمِثْلُهٗ فی الاحوال الشخصیة ص۱۳۵ کتاب النکاح۔ الجانب الذی تشترط فیه الکفاءة۔

۲ـہ قال ابن عابدین رحمه الله: تحت هٰذه العبارة (قوله او یفرق القاضی) ولا تکون هٰذه الفرقة الّا عند القاضی وما لم یقض القاضی بالفرقة بینهما فحکم الطلاق والظهار والایلاء والمیراث باق..... وبعد اسطر، قال تحت قوله فلا مهر لها) لان الفرقة جاءت من قبل من له الحق وهی فسخ۔ الخ (الدر المختار مع رد المحتار ج۲ ص۳۵۲ کتاب النکاح، باب الکفاءة)

وَمِثْلُهٗ فی الفتاوی قاضیخان ج۲ ص۱۶۴ کتاب النکاح، فصل فی الکفاءة۔

کسی لڑکی کا غیر کفو میں اپنی مرضی سے نکاح کرنا

سوال:۔ اگر کوئی لڑکی کسی لڑکے کے ساتھ بھاگ جائے اور لڑکا پیشے کے اعتبار سے لڑکی کا کفو نہ ہو یعنی اس کا پیشہ قابلِ عار ہو، جبکہ لڑکی کے رشتہ داروں کو اس نکاح کا علم اُس وقت ہوا جب لڑکی کے ہاں اُس لڑکے سے ایک بچہ پیدا ہوا، تو کیا لڑکی کے ورثاء اب اس نکاح کو فسخ کر سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب:۔ عدم کفوئت کی وجہ سے مرورِ زمانہ سے اولیاء کا حق ساقط نہیں ہوتا، اِلّا یہ کہ اولیاء رضامندی ظاہر کر دیں یا اُس مرد کا عورت سے بچہ پیدا ہو جائے، اس لیے صورتِ مسئولہ میں بچے کی پیدائش کے بعد اولیاء کو کسی قسم کے اعتراض کا حق نہیں رہتا۔

قال العلامة الدکتور وهبة الزحیلي: ویثبت هذا الحق عند الحنفیة للاقرب من الاولیاء العصبة فالاقرب، فاذا لم یرضوا فلهم ان یفرقوا بین المرأة وزوجها مالم تلد اوتحمل حملاً ظاهرًا فی ظاهر الروایة الخ۔ (الفقه الاسلامی وادلته ج۷، ص۲۳۷ الفصل الخامس الکفاءة فی الزواج۔ المبحث الثالث صاحب الحق فی الکفاءة) [1]

کفوۃ میں وقت کا اعتبار ہے

سوال:۔ ایک شخص جو کہ نیک، پرہیزگار اور صاحبِ ثروت تھا، اُس نے ایک مالدار گھرانے میں شادی کی، چند سال بعد وہ آدمی دیوالیہ ہو گیا اور اب وہ ایک ایک پائی کا محتاج ہے اور اس کے سسرال والے اپنی بیٹی کو اُس سے چھڑانا چاہتے ہیں اور کہتے ہیں کہ تم ہمارے کفو نہیں رہے، یہ ہمارے لیے عار کا سبب ہے۔ کیا اتنی مدت گذرنے کے بعد اس بہانے وہ لوگ بذریعہ عدالت اپنی بیٹی کو آزاد کرا سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب:۔ شریعتِ اسلامیہ نے نکاح کے لیے اگرچہ کفو کا اعتبار کیا ہے مگر

---

[1] قال العلامة عبد الرحمٰن الجزریؒ: انّ الکفاءة فی الامور المذکورة من حق الولی بشرط ان یکون عصبة ولو کان غیر محرم کأن ابن عم یحل له زواجها..... ثم اذا سکت الولی عن الاعتراض حتی ولدت المرأة فان حقه یسقط فی الکفاءة۔ الخ۔

(الفقه علی المذاهب الاربعة ج۴ ص۵۶ کتاب النکاح مبحث الکفاءة فی الزوج)

ومثله فی الاحوال الشخصیة للامام محمد ابوزهرة ص۱۴۲ واما من له حق الکفاءة۔

یہ یاد رہے کہ اس کا اعتبار ایک خاص وقت میں کیا جائے گا اور جب وہ مُدت ختم ہو جائے تو پھر اس کا کوئی اعتبار نہیں، اس لیے صورتِ مسئولہ میں لڑکی کے والدین کو اتنی مُدت کے بعد یہ حق حاصل نہیں اور نہ ہی عدالت میاں بیوی میں تفریق کرنے کی مجاز ہے۔

قال العلامة الحصکفیؒ :- والکفاءة اعتبارها عند ابتداء العقد فلا یضر زوالها بعده فلو کان وقته کفواء ثم فجر لم یفسخ۔ الخ (الدر المختار علیٰ هامش رد المحتار ج ۲ ص۳۲۵ کتاب النکاح۔ باب الکفاءة)[۱]

گونگے شخص کا اشارے سے نکاح کرانا

سوال :- اگر کوئی گونگا آدمی اپنی بیٹی کا نکاح مجلسِ نکاح میں مخصوص اشارے سے کرائے تو کیا یہ نکاح منعقد ہوگا یا نہیں ؟

الجواب :- گونگے شخص کا اپنے مخصوص اشاروں سے (جو صرف نکاح کیلئے مخصوص ہوں اور حاضرینِ مجلسِ نکاح بھی ان اشاروں سے نکاح مراد لیتے ہوں) بیٹی کا نکاح کرانا صحیح اور درست ہے۔

قال ابن نجیمؒ : الاشارة من الاخرس معتبرة قائمة مقام العبارة فی کل شیئ الیٰ ان قال الا فی الحدود ...... ولابد فی اشارة الاخرس ان تکون معهودة والا لا تعتبر۔ (الاشباه والنظائر ج ۳ ص۲۵۴ فی بیان احکام الاشارة)[۲]

---

[۱] قال العلامة ابن نجیم المصری رحمه الله : ولا یخفی ان اعتبار هٰذه الکفاءة بین الزوج وابیها وان الظاهر اعتبارها وقت الزوج۔ الخ
(البحر الرائق ج ۳ ص۱۳۳ کتاب النکاح۔ فصل فی الاکفاء)
وَمِثْلُهٗ فی الفتاوی قاضی خان ج ۲ ص۱۶۳ فصل فی الکفاءة۔

[۲] قال العلامة ابن الهمامؒ : (تحت قول صاحب الهدایة) وطلاق الاخرس واقع بالاشارة لانها صارت مفهومة فکانت کالعبارة فی الدلالة استحساناً فیصح بها نکاحه وطلاقه وعتاقه وبیعه وشراؤه سواء قدر علی الکتابة اولا وهٰذا استحساناً بالضرورة۔ الخ
(فتح القدیر ج ۳ ص۳۲۸ کتاب الطلاق)
وَمِثْلُهٗ فی البحر الرائق ج ۳ ص۲۴۸ کتاب الطلاق۔

بالغہ لڑکی کی اجازت کے بغیر اس کا نکاح کرنا

سوال: بعض علاقوں میں لڑکیوں کو پتہ تک نہیں ہوتا اور والدین اُن کا نکاح کرا چکے ہوتے ہیں، کیا بالغہ لڑکی کا نکاح اس کا باپ بغیر اس کی اجازت کے کرا سکتا ہے؟

الجواب: شریعتِ اسلامیہ نے بالغہ حرہ لڑکی کو اپنے نفس کا فیصلہ کرنے کا اختیار دیا ہے اس لیے اگر کسی نے اس کی اجازت کے بغیر نکاح کرا دیا تو وہ نکاح اس کی اجازت پر موقوف ہوگا اگر وہ اجازت دے اور رضامندی کا اظہار کرے تو درست ہے ورنہ نہیں۔

قال العلامة ابن عابدین ؒ: (سئل) فی بکر بالغة عاقلة رشیدة زوجها ابوها رجلاً بلا اذنها ولا وکالة عنها فردت النکاح حین بلغها فوراً فهل یرتد بردها والحالة هذه (الجواب) نعم۔ (تنقیح الحامدیة ج ۱ ص ۳۰ کتاب النکاح، فی مسائل منثورة من ابواب النکاح) [1]

بیوی کو کتنے دنوں کے بعد والدین کے گھر جانے کی اجازت ہے

سوال: جناب مفتی صاحب! شرعاً بیوی کو کتنے دنوں کے بعد والدین کے گھر جانے دینا چاہیئے؟ اگر کوئی آدمی اپنی بیوی کو سالہا سال والدین کے گھر نہ جانے دے تو اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب: شریعتِ مقدسہ نے عورت کو یہ حق دیا ہے کہ اگر ممکن ہو تو ہفتے میں ایک مرتبہ والدین کی زیارت کے لیے جا سکتی ہے یہ اس کا شرعی حق ہے، جو شخص ظلم و تعدی کے ساتھ اپنی بیوی کو والدین کی زیارت کے لیے جانے سے روکتا ہو تو وہ گنہگار ہے، تاہم اگر والدین کے گھر جانے سے فتنے کا اندیشہ ہو تو والدین کو چاہیئے کہ وہ خود بیٹی کو دیکھنے کے لیے آیا کریں۔

قال العلامة ابن عابدین رحمه الله: ولا یمنعها من الخروج الی الوالدین فی کل جمعة ان لم یقدرا علی اتیانها علی ما اختیاره فی الاختیار فی هامشه

---

[1] قال العلامة فخر الدین المعروف بقاضی خان ؒ: ولا یزوج البکر البالغة أبوها علی کره منها خلافاً للشافعی ؒ۔ (فتاوی قاضیخان علی هامش الهندیة ج ۱ ص ۳۵۸ فی الفصل الاولیاء)
ومثله فی الفتاوی التاتارخانیة ج ۲ ص ۲۴ کتاب النکاح، معرفة الاولیاء۔

هٰکذا نعم ماذکرہ الشارح ۔ (رد المحتار ج۲ ص۶۶۴ کتاب النکاح) ؎۱

سورہ کی رسم کا شرعی حکم

سوال:۔ پٹھانوں میں ایک رسم زمانہ قدیم سے چلی آرہی ہے کہ جب وہ کسی جھگڑے کے سلسلہ میں راضی نامہ کرتے ہیں تو اس میں فریق مخالف کو لڑکی نکاح میں دی جاتی ہے جس کو عرف میں سورہ کہا جاتا ہے ۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ اس قسم کے معاملے میں اگر باپ اپنی نابالغ بیٹی دے دے تو کیا اس لڑکی کو بعد البلوغ خیار حاصل ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ یہ ایک جاہلانہ رسم ہے اس میں لوگ انتقام اس مظلوم لڑکی سے لیتے ہیں ،گھر میں اس کو زرخرید باندی کی طرح رکھا جاتا ہے بلکہ معاشرہ میں بھی یہ معیوب سمجھا جاتا ہے لہٰذا ایسی مظلوم لڑکی کو باپ کے سوءِ اختیار کی وجہ سے خیارِ بلوغ حاصل ہے اگر وہ چاہے تو خیار استعمال کرکے الگ ہوسکتی ہے ۔

عن خنساء بنت خذام الانصاریۃؓ ان اباھا زوجھا وھی ثیب فکرھت ذٰلک فاتت رسول اللّٰہ فرد نکاحہ ۔ (مختصر صحیح البخاری ج۲ ص۴۳۱ باب اذا زوج الرجل ابنتہ وھی کارھۃ فنکاحہ مردودٌ) ؎۲

؎۱ قال قاضی خان : ویجوز للزوج ان یأذن لھا بالخروج ولایصیر عاصیًا بالاذن ومنھا الخروج الی زیارۃ الوالدین وتعزیتھما وعیادتھما وزیارۃ المحارم ۔ (الفتاوی الخانیۃ علی ھامش الھندیۃ ج۱ ص۴۴۲ کتاب النکاح)

وَمِثْلُہٗ فی الاشباہ والنظائر ج۲ ص۱۰۹ کتاب النکاح ۔

؎۲ قال العلامۃ المرغینانیؒ : ولا یجوز للولی اجبار البکر البالغۃ علی النکاح ۔ وبعد اسطر ولنا انھا حرۃ فلایکون للغیر علیھا ولایۃ الاجبار ۔ (الھدایۃ ج۲ ص۱۰ کتاب النکاح)

وقال ایضًا : واذا زوج الاب ابنتہ الصغیرۃ ونقص من مھرھا اوابنہ الصغیر وزاد فی مھر امرأتہ جاز ذٰلک علیھما ولا یجوز ذٰلک لغیر الاب والجد وھٰذا عند ابی حنیفۃؒ وقال لایجوز الحط والزیادۃ الا بما یتغابن الناس فیہ ومعنی ھٰذا الکلام انہ لا یجوز العقد عندھما لان الولایۃ مقیدۃ بشرط النظر فعند فواتہ یبطل العقد ۔ (الھدایۃ ج۲ ص۱۷ کتاب النکاح ۔ فصل فی الکفاءۃ)

بیٹی کا غیر کفو میں نکاح کروانا

سوال:۔ اگر باپ کسی دینی یا دنیاوی مصلحت کی خاطر اپنی بیٹی کا نکاح غیر کفو میں کر دیتا ہے جبکہ لڑکی بھی اس پر راضی ہے، تو کیا یہ نکاح صحیح ہے ؟

الجواب:۔ غیر کفو میں نکاح عیب و رسوائی کی وجہ سے قابل اعتراض ہے ورنہ فی نفسہٖ اس میں کوئی حرج نہیں، اس لیے اگر لڑکی بالغہ ہو اور وہ باپ کے اس فیصلے پر راضی ہو تو نکاح درست ہے۔

قال الشیخ ظفر احمد العثمانیؒ: اگر لڑکی بالغہ اور باکرہ ہے اور اس کا ولی غیر کفو سے نکاح کرتا ہے اور لڑکی اس پر خاموش رہے یا زبان سے اس کو منظور کرے تو نکاح صحیح ہے، غیر کفو سے نکاح کرنا اس صورت میں مضائقہ نہیں رکھتا۔ واللہ اعلم

(امداد الاحکام ج ۲ ص ۳۲۳ کتاب النکاح) [1]

غیر کفو میں نکاح پر اولیاء کا اعتراض

سوال:۔ آجکل بعض لڑکیاں کسی غیر کفو والے لڑکے کے ساتھ فرار ہو کر نکاح کر لیتی ہیں، کیا ایسی لڑکی کے اولیاء کو نکاح پر اعتراض کرنے کا حق حاصل ہے یا نہیں ؟

الجواب:۔ جب کوئی لڑکی از خود غیر کفو میں شادی کرے جو خاندان کیلئے ذلت و رسوائی کا باعث ہو تو لڑکی کے ورثاء کو اس نکاح پر اعتراض کرنے کا حق حاصل ہے۔

قال العلامۃ المرغینانیؒ: اذا زوجت المرأۃ نفسھا من غیر کفو فللاولیاء ان یفرقوا بینھما دفعاً لضرر العار عن انفسھم۔ (الھدایۃ ج ۲ ص ۲۹۹ کتاب النکاح۔ باب الاکفاء والاولیاء) [2]

---

[1] قال الکاسانیؒ: واما انکاح الاب والجد الصغیر والصغیرۃ فالکفاءۃ فیہ لیست بشرط للزومہ عند ابی حنیفۃؒ کما انھا لیست بشرط الجواز عندہ فیجوز ذلک ویلزم الصدورہ ممن لہ کمال النظر بکمال الشفقۃ۔ (بدائع الصنائع ج ۲ ص ۳۱۸ فصل واما الثانی فالنکاح الذی) ــــ ومثلہ فی امداد الاحکام ج ۲ ص ۳۲۳ کتاب النکاح۔

[2] قال الکاسانیؒ: حتی لو زوجت نفسھا من غیر کفو من غیر رضاء الاولیاء لایلزم وللاولیاء حق الاعتراض لان فی الکفاءۃ حقاً للاولیاء لانھم ینتفعون بذلک الا تری انھم یتفاخرون بعلو نسب الختن ویتعیرون بدناءۃ نسبہ فیتضررون بذلک فکان لھم ان یدفعوا الضرر عن انفسھم بالاعتراض۔

(بدائع الصنائع ج ۲ ص ۳۱۸ کتاب النکاح۔ فصل واما الثانی)

فاسق وفاجر لڑکا دیندار خاندان کی لڑکی کا کفو نہیں | سوال:۔ ایک نیک اور دیندار خاندان سے تعلق رکھنے والی لڑکی نے معاشرہ میں کسی فاسق وفاجر اور بے دین لڑکے کے ساتھ بلا رضا اولیاء کے از خود شادی کر لی، تو کیا اس شادی پر لڑکی کے اولیاء کو اعتراض کا حق حاصل ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ جو بھی شادی لڑکی کے خاندان والوں کے لیے عار کا باعث بنتی ہو تو اس پر لڑکی کے اولیاء کو اعتراض کا حق حاصل ہے۔ چونکہ فسق وفجور اور بے دینی بھی ایک عیب ہے جو نیک اور دیندار خاندان کے لیے باعثِ عار ہے، اس لیے صورتِ مسئولہ میں لڑکی کے اولیاء کو اعتراض کا حق حاصل ہے۔ لیکن یہ یاد رہے کہ یہاں فسق سے مراد وہ فسق ہے جو عار کا باعث بنے۔

لما قال العلامة الکاسانی رحمه الله: حتی لو ان امرأۃ من بنات الصالحین اذا زوجت نفسها من فاسق کان للاولیاء حق الاعتراض ...... لان التفاخر بالدین احق من التفاخر بالنسب۔ (بدائع الصنائع ج۲ ص۳۲۱ کتاب النکاح۔ الفصل الثانی)[1]

ولایت میں ماں دادی سے مقدم ہے | سوال:۔ اگر کسی لڑکی کے آبائی رشتہ میں کوئی مرد نہ ہو تو کیا ولایت کا حق لڑکی کی دادی کو حاصل ہوگا یا اس کی ماں کو؟

الجواب:۔ جب کسی لڑکی کے آبائی رشتہ میں کوئی مرد نہ ہو تو ولایت کا حق اس لڑکی کی ماں کو حاصل ہے نہ کہ کسی اور کو۔

قال العلامة الحصکفیؒ: فان لم تکن عصبة فالولایة للام ثم لام الاب۔ (الدر المختار علی صدر رد المختار ج۳ ص۷۸ باب الاولیاء)[2]

---

[1] قال العلامة ابن نجیم المصریؒ: والظاهر ان الصلاح لو منها او من ابائهم کاف لعدم کون الفاسق کفأ لهم۔ (البحر الرائق ج۳ ص۱۳۲ کتاب النکاح۔ فصل فی الاکفاء والاولیاء)

[2] قال العلامة عالم بن العلاء الانصاریؒ: ثم عصبة مولی العتاقة ثم الام ثم ذو الارحام الاقرب فالاقرب وهذا قول ابی حنیفةؒ وانه استحسان۔ (الفتاوی التاتارخانیة ج۳ ص۱۹ الفصل الحادی عشر فی معرفة الاولیاء)

ولی کی اجازت کے بغیر بالغ مرد اور عورت کے نکاح کا حکم

سوال:۔ کیا کسی بالغ مرد اور بالغ عورت کا نکاح بلا اجازت ولی کے جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ حنفیہ کے نزدیک بالغ مرد اور عورت اپنے نفس کے خود مختار ہیں اس لیے دونوں ولی کی اجازت کے بغیر اپنا نکاح کرا سکتے ہیں اور ایسا نکاح شرعاً صحیح اور درست ہوگا، لیکن موجودہ دور کے نازک حالات کو سامنے رکھ کر ولی سے اجازت لینا فتنہ و فساد ختم کرنے کا ذریعہ ہے۔

قال المرغینانیؒ: وینعقد نکاح الحرة العاقلة البالغة برضاها وان لم یرضی علیها ولی بکراً کانت او ثیباً عند ابی حنیفة وابی یوسف (رحمهما الله) فی ظاهر الروایة۔
(الهدایة ج۲ ص۲۹۴ باب فی الاولیاء والاکفاء) [1]

بالغہ کا اپنے کفو میں نکاح کرنا صحیح ہے

سوال:۔ اگر ایک بالغ لڑکی والدین کی رضامندی کے بغیر اپنے کفو میں نکاح کرلے تو کیا یہ نکاح صحیح ہے؟

الجواب:۔ ایک عاقلہ بالغہ لڑکی کے لیے والدین کی رضامندی کے بغیر اپنے کفو میں نکاح کرنا احناف کے ہاں درست ہے اس لیے کہ بالغہ لڑکی اپنے اختیار کی حقدار ہے۔

قال المرغینانیؒ: وینعقد نکاح الحرة العاقلة البالغة برضاها وان لم یعقد ولی۔۔۔۔ للولی الاعتراض فی غیر الکفو وعن ابی حنیفةؒ وابی یوسفؒ انه لایجوز فی غیر الکفو الخ۔ (الهدایة ج۲ ص۲۹۴ باب فی الاولیاء والاکفاء) [2]

---

[1] قال العلامة داماد افندیؒ: نفذ ای صح نکاح حرة احترازاً عن الامة لان نکاحها موقوفٌ علی إذنِ مولاها کتوقف نکاح الصغیرة والمجنونة والمعتوهة علی اذن المولی ولذا قال مکلفه بکراً کان او ثیباً بلا ولی ای ولو کان النکاح بلا اذن ولی وحضوره عند الشیخینؒ فی ظاهر الروایة لانها تصرف فی خالص حقها وهی من اهله لکونها عاقلةً بالغةً۔ الخ (درر المنتقی شرح ملتقی ج۲ ص۳۳۲ باب الاولیاء والاکفاء)

[2] وفی الهندیة: ثم المرأة اذا زوجت نفسها من غیر کفو صح النکاح فی ظاهر الروایة۔۔۔۔ ولکن للاولیاء حق الاعتراض وروی الحسن عن ابی حنیفةؒ ان النکاح لاینعقد وبه اخذ کثیر من مشائخنا والمختار فی زماننا للفتوی روایة الحسن الخ۔ (الفتاوی الهندیة جلد۱ ص۲۹۲ الباب الخامس فی الاکفاء)
ومثله فی البحر الرائق ج۳ ص۱۱۱ باب الاولیاء والاکفاء۔

باب الرّضاع

(رضاعت کے مسائل)

رضاعی بھائی کی ماں سے نکاح کا مسئلہ

سوال: زید نے بکر کی ماں کا دودھ مدتِ رضاعت میں پیا ہے، اب بکر زید کی ماں سے نکاح کر سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب: صورتِ مسئولہ میں بکر کی ماں زید کی رضاعی والدہ ہے اور اس کی اولاد زید کے رضاعی بھائی بہن ہیں جن سے زید کا نکاح جائز نہیں، البتہ زید کی ماں کا اگر بکر کے ساتھ کوئی ایسا رشتہ نہ ہو جس سے حرمتِ نکاح ثابت ہو جائے اس لیے بکر کا نکاح زید کی حقیقی ماں سے جائز ہے۔

قال ابن نجیم المصریؒ: تحت قوله (وحرم به وإن قل فی ثلاثین شهرا ما حرم منه النسب إلا أم أخته وأخت ابنه) یعنی فانهما یحلان من الرضاع دون النسب، أطلق المضاف والمضاف إلیه ففی أم أخته ثلاث صور، الأولی الأم رضاعا والاخت نسبا بأن أرضعت أجنبية أخته نسبا ولم ترضعه الثانية عکسه ان یکون لاخته رضاعا أم من النسب۔

(البحر الرائق ج۳ ص۲۲۳ کتاب الرضاع)[۱]

رضاعی بھتیجی سے نکاح حرام ہے

سوال: رشیدہ نے خالد کی بیوی کا دودھ مدتِ رضاعت میں پیا ہے، کیا خالد کے بھائی بکر کا نکاح رشیدہ سے جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: صورتِ مذکورہ میں رشیدہ خالد کے بھائی (بکر) کی رضاعی بھتیجی ہے تو

---

[۱] قال ابن عابدینؒ: (وأم اخت) صادق بأن یکون کل منهما من الرضاع کأن یکون لك أخت من الرضاع لها أم أخری من الرضاع أرضعتها وحدها وبأن تکون الأخت فقط من الرضاع لها أم نسبية۔ (ردالمحتار ج۳ ص۲۱۴ کتاب الرضاع)

ومثله فی الهندیة ج۱ ص۳۴۳ کتاب الرضاع۔

جیسے نسبی (حقیقی) بھتیجی سے نکاح جائز نہیں اسی طرح رضاعی بھتیجی سے بھی رضاعی چچا کا نکاح ناجائز اور حرام ہے۔

عن ابن عباسؓ قال قیل للنبی صلی اللہ علیہ وسلم الا تزوج ابنۃ حمزۃؓ قال انہا ابنۃ اخی من الرضاعۃ۔ (الصحیح البخاری ج۲ ص۷۶۴ کتاب النکاح، باب یحرم من الرضاعۃ ما یحرم من النسب)[۱]

منکوحہ کا دودھ پینے سے نکاح پر کوئی اثر نہیں پڑتا

سوال:۔ اگر کسی نے اپنی بیوی کے پستان پر منہ رکھ کر قصداً یا سہواً دودھ پی لیا تو کیا اس سے نکاح پر کوئی اثر پڑے گا یا نہیں؟

الجواب:۔ حرمتِ رضاعت کے لیے مدتِ رضاعت (دو سال) کی عمر میں کسی عورت کا دودھ پینا ضروری ہے اور جو دودھ مدتِ رضاعت کے بعد پیا جائے اگرچہ حرام ہے مگر اس سے حرمتِ رضاعت ثابت نہیں ہوتی، صورتِ مسئولہ میں خاوند کی عمر اگر دو سال سے زیادہ ہو تو نکاح پر کوئی اثر نہیں پڑے گا البتہ ایسا کرنا حرام ضرور ہے۔

قال العلامۃ الحصکفیؒ: مص رجل ثدی زوجتہ لم تحرم۔ قال ابن عابدینؒ: تحتہ قید بہ احترازاً عما اذا کان الزوج صغیراً فی مدۃ الرضاع فانہا تحرم علیہ۔

(ردّ المحتار ج۳ ص۲۲۵ کتاب الرضاع)[۲]

رضاعی بھائی کی بہن سے نکاح کا حکم

سوال:۔ رضاعی بھائی کی بہن سے نکاح کرنا جائز ہے یا نہیں؟ مثلاً زید اور بکر رضاعی بھائی ہیں زید نے بکر کی ماں کا دودھ پیا ہے، اب بکر زید کی بہن سے نکاح کر سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ زید کی بہن اور بکر کے درمیان کوئی ایسا رشتہ نہیں ہے جو حرمت کا سبب بنے اس لیے بکر اپنے رضاعی بھائی کی سگی بہن سے نکاح کر سکتا ہے، البتہ زید

---

[۱] قال الشیخ النسفیؒ: زوج مرضعۃ لبنہا منہ اب للرضیع وابنہ اخ وبنتہ اخت واخوہ عم واختہ عمۃ۔ (کنز الدقائق علی ہامش البحر الرائق ج۳ ص۲۲۶ کتاب الرضاع)

ومثلہ فی الہندیۃ ج۱ ص۳۴۳ کتاب الرضاع۔

[۲] قال فی الہندیۃ: ولا بأس بان یسعط الرجل بلبن المرأۃ ویشربہ للدواء وفی شرب لبن المرأۃ للبالغ من غیر ضرورۃ اختلاف المتأخرین۔ (الفتاویٰ الہندیۃ ج۵ ص۳۵۵ الباب الثامن عشر فی التداوی الخ)

بکر کی نسبی بہن سے نکاح نہیں کر سکتا اس لیے کہ یہ لڑکی زید کی رضاعی بہن ہے ۔

قال العلامة الحصکفیؒ: وتحل أخت اخیہ رضاعًا یصح اتصالہ بالمضاف کان یکون لہ اخ نسبی لہ أخت رضاعیۃ وبالمضاف إلیہ کان یکون لأخیہ رضاعًا اخت نسبًا وبھما وھو ظاھر۔ (الدر المختار علی صدر المحتار ج ۳ ص۲۱۷ کتاب الرضاع) ؎۱

نکاح کے بعد رضاعت کے ثبوت کا حکم

سوال :۔ نکاح ہو جانے کے بعد اگر لڑکی کا والد کبھی رضاعت کا دعویٰ کر دے تو کیا اس دعویٰ کو اعتبار دیا جائے گا یا نہیں ؟

الجواب :۔ ثبوت رضاعت کے لیے حجت کاملہ ضروری ہے وجو دو عادل مرد یا ایک عادل مرد اور دو عادل عورتیں ہیں) صرف ایک مرد یا صرف دو عورتوں کا قول دعویٰ رضاعت کے ثبوت کے لیے کافی نہیں تاہم نکاح سے پہلے اگر ایک عورت کا بیان جو موجب ظن غالب ہو تو احتیاط اس میں ہے کہ اس کو اعتبار دے کر نکاح سے اجتناب کیا جائے، البتہ جہاں زوجین کسی عورت کے بیان پر اعتماد کر کے یقین کریں تو ایسی حالت میں انکی تصدیق گواہوں یا کسی گواہی کی محتاج نہیں ۔

قال طاہر بن عبدالرشید البخاریؒ: ولا تجوز شہادۃ إمرأۃ واحدۃ علی الرضاع اجنبیۃ کانت أو أم أحد الزوجین، فان وقع فی قلبہ صدق المخبر فالأفضل أن یتنزہ قبل العقد وبعد العقد یسعھا المقام معہ حتی یشھد علی ذلک رجلان أو رجل وإمرأتان عدول ولا یقبل شہادۃ النساء وحدھن۔ (خلاصۃ الفتاوی ج ۲ ص۱۱ الفصل الرابع فی الرضاع) ؎۲

؎۱ قال ابن نجیمؒ: تحت قول النسفیؒ (وتحل أخت أخیہ رضاعًا) یصح اتصالہ بکل من المضاف والمضاف إلیہ وبھما کما قدمناہ ۔ (البحر الرائق ج ۳ ص۲۲۷ کتاب الرضاع)

ومثلہٗ فی الھندیۃ ج ۱ ص۳۴۳ کتاب الرضاع ۔

؎۲ قال ابن نجیمؒ: تحت قول النسفیؒ (ویثبت بما یثبت بہ المال) وھو شہادۃ رجلین عدلین أو رجل وإمرأتین عدول..... وان کان الخبر بعد النکاح وھما کبیران فالأحوط أن یفارقھا روی ذلک عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم أنہ أمر بالمفارقۃ ۔ (البحر الرائق ج ۳ ص۲۳۲ کتاب الرضاع)

ومثلہٗ فی ردالمحتار ج ۳ ص۲۲۴ کتاب الرضاع ۔

رضاعت کے ثبوت کے لیے ایک بار پستان چوسنا کافی ہے

سوال:۔ کیا رضاعت کے اثبات کے لیے پانچ مرتبہ پستان چوسنا ضروری ہے یا صرف ایک بار چوسنے سے رضاعت ثابت ہوگی؟

الجواب:۔ احناف کثر اللہ سوادہم کے نزدیک دودھ حلق کے اندر اُترنے سے حرمت ثابت ہو جاتی ہے، چاہے وہ ایک مرتبہ ہو یا پانچ مرتبہ، البتہ شوافع کے ہاں پانچ مرتبہ چوسنا ضروری ہے۔

قال العلامة المرغینانیؒ: قلیل الرضاع وکثیرہ سواءٌ اذا حصل فی مدت الرضاع یتعلق بہ التحریم قال الشافعی لا یثبت التحریم الا بخمس رضعات۔
(الهداية ج۱ ص۳۲۹ کتاب الرضاع)[1]

رضاعی بیٹی کی نسبی بہن سے نکاح جائز ہے

سوال:۔ کیا رضیعہ کی نسبی بہن سے مرضعہ کا شوہر نکاح کر سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ حرمت رضاعت میں رضیعہ کی طرف سے مرضعہ اور اس کے شوہر پر صرف رضیعہ اور اس کی بیوی اور اس کی اولاد حرام ہوتی ہے باقی کے ساتھ مرضعہ اور اس کے شوہر کا کوئی حرمت والا رشتہ نہیں اس لیے مرضعہ کا شوہر رضیعہ کی نسبی بہن سے نکاح کر سکتا ہے۔

قال العلامة المرغینانیؒ: وتجوز تزوج اخت ابنہ من الرضاع ولا یجوز ذلك من النسب۔ (الهداية ج۱ ص۳۳۳ کتاب الرضاع)[2]

---

[1] قال العلامة صدر الشریعةؒ: یثبت بمصة فی حولین ونصف لا بعد ...... عند الشافعی یثبت بخمس مصاتٍ۔ (شرح الوقاية ج۲ ص۲۰ کتاب الرضاع)
وَمِثْلُہٗ فی فتح القدیر ج۳ ص۳۰۳ کتاب الرضاع۔

[2] قال العلامة الحصکفی رحمہ اللہ: ویحرم منہ ما یحرم من النسب ... الا ام اخیہ واختہ ..... وقس علیہ اخت ابنہ وبنتہ۔ قال ابن عابدینؒ تحت قولہ اخت ابنہ انما حرمت علیہ اخت ابنہ وبنتہ نسبًا لکونہ بنتہ اوبنت امرأتہ وھذا المعنی مفقود فی الرضاع۔ (رد المحتار ج۲ ص۴۰۶ باب الرضاع)
وَمِثْلُہٗ فی البحر الرائق ج۳ ص۲۲۳ کتاب الرضاع۔

رضیعہ پر مرضعہ اور شوہر کے اصول و فروع حرام ہیں

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ رضیعہ یعنی دودھ پینے والے بچے پر مرضعہ یعنی دودھ پلانے والی عورت اور اس کے شوہر کی طرف سے کون کون سے رشتہ دار حرام ہو جاتے ہیں؟

الجواب:۔ حرمتِ رضاعت مرضعہ اور اس کے شوہر کی طرف سے رضیعہ پر اصول اور فروع دونوں حرام ہیں، یعنی مرضعہ کے آباؤ اجداد اور اس کی اولاد اور اسی طرح شوہر کے آباؤ اجداد مع اس کی اولاد کے حرام ہوں گے۔

قال العلامة المرغینانی رحمه الله : ویحرم من الرضاع ما یحرم من النسب لحدیث الذی رویناه۔ (الهدایة ج۲ ص۳۳۰ کتاب الرضاع) ؎۱

رضاعت پر اُجرت لینا جائز ہے

سوال:۔ کیا مرضعہ عورت رضاعت پر رضیعہ کے باپ یا ولی سے اجرت لے سکتی ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ رضاعت ایسا عمل ہے کہ اس کے کرنے کی اُجرت کے جواز پر سب علماءؒ کا اتفاق ہے اس لیے مرضعہ رضاعت پر اجرت لے سکتی ہے شرعاً اس میں کوئی قباحت نہیں ہے۔

لما فی الهندیة : واجمعوا علی ان مدة الرضاع فی استحقاق اجرة الرضاع مقدر بحولین حتی ان المطلقة اذا طالبته بعد الحولین با جرة الرضاع فابی الاب ان یعطی لا یجبر ویجبر فی الحولین۔ (الفتاوی الهندیة ج۱ ص۳۴۳ کتاب الرضاع) ؎۲

؎۱ قال العلامة الحصکفی رحمه الله : فیحرم منه ای بسببه ما یحرم من النسب۔
(الدر المختار علی هامش رد المحتار ج۲ ص۴۰۵ باب الرضاع)

وَمِثْلُهٗ فی البحر الرائق ج۳ ص۲۲۲ کتاب الرضاع۔

؎۲ قال العلامة فخر الدین قاضی خانؒ : واجمعوا علی ان مدة الرضاع فی استحقاق اجرة الرضاع علی الاب مقدر بحولین حتی ان المطلقة اذا طالبته بعد الحولین اجرة الرضاع فابی الاب ان یعطی لا یجبر و یجبر فی الحولین۔
(فتاوی قاضیخان علی هامش الهندیة ج۱ ص۴۱۷ باب الرضاع)

عمر رسیدہ عورت کے پستان سے نکلنے والے سفید پانی سے رضاعت ثابت نہیں

سوال، اگر کسی بچے نے انتہائی بوڑھی عورت (جو سنِ ایاس کو پہنچ چکی ہے) کے پستان سے سفید پانی پیا ہو تو کیا اس سے حرمتِ رضاعت ثابت ہوگی یا نہیں؟

الجواب:۔ اگر کسی بوڑھی عورت کے پستان سے سفید پانی نکل آئے جو دودھ جیسا نہ ہو تو اس کے پینے سے حرمتِ رضاعت ثابت نہیں ہوتی، لہٰذا صورتِ مسئولہ میں اگر واقعی بچے نے سفید پانی پیا ہو تو حرمت نہیں ورنہ ہے۔

قال العلامة الحصکفیؒ: ولبن بکر بنت تسع سنین فاکثر محرم والا لا جوهرة۔
قال ابن عابدینؒ: تحت هٰذا القول ای وان لم تبلغ تسع سنین فنزل لها لبن لا تحرم جوهرة لانهم نصبوا علیٰ ان اللبن لا یتصور الا ممن تتصور منه الولادة فیحکم بانه لیس لبنًا کما لو نزل للبکر ماء اصفر لا یثبت من ارضاعه تحریم کما فی شرح الوهبانیة۔ (ردّ المحتار ج۲ ص۴۳۳ باب الرضاع)

صرف دعویٰ کرنے سے حرمتِ رضاعت ثابت نہیں ہوگی

سوال:۔ اگر مرضعہ (دودھ پلانے والی عورت) یہ دعویٰ کرے کہ فلاں لڑکے کو میں نے دودھ پلایا ہے مگر اس پر گواہ نہیں، تو کیا صرف مرضعہ کے اس دعویٰ سے حرمتِ رضاعت ثابت ہو کر لڑکے کا مرضعہ کی بیٹی سے نکاح حرام ہو جائے گا یا نہیں؟

الجواب:۔ رضاعت کے اثبات کے لیے شرعی گواہوں کا ہونا ضروری ہے جو یہاں مفقود ہے اس لیے صرف مرضعہ کے دعویٰ سے حرمتِ رضاعت ثابت نہ ہوگی، البتہ اگر مرضعہ اپنے دعویٰ میں سچی ہو تو جتنا ہو سکے اجتناب بہتر ہے اگرچہ نکاح صحیح ہوگا۔

قال العلامة الحصکفیؒ: وحجته حجة المال وهی شهادة عدلین او عدل وعدلتین۔
قال ابن عابدینؒ: ولو احداهما المرضعة۔ (ردّ المحتار ج۲ ص۴۴۸ باب الرضاع) [1]

---

[1] قال العلامة المرغینانیؒ: ولا یقبل فی الرضاع شهادة النساء منفردات وانما یثبت بشهادة رجلین او رجل وامرأتین۔ (الهدایة ج۲ ص۳۳۳ کتاب الرضاع)
ومثلهٗ فی البحر الرائق ج۳ ص۲۳۲ کتاب الرضاع۔

شوہر کا بیوی کے پستان چوسنے سے حرمتِ رضاعت ثابت نہیں ہوتی

سوال: عوام الناس میں یہ بات مشہور ہے کہ اگر شوہر بیوی کے پستان پر منہ رکھ کر اس کا دودھ چوس لے جو اس کے حلق سے اُتر جائے تو اس شخص کا نکاح ٹوٹ جائے گا اور اس کی بیوی بمنزلہ ماں کے ہو جائے گی، شرعاً اس کی حقیقت کیا ہے؟

الجواب: حرمتِ رضاعت کے لیے مدتِ رضاعت کے اندر دودھ پینا لازمی ہے، اگر مدتِ رضاعت کے بعد دودھ پیا جائے تو حرمت ثابت نہ ہوگی اس لیے عوام الناس کی یہ بات غلط ہے اور شوہر کا بیوی کا دودھ پینے سے نہ نکاح متاثر ہوگا اور نہ بیوی اس کی ماں بن سکتی ہے، تاہم مرد کے لیے بیوی کا دودھ پینا حرام ضرور ہے۔

قال العلامة المرغيناني: ثم مدة الرضاع ثلثون شهرا عند ابي حنيفة وقالا سنتان و هو قول الشافعي ۔۔۔ قال النبي عليه السلام لا رضاع بعد حولين۔ (الهداية ج۲ ص۳۲۹ كتاب الرضاع) [1]

رضاعی بیٹی کا مرضعہ کے سابقہ خاوند سے نکاح جائز ہے

سوال: ایک بچی نے کسی عورت مثلاً ہندہ کا بچپن میں دودھ پیا ہے، ظاہر ہے کہ اس بچی کا نکاح ہندہ کے موجودہ شوہر سے (جس کی وجہ سے اُسے یہ دودھ آیا ہے) تو جائز نہیں لیکن کیا یہ لڑکی ہندہ کے سابقہ شوہر کے لیے بھی حرام ہے یا نہیں؟

الجواب: رضیعہ (بچی) پر مرضعہ کا وہ شوہر حرام ہے جس کی وجہ سے اُسے موجودہ دودھ آیا ہو، یہ شخص اب اس بچی کا رضاعی باپ ہے، اس کے علاوہ اگر ہندہ کا کوئی سابقہ خاوند ہو اور اس کے ساتھ اس بچی کا کوئی رشتہ نہیں جو سببِ حرمت کا بنے اس لیے ان دونوں کا نکاح صحیح ہے اس میں شرعاً کوئی قباحت نہیں ہے۔

قال العلامة المرغيناني: لبن الفحل يتعلق به التحريم وهو ان ترضع المرأة صبية

---

[1] قال العلامة علاؤ الدين الحصكفي رحمه الله: وحولان و نصف عنده وحولان فقط عندهما وهو الاصح فتح وبه يفتى كما في تصحيح القدوري۔

(الدر المختار على هامش رد المحتار ج۲ ص۴۰۳ باب الرضاع)

ومثله في فتح القدير ج۳ ص۳۰۹ كتاب الرضاع۔

فتحرم هٰذہ الصبیۃ علیٰ زوجہا وعلیٰ ابائہ وابنائہ ویصیر الزوج الذی نزل لہامنہ اللبن ابا للمرضعۃ ۔ (الہدایۃ ج۲ ص۳۳۰ کتاب الرضاع) لہ

رضاعی بیٹے کی بیوہ سے نکاح جائز نہیں

سوال:۔ زید نے بچپن میں زینب کا دودھ پیا ہے اب جبکہ زید کا انتقال ہوگیا ہے تو کیا زید کا رضاعی باپ اس کی بیوہ سے نکاح کرسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ جو بچہ کسی عورت کا دودھ پی لے تو اس عورت کا شوہر جس سے یہ دودھ ہے اس بچے کا رضاعی باپ بن جاتا ہے، جس طرح سگے بیٹے کی بیوہ سے نکاح صحیح نہیں اسی طرح رضاعی بیٹے کی بیوہ سے بھی نکاح کرنا جائز نہیں، اس لیے زینب کا شوہر زید کی بیوہ سے نکاح نہیں کرسکتا۔

قال العلامۃ ابن عابدینؒ: الاحلال حلیلۃ الابن رضاعًا فانہا تحرم کالنسب بحرو غیرہ۔ (ردّالمحتار ج۲ ص۳۸۳ فصل فی المحرمات) ۲ہ

نسبی بھائی کا رضاعی بہن سے نکاح کرنا

سوال:۔ زید نے ہندہ کے ساتھ بچپن میں اس کی ماں کا دودھ پیا ہے، کیا ہندہ کا نکاح زید کے دوسرے بھائی بکر سے جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ حرمتِ رضاعت میں وہ رشتہ دار حرام ہوجاتا ہے جس میں جزئیت ثابت ہوتی ہو، چونکہ صورتِ مسئولہ میں ہندہ کا زید کے ساتھ جزئیت کا رشتہ ثابت ہوچکا ہے اس کے

لہ قال العلامۃ ابن نجیم المصریؒ: (زوج مرضعۃ لبنہا منہ اب للرضیع) بیان لان لبن الفحل یتعلق بہ التحریم لعموم الحدیث المشہور واذا ثبت کونہ ابا لہ لایحل لکل منہما موطوءۃ الاخر۔ (البحرالرائق ج۳ ص۲۲۶ کتاب الرضاع)

وَمِثْلُہٗ فی الہندیۃ ج۱ ص۳۴۳ کتاب الرّضاع ۔

۲ہ قال العلامۃ ابن نجیم المصریؒ: معناہ ان الحرمۃ بسبب الرضاع تعتبر بحرمۃ النسب فشمل حلیلۃ الابن والاب من الرضاع لانہا حرام بسبب النسب وکذا بسبب الرضاع ۔ (البحرالرائق ج۳ ص۲۲۲ کتاب الرضاع)

وَمِثْلُہٗ فی الہندیۃ ج۱ ص۳۴۳ کتاب الرضاع ۔

بھائی بکر کے ساتھ نہیں اس لیے ہندہ کا نکاح بکر کے ساتھ جائز ہے۔

لما قال العلامة الحصکفیؒ: وتحل اخت اخیه رضاعًا یعم اتصاله بالمضاف کان یکون له اخ نسبی له اخت رضاعیة۔ (الدرالمختار علی ہامش ردالمحتار ج۲ ص۵۶۱ باب الرضاع) [1]

رضاعی باپ کی منکوحہ سے نکاح کرنا

سوال:۔ ایک لڑکے نے کسی شخص کی بیوی کا دودھ مدتِ رضاعت میں پیا تھا، اب وہ بالغ ہو چکا ہے اور اس شخص کی دوسری بیوی سے نکاح کرنا چاہتا ہے، کیا یہ لڑکا اس شخص کی دوسری بیوی سے نکاح کر سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ یہ شخص اس لڑکے کا رضاعی باپ ہے، تو جس طرح اپنے نسبی باپ کی موطوءہ سے نکاح کرنا جائز نہیں تو اسی طرح رضاعی باپ کی موطوءہ سے بھی نکاح کرنا جائز نہیں ہے۔

قال ابن عابدینؒ: (تحت قوله مایحرم من النسب) معناه ان الحرمة بسبب الرضاع معتبرة بحرمة النسب فشمل زوجة الابن والاب من الرضاع لانها حرام بسبب النسب وکذا بسبب الرضاع وهو قول اکثر اهل العلم کذا فی المبسوط بحر۔ (ردالمحتار ج۲ ص۵۵۵ باب الرضاع) [2]

غلطی سے کسی عورت کا دودھ پینے سے بھی رضاعت ثابت ہو جاتی ہے

سوال:۔ اگر کوئی بچہ غلطی سے یا دھوکہ سے کسی عورت کا دودھ پی لے تو کیا اس سے حرمتِ رضاعت ثابت ہو گی یا نہیں؟

---

[1] قال المرغینانیؒ: ویجوز ان یتزوج الرجل باخت اخیه من الرضاع لانه یجوز ان یتزوج باخت اخیه من النسب۔ (الهدایة ج۲ ص۳۳۳ کتاب الرضاع)
وَمِثْلُهٗ فی شرح الوقایة ج۲ ص۷۶ کتاب الرضاع۔

[2] قال المرغینانیؒ: وامرأة ابیه وامرأة ابنه من الرضاع لایجوز ان یتزوجها کما لایجوز ذلک من النسب۔ (الهدایة ج۲ ص۳۳۱ کتاب الرضاع)
وَمِثْلُهٗ فی البحرالرائق ج۳ ص۲۲۲ کتاب الرضاع۔

الجواب:۔ مدتِ شیر خوارگی میں جب بچہ کسی عورت کا دودھ پی لے تو حرمتِ رضاعت ثابت ہو جائے گی چاہے بچے نے غلطی سے پیا ہو یا دھوکا اور قصد و ارادہ سے۔

قال فخر الدین قاضی خانؒ: قلیل الرضاع وکثیرہ سواء عندنا...... کما یحصل الرضاع بالمص من الثدی یحصل بالصب والسعوط۔

(الفتاوی قاضی خان علی هامش الهندیة ج ۱ ص۴۱۶، ۴۱۷ باب الرضاع) [1]

چمچہ سے بچہ کو دودھ دینا موجب رضاعت ہے

سوال:۔ اگر کسی بچے کو چمچہ کے ذریعے کسی عورت کا دودھ پلایا جائے تو کیا اس سے حرمتِ رضاعت ثابت ہوگی یا نہیں؟

الجواب:۔ جب دودھ بچے کے حلق کے نیچے چلا جائے چاہے کسی بھی طریقے سے ہو تو حرمتِ رضاعت ثابت ہوگی، چونکہ صورتِ مسئولہ میں دودھ حالتِ صغر میں بچے کے بدن میں پہنچ چکا ہے اس لیے حرمتِ رضاعت ثابت ہو گئی ہے۔

قال العلامة المرغینانیؒ: اذا اختلط اللبن بالماء واللبن هو الغالب تعلق به التحریم وان غلب الماء لم یتعلق التحریم۔ (الهدایة ج۲ ص۳۳۱ کتاب الرضاع) [2]

رضاعی بہن بھائی کا نکاح حقیقتِ حال معلوم ہونے کے بعد واجب التفریق ہے

سوال:۔ اگر ایک عورت کا نکاح لاعلمی میں کسی ایسے مرد سے ہو جائے جس نے بچپن میں اس کے ساتھ کسی عورت کا دودھ پیا تھا، کیا اب حقیقتِ حال کا علم ہونے کے بعد ان کے درمیان تفریق کرانی ضروری ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ چونکہ یہ دونوں آپس میں رضاعی بہن بھائی ہیں اسلئے ان دونوں کا نکاح شرعًا

---

[1] قال العلامة ابن نجیمؒ: هو مص الرضیع من ثدی الآدمیة فی وقت مخصوص ای وصول اللبن من ثدی المرأة الی جوف الصغیر من فمه او انفه فی مدة الرضاع۔ (البحر الرائق ج ۳ ص۲۲۱ کتاب الرضاع)
وَمِثْلُهُ فی الهندیة ج ۱ ص۳۴۲ کتاب الرضاع۔

[2] قال العلامة ابن نجیمؒ: لو اختلط اللبن لما ذکر یعتبر الغالب فان کان الغالب الماء لا یثبت التحریم۔ (البحر الرائق ج۳ ص۲۲۸ کتاب الرضاع)
وَمِثْلُهُ فی الهندیة ج ۱ ص۳۴۴ کتاب الضاع۔

جائز نہیں ہے اور دونوں کے درمیان تفریق لازمی ہے جو نفسِ متارکت سے ثابت ہوسکتی ہے۔

قال العلامۃ الحصکفیؒ: (ولا) حل (بین الرضیعۃ وولد مرضعتھا) ای التی ارضعتھا (وولد ولدھا) لانہ ولد الاخ ۔۔ الخ (الدرالمختار علی ہامش ردالمحتار ج ۲ ص۴۴۳ باب الرضاع)

وقال ایضاً: (فیحرم منہ) ای بسببہ (ما یحرم من النسب) ۔۔۔ الخ

(الدرالمختار علی ہامش ردالمحتار ج ۲ ص۴۳۹ باب الرضاع) ؎۱

بلوغ کے بعد دودھ پینے سے حرمت ثابت نہیں

سوال:۔ کسی عورت کے ساتھ ایک لڑکے نے زنا کے دوران اس کے پستان کو منہ میں لے کر اس کا دودھ پیا، کیا اب اس مزنیہ اور زانی کا آپس میں نکاح جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ حرمتِ رضاعت کے لیے دو، اڑھائی سال کے اندر اندر کسی عورت کا دودھ پینا ضروری ہے، اس مدت کے بعد دودھ پینے سے حرمت ثابت نہ ہوگی، لہٰذا اس زانی لڑکے کا نکاح مزنیہ سے جائز ہے۔

قال العلامۃ المرغینانیؒ: مدۃ الرضاع ثلثون شھراً عند ابی حنیفۃؒ ۔ وقالا سنتان وھو قول الشافعیؒ ۔۔۔۔ وقال النبی علیہ السلام لارضاع بعد حولین ۔

(الھدایۃ ج ۲ ص۳۲۹ کتاب الرضاع) ؎۲

شک کی بنا پر رضاعت ثابت نہیں

سوال:۔ رات کے وقت ایک شیرخوار بچی نے کسی عورت کے پستان کو منہ میں لیا

؎۱ وفی الھندیۃ: یحرم علی الرضیع ابواہ من الرضاع واصولھما وفروعھما من النسب ۔۔۔۔۔ فالکل اخوۃ الرضیع واخواتہ واولادھم اولاد اخوتہ واخواتہ الخ ۔

(الفتاوی الھندیۃ ج ا ص۳۴۳ کتاب الرضاع)

؎۲ قال العلامۃ الحصکفیؒ: ھو حولان ونصف عندہ وحولان فقط عندھما وھو الاصح فتح وبہ یفتی کما فی تصحیح القدوری ۔۔۔۔ ولا یصح الارضاع بعد مدتہ ۔

(الدرالمختار علی ہامش ردالمحتار ج ۲ ص۴۰۲/۴۰۳ باب الرضاع)

ومثلہٗ فی فتح القدیر ج ۳ ص۳۰۹ کتاب الرضاع ۔

مگر اس بات کا یقین نہیں کہ آیا بچی نے دودھ پیا ہے یا نہیں، تو کیا اب اس بچی کا نکاح مذکورہ عورت کے لڑکے سے جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ حرمتِ رضاعت کے ثبوت کے لیے یقینِ محکم کا ہونا ضروری ہے محض شک کی بناء پر حرمت ثابت نہ ہوگی، البتہ احتیاط اس میں ہے کہ مذکورہ بچی کا نکاح اس عورت کے کسی بھی بیٹے کے ساتھ نہ کیا جائے۔

قال الشیخ ابن الھمامؒ: بان ادخلت الحلمۃ فی فم الصغیر وشکت فی الارتضاع لا تثبت الحرمۃ بالشک۔ (فتح القدیر ج۳ ص۳۰۲ کتاب الرضاع)[1]

مدتِ رضاعت کے بعد دودھ پلانے سے رضاعت ثابت نہیں ہوتی

سوال:۔ اگر کوئی عورت کسی کے بچے کو دو سال کے بعد اپنا دودھ پلائے تو کیا اس سے حرمتِ رضاعت ثابت ہوگی یا نہیں؟

الجواب:۔ حرمتِ رضاعت کے ثبوت کے لیے مدتِ رضاعت کے اندر اندر دودھ پینا یا پلانا ضروری ہے جو بنصِ قرآن دو سال ہے، لہٰذا اگر کوئی عورت کسی غیر کے بچے کو دو سال کے بعد دودھ پلائے تو اس سے حرمتِ رضاعت ثابت نہ ہوگی۔

قال النبی علیہ السلام: لا رضاع بعد حولین۔ (الھدایۃ ج۲ ص۳۲۹ کتاب الرضاع)[2]

رضاعی ماں کی پوتی سے نکاح کرنے کا مسئلہ

سوال:۔ ایک لڑکے نے دو سال کی عمر سے پہلے اپنی دادی کا دودھ پیا تھا، اب وہ اپنے چچا کی لڑکی سے نکاح کرنا چاہتا ہے، تو کیا یہ لڑکی اس کے لیے حلال

---

[1] قال العلامۃ الحصکفیؒ: فلو التقم الحلمۃ ولم یدر ادخل اللبن فی حلقہ ام لا لم یحرم لان فی المانع شکا۔ (الدر المختار علی ہامش رد المحتار ج۲ ص۵۵۶ باب الرضاع)

ومثلہٗ فی البحر الرائق ج۳ ص۲۲۲ کتاب الرضاع۔

[2] قال الحصکفیؒ:۔ فی وقت مخصوص ھو حولان ونصف عندہ وحولان فقط عندھما وھو الاصح فتح وبہ یفتی کما فی تصحیح القدوری ..... ولم یبح الارضاع بعد مدتہ۔ (الدر المختار علی ہامش رد المحتار ج۲ ص۴۰۳،۴۰۴ باب الرضاع)

ومثلہٗ فی فتح القدیر ج۳ ص۳۰۹ کتاب الرضاع۔

ہو گی یا نہیں؟

الجواب:۔ صورتِ مسئولہ کے مطابق یہ لڑکی مذکورہ لڑکے کی رضاعی بھتیجی لگتی ہے، اور بھتیجی سے نکاح کرنا شرعاً درست نہیں لہٰذا یہ لڑکا چچا کی بیٹی سے نکاح نہیں کرسکتا۔

قال العلامة المرغینانی رحمہ اللہ : ویحرم من الرضاع مایحرم من النسب للحدیث الذی رویناہ۔ (الھدایة ج۲ ص۳۳۰ کتاب الرضاع) [1]

مدتِ رضاعت

سوال:۔ جناب مفتی صاحب! مدتِ رضاعت کے اثبات کے لیے کتنا وقت مقرر ہے؟ یا یہ کہ جب بھی کوئی کسی عورت کا دودھ پی لے تو حرمتِ رضاعت ثابت ہوجاتی ہے؟

الجواب:۔ حرمتِ رضاعت کے لیے جمہور علماء کے نزدیک دو سال کی مدت مقرر ہے جبکہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک تیس مہینے یعنی اڑھائی سال مقرر ہے، لہٰذا اس مدت کے اندر اندر جب بھی والدہ کے علاوہ کسی دوسری عورت کا دودھ پیا جائے تو رضاعت ثابت ہو گی ورنہ نہیں۔

قال العلامة المرغینانی رحمہ اللہ:۔ مدة الرضاع ثلثون شھراً عند ابی حنیفةؒ وقالا سنتان وھو قول الشافعیؒ۔ (الھدایة ج۲ ص۳۲۹ کتاب الرضاع) [2]

رضاعی بھانجی سے نکاح جائز نہیں

سوال:۔ اگر ایک عورت نے کسی لڑکے کو دودھ پلایا ہو اور اس عورت کی بیٹی نے کسی اور لڑکی کو دودھ پلایا ہو تو اس لڑکے اور لڑکی کا آپس میں نکاح کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ بھانجی سے چاہے وہ حقیقی ہو یا رضاعی دونوں صورتوں میں نکاح جائز نہیں

---

[1] قال العلامة الحصکفی رحمہ اللہ :۔ ویحرم منہ ای بسببہ مایحرم من النسب۔ (الدر المختار علیٰ ھامش ردالمحتار ج۲ ص۴۰۵ باب الرضاع)

وَمِثْلُہٗ فی البحر الرائق ج۳ ص۲۲۲ کتاب الرضاع۔

[2] قال العلامة الحصکفی رحمہ اللہ :۔ ھو حولان ونصف عندہ وحولان فقط عندھما وھو الاصح فتح وبہ یفتی کما فی تصحیح القدوری۔ (الدر المختار علیٰ ھامش ردالمحتار ج۲ ص۴۰۳ باب الرضاع)

وَمِثْلُہٗ فی فتح القدیر ج۳ ص۳۰۹ کتاب الرضاع۔

چونکہ صورتِ مسئولہ میں یہ لڑکی اس لڑکے کی رضاعی بھانجی لگتی ہے اس لیے ان دونوں کا نکاح شرعاً جائز نہیں۔

قال العلامۃ المرغینانی رحمہ اللہ: ویحرم من الرضاع ما یحرم من النسب للحدیث الذی رویناہ۔ (الهدایۃ ج۲ ص۳۳۳ کتاب الرضاع) لہ

حرمت رضاعت صرف اسلام کا حکم ہے

سوال:۔ جناب مفتی صاحب! کیا حرمتِ رضاعت اسلام کے علاوہ دوسرے شرائع میں بھی نازل ہوئی تھی یا نہیں؟

الجواب:۔ اسلام دیگر منفردات کے علاوہ اس مسئلہ میں بھی منفرد مذہب ہے جس میں رضاعت کی وجہ سے بھی نسبی رشتہ جیسی حرمت بیان فرمائی گئی، اسلام کے علاوہ دیگر مذاہب میں یہ حکم نہ تھا۔

قال الشیخ ابوزھرۃؒ: انفردت الشریعۃ الاسلامیۃ من بین الشرائع السماویۃ القائمۃ الاٰن یجعل الرضاع سبباً من اسباب التحریم۔
(الاحوال الشخصیۃ ص۸۳ التحریم بالرضاع)

اپنی والدہ اور نانی کا دودھ پینے سے ماموں کی اولاد سے نکاح کا حکم

سوال:۔ میرے بڑے بھائی اور ایک بہن نے اپنی والدہ اور نانی کا دودھ پیا ہے، اب سوال یہ ہے کہ اگر ہم اپنے کسی بھائی کا نکاح اپنے ماموں یا خالہ کی لڑکی سے کرنا چاہیں تو وہ شریعتِ مقدسہ کی رُو سے جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ جس بھائی اور بہن نے نانی کا دودھ پیا ہے اس کا نکاح ماموں اور خالہ کی اولاد سے حرام ہے اور جس بھائی اور بہن نے نانی کا دودھ نہ پیا ہو تو اس کا نکاح خالہ اور ماموں کی اس اولاد سے درست ہوگا جس نے نہ نانی کا دودھ پیا ہو اور نہ اس بھائی اور بہن کی والدہ کا دودھ پیا ہو۔

لہ قال العلامۃ الحصکفی رحمہ اللہ: ویحرم منہ ای بسببہ ما یحرم من النسب۔ (الدر المختار علی ہامش رد المحتار ج۲ ص۴۰۵ باب الرضاع)
ومثلہٗ فی البحر الرائق ج۳ ص۲۲۲ کتاب الرضاع۔

قال العلامة الحصکفیؒ: فیحرم منہ ای بسببہ ما یحرم من النسب الام اخیہ واختہ واخت ابنہ وبنتہ وجدۃ ابنہ و بنتہ وام عمہ وعمتہ .الخ

(الدر المختار علی ہامش رد المحتار ج۲ ص۴۳۹ کتاب النکاح. باب الرضاع)[1]

رضاعی خالہ سے نکاح کا حکم

سوال:۔ جناب مفتی صاحب! ایک لڑکے نے صغر سنی میں ایک عورت کا دودھ پیا ہے اب اُس کے والدین اُس عورت کی چھوٹی بہن سے اِس لڑکے کا نکاح کرنا چاہتے ہیں، کیا شرعاً اِن دونوں کا نکاح درست ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ قانونِ شریعت کی رُو سے جس عورت سے نکاح نسبی رشتے کے حوالے سے حرام ہے تو رضاعی رشتے کے حوالے سے بھی اس عورت سے نکاح جائز نہیں، صورتِ مسئولہ کے مطابق یہ لڑکی چونکہ اس لڑکے کی رضاعی خالہ ہے اس لیے نسبی خالہ کی طرح رضاعی خالہ سے بھی نکاح ناجائز و حرام ہے، لڑکے کے والدین کو چاہیئے کہ وہ اس ارادے کو ترک کر دیں۔

لما قال العلامة المرغینانی رحمه الله: یحرم من الرضاع ما یحرم من النسب للحدیث الذی رویتا۔

(الهداية ج۲ ص۳۳۳ کتاب الرضاع)[2]

---

[1] وفی الهندية: وتثبت حرمة المصاهرة فی الرضاع حتی ان امرأة الرجل حرام علی الرضیع وامرأة الرضیع حرام علی الرجل وعلی هذا القیاس الا فی المسئلتین احدهما ان لا یجوز للرجل ان یتزوج اخت ابنه من النسب و یجوز فی الرضاع ـ والمسئلة الثانية لا یجوز لرجل ان یتزوج ام اُخته من النسب و یجوز فی الرضاع .الخ

(الفتاوی الهندية ج۱ ص۳۴۳ کتاب الرضاع)

[2] قال العلامة الحصکفیؒ: ویحرم منه ای بسببه ما یحرم من النسب ـ

(الدر المختار علی هامش رد المختار ج۲ ص۲۰۵ باب الرضاع)

ومثله فی البحر الرائق ج۳ ص۲۲۲ کتاب الرضاع ـ

باب فی حرمت المصاھرت

(حرمت مصاہرت کے احکام و مسائل)

ساس کو بغیر شہوت کے ہاتھ لگانا

سوال:۔ ایک شخص کا اپنی بیوی کو جگاتے وقت بیوی کے بجائے ساس کو ہاتھ لگ گیا اور دل میں جماع کا خیال تھا لیکن شہوت نہیں تھی، تو کیا اس سے حرمتِ مصاہرت ثابت ہوگی؟

الجواب:۔ حرمتِ مصاہرت کے اثبات کے لیے لمس (چھونا) ضروری ہے جو کہ شہوت سے ہو اور جس لمس (چھونے) میں شہوت نہ ہو اُس سے حُرمتِ مصاہرت ثابت نہیں ہوتی، لہٰذا صورتِ مسئولہ میں حرمتِ مصاہرت ثابت نہ ہونے کی وجہ سے اس شخص پر بیوی حرام نہیں ہوگی۔

قال العلامۃ الحصکفیؒ: وفی المس لا تحرم مالم تعلم الشھوۃ لان الاصل فی التقبیل الشھوۃ بخلاف اللمس۔ (الدرالمختار علی صدر ردالمحتار ج۳ ص۳۶ کتاب النکاح،فصل فی المحرمات)[1]

ساس کو شہوت سے دیکھنا

سوال:۔ اگر کسی نے اپنی ساس کو شہوت کی نگاہ سے دیکھا تو کیا اس سے حرمتِ مصاہرت ثابت ہوتی ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ اگر فرج داخل کو شہوت کی نظر سے دیکھا ہو تو حرمتِ مصاہرت ثابت ہوجائے گی ورنہ مطلق نظر شہوت سے حرمتِ مصاہرت کا اثبات نہیں۔

قال ابن عابدینؒ: (تحت قولہ والمنظور الی فرجھا) قید بالفرج لأن ظاھر الذخیرۃ وغیرھا أنھم اتفقوا علی أن النظر لشھوۃ الی سائر اعضائھا لاعبرۃ بہ ماعدا الفرج۔ (ردالمحتار ج۳ ص۳۳ کتاب النکاح،فصل فی المحرمات)[2]

---

[1] قال ابوالبرکات النسفیؒ: والزنا واللمس والنظر بشھوۃ یوجب حرمۃ المصاھرۃ۔ (کنزالدقائق علیٰ ھامش البحرالرائق ج۳ ص۹۵ کتاب النکاح،فصل فی المحرمات) ـــــ قال ابن نجیمؒ: وقیل یکون اللمس عن غیر شھوۃ لم یوجب الحرمۃ۔ (البحرالرائق ج۳ ص۱۰۰ کتاب النکاح،فصل فی المحرمات)
وَمِثْلُہٗ فی الفتاوی الھندیۃ ج۱ ص۲۷۵ الباب الثالث فی المحرمات۔

[2] قال فی الھندیۃ:۔ لاتثبت بالنظر الی سائر الاعضاء لابشھوۃ ولابمس سائر الاعضاء لاعن شھوۃ بلاخلاف۔ کذا فی البدائع والمعتبر النظر الی الفرج الداخل، ھکذا فی الھدایۃ۔ (الفتاوی الھندیۃ ج۱ ص۲۷۴ فصل فی المحرمات)

ساس سے زنا کرنے پر بیوی کے حرام ہونے کا حکم

سوال:۔ اپنی ساس سے زنا کا ارتکاب کرنے والے شخص کے لیے اس عورت کی بیٹی حلال رہے گی یا نہیں؟

الجواب:۔ اگر کوئی شخص اپنی ساس سے زنا کرے یا شہوت کے ساتھ مس یا تقبیل کرے تو اس سے اُس عورت کی بیٹی ہمیشہ کے لیے زنا کے مرتکب داماد پر حرام ہو جاتی ہے۔

قال ابن نجیمؒ: واراد بحرمة المصاهرة الحرمات الاربع حرمة المرأة علی أصول الزانی وفروعه نسبًا ورضاعًا وحرمة أصولها وفروعها علی الزانی نسبًا ورضاعًا۔ کما فی الوطئ الحلال۔ (البحر الرائق ج۳ ص۱۰۱ کتاب النکاح فصل فی المحرمات)[۱]

بیٹی کو شہوت سے ہاتھ لگانے سے نکاح پر اثرات

سوال:۔ اگر کسی نے اپنی بیٹی کو شہوت کے ساتھ ہاتھ لگایا تو اس عمل سے اس کے نکاح پر کیا اثر پڑ سکتا ہے؟ کیا بیوی اس کے لیے حرام ہو جائے گی یا حلال رہے گی؟

الجواب:۔ اگر کسی شخص نے بیٹی کو شہوت کے ساتھ ہاتھ لگایا ہو اور درمیان میں کوئی ایسی چیز بھی حائل نہ ہو جو بیٹی کے بدن کی حرارت کے احساس سے مانع ہو اور نہ بیٹی کی عمر نو سال سے کم ہو تو اس صورت میں حرمتِ مصاہرت ثابت ہو کر لڑکی کی ماں اس شخص پر حرام ہو جائے گی، اور اگر مذکورہ شرائط میں سے ایک بھی موجود نہ ہو تو پھر حُرمت ثابت نہیں۔

قال فی الھندیة: فلو أیقظ زوجته لیجا معھا فوصلت یده إلی بنته منھا فقرصھا بشھوة وھی ممن تشتھی یظن أنھا أمھا حرمت علیه الأم حرمة مؤبدة کذا فی فتح القدیر۔۔۔۔ ثم لا فرق فی ثبوت الحرمة بین کونه عامدًا أو ناسیًا۔۔۔۔ ثم المس إنما یوجب حرمة المصاهرة إذا لم یکن بینھما ثوب أما إذا کان بینھما ثوب فإن کان رقیقا بحیث تصل حرارة الممسوس الی الید ة تثبت کذا فی الذخیرة۔۔۔ والفتوٰی

---

[۱] وفی الھندیة: فمن زنی بإمرأة حرمت علیه أمھا وإن علت وإبنتھا وإن سفلت۔ (الفتاوی الھندیه ج۱ ص۲۷۴ الباب الثالث فی المحرمات۔

وَمِثْلُهٗ فی ردّ المحتار ج۲ ص۳۲ کتاب النکاح فصل فی المحرمات۔

علیٰ بنت تسع محل الشھوۃ لاما دونھا۔ کذا فی معراج الدرایۃ ۔ انتھٰی

(الفتاوٰی الھندیہ ج ۱ ص۲۷۴ الباب الثالث فی المحرمات) لـہ

زانی اور مزنیہ کی اولاد کے درمیان نکاح جائز ہے

سوال :- جناب مفتی صاحب اس مسئلہ کی وضاحت درکار ہے کہ زانی اور مزنیہ کی اولاد کا آپس میں نکاح ہوسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب :- فقہاء کرام نے زنا سے حرمتِ مصاہرت کا اثبات چار گروہ میں کیا ہے جن میں صورتِ مسئولہ شامل نہیں ہے اِس لیے زانی اور مزنیہ کی اولاد کا آپس میں نکاح جائز اور درست ہے ۔

قال ابن نجیم المصری رحمہ اللّٰہ : وأراد بحرمۃ المصاھرۃ المحرمات الاربع حرمۃ المرأۃ علی اصول الزانی وفروعہ نسبًا ورضاعًا وحرمۃ أصولھا وفروعھا علی الزانی نسبًا ورضاعًا کما فی الوطئ الحلال ویحل لأصول الزانی وفروعہ أصول المزنی بھا وفروعھا ۔

(البحر الرائق ج ۳ ص۱۰۱ کتاب النکاح۔فصل فی المحرمات) ۲ـہ

نابالغ لڑکے کا بالغہ سے زنا کرنے سے حرمتِ مصاہرت کا حکم

سوال :- اگر کوئی نابالغ لڑکا کسی بالغہ عورت سے زنا

لـہ قال العلامۃ الحصکفی رحمہ اللّٰہ : ولا فرق فیما ذکر بین اللمس والنظر بشھوۃ بین عمدٍ ونسیان وخطاء وإکراہ فلو ایقظ زوجتہ أو أیقظتہ ھی لجماعھا فمست یدہ بنتھا المشتھاۃ أو یدھا إبنہ حرمت الأم أبدًا ۔ (الدرالمختار علی صدر ردالمحتار ج ۳ ص۳۵ کتاب النکاح ،فصل فی المحرمات)

وَمِثْلُہٗ فی البحر الرائق ج ۳ ص۱۰۱ کتاب النکاح ـ فصل فی المحرمات ۔

۲ـہ قال ابن عابدینؒ : (تحت قولہ حرم ایضًا بالصھریۃ اصل مزنیۃ) .... ومثلہٗ ما قدمناہ قریبًا عن القھستانی عن النظم وغیرہ وقولہ ویحل الخ ای کما یحل ذٰلک بالوطئ الحلال وتقییدہ بالحرمات الاربع مخرج لما عداھا وتقدم آنفًا الکلام علیہ ۔ (ردالمحتار ج ۳ ص۳۲ کتاب النکاح فصل فی المحرمات)

وَمِثْلُہٗ فی الفتاوٰی الھندیۃ ج ۱ ص۲۷۵ الباب الثالث فی المحرمات ۔

کرے تو اس سے حرمتِ مصاہرت ثابت ہوتی ہے یا نہیں؟

الجواب: زنا سے حرمتِ مصاہرت کے لیے لڑکے لڑکی کا بالغ ہونا ضروری ہے یا کم از کم دونوں کا مراہق ہونا شرط ہے، اس لیے وہ نابالغ لڑکا جو مراہق نہیں کے زنا کرنے سے حرمتِ مصاہرت ثابت نہیں ہوتی۔

قال ابن نجیم المصری رحمہ اللہ: وکذا تشترط الشھوۃ فی الذکر حتی لو جامع أربع سنین زوجۃ أبیہ لاتثبت الحرمۃ۔ وفی الذخیرۃ خلافہ وظاھر الأوّل أنّہ یعتبر فیہ السن المذکور لھا وھو تسع سنین۔ (البحرالرائق ج ۳ ص ۹۹)

وقال ایضاً: المراھق کالبالغ۔ (البحرالرائق ج ۳ ص ۱۰۱ کتاب النکاح فصل فی المحرمات) [۱]

بیٹے کی منکوحہ سے نکاح حرام ہے

سوال: ایک لڑکے نے نکاح کیا لیکن وہ جماع کرنے پر قادر نہیں، اب اگر لڑکے کا باپ اس لڑکی سے نکاح کرنا چاہے تو کر سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب: شریعتِ اسلامی میں جب کوئی عورت ایک مرتبہ کسی شخص کے نکاح میں آجائے تو وہ عورت ہمیشہ کے لیے اس شخص کے باپ پر حرام ہو جاتی ہے، اس کے ساتھ کسی بھی صورت میں نکاح نہیں کر سکتا۔

قال اللہ تبارک وتعالیٰ: وَحَلَآئِلُ أَبْنَآئِكُمُ الَّذِينَ مِنْ أَصْلَابِكُمْ۔ (سورۃ النساء: ۲۳) [۲]

سوتیلے بیٹے سے زنا کرانے والی عورت اپنے خاوند پر حرام ہو جاتی ہے

سوال: اگر کوئی عورت اپنے سوتیلے بیٹے سے زنا کرائے تو کیا یہ عورت اب اپنے شوہر کے لیے حلال ہے یا حرام؟

---

[۱] قال ابن عابدینؒ: (تحت قولہ کبالغ)..... وفی الفتح لومس المراھق وأقر أنہ بشھوۃ ثبت الحرمۃ۔ (ردّ المحتار ج ۳ ص ۳۷ کتاب النکاح، فصل فی المحرمات)

وَمِثْلُہٗ فی الفتاویٰ الھندیۃ ج ۱ ص ۲۷۵ الباب الثالث فی المحرمات۔

[۲] وفی الھندیۃ: وحلیلۃ الابن وابن الابن وابن البنت وان سفلوا دخل بھا الابن ام لا۔ (الفتاویٰ الھندیۃ ج ۱ ص ۲۷۴ القسم الثانی فی المحرمات بالصھریۃ)

وَمِثْلُہٗ فی الھدایۃ ج ۲ ص ۲۸۸ کتاب النکاح۔

الجواب:۔ جب کوئی عورت اپنے یا شوہر کے بالغ یا مراھق بیٹے سے جماع کرائے تو اس زنا کی وجہ سے اب یہ عورت اپنے شوہر پر ہمیشہ کے لیے حرام ہو جائے گی۔

قال العلامۃ ابن عابدینؒ: قال فی البحر اراد بحرمۃ المصاهرۃ الحرمات الاربع حرمۃ المرأۃ علی اصول الزانی وفروعہ نسباً ورضاعاً وحرمۃ اصولها وفروعها علی الزانی نسباً ورضاعاً۔ (الدر المختار علی هامش رد المختار ج۲ ص۳۸۴ فصل فی المحرمات) لہ

نابالغ لڑکے سے زنا کرانا حرمتِ مصاہرت کا سبب نہیں

سوال:۔ ایک عورت نے شدتِ شہوت کی وجہ سے ایک نابالغ لڑکے سے زنا کرایا، اب یہ عورت اس لڑکے کو اپنی بیٹی نکاح میں دینا چاہتی ہے، کیا ان دونوں کا نکاح جائز ہے؟

الجواب:۔ حرمتِ مصاہرت کے ثبوت میں وہ زنا قابلِ اعتبار ہے جس میں دونوں افراد بالغ یا مراہق ہوں، صورتِ مسئولہ میں چونکہ لڑکا مراہق بھی نہیں ہے لہٰذا حرمتِ مصاہرت ثابت نہیں اس لیے دونوں لڑکے اور لڑکی کا نکاح جائز ہے۔

قال العلامۃ الحصکفیؒ:۔ فلو جامع غیر مراهق زوجۃ ابیہ لم تحرم۔

(الدر المختار علی هامش رد المختار ج۲ ص۳۸۹ فصل فی المحرمات) ۲ہ

فرجِ داخل کو دیکھنا موجبِ حرمتِ مصاہرت ہے

سوال:۔ کتبِ فقہ میں مذکور ہے کہ شہوۃ کی نظر سے دیکھنے سے حرمتِ مصاہرت ثابت ہوتی ہے، جبکہ آجکل تو بازاروں میں اکثر اوباش قسم کے لڑکے

لہ قال العلامۃ ابن نجیمؒ: والمحرمین وأراد بحرمۃ المصاهرۃ الحرمات الاربع حرمۃ المرأۃ علی اصول الزانی وفروعہ نسباً ورضاعاً وحرمۃ اصولها وفروعها علی الزانی نسباً ورضاعاً۔

(البحر الرائق ج۳ ص۱۰۱ فصل فی المحرمات)

وَمِثْلُہٗ فی الهندیۃ ج۱ ص۲۷۵ الباب الثالث فی المحرمات۔

۲ہ وفی الهندیۃ: وکذا تشترط الشهوۃ فی الذکر حتی لو جامع ابن اربع سنین زوجۃ ابیہ لا تثبت بہ حرمۃ المصاهرۃ کذا فی فتح القدیر۔ (الفتاوی الهندیۃ ج۱ ص۲۷۵ القسم الثانی فی المحرمات بالصهریۃ)

وَمِثْلُہٗ فی البحر الرائق ج۳ ص۹۹ فصل فی المحرمات۔

لڑکیوں کو شہوت کی نظروں سے دیکھتے ہیں، تو کیا اس سے حرمتِ مصاہرت ثابت ہوجائے گی یا نہیں ؟

الجواب: مطلقاً شہوت کی نظر سے دیکھنا حرمتِ مصاہرت کا سبب نہیں بلکہ کسی عورت کے داخلِ فرج کو بنظرِ شہوت دیکھنا سببِ حرمت ہے باقی دیگر اعضاء کو دیکھنے سے حرمتِ مصاہرت ثابت نہ ہوگی۔

قال العلامة الحصکفیؒ: والمنظور الی فرجها الداخل۔

(الدر المختار علیٰ هامش ردّ المحتار ج ۲ ص ۳۸۶ باب المحرمات) ۱ـه

کم سن بچی کو شہوت کیساتھ چھونا حرمتِ مصاہرت کا سبب نہیں

سوال: اگر کسی مرد نے ۸/۷ سال سے کم عمر کی بچی کو شہوت کے ساتھ چھُوا تو کیا اس سے حرمتِ مصاہرت ثابت ہوجائے گی یا نہیں ؟

الجواب: حرمتِ مصاہرت کے اثبات کے لیے لڑکی کا مشتہات ہونا ضروری ہے چونکہ ۸/۷ سال کی بچی مشتہات نہیں ہوتی، اس لیے مذکورہ صورت میں حرمتِ مصاہرت ثابت نہیں۔

قال العلامة الحصکفیؒ: وبنت سنها دون تسع لیست بمشتهاة۔

(الدر المختار علیٰ هامش ردّ المحتار ج ۲ ص ۳۸۹ فصل فی المحرمات) ۲ـه

۱ـه وفی الهندیة: والمعتبر النظر الی الفرج الداخل هٰکذا فی الهدایة وعلیه الفتوٰی هٰکذا فی الظهیریة۔ الخ۔ (الفتاوٰی الهندیة ج ۱ ص ۲۷۴ القسم الثانی فی المحرمات بالصهریة)۔

ومثله فی الهدایة ج ۲ ص ۲۷۹ کتاب النکاح۔

۲ـه وفی الهندیة، الفتوٰی علیٰ بنت تسع محل الشهوة لاما دونها۔ کذا فی معراج الدرایة۔ قال الفقیه ابو اللیثؒ: مادون تسع سنین لاتکون مشتهاة وعلیه الفتوٰی۔ (الفتاوٰی الهندیة ج ۱ ص ۲۷۵ القسم الثانی فی المحرمات الصهریة)

ومثله فی البحر الرائق ج ۳ ص ۹۹ فصل فی المحرمات۔ کتاب النکاح۔

ساس سے زنا کے اقرار کے بعد انکار کی کوئی حیثیت نہیں

سوال:۔ جناب مفتی صاحب! یہاں علاقائی جرگہ کے سامنے ایک شخص نے اقرار کیا کہ اس نے اپنی ساس کے ساتھ زنا کیا ہے مگر اب وہ اس بات سے منکر ہے، تو کیا اس عورت کی بیٹی اس شخص کے لیے حلال ہے یا حرام؟

الجواب:۔ بشرطِ صحتِ سوال ایک مرتبہ اقرار کرنے کے بعد اب اس کے انکار کا کوئی فائدہ نہیں، اس شخص کی بیوی اس پر حرام ہوگئی ہے جرگہ اس کے انکار کی تصدیق نہ کرے۔

قال العلامة الحصکفیؒ: فی الخلاصة قیل له ما فعلت بأم امرأتك فقال جامعتها تثبت الحرمة ولا یصدق انه کذب ولو هازلا۔ قال ابن عابدینؒ: (قوله ولا یصدق انه کذب الخ) ای عند القاضی اما بینه وبین الله تعالیٰ وان کان کاذباً فیما اقر لم تثبت الحرمة۔ (رد المحتار ج ۲ ص ۳۹ فصل فی المحرمات) [1]

مزنیہ کافرہ کی بیٹی سے نکاح جائز نہیں

سوال:۔ یہاں لندن میں ایک مسلمان مرد کے ایک کافرہ عورت کے ساتھ ناجائز تعلقات تھے، اب وہ شخص توبہ کرکے اُس عورت کی مسلمان بیٹی کے ساتھ نکاح کرنا چاہتا ہے، تو کیا یہ نکاح جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ کسی عورت کو شہوت کے ساتھ چھونا یا اُس کے ساتھ ناجائز تعلقات قائم کرنا موجبِ حرمتِ مصاہرت ہے، عورت چاہے مسلمان ہو یا کافرہ اس حرمت کی وجہ سے ممسوسہ کے اصول و فروع چھونے والے پر حرام ہو جاتے ہیں، اس لیے صورتِ مسئولہ میں مسلمان مرد کا نکاح اس ممسوسہ کافرہ کی مسلمان بیٹی سے جائز نہیں۔

قال العلامة الحصکفیؒ: واصل ممسوسة بشهوة ولو لشعر علی الرأس ..... وفروعهن مطلقاً۔ (الدر المختار علی هامش رد المحتار ج ۲ ص ۳۸۵ فصل فی المحرمات) [2]

---

[1] قال ابن نجیمؒ: قیل لرجل ما فعلت بأم امرأتك قال جامعتها تثبت الحرمة ولا یصدق انه کذب وان کان هازلاً لان الاصرار لیس بشرط فی الاقرار لحرمة المصاهرة۔ (البحر الرائق ج ۳ ص ۱۰۱ کتاب النکاح، فصل فی المحرمات)

[2] وفی الهندیة: فمن زنی بامرأة حرمت علیه امها وان علت وابنتها وان سفلت وکذا تحرم المزنی بها علی اٰباء الزانی واجداده وان علوا وابنائه وان سفلوا کذا فی فتح القدیر ..... کما تثبت هٰذه الحرمة بالوطء تثبت باللمس والتقبیل والنظر الی الفرج بشهوة کذا فی الذخیرة۔ (الفتاوی الهندیة ج ۱ ص ۲۷۴ القسم الثانی فی المحرمات بالصهریة)
ومثله فی الهدایة ج ۲ ص ۲۸۹ کتاب النکاح۔

چھوٹے گاؤں میں جاری شدہ نماز جمعہ کو بند کرنا

سوال:۔ جناب مفتی صاحب! ہمارے گاؤں ٹنگی (ہزارہ) میں تقریباً آٹھ سال سے نماز جمعہ پڑھی جارہی ہے، تبلیغ اور درود وسلام کا سلسلہ بھی جاری ہے، حال ہی میں ایک مولوی صاحب نے اس بستی کو چھوٹی بستی میں شمار کر کے عوام سے نماز جمعہ بند کرنے کو کہا بستی کے کوائف حسب ذیل ہیں۔ گھر تقریباً ۴۰۰۔ ووٹ ۸۰۰۔ مسجدیں ۸ ملحقہ ہیں۔ ایک عدد پرائمری سکول۔ ایک چھوٹا بازار۔ کل آبادی تقریباً ۴۰۰۰۔ ایک نمبردار۔ ایک پٹواری۔ ایک ممبر یونین کونسل۔ ایک چوکیدار۔ ایک سکول ماسٹر بھی ہے۔ یہ گاؤں یونین کونسل کی طرف سے ایک جدا وارڈ ہے، بستی کے تمام بالغ مرد اگر جمع ہو جائیں تو ایک بڑی مسجد میں نہیں سماسکتے۔ مندرجہ بالا کوائف کی روشنی میں شرعی حکم صادر فرمایا جائے کہ اگر واقعی بستی ھذا میں نماز جمعہ نہیں ہوسکتی اور اسلئے کے لیے ترک کی جاوے اور سابقہ کی قضاء ادا کی جائے؟

الجواب:۔ جناب کو معلوم ہوگا اور کتب فقہ میں ملاحظہ کیا ہوگا کہ ہمارے امام اعظم امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ کے مسلک میں صحت اور جواز جمعہ کے لیے دیگر شرائط کے ساتھ ایک شرط یہ بھی ہے کہ وہ جگہ مصر ہو یا فناء مصر ہو، اگر وہ جگہ مصر یا فناء مصر نہ ہو تو اگرچہ دوسرے شرائط ہوں پھر بھی امام اعظم ابو حنیفہؒ کے نزدیک وہاں جمعہ جائز اور صحیح نہ ہوگا۔ تحدید مصر میں اگرچہ فقہاء احناف آپس میں مختلف نظر آتے ہیں اور مصر کی مختلف تعریفیں فقہاء نے کی ہیں اُن میں سے ایک تعریف یہ ہے کہ مَالایسع اکبر مساجدہٖ اھلہٗ المکلّفین بھا۔ اور دوسری تعریف جس کو ظاہر المذہب کہا گیا ہے یہ ہے: انہٗ کل موضع لہ امیر وقاضٍ یقدر علی اقامۃ الحدود۔ (الرد المختار)

علامہ ابن عابدینؒ المعروف بہ شامی نے "شرح منیہ" سے جو حد صحیح نقل کی ہے اور جس کو صاحب ھدایہ نے اختیار کیا ہے، یہ ہے، انہ الذی لہٗ امیرٌ وقاضٍ ینفذ الاحکام ویقیم الحدود۔

بہر حال مصر کی تحدید کے بارہ میں اقوال بکثرت ہیں، بعض میں افراط ہے اور بعض میں تفریط، اور بعض اعدل واوسط ہیں، اور وہی احق بالقبول ہیں۔

صورت مسئولہ کے مطابق موضع مذکور ہر حال میں اعدل الاقاویل پر مصر میں تو داخل نہیں ہے لیکن فقہاء کی تصریحات سے ثابت ہوتا ہے کہ قصبات وقریٰ کبیرہ بھی مصر کے حکم میں ہیں چنانچہ

ردالمحتار جلد ا ص۲۴۸ میں بصراحت موجود ہے: وعبارة القهستانی وتقع فرضاً فی القصبات والقرٰی الکبیرة التی فیها اسواق الٰی قوله لایجوز فی الصغیرة التی لیس فیها قاضی ومنبر وخطیب۔ اھ ۔۔۔ اور نظر بر حالت مذکورہ سوال موضع مذکورہ قریٰ کبیرہ میں ضرور داخل معلوم ہوتا ہے۔ اور کبیرہ وصغیرہ میں اگر ما بہ الفرق آبادی کی مقدار لی جائے تو اس کا مدار عرف پر ہوگا، اور عرف کے تتبع سے معلوم ہوتا ہے کہ حکام وقت جو کہ حکمائے تمدن بھی ہیں چار ہزار کی آبادی والے گاؤں کو قصبہ میں شمار کرتے ہیں اور چار ہزار کے قریب بوجہ معتبر نہ ہونے کسر کے حکم میں چار ہزار کے ہیں۔ پس موضع مذکورہ اگر قصبہ نہیں ہے تو قریۂ کبیرہ ہونے میں تو شبہ ہی نہیں ہے، اس بناء پر تو مناسب ہے کہ موضع مذکورہ میں جمعہ کا جائز ہونا مان لیا جاوے، لیکن فقہاء کرام نے قریہ صغیرہ اور کبیرہ میں ما بہ الفرق وہ صفات مراد لی ہیں جو عبارت مرقومہ میں کبیرہ وصغیرہ کی صفت میں وارد ہیں۔ یعنی اسواق، حاکم، خطیب کا ہونا یا نہ ہونا، اس بناء پر موضع مذکور قریۂ کبیرہ میں داخل نہیں ہے اور یہاں جمعہ کا جائز ہونا تسلیم نہیں کیا جا سکتا کیونکہ موضع مذکور میں ایک چھوٹا بازار ہے جو قریۂ صغیرہ کی نشانی ہے مصر اور قریہ کبیر میں کم از کم تین بازار ہونے چاہئیں۔ محقق ابن الہمامؒ کے کلام سے ظاہر ہوتا ہے کہ حاکم سے بڑا حاکم قاضی اور والی مراد ہیں، جو وہاں مقیم ہوں، یہ صفت بھی موضع مذکور میں معدوم ہے اسلئے یہ جگہ قریہ صغیرہ ہونی چاہیئے اور جب قریہ صغیرہ ہوا تو پھر جواز جمعہ کے ساتھ چند مفاسد لاحق ہوتے ہیں کیونکہ پھر جمعہ کی نماز نفل ہوگی اور نفل تداعی کے ساتھ باجماعت بدعت ومکروہ ہیں، ظہر جو اصل فریضہ ہے اس کا ترک یا جماعت کا ترک لازم آتا ہے۔ اس لیے ذاتی مشورہ یہ ہے کہ اکابرین دیوبند نے یہ بھی لکھا ہے کہ اگر ایک قریہ صغیرہ میں عرصہ دراز سے جمعہ قائم ہو اور اُسے بند کرنے میں فساد کا خطرہ ہو تو اس کو فوراً بند نہ کیا جائے بلکہ جمعہ پڑھایا جائے اور لوگوں کو آہستہ آہستہ سمجھایا جائے کہ چونکہ یہ جگہ نہ مصر ہے نہ قریۂ کبیرہ، اور ہمارے مسلک میں ایسی جگہ جمعہ جائز نہیں اور خود گھر میں جاکر چار رکعت بہ نیت آخر ظہر پڑھ لیا کریں، اس طریقہ سے درست مسئلہ بھی واضح ہو جائے گا اور فساد بھی بپا نہ ہوگا۔ فقط واللہ اعلم

خطبہ جمعہ کے بارے میں چند سوالات

سوال :- کیا فرماتے ہیں علماء دین وشرع متین متعدد جہ ذیل مسائل کے بارے میں کہ :-

(۱) جمعہ کا خطبہ بدستور عربی زبان میں رکھا جائے یا عوام الناس کے سمجھنے کے لیے مقامی زبان میں رواج دیا جائے ؟

(۲) اگر خطبہ عربی زبان ہی میں باقی رکھا جائے تو جو لوگ عربی زبان نہ سمجھنے کا اشکال کرتے ہیں اس کا کیا حل ہے ؟

(۳) خطبہ میں سلطانِ وقت کا نام لانا چاہیئے یا نہیں ؟

الجواب :- اس مسئلہ پر کئی عرصہ پہلے علماء راسخین نے قرآن وحدیث اور فقہ حنفی کی روشنی میں اپنے فتاوٰی رسالوں کی شکل میں شائع کیے ہیں اور قوی دلائل کے ساتھ یہ ثابت کیا ہے کہ اگر جمعہ وعیدین میں خطبہ بجائے عربی کے اردو یا فارسی میں پڑھا جائے تو امام صاحب رحمہ اللہ کے نزدیک مکروہ تحریمی ہوگا اور صاحبینؒ کے نزدیک ایک قول میں خطبہ صحیح اور ادا نہ ہوگا اور جب خطبہ ادا نہ ہوگا تو نماز جمعہ بھی نہ ہوگی کیونکہ جمعہ کی ادائیگی کی شرائط میں سے خطبہ بھی ہے ۔ حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن صاحب فتاوٰی دار العلوم دیوبند کے حصہ "عزیز الفتاوٰی" میں اس فتوٰی کے دلائل میں "درمختار" کی یہ عبارت پیش فرماتے ہیں ، والرابع الخطبة فيه فلو خطب قبله وصلّى فيه لم تصح ۔ درمختار باب الجمعة كما صح لو شرع بغير عربية ۔ الخ وشرط عجزه وعلى هذا الخلاف الخطبة وجميع اذكار الصلوٰة ۔ درمختار و فى الشامى وعلى هذا الخلاف لو سبح فى الفارسية فى الصلوٰة او دعا ۔ الخ اى يصح عنده بكن هيئاتى كراهة الس عار بالاعجمية الخ شامى باب صفة الصلوٰة وفى باب الجمعة من رد المحتار لم يقيد الخطبة بالعربية اكتفاء بما قدمه فى باب صفة الصلوٰة من انها غير شرط ولو مع القدرة على العربية عنده خلافًا لهما حيث شرطاها الا عند العجز ۔ الخ

ان عبارات سے واضح ہے کہ عربی زبان پر قدرت کے باوجود اردو یا فارسی وغیرہ میں خطبہ جمعہ پڑھنا صاحبینؒ کے نزدیک اور ان کے قول کے موافق صحیح نہیں ، اور امام صاحبؒ کے نزدیک اگرچہ خطبہ ادا ہو جائے گا مگر مکروہ تحریمی ہوگا ۔

اسی طرح مولانا محمد تمیم بن محمد المدراسی نے اس موضوع پر دو عدد رسالے زبدۃ التحقیقات، عمدۃ التحقیقات فی اکراھۃ الخطبۃ بغیر العربیۃ" تالیف فرمائے ہیں، جن پر حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب مفتی اعظم پاکستان نے تقریظ لکھی ہے۔ نیز حضرت مفتی صاحب نے اس موضوع پر ایک مستقل رسالہ بنام "الاعجوبۃ" تحریر فرمایا ہے۔ حضرت مفتی صاحبؒ تقریظ میں لکھتے ہیں: الخطبۃ بالعربیۃ سنۃ مؤکدۃ لمواظبۃ النبی علیہ الصلوٰۃ والسلام لا یقال ان المواظبۃ تکون دلیل السنۃ اذا لم یکن ثمۃ دلیل الخصوص وکفیٰ کونہ علیہ الصلوٰۃ والسلام عربیاً و کون لغتہ عربیۃ دلیل الخصوص فانا نقول ان الخلفاء الراشدون ومن سواھم من اصحابہ علیہ الصلوٰۃ والسلام بلغوا مشارق الارض ومغاربھا وافتتحوا العرب والعجم ولم یثبت من احد منھم انہ خطب بغیر العربیۃ مع القدرۃ علیہ لما ثبت من کثیر من الصحابۃ معرفتھم بلغۃ العجم وقدرتھم علی الخطبۃ بھا کزید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کان یعلم اللسان العجمی والحبشی والرومی وکسلمان الفارسیؓ کان یعلم الفارسیۃ ومع ذلک لم یأمرھم النبی صلی اللہ علیہ وسلم بالخطبۃ بلسان العجم مع مس الحاجۃ الیہ ومعرفتھم بہ فی شیء من الاحادیث علیٰ انہ قد ثبت من الاحادیث الصحیحۃ والسیرۃ النبویۃ حضور العجمتین عندہٗ صلی اللہ علیہ وسلم وحدانا وجماعات وکانوا فی اول امرھم لا یعرفون العربیۃ فان کان تفھیم الخطبۃ الحاضرین من ضروریات الخطبۃ فقد مس الحاجۃ الیٰ ترجمتھا بلسانھم ولم یفعلہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم مع القدرۃ علیہ باقامۃ الترجمان من جماعۃ الصحابۃ فعلم ان مواظبۃ علیہ السلام علی اللغۃ العربیۃ فی الخطبۃ لیس لمحض کونہ عربیاً وعلیٰ سبیل جریان العادۃ کما ظنہ بعض الفضلاء بل کان ذلک مقصوداً منہ علیہ الصلوٰۃ والسلام والحاصل ان جعل الخطبۃ بالعربیۃ سنۃ مؤکدۃ۔

اسی تقریظ میں محدث الہند حضرت شاہ ولی اللہ صاحب حجۃ اللہ فی ارض اللہ کا قول نقل فرماتے ہیں جو انہوں نے شرح مؤطا میں ذکر فرمایا ہے: ولما لاحظنا خطب النبی صلی اللہ علیہ وسلم وخلفائہ رضی اللہ عنہم جرّا فنقحنا وجود اشیاء فیہا الحمد والشہادتین والصلوٰۃ علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم والامر بالتقوٰی وتلاوۃ آیتہ والدعا للمسلمین فی المشارق والمغارب بہ مع ان فی کثیر من الاقالیم کان المخاطبون اعجمیین۔

آگے امام نووی رحمہ اللہ کا قول نقل فرماتے ہیں جو انہوں نے "اذکار کتاب حمداللہ تعالیٰ" میں ذکر کیا ہے: ویشترط کونہا یعنی خطبۃ الجمعۃ وغیرہا بالعربیۃ انتہیٰ والحاصل ان اللغۃ العربیۃ فی الخطبۃ سنۃ مؤکدۃ عندنا ولکن ترک العربیۃ وجعلہا بالعجمیۃ مکروہ تحریمًا وتارکہا آثم ولاسیما المدمن علیہ۔

اس موقع پر صاحب تقریظ ایک اعتراض کو نقل کرکے اس کا دفعیہ بھی فرماتے ہیں، ولا یرد علینا ما نص علیہ فی ردالمحتار من ان ترک الواجب مکروہ تحریمًا وترک السنۃ تنزیہًا وایضًا صرح بہ الحلبی فی شرح المنیۃ حیث قال والمراد بہا ما لزمہ ترک السنۃ وھو کراھۃ تنزیہۃ او ترک واجب وھو کراھۃ تحریم کما ذکرہ المصنف فی رسالتہ ھٰذہ زبدۃ التحقیقات وذٰلک لان الحکم بتنزیہیۃ الکراھۃ فی ترک السنۃ انما ھو اذا لم یخالطہ غیرہ من احداث بدعۃ او ادمان علی ترکہا والا فالفقہاء مصرحون بکونہ آثمًا ضالًا قال الشامی فی اوائل سنن الوضوء وھی سنن المؤکدۃ القریبۃ من الواجب التی یضلل تارکہا لان ترکہا استخفاف بالدین۔ (ج ا صلا ۹۹) ثم قال فی المضمضۃ والاستنشاق فلو ترکہما اثم علی الصحیح۔ (سراج) وقال فی الحلیۃ لعلہ محمول علی ما اذا جعل الترک عادۃ لہ من غیر عذر کما قالوا مثلہ فی التثلیث۔ (شامی ج ا ص۱۰۱) وقال فی البدائع لان من لم یر سنۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سنۃ فقد ابتدع فیلحقہ الوعید۔ (بدائع الصنائع ج ا ص۲۲) قلت والمراد بالوعید

قوله علیه السلام فی حدیث الاعرابی من زاد علی هذا اونقص فقد تعدّی وَظلم ۔ ومن هذه الجملة وضح ان تارك العربية فی الخطبة آثمٌ مبتدع فانهٗ لایراه سنةً فالحاصل ان اختصاص اللغة العربية فی الخطبة وان كان فی الاصل من السنن الا انهٗ لحق بتركه امور آخر من ابداع بدعة وآثم الادمان علی ترك السنة وترك البدعة واجب فجاء الوجوب من هذا القبيل لا بمحض المواظبة عليه وبالجملة فالحكم بوجوب العربية وآثم تاركها فی خطبة الجمعة وان ترجمتها بغير العربية بدعة حق لا ريب ۔

اسی طرح حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ نے "امداد الفتاویٰ" میں بھی تحریر فرمایا ہے، چنانچہ لکھتے ہیں: قرآن مجید اور خطبہ دونوں کا اصل مقصد ایک ہی ہے، چنانچہ خطبہ کو قرآن مجید میں ذکر اللہ فرمایا ہے۔ یہی لفظ ذکر قرآن مجید کے لیے فرمایا ہے: اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّکْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ۝ بلکہ قرآن مجید کے لیے لفظ ذکریٰ بمعنیٰ تذکیر بھی وارد ہے۔ اِنْ هُوَ ذِکْرٰی لِلْعٰلَمِیْنَ ۝ پس اگر لفظ ذکر اس پر دال ہے کہ اس سے لوگوں کو ان کی زبان میں نصیحت کی جاوے تو چاہیئے کہ قرآن مجید کی جگہ بھی یا اس کے ساتھ نماز میں حاضرین کی زبان میں ترجمہ پڑھا جاوے بلکہ لفظ ذکریٰ اس پر زیادہ دال ہے، اور اگر قرآنِ مجید سے تفہیمِ ناس کو خارج نماز کے ساتھ مخصوص کیا جاوے اور نماز میں محض تلاوت کا حکم کیا جاوے تو خطبہ سے تفہیمِ ناس کو بھی خارج ہیئت خطبہ کہا جاوے مثلاً خطبہ سے قبل یا نماز کے بعد، پھر ضرورتِ تفہیم کو حضرات صحابۂ کرامؓ ہم سے زیادہ جانتے تھے، اور روم و فارس اس وقت فتح ہوچکا تھا اور حضرات صحابۂ کرامؓ میں ان زبانوں کے جاننے والے بھی موجود تھے، پھر کیا وجہ کہ اُس وقت ایسا نہیں کیا گیا؟ پھر اگر سامعین میں آٹھ دس زبانوں والے ہوں تو کیا خطیب کے لیے یہ شرط ہوگی کہ وہ سب زبانوں کا ماہر ہو، اگر نہیں تو پھر دوسری زبانوں والوں کی کیا رعایت ہوئی؟ نیز اسی بحث میں حضرت تھانویؒ ایک سوال کے جواب میں لکھتے ہیں کہ جمعہ کا خطبہ عربی زبان کے سوا کسی اور زبان میں پڑھنا خلافِ سُنتِ متوارثہ ہے اس لیے ممنوع ہے۔ انتھیٰ۔

حضرت مولانا عبدالحی صاحب نوراللہ مرقدہٗ نے "مجموعۃ الفتاوٰی" میں اس بارہ میں تفصیل سے کلام کیا ہے، چند عبارات حوالۂ قلم کی جاتی ہیں :۔

(سوال) خطبۂ جمعہ اردو زبان میں یا فارسی زبان میں یا اردو و فارسی اشعار میں پڑھنا جائز ہے یا نہیں اور جو ہے تو کس کتاب میں مذکور ہے؟ بینوا وتوجروا

ھوالعلیم الخبیر۔

(جواب) خطبۂ جمعہ اردو زبان میں نثر ہو خواہ نظم اور اسی طرح فارسی زبان میں بھی نثر ہو یا نظم، وعلیٰ ھٰذا القیاس۔ جو خطبہ کہ اس کی کچھ عبارات لغتِ عربی میں ہو اور کچھ زبان فارسی یا اردو وغیرہما میں نظم ہو یا نثر مکروہ بکراہت تحریمی ہے کیونکہ مخالف ہے سنتِ ھُدیٰ کے، اس لیے کہ پیغمبرِ خدا علیہ التحیۃ والثناء اور صحابۂ کرامؓ نے علی الدوام خطبہ زبانِ عربی میں پڑھا ہے اور اس وقت کسی سے خطبہ پڑھنا غیر زبان عربی میں منقول نہیں ہے، جیسا کہ کتاب "آکام النفائس فی اداء الاذکار بلسان الفارس" میں مسطور ہے : وھٰذہٖ عبارتہ الکراھۃ انما ھی لمخالفۃ السنۃ لان النبی صلی اللہ علیہ وسلم واصحابہ قد خطبوا دائماً دائماً بالعربیۃ ولم ینتقل عن احد منھم انھم خطبوا خطبۃً ولو خطبۃ غیر الجمعۃ بغیر العربیۃ ۔ انتہٰی

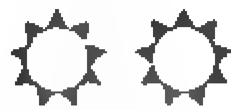
اور یہ پوشیدہ نہ رہے کہ باعثِ احداث خطبہ غیر عربیہ کا نہیں ہے مگر نہ سمجھنا عجم کا عباراتِ عربیہ کو، حالانکہ یہ امر قرونِ ثلاثہ میں بھی موجود تھا، اس واسطے کہ جب اطرافِ مختلفہ میں بلاد و امصار مفتوح ہوئے اور اکثر مردمان فارس و حبش و رُوم وغیرہ کے مشرف بہ اسلام ہوئے، وہ لوگ مجالس شعائر اسلام مثل جمعہ وعید وغیرہما کے حاضر ہوتے تھے اور ظاہر ہے کہ ان لوگوں کو بوجہ عدم وقوف لغتِ عرب کے شعور فہم عباراتِ عربیہ کا نہ تھا بایں ہمہ کسی نے برعایت فہم اشخاص عربیہ عجمیہ کے غیر زبانِ عربی میں خطبہ نہ پڑھا، باوجودیکہ تعلیم وتفہیم کہ خطباء وعلماء کی شان سے ہے مقتضی اس کی تھی، جبکہ ایسا نہ ہوا تو خطبہ عربیہ کے مکروہ ہونے میں جو ادنیٰ مرتبہ ضلالات کا ہے کچھ شک نہ رہا۔ الیٰ آخر ما قال قال نوراللہ مرقدہٗ ۔

محققین کی ان تصریحات کو مدنظر رکھ کر ثابت ہوتا ہے کہ جمعہ وعیدین کا خطبہ بدستور عربی زبان میں رکھا جائے، اور اس کا دوسری زبان (مثل اردو یا فارسی وغیرہ) میں بدل دینا مکروہ تحریمی ہے۔

(۲) آپ کے اس سوال کا جواب سوالِ اول کے جواب کے ضمن میں ہوگیا ہے تاہم اتنا لکھا جاتا ہے کہ خطبۂ عربی سے پہلے وعظ و تبلیغ کرنے میں یہ اشکال رفع ہو سکتا ہے، خاص خطبہ کے الفاظ کے معانی اور مطالب لوگوں کو سمجھانا اس وقت کوئی شرط نہیں ہے۔

(۳) خطبے میں کسی کا شخصی نام لانا شرط نہیں ہے، فقہاء اسلام خطبے کے متعلق جو تفصیل بیان فرماتے ہیں اس میں کہیں اس کا ذکر نظر سے نہیں گزرا، مشہور فتاوی عالمگیری میں ہے کہ خطبہ کے شرائط میں سے ایک شرط خطبہ ہے۔ (ومنها الخطبة قبلها) ـــ آگے لکھتے ہیں: الخطبة تشتمل على فرض وسنة فالفرض شيئان الوقت الى قوله والثانى ذكر الله ـــ آگے لکھتے ہیں: واما سننها فخمسة عشر ـــ خطبہ کی تفصیل میں بھی کہیں کسی بادشاہ کا شخصی نام ذکر کرنے کی تصریح نہیں ہے، علیحدہ بھی کوئی جزئیہ دستیاب نہیں ہو سکا، اس لیے بہتر یہی ہے کہ خطبے میں شخصی نام نہ لایا جائے، خطبہ میں اوصاف پر دعا اور ترغیب و ترہیب ہونی چاہیئے، جیسا کہ خطبوں میں اسلاف کا معمول رہا ہے کہ اُن کے خطبوں میں یہ الفاظ موجود ہیں: والسلطان المسلم ظل الله فى الارض من اهان سلطان الله فى الارض اهان الله۔

هٰذا ما عندى والله اعلم

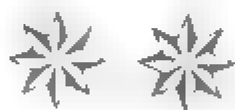


عیدین کی نماز کتنے دنوں تک ادا کی جاسکتی ہے

سوال:۔ عیدالفطر و عیدالاضحیٰ کی نماز کتنے دنوں تک ادا کی جاسکتی ہے؟

الجواب:۔ اگر عیدالفطر کی نماز بوجہ شرعی مجبوری کے نہ پڑھائی جاسکے تو دوسرے دن پڑھی جاسکتی ہے اس کے بعد جائز نہیں اور عیدالاضحیٰ کی نماز تین دن تک جائز ہے بشرطیکہ کسی شرعی عذر کی وجہ سے ترک کی گئی ہو۔

لما قال العلامة طاهر بن عبد الرشيد البخاريؒ: ولو زالت الشمس يوم الفطر قبل ان يصلى صلوٰة العيد سقطت صلوٰة العيد ولا يصلى من الغد الا اذا تركوا بعذر فيصلى من الغد قبل الزوال وان زالت الشمس من الغد سقطت صلوٰة العيد سواء تركوها بعذر او بغير عذر وفي عيد الاضحىٰ اذا لم يصل من الغد حتى زالت الشمس يصلى بعد الغد قبل الزوال فاذا زالت الشمس في آخر ايام النحر ولم يصل سقطت سواء كانت بعذر اوبغير عذر غير ان التاخير ان كان بعذر لا يلحقهم الاساءة وان كان بغير عذر فقد اساؤا۔ (خلاصة الفتاوى ج۱ ص۲۱۴ باب صلوٰة العيدين)[1]



---

[1] وفي الهندية، وتؤخر صلوٰة عيد الفطر الى الغد اذا منعهم من اقامتها عذر بأن غم عليهم الهلال و شهد عند الامام بعد الزوال او قبله بحيث لا يمكن جمع الناس قبل الزوال او صلاها في يوم غيم فظهر انها وقعت بعد الزوال ولا تؤخر الى بعد الغد ولا امام لو صلاها مع الجماعة وفاتت بعض الناس لا يقضيها من فاتته خرج الوقت اولم يخرج واذا حدث عذر يمنع من الصلوٰة في يوم الاضحىٰ صلاها من الغد وبعد الغد ولا يصليها بعد ذلك، ثم العذر ههنا لنفي الكراهة حتى لو آخروها الى ثلاثة ايام من غير عذر جازت الصلوٰة وقد اساؤا وفي الفطر للجواز حتى لو آخروها الى الغد من غير عذر لا يجوز۔

(الفتاوى الهندية ج۱ ص۱۵۲ الباب السابع عشر في صلوٰة العيد)

ومثله في الطحطاوي حاشيه مراقي الفلاح ص۲۹۵ باب صلوٰة العيدين۔

احکام ومسائل
عید و صدقۃ الفطر

دارالعلوم حقانیہ کے دارالافتاء کی طرف سے عوام الناس کے افادہ کے لیے احکام ومسائل کے عنوان سے ماہنامہ الحق میں وقتاً فوقتاً مضمون شائع ہوتے رہتے ہیں۔ ذیل کا مضمون بھی ماہنامہ الحق میں شائع ہو چکا ہے۔ فتاویٰ کی مناسبت سے اسے یہاں بھی شامل کیا جا رہا ہے۔ (مرتب)

○ یکم شوال کو شکرانے کے طور پر دو رکعت نمازِ عید ادا کرنا واجب ہے۔[1]

○ عید کے دن غسل کیا جائے، مسواک کی جائے، عمدہ کپڑے جو میسر ہوں پہن کر خوشبو لگائی جائے بالوں کو تیل لگا کر کنگھا کیا جائے۔[2]

○ صبح سویرے عیدگاہ جلد پہنچنے کی کوشش کی جائے اور نمازِ عید کے لیے جانے سے قبل کوئی میٹھی چیز کھائی جائے۔[3]

○ عید کی نماز پڑھنے کے لیے ایک راستے سے جائے اور نماز کے بعد دوسرے راستے سے واپس آئے اور اگر ممکن ہو تو عیدگاہ پیدل چل کر جائے۔[4]

○ راستے میں یہ تکبیریں آہستہ آہستہ پڑھے: اللہ اکبر اللہ اکبر لا الٰہ الا اللہ واللہ اکبر اللہ اکبر وللہ الحمد۔[5]

○ نمازِ عید سے پہلے کسی جگہ نوافل پڑھنا مکروہ ہے البتہ عید کی نماز کے بعد گھر آ کر پڑھ سکتے ہیں۔[6]

○ نمازِ عید میں صرف چھ تکبیریں زائد ہوتی ہیں، پہلی رکعت میں سبحانک اللّٰھم کے بعد تین تکبیریں زائد ہاتھ چھوڑ کر اور دوسری رکعت میں رکوع سے پہلے تین تکبیریں زائد ہاتھ چھوڑ کر کہی جاتی ہیں باقی نماز دوسری نمازوں کی طرح ہے، نماز کے بعد خطبہ سننا واجب ہے۔[7]

نمازِ عید کے متفرق مسائل

○ عیدین کے خطبوں کی ابتدا تکبیر سے کرنا مستحب ہے پہلے خطبے میں نو مرتبہ تکبیر پڑھی جاتی ہے۔[8]

○ عید کے دونوں خطبوں کے درمیان امام کے لیے تھوڑی دیر بیٹھنا مسنون ہے۔[9]

○ عید کے دن عورتوں، مریضوں اور مسافروں کے لیے بھی نمازِ عید سے پہلے نوافل پڑھنا مکروہ ہے۔[10]

○ عیدین کی نماز عید گاہ میں ادا کرنا مسنون ہے، البتہ معذوروں کے لیے مساجد میں نمازِ عید ادا کرنا جائز ہے۔[11]

○ نمازِ عید کا باجماعت ہونا شرط ہے لہٰذا اگر کسی وجہ سے نمازِ عید کی جماعت میں شریک نہیں ہو سکا تو تنہا نمازِ عید ادا نہیں کر سکتا، اسی طرح اگر کسی کی نمازِ عید کسی وجہ سے فاسد ہو گئی ہو تو اس کی قضا واجب نہیں ہے۔[12]

○ اگر کسی شرعی عذر کی وجہ سے نمازِ عید پہلے دن نہ پڑھی جا سکے تو دوسرے دن نمازِ عید پڑھ لیں۔[13]

○ اگر کسی کی واجب زائد تکبیریں چھوٹ گئی ہوں اور وہ امام کے ساتھ قیام میں آکر شریک ہوا تو نیت باندھ لینے کے بعد وہ سب سے پہلے تین زائد تکبیریں کہے خواہ امام نے قرأت شروع کر دی ہو یا نہ کی ہو۔[14]

○ ایک شخص نماز کی دوسری رکعت کے رکوع میں آکر شریک ہوا تو ایسے موقع پر اگر اُسے یقین ہو کہ تین تکبیریں کہہ کر رکوع میں امام کے ساتھ شریک ہو جائے گا تو وہ پہلے کھڑے ہو کر تینوں تکبیریں کہے اس کے بعد رکوع میں شریک ہو جائے۔ اگر ایسے شخص کو رکوع چھوٹ جانے کا خوف ہو تو وہ رکوع میں شریک ہو جائے اور سبحان ربی الاعلیٰ کی بجائے رکوع ہی میں زائد تکبیریں کہے مگر رکوع میں ہاتھ نہ اٹھائے۔[15]

○ اگر تینوں تکبیریں پوری کرنے سے پہلے امام صاحب رکوع سے سر اٹھا لیں تو وہ بھی امام کی اقتدا میں کھڑا ہو جائے جس قدر تکبیریں رہ گئی ہیں وہ معاف ہوں گی۔[16]

○ اگر کسی کی ایک رکعت نمازِ عید جاتی رہے تو اس کو چاہئے کہ امام کے سلام پھیرنے کے بعد وہ رکعت ادا کرے، سب سے پہلے قرأت کرے اس کے بعد زائد تکبیریں کہہ کر رکوع میں چلا جائے۔[17]

○ اگر امام صاحب رکوع سے پہلے زائد تکبیریں کہنا بھول جائے اور رکوع کی حالت میں انہیں وہ تکبیریں یاد آئیں تو وہ حالتِ رکوع میں ہی تکبیریں کہہ لیں قیام کی طرف نہ لوٹیں تاہم اگر غلطی سے امام صاحب کھڑے ہو گئے اور کھڑے ہو کر انہوں نے یہ زائد تکبیریں کہیں تو یہ صورت بھی جائز ہے نماز فاسد نہیں ہو گی۔[18]

○ ہجوم کی کثرت کی وجہ سے عیدین کی نماز میں سجدۂ سہو معاف ہے۔[19]

○ عیدین کا خطبہ کھڑے ہو کر پڑھنا سنتِ مؤکدہ ہے لیکن اگر امام کسی مجبوری کی وجہ سے کھڑا

نہ ہوسکے تو بیٹھ کر خطبہ پڑھنا جائز ہے[۲۰]

مستحب یہ ہے کہ جو شخص عید کی نماز پڑھائے وہی خطبہ بھی پڑھے، تاہم اگر امام کو کوئی شرعی عذر پیش آجائے تو دوسرا شخص بھی خطبہ دے سکتا ہے[۲۱]

مسنون طریقہ یہ ہے کہ نماز طویل ہو اور خطبہ مختصر ہو، یعنی پوری نماز سے کم وقت میں خطبہ ختم ہوجائے[۲۲]

صدقۃ الفطر

صدقۃ الفطر اس شخص پر واجب ہے جس کے پاس ضروریات خانہ کے علاوہ ساڑھے باون تولہ چاندی یا اسی وزن کے روپے ہوں یا زیور ہوں یا مال و جائیداد یا تجارت کا مال ہو یا ساڑھے سات تولہ سونا ہو یا اس وزن کے برابر اشرفیاں یا زیور ہو۔ یہ شرط نہیں کہ اس مال پر سال گذر چکا ہو، اگر کسی کے پاس بہت مال ہے لیکن قرض اس قدر ہے کہ اگر ادا کیا جائے تو ۵۲½ تولہ چاندی یا اس کی قیمت کا اسباب باقی نہیں رہتا تو اس پر صدقۂ فطر واجب نہیں۔ جس شخص کے پاس مذکورہ مال یا اس سے زیادہ ہو وہ اپنی طرف سے بھی صدقۂ فطر ادا کرے اور اپنی نابالغ اولاد اور بیوی کی طرف سے بھی[۲۳]

صدقۂ فطر ایک آدمی کا بوزن انگریزی پونے دو سیر گندم ہے یا اس کی قیمت، اور [illegible][۲۴] ہے، اپنے عزیز و اقارب سب سے زیادہ مستحق ہیں۔ ایک شخص کو کئی آدمیوں کا صدقۂ فطر دیا جائے تو درست ہے اور اگر ایک آدمی کا صدقۂ فطر کئی محتاجوں کو دیدیا جائے تو بھی درست ہے۔ عید کی نماز سے پہلے ادا کردینا بہت زیادہ ثواب کا باعث ہے۔ جس نے کسی عذر یا غفلت سے روزے نہیں رکھے اس پر بھی صدقۂ فطر واجب ہے بشرطیکہ مذکورہ بالا مقدار کا مال رکھتا ہو۔ صدقۂ فطر مؤذن یا امام وغیرہ کو اجرت میں دینا جائز نہیں۔ صدقۂ فطر مسجد کی تعمیر اور اس کے مصارف میں لگانا بھی درست نہیں۔

---

۱ قال العلامة المرغيناني رح، تجب صلوٰة العيد على كل من تجب عليه صلوٰة الجمعة ۔ (الهداية ج ۱ ص ۱۵۱ باب العيدين)

۲، ۳ ندب يوم الفطر أكله حلواً وتراً قبل خروجه الى صلوٰتها واستياكه واغتساله تطيبه ولبسه احسن ثيابه ولو غير ابيض ..... ثم خروجه الى الجبانة ۔ (الدر المختار على صدر رد المحتار ج ۲ ص ۱۶۸ باب العيدين)

۴؎ جس راستے سے جائے اس کے سوا دوسرے راستے سے واپس آنا۔
(بہشتی زیور ص۱۰۱ عیدین کی نماز کا بیان)

۵؎ لما قال العلامة ابو بکر الحداد الیمنیؒ: ولا یکبر فی طریق المصلی عند ابی حنیفة یعنی جھرًا اما سرًا فمستحب وھذا فی یوم الفطر لان الاصل فی الثناء الاخفاء۔
(الجوھرة النیرة ج ۱ ص۱۱۲ باب العیدین)

۶؎ لما قال العلامة الحصکفیؒ: ولا یتنفل قبلھا مطلقًا...... وکذا لا یتنفل بعدھا فی مصلاھا وان تنفل بعدھا فی البیت جاز۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار جلد ۲ ص۱۷۰ باب العیدین)

۷؎ لما قال العلامة الحصکفیؒ: ویصلی الامام بھم رکعتین مثنیا قبل الزوائد وھی ثلاث تکبیرات فی کل رکعة۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۲ ص۱۷۲ باب العیدین)

۸؎ وفی الھندیة: ویستحب ان یفتتح الخطبة الاولی بتسع تکبیرات تتری والثانیة بسبع۔ (الفتاوی الھندیة ج ۱ ص۱۵۰ باب العیدین)

۹؎ ویسن خطبتان..... بجلسة بینھما۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۲ ص۱۷۸ باب العیدین)

۱۰؎ وہ عورتیں اور لوگ جو کسی وجہ سے نماز عید نہ پڑھیں ان کو قبل نماز عید کے کوئی نفل وغیرہ پڑھنا مکروہ ہے۔ (بہشتی زیور ص۸۸ حصہ یازدہم)

۱۱؎ قال العلامة طاھر بن عبد الرشید البخاریؒ: والسنة ان یخرج الامام الی الجبانة ویستخلف غیرہ لیصلی فی المصر بالضعفاء والمرضی بناء علی ان صلوٰة العیدین فی موضعین جائزة بالاتفاق۔ (خلاصة الفتاوی ج ۱ ص۲۱۳ باب العیدین)

۱۲؎ وفی الھندیة: ولو صلاھا مع بالجماعة وفاتت بعض الناس لا یقضیھا من فاتته خرج الوقت أو لم یخرج۔ (الفتاوی الھندیة ج ۱ ص۱۵۲ باب العیدین)

۱۳؎ قال العلامة ابو البرکات النسفیؒ: وان فاتت مع الامام وتؤخر بعذر الی الغد فقط۔ (کنز الدقائق علی ھامش البحر الرائق ج ۲ ص۱۶۲ باب صلوٰة العیدین)

۱۴؎، ۱۵؎ لما فی الھندیة ولو انتھی رجلٌ الی الامام فی الرکوع فی العیدین فانه یکبر للافتتاح قائمًا فان امکنه أن یأتی بالتکبیرات ویدرك فعل ویکبر علی رأی نفسه وان لم یمکنه رکع إشتغل بالتکبیرات ولا یرفع یدیه۔ (الفتاوی الھندیة ج ۱ ص۱۵۱ الباب السابع عشر فی صلوٰة العیدین)۔

۱۶ لما فی الھندیۃ: ولو رفع الامام رأسہ بعد ما أدی بعض التکبیرات فانہ یرفع رأسہ ویتابع الامام وتسقط عنہ التکبیرات الباقیۃ۔
(الفتاوی الھندیۃ ج ۱ ص ۱۵۱ باب صلوۃ العیدین)

۱۷ ولو ادرکہ فی القومۃ لایقضی فیہا لانہ یقضی الرکعۃ الاولی مع التکبیرات۔
(الفتاوی الھندیۃ ج ۱ ص ۱۵۱ باب العیدین)

۱۸ واذا نسی الامام تکبیرات العیدین حتی قرء فانہ یکبر بعد القرأۃ أو فی الرکوع مالم یرفع رأسہ۔ (الفتاوی الھندیۃ ج ۱ ص ۱۵۱ الباب السابع عشر فی صلوۃ العیدین)

۱۹ لما فی الھندیۃ: الا مشائخنا قالوا لایسجد للسھو فی العیدین والجمعۃ لئلا یقع الناس فی الفتنۃ۔ (الفتاوی الھندیۃ ج ۱ ص ۱۲۸ باب العیدین)

۲۰ ومنھا ان یخطب قائماً فالقیام سنۃ فلیس بشرط حتی لو خطب قاعداً یجوز عندنا۔
(بدائع الصنائع ج ۱ ص ۲۶۳ باب الجمعۃ)

۲۱ قال العلامۃ الحصکفیؒ: لاینبغی ان یصلی غیر الخطیب لانھما کشئ واحد فان فعل بأن خطب صبی باذن السلطان وصلی بالغ جاز ھو المختار۔
(الدر المختار علی ھامش رد المحتار ج ۱ ص ۵۵۲ باب الجمعۃ)

۲۲ قال العلامۃ الکاسانیؒ: وعن عمر رضی اللہ عنہ انہ قال طولوا الصلوۃ وقصروا والخطبۃ۔ (بدائع الصنائع ج ۱ ص ۲۶۳ باب الجمعۃ)

۲۳ صدقۃ الفطر واجبۃ علی الحر المسلم اذا کان مالکا لمقدار النصاب فاضلاً عن مسکنہ وثیابہ واثاثہ وفرسہ وسلاحہ وعبیدہ۔ اما وجوبھا فلقولہ علیہ السلام فی خطبتہ ادوا عن کل حر وعبد صغیر او کبیر نصف صاع من بر او صاع من شعیر۔ رواہ ثعلبۃ بن صعیر العدوی۔ (الھدایۃ ج ۱ ص ۱۹ باب صدقۃ الفطر)

۲۴ وزن انگریزی سے وزن صاع کا قریب آدھ پاؤ او ساڑھے تین سیر کا ہوتا ہے اور نصف صاع پونے دو سیر ایک چھٹانک ہوتا ہے۔ (بہشتی زیور باب صدقۃ الفطر)




كتاب
الجنائز



باب حقوق الزوجین

(خاوند اور بیوی کے ایک دوسرے پر حقوق کے بیان میں)

میاں بیوی کے ایکدوسرے پر حقوق کا حکم

سوال:۔ از روئے شرع بیوی پر خاوند کے اور خاوند پر بیوی کے کیا کیا حقوق ہیں؟

الجواب:۔ خاوند اور بیوی کے ایک دوسرے پر بہت سے حقوق ہیں جن کا ادا کرنا اور پورا کرنا از روئے شریعت مطہرہ لازمی ہے، ان میں بعض حقوق مشترکہ ہیں اور بعض خاص ہیں، مثلاً مہر، نان نفقہ، کسوہ، مکان، اعفاف الزوجہ، عدل وانصاف وغیرہ بیوی کے حقوق منفردہ ہیں اور جائز امور میں خاوند کی اطاعت، اس کی امانت کی حفاظت (مثل عصمت کا تحفظ، مال واولاد وغیرہ کی حفاظت) خاوند کا حق تادیب اور عورت کا حیض ونفاس سے پاک ہونے پر جنابت کے لیے غسل کرنا اور دیگر خاوند کے حقوق منفردہ ہیں۔ اور ایک دوسرے سے حسن معاشرت، نرمی کا مظاہرہ اور ایک دوسرے کی تکلیف برداشت کرنا وغیرہ حقوق مشترکہ ہیں، لیکن خاوند کی ذمہ داریوں کی کثرت کیوجہ سے اس کا حق عورت پر زیادہ ہے۔ ویدل علیہ ما یأتی۔ قال اللہ سبحانہ وتعالیٰ: اَلرِّجَالُ قَوّٰامُوْنَ عَلَی النِّسَآءِ (سورۃ النساء آیت ۳۴) وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِیْ عَلَیْهِنَّ وَلِلرِّجَالِ عَلَیْهِنَّ دَرَجَةٌ۔ (سورۃ البقرہ آیت ۲۲۸) وَعَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ۔ (سورۃ النساء آیت ۱۹)

وَقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم: وان لزوجك علیك حقاً۔ (صحیح بخاری ج ۲ ص ۱۹۹۵ کتاب النکاح)

واستوصوا بالنساء خیراً۔ (صحیح بخاری ج ۵ ص ۱۹۸۷ کتاب النکاح)[1]

بیوی کا خاوند کے مال سے اپنا حق وصول کرنا

سوال:۔ اگر کوئی شخص بیوی کو نفقہ دینے سے انکار کرے تو کیا اس کو یہ حق پہنچتا ہے کہ وہ خاوند کے مال سے اپنا حق اس کی اجازت کے بغیر وصول کرے؟

الجواب:۔ اگر خاوند کا بیوی کو نفقہ دینے سے انکار کسی ایسی وجہ سے ہو جس میں عورت کے کسی جرم کا دخل نہ ہو تو نفقہ بوجہ لزوم عورت کا حق ہے اور وہ کسی بہانے سے خاوند کے مال سے

---

[1] وانظر للتفصیل: (البحر الرائق ج ۴ ص ۱۸۱ کتاب النکاح، والفقہ الاسلامی وادلتہ ج ۷ ص ۳۲۷ الی ۳۴۳ الفصل السابع، حقوق الزواج وواجباتہ)

اپنا حق وصول کرسکتی ہے۔ تاہم اگر کہیں عورت کی نافرمانی کی وجہ سے خاوند نے اس کو نفقہ سے محروم کررکھا ہو تو پھر عورت کی نافرمانی کی وجہ سے اس کا یہ حق باقی نہیں رہتا۔

عن عائشۃ رضی اللہ عنہا قالت إن ھند بنت عتبۃ قالت یارسول اللہ إن أباسفیان رجل شحیح ولیس یعطینی مایکفینی وولدی إلا ما أخذت منہ وھو لا یعلم فقال خذی مایکفیك وولدك بالمعروف۔ متفق علیہ۔ (مشکوٰۃ المصابیح ج ۲ ص ۲۹۰ کتاب النکاح) [۱]

ایک بیوی سے زیادہ محبت رکھنا دوسری بیویوں کی حق تلفی نہیں

سوال:۔ اگر ایک آدمی کی تین یا چار بیویاں ہوں اور ان میں کسی ایک کی طرف اس کا قلبی میلان اور اس کے ساتھ محبت زیادہ ہو تو کیا اس سے دوسری بیویوں کی حق تلفی لازم آتی ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ تین یا چار بیویوں میں سے کسی ایک کے ساتھ کسی وجہ سے قلبی محبت زیادہ ہو اور دیگر حقوق میں سب کے ساتھ برابری اور عدل کرتا ہو تو اس پر کوئی مواخذہ نہیں، شریعت مطہرہ کی نظر میں خاوند ایسے حقوق کا مکلف ہے جو اس کے دائرہ اختیار میں ہوں جبکہ ایک سے زیادہ بیویوں میں سے کسی ایک کے ساتھ قلبی محبت اس کی قدرت سے باہر ہے۔

قال فی الھندیۃ: ومما یجب علی الازواج للنساء العدل والتسویۃ بینھن فیما یملکہ والبیتوتۃ عندھا للصحبۃ والمؤانسۃ لا فیما لا یملك وھو الحب والجماع۔ (الفتاویٰ الھندیۃ ج ۱ ص ۳۴۰ الباب الحادی عشر فی القسم) [۲]

---

[۱] قال فی الھندیۃ: فی کل موضع کان للقاضی أن یقضی لھا بالنفقۃ فلھا ان تأخذ من مال الزوج ما یکفیھا بالمعروف بغیر قضاء۔

(الفتاویٰ الھندیۃ ج ۱ ص ۵۵۰ الباب السابع عشر فی النفقات)

ومثلہ فی البحر الرائق ج ۴ ص ۱۹۱-۱۹۲ باب النفقۃ۔

[۲] قال الشیخ الکاسانی رحمہ اللہ: وروی عن ابی قلابۃ أن النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان یعدل بین نساءہ فی القسمۃ ویقول اللھم ھذہ قسمتی فیما أملك فلا تؤاخذنی فیما تملك ولا أملك۔

(بدائع الصنائع ج ۲ ص ۳۳۲ باب النفقات)

ومثلہ فی الدر المختار علیٰ ھامش ردالمحتار ج ۲ ص ۴۳۲ کتاب النکاح۔ باب النفقات۔

بیوی کے لیے علیحدہ مکان کا انتظام کرنا خاوند کی ذمہ داری ہے

سوال :- اگر بیوی خاوند کے اقارب (ماں باپ) کے ساتھ رہنا پسند نہ کرے اور اپنے رہنے کے لیے علیحدہ مکان کا مطالبہ کرے تو کیا خاوند کے ذمہ لازم ہے کہ اس کے لیے علیحدہ مکان کا انتظام کرے؟

الجواب :- اگر بیوی کسی وجہ سے خاوند کے عزیز و اقارب کے ساتھ رہنا نہیں چاہتی ہو تو خاوند کی ذمہ داری ہے کہ وہ بیوی کے لیے علیحدہ جگہ کا انتظام کرے یہ ضروری نہیں کہ کسی علیحدہ جگہ میں مکان بنانے کی تکلیف کرے بلکہ گھر کے اندر ہی اگر کوئی ایسا کمرہ بیوی کے لیے ہو جس میں کسی دوسرے کا عمل دخل نہ ہو تو پھر بھی اس کی ذمہ داری ختم ہو جاتی ہے۔

قال ابن عابدین رحمہ اللہ : وکذا تجب لہا السکنیٰ فی بیت خالٍ من اہلہ سوی طفلہ الذی لایفہم الجماع وأمتہ وأم ولدہا من غیرہ ۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ص ۶۱۹/۲) ـــ لہ

خاوند بیوی کی رضامندی کے بغیر اسے کسی دوسرے ملک میں ساتھ نہیں لے جا سکتا

سوال :- ایک لڑکے اور لڑکی کے درمیان نکاح ہو گیا ہے، لڑکا کسی دوسرے ملک میں رہتا ہے اور وہ لڑکی کو اپنے ساتھ لے جانا چاہتا ہے جبکہ لڑکی اور اس کے والدین یہ نہیں چاہتے کہ لڑکی اس کے ساتھ دوسرے ملک چلی جائے، تو کیا خاوند کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ بیوی کو ساتھ لے جانے کے لیے طاقت استعمال کرے؟

الجواب :- اگر لڑکی اور اس کے والدین راضی نہ ہوں تو لڑکا لڑکی کو جبراً اپنے ساتھ کسی دوسرے ملک نہیں لے جا سکتا۔

قال فی الہندیۃ ، وکثیر من المشائخ علیٰ أنہ لیس للزوج أن یسافر بہا فی زماننا

لہ قال ابن نجیمؒ : أی الإسکان للزوجۃ علیٰ زوجہا لأن من کفایتہا فتجب لہا کالنفقۃ وقد أوجبہا اللہ تعالیٰ کما أوجب النفقۃ ۔ بقولہ تعالیٰ : أَسْکِنُوْھُنَّ مِنْ حَیْثُ سَکَنْتُمْ مِّنْ وُّجْدِکُمْ ۔ ای من طاقتکم مما تطیقونہ مِلکًا أَوْ إِجَارَۃً او عاریۃ اجماعًا واذا وجبت حقًا لہا لیس لہ أن یشترک غیرہا لِأَنَّہَا تتضرر بہ ...... ولو کان الخلاء مشترکًا بعد أن غلقہ یخصہ ولیس لہا أن تطالبہ بمسکن آخر ۔ (البحر الرائق ج ۴ ص ۱۹۳، ۱۹۴ باب النفقۃ)

وَمِثْلُہٗ فی الہندیۃ ج ۱ ص ۵۵۶ الباب السابع فی النفقات ۔

وإن أوفاها المهر ولكن بنقلها إلى القرى أين أحب وعليه الفتوى ۔
(الفتاوى الهندية ج ۱ ص۳۱۷ الفصل الحادی عشر فی منع المرأة نفسها بمهرها) [1]

بیوی سے ہمبستری کرنا کن اوقات میں جائز نہیں

سوال:۔ کیا بیوی سے جماع کے لیے کچھ ممنوعہ اوقات ہیں؟ جبکہ بعض لوگ کہتے ہیں کہ نمازِ ظہر کے بعد، عید کے دن، شبِ برات وغیرہ اوقات ومواضع میں جماع کرنا منع ہے، کیا یہ درست ہے؟

الجواب:۔ شرعی موانع (حیض ونفاس کی حالت) کے علاوہ جماع کے لیے مخصوص اوقات کے تعین اور بعض سے ممانعت کی کوئی شرعی دلیل نہیں۔ قال اللہ سبحانہ وتعالیٰ: نِسَآؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ فَأْتُوا حَرْثَكُمْ أَنَّىٰ شِئْتُمْ۔ (البقرہ آیت ۲۲۳)

قال الرازی رحمہ اللہ: اختلف المفسرون فی تفسیر قولہ أنّٰی شئتم: والمشہور ما ذکرناہ أنہ یجوز للزوج أن یأتیہا من قبلہا ومن دبرہا فی قبلہا والثانی أن المعنی أی وقت شئتم من أوقات الحل یعنی إذا لم تکن أجنبیۃ أو محرمۃ أو صائمۃ أو حائضا ... والخامس متٰی شئتم من لیل أو نہار۔ (تفسیر کبیر للرازی ج ۶ ص۷۸ سورۃ البقرۃ) [2]

مباشرت کا طریقہ

سوال:۔ مباشرت کا صحیح طریقہ شرعاً کس طرح ہے؟

الجواب:۔ منہ اور دبر سے اجتناب کیا جائے اور حیض ونفاس کی حالت میں ناف سے لیکر زانو تک بلاحائل نفع نہ لیا جائے، باقی تمام کیفیات جائز ہیں۔ قال اللہ تبارک وتعالیٰ: نِسَآؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ فَأْتُوا حَرْثَكُمْ أَنَّىٰ شِئْتُمْ۔ (البقرہ ص۲۲۳)

---

[1] قال ابن عابدینؒ: ثم ذکر عن الفقیہین أبی القاسم الصفارؒ وأبی اللیثؒ أنہ لیس لہ السفر مطلقاً بلا رضاہا لفساد الزمان لأنہا لا تأمن علی نفسہا فی منزلہا فکیف إذا خرجت وأنہ صرح فی المختار بأن علیہ الفتوی وفی المحیط أنہ المختار وفی الولوالجیۃ أن جواب ظاہر الروایۃ کان فی زمانہم أما فی زماننا فلا۔ (رد المحتار ج ۲ ص۳۹۱ باب النفقۃ)
ومثلہ فی البحر الرائق ج ۳ ص۱۷۹ باب النفقۃ۔

[2] قال الکاسانیؒ: وللزوج أن یطالبہا متٰی شاء إلا عند اعتراض أسباب مانعۃ من الوطء کالحیض والنفاس والظہار والاحرام وغیر ذلک۔ (بدائع الصنائع ج ۲ ص۳۳۱ النفقات)
ومثلہ فی نیل الاوطار ج ۶ ص۲۲۵ باب النفقات۔

وقال الله عزوجل: فَاعْتَزِلُوا النِّسَآءَ فِي الْمَحِيضِ۔ (البقرہ ۲۲۲) سلہ

جماع کے آداب

سوال:- جماع کے کیا کیا آداب ہیں؟ وضاحت فرمائیں؟

الجواب:- جماع سے مقصود اولاد اور تحصین الفرج ہو شہوت رانی مقصود نہ ہو، پردے کا اہتمام ہو، بالکل برہنہ نہ ہو، قبلہ رخ نہ ہو، جماع سے قبل ماثورہ دعائیں پڑھی جائیں، حالت جماع میں زیادہ باتیں نہ کی جائیں، جماع سے قبل ملاعبت وضم وتقبیل کی جائے، مرد عورت کے انزال کے بعد اٹھے۔ ۲۴ (النساء)

قال الله عزوجل: وَاُحِلَّ لَكُمْ مَّا وَرَآءَ ذٰلِكُمْ اَنْ تَبْتَغُوْا بِاَمْوَالِكُمْ مُّحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسٰفِحِيْنَ۔

وقال النبي صلى الله عليه وسلم. لَوْاَنَّ اَحَدَكُمْ إذا أتى أهله قال بسم الله اللهم جنبنا الشيطن وجنب الشيطن ما رزقتنا فقضى بينهما ولد لم يضره۔ (صحیح بخاری ج ۱ ص۲۶ کتاب الوضوء) سلہ

سلہ عن ابن عباسؓ قال جاء عمرؓ الى النبي صلى الله عليه وسلم فقال يارسول الله هلكت قال وما الذي اهلكك قال حولت رحلي البارحة فلم يرد عليه شيئ قال فاوحى الله الى رسوله هذه الاية. نساءكم حرث لكم فأتوا حرثكم أنّى شئتم۔ اقبل وادبر واتقوا الدبر والحيضة۔ رواه احمد والترمذي وقال حديث حسن غريب. (نيل الاوطار ج ۶ ص۲۱۷) وذكر الشوكاني حديث اخر. فلما قدم المهاجرون المدينة تزوج رجل امرأة من الانصار فذهب يصنع بها ذلك فانكرته عليه وقالت إنما كنا نؤتى على حرف فاصنع ذلك وإلا فاجتنبني فسرى أمرهما حتى بلغ رسول الله صلى الله عليه وسلم فأنزل الله عزوجل: نِسَاءُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ فَاْتُوْا حَرْثَكُمْ اَنّٰى شِئْتُمْ۔ يعني مقبلات ومدبرات و مستقليات يعني بذلك موضع الولد. (المرجع السابق)۔ وَمِثْلُهٗ في تفسير القرطبي ج ۳ ص۹۱ سورة البقره۔

سلہ قال النبي صلى الله عليه وسلم: إذا أتى أحدكم أهله فليستتر ولا يتجردا تجرد العيرين۔ رواه ابن ماجه۔ (نيل الاوطار ج ۶ ص۲۴۴ كتاب النكاح، باب التسمية والستر عند الجماع)

وَمِثْلُهٗ في اعلاء السنن ج ۱۷ ص۴۰۸ كتاب الحظر والاباحة۔

قال الدكتور وهبة الزحيلي: للجماع آداب كثيرة ثابتة في السنة النبوية منها ما يأتي تستحب التسمية ويقرأ (قل هو الله احد) ويكبر ويهلل ويقول ولو مع اليأس عن الولد بسم الله العلي العظيم اللهم اجعلها ذرية طيبة إن كنت قدرت أن تخرج ذلك من صلبي اللهم جنبني الشيطن وجنب الشيطن ما رزقتني رواه ابوداؤد۔ وينحرف عن القبلة ولا يستقبل القبلة بالوقاع اكراما للقبلة وأن يتغطى نفسه هو وأهله بغطاء وأ لا يكونا متجردين لأن ذلك مكروه كما سيأتي۔ وان يبدأ بالملاعبة والضم والتقبيل وإذا قضى وطره فليتمهل لتقضي وطرها فإن إنزالها ربما تأخر ويكره الإكثار من الكلام حال الجماع۔ (الفقه الاسلامي وادلته ج ۳ ص۵۵۵ الفصل السابع في حقوق الزواج)

بیوی کے علاج معالجہ کا خرچہ کس کے ذمہ ہے

سوال:۔ شادی کے بعد بیماری کے دوران لڑکی کے والدین اس کے علاج معالجہ پر جو خرچ کریں تو کیا وہ یہ خرچہ خاوند سے لے سکتے ہیں یا نہیں ؟

الجواب:۔ بیماری و مرض کے علاج کا خرچہ شرعاً خاوند کے ذمہ نہیں تاہم اگر خاوند تبرع کرے تو باعثِ اجر ہے ۔

قال فی الهندیة : ولا یجب الدواء للمرض ولا أجرة الطبیب ولا الفصد ولا الحجامة۔ (الفتاویٰ الهندیة ج ۱ ص۵۴۹ الباب السابع عشر فی النفقات) ۱؎

حاملہ بیوی سے جماع کرنے کا مسئلہ

سوال:۔ کیا بیوی سے حالتِ حمل میں جماع کرنا جائز ہے یا نہیں ؟

الجواب:۔ اگر ضرر اور تکلیف پہنچنے کا خطرہ نہ ہو تو حاملہ بیوی کے ساتھ جماع کرنا جائز ہے ۔

قال فی الهندیة : وأما اذا أقر الزوج أن الحبل منه فالنکاح صحیح بالاتفاق وهو غیر ممنوع من وطئها۔ (الفتاویٰ الهندیة ج ۱ ص۵۴۶ الباب السابع عشر فی النفقات) ۲؎

نابالغ بیوی سے جماع کرنا

سوال:۔ کیا خاوند اپنی نابالغ بیوی سے جماع کر سکتا ہے ؟

الجواب:۔ بیوی کے ساتھ جماع کرنے کے لیے عمر کی کوئی خاص قید نہیں بلکہ جب بھی منکوحہ میں جماع کے لیے قوت برداشت پیدا ہو اور اس سے جماع کرنے سے کسی بیماری کا اندیشہ نہ ہو تو ایسی حالت میں نابالغ بیوی کے ساتھ جماع کرنے میں کوئی حرج نہیں، تاہم اگر بیوی کی حالت ایسی ہو کہ بالغ ہونے کے باوجود اس کی صحت جماع

۱؎ قال ابن عابدین رحمه الله :۔ وعلیه ما تقطع به الخصام لا الدواء للمرض ولا أجرة الطبیب ولا الفصاد ولا الحجام ۔ (ردّ المحتار ج ۲ ص۶۷۰ باب النفقة)
وَمِثْلُهٗ فی البحر الرائق ج ۴ ص۱۷۷ باب النفقة ۔

۲؎ قال ابن نجیم : أما التزوج الزانی بها (الحاملة) فجائز اتفاقاً وتستحق النفقة عند الکل ویحل وطؤها عند الکل کما فی النهایة ۔ (البحر الرائق ج ۴ ص۱۰۶ باب النفقة)
وَمِثْلُهٗ ردّ المحتار ج ۲ ص۶۷۱ باب النفقة ۔

کی اجازت نہیں دیتی ہو بلکہ جماع کرنے کی وجہ سے امراض پیدا ہونے کا اندیشہ ہو تو ان حالات میں منکوحہ کے بالغ ہونے کے باوجود اس سے جماع جائز نہیں۔

قال فی الھندیة: واکثر المشائخ علیٰ انہ لاعبرة للسن فی ھٰذا الباب وانما العبرة للطاقة إن کانت ضخمة سمینة تطیق الرجال ولا یخاف علیها المرض من ذٰلک کان للزوج أن یدخل بها وان لم تبلغ تسع سنین وان کانت نحیفة مهزولة لا تطیق الجماع ویخاف علیها المرض لا یحل للزوج أن یدخل بها وإن کبر سنها۔ (الفتاویٰ الہندیہ ج۱ ص۲۸۷ الباب الرابع فی الاولیاء) (الضابطۃ) [1]

حالتِ حیض میں منکوحہ سے جماع کے علاوہ استمتاع کرنا

سوال: حالتِ حیض میں خاوند اپنی بیوی سے جماع تو نہیں کرسکتا لیکن اس کے علاوہ استمتاع کا کیا حکم ہے؟

الجواب: حیض ونفاس کی حالت میں خاوند کے لیے اپنی بیوی سے جماع کرنا ناجائز اور حرام ہے لیکن اس کے علاوہ "مافوق الازار" استمتاع میں کوئی حرج نہیں تاہم اگر استمتاع سے جماع تک نوبت پہنچنے کا احتمال ہو تو اس سے بھی بچنا چاہیے، جبکہ وقوع فی الزنا سے بچنے کے لیے مافوق الازار استمتاع کا طریقہ اپنانا زیادہ محتاط ہے۔

قال فی الھندیة: ولہ أن یقبلها ویضاجعها ویستمتع بجمیع بدنها ماخلا بین السرة والرکبة عند أبی حنیفة وابی یوسف۔ (الفتاویٰ الہندیہ ج۱ ص۳۹ الفصل الرابع فی احکام الحیض والنفاس) [2]

بیوی سے استمناء بالید کرانا

سوال: اگر بیوی حیض ونفاس یا دیگر امراض کی وجہ سے جماع کے قابل نہ ہو اور خاوند کو جماع کی ضرورت ہو تو کیا وہ بیوی کے ہاتھ

---

[1] قال ابن نجیم: وفی الخلاصة واکثر المشائخ علیٰ أنہ لاعبرة للسن فیهما وانما المعتبر الطاقة۔ (البحر الرائق ج۳ ص۱۲۰ باب الاولیاء والاکفاء)

وَمِثْلُہٗ فی رد المحتار ج۲ ص۳۲۹ و ص۳۷۷ باب الاولیاء والاکفاء۔

[2] قال ابن نجیم: ویمنع الحیض قربان زوجها ماتحت ازارها امامحرمة وطئها فجمع علیها لقولہ تعالیٰ: وَلَا تَقْرَبُوْهُنَّ حَتّٰی یَطْهُرْنَ ...... واما الاستمتاع بها بغیر الجماع فمذهب ابی حنیفة وابی یوسف والشافعی ومالک یحرم علیہ مابین السرة والرکبة وهو المراد بما تحت الازار۔ (البحر الرائق ج۱ ص۱۹۷)

وَمِثْلُہٗ فی بدائع الصنائع ج۱ ص۴۴ کتاب الحیض۔

سے استمناء کراسکتا ہے یا نہیں؟ جبکہ ایسی حالت میں فعل حرام سے بچنے کا امکان ہو۔

الجواب:۔ مذکورہ اعذار کی وجہ سے اپنی بیوی سے استمناء بالید کرانا جائز ہے ورنہ مکروہ تنزیہی ہے۔

قال ابن عابدینؒ: ویجوز ان یستمنی بید زوجتہ وخادمتہ ولینظر ما اشارح فی الحد وعن الجوھرۃ أنہ یکرہ ولعل المراد بہ کراھۃ تنزیھیۃ۔ (ردالمحتار ج ۲ ص۱۰۹) [1]

بیوی کے برہنہ بدن کو دیکھنا

سوال:۔ کیا خاوند اپنی بیوی کا برہنہ بدن جماع کے وقت یا اس کے علاوہ دیکھ سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ قرآن کریم کے اندازِ بیان "ھُنَّ لِبَاسٌ لَّکُمْ وَاَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّھُنَّ" سے معلوم ہوتا ہے کہ میاں بیوی کے درمیان رشتۂ ازدواج کی وجہ سے پردہ کی کیفیت باقی نہیں رہتی، اس لیے میاں بیوی کے لیے ایک دوسرے کے بدن پر نظر ڈالنے میں کوئی حرج نہیں، تاہم فقہاء کرامؒ نے شرمگاہ پر نظر ڈالنے سے اجتناب کرنے کو بہتر لکھا ہے۔

قال الطوریؒ تحت قول النسفیؒ: "وینظر الرجل الیٰ فرج أمتہ وزوجتہ" یعنی عن شھوۃ وغیر شھوۃ۔ قال علیہ الصلوٰۃ والسلام غض بصرک إلا عن زوجتک وامتک وما روی عن عائشۃؓ قالت کنت أغتسل أنا ورسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من إناء واحد۔

(البحرالرائق ج ۸ ص۱۹۳ کتاب الکراھیۃ۔ فصل فی النظر) [2]

---

[1] قال ابن نجیمؒ المصری رحمۃ اللہ:۔ وھل یحل الاستمناء بالکف خارج رمضان إن أراد الشھوۃ لا یحل لقولہ علیہ السلام ناکح الید ملعون وإن أراد التسکین الشھوۃ یرجی أن لا یکون علیہ وبال۔ (البحرالرائق ج۲ ص۲۷۲ باب مایفسد الصوم ومالایفسد)

وَمِثْلُہٗ فی الھندیۃ ج ۱ ص۲۰۳ الباب الرابع فیما یفسد وما لایفسد۔

[2] قال فی الھندیۃ: أما النظر الی زوجتہ ومملوکتہ فھو حلال من قرنہا الی قدمھا عن شھوۃ وغیر شھوۃ وھذا ظاھر إلا أن الأولیٰ أن لا ینظر کل واحد منھما إلی عورۃ صاحبہ کذا فی الذخیرۃ۔

(الفتاویٰ الھندیۃ ج ۵ ص۳۲۷ الباب الثامن فیما یحل للرجل النظر إلیہ)

وَمِثْلُہٗ فی بدائع الصنائع ج ۵ ص۱۱۹ کتاب الاستحسان۔


كتاب
الطلاق

الطلاق مرتان فامساك بمعروف او تسريح باحسان

باب شرائط الطلاق

(طلاق کی شرائط اور اسکے احکام ومسائل)

نکاح سے پہلے دی گئی طلاق کالعدم ہے

سوال:۔ ایک شخص نے خطبہ کے بعد نکاح سے قبل اپنے سسر کو خط لکھا کہ آپ کی بیٹی مجھ سے آزاد ہے اور مجھ پر طلاق ہے، کیا اس کے بعد ان دونوں کے درمیان نکاح جائز ہے ؟

الجواب :۔ چونکہ طلاق قبل النکاح کالعدم ہے لہٰذا صورتِ مسئولہ میں الفاظ لغو ہو کر بعد میں نکاح کرنے میں کوئی حرج نہیں ۔

قال العلامة الحسکفیؒ :۔ فلغا قوله لاجنبية ان زرت زيداً فانت طالق فنكحها فزارت۔ وقال لعدم الملك والاضافة اليه (الدر المختار على هامش رد المحتار ج ۲ ص ۵۳۲ کتاب الطلاق، مطلب التعليق المراد به المجازاة دون الشرط) لہ

طلاق میں اضافت ضروری ہے

سوال:۔ ایک شخص کو طلاق دینے پر مجبور کرتے ہوئے ڈرایا دھمکایا گیا جس سے وہ شخص حواس باختہ ہو گیا اور طلاق دیتے وقت بیوی کا نام لے کر اس کے باپ کی جگہ دادا کی طرف نسبت کی، کیا والد کے نام میں غلطی سے طلاق پر کوئی اثر پڑتا ہے یا نہیں ؟

الجواب :۔ طلاق پر تلفظ کرتے وقت اکراہ مؤثر نہیں اس لیے جبر واکراہ کے باوجود طلاق واقع ہو جاتی ہے، خاوند عموماً اپنی بیوی کو طلاق دیتا ہے، اس لیے صورتِ مسئولہ میں باپ کی طرف نسبت نہ ہونے کے باوجود صرف عورت کا نام لینے سے طلاق واقع ہو جائے گی، ایسا ہی باپ کی جگہ دادا کی طرف نسبت کرنے سے بھی کوئی فرق نہیں پڑتا، بظاہر طلاق کے واقع

لہ وقال العلامة ابن نجیمؒ : فلو قال لاجنبية ان زرت زيداً فانت طالق فنكحها فزارت لم تطلق لانه حين صدر لا يصح جعله ايقاعاً لعدم المحل ۔

(البحر الرائق ج ۴ ص ۵ کتاب التعليق، تحت قوله فلو قال لاجنبية)

ومثلهٗ فی فتح القدیر ج ۳ ص ۴۲۲ کتاب الطلاق، باب الایمان فی الطلاق ۔

ہونے میں کوئی امر مانع نہیں۔

قال العلامة ابن عابدینؒ: لوقال: مرأة طالق او قال طلقت امرأة ثلاثا وقال لم اعن مرأتی یصدق ویفهم منه انه لو لم یقل ذلك تطلق امرأته لان العادة ان من لـه مرأة انما یحلف بطلاقها لا بطلاق غیرها۔ وقال: بخلاف مالوذکر اسمها واسم ابیها وامها وولدها...... فقد صرحوا بانها تطلق وانه لوقال لم اعن امرأتی لا یصدق قضاءً اذا کانت امرأته کما وصف۔ (ردالمحتار ج۲ ص۴۶۶ باب الصریح، کتاب الطلاق)[۱]

بیوی کو ڈرانے دھمکانے کیلئے طلاق کا لفظ کہنا

سوال:۔ کسی شخص نے بیوی کو ڈرانے دھمکانے کے لیے طلاق کا لفظ استعمال کیا جبکہ اسکی نیت طلاق کی نہ تھی، تو کیا اس سے طلاق واقع ہوجائے گی یا نہیں؟

الجواب:۔ طلاق کے لفظ صریح میں نیت وارادہ کا ہونا یا نہ ہونا برابر ہے، اس لیے جب بھی عورت کو یہ الفاظ استعمال کئے جائیں تو اس سے طلاق واقع ہوجائے گی۔

قال النبی علیہ الصلوٰۃ والسلام: ثلاث جدهن جد وهزلهن جد النکاح والطلاق والعتاق۔ (نصب الرایة ج۳ ص۲۹۳ کتاب الایمان)[۲]

طلاق کے وقوع کے لیے خاوند کا بلوغ شرط ہے

سوال:۔ والد نے نابالغ بیٹے کا کسی بالغ لڑکی سے نکاح کر دیا اب دونوں خاندانوں کے تعلقات اس حد تک خراب ہوگئے ہیں کہ نوبت طلاق تک پہنچ گئی ہے

---

[۱] وقال العلامة ابن نجیم المصریؒ: وکذا لو لم ینسبها الی ابیها وانما نسبها الی امها او ولدها تطلق۔ وقال: فقال ذلك وهو یعلم نسب امرأته او کلا یعلم طلقت امرأته ولا یصدق قضاء وفیما بینه وبین الله تعالیٰ لا یقع ان کان یعرف نسبها وان کان لا یعرف یقع دیانة۔ (البحرالرائق ج۳ ص۲۵۳،۲۵۴ کتاب الطلاق)

ومثلهٗ فی فتح القدیر ج۳ ص۳۵۳ کتاب الطلاق، باب ایقاع الطلاق۔

[۲] وقال العلامة الحصکفیؒ: او هازلا لا یقصد حقیقة کلامه۔ (الدرالمختار علیٰ هامش ردالمحتار ج۲ ص۴۵۹ کتاب الطلاق، مطلب فی المسائل التی تصح للاکراه)

ومثلهٗ فی البحرالرائق ج۳ ص۲۴۴ کتاب الطلاق۔

اندریں صورت کیا نابالغ لڑکا طلاق دے گا یا اس کا والد اُس کی طرف سے طلاق دے کر عورت کو فارغ کرے گا؟

الجواب :۔ ایسی صورت میں نابالغ خاوند خود طلاق نہیں دے سکتا کیونکہ طلاق کے وقوع کے لیے خاوند کا بلوغ شرط ہے اور نہ یہ لڑکا اپنی طرف سے کسی کو وکیل مقرر کر سکتا ہے، والد نابالغ بیٹے کا نکاح تو خود کرا سکتا ہے لیکن اس کی طرف سے طلاق دینے کی اہلیت نہیں رکھتا۔ ایسی حالت میں عورت خاوند کے بلوغ کا انتظار کرے گی، البتہ اگر کہیں عصمتِ نفس یا نان نفقہ کا مسئلہ درپیش ہو تو پھر مجبور عورت حاکم وقت کی وساطت سے فسخ نکاح کی ڈگری حاصل کر سکتی ہے۔

قال العلامة الحصکفیؒ : ولا یقع الطلاق الصبی ولو مراهقاً۔

(الدر المختار علی هامش رد المحتار ج۲ ص۴۶۲ کتاب الطلاق،

اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے: الطلاق لمن اخذ الساق۔

(ابن ماجة ص۱۴۷ ابواب الطلاق) لہ

نابالغہ کو دی گئی طلاق کا حکم

سوال :۔ ایک شخص نے نابالغ لڑکی سے نکاح کیا اور ابھی وہ نابالغ تھی کہ اس نے طلاق بھی دے دی، کیا اس نابالغ لڑکی پر طلاق واقع ہو گئی ہے یا نہیں؟

الجواب :۔ وقوعِ طلاق میں منکوحہ کا اعتبار ہے چاہے منکوحہ بالغ ہو یا نابالغ، اس لیے نابالغ لڑکی پر طلاق کے وقوع میں کوئی شبہ نہیں لڑکی مطلقہ ہو جائے گی۔

قال العلامة ابن همامؒ : فی بیان شرائط الطلاق، وفی الزوجة ان تکون منکوحة۔ (فتح القدیر شرح الهداية ج۳ ص۳۲۶ کتاب الطلاق تحت شرطه) ۲ہ

لہ وفی الهندية : ولا یقع طلاق الصبی وان کان یعقل۔ (الفتاوی الهندية ج۱ ص۳۵۳، کتاب الطلاق، فصل فیمن یقع طلاقه وفیمن لا یقع طلاقه)

وَمِثْلُهُ فی الهداية وفتح القدیر ج۳ ص۳۴۳ کتاب الطلاق۔

۲ہ قال العلامة التمرتاشیؒ : ومحله (ای الطلاق) المنکوحة۔

(تنویر الابصار علی هامش رد المحتار ج۳ ص۳۵۲ کتاب الطلاق، مطلب طوق ...)

وَمِثْلُهُ فی البحر الرائق شرح کنز الدقائق ج۳ ص۲۳۶ کتاب الطلاق۔

مجنون کی طلاق کا حکم

سوال:۔ اگر ایک شخص مجنون ہو اور وہ اپنی بیوی کو طلاق دیدے تو کیا اس سے طلاق واقع ہو جائے گی یا نہیں؟

الجواب:۔ طلاق کے وقوع کے لیے خاوند کا عاقل بالغ ہونا شرط ہے، چونکہ مجنون عقل کی نعمت سے محروم ہوتا ہے اس لیے مجنون اگر طلاق دیدے تو اس کا اعتبار نہیں ہوگا۔

لما فی الھندیۃ: ولا یقع طلاق الصبی وان کان یعقل والمجنون۔
(الفتاوی الھندیۃ ج ۱ ص۳۵۳ کتاب الطلاق، فصل فیمن یقع طلاقہ وفیمن لا یقع طلاقہ) [۱]

بے وقوف کی طلاق کا حکم

سوال:۔ کسی شخص میں بالغ ہونے کے بعد کوئی تبدیلی رونما نہ ہوئی بلکہ شروع ہی سے سادہ اور بھولا بھالا چلا آرہا ہے، والدین نے اس کی شادی کر دی، دنیا کے جس کام پر اس کو لگایا جائے تو بڑی چستی سے وہ کام کرتا ہے لیکن دنیا کے کسی بھی رسم و رواج سے واقف نہیں، کھانے پینے یا کپڑے پہننے میں عام لوگوں کی طرح ہے، کیا ایسے شخص کی دی ہوئی طلاق واقع ہو جاتی ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ ایسا شخص سفیہ ہے اور اسکی دی گئی طلاق واقع ہو جاتی ہے، اس کے تصرفات شرعاً معتبر ہیں، البتہ جو شخص فاسد التدبیر ہو اور اس کو اپنی باتوں کا اندازہ نہ ہو عموماً بیہودہ، بے ربط اور بے جوڑ باتیں کرتا ہو ایسا شخص معتوہ ہے جسکی طلاق واقع نہیں ہوتی۔

لما فی الھندیۃ: ولا یقع طلاق الصبی وان کان یعقل والمجنون وکذلک المعتوہ لا یقع طلاق۔ ایضاً۔ (الفتاوی الھندیہ ج ۱ ص۳۵۳ کتاب الطلاق، فصل فیمن یقع طلاقہ وفیمن لا یقع طلاقہ) [۲]

بیہوشی کی حالت میں دی گئی طلاق کا حکم

سوال:۔ اگر ایک شخص حواس باختہ ہو کر ایسی کیفیت میں طلاق دے کہ اس کو یہ پتہ نہ ہو کہ میں کیا کہہ رہا ہوں یہاں تک کہ اس کو رات و دن کی تمیز بھی نہ ہو، تو کیا ایسے شخص کی دی گئی طلاق واقع

---

[۱] قال العلامۃ صدر الشریعۃ: لا طلاق صبی ومجنون ونائم۔ (شرح الوقایہ ج۲ ص۷۱ کتاب الطلاق، باب ایقاع الطلاق)
ومثلہ فی فتح القدیر ج۳ ص۳۵ کتاب الطلاق، باب ایقاع الطلاق۔

[۲] وقال العلامۃ ابن عابدینؒ: واحسن الاقوال فی الفرق بینھما ان المعتوہ ھو قلیل الفھم المختلط الکلام، الفاسد التدبیر لکن لا یضرب ولا یشتم بخلاف المجنون۔ (رد المحتار ج ۲ ص۶۲۴ کتاب الطلاق)
ومثلہ فی البحر الرائق شرح کنز الدقائق ج ۳ ص۲۴۹ کتاب الطلاق۔

الجواب:- طلاق دیتے وقت عقل وحواس کی موجودگی ضروری ہے، اگر کسی شخص کے حواس بیہوشی کی وجہ سے ختم ہوجائیں تو اس حالت میں دی ہوئی طلاق کا کوئی اعتبار نہیں۔

قال العلامۃ الحصکفیؒ: لایقع طلاق المولیٰ علی امرأۃ عبدہ والمجنون والمدھوش فتح وفی القاموس، دھش الرجل تحیر ودھش بالبناء للمفعول فھو مدھوش وادھشہ اللہ۔ الخ (الدر المختار علی ہامش رد المحتار ج۲ ص۴۶۳ کتاب الطلاق، مطلب طلاق المدھوش) لہ

معتوہ کی طلاق کا حکم

سوال:- جس شخص کو یہ پتہ نہ ہو کہ میں کیا کہہ رہا ہوں، عموماً بے ربط اور بے جوڑ باتیں کرتا ہو، اگر ایسا شخص اپنی بیوی کو طلاق دیدے تو کیا اس کی طلاق واقع ہوجائے گی؟

الجواب:- طلاق دینے کے لیے عاقل بالغ ہونا ضروری ہے، صورتِ مسئولہ کے مطابق ایسے شخص کو فقہاء کرام "معتوہ" کہتے ہیں جس کی طلاق شرعاً واقع نہیں ہوتی۔

قال العلامۃ التمرتاشیؒ: ولایقع طلاق الصبی والمعتوہ۔ (تنویر الابصار علی ہامش رد المحتار ج۲ ص۴۶۲ کتاب الطلاق، تحت مطلب فی الحشیشۃ والافیون.... الخ) ۲ہ

وسوسہ کی بیماری میں مبتلا شخص کی طلاق کا حکم

سوال:- ایک شخص جو وسوسہ کی بیماری میں مبتلا ہو اور کسی کام کے کرنے یا نہ کرنے میں ہمیشہ تردد رہتا ہو اور بسا اوقات کسی کام کے کرنے یا نہ کرنے پر طلاق معلق کرتا ہو پھر اس کو طلاق معلق کرنے میں بھی وسوسہ اور شک پیدا ہوجاتا ہے، کبھی تو یہ گمان کرتا ہے کہ میں نے طلاق دی ہے اور کبھی طلاق نہ دینے کا وسوسہ پیدا ہوتا ہے، جبکہ یقینی طور پر اس کو معلوم نہیں کہ اس نے طلاق دی ہے یا نہیں، تو ایسے شخص کی طلاق کی شرعاً کیا حکم ہے؟

الجواب:- طلاق کے وقوع کے لیے باقاعدہ قطع اور یقین ضروری ہے، جب تک

لہ وفی الھندیۃ: ولایقع طلاق الصبی وان کان یعقل والمجنون والنائم والمبرسم والمغمی علیہ والمدھوش۔ (الفتاوی الھندیۃ ج۱ ص۳۵۳ کتاب الطلاق، فصل فیمن یقع طلاقہ وفیمن لایقع طلاقہ)

وَمِثْلُہٗ فی البحر الرائق ج۳ ص۲۴۹ کتاب الطلاق۔

۲ہ وفی الھندیۃ: وکذلک المعتوہ لایقع طلاقہ۔ (الفتاوی الھندیۃ ج۱ ص۳۵۳ کتاب الطلاق، فصل فیمن یقع طلاقہ وفیمن لایقع طلاقہ)

وَمِثْلُہٗ فی فتح القدیر شرح الھدایۃ ج۳ ص۳۴۳ فصل ولایقع طلاق الصبی.... الخ۔

اس کو یقین نہ ہو تو شک اور وسوسہ کی بناء پر طلاق واقع نہیں ہوگی۔

قال العلامة الحصكفيؒ: علم انه حلف ولم يدر بطلاق او غيره لغا كما لو شك اطلق ام لا۔ (الدر المختار على هامش ردّ المحتار ج۲ ص۴۹۲ باب طلاق غير مدخول بها) ۱؎

نشہ کی حالت میں طلاق کا حکم

سوال:۔ کیا نشہ کی حالت میں دی گئی طلاق واقع ہو جاتی ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ نشہ کی حالت میں اگرچہ انسان حواس کھو بیٹھتا ہے لیکن نشہ بذات خود چونکہ غیر مشروع فعل ہے اس لیے اس سے طلاق زجراً واقع ہوگی۔

قال العلامة الحصكفيؒ: ويقع طلاق كل زوج بالغ عاقل.... ولو عبداً او مكرهاً او سكران۔ (الدر المختار على هامش ردّ المحتار ج۲ ص۴۵۶ كتاب الطلاق، مطلب في الاكراه) ۲؎

غصہ کی حالت میں طلاق دینا

سوال:۔ کیا غصہ کی حالت میں دی گئی طلاق واقع ہو جاتی ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ طلاق عموماً غصہ کی حالت میں دی جاتی ہے اس لیے غصہ کا ہونا طلاق پر اثر انداز نہیں ہوتا، تاہم اگر غصہ کی کیفیت اس درجہ تک پہنچ جائے کہ اس کو کلام سمجھنے کی طاقت نہ رہے تو مدہوش کے حکم میں ہو کر طلاق واقع نہیں ہوگی۔

قال العلامة ابن عابدينؒ: والذي يظهر لي ان كلام المدهوش والغضبان لا يلزم فيه ان يكون بحيث لا يعلم ما يقول بل يكتفى فيه بغلبة الهذيان واختلاط الجد بالهزل كما هو المفتى به في السكران۔ (ردّ المحتار ج۲ ص۴۶۳ تحت مطلب طلاق المدهوش، كتاب الطلاق) ۳؎

۱؎ قال العلامة ابن عابدينؒ: سئل في الرجل اذا شك انه طلق امرأته ام لا فهل لا يقع عليه الطلاق الجواب نعم لا يقع الطلاق۔ (تنقيح الفتاوى الحامدية ج۱ ص۳۷ كتاب الطلاق)

۲؎ قال العلامة ابن الهمامؒ: وطلاق السكران واقع۔ (فتح القدير ج۳ ص۳۴۵ فصل ويقع طلاق كل زوج اذا كان عاقلاً بالغاً ولا يقع طلاق الصبي والمجنون والنائم)

وَمِثْلُهٗ في البحر الرائق شرح كنز الدقائق ج۳ ص۲۴۷ كتاب الطلاق۔

۳؎ قال العلامة ابن همامؒ: ولا يقع طلاق الصبي والمجنون والمبرسم والمغمى عليه والمدهوش كذلك۔ (فتح القدير ج۳ ص۳۴۳ كتاب الطلاق، فصل ويقع طلاق كل زوج...... الخ)

وَمِثْلُهٗ في البحر الرائق ج۳ ص۲۴۹ كتاب الطلاق۔

غافل کی طلاق کا حکم

سوال:۔ اگر ایک شخص نے کسی وجہ سے اپنے والد کو نکاح کرانے کی اجازت دی ہو مگر بعد میں وہ اپنی اجازت بھول گیا، جبکہ والد نے اس کا نکاح کر دیا تھا تو اس شخص نے اپنی اجازت کے بھول جانے پر لاعلمی کی وجہ سے یہ کہہ دیا کہ میری بیوی کو طلاق ہو، تو کیا اس کی طلاق واقع ہو گی یا نہیں؟

الجواب:۔ ایسا شخص غافل کے حکم میں داخل ہے اس لیے اسکی طلاق واقع نہیں ہو گی۔

قال العلامة الحصکفیؒ: او مخطئا بان اراد التکلم بغیر الطلاق فجری علی لسانه الطلاق او تلفظ به غیر عالم بمعناه او غافلاً او ساهیاً و بالفاظ مصحفة یقع قضاءً فقط بخلاف الهازل واللاعب فانه یقع قضاءً و دیانة۔ (الدر المختار علی هامش رد المحتار ج۲ ص۴۶۱ کتاب الطلاق) [1]

حیض کی حالت میں بیوی کو طلاق دینا

سوال:۔ عن عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنه انه طلق امرأته وهی حائض علی عهد رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم فسأل عمر ابن الخطاب (رضی اللہ تعالیٰ عنه) رسول اللہ علیه عن ذٰلك فقال رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم مره فلیراجعها ثم لیمسکها حتی تطهر ثم تحیض ثم تطهر ثم ان شاء امسك بعد ذٰلك وان شاء طلق قبل ان یمسها فتلك العدة التی امر اللہ ان تطلق لها النساء۔ (ابوداؤد ج۱ ص۲۹۷ کتاب الطلاق۔ باب الطلاق فی الحیض)

مذکورہ بالا حدیث شریف کے حوالے سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عبد اللہ ابن عمرؓ نے اپنی بیوی کو حیض کی حالت میں طلاق دی تھی جس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمرؓ سے فرمایا کہ عبد اللہ سے کہہ دو کہ وہ بیوی سے رجوع کرے۔ اس واقعہ کو مدنظر رکھتے ہوئے دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا حالتِ حیض میں طلاق واقع ہوتی ہے یا نہیں؟ اور اگر کسی شخص نے حیض کی حالت میں طلاق دے دی تو اس کے لیے رجوع کرنا ضروری ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ وقوعِ طلاق کے لیے حیض مانع نہیں اس لیے اگر خاوند بیوی کو حیض کی حالت میں

---

[1] وقال العلامة ابن نجیم المصریؒ: وافاد ان طلاق الهازل واللاعب والمخطئ واقع کما قدمناه لکنه فی القضاء واما فیما بینه وبین اللہ تعالیٰ فلا یقع علی المخطئ۔

(البحر الرائق ج۳ ص۲۵۸ باب الطلاق ای الفاظه فی اول الصفحه)

ومثله فی فتح القدیر شرح الهدایة ج۳ ص۳۵۲ کتاب الطلاق۔

طلاق دے دے تو اس سے طلاق واقع ہو جاتی ہے تاہم حیض کی حالت میں چونکہ میاں بیوی کے درمیان عارضی دوری موجود رہتی ہے اس لیے حیض کی حالت میں طلاق دینا کراہت سے خالی نہیں ایسا نہ ہو کہ کہیں یہ عارضی بُعد طلاق کا محرک بن کر ایک گھرانے کو اجاڑ دے۔ حضرت ابن عمرؓ کے واقعہ میں ممانعت میں یہی جذبہ کارفرما ہے۔

عن عبد الله ابن عمر انه طلق امرأته وهي حائض على عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم فسأل عمر ابن الخطاب رضي الله تعالى عنه رسول الله صلى الله عليه وسلم عن ذلك قال رسول الله صلى الله عليه وسلم مره فليراجعها ثم ليمسكها حتى تطهر ثم تحيض ثم تطهر ثم ان شاء امسك بعد ذلك وان شاء طلق۔ (ابو داؤد ج ۱ ص۳۵۲ کتاب الطلاق۔ باب الطلاق فی الحیض)

ورنہ حضرت ابن عمرؓ کو رجوع کرنے کے حکم سے اندازہ ہوتا ہے کہ طلاق تو واقع ہو گئی تھی لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رجوع کا حکم فرمایا تھا۔

وقال الحصکفیؒ:۔ والبدعی ثلاث متفرقة اوثنتان بمرة اومرتین فی طهر واحد لا رجعة فیه اوواحدة فی طهر وطئت فیه او واحدة فی حیض ...... الخ (الدر المختار علی هامش رد المحتار ج۲ ص۲۵۵ کتاب الطلاق واقسامها ثلاثة ...الخ) [1]

طلاق کے لیے گواہ ضروری نہیں

سوال:۔ اگر ایک شخص بیوی کو گواہوں کے بغیر طلاق دیدے تو کیا اس سے طلاق واقع ہو گی یا نہیں؟

الجواب:۔ طلاق کا دارومدار خاوند کے تلفظ پر ہے، طلاق کا وقوع گواہوں کی موجودگی پر موقوف نہیں، بغیر گواہوں کے بھی طلاق واقع ہو جاتی ہے۔

وقال العلامة الحصکفیؒ: لان رکن الطلاق هو اللفظ او ما یقوم مقامه۔ (الدر المختار علی هامش رد المحتار ج۲ ص۲۶۵ کتاب الطلاق۔ باب الصریح)

---

[1] وفی الهندیة: والبدعی من حیث الوقت ان یطلق المدخول بها وهی من ذوات الاقراء فی حالة الحیض۔ (الفتاوى الهندية ج ۱ ص۳۴۹ کتاب الطلاق وا ما البدعی فنوعات)
ومثله فی فتح القدیر شرح الهدایة ج۳ ص۳۲۹ کتاب الطلاق۔ باب طلاق السنة م

[2] وقال الامام الکاسانیؒ: فرکن الطلاق هو اللفظ الذی جعل دلالة علی معنی الطلاق لغة .... او ما یقوم مقام اللفظ۔ (بدائع الصنائع ج۳ ص۹۸ فصل واما بیان رکن الطلاق)
ومثله فی فتح القدیر ج۳ ص۳۲۵ کتاب الطلاق۔

حمل مانع وقوعِ طلاق نہیں

سوال:۔ اگر طلاق دیتے وقت منکوحہ حاملہ ہو تو کیا حمل کی موجودگی سے طلاق کے وقوع پر کوئی اثر پڑتا ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ منکوحہ کا حاملہ ہونا وقوعِ طلاق کیلئے مانع نہیں، جس طرح غیر حاملہ منکوحہ پر طلاق واقع ہوسکتی ہے اسی طرح حاملہ بیوی کو طلاق دینے سے طلاق واقع ہوسکتی ہے، تاہم حاملہ مطلقہ کی عدت وضعِ حمل سے ہوگی۔ لقولہ تعالیٰ: واولات الاحمال اجلھن ان یضعن حملھن۔ (الطلاق:۴) ؎۱

حالتِ نفاس میں طلاق دینا

سوال:۔ کیا عورت کو نفاس کی حالت میں طلاق دینا جائز ہے؟ اور ایسی حالت میں عدت کیا رہے گی؟

الجواب:۔ حیض کی طرح نفاس کی حالت میں طلاق دینا اگرچہ صحیح نہیں لیکن بہرحال طلاق واقع ہوجاتی ہے تاہم جب حالتِ نفاس میں طلاق دی جائے تو یہ ایام عدت میں شمار نہیں ہونگے بلکہ مستقل تین حیض عدت شمار ہوں گے۔

لما قال العلامۃ الحصکفیؒ: والنفاس کالحیض۔ (الدر المختار علیٰ ہامش رد المحتار ج۱ ص۲۲۰ کتاب الحیض) ؎۲

جھوٹی گواہی کی بنیاد پر طلاق کا ثبوت

سوال:۔ اگر ایک عورت جھوٹے گواہوں کا سہارا لے کر حاکم کی عدالت سے طلاق کی ڈگری حاصل کرلے جبکہ خاوند طلاق دینے سے بالکل بے خبر ہو، کیا ایسی جھوٹی گواہی کی بنیاد پر عورت آزادی کے زعم میں عدت گذار کر دوسری جگہ نکاح کرسکتی ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ حقیقتِ حال کا علم صرف اللہ تعالیٰ کو ہے، قاضی صرف گواہوں پر اعتماد کرکے فیصلہ کرتا ہے اس لیے حاکم یا قاضی کو جب گواہوں کے جھوٹ کا علم نہ ہوا ور ان کے ظاہر پر اعتماد کرکے فیصلہ کرے تو اس سے طلاق ثابت ہوکر عورت مطلقہ متصور ہوگی، تاہم قاضی کو گواہی قبول

؎۱ قال العلامۃ برھان الدین المرغینانیؒ: وان کانت حاملا فعدتھا ان تضع حملھا۔
(الھدایۃ ج۲ ص۴۲۳ باب العدۃ)
ومثلہٗ فی بدائع الصنائع ج۳ ص۱۹۲ فصل واما عدۃ الحیض۔ الخ۔

؎۲ وقال العلامۃ ابن نجیمؒ: ولما کان المنع منہ فیہ لتطویل العدۃ علیھا کان النفاس کالحیض۔ (البحر الرائق ج۳ ص۲۴۳ کتاب الطلاق)
ومثلہٗ فی الھندیۃ ج۱ ص۳۴۸ کتاب الطلاق مطلب تفسیر الطلاق ورکنہ وشرطہ۔

کرتے وقت احتیاط کا دامن نہیں چھوڑنا چاہیئے۔

لما فی الھندیۃ :وکذٰلک لوقضٰی بالطلاق بشھادۃ الزور مع علمھا حل لھا التزوج باخر بعد العدۃ...الخ (الفتاوٰی الھندیۃ ج۱ ص۲۸۳ الباب الثالث فی بیان المحرمات القسم التاسع المحرمات بالطلقات) ؎۱

طلاق نامہ پر جبراً دستخط کرانا

سوال :۔ ایک شخص سے زبردستی طلاق نامہ لکھوایا گیا ، زبان پر تلفظ نہ کرنے کے باوجود اس نے دستخط بھی کر دیئے، کیا اس حالت میں طلاق واقع ہوگی یا نہیں؟

الجواب: جبر واکراہ سے طلاق پر تلفظ کروانے میں زبردستی مؤثر نہیں' ایسی حالت میں مکرہ کی طلاق واقع ہوگی البتہ تحریری طلاق میں نیت کا اعتبار ہے 'اس لیے تحریری طور پر طلاق لکھوانے میں جب زبردستی ہو تو نیت نہ ہونے کی صورت میں طلاق واقع نہیں ہوگی۔

قال العلامۃ ابن عابدینؒ :وفی البحران المراد الاکراہ علی التلفظ بالطلاق فلو اکراہ علی ان یکتب طلاق امراتہ فکتب لا تطلق ۔(رد المحتار ج۲ ص۴۲۱ کتاب الطلاق، مطلب فی الاکراہ علی التوکیل بالطلاق والنکاح والعتاق) ؎۲

جبراً طلاق کا حکم

سوال :۔ اگر ایک شخص پر جبر واکراہ کرکے طلاق دلوائی جائے تو کیا اس سے طلاق واقع ہو جائے گی؟

الجواب :۔ صورت مسئولہ کے مطابق احناف کے نزدیک مکرہ (جس پر جبر واکراہ کیا جائے) کی

؎۱ قال العلامۃ الحصکفیؒ :ولو قضی بطلاقھا بشھادۃ الزور مع علمھا بذٰلک نفذ وحل لھا التزوج باخر بعد العدۃ۔ وقال ابن عابدینؒ :قولہ وبقولھما یفتی قال الکمال وقول الامام اوجہ واستدل لہ بدلالۃ الاجماع ۔(رد المحتار ج۲ ص۳۱۹ باب المحرمات مطلب فیما لو زوج المولی امتہ....الخ)

وَمِثْلُہٗ فی فتح القدیر علی الھدایۃ ج۳ ص۱۵۵ فصل فی بیان المحرمات ۔

؎۲ قال العلامۃ قاضی خانؒ :رجل اکرہ بالضرب اوالحبس علی ان یکتب طلاق امرأتہ فلانۃ بنت فلان بن فلان فکتب فلانۃ بنت فلان بن فلان طالق لا تطلق....الخ

(الفتاوٰی الخانیۃ علٰی ھامش الفتاوٰی الھندیۃ ج۱ ص۴۷۲ فصل فی الطلاق بالکتابۃ)

وَمِثْلُہٗ فی الھندیۃ ج۱ ص۳۷۹ الفصل السادس فی الطلاق بالکتابۃ ۔

طلاق واقع ہوتی ہے، لہٰذا عورت مطلقہ ہو جائے گی۔

قال العلامة الحصکفیؒ: ویقع طلاق کل زوج عاقل .... ولو عبداً او مکرھاً۔

(الدر المختار علیٰ ھامش ردالمحتار ج ۲ ص ۵۷۹ کتاب الطلاق) ؎۱

بطورِ استہزاء دی ہوئی طلاق کا حکم

سوال:۔ اگر کسی شخص نے اپنی بیوی کو بغیر نیت کے استہزاءً طلاق دی اور یہ طلاق اس نے بار بار دہرائی تو کیا اس سے طلاق واقع ہوگی یا نہیں؟

الجواب:۔ صریح الفاظ طلاق میں نیت کا کوئی اعتبار نہیں، نفس تلفظ سے طلاق واقع ہو جائے گی، اس لیے اگر کسی شخص نے بطورِ استہزاء بھی بیوی کو طلاق دیدی تو پھر بھی طلاق واقع ہو جائے گی اور اگر متعدد بار یوں اقدام کیا تو متعدد طلاق واقع ہوں گی۔

قال العلامة الحصکفیؒ: بخلاف الھازل واللاعب فانه یقع قضاءً ودیانةً لان الشارع جعل ھزله به جدا۔ (الدر المختار علیٰ ھامش ردالمحتار ج ۲ ص ۶۲۵ کتاب الطلاق، مطلب فی الحشیشة والافیون والبنج) ؎۲

کنکریاں پھینکنے کا اعتبار نہیں بلکہ الفاظِ طلاق معتبر ہیں

سوال:۔ ایک شخص نے بیوی کو ایک مرتبہ طلاق کا لفظ استعمال کیا ہے البتہ ہاتھ میں تین پتھرے کر پھینکے ہیں، کیا ایسی حالت میں الفاظ کا اعتبار ہے کہ جس سے بیوی پر ایک طلاق واقع ہو یا کنکریوں کا اعتبار کر کے تین طلاق معتبر ہوں گی؟

الجواب:۔ طلاق کے وقوع میں بنیادی حیثیت الفاظ کی ہے، پتھر پھینکنا بذاتِ خود کوئی طلاق

؎۱ قال العلامة المرغینانی رحمه الله: وطلاق المکرہ واقع۔ (الہدایة علیٰ صدر فتح القدیر ج ۳ ص ۳۴۴ باب الطلاق)

ومِثْلُهٗ فی الهندیة ج ۱ ص ۳۵۳ فصل فیمن یقع طلاقه وفیمن لا یقع طلاقه۔

؎۲ وفی الهندیة: وفی واقعات الناطفی رجل قال لامرأته انت طالق کذا انقع ثلاث کانه قال انت طالق احد عشر کذا فی التاتارخانیة۔ (الفتاویٰ الهندیة ج ۱ ص ۳۵۷ الفصل الاول فی الطلاق الصریح)

وفیه ایضاً: وطلاق اللاعب والهازل به واقع۔ (الفتاویٰ الهندیة ج ۱ ص ۳۵۳ فصل فیمن یقع طلاقه وفیمن لا یقع طلاقه)

ومِثْلُهٗ فی شرح الوقایة ج ۲ ص ۶۸ کتاب الطلاق۔

نہیں، اس لیے اگر کسی نے بیوی کی طرف صرف پتھر پھینکے اور زبان پر کسی تلفظ سے باز رہا تو اس سے طلاق واقع نہیں ہوگی، البتہ زبان پر تلفظ کرتے وقت پتھر پھینکنے سے مافی الضمیر کی طرف اشارہ ہوسکتا ہے اس لیے اگر تین پتھر پھینکتے ہوئے "تو طلاق ہے" کہہ دیا تو تین کی نیت کرتے ہوئے تین طلاق واقع ہوسکتی ہیں ورنہ ایک طلاق واقع ہوکر منکوحہ قابلِ رجوع ہے۔

قال العلامة ابن عابدینؒ: وکذا لو القیٰ ثلاثة احجار الیها ولم یذکر لفظ الطلاق ونوی بها الطلاق الثلث لم یقع لعدم الرکن وهو اللفظ والنیة انما تعمل فی الملفوظ او ما یقوم مقامه۔ (رد المحتار ج۲ ص۴۶۵ کتاب الطلاق) ؎۱

اشارہ سے طلاق کا حکم

سوال:۔ اگر ایک شخص اپنی بیوی کو ہاتھ سے اشارہ کرکے طلاق دے دے تو اس سے طلاق واقع ہوجائے گی یا نہیں؟ جبکہ زبان سے کچھ نہ کہے؟

الجواب:۔ اشارہ سے اس وقت طلاق واقع ہوتی ہے جب انسان بات کرنے پر قدرت نہ رکھتا ہو ورنہ تکلم پر قدرت کے باوجود صرف اشارہ کرنے سے طلاق واقع نہیں ہوگی۔

لما فی الهندیة: ویقع طلاق الاخرس بالاشارة۔ (الفتاویٰ الهندیة ج۱ ص۳۵۴ کتاب الطلاق الباب الثانی، فصل فیمن یقع طلاقه وفیمن لا یقع طلاقه) ؎۲

؎۱ وفی الهندیة: ولو قالت لزوجها طلقنی فاشار بثلاث اصابع واراد بذلك ثلاث تطلیقات لا یقع مالم یقل بلسانه۔ (الفتاویٰ الهندیة ج۱ ص۳۵۷ الفصل الاول فی الطلاق الصریح)

قال الحصکفیؒ: انت طالق هکذا مشیرًا بالاصابع المنشورة وقع بعدده۔ وفیه: ولو لم یقل هکذا یقع واحدة ---------- ای بأن قال أنت طالق واشار بثلاث اصابع ونوی الثلاث ولم یذکر بلسانه فانها تطلق واحدة۔ (الدر المختار علیٰ هامش رد المحتار ج۲ ص۴۴۷ کتاب الطلاق)۔

ومثل هٰذا فی الهدایة علیٰ صدر فتح القدیر ج۳ ص۳۸۶ فصل فی تشبیه الطلاق ووصفه۔
وَمِثْلُهٗ ذٰلك فی التاتارخانیة ج۳ ص۴۹۸ کتاب الطلاق۔

؎۲ قال الحصکفیؒ: ویقع طلاق الاخرس بالاشارة یرید به الذی ولد وهو اخرس او طرأ علیه ذٰلك ودام حتی صارت اشارته مفهومة والالم تعتبر۔ (الدر المختار علیٰ صدر رد المحتار ج۳ ص۲۳۹ کتاب الطلاق، مطلب فی الحشیشة والافیون والبنج)

وَمِثْلُهٗ فی الخانیة علیٰ هامش الهندیة ج۱ ص۴۷۲ کتاب الطلاق، فصل فی الطلاق بالکتابة۔

ھازل کی طلاق کا حکم

سوال:۔اگر کسی شخص نے اپنے بچے کے ساتھ مزاح کرتے ہوئے کہا کہ تیری ماں طلاق ہے جبکہ اس کا ارادہ طلاق دینے کا قطعاً نہیں تھا، تو کیا اس سے طلاق واقع ہوگی یا نہیں ؟

الجواب:۔صریح طلاق کے الفاظ میں نیت و ارادہ کا ہونا ضروری نہیں، ارادہ نہ ہونے کے باوجود مزاح میں بھی طلاق واقع ہو جاتی ہے، اس لیے صورتِ مسئولہ میں ایک طلاق واقع ہوگی، کیونکہ اس میں عدد کا ذکر نہیں۔ اور اگر کسی شخص نے ایسی حالت میں تین طلاق دی تو منکوحہ مطلقہ مغلظہ ہوگی۔

لما قال العلامة الحصکفیؒ: ویقع طلاق کل زوج عاقل ...... ولو ھازلاً۔
(الدر المختار علی ھامش رد المحتار ج۲ ص۴۵۹ کتاب الطلاق ۔مطلب فی المسائل التی یقع مع الاکراہ)[1]

طلاق پر جھوٹی قسم کھانا

سوال:۔اگر کسی شخص نے طلاق پر جھوٹی قسم اس طرح کھائی کہ اگر میں فلاں کام کے بارے میں جھوٹ بولوں، سچ نہ بولوں تو میری بیوی مجھ پر طلاق ہے، پھر بعد میں معلوم ہوا کہ اس نے جھوٹ بولا تھا اور وہ کام اس کی قسم سے پہلے متحقق ہو چکا تھا، اب اس شخص پر اس کی بیوی طلاق ہوگی یا نہیں ؟

الجواب:۔اس شخص پر بیوی طلاق ہے، البتہ اگر اس نے یہ الفاظ ایک مرتبہ کہے ہوں تو ایک طلاق واقع ہوگی اور اگر تین دفعہ تکرار کیا ہو تو پھر تین طلاق واقع ہوں گی۔

لما فی الھندیة: واما الحلف بالطلاق والعتاق وما اشبه ذلك فما یکون علی امر فی المستقبل فھو کالیمین المعقودة وما یکون علی امر فی الماضی فلا یتحقق اللغو والغموس ولکن اذا کان یعلم خلاف ذلك او لا یعلم فالطلاق واقع۔ (الفتاوی الھندیة ج۲ ص۵۲ کتاب الایمان، فی الباب الاول)[2]

---

[1] قال ابن نجیمؒ: ولم یشترط ان یکون جاداً فیقع طلاق الھازل به واللاعب للحدیث المعروف ثلاث جدھن جد وھزلھن جد ... الخ۔ (البحر الرائق ج۳ ص۲۴۲ کتاب الطلاق، تحت قوله: (ویقع طلاق کل زوج عاقل بالغ)

وَمِثْلُهٗ فی فتح القدیر ج۳ ص۳۴۴ کتاب الطلاق، فصل فی ایقاع الطلاق۔......

[2] قال العلامة التمرتاشیؒ: ان حلف علی کاذب عمداً کوالله ما فعلت کذا عالماً بفعله ... ویأثم بھا فتلزمه التوبة وثانیھا لغو ـ وقال العلامة الحصکفیؒ: تحت ھذا القول، لا مواخذة فیھا الا فی ثلاث طلاق وعتاق ونذر اشباہ۔ (تنویر الابصار علی ھامش رد المحتار ج۳ ص۵۱ کتاب الایمان ۔مطلب فی حکم الحلف بغیرہ تعالیٰ)

وَمِثْلُهٗ فی الفتاوی البزازیة علی ھامش الھندیة ج۴ ص۲۶۵ کتاب الایمان۔ فی الفصل الاول۔

طلاق کا وقوع ثبوت کا محتاج ہے

سوال :- ایک شخص پر اس کی ساس دعویٰ کرتی ہے کہ تم نے بیوی کو طلاق دے کر فارغ کر دیا ہے لیکن خاوند انکار کر رہا ہے، تو کیا ساس کے کہنے سے نکاح پر کوئی اثر پڑے گا یا نہیں ؟

الجواب :- اگر خاوند طلاق کا اقرار کرتا ہو تو کسی دوسرے کے ماننے کے بغیر بھی طلاق واقع ہو جائے گی لیکن جہاں کہیں خاوند طلاق سے منکر ہو تو وہاں پر ساس کا بیان ناکافی ہے، ایسی صورت میں طلاق تب ثابت ہو گی جب باقاعدہ دو گواہ پیش کئے جائیں۔ تاہم جہاں کہیں عورت کو یہ یقین ہو کہ خاوند نے اس کو طلاقِ ثلاثہ دے کر فارغ کر دیا ہے لیکن اس کے پاس اس بات کا کوئی ثبوت نہ ہو اور خاوند انکاری ہو تو عورت کسی ذریعہ (خلع) سے خاوند سے فراغت حاصل کر سکتی ہے۔

كما فى الهندية : سئل شيخ الاسلام ابوالقاسم رحمه الله تعالىٰ عن امرأة سمعت من زوجها انه طلقها ثلاثاً ولا تقدر ان تمنع نفسها منه هل يسعها ان تقتله قال لها ان تقتله۔ (الفتاوى الهندية ج۱ ص۴۷۵ كتاب الطلاق۔ الباب السادس فى الرجعة وفيما تحل به المطلقة ومايتصل به فى فصل فيما تحل به المطلقة) [1]

طلاق کے ثبوت کے لیے ایک گواہ ناکافی ہے

سوال :- اگر خاوند پر عورت یا کسی اجنبی شخص نے یہ دعویٰ کیا کہ تم نے بیوی کو طلاق دی ہے اور ایک شخص اس کی گواہی دے رہا ہے جبکہ خاوند اس کا انکار کر رہا ہو تو اس سے نکاح پر کیا اثر پڑتا ہے ؟

الجواب :- ایسی حالت میں اگر مدعیٔ طلاق کے پاس دو گواہ ہوں اور وہ گواہی دیں تو طلاق ثابت رہے گی، صرف ایک گواہ طلاق کے ثبوت کے لیے ناکافی ہے۔

قال العلامة الحصكفىؒ : ونصابها لغيرها فى الحقوق سواء كان مالا او غيره كنكاح

---

[1] قال العلامة الحصكفى رحمه الله : سمعت من زوجها انه طلقها ولا تقدر على منعه من نفسها الا بقتله لها قتله۔ وقال العلامة ابن عابدينؒ : قال فى المحيط وينبغى لها ان تفتدى بمالها او تهرب منه وان لم تقدر قتلته۔ (الدرالمختار على الرد المحتار ج۲ ص۵۹ باب الرجعة۔ وفى مطلب الاقدام على النكاح اقرار بمعنى العدة)

ومثله فى الفتاوى التاتارخانية ج۳ ص۶۰۹ كتاب الطلاق (وسائل الحلل وغيرها)۔

و طلاق رجلان او رجل و امرأتان ۔ (الدر المختار علی ہامش رد المحتار ج۴ ص۴۱۳ کتاب الشہادات) ۔ لہ

بذریعہ ڈاک بھیجی گئی طلاق کا حکم

سوال :۔ ایک شخص بغیر کسی گواہ کے بیوی کو ڈاک کے ذریعہ طلاق بھیجے تو کیا اس سے طلاق واقع ہوگی یا نہیں ؟

الجواب :۔ طلاق کے وقوع کے لیے گواہوں کا ہونا شرط نہیں ، جیسا کہ خاوند زبانی طور پر طلاق دے سکتا ہے تو تحریری طور پر بھی طلاق دینے کے لیے کوئی امر مانع نہیں ، لہٰذا بغیر گواہوں کے بذریعہ ڈاک ارسال کی گئی طلاق سے بھی بیوی مُطلقہ ہو جائے گی ۔

لما فی الهندیة : رجل استکتب من رجل الی امرأته کتاباً بطلاقها وقرأه علی الزوج فاخذه وطواه وختم وکتب فی عنوانه وبعث به الی امرأته فاتاها الکتاب واقر الزوج انه کتابه فان الطلاق یقع علیها ۔
(الفتاوی الهندیة ج۱ ص۳۷۹ کتاب الطلاق ۔ الفصل السادس فی الطلاق بالکتابة) ۔ ۲ لہ

طلاق نامہ پر لاعلمی میں دستخط کرنا

سوال :۔ اگر کسی شخص نے لاعلمی کی حالت میں طلاق نامہ پر دستخط کئے تو اس سے طلاق واقع ہوگی یا نہیں ؟

الجواب :۔ طلاق بالکتابت میں نیت و ارادہ ضروری ہے ، اس لیے طلاق نامہ پر لاعلمی کی صورت میں دستخط کرنے سے طلاق واقع نہیں ہوگی ۔

لما فی الهندیة : کل کتاب لم یکتبه بخطه ولم یمله بنفسه لا یقع به الطلاق اذا لم یقر انه کتابه ۔
(الفتاوی الهندیة ج۱ ص۳۷۹ کتاب الطلاق ، الفصل السادس فی الطلاق بالکتابة) ۳

لہ وفی الهندیة : وشرط فیها شهادة رجلین او رجل وامرأتین سواء کان الحق مالاً او غیر مال کالنکاح والطلاق ۔ (الفتاوی الهندیة ج۳ ص۴۵۱ کتاب الشهادات ۔ فی الباب الاول)
ومثله فی فتح القدیر ج۶ ص۱۵۵ کتاب النکاح ۔

۲ لہ قال العلامة ابن همام : ولو کتب الصحیح الی امرأته بطلاقها ثم انکر الکتاب وقامت علیه البینة انه کتبه بیده فرق بینهما فی القضاء واما فیما بینه وبین الله تعالیٰ ان کان لم ینو به الطلاق فهی امرأته ۔ (فتح القدیر شرح الهدایة ج۳ ص۴۰ کتاب الطلاق ۔ فصل فی الطلاق قبل الدخول)
ومثله فی رد المحتار ج۲ ص۳۷۹ کتاب الطلاق ۔ وفی مطلب الطلاق ۔

۳ لہ قال العلامة ابن عابدین : کل کتاب لم یکتبه بخطه ولم یمله بنفسه لا یقع الطلاق ما لم یقر انه کتابه ۔ (رد المحتار ج۲ ص۴۶۵ کتاب الطلاق ۔ مطلب فی الطلاق بالکتابة)
ومثله فی التاتارخانیة ج۳ ص۳۸۰ کتاب الطلاق ۔ ایقاع الطلاق بالکتاب ۔

مرضِ سرسام میں دی گئی طلاق کا حکم

سوال:۔ جناب مفتی صاحب! سرسام ایک ایسی بیماری ہے کہ اس میں مریض پر ایسی کیفیت طاری ہوجاتی ہے کہ اس سے دیوانوں کی سی حرکات سرزد ہوتی ہیں، اگر اس مرض میں مبتلا شخص اپنی بیوی کو طلاق دے دے تو کیا اس سے طلاق واقع ہوجائے گی یا نہیں؟

الجواب:۔ سرسام زدہ شخص کے افعال واعمال کا حکم مجنون اور معتوہ جیسا ہے اس کی طلاق باتفاقِ علماء واقع نہیں ہوتی، لہٰذا اگر کوئی ایسی حالت میں بیوی کو طلاق دے تو بیوی مطلقہ نہ ہوگی۔

قال العلامۃ الکاسانیؒ: فمنها ان یکون عاقلاً حقیقۃ او تقدیراً فلا یقع طلاق المجنون والصبی الذی لا یعقل لان العقل شرط اھلیۃ التصرف لان بہ یعرف کون التصرف مصلحۃ۔ (بدائع الصنائع ج ۳ ص۹۹ فصل شرائط الرکن) لہ

خواب کی حالت میں دی گئی طلاق لغو ہے

سوال:۔ اگر کوئی شخص خواب (نیند) کی حالت میں اپنی بیوی کا نام لے کر کہے کہ ہندہ کو طلاق طلاق طلاق ہے تو کیا اس سے اُس کی بیوی پر طلاق واقع ہوجائے گی یا نہیں؟

الجواب: نیند میں انسان کی حالت ایسی ہوتی ہے کہ اُسے کچھ سمجھ نہیں آتا بلکہ اس کو یہ بھی علم نہیں ہوتا کہ وہ کیا کہہ رہا ہے اس لیے یہ شخص شرعاً معذور ہے اور اس کی دی ہوئی طلاق لغو ہے، اس سے بیوی مطلقہ نہیں ہوگی۔

قال العلامۃ ابوبکر الکاسانیؒ: ومنها ان لا یکون معتوھاً ولا مدھوشاً ولا مبرسماً ولا مغمی علیہ ولا نائماً فلا یقع طلاق ھؤلاء لما قلنا فی المجنون۔ (بدائع الصنائع ج ۳ ص۱۰۰ فصل شرائط الرکن) ؎ ۲

لہ قال العلامۃ ابن الہمامؒ: قولہ لا یقع طلاق الصبی وان کان یعقل والمجنون والنائم والمعتوہ کالمجنون... لکن معلوم من کلیات الشریعۃ ان التصرفات لا تنفذ الا ممن لہ اھلیۃ التصرف وادناھا بالعقل والبلوغ۔

(فتح القدیر ج ۳ ص۳۴۳ فصل ویقع طلاق کل زوج۔ الخ)

ومثلہ رد المحتار ج ۲ ص۴۶۲ کتاب الطلاق مطلب تعریف السکران۔

؎ ۲ قال العلامۃ الحصکفیؒ: لا یقع طلاق المولیٰ علیٰ امرأۃ عبدہ ..... والصبی والمعتوہ من العتہ وھو اختلال فی العقل والمبرسم من البرسام والمغمی علیہ۔ (الدر المختار علیٰ ہامش رد المحتار ج ۲ ص۴۶۲ کتاب الطلاق)

ومثلہ فی فتح القدیر ج ۳ ص۳۴۳ فصل ویقع طلاق کل زوج۔ الخ

طلاق الصریح والکنایۃ

(طلاقِ صریح وکنایہ کے احکام ومسائل)

"تم طلاق ہو" میں تین طلاق کی نیت کرنا

سوال:۔ اگر ایک شخص اپنی بیوی سے یہ کہے کہ "تم طلاق ہو" اور اس میں اس کی نیت تین طلاق کی ہو، تو کیا اس سے تین طلاق واقع ہوں گی یا ایک؟

الجواب:۔ صریح الفاظ طلاق میں نیت کا کوئی اعتبار نہیں اسلئے "تم طلاق ہو" سے صرف ایک طلاق واقع ہوگی، تین طلاق کی نیت کرنا اس میں لغو ہے۔

لما فی الهندیة : کانت طالق ومطلقة وطلقتك تقع واحدۃً رجعیة وان نوی الاکثر او الابانة ۔ (الفتاوی الهندیة ج ۱ ص۳۵۴ کتاب الطلاق، الباب الثانی فی ایقاع الطلاق) [1]

سوچ وفکر کے عالم میں طلاق کا لفظ ادا کرنا

سوال:۔ ایک شخص سوچ وفکر میں گم تھا اس کی کوشش تھی کہ زبان سے طلاق کا لفظ ادا نہ کرے لیکن اچانک اس کی زبان سے نکل گیا کہ "چلو میں نے تجھ کو طلاق دے دی" تو کیا اس سے طلاق واقع ہوگئی ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ اگر سوچ وفکر سے مجبور ہو کر ان الفاظ سے مراد بیوی کو طلاق دینا ہو تو صریح طلاق میں واقع ہونے کے لیے اس کا ارادہ اور نیت ضروری نہیں، تاہم اگر یہ تلفظ کسی واقعہ کی حکایت ہو جو اس کے ذہن میں کسی فرضی واقعہ کا پیش خیمہ ہو یا نفس الامر کے کسی واقعہ کی حکایت ہو تو حکایت کی صورت میں طلاق واقع نہیں ہوگی۔

لما فی الهندیة : رجل قال لامرأته انت طالق فقال له رجل ما قلت فقال طلقتها

---

[1] قال ابوالحسن علی المرغینانیؒ: الصریح هو کانت طالق ومطلقة وطلقتك فهٰذا یقع به الطلاق الرجعی ولا یقع به الا واحدۃ وان نوی الاکثر ۔ ملخصًا۔

(الهدایة ج ۲ ص۳۶۷ کتاب الطلاق۔ باب ایقاع الطلاق۔ مکتبۂ حقانیہ)

ومثلهٗ فی الدرالمختار علیٰ هامش ردّ المحتار ص۴۲۹ ج۲ کتاب الطلاق، باب الصریح ۔

اوقال قلت هي طالق فهي واحدة۔ (الفتاوی الہندیہ ج ا ص۳۵۵ کتاب الطلاق الباب الثانی فی ایقاع الطلاق)

وقال العلامة ابن الهمامؒ، ثم قولنا لا يتوقف على النية معناه اذا لم ينو شيئاً اصلا يقع لانه يقع وان نوى شيئا اخر لما ذكر انه اذا نوى الطلاق عن وثاق صدق ديانة لا قضاءً ولكن اعن العمل۔ (فتح القدیر شرح الہدایہ ج ۳ ص۳۵۱ کتاب الطلاق، باب ایقاع الطلاق) ؎۱

عورت کی عدم موجودگی میں خطاب کے صیغے سے طلاق دینا

سوال:۔ اگر ایک شخص اپنی بیوی کو اس کی عدم موجودگی میں یوں کہے کہ "جاؤ تم طلاق ہو" تو کیا اس سے طلاق واقع ہوگی یا نہیں؟

الجواب:۔ کسی مرد کا اپنی بیوی کو انت طالق کہنے کے لیے اس کی موجودگی ضروری نہیں، بسا اوقات اس کو حاضر فرض کرکے خطاب کیا جاتا ہے، اس لیے ایسی حالت میں "جاؤ تم طلاق ہو" کہنے سے طلاق واقع ہو جائے گی۔

لما فی الهندية: ان ارسل الطلاق بان كتب اما بعد فانت طالق، فكلما كتب هٰذا يقع الطلاق۔ (الفتاوی الهندية ج ا ص۳۷۸ کتاب الطلاق، الفصل السادس فی الطلاق بالکتابة) ؎۲

ایک دو تین کہنے سے طلاق واقع نہیں ہوتی

سوال:۔ ایک شخص نے اپنی بیوی سے کہا، "ایک دو تین تم طلاق ہو" ایسی حالت میں عورت پر کونسی طلاق واقع ہوگی، کیا اس سے منکوحہ مطلقہ مغلظہ بنتی ہے یا طلاق رجعی واقع ہوگی؟

الجواب:۔ اگر اس عدد کے ساتھ نسبت ہو یعنی عورت سے یوں کہے تجھے ایک دو تین

؎۱ وقال العلامة ابن عابدينؒ: ان الصريح لا يحتاج الى النية ولكن لا بد فی وقوعه قضاءً وديانةً من قصد اضافة لفظ الطلاق اليها عالماً بمعناه ولم يصرفه الى مايحتمله۔ الخ
(ردالمحتار ج ۲ ص۴۳۰ کتاب الطلاق، باب الصریح)

وَمِثْلُهٗ فی البحر الرائق ج ۳ ص۲۵۹ کتاب الطلاق، باب الطلاق ای الغلظه۔

؎۲ قال العلامة ابن الهمامؒ: فان كان على رسم كتب الرسالة بان كتب اما بعد يا فلانة فانت طالق او انت حر او اذا وصل اليك كتابی فانت طالق فانهٗ يقع الطلاق۔ الخ
(فتح القدیر ج ۳ ص۴۰۳ کتاب الطلاق، باب ایقاع الطلاق، بحث الکتابات)

وَمِثْلُهٗ فی قاضی خان علی هامش الهندية ج ا ص۴۷۱ کتاب الطلاق، فصل فی الطلاق بالکتابة۔

تم طلاق ہو، ظاہر ہے کہ اضافت کی موجودگی میں اس سے تین طلاق واقع ہوں گی لیکن جب اضافت نہ ہو صرف یہ ہو کہ ایک دو تین تم طلاق ہو یا تم طلاق ہو ایک دو تین، ایسی حالت میں "تم طلاق ہو" مستقل جملہ مبتدا و خبر ہو کر عدد سے بظاہر اس کا کوئی تعلق معلوم نہیں ہوتا، اس لیے عدد لغو ہو کر ایک طلاق واقع ہوگی، تاہم اگر یوں کہا کہ تم ایک دو تین طلاق یا تم طلاق ایک دو تین ہو تو اس سے پھر لازمی طور پر تین طلاق واقع ہوں گی۔

والدلیل علیٰ ما قلنا ما قاله العلامة الحصکفیؒ: والطلاق یقع بعدد قرن به لا نفسه عند ذکر العدد وعند عدمه الوقوع بالصیغة۔ الخ (الدر المختار علیٰ صدر رد المحتار ج ۲ ص۴۵۶ کتاب الطلاق، مطلب الطلاق یقع بعدد قرن به) [1]

بیوی کے نام کی جگہ دوسرا نام لیکر طلاق دینا

سوال:۔ اگر ایک شخص نے کسی مصلحت کے لیے بیوی کے اصل نام کی جگہ دوسرے نام سے یاد کر کے طلاق دی ہو تو کیا اس سے طلاق واقع ہوگی یا نہیں؟

الجواب:۔ اگر بیوی کی طرف اشارہ نہ ہو تو تعارف اور تعیین کے لیے نام کا سہارا لیا جاتا ہے یہ تب ہو سکتا ہے کہ نام درست ہو، جب اصل نام کو چھوڑ کر دوسرے نام سے یاد کیا جائے تو بیوی مطلقہ نہیں ہوگی تاہم اگر اس شخص کی نیت اپنی بیوی کو طلاق دینے کی ہو تو طلاق واقع ہو جائیگی۔

وفی الهندیة: ولو قال امرأته الحبشیة طالق ولا نیة له فی طلاق امرأته ولامرأته لیست بحبشیة لا یقع علیها وعلیٰ هٰذا اذا سمی بغیر اسمها ولا نیة له فی طلاق امرأته۔ (الفتاویٰ الهندیة ج ۱ ص۳۵۸ کتاب الطلاق، الباب الثانی فی ایقاع الطلاق) [2]

---

[1] قال العلامة طاهر بن عبد الرشید الانصاریؒ: رجل قال لامرأته تو ابکی و تو اسه او قال تو یکی سه۔ قال ابو القاسم الصفارؒ: لا یقع شئ۔ وقال صدر الشهیدؒ: یقع اذا نوی وبه یفتی۔ (خلاصة الفتاویٰ ج ۲ ص۹۸ کتاب الطلاق، الفصل الثانی فی الکنایات جنس آخر م۲)

وَمِثْلُهٗ فی البزازیة علیٰ هامش الهندیة ج۴ ص۱۷۹ کتاب الطلاق، مسائل الایقاع بلا قصد واضافة۔

[2] قال العلامة ابن همامؒ: ولو قال امرأتی فلانة بنت فلان طالق وسماها بغیر اسمها لا تطلق امرأته الا بالنیة۔ (فتح القدیر شرح الهدایة ج ۳ ص۳۵۳ کتاب الطلاق، باب ایقاع الطلاق)

وَمِثْلُهٗ فی الدر المختار علیٰ هامش رد المحتار ج ۲ ص۴۲۶ کتاب الطلاق، مطلب فیما لو قال امرأته طالق الخ

طلاقِ رجعی کی عدت گذرنے کے بعد طلاق دینا مؤثر نہیں

سوال:۔ ایک شخص نے اپنی بیوی کو زبانی ایک طلاق دی اور عدت گذرنے کے بعد اس نے پھر دو طلاق تحریری طور پر دیں، تو کیا اس سے طلاقِ مغلظہ واقع ہوگی یا تجدیدِ نکاح ہی کافی ہے؟

الجواب:۔ اگر خاوند نے پہلی زبانی طلاق کی عدت گذرنے کے بعد دو طلاق تحریری طور پر دی ہوں تو تجدیدِ نکاح کافی ہے کیونکہ پہلی زبانی طلاق کی عدت گذرنے کے بعد عورت خاوند سے جدا ہوکر محلِ طلاق نہیں رہی اس لیے پہلی طلاق کی عدت کے بعد دی گئی دو طلاق لغو تصوّر ہوں گی۔

قال العلامة ابن عابدینؒ: والرجعی لایزیل الملک الا بعد مضی العدۃ۔
(ردّ المحتار علی الدر المختار ج۲ ص۵۲۷ کتاب الطلاق) [1]

طلاقِ صریح کے بعد دی گئی طلاق (بائن) کا حکم

سوال:۔ ایک شخص نے اپنی بیوی سے دو دفعہ کہا تم طلاق ہو، تم طلاق ہو۔ اور پھر کہا "میرے گھر سے چلی جاؤ" تو اس سے کون سی طلاق واقع ہوگی۔

الجواب:۔ "تم طلاق ہو" دو دفعہ کہنا طلاقِ رجعی ہے لیکن اس کے بعد یہ کہنا کہ "میرے گھر سے چلی جاؤ" طلاق بائن ہے، طلاقِ رجعی میں اس کو رجوع کا حق حاصل تھا، لیکن طلاقِ رجعی کے بعد جب طلاق بائن (یعنی میرے گھر سے چلی جاؤ) سے یہ حق ختم ہوکر منکوحہ مطلقہ بائنہ ہوگی کیونکہ طلاقِ رجعی کے بعد طلاقِ بائن دی جاسکتی ہے۔

قال اللہ تعالیٰ: اَلطَّلَاقُ مَرَّتَانِ فَاِمْسَاكٌ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ تَسْرِيْحٌ بِاِحْسَانٍ۔ الآیۃ (البقرہ آیت ۲۲۹)
قال الحصکفیؒ: والبائن یلحق الصریح۔ (الدر المختار علی ہامش رد المحتار ج۲ ص۵۰۹ کتاب الطلاق، باب الکنایات) [2]

---

[1] وقال العلامۃ الکاسانیؒ: فلا یصح الطلاق الا فی الملک او فی علقۃ من علائق الملک وھی عدۃ الطلاق۔ (بدائع الصنائع ج۳ ص۱۲۶ کتاب الطلاق (فصل) واما الذی یرجع الی المرأۃ الخ)

ومِثْلُہٗ فی فتح القدیر علی الھدایۃ ج۳ ص۳۲۶ کتاب الطلاق فی تفصیل اول کتاب الطلاق لاباب قبلہ۔

[2] وفی الھندیۃ: والطلاق البائن یلحق الطلاق الصریح بان قال انت طالق ثم قال لہا انت بائن طلقۃ اخری ولا یلحق البائن البائن۔ (الفتاوی الہندیۃ ج۱ ص۳۷۷ کتاب الطلاق، الفصل الخامس فی الکنایات)

ومِثْلُہٗ فی تبیین الحقائق ج۲ ص۲۱۹ باب الکنایات۔ (قولہ: والصریح یلحق الصریح والبائن)

دو دفعہ طلاق دینے کے بعد رجوع کیا جا سکتا ہے

سوال:۔ بیوی کو دو دفعہ طلاق دینے کے بعد خاوند رجوع کر سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ صریح طلاق جب تک تین دفعہ استعمال نہ ہو تو ایک یا دو دفعہ لفظ طلاق صریح کے استعمال کرنے کی صورت میں خاوند بیوی کی طرف رجوع کر سکتا ہے، ایسی حالت میں صرف رجوع ہی کافی ہے۔

لما فی الهندیة: ولو قال انت طالق الطلاق وقال عنیت بقولی طالق واحدة وبقولی الطلاق اخری یصدق فتقع رجعیتان ان کانت مدخولا بها۔[1]

(الفتاوی الهندیة ج ۱ ص ۳۵۵ کتاب الطلاق باب الثانی فی ایقاع الطلاق الفصل الاول فی الطلاق الصریح)

دو طلاق کے بعد رجوع کر کے دوبارہ طلاق دینا

سوال:۔ ایک شخص نے بیوی کو دو طلاق دیں اور پھر رجوع کر لیا لیکن کچھ مدت کے بعد میاں بیوی کے درمیان پھر اختلافات پیدا ہو گئے تو خاوند نے چھ طلاقیں دے دیں، تو کیا خاوند اب بھی رجوع کر سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ دو طلاق کے بعد رجوع مفید ہے اور اس سے میاں بیوی کی حیثیت سے رہنے میں شرعاً کوئی حرج نہیں لیکن دو طلاق دینے کے بعد خاوند کے پاس صرف ایک طلاق کا حق باقی رہ جاتا ہے جو وہ کسی وقت بھی انفرادی طور پر استعمال کر سکتا ہے، صورت مسئولہ میں خاوند کا رجوع کرنے کے بعد چھ طلاقیں دینے میں ایک طلاق کے لیے محل کی موجودگی کی وجہ سے یہ طلاق واقع ہو جائے گی اور عورت مطلقہ مغلظہ ہو کر خاوند کے لیے حلالہ کے بغیر جائز نہیں اور باقی پانچ طلاقیں محل نہ ہونے کی وجہ سے لغو تصور ہوں گی۔

قال الحصکفیؒ: ولا ینکح مطلقة من نکاح صحیح نافذ بها ای بالثلث حتی یطأها غیره۔[2]

(الدر المختار علی هامش رد المحتار ج ۲ ص ۵۹۳ کتاب الطلاق، باب الرجعة، مطلب فی العقد علی المبانة)

---

[1] قال العلامة الزیلعیؒ: کقوله انت طالق انت طالق فیقع رجعیتان اذا کانت مدخولاً بها۔
(تبیین الحقائق شرح کنز الدقائق ج ۲ ص ۱۹۹ کتاب الطلاق)
ومثله فی الدر المختار علی هامش رد المحتار ج ۲ ص ۴۶۸ کتاب الطلاق، باب الصریح، مطلب فی قول البحران الصریح یحتاج الخ۔

[2] وفی الهندیة: واذا کان الطلاق بائنا دون الثلاث فله ان یتزوجها فی العدة وبعد انقضائها وان کان الطلاق ثلاثا فی الحرة وثنتین فی الامة لم تحل له حتی تنکح زوجا غیره نکاحا صحیحا۔
(الفتاوی الهندیة ج ۱ ص ۴۷۳ الباب السادس فی الرجعة وفیما تحل به المطلقة الخ، فصل فیما تحل به المطلقة وما یتصل به)

طلاقِ بائن کے اثرات

سوال:۔ ایک شخص نے اپنی بیوی کو طلاق بائن دی ہے اور اس پر سات آٹھ مہینے گذر گئے ہیں، اب اگر وہ دوبارہ میاں بیوی کی طرح زندگی گذارنا چاہیں تو ان کو کیا لائحۂ عمل اختیار کرنا چاہیئے؟

الجواب:۔ طلاقِ بائن میں تجدیدِ نکاح ضروری ہے خواہ عدت کے اندر ہو یا بعد میں ہو، طلاقِ بائن میں رجوع کرنا ناکافی ہے، صورتِ مسئولہ میں یہ مرد وزن دوبارہ نکاح کرکے ازدواجی زندگی گذار سکتے ہیں۔

لما فی الھندیة: واذا کان الطلاق بائنا دون الثلاث فلهٗ ان یتزوجها فی العدة وبعد انقضائها۔ (الفتاوی الھندیہ ج۱ ص۴۷۲ کتاب الطلاق، باب السادس فی الرجعة وفیما تحل بہ المطلقة ومایتصل بہ فصل فیما تحل بہ المطلقة۔ الخ) [1]

لفظ "ہاں" کہنے سے طلاق واقع نہیں ہوتی

سوال:۔ میاں بیوی کے درمیان کسی بات پر کشیدگی پیدا ہوگئی، بیوی نے خاوند سے کہا بے غیرت مجھے طلاق دے دو، خاوند نے زمین سے پتھر اٹھا کر بیوی کی طرف پھینکتے ہوئے کہا "ہاں"۔ کیا اس سے طلاق واقع ہوگئی یا نہیں؟

الجواب:۔ خاوند کے یہ الفاظ "ہاں" یا بیوی کی طرف پتھر پھینکنا نہ طلاقِ صریح ہے اور نہ طلاقِ کنایہ ہے، اس سے نکاح پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔

لما فی الھندیة: ولو قالت انا طالق فقال نعم طلقت ولو قال له فی جواب طلقنی لا تطلق وان نوی۔ (الفتاوی الھندیة ج۱ ص۳۵۶ مطلب کرر الطلاق بالواو اوبغیرھا ونوی بالثانی الاول) [2]

طلاق کی حکایت کا بیان کرنا

سوال:۔ ایک شخص نے اپنی بیوی کو ایک طلاق دی پھر اس طلاق کی حکایت کسی مجلس میں اس طرح بیان کیا کہ میں نے اس کو طلاق دی ہے، کیا اس حکایت سے دوسری طلاق واقع ہوتی ہے یا نہیں؟

---

[1] قال العلامة المرغینانیؒ: واذا کان الطلاق بائنا دون الثلاث فله ان یتزوجها فی العدة وبعد انقضائها لان حل المحلیة باق۔ (الھدایة ج۲ ص۳۷۸ کتاب الطلاق۔ باب الرجعة
وَمِثْلُهٗ فی الدرالمختار علی ھامش ردالمحتار ج۲ ص۵۸۲ کتاب الطلاق، باب الرجعة، مطلب فیما قیل .... الخ

[2] وقال الشیخ ابن البزاز الکردریؒ: ولو قالت طلقنی فقال نعم لا وان نوی۔ (الفتاوی البزازیہ علی ھامش الہندیہ ج۴ ص۱۲۶ کتاب الطلاق، تسعة فصول، الاول فی صریح الطلاق، نوع آخر فی الفاظ)

الجواب :۔ پہلی طلاق کی حکایت سے دوسری طلاق واقع نہیں ہوتی صرف ایک طلاق متصور ہوگی ۔

لمافی الهندية : رجل قال لامرأته انت طالق فقال له رجل ما قلت فقال طلقتها او قال قلت هی طالق فهی واحدة فی القضاء كذا فی البدائع ۔ (الفتاوى الهندية ج ۱ ص۳۵۵ مطلب اذا كرر الطلاق على المرأة المدخول بها ونوى الاخبار) [1]

طلاق کی قسم کھانا

سوال :۔ ایک شخص نے قسم کھاکر کہا کہ اگر میں نے سگریٹ نوشی کی تو میری بیوی کو طلاق ہوگی، تو اس طرح قسم کھانے کے بعد سگریٹ نوشی کرنے سے نکاح پر کیا اثرات مرتب ہوں گے ؟

الجواب :۔ مذکورہ قسم کھانے کی صورت میں حانث ہونے پر ایک طلاق واقع ہوگی لہٰذا سگریٹ نوشی کے بعد رجوع بالقول یا بالفعل کافی ہے۔

قال العلامة المرغينانیؒ : قوله انت طالق ومطلق وطلقتك فهذا يقع به الطلاق الرجعی ۔ (الهداية ج ۲ ص۳۳۸ کتاب الطلاق ، باب ایقاع الطلاق) [2]

مجھ پر "بیوی ناجائز طلاق ہوگی" سے طلاق کا حکم

سوال :۔ کوئی شخص اگر یہ کہے کہ میں نے فلاں کام کیا تو میری بیوی مجھ پر ایسی طلاق ہوگی جو ناجائز ہو تو اس سے کون سی طلاق واقع ہوگی ؟

الجواب :۔ حانث ہونے کی صورت میں اس شخص کی بیوی پر طلاق رجعی واقع ہوگی جس میں رجوع بالفعل یا بالقول کرنے کی گنجائش موجود ہے۔

قال العلامة سراج الدینؒ : ولو قال انت طالق ما لا يجوز عليك من الطلاق

---

[1] قال العلامة الكاسانی رحمه الله :۔ ولو قال لامرأته انت طالق فقال له رجل ما قلت فقال طلقتها الخ لان كلامه انصرف الى الاخبار الخ ۔ (بدائع الصنائع ج ۳ ص۱۰۲ فصل ومنها النية فی احد نوعی الطلاق)

[2] وفی الهندية : هو كانت طالق ومطلقة وطلقتك وتقع واحدة رجعية ۔ (الفتاوى الهندية ج ۱ ص۳۵۴ الباب الثانی فی ایقاع الطلاق، وفيه سبعة فصول)
ومثله فی الدر المختار علی هامش رد المحتار ج ۲ ص۴۳۹ کتاب الطلاق، باب الصریح۔

طلقت واحدۃ ۔ (الفتاوٰی السراجیۃ ص۲۴۲ کتاب الطلاق، باب عدد الطلاق) لہ

دو بیویوں میں سے ایک کو مبہم طلاق دینا

سوال :۔ ایک شخص کی دو بیویاں ہیں، اس نے اُن سے کہا تم میں سے ایک طلاق ہے، تو اس سے کون سی عورت مطلقہ متصور ہوگی ؟

الجواب :۔ طلاق کا وقوع یقینی ہے تاہم تعیین کا اختیار خاوند کو حاصل ہے کہ دونوں میں سے جس کو چاہے مطلقہ قرار دے ۔

قال العلامۃ الحصکفیؒ : ولو قال امرأتی طالق وله امرأتان او ثلاث تطلق واحدۃ منهن وله خیار التعیین ۔ (الدر المختار علی هامش رد المحتار ج۲ ص۴۹۷ باب طلاق غیر المدخول بها، مطلب فیما لو قال امرأته طالق وله امرأتان او اکثر تطلق واحدۃ) ؎ ۲

معاہدہ کی خلاف ورزی پر مشروط طلاق کا حکم

سوال :۔ اگر چند افراد کسی معاہدہ پر پابندی کے لیے ایک تحریر لکھیں جس میں یہ ہو کہ ہم میں سے جو بھی اس معاہدہ کی خلاف ورزی کرے تو اس کی بیوی اس پر تین طلاق سے طلاق ہو گی ، بعد ازاں بعض لوگوں کے مشورہ سے طلاق کا لفظ ساقط کر دیا گیا اور دستخط کرتے وقت طلاق کی شرط معاہدہ میں شامل نہیں تھی ، تو کیا معاہدہ کی خلاف ورزی کی صورت میں طلاق واقع ہوگی یا نہیں ؟

الجواب :۔ کسی معاہدہ پر پابندی کے لیے کوئی تحریر لکھنا درحقیقت ایک مشورہ ہے اسلئے

لہ وفی الهندیة : ولو قال لامرأته انت طالق ما لا یجوز علیك من الطلاق او ما لا یقع لو علی انی بالخیار ثلاثة ایام تقع واحدۃ ۔ (الفتاوٰی الهندیة ج۱ ص۳۶۷ الفصل الثالث فی تشبیه الطلاق ووصفه)

وَمِثْلُهٗ فی فتح القدیر ج۳ ص۳۹ کتاب الطلاق ۔

؎ ۲ وفی الهندیة : ولو قال امرأته طالق وله امرأتان کلتاهما معروفتان کان له ان یصرف الطلاق الی ایتهما شاء ۔ (الفتاوٰی الهندیة ج۱ ص۳۵۸ کتاب الطلاق، الباب الثانی فی ایقاع الطلاق، فصل الاول فی الطلاق الصریح) ۔

وَمِثْلُهٗ فی خلاصة الفتاوٰی ج۲ ص۷۹ کتاب الطلاق، فصل اول، جنس آخر ۔

صورتِ مسئولہ میں طلاق اس وقت نافذ العمل ہوگی جب اس پر دستخط ہو کر ثبت ہوں، اندریں صورت جب اصل معاہدہ میں طلاق کا ذکر نہیں تو خلاف ورزی کی صورت میں طلاق واقع نہیں ہوگی۔

قال ابن عابدینؒ: وان لم یقرّ انه کتابه ولم تقم بینة لکنه وصف الامر علی وجهه لاتطلق قضاء ولا دیانة وکذا کل کتاب لم یکتبه بخطه ولم یملّه بنفسه لایقع الطلاق مالم یقر انه کتابه۔ (رد المحتار ج۲ ص۶۵۹ کتاب الطلاق۔ مطلب باعتبار عدد الطلاق بالنساء فی الطلاق بالکتابة) [۱]

غیر مدخول بہا کو طلاق دینا

سوال:۔ اگر کسی شخص نے اپنی بیوی کو نکاح کے بعد قبل الدخول طلاق دیدی ہو، بعد ازاں وہ اُسے پھر نکاح میں لانے کا خواہشمند ہو، تو ایسی صورت میں اسے کیا لائحہ عمل اختیار کرنا چاہیئے؟

الجواب:۔ طلاق کے وقوع کے لیے ملکِ نکاح ضروری ہے اس لیے قبل الدخول بھی طلاق واقع ہونے کے لیے کوئی امر مانع نہیں، تاہم اگر تین طلاق متفرق دی ہوں یا صرف ایک طلاق دی ہو تو ایسی حالت میں ایک طلاق سے منکوحہ جدا ہو کر دوبارہ میاں بیوی کی حیثیت سے رہنے کے لیے صرف تجدیدِ نکاح کافی ہوگی، البتہ اگر بیک وقت تین طلاق دی ہوں تو پھر منکوحہ مطلقہ مغلظہ کے حکم میں رہے گی۔

قال العلامة الحصکفیؒ: قال لزوجته غیر المدخول بها انت طالق ثلاثا۔ الخ وقعن والافرق بانت بالاولیٰ ولم تقع الثانیة بخلاف الموطئة۔ (الدر المختار علی هامش رد المحتار ج۲ ص۴۹۲ کتاب الطلاق، باب طلاق غیر مدخول بها) [۲]

طلاقِ ثلاثہ کے بیک وقت واقع ہونے کی تحقیق

سوال:۔ زید کی اپنی بیوی سے گھریلو تعلقات میں کشیدگی کی وجہ سے دونوں میں

---

[۱] وفی الهندیة: وکذلک کل کتاب لم یکتبه بخطه ولم یملّه بنفسه لایقع به الطلاق۔ (الفتاویٰ الهندیة ج۱ ص۳۷۹ کتاب الطلاق، باب الثانی، الفصل السادس فی الطلاق بالکتابة)

[۲] وفی الهندیة: اذا طلق الرجل امرأته ثلاثا قبل الدخول بها وقعن علیها فان فرق الطلاق بانت بالاولیٰ ولم تقع الثانیة والثالثة۔ (الفتاویٰ الهندیة ج۱ ص۳۷۳ کتاب الطلاق، الباب الثانی فی ایقاع الطلاق، الفصل الرابع فی الطلاق قبل الدخول)

ومثله فی الهدایة علی صدر فتح القدیر ج۳ ص۳۹۱ کتاب الطلاق، فصل فی التشبیه الطلاق ووصفه۔

کچھ رنجش تھی، ایک روز ان کا چھوٹا لڑکا گھر آیا اور اپنی والدہ سے باتوں باتوں میں گھر کے حالات پوچھے تو اسے معلوم ہوا کہ اس کا باپ گھر خرچ نہیں دیتا، اس پر لڑکے نے والدہ سے کہا کہ میری کچھ رقم آپ کے پاس موجود ہے آپ اس میں سے خرچ کیوں نہیں کر لیتیں، تو اس کی والدہ نے کہا کہ میں اس رقم کو اُن کی امانت تصور کرتی ہوں، اسی دوران میں زید اور اس کا بڑا لڑکا بھی آ گئے تو بڑے لڑکے نے کہا کہ ان دونوں کی رنجش میں ۱۲ آنے میرے والد کا قصور ہے اور ۴ آنے والدہ کا، زید بیٹے کی اس بات پر مشتعل ہو گیا اور اس نے کہا اگر تم سب ایسا سمجھتے ہو تو یہ میرے تن پر حرام حرام حرام، اللہ اس سے کہو کہ چار دیواری چھوڑ کر باقی جو چیزیں بھی لے جانا چاہے اجازت ہے اور جو رقم اس کے پاس موجود ہے اس میں سے اپنا حق المہر وصول کر لیوے اور جو باقی بچے وہ میں نے اس کو بخش دیا۔ ان الفاظ کے بعد جب زید کا غصہ ٹھنڈا ہو گیا تو وہ پشیمان ہوا کہ یہ میں نے کیا کیا، اب آنجناب قرآن و حدیث کی رُو سے صحیح فتویٰ صادر فرمائیں۔

نوٹ:۔ اس استفتاء کے جواب میں ایک عالم صاحب نے درج ذیل جواب دیا ہے:۔

الجواب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، صورتِ مسئولہ میں حرام حرام حرام کے لفظ سے کہنے والے کی نیت مراد ہوگی، چنانچہ ھدایہ میں ہے: قال وبقية الكنايات اذا نوى بها الطلاق كانت واحدة بائنة۔ (ج ۲ ص ۳۸۹) اگر ان الفاظ سے طلاق ہی مراد لی جائے تو بیوی ایک طلاق بائن سے طلاق ہوگی اور وہ اس عدت کے اندر رجوع کر سکتا ہے۔

دوسرے یہ کہ صورتِ مسئولہ میں اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو ایک مجلس میں تین بار طلاق کے لفظ سے یا حرام کے لفظ سے طلاق کہہ دیتا ہے تو یہ طلاق ایک طلاق رجعی شمار ہوگی اور ایسے شخص کو چاہیے کہ فوری طور پر اپنی بیوی سے رجوع کرے اور اپنے گھر میں بسائے کیونکہ تین طلاق ایک بار دینا ویسے علی الاجماع بدعت ہے، امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ ایسی طلاق کو ایک طلاق شمار کرتے ہیں، مدخولہ کے حق میں حدیث شریف میں وارد ہے کہ: عن محمود بن لبيدؓ قال اخبرني رسول الله صلى الله عليه وسلم عن رجل طلق امرأته ثلث تطليقات جميعاً فقام غضبان ثم قال ايلعب بكتاب الله تعالى وانا بين اظهركم — سائل کی صورت دوسری حدیث میں اول دلیل موجود ہے: عن ابن عباس رضى الله تعالى عنهما قال طلق ابو ركانة ام ركانة فقال النبى عليه الصلوٰة والسلام ارجع امرأتك فقال انى طلقتها ثلاثاً قال

قد علمت ارجعها۔ (رواہ ابوداؤد) اس حدیث میں ہے کہ ابورکانہؓ نے حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ میں نے اس کو (یعنی بیوی کو) تین بار اکٹھی طلاق دے دی ہے، حضورؐ نے فرمایا مجھے معلوم ہے تم رجوع کر لو۔

حضرت امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی مسند میں کچھ زائد الفاظ سے روایت فرمایا ہے کہ۔ طلق ابورکانۃ امرأتہ فی مجلس واحد ثلاثاً فحزن علیہا فقال لہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فانہا واحدۃ۔ ابورکانۃ۔ چنانچہ ابورکانہؓ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حکم پر بیوی سے رجوع کر لیا۔ یہ مسئلہ بڑا طویل ہے، اس مسلک پر حضرت علی اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما قائم ہیں اور تابعین و تبع تابعین میں سے حافظ قاسم، امام جعفر صادق، امام باقر، امام ابن تیمیہ اور امام ابن قیم رحمہ اللہ ہیں۔

سائل پر واضح ہو کہ دین کے معاملہ میں تنگی نہیں، امام اعظمؒ کے مسلک میں یہ بات شامل ہے کہ کوئی شخص نقصان سے بچنے کے لیے دوسرے امام کے مسلک پر فتویٰ حاصل کر کے اس پر عمل کر سکتا ہے، چنانچہ "سبل السلام ص۱۷۳" پر علامہ صنعانیؒ نے طویل بحث فرمائی ہے، اس کی شرح کی طرف رجوع کیا جا سکتا ہے، اس کا اختصار یہ ہے کہ مسئلہ درست ہے کہ اگر تعصب کو بالائے طاق رکھ دیا جائے تو اس شخص پر کوئی امر مانع نہیں ہے کہ ان میں سے کس پر عمل کرے کوئی امر ممنوع نہیں ہے۔ اس لیے ان حالات میں سائل کو فتویٰ دیا جاتا ہے کہ وہ حدیث شریف اور صحابہ کرامؓ و ائمہ عظامؒ کے اقوال کے مطابق اپنی بیوی سے دو گواہوں کے سامنے رجوع کرے اور اپنے گھر میں لے جائے اور اسے بسائے۔ علاوہ ازیں یہ بھی واضح ہو کہ موجودہ عائلی قوانین کے مطابق ایسی صورت میں سرے سے طلاق واقع ہی نہیں ہوتی اس لیے فوری طور پر رجوع کر لیا جائے اور سائل دل میں ذرہ برابر بھی ملال پیدا نہ کرے۔ والسلام

یہاں تک تو اس عالم صاحب کا جواب تھا لیکن اس کو مدنظر رکھتے ہوئے مندرجہ ذیل نکات سامنے آتے ہیں جو کہ قابل توجہ ہیں:۔

(۱) صورت مسئولہ میں کون سی طلاق واقع ہو گی؟ وقوع طلاق ثلاثہ کے بارہ میں ائمہ اربعہؒ کا کیا مسلک ہے؟

(۲) حدیث شریف: عن محمود بن لبید قال اخبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن رجلٍ طلق امرأتہ ثلث تطلیقات جمیعاً (الحدیث) کا محدثین کے نزدیک صحیح مفہوم کیا ہے؟ اور

کیا اس حدیث سے عدم وقوع طلاق ثلاثہ کا ثبوت ملتا ہے یا نہیں؟

(۳) مذکورہ جواب میں ابوداؤد شریف کی ابورکانہ والی حدیث تحریر کی گئی ہے تو کیا یہ حدیث قابلِ حجت اور قابلِ عمل ہے یا نہیں؟

(۴) صورتِ مسئولہ کے مذکورہ جواب میں امام ابوحنیفہؒ کے مسلک کو چھوڑ کر شہوانی اور نفسانی خواہشات کے لیے دوسرے امام کے مسلک پر عمل کر سکتا ہے یا نہیں؟

(۵) مذکورہ جواب میں مجیب نے موجودہ ملکی عائلی قوانین پر عمل کرنے کی تلقین کی ہے تو ایسے شخص کے بارے میں شریعتِ مطہرہ کا کیا حکم ہے؟

(۶) امام نووی رحمہ اللہ کی تحقیق کے خلاف طلاقِ ثلاثہ کو ایک طلاق شمار کرنے سے کیا تفضیل ائمہ اربعہ لازم آتی ہے یا نہیں؟

مذکورہ بالا سوالوں کے بالوضاحت جواب تحریر فرمائیں۔

الجواب (من دارالافتاء دارالعلوم حقانیہ)۔۔ ان امور کی طرف توجہ دینے سے قبل اصل مسئلہ کے بارے میں اتنا عرض ہے کہ حرام کا لفظ طلاقِ کنائی ہے اور کنائی طلاق سے طلاقِ بائن واقع ہوتی ہے، لہٰذا زید کی بیوی پر ایک طلاقِ بائن واقع ہو چکی ہے اگرچہ اس نے طلاق کی نیت نہ کی ہو، علامہ شامیؒ نے "بحث طلاق کنائی" میں تصریح کی ہے کہ لفظ حرام عرفاً چونکہ طلاق ہی کے لیے استعمال کیا جاتا ہے اس لیے مفتی بہ قول یہ ہے کہ اس سے عورت پر ایک طلاق بائن واقع ہوگی اگرچہ اس میں نیت نہ بھی کی گئی ہو، اور دوسرا و تیسرا لفظ حرام لغو ہے کیونکہ بائن طلاق سے نکاح فوراً ٹوٹ جاتا ہے، اور جب پہلی دفعہ حرام کہنے سے نکاح ٹوٹ جاتا ہے تو پھر حرام حرام کہنا لغو ہے اس سے زائد طلاق واقع نہ ہوگی، لہٰذا اس عورت کو عدت میں یا بعد از عدت دونوں حالتوں میں تجدیدِ نکاح کے ذریعہ سے دوبارہ اپنے نکاح میں لا سکتا ہے اور صرف رجوع ہی کافی نہیں ہے تاوقتیکہ بیوی کی رضامندی سے دوبارہ نکاح نہ کیا جائے، یہ اس وقت کہ جب زید نے حرام کے لفظ سے تین طلاقوں کی نیت نہ کی ہو اور اگر اس نے تین طلاقوں کی نیت کر لی ہو تو اس صورت میں بیوی مغلظہ ہوگی جو حلالہ کے بغیر اس کے لیے ہرگز جائز نہ ہوگی۔۔۔ آپ نے جو چھ سوالات اٹھائے ہیں ان کے جوابات مختصراً درج ذیل ہیں:۔

(۱) صورتِ مسئولہ میں بائن طلاق واقع ہوگئی ہے نہ کہ رجعی، اور عورت کو دوبارہ نکاح میں لانے کے لیے رجوع کافی نہیں بلکہ تجدیدِ نکاح بارضا ضروری ہوگی، طلاقِ ثلاثہ کے بارے

میں ائمہ اربعہ کا مسلک یہ ہے کہ طلاقِ ثلاثہ خواہ دفعۃً واحدۃ دی جائیں یا متفرقاً ایک ہی طہر میں ہو یا متفرق اطہار میں تمام صورتوں میں تین طلاق ہی واقع ہوں گی نہ کہ ایک، امام نووی نے شرح مسلم میں اس پر ائمہ اربعہ کا اجماع نقل کیا ہے۔

(۲) حدیث مذکور کا صحیح مفہوم یہ ہے کہ ایک ہی طہر میں تین طلاق دینا خواہ متفرقاً تین دفعہ الفاظِ طلاق کہہ دے یا ایک ہی دفعہ اَنْتِ طَالِقٌ ثَلَاثًا کہہ دے یہ سب بدعی طلاق ہیں اور اس طرح طلاق دینا گناہ ہے لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ تین طلاق واقع نہ ہوں گی بلکہ طلاق تو تین واقع ہوں گی، اور چونکہ اس طرح طلاق دینا شرعی طریقۂ طلاق کے خلاف ہے اس لیے اس طرح طلاق دینے والے گنہگار ہوں گے، اس کی نظیر وہ واقعہ ہے جو مسلم وغیرہ کتب حدیث میں مروی ہے کہ حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے ایک دفعہ اپنی بیوی کو حیض کی حالت میں طلاق دے دی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو اس طرح طلاق دینے پر سرزنش کر کے رجوع کا حکم فرمایا لیکن طلاق کو معتبر قرار دیا (مسلم) اسی طرح ایک دوسرے شخص نے اپنی بیوی کو معاً تین طلاق دے دی تو حضور انور نے فرمایا، عصیت ربك و بانت منك امرأتك- (دارقطنی بحوالہ مشکوٰۃ) جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ فعل اگرچہ معصیت اور گناہ ہے مگر طلاق تین ہی واقع ہوں گی۔ جو لوگ محمود ابن لبیدؓ کی حدیث سے عدم وقوع طلاق پر استدلال کرتے ہیں ان کا یہ استدلال غلط ہے اور عدم وقوع طلاق کا ثبوت اس سے نہیں ملتا، اس سے صرف یہ ثابت ہوتا ہے کہ معاً تین طلاق دینا گناہ ضرور ہے لیکن گناہ سے یہ لازم نہیں ہوتا کہ طلاق واقع نہیں ہوگی، زہر کا پیالہ پینا گناہ ہے مگر موت کا اثر ضرور کرے گا، اسی طرح یہ طلاق اگرچہ بدعی ہے مگر ضرور واقع ہوگی۔

(۳) رکانہؓ والی حدیث میں دو قسم کے الفاظ مروی ہیں، ایک یہ کہ "طلق امرأته ثلاثًا"۔ دوسری قسم کے الفاظ یہ ہیں کہ "انه طلق امرأته البتة فقال له النبی علیه الصلوٰة والسلام آللہ ما اردت الا واحدة فقال آللہ ما اردت الا واحدة"۔ پہلی روایت کو جس میں طلق امرأته ثلاثًا کے الفاظ ہیں محدثین نے ضعیف قرار دیا ہے، امام نوویؒ فرماتے ہیں، "واما الرواية التی رواها المخالفون ان رکانة طلق ثلاثًا فجعلها النبی علیه الصلوٰة والسلام واحدة فرواية ضعيفة عن قوم مجهولين"

واما الصحيح منها ما قدمناه انه طلقها البتة" (شرح نووی للمسلم ص۴۷۸ ج۱) ابو داؤد نے بھی طلقہا البتۃ والی روایت کو طلقہا ثلاثًا کی روایت سے اصح قرار دیا ہے، چنانچہ وہ لکھتے ہیں: وھذا اصح من حدیث ابن جریج ان رکانۃ طلق امرأتہ ثلاثًا اھ۔ اس کی وجہ یہ بیان کرتے ہیں کہ طلقہا البتۃ والی حدیث کے رواۃ رکانہ کے اہلبیت اور اولاد ہیں اور ظاہر ہے کہ اجنبی لوگوں کی بہ نسبت رکانہؓ کے واقعۂ طلاق کا علم ان کے اہلبیت اور اولاد کو زیادہ ہوگا۔ فرماتے ہیں: وحدیث نافع ابن عجیر وعبداللہ ابن علی ابن یزید ابن رکانۃ عن ابیہ عن جدہ ان رکانۃ طلق امرأتہ البتۃ فردھا النبی علیہ الصلوٰۃ والسلام اصح من حدیث ابن جریج لانھم ولد الرجل واھل بیتہ وھم اعلم بہ۔ (ابوداؤد ج ۱ ص۳۰۰) اس سے معلوم کہ رکانہؓ نے انت طالق البتۃ کے الفاظ سے طلاق دی تھی نہ کہ اَنْتِ طَالِقٌ کے الفاظ سے اور چونکہ البتۃ کنائی طلاق کا لفظ ہے اس میں تین کی نیت بھی صحیح ہے، تو خطرہ تھا کہ رکانہؓ نے تین کی نیت سے یہ الفاظ کہہ دیئے ہوں اور اس تقدیر پر بیوی اس کے نکاح میں نہیں آسکتی تھی، اس لیے اس کی نیت کے بارے میں اطمینان حاصل کرنے کے لیے حضور اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا آاللہ ما اردت الا واحدۃ، جب آپ کو رکانہؓ کے جواب آللہ ما اردت الا واحدۃ سے اطمینان حاصل ہوگیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نکاح جدید سے اس کو بیوی واپس کردی۔ چنانچہ فردھا کے معنی بیان کرتے ہوئے محدثین لکھتے ہیں: "قلت معنی قولہ فردھا الیہ یعنی بالنکاح لانھا مطلقۃ بتطلیقۃ واحدۃ البتۃ اھ (فتح القدیر) لہٰذا جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ رکانہؓ نے تین طلاق دی تھیں اور انہی کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک رجعی طلاق قرار دیا، یہ غلط محض ہے اور مسلمانوں کو دھوکہ دینے کے مترادف ہے۔

(۴) خواہشاتِ نفسانی کی وجہ سے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا مذہب ہو یا کسی دوسرے امام کا، اس کا چھوڑنا گناہِ عظیم اور خطرۂ سلب ایمان ہے۔ کما صرح بہ العلماء قاطبۃ فی زبرھم واسفارھم لان ھذا ترک الدین لاجل ھوی النفس وھو مذموم جدًا۔

(۵) عائلی قوانین میں جو دفعات نکاح وطلاق کے بارے میں رکھی گئی ہیں ان میں سے اکثر دفعات کو ہر مکتبِ فکر کے علماء نے قرآن وحدیث کے صریح خلاف قرار دیا ہے لہٰذا جو شخص

ایسی دفعات پر مشتمل عائلی قوانین پر لوگوں کو چلنے کی تلقین کر رہا ہے وہ لوگوں کو قرآن وحدیث کے خلاف ورزی کی تلقین کر رہا ہے جو کسی طرح بھی ایک عالم دین بلکہ ایک مؤمن کے شایان شان نہیں ہے، ایسے قوانین کے مصنفین اور واضعین کے بارے میں قرآن کریم کا فیصلہ یہ ہے:
فَوَيْلٌ لِّلَّذِينَ يَكْتُبُونَ الْكِتَابَ بِأَيْدِيهِمْ ثُمَّ يَقُولُونَ هَٰذَا مِنْ عِندِ اللَّهِ لِيَشْتَرُوا بِهِ ثَمَنًا قَلِيلًا ۖ فَوَيْلٌ لَّهُم مِّمَّا كَتَبَتْ أَيْدِيهِمْ وَوَيْلٌ لَّهُم مِّمَّا يَكْسِبُونَ ۝ (سورۃ البقرۃ ـــ) آجکل کے قانون سازوں کی حالت اُن لوگوں کی حالت سے کچھ زیادہ مختلف نہیں جن کا ذکر اس آیت کریمہ میں کیا گیا ہے۔

(۶) طلاقِ ثلاثہ کو واحد شمار کر لینے سے اگر ائمہ اربعہ رحمہا اللہ کی تضلیل لازم نہ بھی آتی ہو مگر تخطیہ تو ضرور لازم آتا ہے اور یہ بھی کچھ کم درجہ کا جرم نہیں ہے، جن حضرات کی امامت اور پیشوائیت مذہبی پر اُمت کا سوادِ اعظم متفق ہو اُن کا تخطیہ کرنے والوں کو کس منطق کی رُو سے حق بجانب تصور کیا جائے گا، حالانکہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے: "اتبعوا السواد الاعظم۔ (الحدیث) نیز ان تمام ائمہ اربعہ کا فیصلہ اجماعی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک خلیفۂ راشد کے فیصلہ پر مبنی ہے جس کے متعلق ارشادِ نبوی ؐ ہی میں بصراحت یہ آچکا ہے کہ وہ ملہم او محدث فی ھذہ الامۃ ہیں۔ یہ خلیفہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی ہیں جنہوں نے یکجائی طلاقِ ثلاثہ کو تین ہی شمار کیا ہے اور کسی صحابی یا تابعی نے ان کے اس فیصلہ کے خلاف رائے نہیں دی ہے، تو اُن کے اس فیصلہ کی حیثیت تو ایک گونہ اجماع کی ہے جس سے بعد میں آنے والوں کے لیے خلاف کرنے کا کوئی حق معقول سے ثابت نہیں ہو سکتا ہے۔ ایسے فیصلوں کے بارے میں حضور نبی کریم صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے: عَلَيْكُمْ بِسُنَّتِي وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِينَ الْمَهْدِيِّينَ۔

لہٰذا ائمہ اربعہ اور اُمت کے سوادِ اعظم کے اجماعی فیصلہ کے مقابلہ میں ایک یا دو عالم یا امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ اور امام ابن قیم رحمہ اللہ کی ذاتی رائے اور اجتہاد میں وہ وزن ہرگز نہیں ہو سکتا ہے جو ائمہ اربعہ رحمہا اللہ تعالےٰ اور اُمت کے سوادِ اعظم کے متفقہ فیصلہ میں ہے اور فیصلہ بھی وہ جو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ

جیسے ملہم اور محدث خلیفۂ راشد کے فیصلہ پر مبنی ہوئے

لے قد ذکرہ هٰذه المسئلة العلامة ابن الهمام الحنفیؒ: وقد اثبت انه یقع ثلاث تطلیقات بلفظ واحد وهو یقول" وذهب جمهور الصحابة والتابعین ومن بعدهم من ائمة المسلمین الیٰ انه یقع ثلاث "

و ایضاً قال: وقد اثبتنا النقل عن اکثرهم صریحاً بایقاع الثلاث ولم یظهرلهم مخالف فماذا بعد الحق الا الضلال وعن هٰذا قلنا لو حکم حاکم بان الثلاث بفم واحد واحدة لم ینفذ حکمه لانه لایسوغ الاجتهاد فیه فهو خلاف لا اختلاف " (فتح القدیر شرح الہدایہ ج ۳ ص ۳۳۰ کتاب الطلاق)

حضرت ابن ہمامؒ کے مذکورہ بالا اقوال سے ثابت ہوا کہ ایک لفظ سے تین طلاق کے وقوع پر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا اجماع منعقد ہو چکا ہے اس سے خلاف کرنا جائز نہیں اور صحابۂ کرامؓ کے اجماع پر عمل نہ کرنا گمراہی ہے۔

اور ملک العلماء امام کاسانی حنفی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ ایک لفظ سے تین طلاق واقع ہوتی ہیں اور اس میں کسی کا اختلاف نہیں صرف شیعہ نے اختلاف کیا ہے۔ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تین طلاق واقع ہونے کا فیصلہ کیا ہے آپ کے ساتھ کسی صحابی نے اس فیصلہ میں اختلاف نہیں کیا ہے بلکہ اس پر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا اجماع منعقد ہوا ہے، وہ فرماتے ہیں: واما حکم طلاق البدعة فهو انه واقع عند عامة العلماء وقال بعض الناس انه لایقع وهو مذهب الشیعة۔ وقال هکذا۔ وروینا عن عمر رضی الله تعالیٰ عنه انه کان لایؤتی برجل قد طلق امرأته ثلاثاً الا اوجعه ضرباً واجاز ذلك علیه وکانت قضایاه بمحضر من الصحابة رضی الله تعالیٰ عنهم اجمعین فیکون اجماعاً منهم علیٰ ذلك۔

(بدائع الصنائع ج ۳ ص ۹۶ کتاب الطلاق)

بہر تقدیر یہ مسئلہ امتِ اسلامیہ اور اہل السنۃ والجماعۃ کے سلف اور خلف جن میں جمہور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین اور تبع تابعین بھی ہیں، ان تمام کا اس بات پر اجماع کہ ایک لفظ "طلاق ثلاثہ" سے تین طلاق واقع ہوتی ہیں۔ اب اُن کے اس اجماع سے ایک دو یا کچھ زائد افراد کا خلاف اس اجماع پر اثر انداز نہیں ہو سکتا ہے۔ چنانچہ حضرت علامہ قاضی شوکانیؒ نے یہی فرمایا ہے کہ داؤد ظاہریؒ کی مخالفت سے اس مسئلہ میں اجماع پر کوئی زد نہیں پڑتی۔ (دیکھئے شرح بلوغ المرام ص ۔۔)

اور علامہ احمد بن محمد القسطلانی رحمۃ اللہ علیہ نے تین طلاقوں کو ایک سمجھنے والوں کے مذہب کے متعلق فرمایا ہے: "بانه مذهب شاذ فلا یعمل به اذ هو منکر"

(ارشاد الساری ج ۸ ص ۱۵ طبع فی المصر)

طلاق دیتے وقت منہ بند کرنے کا حکم

سوال :- ایک شخص نے اپنی بیوی سے کہا ایک دو تین" ان الفاظ کے کہنے کے بعد فوراً کسی دوسرے شخص نے اس کے منہ پر ہاتھ رکھ کر منہ بند کر دیا اس کے بعد اس نے کسی چیز پر تلفظ نہیں کیا، تو کیا اس سے طلاق واقع ہوگی یا نہیں؟

الجواب :- صورتِ مسئولہ میں اس شخص کی بیوی کو طلاق نہیں ہوئی کیونکہ اس نے طلاق پر تلفظ نہیں کیا' نہ صریح پر اور نہ کنائی پر' بلکہ اس نے صرف عدد پر تلفظ کیا ہے' اور صرف عدد نہ صریح طلاق ہے اور نہ کنائی، طلاق میں عدد کا وہاں اعتبار ہوگا جب طلاق کے بعد متصلاً ذکر کیا جائے۔

قال العلامة قاضی خانؒ : قالت المرأة لزوجها طلقنی فقال الزوج ان شئت الف مرة لا یقع شیء۔ (الخانیة ج۲ ص۲۷ کتاب الطلاق) لـه

"میرے گھر سے نکل جاؤ" کے الفاظ کے طلاق پر اثرات

سوال :- اگر خاوند بیوی کو لڑائی جھگڑے کے وقت غصہ کی حالت میں یہ کہے کہ میرے گھر سے نکل جاؤ اور یہ الفاظ وہ بار بار دہرائے تو اس سے بیوی پر کون سی طلاق واقع ہوگی؟

الجواب :- یہ الفاظ طلاقِ کنایہ کے ہیں' اس سے نیت یا دلالتِ حال کے بغیر طلاق واقع نہیں ہوگی، تاہم جھگڑے کے وقت چونکہ دلالتِ حال موجود ہے اس لیے بیوی پر طلاقِ بائن واقع ہوگی جو تجدیدِ نکاح سے ختم ہو جائے گی۔

قال التمرتاشیؒ : فنحو اخرجی واذهبی وقومی ... ففی حالت الرضا تتوقف الاقسام علی نیتہ ... الخ (تنویر الابصار علی هامش ردالمحتار ج۲ ص۵۰۲ باب الکنایات) ۲ـه

"ماں باپ کے پاس چلی جاؤ" کہنے سے نکاح پر اثرات کا حکم

سوال :- خاوند نے بیوی سے جھگڑے کے وقت غصہ کی حالت میں یہ کہا کہ "جاؤ ماں باپ کے پاس چلی جاؤ" کیا اس سے نکاح متاثر ہوگا یا نہیں؟

لـه الجواب :- جب تک شوہر الفاظ طلاق نہ کہے ان الفاظ سے کوئی طلاق نہیں ہوگی۔ (امداد المفتین ج۲ ص۶۱۲ کتاب الطلاق)

۲ـه قال العلامة قاضی خانؒ : قومی اخرجی اذهبی ... لا یقع الطلاق الا بالنیة واذا قال لم انوی الطلاق کان مصدقاً ... الخ (الفتاوی قاضی خان علی هامش الهندیة ج۱ ص۴۶۸ فصل فی الکنایات والمدلولات) ــــ ومثلهٗ فی الهندیة ج۱ ص۳۷۵ الفصل الخامس فی الکنایات

الجواب: مذکورہ الفاظ کو عربی میں "الحق باھلک" سے تعبیر کی جاتی ہے، فقہاء کرام کی تصریحات کی روشنی میں یہ طلاق کنائی ہے جس پر تلفظ کرتے وقت نیت کرنے سے طلاق واقع ہو گی ورنہ نہیں۔

قال العلامة قاضی خانؒ: وعن ابی یوسف رحمه الله تعالیٰ فی الاملاء: انه الحق بهذه الخمسة اربعة اخری لاملك لی علیك لاسبیل لی علیك خلیت سبیلك الحق باھلك۔ الخ

(الفتاویٰ قاضیخان علی هامش الهندیة ج۱ ص۴۶۷ فصل فی الکنایات والمدلولات) [1]

"میری بیوی نہیں" کہنے سے طلاق نہیں ہو گی

سوال: ایک شخص نے حاکم کے سامنے یہ کہا کہ "میری بیوی نہیں ہے" حالانکہ اس کے گھر میں اس کی بیوی ہے، کیا ان الفاظ سے اس شخص کا نکاح متاثر ہو گا یا نہیں؟

الجواب: چونکہ یہ الفاظ طلاق کے نہیں اس لیے ان سے نکاح پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔

قال العلامة الحصکفیؒ: ولو سئل الك امرأة فقال لا لا تطلق اتفاقاً وان نوی۔

(الدر المختار علی هامش رد المحتار ج۲ ص۴۹۱ باب الصریح) [2]

بیوی کو اجازت ہے کہ وہ دوسرا خاوند کرلے

سوال: ایک شخص نے اپنی بیوی کو طلاق دینے کا قصد کیا لیکن اب تک زبانی کچھ نہیں کہا ہے لیکن اس نے ارادہ کے بعد یہ کہا کہ میری بیوی کو اجازت ہے کہ وہ دوسرا خاوند کرلے، کیا ان الفاظ سے طلاق واقع ہو گی یا نہیں؟

---

[1] قال العلامة صدر الشریعةؒ: وکنایته مالم یوضع له واحتمله وغیره فلا تطلق الا بنیته او دلالة الحال وفیه۔ الحقی باھلك تقع واحدة بائنة ان نواها۔ ملخصاً۔

(شرح الوقایة ج۲ ص۸۰ کتاب الطلاق، باب ایقاع الطلاق)

ومثله فی الدر المختار علی هامش رد المحتار ج۲ ص۵۰۳ تا ۵۰۵ باب الکنایات۔

[2] قال العلامة ابن نجیم المصریؒ: وقوله لا عن سؤاله بقوله الك امرأة وقوله لا حاجة لی فیك، کما فی البدائع ففی هذه الالفاظ لا یقع وان نوی۔

(البحر الرائق ج۳ ص۳۰۵ باب الکنایات فی الطلاق)

ومثله فی فتح القدیر ج۳ ص۴۰۲ باب ایقاع الطلاق، فصل فی الطلاق قبل الدخول۔

الجواب: صرف ارادۂ طلاق سے طلاق نہیں ہوتی البتہ اس شخص نے جو یہ کہا ہے کہ میری بیوی کو اجازت ہے کہ وہ دوسرا خاوند کرے، اس سے ایک طلاقِ بائن تب واقع ہوگی جب اس سے طلاق کی نیت ہو۔

قال العلامة الحصکفیؒ: اذهبی وتزوجی تقع واحدة۔ قال العلامة ابن عابدینؒ: (تحت هٰذا القول) عن ان تزوجی کنایة مثل اذهبی فیحتاج الی النیة۔

(رد المحتار ج ۲ ص۵۱۴ باب الکنایات، مطلب المختلعة المبانة لسبة امرأة من کل وجه)[1]

مجھے تمہاری کوئی ضرورت نہیں، کا حکم

سوال: اگر کسی شخص نے اپنی بیوی کو یہ کہہ دیا کہ "مجھے تمہاری کوئی ضرورت نہیں" تو ان الفاظ سے نکاح پر کیا اثر پڑے گا؟

الجواب: فقہاء کرام کی تصریحات سے معلوم ہوتا ہے کہ ان الفاظ سے طلاق واقع نہیں ہوگی، البتہ احتیاط اس میں ہے کہ یہ الفاظ کنایات میں داخل کرکے اگر شوہر نے طلاق کی نیت کی ہو تو اس سے طلاق بائن واقع ہوگی اور اگر طلاق کی نیت نہ کی ہو تو طلاق واقع نہ ہوگی۔

لما فی الهندیة: ولو قال لاحاجة لی فیك ینوی الطلاق فلیس بطلاق۔

(الفتاوٰی الهندیة ج۱ ص۳۷۵ الفصل الخامس فی الکنایات)[2]

"تو مجھ سے آزاد ہے" سے طلاق کا حکم

سوال: ایک شخص نے اپنی بیوی سے یہ کہا کہ "آج سے تو مجھ سے آزاد ہے" تو ان الفاظ سے کون سی طلاق واقع ہوگی؟

---

[1] قال العلامة عالم بن العلاء الانصاریؒ: ولو قال لها اذهبی فتزوجی لایقع الطلاق الا بالنیة واذا نوی فهی واحدة واذا نوی الثلاث فثلاث۔ (الفتاوٰی التاتارخانیة ج۳ ص۳۱۶ کتاب الطلاق۔ باب الکنایات۔ نوع آخر فی قوله خلیة واشباهها)

وَمِثْلُهٗ فی خلاصة الفتاوٰی ج۲ ص۹۸ الفصل الثانی فی الکنایات، جنس آخر فی الامر بالذهاب۔

[2] قال العلامة ابن نجیمؒ: وقوله لاحاجة لی فیك لما فی البدائع ففی هٰذه الالفاظ لایقع وان نوی۔ (البحر الرائق ج۳ ص۳۰۵ باب الکنایات فی الطلاق)

وَمِثْلُهٗ فی رد المحتار ج۲ ص۵۰۱ باب الکنایات۔

الجواب: بیوی سے یہ کہنا کہ "تُو مجھ سے آزاد ہے" ان الفاظ کی عربی زبان میں "سرحتك" سے تعبیر کی جاتی ہے جو عرف میں طلاقِ رجعی میں استعمال ہوتے ہیں، اس لیے ان الفاظ سے طلاقِ رجعی واقع ہوگی۔

قال العلامۃ ابن عابدینؒ: فاذا قال سرحتك يقع به الرجعي مع ان اصله كناية ايضًا - (ردّ المحتار ج۲ ص۵۰۳ باب الکنایات) ؎۱

"تُو مجھ سے جدا ہے" کا حکم

سوال:- ایک شخص نے غصہ کی حالت میں بیوی سے یہ کہا کہ "تو مجھ سے جدا ہے جیسا کہ یہ چیز میرے ہاتھ میں ہے" اور اس چیز کو ہاتھ سے پھینک دے، اس سے کونسی طلاق واقع ہوگی؟

الجواب: "تو مجھ سے جدا ہے" کے الفاظ عرف میں طلاق کے لیے استعمال ہوتے ہیں اس لیے ان سے ایک طلاق رجعی واقع ہوگی۔

لما فی الهندية، ولو قال لها انت بائن ثم قال لها انت بائن، لا يقع الا طلقة واحدة بائنة لانه يمكن جعله خبرعن الاول وهو صادق فيه فلاحاجة الى جعله انشاء وفيه- والحق ابويوسف بخلية وبرية، خليت سبيلك فارقتك -

(الفتاوی الهندية ج۱ ص۳۷۵ تا ۳۷۷ الفصل الخامس فی الکنایات) ؎۲

"تو مجھ پر حرام ہے" کا حکم

سوال:- اگر کسی شخص نے اپنی بیوی کے بارے میں تین دفعہ یہ کہہ دیا کہ "وہ مجھ پر حرام ہے" تو اس سے نکاح پر کیا اثر پڑے گا؟

الجواب: منکوحہ کو یہ کہنا کہ "تو مجھ پر حرام ہے" طلاقِ کنائی ہے جس سے طلاق کا وقوع

؎۱ وفی الهندية: ولو قال الرجل لامرأته تراچنگ بازداشتم او بهشتم او یله کردم ترا- فهذا كله تفسير قوله طلقتك عرفاً حتى يكون رجعيا ويقع بدون النية۔

(الفتاوی الهندية ج۱ ص۳۷۹ - الفصل السابع فی الطلاق بالفاظ الفارسية)

ومثله فی خلاصة الفتاوی ج۲ ص۹۹ الفصل الثانی فی الکنایات جنس آخر- وفی الفتاوی۔

؎۲ قال العلامة عالم بن العلاء الانصاریؒ: حتى ان الرجل لو اذا قال للمرأة انت بائن ولم يقل متى يقع الطلاق اذا نوى۔ (الفتاوی التاتارخانية ج۳ ص۳۱۱ كتاب الطلاق۔ باب الكنايات، نوع منه فی قوله انت حرام علی)

نیت پر موقوف ہے، اس لیے اگر خاوند نے تین طلاق کی نیت کی ہو تو تین طلاق واقع ہوں گی، اور اگر تین کی نیت نہ ہو صرف یہ ارادہ ہو کہ اس سے بیوی کو ایک طلاق دیتا ہوں تو پھر طلاق بائن واقع ہوگی اور اگر متعدد بار یہ لفظ استعمال کئے جائیں اور اس سے طلاق کی نیت ہو تو ایک طلاق بائن واقع ہو کر دوسری دفعہ اور تیسری دفعہ اس کا ذکر لغو ہے گا کیونکہ عورت ایک دفعہ طلاق بائن سے جدا ہو جاتی ہے، دوسری یا تیسری دفعہ کے الفاظ کے لیے کوئی محل باقی نہیں رہتا۔ بہر حال اس میں نیت یا مذاکرہ طلاق کے بغیر طلاق کا وقوع ممکن نہیں۔

قال العلامة الحصکفیؒ: لان البائن لا یلحق البائن۔ وایضاً قال: قلت لکن عبارة البزازیة لو قال امرأتیه انتما علی حرام ونوی الثلاث فی احدهما والواحدة فی الاخری صحت نیته عند الامام وعلیه الفتوٰی۔ (الدر المختار علی هامش رد المحتار ج۲ ص۵۰۳/۵۱۰ باب الکنایات) [له]

میں نے اسے چھوڑ دیا ہے، کا حکم

سوال:۔ اگر کسی شخص نے اپنی بیوی کے متعلق یہ کہا کہ میں نے اُسے چھوڑ دیا ہے، ان الفاظ سے کونسی طلاق واقع ہوگی؟

الجواب:۔ اپنی بیوی کے متعلق یوں کہنا کہ "میں نے اس کو چھوڑ دیا ہے" یہ الفاظ طلاقِ کنایہ کے ہیں، نیت کی موجودگی میں ان سے طلاق بائن واقع ہوگی، لیکن ابن عابدین شامی رحمہ اللہ تعالیٰ نے عرف کے حوالہ سے طلاق رجعی میں شمار کیا ہے جس سے نیت کے بغیر بھی طلاقِ رجعی واقع ہوتی ہے۔

قال ابن عابدینؒ: فاذا قال سرحتک یقع به الرجعی مع ان اصله کنایة۔ ایضاً الخ

(رد المحتار ج۲ ص۵۰۳ باب الکنایات) [له]

[له] قال العلامة ابو البرکات النسفیؒ: وفی الفتاوٰی اذا قال لامرأته انت علی حرام والحرام عنده طلاق ولکن لم ینوی طلاقاً وقع الطلاق۔ (الکنز الدقائق علی هامش البحر الرائق ج۳ ص۲۹۹ باب الکنایات فی الطلاق)

وَمِثْلُهٗ فی البزازیة علی هامش الهندیة ج۴ ص۱۸۵ الفصل الثانی فی الکنایات وفیہ اجناس الاول۔

[له] وفی الهندیة: ولو قال الرجل لامرأته ترا چنگ باز داشتم او بهشتم او یله کردم ترا، فهٰذا الحلیة تفسیر قوله طلقتک عرفاً حتی یکون رجعیاً ویکون بدون النیة۔

(الفتاوٰی الهندیة ج۱ ص۳۷۹ الفصل السابع فی الطلاق بالالفاظ الفارسیة)

وَمِثْلُهٗ فی الفتاوٰی البزازیة علی هامش الهندیة ج۴ ص۱۸۹ الفصل الثانی فی الکنایات وفیہ اجناس الاول۔

وہ مجھے نہیں چاہیئے، کا حکم | سوال:- ایک شخص نے اپنی بیوی کو گھر سے نکال کر بعد میں یہ کہا کہ "وہ مجھے نہیں چاہیئے" کیا ان الفاظ سے طلاق واقع ہوتی ہے یا نہیں؟

الجواب:- ان الفاظ سے طلاق واقع نہیں ہوتی اگرچہ طلاق کی نیت سے کہے جائیں۔

لما فی الهندیة: ولو قال لاحاجة لی فیك ینوی الطلاق فلیس بطلاق۔

(الفتاوی الهندیة ج۱ ص۳۷۵ الفصل الخامس فی الکنایات) [1]

تم چاروں طرف جا سکتی ہو، سے طلاق کا حکم | سوال:- ایک شخص نے غصہ کی حالت میں اپنی بیوی سے کہا "تیرے لیے چاروں راستے کھلے ہیں جس طرف چاہو جا سکتی ہو" شریعتِ مقدسہ میں ان الفاظ کا کیا حکم ہے؟

الجواب:- یہ الفاظ طلاق کنایہ کے ہیں نیت کے ہوتے ہوئے اس سے طلاق واقع ہوگی اور بغیر نیت کے طلاق واقع نہیں ہوگی۔

لما فی الهندیة: رجل قال لامرأته اربعة طرق علیك مفتوحة لایقع بهذا شیء وان نوی الا اذا قال خذی ای طریق شئت وقال نویت الطلاق۔

(الفتاوی الهندیة ج۱ ص۳۷۶ الفصل الخامس فی الکنایات) [2]

---

[1] وقال العلامة الکاسانی رحمه الله: ولو قال لاحاجة لی فیك لایقع الطلاق وان نوی لان عدم الحاجة لایدل علی عدم الزوجیة۔ (بدائع الصنائع ج۳ ص۱۰۱، فصل واما الکنایات واما القسم الثالث)

وَمِثْلُهٗ فی البحر الرائق ج۳ ص۳۰۳ باب الکنایات فی الطلاق۔

[2] وقال العلامة الحصکفی رحمه الله: ولایقع باربعة طرق علیك مفتوحة وان نوی مالم یقل خذی ای طریق شئت۔ (الدر المختار علی ہامش رد المحتار ج۲ ص۵۱۵، باب الکنایات)

وَمِثْلُهٗ فی البحر الرائق ج۳ ص۳۰۴ باب الکنایات فی الطلاق۔

اِس کُتیا کی بچی کو طلاق

سوال: اگر کوئی شخص گھریلو تنازعہ میں اپنی بیوی کو یہ الفاظ کہے کہ اس خنزیر کی بچی کو طلاق، اس کُتیا کی بچی کو طلاق، اِس کتیا کو طلاق، اور ساتھ ساتھ ہاتھ سے اشارہ بھی کرتا رہا، اس طریقہ سے کتنی طلاق واقع ہوں گی؟

الجواب: طلاق میں بیوی کو متعین کرنے کے لیے نفسِ اشارہ کافی ہے باقی اس کے بعد ذکر شدہ صفات کا کوئی اعتبار نہیں، لہٰذا صورتِ مسئولہ میں تین طلاقیں واقع ہو چکی ہیں اور عورت بغیر حلالہ شرعی کے شوہر کے لیے حلال نہیں۔

قال العلامة الحصکفیؒ: قال لامرأته هٰذه الکلبة طالق طلقت۔ قال ابن عابدینؒ: لاتعتبر الصفة والتسمیة مع الاشارة۔ (رد المحتار ج۲ ص۲۹۳ فی اٰخر باب طلاق غیر المدخول بها) [1]

بلاقصد وارادہ طلاق دینے سے طلاق واقع ہو جاتی ہے

سوال: اگر کوئی شخص بلاقصد وارادہ یہ الفاظ کہے کہ میری بیوی کو طلاق، طلاق، طلاق ہو، تو کیا اس سے طلاق واقع ہو گی یا نہیں؟

الجواب: طلاق کے الفاظِ صریح ایسے الفاظ ہیں کہ ان میں ارادہ اور قصد کی کوئی ضرورت نہیں بلا ارادہ بھی واقع ہو جاتی ہے اگرچہ اس شخص کی نیت طلاق کی ہو یا نہ ہو، لہٰذا صورتِ مسئولہ میں اس شخص کی بیوی پر تین طلاق قضاءً واقع ہو چکی ہو۔

قال العلامة الحصکفیؒ: ویقع طلاق کل زوج بالغ عاقل ولو عبدًا او مکرهًا او هازلًا ...... او مخطئًا بان اراد التکلم بغیر الطلاق فجری علی لسانه الطلاق۔ (الدر المختار علی هامش رد المحتار ج۲ ص۴۲۱ کتاب الطلاق، قبل مطلب فی طلاق المدهوش) [2]

---

[1] قال الحصکفیؒ: قال لامرأته هٰذه الکلبة طالق طلقت۔ قال السید احمد الطحطاویؒ تحته الظاهر انه لو لم یشر واتی بالاسم بدله کان کذٰلک اذا اراد الدیث ولم یکن بینه بالعهد ووجه انها لاتطلق لکون الکلبة غیر محل للطلاق۔ (طحطاوی حاشیة الدر المختار ج۲ ص۱۳۰ باب طلاق غیر المدخول بها)

[2] قال العلامة طاهر بن عبد الرشید الانصاریؒ: وطلاق اللاعب والهازل وطلاق الرجل الذی اراد ان یتکلم فسبق لسانه بالطلاق واقع۔ الخ (خلاصة الفتاویٰ ج۲ ص۵۷ کتاب الطلاق)

ومثله فی الهندیة ج۱ ص۳۵۳ کتاب الطلاق فصل فیمن یقع طلاقه وفیمن لایقع طلاقه۔

طلاق طلاق طلاق دیتا ہوں کہنے سے طلاقِ ثلاثہ واقع ہونے کا حکم

سوال۔ جناب محترم مفتی صاحب! میرا سوال یہ ہے کہ میں نے اپنی زوجہ مسماۃ کلثوم جان دختر سراج احمد ساکن آلی تحصیل وضلع ہری پور کو مورخہ ۹۸/۳/۲۱ کو اس وقت تحریری طلاق روانہ کی جب وہ اپنی ایک عزیزہ کی فوتیدگی پر تعزیت کے لیے کراچی گئی ہوئی تھی۔ معمولی سی بات پر میں نے وہ قدم اٹھایا جس سے متعلق کبھی سوچا بھی نہیں تھا۔ میں نے اپنی تحریر میں یہ الفاظ تحریر کئے کہ "میں کلثوم جان دختر سراج احمد کو طلاق طلاق طلاق دیتا ہوں"۔ اور ساتھ ہی میں نے حق مہر کا چیک بھی بذریعہ رجسٹری مسماۃ مذکورہ کو ارسال کر دیا۔

جناب محترم! بعد ازاں مجھے اس بات کا بے حد افسوس اور صدمہ ہوا کہ میں نے ایسا کیوں کیا، اس دن سے آج تک سخت پریشان ہوں۔ جس وقت میں طلاق نامہ لکھ رہا تھا اُس وقت میں کمرے میں بالکل تنہا تھا کچھ سمجھ میں نہیں آیا کہ میں نے مندرجہ بالا الفاظ کیوں اور کیسے تحریر کئے اور میرا قلم رُک کیوں نہیں گیا۔

جناب محترم! میں سمجھتا ہوں کہ طلاق دینا کوئی اچھی بات نہیں ہے۔ لیکن سمجھنے کے باوجود نہ جانے ایسے کیوں ہو گیا؟ میں نے اپنی اس غلطی کی معافی اللہ تعالیٰ سے سربسجود ہو کر طلب کی، امید ہے اللہ تعالیٰ ضرور معاف فرمائیں گے۔

جناب محترم! میں نے حال ہی میں اپنے علاقہ کے علماء دین سے رابطہ کیا کہ شاید اس مسئلہ کا کوئی مثبت حل قرآن وسنت اور احادیثِ نبوی کی روشنی میں بلا حلالہ و تجدید نکاح ہو سکے۔ علماء کرام نے میرے اس مسئلہ کا مثبت حل نکالا جس سے مجھے تسلی ہوئی۔ لیکن پھر بھی میں آپ جیسے عظیم مفکر اور عالمِ دین کی خدمت میں عرض کرتا ہوں کہ مزید تسلی کے لیے آپ قرآن وسنت اور احادیثِ نبوی کی روشنی میں جواب سے جس قدر جلد ہو سکے نوازدیں۔ شکریہ

علاقہ کے علماء کرام کے جواب اور تصدیق و تائید کی فوٹو کاپی بھی ارسالِ خدمت ہے۔

الجواب۔ صورتِ مذکورہ میں از روئے قرآن وحدیث واجماعِ اُمت تین طلاقیں واقع ہوگئی ہیں، اگرچہ ایک ہی مجلس میں تین طلاقیں دینا خلافِ سنت اور گناہ ہے لیکن جب دے دیں تو تینوں طلاق کے واقع ہونے میں تمام اہلسنت والجماعت کے نزدیک کوئی شبہ نہیں۔ امام اعظم ابوحنیفہؒ، امام شافعیؒ، امام مالکؒ، امام احمد بن حنبلؒ اور تمام امتِ محمدیہ کا یہی مذہب ہے، اب بجز حلالہ شرعی کے کوئی چارہ کار نہیں، ارشاد قرآنی ہے: فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ

لَهٗ مِنْ بَعْدُ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهٗ ۔ (الآية)

وقال الامام النووىؒ فى شرح مسلم، وقد اختلف العلماء فيمن قال لامرءته انت طالق ثلثا فقال الشافعى ومالك وابوحنيفة واحمد وجماهير العلماء من السلف والخلف يقع الثلث واحتج الجمهور لقوله تعالٰى ۔ وَمَنْ يَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهٗ ۔ (الآية) لَا تَدْرِىْ لَعَلَّ اللّٰهَ يُحْدِثُ بَعْدَ ذٰلِكَ اَمْرًا قالوا معناه ان المطلق قديحدث له ندم فلا يمكنه تداركه لوقوع البينونة فلوكانت الثلاث لم يقع لم يقع طلاقه هٰذا الا رجعيا فلا يندم ۔

(صحیح مسلم ج ۱ ص۴۷۸ کتاب الطلاق، باب طلاق الثلاث)

قال الشامىؒ، وذهب جمهور الصحابة والتابعين ومن بعدهم من ائمة المسلمين الى انه يقع الثلاث ۔ قال فى الفتح بعد سوق الاحاديث الدالة عليه وهٰذا يعارض ما تقدم واما امضاء عمر الثلث عليهم مع عدم مخالفة الصحابة له وعلمه بانها كانت واحدةً فلا يمكن الا وقد ثبت النقل عن اكثرهم صريحًا بايقاع الثلث ولم يظهر لهم مخالف فماذا بعد الحق الا الضلال ومن هٰذا قلنا لوحكم حاكم بانها واحدة لم ينفذ حكمه الخ ۔ (رد المحتار ج ۲ ص۴۱۹ کتاب الطلاق)

قرآن، حدیث اور فقہاء کرام کی عبارتوں کی رُو سے آپ کی منکوحہ مطلقہ ثلاثہ ہے بدون حلالہ آپ کے لیے حلال نہیں ہے۔ جن لوگوں نے حکم صحت رجعت کا عدت میں کیا یا وہ عدم وقوع طلاق کے قائل ہوئے وہ مخالف ہیں حکم خدا تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ۔

حلالہ کی صورت یہ ہے کہ آپ کی مطلقہ بعد گذارنے عدت تین حیض کے کسی اور شخص سے کفو میں نکاح کرے اور وہ شخص اس سے جماع کرنے کے بعد اپنی مرضی سے اُسے طلاق دے دے اور وہ اس کی عدت گذار کر خاوند اول کے نکاح میں آسکتی ہے۔ اور اگر اس بات کا خطرہ ہو کہ دوسرا خاوند طلاق نہ دے گا تو اس کا ایک حیلہ یہ کیا جا سکتا ہے کہ عورت اس شرط پر اس سے نکاح کرے کہ اپنے اوپر طلاق واقع کرنے کا اس کو اختیار ہو، پس جب وہ خاوند ایک مرتبہ اس سے جماع کر چکے تو یہ عورت اپنے اوپر از خود طلاق واقع کر سکتی ہے اور بعد گذارنے عدت کے خاوند اول کے نکاح میں آسکتی ہے ۔

اگر بالفرض حلالہ ساقط کرنے کے لیے آپ غیر مقلد بن جائیں تو بھی حلالہ ساقط نہیں ہو سکتا

اور بدون حلالہ کے شوہر اول مطلقہ ثلاثہ سے دوبارہ نکاح نہیں کر سکتا۔ در مختار میں ہے،
ان الحکم الملفق باطل بالاجماع وان الرجوع عن التقلید بعد العمل باطل اتفاقاً وھو المختار فی المذھب۔ (ج ۱ ص ۵۱)

اور اس غرض کے لیے غیر مقلد ہونے سے بجائے حلالہ ساقط ہونے کے ایک اور بہت بڑا گناہ سرزد ہوجائے گا جس سے ذہاب ایمان کا بھی اندیشہ ہے۔

کما قال الجوزجانیؒ فی رجل ترک مذھب ابی حنیفۃؒ لنکاح امرأۃ من اھل الحدیث فقال اخاف علیہ ان یذھب ایمانہ وقت النزع لانہ استخف بمذھبہ الذی ھو حق عندہ وترکہ لاجل جیفۃ۔ (شامی ج ۳ ص ۳۹۰،۳۰۴، امداد المفتین ج ۱ ص ۱۹۲)

ایک دو تین "تم آزاد ہو" کہنے سے طلاق واقع ہونے کا حکم

سوال:۔ اگر کوئی شخص اپنی بیوی سے ناچاقی کی صورت میں یہ کہے کہ "ایک دو تین تم آزاد ہو" ان الفاظ طلاق واقع ہوگی یا نہیں؟ اگر ہوگی تو کتنی؟ جبکہ عرف میں اس کو تین طلاق شمار کیا جاتا ہے، لوگ ان الفاظ "تم مجھ پر تین طلاق سے طلاق ہو" اور مذکورہ بالا الفاظ میں کوئی فرق نہیں کرتے۔ ایک عالم دین نے بتایا ہے کہ ان الفاظ سے صرف ایک طلاق بائن واقع ہوئی ہے۔ قرآن و سنت کی روشنی میں مذکورہ بالا الفاظ کی شرعی حیثیت کی وضاحت فرمائی جائے؟

الجواب:۔ وقوع طلاق میں عرف کا بہت بڑا دخل ہے، اگر کسی جگہ صورت مسئولہ میں درج شدہ الفاظ عرف میں تین طلاق کیلئے استعمال ہوتے ہوں تو وہاں عرف کے مطابق تین طلاق مغلظہ شمار ہوں گی، اسلئے کہ "تم آزاد ہو" کے الفاظ کو فقہاء نے عرف کی بناء پر طلاق صریح کے معنی میں لیا ہے۔ اگرچہ بظاہر مذکورہ جملہ میں عدد اور معدود کا کوئی تعلق نہیں ہے، دونوں ایک دوسرے سے مغائر ہیں مگر عرف نے دونوں کو ایک کر دیا ہے، اسی طرح آزاد اگرچہ الفاظ کنائی ہے مگر عرف نے ان کو الفاظ صریح میں استعمال کیا ہے اس لیے مذکورہ الفاظ انت طالق ثلاثاً کی طرح ہیں۔

قال العلامۃ ابن عابدینؒ: وان کان الحرام فی الاصل کنایۃ یقع بھا البائن لانہ لما غلب استعمالہ فی الطلاق لم یبق کنایۃ ولذا لم یتوقف علی النیۃ او دلالۃ الحال ..... ثم فرق بینہ وبین سرحتک فان سرحتک کنایۃ لکنہ فی عرف الفرس غلب استعمالہ فی الصریح ای سرحتک یقع بہ الرجعی مع ان اصلہ کنایۃ ایضاً وما ذاک الا لانہ غلب فی عرف الفرس استعمالہ فی الطلاق وقد مر ان الصریح مالم یستعمل الا فی الطلاق من ای لغۃ کانت۔ (رد المحتار ج ۲ ص ۴۳۸ باب الکنایات، کتاب الطلاق)

کئی دفعہ یہ کہنا کہ "میں تمہیں طلاق دیتا ہوں" سے طلاقِ مغلظہ کا حکم

سوال:۔ جناب مفتی صاحب!

میں بہت آس اُمید سے کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوتی ہوں امید ہے آپ ضرور میری راہنمائی کریں گے۔ میری شادی کو ۱۵ سال ہو چکے ہیں، دو بیٹے ہیں جن کی عمریں بالترتیب چودہ اور تیرہ سال ہیں، میں یہاں ابوظہبی میں درس و تدریس کے شعبے سے وابستہ ہوں، میرا مسئلہ کچھ اس طرح ہے کہ:۔

(۱) شادی کے شروع سالوں میں ہی میرے شوہر نے مجھ پر پابندی لگائی کہ اگر تم نے اپنی ٹانگوں اور بازوؤں سے بال صاف کئے تو میری طرف سے تمہیں طلاق ہے"! لیکن اس کے باوجود میں نے بہت دفعہ یہ بال صاف کئے کیونکہ مجھے یہ بال پسند نہیں ہیں۔

(۲) ۱۹۹۲ء میں میرے شوہر نے یہاں ایک فلپائنی عورت سے تعلق قائم کر لیا اور اس کی اکثر راتیں اُس عورت کے ساتھ گذرنے لگیں، مجھے جب پتہ چلا تو میں نے اس بات پر ان سے جھگڑا کیا، بہت زیادہ لڑائی ہوئی تو انہوں نے مجھے منہ پر کہا کہ میں تمہیں طلاق دیتا ہوں۔

(۳) ۱۹۹۳ء میں میرے شوہر کی یہاں سے نوکری ختم ہو گئی تو انہوں نے اس فلپائنی عورت کو ہمارے ساتھ ہی فلیٹ میں بلا لیا اور اس کے ساتھ رہنے لگے، میں اور میرے بچے دوسرے کمرے میں ہوتے تھے اور وہ فلپائنی عورت جس کا نام میری وک (MERRY VICK) کیونکہ وہ کرسچن تھی وہ لوگ بیڈ روم میں ہوتے تھے، ہر عورت کی طرح یہ بات میرے لیے ناقابلِ برداشت تھی، اگرچہ ہمارے درمیان جسمانی تعلقات ختم ہو چکے تھے پھر بھی ذہن میں یہ بات تھی کہ رشتے کی ایک ڈور تو باقی ہے۔ ایک دن اسی عورت کی وجہ سے ہمارے درمیان پھر لڑائی ہوئی تو میں نے اپنے شوہر سے کہا کہ آپ نے اس عورت کو بغیر نکاح کے رکھا ہوا ہے جو کہ بہت بڑا گناہ ہے، اس انہوں نے کہا کہ یہ میرا ذاتی معاملہ ہے" میں مرد ہوں جو چاہوں کروں تم کون ہوتی ہو مجھے منع کرنے یا روکنے والی؟ میں نے جواب دیا کہ آخر میں تمہاری بیوی ہوں میرا تم سے رشتہ ہے، اس نے کہا کہ اگر تم اس رشتے پر اکڑتی ہو تو جاؤ میں اس رشتے کو ختم کرتا ہوں اور میں تمہیں طلاق دیتا ہوں۔ اس کے بعد اس نے کئی لوگوں سے کہا کہ چونکہ میری بیوی میرے ذاتی معاملات میں دخل دیتی ہے اس لیے میں نے اسے چھوڑ دیا ہے، وہ میرے ساتھ لڑائی کرتی ہے وغیرہ۔

(۴) اس لڑائی کے کچھ دنوں بعد میرا بیٹا بیمار ہو گیا تو میں نے اسے کہا کہ بچہ بیمار ہے اور اسے ہسپتال لے کر جانا ہے، تو اس نے جواب دیا کہ میرا تمہارا کوئی رشتہ نہیں میری طرف سے تم

تم آزاد ہو جو چاہے کرو، مجھے بچے کی پرواہ نہیں ہے، میں تمہیں بتا دینا چاہتا ہوں کہ بچے میرے لیے زنجیر نہیں ہیں۔

جناب مفتی صاحب! ۱۹۹۳ء کے آخر میں اس کا ویزہ یہاں سے ختم ہوگیا اور وہ واپس پاکستان چلا گیا کیونکہ اس وقت تک فلپائنی عورت میری وِک سے بھی اس کا دل بھر چکا تھا، یہاں سے جانے کے بعد اُس نے ہم لوگوں سے کسی قسم کا رابطہ نہیں رکھا لیکن ہمیں کہیں نہ کہیں سے خبر ملتی رہی کہ وہ پاکستان جا کر کسی اور عورت کی زلفوں کا اسیر ہوگیا ہے اور شادی کر رہا ہے، پھر شاید ان لوگوں نے انکار کر دیا۔ واللہ اعلم بالصواب

اب تقریباً چھ سال کے بعد وہ لوٹ آیا ہے کیونکہ اسے کسی نے بھی قبول نہیں کیا، اب وہ یہاں آکر مجھے کہتا ہے کہ میں بچوں کے ساتھ رہنا چاہتا ہوں، کیونکہ ہمارا رشتہ ختم نہیں ہوا تم میرے بچوں کی ماں ہو، مجھے پاکستان میں ایک مولوی نے کہا ہے کہ تم اسی بیوی سے تجدید نکاح کر سکتے ہو اس لیے اب تم میرے ساتھ ان بچوں کی خاطر بیوی بن کر رہو، میں تمہیں شکایت کا موقع نہیں دوں گا، وغیرہ وغیرہ۔

جناب مفتی صاحب! میں جانتی ہوں کہ یہ زندگی عارضی ہے اور میں اب کوئی غلط کام کر کے اپنی آخرت خراب کرنا نہیں چاہتی۔ اس لیے آپ سے رجوع کر رہی ہوں کہ اس مسئلے میں میری راہنمائی فرمائیں کہ شریعت مقدسہ کا اس بارے میں کیا حکم ہے؟ برائے مہربانی اپنا فیصلہ ایک الگ صفحے پر لکھ کر بھیجیں تاکہ میں اُس کے وکیل کو دکھا سکوں، خدا آپ کو اس کی جزائے خیر دے گا، میں جواب کی شدت سے منتظر رہوں گی۔ (پریشان حال مسز شہناز چوہدری ابوظہبی)

الجواب: شریعتِ اسلامی میں حلال اور جائز اشیاء میں سے مبغوض ترین شے طلاق ہے اس سے وہ عظیم رشتہ جو میاں بیوی کے مابین ہوتا ہے ختم ہو جاتا ہے۔ اس میں حقیقت و مذاق شرعاً دونوں برابر ہیں بلکہ اِدھر شوہر کی زبان سے ان الفاظ کا نکلنا ہوتا ہے اُدھر بیوی مطلقہ ہو جاتی ہے، حتیٰ کہ الفاظ صریح (لفظ طلاق) بغیر نیت کے بھی طلاق واقع ہو جاتی ہے اسلئے شوہر کو ان الفاظ کے استعمال سے حتی الامکان پرہیز کرنا چاہیئے۔

صورتِ مسئولہ کے مطالعہ اور غور سے دیکھنے کے بعد دو قسم کی طلاق کا ثبوت ملتا ہے (۱) طلاقِ معلق کا جو شادی کے شروع سالوں میں...... "کہ اگر تم نے اپنی ٹانگوں اور بازوؤں سے بال صاف کیے تو تمہیں طلاق ہے" سے معلوم ہوتا ہے۔ ایسی طلاق کا حکم یہ ہے کہ

جس شرط کے ساتھ اس طلاق کو معلق کیا گیا ہو اس کے پورا ہونے کے بعد بیوی پر طلاق واقع ہو جاتی ہے۔ چونکہ یہاں یہ شرط پوری ہو چکی ہے جس پر آپ کے یہ الفاظ "لیکن اس کے باوجود میں نے بہت دفعہ یہ بال صاف کئے" دلالت کرتے ہیں، لہٰذا آپ پر ایک طلاقِ رجعی واقع ہو چکی ہے۔

(۲) دوسری "طلاق مؤجز" ایک طلاق مؤجز تو رقم ۱ کے ان الفاظ "کہ میں تمہیں طلاق دیتا ہوں" سے معلوم ہوتا ہے اور دوسرے رقم ۳ ۱۹۹۳ء کے الفاظ "میں اس رشتے کو ختم کرتا ہوں، میں تمہیں طلاق دیتا ہوں" سے معلوم ہوتا۔ اس دوسری قسم کی دو طلاق بھی صریح ہیں اس لیے واقع ہو چکی ہیں۔ لہٰذا اگر صورتِ مسئولہ کے مطابق تمام واقعات درست ہوں اور شوہر نے وہ الفاظ بعینہٖ اسی طرح کہے ہوں جو آپ کے خط میں تفصیلاً مذکور ہیں تو بناء بریں آپ کا خاوند بیوی کا رشتہ طلاقِ مغلظہ کے ساتھ ختم ہو چکا ہے، اب آپ اس کی بیوی نہیں رہیں اگرچہ بچوں کی ماں ضرور ہیں لیکن ایک بیوی کی حیثیت سے اس کے ساتھ اکٹھے رہنا بغیر حلالۂ شرعی کے ناجائز و حرام ہے۔ اور اگر کسی مولوی صاحب نے آپ کے شوہر کو بغیر حلالہ کے تجدیدِ نکاح کا کہا ہو تو یہ شرعاً غلط ہے اُس کے قول پر عمل کرنا آپ کے لیے کسی طرح بھی جائز نہیں ہے۔

لقولہٖ تعالیٰ: اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ فَاِمْسَاكٌۢ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ تَسْرِیْحٌۢ بِاِحْسَانٍ وَلَا یَحِلُّ لَكُمْ اَنْ تَاْخُذُوْا ...... فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهٗ مِنْۢ بَعْدُ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَیْرَهٗ۔ (البقرۃ آیت ۔۔۔) [1]

تمہاری بیوی پر طلاق ہو کے جواب میں "ہاں" کہنے کا حکم

سوال:- جناب مفتی صاحب! کسی دوست کے ساتھ کسی موضوع پر میری بات چیت ہو رہی تھی، اس نے باتوں کے درمیان مجھ سے کسی بات کے متعلق پوچھا اور کہا کہ آپ پر آپ کی بیوی تین طلاق پر طلاق ہو کر جھوٹ نہ بولو گے۔ جواب میں میں نے صرف ہاں کہا، اور پھر میں نے وہ جھوٹ بات کہہ دی۔ اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ اس طرح میری پر تین طلاق واقع ہو گئی ہے یا نہیں؟ تفصیل سے مجھے سمجھائیں تاکہ

---

[1] لما فی الھندیۃ: من قال لامرأتہ ان دخلت الدار فانت طالق یتعلق الطلاق بالدخول۔ (الفتاوی الھندیۃ ج ۱ ص ۴۲۰ کتاب الطلاق)

میرے دل سے شک و شبہ نکل جائے ؟

الجواب :۔ عبارت مذکورہ بالا سے معلوم ہوتا ہے کہ سائل نے جب اپنے دوست کے خط کشیدہ الفاظ کہنے پر "ہاں" کہا تو سائل ہی حالف بن گیا یعنی اس نے اپنی بیوی پر تین طلاق واقع ہونے کو جھوٹ کہنے سے مشروط کر دیا اور جب اس نے گفتگو میں جھوٹی بات کہی تو اس کی بیوی پر شرط موجود ہونے کی وجہ سے تین طلاق واقع ہو کر مطلقہ مغلظہ ہو چکی ہے اور اب وہ حلالہ شرعی کے بغیر اس کے لیے حلال نہیں ہو سکتی۔

درمختار میں ہے، ولو قال علیك عهد الله إن فَعَلْتَ كذا فقال نعم فالحالف المجیب ۔ (الدر المختار علی ہامش رد المحتار جلد ۳ ص ۱۵۲ کتاب الطلاق)

وفی الشامیة : ولا یمین علی المبتدئ وان نوی الیمین خانیة وفتح اھ ای الاسناده الحلف الی المخاطب فلا یمکن أن یکون الحالف غیرہ ۔ (جلد ۳ ص ۱۵۲)

وفی الدر المختار : قیل له ان کنت فعلت کذا فامرأتك طالق فقال نعم وقد کان فعل طلقت ۔ وفی الاشباه القاعدة الحادیة عشر السؤال معاد فی الجواب ، قال امرأة زید طالق أو عبده حر أو علیه المشی لبیت الله إن فعل کذا و قال زید نعم کان حالفاً ۔ الی آخرہ

(الدر المختار علی ہامش رد المحتار ج ۳ ص ۱۵۳ کتاب الطلاق)

باب تعلیق تفویض الطلاق

(طلاق معلق ومفوض کے مسائل و احکام)

طلاق کو کسی کام سے معلق کرنا

سوال :۔ اگر کسی شخص نے اس طرح قسم کھائی کہ اگر میں گھر جانے سے پہلے مکہ مکرمہ نہ جاؤں تو مجھ پر بیوی طلاق ہے، پھر وہ شخص مکہ مکرمہ جانے سے پہلے ہی گھر چلا گیا، تو اس سے نکاح پر کیا اثر پڑے گا؟

الجواب :۔ صورت مرقومہ میں گھر کو مکہ مکرمہ جانے پر موقوف کر کے قسم اٹھائی گئی ہے لہٰذا جب یہ شخص مکہ جانے سے پہلے گھر چلا جائے تو اس کی بیوی پر ایک طلاق واقع ہو گی، چونکہ مکہ مکرمہ جانا امر ممکن ہے اس لیے مالی وسائل کے فقدان کی وجہ سے حنث پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔

لما فی الهندية : واذا اضافه الى الشرط وقع عقيبه اتفاقاً۔ (الفتاوى الهندية ج ۱ ص ۴۲۰ الفصل الثالث فی تعليق الطلاق بكلمة ان واذا وغيرها) [۱]

کسی کو قتل کرنے پر طلاق معلق کرنا

سوال :۔ ایک شخص نے قسم اٹھائی کہ اگر میں نے تم کو قتل نہ کیا تو میری بیوی پر طلاق ہو گی، بعد میں اس شخص نے قتل سے اجتناب کیا ہے، اندریں صورت اس کی بیوی پر طلاق ہو گی یا نہیں؟

الجواب :۔ طلاق کو عدم قتل سے معلق کرنا ممکن الوقوع ہے اس لیے یہ قسم اپنی جگہ میں منعقد ہے تاہم اس شخص پر علی الفور حنث لازم نہیں جس سے اس شخص پر بیوی طلاق ہو، البتہ اگر متعلقہ شخص اپنی موت مر جائے یا قسم کھانے والا اس کو قتل کرنے کے بغیر مر جائے تو ایسی حالت میں اس کی بیوی اس پر طلاق ہو گی، بظاہر الفاظ قسم میں طلاق کی تعداد کا ذکر نہیں اس لیے ایک ہی طلاق واقع ہو گی۔

قال العلامة الحصكفی رحمه الله : لو حلف ليفعلنه برّ بمرة۔ وقال العلامة ابن عابدين، تحت هذا القول، واذا لم يفعل لا يحكم بوقوع الحنث حتى يقع الياس

---

[۱] قال العلامة برهان الدين المرغينانی : واذا اضافه الى شرط وقع عقيب الشرط۔

(الهداية ج ۲ ص ۳۸۵ باب الايمان فی الطلاق)

ومثله فی بدائع الصنائع ج ۳ ص ۳۰ كتاب الايمان۔

عن الفعل وذٰلک بموت الحالف او بفوت محل الفعل۔ (ردالمحتار ج ۳ ص ۱۴۸)
باب الیمین فی الضرب والقتل وغیرذٰلک)؎۱

جان بچانے کے لیے طلاق پر جھوٹی قسم کھانا

سوال:۔ ایک شخص نے جان کی خلاصی کے لیے طلاق پر جھوٹی قسم اٹھائی اور یوں کہا کہ طلاق پر قسم ہے میں سچ کہہ رہا ہوں، جبکہ حقیقت میں وہ سچا نہیں، تو کیا اس سے طلاق واقع ہوگی یا نہیں؟

الجواب:۔ ایسے الفاظ عُرف میں طلاق کے لیے استعمال نہیں ہوتے اس لیے ان سے طلاق واقع نہیں ہوگی اور نہ ان الفاظ سے قسم منعقد ہوتی ہے۔

لما فی الهندیة: وفی الفتاوٰی لو قال سوگند خورم بطلاق لیس بتطلیقة لان الناس لم یتعارفوه یمیناً بالطلاق۔ (الفتاوٰی الهندیه ج ۲ ص ۵۸ الباب الثانی فیما یکون یمیناً ومالا یکون یمیناً۔
الفصل الاول فی تحلیف الظلمة وفیما ینوی الحالف غیر ما ینوی المستحلف)؎۲

نکاح سے قبل طلاق معلق کا حکم

سوال:۔ کسی لڑکے کے لیے اس کے والدین نے ایک گھر میں رشتہ کرنا چاہا لیکن لڑکی والوں کے ناجائز مطالبات کی وجہ سے لڑکے نے کہا کہ اگر اس نے اس لڑکی سے نکاح کیا تو یہ مجھ پر طلاق ہوگی۔ تو کیا نکاح ہونے کے بعد یہ لڑکی اس لڑکے کے نکاح میں رہ سکتی ہے یا اس پر طلاق واقع ہوگی؟

الجواب:۔ صورتِ مرقومہ میں چونکہ طلاق کو نکاح سے معلق کیا گیا ہے اس لیے نکاح ہوجانے کے بعد لڑکی پر طلاق واقع ہوگی لیکن قسم میں طلاق کا چونکہ ایک دفعہ ذکر ہے اس لیے دوسری دفعہ نکاح کرنے کے بعد لڑکی اس کے نکاح میں آسکتی ہے، تاہم اگر ایجاب وقبول دوبارہ یا سہ بارہ ہوتو

؎۱ قال العلامة المرغینانیؒ: وان حلف لیفعلن کذا ففعله مرة واحدة بر فی یمینه لان الملتزم فعل واحد غیر عین اذا لمقام مقام الاثبات فیاتی فعل فعله وانما یحنث لوقوع الیأس عنه وذٰلک بموته اوبفوت محل الفعل۔ (الهدایة ج ۲ ص ۴۹۵ باب الیمین فی تقاضی الدراهم)
ومثله فی الفتاوٰی الهندیة ج ۲ ص ۱۲۹ الباب الحادی عشر فی الیمین فی الضرب۔
؎۲ قال العلامة قاضی خانؒ: ولو قال سوگند خورم بطلاق که این کار نکنم لا یکون یمیناً۔
(الفتاوٰی قاضی خان علی هامش الهندیة ج ۲ ص ۷ فصل فی الفاظ الیمین بالفارسیة)
ومثله فی الفتاوٰی البزازیة علی هامش الهندیة ج ۴ ص ۲۴۷ کتاب الایمان۔ نوع الثانی فیما یکون یمیناً)

پہلی بار ایجاب سے نکاح ہو کر طلاق واقع ہوگی، دوسری یا تیسری بار ایجاب وقبول سے دوبارہ نکاح منعقد ہوگا۔

قال العلامة الحصكفيؒ: شرطه الملك او الاضافة اليه كان نكحتك فانت طالق۔
(الدر المختار على هامش رد المحتار ج۲ ص۵۳۷ باب التعليق) [1]

طلاق معلق سے بچنے کا حیلہ

سوال:- ایک شخص نے کسی کام کے کرنے سے تین طلاق معلق کی ہیں، ابھی تک توحنث کا موقع نہیں آیا، ممکن ہے کسی وقت حنث واقع ہو کر عورت مطلقہ مغلظہ بن جائے، ایسی حالت میں اس خطرہ سے بچنے کیلئے اس شخص کو کیا لائحہ عمل اختیار کرنا چاہیئے؟

الجواب:- طلاق معلق کی صورت میں شرط کی موجودگی میں طلاق کا واقع ہونا ایک ضروری امر ہے تاہم اس سے بچنے کے لیے یہ تدبیر اختیار کی جا سکتی ہے کہ یہ شخص بیوی کو طلاق بائن دے کر فارغ کرے، عدت گذرنے کے بعد یہ عورت اس کے نکاح سے نکل جائے تو آزادی کی حالت میں یہ شخص وہ کام کرے جس سے طلاق معلق کی ہے، چونکہ اس وقت عورت اس کی ملک میں نہ ہونے کی وجہ سے طلاق غیر مؤثر رہے گی، اور ایک دفعہ حانث ہونے سے یمین پورا ہو کر دوبارہ کرنے سے حنث لازم نہیں آتا اس لیے جب دوبارہ نکاح کرے تو ابھی متعلقہ کام کرنے سے حنث لازم نہیں آئے گا۔

قال ابن عابدينؒ: لو حلف لا يخرج امرأته الا باذنه فخرجت بعد الطلاق وانقضاء العدة لم يحنث وبطلت اليمين بالبينونة حتى لو تزوجها ثانيا ثم خرجت بلا اذن لم يحنث. (رد المحتار ج۲ ص۵۴۴ باب التعليق مطلب في التكسير الخ) [2]

---

[1] قال العلامة المرغينانيؒ: واذا اضاف الطلاق الى النكاح وقع عقيب النكاح مثل ان يقول لامرأة ان تزوجتك فانت طالق او كل امرأة اتزوجها فهي طالق۔
(الهداية ج۲ ص۳۸۵ باب الايمان في الطلاق)

وَمِثْلُهٗ في الهندية ج۱ ص۴۲۰ الفصل الثالث في تعليق الطلاق بكلمة ان واذا وغيرها۔

[2] قال العلامة الحصكفي رحمه الله: فحلية من علق الثلاث بدخول الدار ان يطلقها واحدة ثم بعد العدة تدخلها فتنحل اليمين فينكحها۔ (الدر المختار على هامش رد المحتار جلد۲ ص۵۴۵ باب التعليق۔ مطلب اختلاف الزوجين في وجود الشرط)

وَمِثْلُهٗ في الهندية ج۱ ص۴۱۶ الباب الرابع في الطلاق بالشرط، الفصل الاول في الفاظ الشرط۔

طلاق کُلّما کی حقیقت

سوال:۔ ایک شخص نے گواہوں کے سامنے اقرار کیا کہ میں نے طلاق کلما دی ہے، اس سے کون سی طلاق واقع ہوگی؟

الجواب:۔ طلاق کلما کی حقیقت حروفِ شرط کے ساتھ ذکر ہوکر خاص الفاظ ہیں، ویسے یہ عنوان معنون کے وجود کے لیے لازم نہیں، اس لیے صرف عنوان ذکر کرنے سے اس کی کوئی حقیقت نہیں پائی جاتی۔

قال العلامة ابن عابدینؒ : ناقلاً عن البزازیة انه قد اشتهر فی رساتیق شروان ان من قال جعلت کلما او علیّ کلما انه طلاق ثلاث معلق وهذا باطل من هذیانات العوام۔ (رد المحتار حاشیه الدر المختار ج۲ ص۴۶۵ باب الصریح) [1]

کُلّما طلاق کے وقوع سے بچنے کی صورت

سوال:۔ ایک شخص نے کسی کام سے اجتناب اور پرہیز کرنے کے لیے بڑی تاکید کرتے ہوئے کہا: "اگر میں نے فلاں کام کیا تو جب بھی میں نکاح کروں وہ بیوی مجھ پر طلاق ہوگی" ایسے شخص کو طلاق سے بچنے کے لیے کیا تدبیر اختیار کی جاسکتی ہے؟

الجواب:۔ ایسی طلاق فقہاء کی اصطلاح میں "طلاق کلما" کے عنوان سے معنون ہے جس میں شخص مذکور اگر متعلقہ کام کرنے کے بعد اصالتًا یا وکالتًا نکاح کرے تو بیوی اس پر طلاق ہوگی، کیونکہ نکاح کے وکیل کے تصرفات کی نسبت بھی مؤکل کی طرف ہوتی ہے۔ تاہم فقہاء نے اس سے بچنے کے لیے ایک حیلہ تجویز کیا ہے جس کی وجہ سے اس کی زندگی بن جانے کی توقع کی جاسکتی ہے، اور وہ یہ ہے کہ ایسا شخص اپنی حالت کسی ایسے عالم کے سامنے بیان کرے جو اس کی ضروریات کو جان کر اس کے لیے بحیثیت فضولی نکاح کرائے اور شخص مذکور کسی توکیل یا زبان سے ایجاب وقبول کے بجائے عملی طور پر اجازت دے دے جس سے نکاح متصور ہوگا۔

قال ابن عابدینؒ والحیلة فیه ما فی البحر ان یزوجه فضولی ویجیز بالفعل کسوق الواجب الیها۔ (رد المحتار ج۲ ص۵۳۴ باب التعلیق) [2]

---

[1] وقال ابن البزازؒ : واشتهر ایضًا انه اذا قال جعلت کلما او علیّ کلما انه طلاق ثلاث معلق وهذا ایضًا باطل وهذا من هذیانات العوام لانهایة لها۔ (الفتاوی البزازیة علی هامش الهندیه ج۴ ص۳۴۷ نوع فی تعلیقه بالملک)

[2] وفی الهندیة: واذا قال کل امرأة اتزوجها فهی طالق فزوجه فضولی واجازه بالفعل بان ساق المهر ونحوه لا تطلق۔ (الفتاوی الهندیة ج۱ ص۴۱۹ الفصل الثانی فی تعلیق الطلاق بکلمة کل وکلما)

ومثله فی البزازیة علی هامش الهندیة ج۴ ص۲۵۴ نوعٌ فی تعلیقه بالملک۔

میں گھر آیا تو تجھے طلاق ہوگی

سوال:۔ ایک شخص نے بیوی سے کہا اگر میں گھر آیا تو تجھے طلاق ہوگی، اب وہ خود تو گھر نہیں گیا لیکن کسی دوسرے شخص نے اسے اٹھا کر جبراً گھر میں داخل کردیا، تو کیا اس سے طلاق واقع ہوگی یا نہیں؟

الجواب:۔ شخص مذکور کی مرضی کے بغیر اسے اٹھا کر جبراً گھر میں لانے سے طلاق واقع نہیں ہوگی۔

لما فی الهندية: فان احتمله غيره فادخله بغير امره لم يحنث سواء كان راضيا بذلك بقلبه او ساخطا وسواء كان قادرا على الامتناع او لم يكن۔

(الفتاوى الهندية ج۲ ص۶۸ الباب الثالث فى اليمين على الدخول والسكنى)[1]

کسی کے گھر جانے سے منع کرنے کیلئے طلاق پر قسم کھانا

سوال:۔ ایک شخص نے اپنی بیوی کو کسی کے گھر جانے سے منع کرنے کے لیے کہا کہ اگر تو اس وقت فلاں کے گھر گئی تو تو مجھ پر طلاق ہے، اب اگر اس کی بیوی اُسی وقت یا اس کے بعد اُس گھر گئی تو طلاق واقع ہوگی یا نہیں؟

الجواب:۔ صورت مسئولہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ زوج کا قول اُسی مجلس سے خاص ہے، اگر بیوی اس مجلس سے اٹھ کر فلاں کے گھر چلی گئی تو طلاق ہے اور اگر اس مجلس کے بعد اس گھر گئی تو پھر طلاق واقع نہیں ہوگی۔

قال المرغينانیؒ: ولو ارادت المرأة الخروج فقال ان خرجت فانت طالق فجلست ثم خرجت لم يحنث وكذلك ان اراد ضرب عبده فقال له اخر ان ضربته فعبدى حر فتركه ثم ضربه وهذه تسمى يمين فور تفرد ابو حنيفة باظهاره الخ۔ (الهداية ج۲ ص۴۸۶ باب اليمين فى الخروج والاتيان والركوب وغير ذلك)[2]

---

[1] قال قاضيخانؒ: ولو حلف ان لا يدخل.... وان احتمله انسان وادخله فيها فان كان الحالف لا يقدر على الامتناع لا يحنث فى قولهم وان كان يقدر ولم يمتنع وهو راض بقلبه اختلفوا فيه والصحيح انه لا يحنث۔ (فتاوى قاضيخان ج۲ ص۳۱۸، فصل فى الدخول، كتاب الايمان) ـــــ ومثله فى خلاصة الفتاوى ج۲ ص۱۶۵، الفصل السابع عشر فى اليمين فى الدخول۔

[2] قال ابن نجيمؒ: امرأة تهيأت للخروج فحلف لا تخرج فاذا جلست ساعة ثم خرجت لا يحنث لان قصده ان يمنعها من الخروج الذى تهيأت له فكانه قال ان خرجت الساعة ومنه من اراد ان يضرب عبده فحلف عليه لا يضربه فاذا تركه ساعة بحيث يذهب فوره ذلك ثم ضربه لا يحنث۔ (البحر الرائق شرح كنز الدقائق ج۴ ص۳۱۵ باب اليمين فى الدخول والخروج والسكنى والاتيان وغير ذلك) ـــــ ومثله فى خلاصة الفتاوى ج۲ ص۱۶۷ كتاب الايمان، الفصل الثانى عشر فى الخروج والاتيان والدعاء)

طلاق کے ساتھ متصل ان شاء اللہ کہنے کا حکم

سوال:۔ اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو طلاق دے کر ساتھ ہی متصلاً یہ کہے" انشاء اللہ تعالیٰ" کیا اس طرح یہ طلاق واقع ہوتی ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ جب طلاق دینے کے بعد متصلاً انشاء اللہ تعالیٰ کہا جائے تو اس سے طلاق واقع نہیں ہوتی۔

قال العلامة برهان الدين المرغيناني: واذا قال الرجل لامرأته انت طالق انشاء الله متصلاً لم يقع الطلاق۔ (الهداية على صدر فتح القدير ج ۳ ص ۱۴۶ كتاب الايمان فى الطلاق) [1]

اگر فلاں کام کیا تو طلاقی ہوں گا

سوال:۔ کسی شخص نے قسم اٹھاتے ہوئے یوں کہا" اگر اس نے فلاں کام کیا تو طلاقی ہوں گا" کیا اس کام کے کرنے پر طلاق واقع ہوگی یا نہیں؟

الجواب:۔ طلاقی عرف میں اُس شخص کو کہا جاتا ہے جس نے بیوی کو طلاق دیدی ہو، اس لیے مذکورہ الفاظ کہنے کے بارے میں مستقل جزئیہ نہیں ملا لیکن عام قواعد سے اندازہ ہوتا ہے کہ حانث ہونے پر ایک طلاق واقع ہوگی۔

لما قال العلامة ابن عابدين: وقد تعورف فى عرفنا فى الحلف الطلاق يلزمني لا افعل كذا يريد ان فعلته لزم الطلاق ووقع فيجب ان يجري عليهم لانه صار بمنزلة قوله ان فعلت فانت طالق، وكذا تعارف اهل الارياف الحلف بقوله على الطلاق لا افعل۔ الخ

(رد المحتار على الدر المختار ج ۲ ص ۴۶۹ باب الصريح) [2]

طلاق کے لیے کسی اور کو حق دینا

سوال:۔ ایک شخص نے اپنی بیوی کو طلاق دینے کا حق اپنے والد کو اس طرح دیا کہ میں فلاں ابن فلاں بقائمی ہوش و حواس"

---

[1] قال العلامة التمرتاشي: قال لها انت طالق انشاء الله تعالى متصلاً مسموعاً لا يقع۔

(تنوير الابصار على هامش رد المختار ج ۲ ص ۵۵۲ باب التعليق)

وَمِثْلُهٗ فى كنز الدقائق ج ۱ ص ۱۲۳ باب التعليق۔

[2] وقال العلامة ابن نجيم: وفى فتح القدير وقد تعورف فى عرفنا فى الحلف الطلاق يلزمني لا افعل كذا يريد ان فعلته لزم الطلاق ووقع فوجب ان يجري عليهم ——— الخ

(البحر الرائق شرح كنز الدقائق ج ۳ ص ۲۵۲ باب الطلاق)

وَمِثْلُهٗ فى فتح القدير ج ۳ ص ۱۴۶ كتاب الايمان فى الطلاق۔

برضا و رغبت، بلا کسی جبر و اکراہ کے اپنی بیوی کو طلاق دینے کا حق اپنے والد کو تفویض کرتا ہوں، اس پر اس کے دستخط اور گواہ بھی موجود ہوں، کیا اس کے بعد والد بیٹے کی بیوی کو طلاق دے سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ طلاق میں مطلقاً توکیل درست ہے، اس لیے اگر بیٹے نے باپ کو طلاق دینے کے اختیارات دیئے ہوں تو والد کسی وقت بھی ان اختیارات کو استعمال کرکے اپنے بیٹے کی بیوی کو طلاق دے سکتا ہے، تاہم بیٹا کسی وقت بھی اس سے رجوع کرسکتا ہے جس کے بعد والد کو طلاق دینے کا حق باقی نہیں رہے گا۔

قال العلامة الحصکفیؒ: واما فی طلقی ضرتك او قوله لاجنبی طلق امرأتی فیصح رجوعه منه ولم یقید بالمجلس لانه توکیل محض۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۳ ص ۳۱۵ باب تفویض الطلاق) لـه

بیوی کو طلاق کا حق دینا

سوال:۔ ایک شخص نے اپنی بیوی کو طلاق کا حق سونپتے ہوئے کہا "طلقی نفسك" تو کیا اس اختیار سے عورت تین طلاق بھی استعمال کرسکتی ہے، کیا اس سے تین طلاق واقع ہوں گی؟

الجواب:۔ صورتِ مسئولہ میں چونکہ شوہر کی طرف سے بیوی کو اختیارِ کل حاصل ہے لہٰذا اگر عورت تین طلاق استعمال کرنی چاہے تو بھی درست ہے بشرطیکہ شوہر نے تین کی نیت کی ہو ورنہ ایک طلاق کا اختیار تو عورت کو حاصل ہے ہی۔

لما قال العلامة الحصکفیؒ: قال لها طلقی نفسك ھذا تفویض بالصریح ولا یحتاج الی النیة والواقع به رجعی وتصح فیه نیة الثلاث۔ (الدر المختار علی هامش رد المحتار ج ۲ ص ۵۱۵ باب تفویض الطلاق) ۲ـه

لـه قال العلامة طاهر بن عبد الرشید البخاریؒ: ما یدل علی جواز الوکالة فی الطلاق وصحته ما نصه۔ وفی المحیط: سئل شمس الاسلام عمن قال لغیره طلق امرأتك فقال ذلك الغیر الحکم لك فقال ان کان الحکم لی طلقتها ..... الخ
(خلاصة الفتاوی ج ۲ ص ۸۹ کتاب الطلاق، جنس آخر فی التوکیل ..... الخ)

۲ـه وفی الهندیة: قال لها طلقی نفسك سواء قال لها ان شئت او لم یقل فلها ان تطلق نفسها۔ (الفتاوی الهندیة ج ۱ ص ۴۰۲ الفصل الاول فی المشیئة)

بَابُ تَفْرِيْقِ مَفْقُوْدِ الْخَبَرِ وَنَحْوِهٖ

(مفقود الخبر وغیرہ کی تفریق کے مسائل)

مفقود الخبر کی بیوی کا نکاحِ ثانی کرنا

سوال:۔ ایک بالغ لڑکی کا نکاح ایک لڑکے سے کر دیا گیا، ابھی رخصتی عمل میں نہیں آئی کہ اس کا خاوند لاپتہ ہو گیا جس پر آٹھ سال گذر گئے ہیں، تمام ذرائع ابلاغ اور دستیاب وسائل سے اس کی تلاش کی گئی تاہم اس کی موت وحیات کا پتہ نہ چل سکا، لڑکی جوان ہے اور اس کا کوئی سرپرست بھی نہیں کیا شریعت میں اس کیلئے فسخ نکاح کی کوئی صورت ہے تاکہ وہ کسی دوسری جگہ نکاح کرے۔

الجواب:۔ زوجہ مفقود الخبر کے بارے میں فقہ حنفی کی جزئیات پر عمل کرنا مشکل ہے، کیونکہ مدت دراز تک بیوی کیلئے خاوند کا انتظار کرنا متعدد معاشی اور اخلاقی مسائل کا موجب بن سکتا ہے۔ اس لیے فقہاء کرام نے امام مالکؒ کے مذہب کو مدنظر رکھتے ہوئے کچھ آسانی کی صورت پیدا کی ہے کیونکہ بوقت ضرورت دوسرے فقہاء کے مذہب پر عمل کرنا مرخص ہے۔

قال العلامة ابن عابدینؒ: وقد کان بعض اصحابنا یفتون بقول مالکؒ فی ھٰذہ المسئلة للضرورة ثم رأیت ما بحثته بعینه۔ ذکرہ محشی مسکین عن السید الحمویؒ وسیأتی نظیر ھٰذہ المسئلة فی زوجة المفقود حیث قیل انه یُفتی بقول مالکؒ انھا تعتد عدة الوفاة بعد مضی اربع سنین۔ (رد المحتار علی الدر المختار ج۳ ص۵۰۹ باب العدة)

وقال فی موضع اٰخر: وذکر الفقیه ابو اللیثؒ فی تأسیس النظائر انه اذا لم یوجد فی مذھب الامام قول فی مسئلة یرجع الی مذھب مالکؒ لانه اقرب المذاھب الیه۔ (رد المحتار علی الدر المختار ج ص۵۸۴)

وقال فی مذھب مالک زوجة المفقود: وقال فی الدر المنتقی بأولی لقول القھستانی لو افتی به فی موضع الضرورة لا بأس به علیٰ ما اظن (الی ان قال) وقد قال فی البزازیة الفتوی فی زماننا علیٰ قول مالکؒ۔ (رد المحتار جلد۴ ص۲۹۵ کتاب المفقود، مطلب فی الافتاء بمذھب مالکؒ فی زوجة المفقود)

اسلئے ایسی حالت میں امام مالکؒ کے مذہب پر عمل کرنا جائز ہے، چونکہ فقہاء احناف

نے اس پر عمل کی گنجائش پیدا کی ہے اس لیے یہ فقہ حنفی ہی کا حکم شمار ہو گا۔

پس جس عورت کا خاوند لاپتہ ہو اور چار سال اس کے لاپتہ ہونے پر گذر جائیں اور اس کی حیات و ممات کے بارے میں کوئی معلومات نہ ہوں تو اب اگر عورت خاوند کے انتظار میں بیٹھی رہے تو اس کو نان و نفقہ کا مسئلہ درپیش ہو گا، اگر اخراجات کا مسئلہ کہیں سے حل ہو جائے لیکن بغیر خاوند کے بیٹھے میں کسی بے راہروی کے شکار ہونے کا اندیشہ ہو تو اس حالت میں اپنے آپ کو کسی امتحان میں ڈالنے کے بجائے خلاصی کی صورت تلاش کرنا زیادہ مناسب ہے تاکہ عورت اپنی مرضی سے کسی دوسری جگہ نکاح کر سکے۔

ایسی عورت کو علماء کرام یہ مشورہ دیتے ہیں کہ وہ چار سال تک انتظار کرنے کے بعد کسی مسلمان حاکم کی عدالت میں اپنا معاملہ لے جائے، عدالت ایک سال تک ممکنہ ذرائع سے اس کے خاوند کو تلاش کرے، اگر خاوند کہیں مل جائے یا اس کی موت قطعی اور یقینی طور پر ثابت ہو تو فبہا و نعمت، ورنہ ایک سال کی تحقیق کے بعد متعلقہ عدالت خاوند کی عورت کو فسخ نکاح کی ڈگری صادر کرے گی جو عورت کے حق میں طلاق بائن شمار ہو گی جس کی رو سے عدت گذارنے کے بعد یہ عورت دوسری جگہ نکاح، اسی حالت میں اگر خاوند کہیں سے آجائے تو عدالت کا فیصلہ اس کے آنے سے متاثر نہیں ہوتا بلکہ بیوی دوسرے خاوند کے پاس رہے گی۔

حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ اس مسئلہ کے بارے میں یوں روشنی ڈالتے ہیں "مفقود کو باتفاق ائمہ مجتہدین اپنے مال کے بارہ میں اس وقت تک زندہ تسلیم کیا گیا ہے کہ جبتک اسکے ہم عمر وہم قرن لوگ زندہ پائے جائیں، جس وقت بستی میں اسکے ہم عمر لوگ ختم ہو جائیں اس وقت اس کی موت کا حکم کیا جاتا ہے یعنی قاضی اسکی موت کا حکم دیدیتا ہے اور اس کی میراث وغیرہ تقسیم کرنے کی اجازت ہو جاتی ہے، اس پر ائمہ ثلاثہ یعنی امام اعظم ابو حنیفہؒ، امام مالکؒ، امام شافعی رحمہم اللہ تعالیٰ اجمعین کا اتفاق ہے۔ کما ھو مصرح فی کتبہم اور امام اعظمؒ اور امام شافعیؒ اور بہت سے دوسرے مجتہدین نے زوجہ مفقود میں بھی یہی حکم باقی رکھا کہ جبتک مفقود کے ہم عمر لوگ ختم نہ ہوں اس وقت تک وہ زندہ ہے اور حسب قاعدہ اسکی بیوی کو دوسری جگہ نکاح کرنا جائز نہیں، البتہ بعض صورتوں میں حنفیہ کے نزدیک وجہ مفقود الخبر کو اسکے ہم عمروں کے ختم ہونے سے پیشتر بھی قاضی نکاح کی اجازت دے سکتا ہے یعنی جبکہ

اس مفقود کے ظاہر حال سے اس کی ہلاکت وموت کا غالب گمان ہو جیسے وہ شخص جو معرکۂ جنگ میں گم ہوگیا یا ایسے مرض کی حالت میں نکل گیا ہو جس میں موت کا گمان غالب ہے یا سمندر میں سفر کیا ہو اور ساحل پر پہنچنے کا پتہ نہ چلا ہو) اس قسم کی صورتوں میں اتنا انتظار کرکے موت کا حکم دے دیا جاوے گا کہ جس میں حاکم کو مفقود کے فوت ہوجانے کا غلبۂ ظن ہو جاوے اور اس حکم بالموت کے بعد اس کی عورت کو عدتِ وفات گذار کر نکاح کرلینا جائز ہوگا۔

کما فی الشامیة تحت قول الدر — (واختار الزیلعی تفویضه الی الامام) قال فی الفتح فای وقت رأی — المصلحة حکم بموته (الی ان قال) ومقتضاه انه یجتهد ویحکم بالقرائن الظاهرة الدالة علی موته وعلی هذا یبتنی ما فی الجامع الفتاویٰ حیث قال واذا فقد فی المهلکة فموته غالب فیحکم به کما اذا فقد فی وقت الملاقات مع العدو او قطاع الطریق او سافر علی المرض الغالب هلاکه او کان سفره فی البحر وما اشبه ذٰلک حکم بموته لانه الغالب فی هٰذه الحالات وان کان احتمالین واحتمال موته ناشئ عن دلیل لا احتمال حیاته لان هٰذا الاحتمال کاحتمال ما اذا بلغ المفقود مقدارما لا یعیش علی حسب ما اختلفوا فی مقداره نقل عن الغنیة انتهٰی ما فی جامع الفتاویٰ وافتی به بعض مشائخنا وقال انه افتی به قاضی زاده صاحب بحر الفتاویٰ لکن لایخفی انه لابد من مضی مدة طویلة حتی یغلب علی الظن موته لا بمجرد فقده عند ملاقات العدو او سفر البحر ونحوه۔ (رد المحتار ص۳۶۳ ج ۳ مطلب فی الافتاء بمذهب مالک فی زوجة المفقود)

اس قسم کی صورتوں کے علاوہ فقہ حنفی میں زوجۂ مفقود کے واسطے اس کے سوا کوئی گنجائش نہیں کہ مفقود کے ہم قرن لوگوں کے ختم ہونے پر قاضی اس کی موت کا حکم کردے اور بعد ازاں عورت عدتِ وفات گذار کر نکاح کرے۔

لیکن امام مالکؒ نے چند شرائط کے ساتھ (جن کی تفصیل عنقریب آتی ہے) ہر حال میں (یعنی ہلاک مظنون ہو یا نہ ہو) مفقود کی بیوی کو حکم حاکم کے بعد چار سال انتظار کرکے عدت گذرنے پر دوسرا نکاح کرنے کی اجازت دیدی ہے اور امام احمدؒ نے بھی مفقود کی بعض صورتوں میں چار سال کی مدت کو اختیار فرمایا ہے۔ کما فی المغنی ج ۹ ص۱۳۳)

اور ہر چند کہ حنفیہ کا مذہب ازروئے دلیل نہایت قوی اور غایت احتیاط پر مبنی ہے مگر فقہاء حنفیہؒ میں سے بعض متأخرین نے وقت کی نزاکت اور فتنوں پر نظر فرماتے ہوئے اس مسئلہ میں امام مالکؒ

کے مذہب پر فتویٰ دیا ہے جیسا کہ علامہ شامیؒ اور منتقیؒ نے قہستانیؒ کا (جو چوتھی صدی ہجری کے مشائخ حنفیہؒ میں ہیں) کا قول نقل کیا ہے: لو افتی بہ فی موضع الضرورۃ یجاز۔ (ج ۳ ص ۳۶۲ مطلب قضاء القاضی علی ثلثۃ اقسام) اور ایک عرصے سے ارباب فتویٰ اہل ہند و بیرونِ ہند تقریباً سب نے اسی قول پر فتویٰ دینا اختیار کر لیا ہے اور یہ مسئلہ اس وقت ایک حیثیت سے فقہ حنفی ہی میں داخل ہو گیا ہے، لیکن جب تک عورت صبر کر سکے اس وقت تک اصل مذہب حنفی پر عمل کرنا لازم ہے، ہاں بوقتِ ضرورتِ شدیدہ کے مثلاً خرچ کا انتظام نہ ہو سکے یا بوجہ خوف معصیت کے بیٹھنا مناسب نہ ہو سکے تو اس وقت مذہب مالکیہ پر عمل کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں اور ایسے ہی مواقع کے لیے یہ فتویٰ مرتب کیا گیا ہے، مگر کسی مسئلہ میں دوسرے امام کا مذہب لینے کے لیے یہ ضروری ہے کہ اس مسئلہ میں اس امام کے نزدیک جو شرطیں ہوں ان سب کی رعایت کی جاوے۔ لما فی الدر المختار من ان الحکم الملفق باطل بالاجماع قال الشامیؒ تحتہ مثالہ متوضئ سال من بدنہ دم ولمس امرأۃ ثم صلی فان صحت ھذہ الصلوۃ ملفقۃ من مذھب الشافعی والحنفی والتلفیق باطل فصحتہ منتفیۃ اھ۔ وایضاً قال الشامیؒ عن الشرنبلالیؒ تحت قول الدر وان الرجوع عن التقلید بعد العمل باطل اتفاقاً وانہ یجوز لہ العمل بما یخالف ما عملہ علی مذھبہ مقلداً فیہ غیر امامہ مستجمعاً شروطہ۔ (ج ۱ ص ۵۵ مطلب لا یجوز العمل [illegible]) لہٰذا مسئلہ مفقود الخبر میں مالکیہ کی تمام شرائط کا معلوم کرنا لازم ہوا اور شامی وغیرہ [illegible] نے اس کے متعلق جو مذہب مالکیہ نقل کیا ہے وہ محض اجمال تھا اور مسئلہ کی پوری تنقیح اور اس کے تمام قیود و شرائط علمائے مالکیہ ہی سے معلوم ہو سکتے تھے اس لیے اس ضرورت کا احساس کر کے مالکی المذہب ارباب فتویٰ کی خدمت میں مدینہ طیبہ زادہا اللہ شرفاً و نوراً مفصل استفتاء بھیجا گیا، وہاں کے متعدد علمائے محققین نے نہایت تفصیل و توضیح کے ساتھ جوابات تحریر فرمائے، لیکن پھر ان میں کچھ شبہات باقی رہے اور بعض نئے سوالات پیدا ہوئے اس لیے مکرر ان حضرات کو تکلیف دی گئی، مکرر جوابات کے بعد بھی کچھ اور سوالات کی ضرورت ہوئی تو سہ بارہ ان کی خدمت میں سوالات بھیج کر جوابات حاصل کئے، یہ کل مراسلت کتب خانہ مدرسہ امداد العلوم تھانہ بھون میں محفوظ ہے اور ان فتاویٰ کا مجموعہ آخر رسالہ میں ملحق کر دیا گیا ہے، ان فتاویٰ کی جس جس عبارت سے ہمارے سوالات کا جواب ملتا ہے ان سب پر الفاظ سے نمبر شمار ڈال دیئے گئے ہیں اور جوابات مندرجہ ذیل ہیں، ان عبارات کے صرف حوالہ پر اکتفا کیا گیا ہے کیونکہ عوام کو تو عربی عبارات کی ضرورت نہیں اور اہلِ علم اس نمبر کے حوالے سے آخر رسالہ میں

استدلال کی عبارت خود ملاحظہ فرما سکتے ہیں، اب سوالات اور جوابات اردو میں یہاں درج کیے جاتے ہیں:۔

سوالات

کیا فرماتے ہیں علمائے مالکیہ مسائل ذیل میں کہ:۔

(اوّل) جو شخص مفقود الخبر (لاپتہ) ہو اور باوجود تحقیق و تفتیش کے اس کا حال معلوم نہ ہو کہ زندہ ہے یا مر گیا کیا اس کی زوجہ کے لیے حق ہے کہ وہ کسی طرح اپنے کو اس کی زوجیت سے نکال کر دوسرا نکاح کر سکے، اگر یہ حق ہے تو کیا اس کو کچھ مدت انتظار کرنے کی ضرورت ہے یا بلا مہلت اس کو اختیار دے دیا جائے گا؟

(دوم) اگر مہلت دی جاوے گی تو اس کی ابتدا کب سے شمار ہوگی؟ مرافعہ اور مخاصمہ کے وقت سے یا گم ہونے کے وقت سے یا حکم حاکم کے بعد سے؟

(سوم) کیا زوجہ مفقود فسخ نکاح میں خود مختار ہے یا قضاء قاضی شرط ہے اور صورت فسخ کی کیا ہوگی؟

(چہارم) اگر قضائے قاضی شرط ہے تو کیا قاضی پر بھی یہ بات لازم ہے کہ پہلے مفقود کی خود تفتیش و تلاش کرے جب اس کو مایوسی ہو جائے اس وقت زوجہ کو کوئی مہلت وغیرہ دے یا عورت اور اس کے اولیاء کا تلاش کر لینا کافی ہے؟

(پنجم) جن بلاد میں قاضی شرعی موجود نہیں جیسے ہندوستان وغیرہ تو وہاں اسکی کیا صورت کی جائے؟

(ششم) مفقود کا حکم دار الحرب اور دار الاسلام میں یکساں ہے یا مختلف؟ اگر مختلف ہے تو پھر ہندوستان جیسے ممالک جن میں کروڑوں مسلمان آباد ہیں وہ دار الاسلام سمجھے جاویں گے یا دار الحرب؟ (اعینونا اعانکم اللہ تعالیٰ)

جوابات

(جواب سوال اوّل) زوجہ مفقود کے لیے مالکیہ کے نزدیک مفقود کی زوجیت سے علیحدہ ہونے کی دار الاسلام میں صورت یہ ہے کہ عورت قاضی کی عدالت میں مرافعہ کرے اور بذریعہ شہادت شرعیہ یہ ثابت کرے کہ میرا نکاح فلاں شخص سے ہوا تھا، (اگر نکاح کے عینی گواہ موجود نہ ہوں تو اس معاملہ میں شہادت بالتسامع بھی کافی ہے یعنی شہرت عام کی بناء پر بھی شہادت دی جا سکتی ہے۔ کما فی المنتقی[1] للباجی المالکی ص۲۰۳ ج۵ کتاب (الاقضیۃ) (فرع) واما النکاح ففی العتبیۃ عن سحنون قال جل اصحابنا یقولون فی النکاح اذا استفشر خبرہ فی الجیران ان فلاناً تزوج فلانۃ

وسمع الزفاف فلہ ان یشھد ان فلانۃ زوجۃ فلان الخ) اس کے بعد گواہوں سے اس کا مفقود لاپتہ ہونا ثابت کرے بعدازاں قاضی خود بھی اس مفقود کی تفتیش و تلاش کرے اور جب پتہ ملنے سے مایوسی ہو جائے تو عورت کو چار سال مزید انتظار کا حکم کرے، پھر اگر ان چار سال کے اندر بھی مفقود کا پتہ نہ چلے تو مفقود کو اس چار سال کی مدت ختم ہونے پر مُردہ تصور کیا جائے گا، اور نیز ان چار سال کے ختم ہونے کے بعد چار ماہ دس دن عدتِ وفات گذار کر عورت کو دوسری جگہ نکاح کرنے کا اختیار ہوگا۔ اور اب چار سال گذرنے کے بعد دوبارہ قاضی کی عدالت میں درخواست دینا اور عدت وفات کے لیے حکم حاصل کرنا مالکیہ کے نزدیک ضروری نہیں بلکہ قضائے قاضی صرف اول بار بوقتِ تاجیل ضروری ہے۔ کما صرح بذٰلک فی شرح الدردیر (صہ۱۷۲ ج ۱) حیث قال الخلیل فیؤجل الحر اربع سنین (الیٰ قولہ) ثم اعتدت عدت الوفاۃ وسقطت بھا النفقۃ ولا یحتاج فیھا الاذن' وقال الدردیر تحتہ لاذن من الحاکم لان اذنہ حصل بضرب الاجل اولاً اھ۔ ویأتی فی الروایۃ السابعۃ من فتوی العلامۃ محمد طیب بن اسحٰق مفتی المالکیۃ بالمدینۃ المنورۃ۔ مگر احتیاط اس میں ہے کہ جب وہ چار سال جو قاضی نے مقرر کیے تھے ختم ہو چکیں تو دوبارہ درخواست دے کر قاضی سے حکم بالموت بھی حاصل کر لیا جائے تاکہ مذہب حنفیہ کی حتی الوسع رعایت ہو جائے لیکن جس جگہ قاضی وغیرہ کو دوبارہ مرافعہ دشوار ہو وہاں بغیر مرافعہ دشوار ہو وہاں بغیر مرافعہ ثانی کے ہی عمل کرنے میں مضائقہ نہیں۔

یہ حکم مذکور تو دارالاسلام میں تھا اور دارالحرب میں زوجہ مفقود کا جمہور مالکیہ کے نزدیک

مہ کیونکہ ان کے نزدیک مفقود کے تمام امور کے ختم ہو جانے پر بھی حکم بالموت حاصل کرنا شرط ہے۔ کما فی شرح الدردیر القلیۃ انہ انما یحکم بموتہ بقضاء لانہ امر محتمل فما لم ینضم الیہ القضاء لا یکون حجۃ اھ اور مقتضائے قواعد و احتیاط ہونے کے علاوہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے بھی یہی مروی ہے کہ عورت کی دوبارہ درخواست پر موتِ مفقود کا حکم کر کے عدتِ وفات گذارنے کا حکم دیا تھا۔ اور مسئلہ مفقود میں مالکیہ کے مذہب کی اصل حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہی کا فیصلہ ہے پھر نہ معلوم اس جزو میں کیوں خلاف کرتے ہیں۔ نیز عنین کو قاضی کی طرف سے سال بھر کی مہلت ملنے کے باوجود بھی زوجۂ عنین کو اس سال کے گذر جانے پر دوبارہ درخواست دینی پڑتی ہے اس میں حنفیہ کے ساتھ مالکیہ بھی متفق ہیں پس نہ معلوم انہوں نے عنین اور مفقود میں کیا فرق سمجھا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم ۱۲ منہ

تو وہی حکم ہے جو حنفیہ کے نزدیک ہے یعنی جب تک اس کے ہم عمر لوگ زندہ ہیں اس وقت تک اس کی بیوی کے لیے اُس کے نکاح سے جدا ہونے اور دوسرا نکاح کرنے کی کوئی صورت نہیں۔ کما فی الروایۃ الثالثۃ من فتوی العلامۃ سعید بن صدیق مفتی المالکیۃ بالمدینۃ الطاھرۃ زادھا اللہ تعالیٰ شرفاً واجلالاً ۔ اور بعض حضرات نے اس کی مدت طبعی عمر کے لحاظ پر متعین بھی کر دی ہے جس میں مختلف اقوال ہیں، بعض کے نزدیک نوّے برس بعض کے نزدیک پچھتّر برس بعض کے نزدیک ستّر برس وغیر ذلک ۔ (ولکن الاولیٰ ان یفوض الیٰ رأی اھل الخبرۃ واھل العلم بحالہ من صحتہ وسقمہ وقوتہ وضعفہ) مگر اشہب نے (جو کہ امام مالکؒ کے ممتاز شاگردوں میں سے ہیں اور فقہاء مالکیہ میں بلند پایہ مقام رکھتے ہیں) دار الحرب میں بھی زوجۂ مفقود الخبر کا وہی حکم رکھا ہے جو دار الاسلام میں گذر چکا ہے۔ کما ذکرہ ابن رشد فی مقدماتہ (مدونہ ص۱۵۷ ج۲) حیث قال واما المفقود فی بلاد الحرب فحکمہ حکم الاسیر لا تتزوج امرأتہ ولا تقسم مالہ حتی یعلم مرتہ او یأتی علیہ من الزمان ما لا یحییٰ الیٰ مثلہ فی قول اصحابنا کلھم حاشا اشھب فانہ حکم لہ بحکم المفقود فی المال والزوجۃ جمیعاً اھ ۔

(جواب سوال دوم) حاکم جو چار سال انتظار کے لیے مقرر کرے گا اس کی ابتداء اس وقت سے کی جاوے گی جس وقت حاکم خود بھی تفتیش کر کے پتہ چلنے سے مایوس ہو جائے اور قاضی کی عدالت میں پہنچنے اور اس کی تفتیش سے قبل خواہ کتنی ہی مدت گذر چکی ہو اس کا کچھ اعتبار نہ ہوگا۔ کما فی اول الفتوی من العلامۃ سعید بن صدیق المالکی ویؤیدہ یا وضح وجہ ما فی الروایۃ العشرین من العلامۃ الموصوف۔

(جواب سوال سوم) زوجۂ مفقود کسی صورت میں اس کے نکاح سے خارج ہونے خود مختار نہیں بلکہ ہر حال میں قضائے قاضی شرط ہے۔ کما ھو مصرح فی الروایۃ العشرین من الامام مالک رحمہ اللہ ، اور صورت مرافعہ اور فسخ کی سوال اول کے جواب میں گذر چکی ہے ۔

(جواب سوال چہارم) ہاں قاضی پر بھی ضروری ہے کہ صرف عورت اور اسکے اولیاء کی تفتیش اور اُن کے بیان پر اکتفا نہ کرے بلکہ خود قاضی بھی تلاش کرائے اور تلاش کرنے کی صورت یہ ہے کہ قاضی وحاکم کو جہاں جہاں مفقود کے جانے کا غالب گمان ہو وہاں وہاں آدمی بھیجا جاوے۔ کما فی شرح الدردیر ص۳۹۹ من حین العجز عن خبرہ بالبحث عنہ فی الاماکن التی یظن ذھابہ الیھا من البلد ان بان یرسل الحاکم رسولاً بکتاب لحاکم تلک الاماکن مشتمل علی صفۃ الرجل وحرفتہ

ونسبه لیفتش عنه فیها ام۔ اور جس جگہ جانے کا گمان غالب نہ ہو صرف احتمال ہو وہاں اگر خط کو کافی سمجھے تو وہاں خطوط بھیجکر تحقیق کرے اور اگر اخبار میں شائع کر دینے سے خبر ملنے کی امید ہو تو یہ بھی کرلے، الغرض تفتیش میں پوری کوشش اور جہد بلیغ کرے کما لایخفی اور جب تلاش کے بعد پتہ ملنے سے مایوس ہو جائے اُس وقت مذکورۃ الصدر طریق پر چار سال مزید انتظار کا حکم کرے۔ کما فی الروایۃ العشرین من فتوی العلامۃ سعید بن صدیق مفتی المالکیۃ بالمدینۃ المنورہ زادھا اللہ شرفًا) اور تفتیش کے مصارف کی بابت فقہائے مالکیہ میں اختلاف ہے، بعض نے کہا کہ عورت کے ذمہ ہے اور بعض نے کہا کہ بیت المال کے ذمے ہے، اور بعض کے نزدیک یہ تفصیل ہے کہ اگر زوجہ[عـہ] کے پاس مال ہو تو مصارفِ تفتیش اس کے ذمہ ہوں گے، کما فی الروایۃ الخامس عشر من فتوی العلامۃ الفاھاشم[عـہ] اور جس جگہ بیت المال نہ ہو جیسے ہندوستان وغیرہ، اگر ان مواقع میں حکومت مصارف برداشت کرے تو بہتر ہے ورنہ مسلمانوں سے چندہ کر لیا جائے۔

(جواب سوال پنجم) جن بلاد میں قاضی شرعی موجود نہیں جیسے اسلامی ریاستوں کے علاوہ ہندوستان کے تمام شہروں کا حال ہے تو وہاں وہ حکام جو گورنمنٹ کی طرف سے اس قسم کے معاملات کے تصفیہ کرنے کا اختیار رکھتے ہیں اگر وہ مسلمان ہوں اور فیصلہ شریعت کے موافق کریں تو اُن کا فیصلہ بھی قضائے قاضی کا قائم مقام ہو جاتا ہے جیسا کہ اس جزء (دوم) کے مقدمہ میں مفصل گذر چکا ہے، اور اگر مسلمان حاکم موجود نہ ہو یا اس کی عدالت سے فیصلہ شریعت کے مطابق نہ ہوتا ہو تو پھر مذہب مالکیہ کے موافق دیندار مسلمانوں کی ایک جماعت پنچایت کرکے حسب بیان مذکور تحقیق کرے اور تحقیق کامل کے بعد فیصلہ کرے تو یہ فیصلہ بھی قضائے قاضی کے حکم میں ہو جائے گا لیکن پنچایت کا ان شرائط کے موافق ہونا ضروری ہے جو مقدمہ میں گذر چکی ہیں وہاں دیکھ لیا جائے۔

تتمہ ھٰذا لجواب اگر زوجۂ مفقود ایسی جگہ چلی جاوے جہاں قاضی شرعی یا مسلمان حاکم موجود ہو اور وہ اس کے پاس مقدمہ دائر کرے تو اس کا فیصلہ بھی زوجۂ مفقود کے لیے کافی ہے۔ فانھا اذا دخلت فی بلد القاضی دخلت

عـہ وھٰذا القول الثالث اعدل الاقاویل عندنا، واللہ تعالیٰ اعلم ۱۲ منہ

عـہ افسوس ہے کہ علامہ موصوف اس فتوے کی اشاعت سے قبل ہی رحلت فرما گئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ۔ ۱۲ منہ

تحت ولایته واما المفقود فالولایة علیه لیس[ع] بشرط کما لا یخفی، لیکن اگر زوجۂ مفقود یا زوجۂ عنین تنہا کسی قاضی کے علاقہ میں چلی جائے تو قاضی کا فیصلہ معتبر نہ ہوگا بلکہ یہ ضروری ہے کہ مجنون وعنین بھی اُس قاضی کے علاقہ میں ہوں۔

ع اگر کوئی یہ شبہ کرے کہ مفقود الخبر جس جگہ کا باشندہ ہے وہاں کے قاضی کی ولایت گو اس وقت تو اس پر ثابت نہیں مگر پیشتر اس کے اس پر ولایت تھی اس واسطے ولایت اصلیہ کی بنا پر وہاں کے قاضی کی قضاء نافذ ہوسکتی ہے اور جس قاضی کی ولایت میں اول ہی سے نہ تھا اس کی قضاء نافذ نہ ہونا چاہیئے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ نفاذِ قضاء کے لیے ولایتِ حال شرط ہے ولایتِ سابقہ معتبر نہیں، پس سب جگہ کے قاضی مفقود کے بارہ میں یکساں شمار ہوں گے۔ وھٰذا لما فی رد المحتار ج ۲ ص[۵۱۵] باب الولی مطلب لا یصح تولید الصغیر شیئا علی الصغیرات ص[۳۱۴] الجلد الثانی مطبع دار احیاء تراث (العربی) تحت قول الدر صغیرة زوجت نفسها ولا ولی ولا حاکم ثمة توقف و نفذ باجازتها بعد بلوغها لان له مجیزاً وھو السلطان۔ قوله ولا حاکم ثمة ای فی موضع العقد قوله توقف ھٰذا مبنی علیٰ کفایة ذٰلك المکان تحت ولایت السلطان وان لم یکن تحت ولایة قاض وعلیه فبطلان العقد یتصور فیما اذا کان فی دار الحرب او البحر او المفازة ونحو ذٰلك بخلاف القری والامصار ویدل علیه ما فی الفتح فی فصل الوکالة بالنکاح حیث قال وما لا مجیز له ای ما لیس له من یقدر علی الاجازة یبطل کما اذا کانت تحت حرة فزوجه الفضولی امة او اخت امرأته او خامسة او زوجه معتدة او مجنونة او صغیرة او یتیمة فی دار الحرب او اذا لم یکن سلطان ولا قاض لعدم من یقدر علی الامضاء حالة العقد فوقع باطلاً۔ اھ۔ چونکہ اس روایت میں مجنونة او صغیرة فی دار الحرب عام ہے اس کو کہ وہ مجنونہ یا صغیرہ اول ہی سے دار الحرب میں ہو یا پیشتر دار الاسلام میں تھی اور اب دار الحرب میں چلی گئی، اس عموم کی وجہ سے ثابت ہوا کہ ولایتِ سابقہ کا اعتبار نہیں ورنہ اس مجنونہ وصغیرہ کا جو دار الاسلام سے گئی ہو اعتبار ہوتا۔ ونیز قول الشامی ای فی موضع العقد اور ذٰلك المکان تحت ولایت السلطان کے لفظ سے واضح ہے کہ ولایت کے لیے سلطان وقاضی کے علاقہ میں ہونا شرط ہے، اور مالکیہ نے تو اس کی صاف تصریح کی ہے، چنانچہ شرح دردیر میں ہے (ولا یزوج) (القاضی) (امرأة) ای لا یتولی عقد نکاحها حیث لا ولی لها الا الحاکم (لیست بولایته) بان کانت خارجة عنها اذ لا ولایت علیها وان کان اصلها من اھلها۔ اھ (ص[۲۹۹] جلد[۲]) واللہ تعالیٰ اعلم۔ ۱۲ منه

(ماخوذ از حیلۂ ناجزہ از ص[۵۹] تا ص[۶۶])

(جواب سوال ششم) مفقود کا حکم دار الحرب اور دار الاسلام میں مختلف ہے جیسا کہ سوال اول کے جواب میں مفصل گذر چکا ہے۔

مگر علمائے مالکیہ کے فتاویٰ سے معلوم ہوتا ہے کہ ہندوستان و مصر و شام وغیرہ ممالک کہ جن میں باوجود حکومت کافر مسلط ہو جانے کے شعائرِ اسلام ہنوز قائم ہیں ان سب میں مفقود کا حکم وہی ہے جو دار الاسلام میں ہے بلکہ جس دار الحرب میں شعائرِ اسلام بھی موجود نہ ہوں مگر وہاں مسلمانوں کو صلح وغیرہ کی وجہ سے آنا جانا اور تفتیش کرنا ممکن ہو تو اس دار الحرب میں بھی مفقود کا وہی حکم ہے جو دار الاسلام میں ہے پس اصل بناء امکانِ تفتیش ہے۔ اس لیے ہندوستان کے دار الحرب ہونے میں جو علماء کا اختلاف ہے اس کا اس مسئلہ پر کوئی اثر نہ پڑے گا اور زوجۂ مفقود کو ان ممالک میں چار سال کی مہلت کے بعد عدتِ وفات گذار کر نکاحِ ثانی کا اختیار دیدیا جاوے گا کمافی الروایۃ الخامسۃ للعلامۃ الفاھاشم اھ. والخامسۃ والعشرین للعلامۃ الطیب رحمہ اللہ۔

نامرد شخص کی بیوی کی علیحدگی کا مسئلہ

سوال:۔ ایک شخص نے کسی عورت سے باقاعدہ نکاح کر لیا، رخصتی کے بعد عورت کو معلوم ہوا کہ خاوند حقوقِ زوجیت کی ادائیگی پر قادر نہیں، اب یہ عورت اگر خاوند سے علیحدگی حاصل کرنا چاہے تو از روئے شرع اس کی کیا صورت ہوگی؟

الجواب:۔ جس عورت کا خاوند پیدائشی طور پر یا کسی ضعف و کمزوری یا کسی بیماری کی وجہ سے جماع پر قادر نہ ہو فقہاء کی اصطلاح میں اس شخص کو عنین کہا جاتا ہے ایسے شخص کیلئے بہتر یہی ہے کہ جب اس کو اپنی کمزوری کا یقین ہو جائے یہاں تک کہ کہیں ایک دفعہ بھی جماع پر اس کو قدرت حاصل نہ رہی ہو، علاج و معالجہ سے بھی اس کو قوت کی بحالی ممکن نظر نہیں آتی ہو تو یہ شخص خود عورت کو طلاق دے کر فارغ کر دے تاکہ عورت عدت گذارنے کے بعد باقاعدہ دوسری جگہ نکاح کر کے سکون و اطمینان کی زندگی گذار سکے، اسی حالت میں اگر ایک دفعہ بھی خلوتِ صحیحہ ہوئی ہو تو خاوند کو حق مہر بھی ادا کرنا ہوگا۔

اگر خاوند باعزت طریقے سے عورت کو آزاد کرنے پر تیار نہ ہو تو پھر عورت مجبور ہو کر اپنا مقدمہ کسی مسلمان حاکم کی عدالت میں لے جا سکتی ہے، حاکمِ وقت تحقیق کے بعد اپنے صوابدیدی اختیارات بروئے کار لاتے ہوئے عورت کو فسخ نکاح کی ڈگری دے سکتا

ہے جو عورت کے حق میں طلاق بائن متصور ہوگی اور وہ عدتِ طلاق گذارنے کے بعد آزاد ہو کر دوسری جگہ نکاح کرسکتی ہے۔ لیکن یہ اقدام بھی چند شرائط پر مبنی ہے، چنانچہ حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ ان شرائط کو بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:-

پہلی شرط یہ ہے کہ نکاح سے پیشتر عورت کو اس شخص کے عنین ہونے کا علم نہ ہو پس اگر اس وقت علم تھا اور باوجود معلوم ہونے کے نکاح کیا ہے تو اب اس کو تفریق کا حق نہیں مل سکتا۔ لما فی الهندية: ان علمت المرأة وقت النكاح انه عنين لا يصل الى النساء لا يكون لها حق الخصومة۔ وفي الدر المختار: تزوج الاولى او امرأة اخرى عالمة بحاله لاخيار لها على المذهب المفتى به۔ بحر عن المحيط خلافاً لتصحيح الخانية۔ (الفتاوى الهندية ج ۲ ص۵۲۴ الباب الثاني عشر في العنين)

دوسری شرط یہ ہے کہ نکاح کے بعد ایک مرتبہ بھی اس عورت سے جماع نہ کیا ہو اور اگر ایک مرتبہ جماع کرچکا ہے اور پھر عنین ہو گیا تو عورت فسخ نکاح کا اختیار نہ ہوگا۔ لما فی الدر المختار، فلو جُبّ بعد الوصول اليها۔ (ج ۲ ص۶۱۱ باب العنين) مرة قال الشامي، قوله مرة ومازاد عليها فهو مستحق ديانة لا قضاء بحر عن جامع قاضيخان ويأثم اذا ترك الديانة متعنتا مع القدرة على الوطي۔ (باب العنين ج ۲ ص۶۴۵ مطلب باب العنين وغيره)

تیسری شرط یہ ہے کہ جب سے عورت کو شوہر کے عنین ہونے کی خبر ہوئی ہے اس وقت سے عورت نے اس کے ساتھ رہنے پر رضا کی تصریح عـہ نہ کی ہو مثلاً یہ نہ کہا ہو کہ جیسا بھی ہے اب تو میں اسی کے ساتھ زندگی بسر کروں گی کیونکہ اگر وہ اپنی رضا کی تصریح کرچکی ہو تو پھر اس کو مطالبۂ تفریق کا حق نہیں رہتا ہاں محض سکوت عـہ سے اس جگہ رضا نہ

عـہ یعنی زبان سے کہہ دیا ہو خواہ تنہائی میں یا کسی کے سامنے۔ كما يدل عليه اطلاق ما لم تقل في الرواية الاتيه - اور تاجیل سے پیشتر بعد از تاجیل كما هو المصرح في البدائع ونصه هذا فالنص هو تصريح اسقاط الخيار وما يجرى مجراه سواء كان ذلك بعد تخيير القاضي او قبله اهـ مختصراً ۱۲ منہ

عـہ بلکہ تقبیل ومضاجعت وغیرہ افعال بھی موجب رضا نہیں۔ كما هو المصرح في الدر عن الخانية ۱۲ منہ

سمجھی جائے گی۔ لما فی الدر المختار: فلو وجدته عنینا او مجبوبا ولم تخاصم زمانا لم یبطل حقها۔ قال الشامی قوله لم یبطل ای مالم تقل رضیت بالمقام معه کذا قیده فی التاتارخانیة عن المحیط۔ (الدر المختار ورد المحتار ج ۲ ص ۸۶۲ باب العنین وغیره۔ مطلب فی طبائع فصول السنة الاربع)

چوتھی شرط یہ ہے کہ جس وقت سال بھر کی مدت گذرنے کے بعد قاضی عورت کو اختیار دے تو عورت اسی مجلس میں تفریق کا اختیار حاصل کرے، پس اگر اس مجلس میں اس نے اپنے خاوند کے ساتھ رہنا پسند کر لیا یا اس قدر سکوت کیا کہ مجلس برخاست ہو گئی خواہ اس طرح کہ یہ عورت مجلس سے اٹھ گئی یا اس طرح کہ قاضی مجلس سے کھڑا ہو گیا تو اب اس کا اختیار باطل ہو گیا اب کسی طرح تفریق نہیں ہو سکتی۔

لما فی الهندیة: فان اختارت زوجها او قامت من مجلسها او اقامها اعوان القاضی او قام القاضی قبل ان تختار بطل خیارها وکذا فی المحیط۔

(الفتاوی الهندیة ج ۱ ص ۵۲۴ الباب الثانی عشر فی العنین)۔

ونیز مجلس برخاست ہونے اور عورت کے اٹھ جانے کے علاوہ اور صورتیں بھی ایسی ہیں جن سے مجلس بدل جاتی ہے اور اختیار باطل ہو جاتا ہے، مثلاً عورت کوئی دوسری گفتگو کرنے لگی یا نماز پڑھنے لگی، وغیر ذلک مما یدل علی الاعراض اور تبدل مجلس شامی باب تفویض الطلاق سے معلوم ہو سکتی ہے۔ والدلیل علیٰ ان بطلان الخیار لا یختص بقیامها وقیام القاضی بل کل ما یدل علی الاعراض یبطل الخیار۔ قول الدر حیث قال لو وجد منها دلیل اعراض بان قامت الخ۔ لان هٰذا یدل علیٰ ان القیام ذکر حیث ذکر تمثیلاً والمراد مطلق الاعراض، هٰذا ما عندنا والله اعلم بالصواب۔

پانچویں شرط یہ ہے کہ عنین کو سال بھر کی مہلت دینا اور سال گذرنے پر عورت کو اختیار دینا اور بعد ازاں اگر خاوند طلاق سے انکار کرے تو تفریق کر دینا وغیرہ یہ سب امور جن کا ذکر اوپر مفصل ہو چکا قضائے قاضی کے محتاج ہیں بدون حکم قاضی کے از خود عورت کو تفریق کا اختیار نہیں۔

کمافی رد المحتار تحت قول الدر: ولا عبرة بتأجیل غیر قاضی البلدة لان هٰذا مقدمة امر لا یکون الا عند القاضی وهو الفرقة فکذا مقدمة۔ والولجیة۔ (رد المحتار ج ۲ ص ۶۲۶ باب العنین وغیره مطلب فی عطف الخاص علی) ۔ (الحیلة الناجزة ص ۱۲۷ تا ص ۱۲۹)

سزا یافتہ قیدی کی بیوی کا حکم

سوال :۔ اگر کسی شخص کو کسی جرم کی پاداشں میں عدالت کی طرف سے عمر قید کی سزا ہو جائے تو اس کی بیوی کے لیے شرعاً کیا حکم ہے؟

الجواب : ایسے شخص کی بیوی تاحیات صبر کرے گی، اس لیے کہ اس شخص پر مفقود کی تعریف صادق نہیں آتی اس لیے کہ یہ مفقود کے حکم میں نہیں ۔

لما قال الشیخ ظفر احمد العثمانی رحمہ اللہ : یہ شخص مفقود نہیں کیونکہ مفقود وہ ہے جس کی موت اور حیات کا علم نہ ہو اور اس شخص کی جگہ بھی معلوم ہے، حیات بھی معلوم ہے، لہٰذا یہ مفقود نہیں بلکہ بحیثیتہ مثار ہے ...... اس صورت میں امام مالکؒ کے نزدیک بھی وسعت نہیں، لہٰذا زید کی بیوی بدون زید کی طلاق یا موت کے کسی دوسرے شخص سے نکاح نہیں کر سکتی۔ (امداد الاحکام جلد۲ ص۴۰۰ کتاب الطلاق باب التفریق) ؎۱

مرتد کی بیوی کا حکم

سوال :۔ اگر ایک مسلمان شخص دشمنانِ اسلام کے جال میں پھنس کر مرتد ہو جائے (العیاذ باللہ) تو ایسی حالت میں اس کی بیوی کو کیا لائحہ عمل اختیار کرنا چاہیئے؟

الجواب :۔ خاوند کے مرتد ہو جانے سے نکاح فسخ ہو جاتا ہے لہٰذا عورت عدت گزارنے کے بعد آزاد ہو کر باقاعدہ دوسری جگہ نکاح کر سکتی ہے۔

لما فی الھندیۃ : ارتد احد الزوجین عن الاسلام وقعت الفرقۃ بغیر طلاق فی الحال ۔ (الفتاوٰی الھندیۃ ج۱ ص۳۳۹ الباب العاشر فی نکاح الکفار) ؎۲

؎۱ قال الشیخ المفتی عزیز الرحمٰنؒ : مفقود الخبر کا حکم دوسرا ہے اور جس کو سزا پائے شوری دی گئی وہ مفقود الخبر نہیں اور اس کی زوجہ دوسرا عقد شوہر کی زندگی میں نہیں کر سکتی، اور مفقود الخبر وہ ہے جس کا نشان و پتہ اور موت و حیات کچھ معلوم نہ ہو اس کو ایک وقت مقرر پر شرعاً موت کا حکم دے دیا جاتا ہے۔
(فتاوٰی دار العلوم دیوبند ج۱۰ ص۲۷۹ کتاب الطلاق)

؎۲ قال العلامۃ الحصکفیؒ : وارتداد احد الزوجین فسخ فلا ینقص عدد عاجل بلا قضاء۔ (الدر المختار علی ھامش رد المحتار ج۲ ص۴۲۵ باب نکاح الکافر۔ مطلب الصبی والمجنون لھا باھل لایقاع طلاق بل للوقوع)
ومثلہٗ فی الھدایۃ ج۲ ص۳۲۷ باب نکاح اھل الشرک۔

متعنت کی زوجہ کا حکم

سوال: جناب مفتی صاحب! میرا نکاح آج سے چھ سال قبل ہوا تھا، دو تین سال گذرنے کے بعد ہمارے گھریلو حالات خراب ہو گئے اور میرے شوہر نے مجھے میرے والدین کے گھر بھیجدیا اور آج تک میری خبر خبر نہیں لی، میں اس مصیبت سے کیسے خلاصی حاصل کر سکتی ہوں؟

الجواب:۔ متقدمین علماء کے ہاں تو اس قسم کے عوارضات کی وجہ سے عدالت یا مسلمان حاکم نکاح فسخ کرنے کا مجاز نہیں لیکن متاخرین علماء نے یہ فتویٰ دیا ہے کہ یہ عورت شرعی عدالت کی طرف رجوع کرے وہ اس کا حل نکالے گی۔

قال الشیخ مولانا اشرف علی تھانویؒ: صورتِ بالا میں زوج کی حیثیت متعنت کی ہے جس کے بارے میں حضرت تھانویؒ لکھتے ہیں:۔ الجواب:۔ زوجۂ متعنت کو اوّل تو لازم ہے کہ کسی طرح خاوند سے خلع وغیرہ حاصل کرے لیکن اگر باوجود کوشش کے (خلاصی کی) کوئی صورت نہ بن سکے تو پھر عورت اپنا مقدمہ قاضی اسلام یا مسلمان حاکم اور بصورت نہ ہونے حاکم کے جماعت مسلمین کے سامنے پیش کرے پھر تحقیق کے بعد شرعی شہادت سے جب عورت کا دعویٰ صحیح ثابت ہو جائے کہ باوجود وسعت کے خرچ نہیں دیتا تو اس کے خاوند سے کہا جاوے کہ اپنی عورت کے حقوق ادا کردیا طلاق دو ورنہ تفریق کردیں گے، اس کے بعد بھی اگر وہ خاوند کسی صورت پر عمل نہ کرے تو قاضی یا شرعاً جو اسکے قائم مقام ہو طلاق واقع کردے، اس میں کسی مدت کے انتظار و مہلت کی ضرورت نہیں۔

(الحیلۃ الناجزہ ص۷۳ حکم زوجۃ متعنت فی النفقۃ) [1]

دیوث سے بیوی کی نجات کا طریقہ

سوال:۔ اگر کوئی شخص دیوث ہو اور وہ اپنی بیوی سے زبردستی زنا کرواتا ہو تو

---

[1] قال المفتی عزیز الرحمٰنؒ و مفتی ظفر الدینؒ: ایسی صورت میں کہ شوہر حقوقِ زوجیت ادا نہیں کرتا اور نفقہ نہیں دیتا اس کو لازم ہے کہ زوجہ کو طلاق دیدے، پس اس کو مجبور کیا جائے اور کرایا جائے کہ جس طرح ہو وہ طلاق دے دے، بدون طلاق کے عند الحنفیہ نفقہ وغیرہ نہ دینے کی وجہ سے زوجین میں تفریق نہیں ہو سکتی ...... بعد کے علماء نے تفریق کی صورت نکالی ہے جو قاضی شریعت یا شرعی پنچایت کے ذریعہ ہو سکتی ہے۔ (ظفر)۔ (فتاویٰ دار العلوم ج ۱۰ ص۲۲۶ کتاب الطلاق)

اِس عورت کے لیے کیا حکم ہے؟ وہ کس طرح خاوند سے نجات حاصل کرے؟

الجواب: ویسے تو ایک مرتبہ نکاح ہو جانے کے بعد عورت بدون طلاق کے شوہر سے آزاد نہ ہو گی لیکن صورتِ مسئولہ میں یہ عورت شرعی عدالت سے اس بارے میں رجوع کرے یا شرعی پنچایت کے پاس اپنا مقدمہ دائر کرے، عدالت زبردستی شوہر سے طلاق دلوائے گی یا خود نکاح فسخ کرے گی۔

لما قال الشیخ مفتی عزیز الرحمٰنؒ و مفتی ظفر الدینؒ: اِس صورت میں جب تک اس لڑکی کا شوہر طلاق نہ دیوے اور عدت نہ گزر جائے اُس وقت تک اِس لڑکی کا دوسری جگہ نکاح کرنا شرعاً درست نہیں ہے، دار القضا اور شرعی پنچایت کے ذریعے اس طرح کے مصائب سے عورت کو نکالا جا سکتا ہے۔

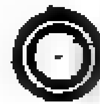
(فتاوٰی دار العلوم دیوبند ج۱۰ ص۲۳۲ باب التفریق) سلہ

مجنون کی بیوی کے فسخ نکاح کا حکم

سوال: ایک شخص نکاح کرنے کے چند سال بعد پاگل ہو گیا، علاج و معالجہ سے بھی کوئی فرق نہیں آیا، حالتِ جنون میں وہ بہت کچھ کر جاتا ہے حتیٰ کہ اس کی بیوی کو اپنی جان کا خطرہ لاحق ہو جاتا ہے، تو کیا یہ عورت اپنے مجنون خاوند سے اپنا نکاح بذریعہ عدالت فسخ کرا سکتی ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ بشرطِ صدق و صحتِ سوال اگر اس عورت کا شوہر واقعی مجنون (پاگل) ہو اور وہ اچھے بُرے کی تمیز نہیں کر سکتا ہو اور جنون بھی اس حد تک ہو کہ بیوی کا اس کے ساتھ رہنا ممکن نہ ہو اور علاج و معالجہ سے بھی بات نہیں بنتی ہو تو اس عورت کو شرعاً اجازت ہے کہ اگر وہ اپنا نکاح شوہر سے فسخ کروانا چاہتی ہو تو عدالت کی طرف رجوع کرے، عدالت مکمل تحقیقات کے بعد اس کو فسخِ نکاح کی ڈگری جاری کر سکتی ہے جو اس کے لیے کار آمد ہو گی۔

لما قال الشیخ اشرف علی التھانویؒ: امام محمدؒ کے نزدیک اس کو حق حاصل ہے کہ قاضی کے یہاں درخواست دے کر تفریق کا مطالبہ کرے اور اپنے آپ کو مجنون کی زوجیت سے علیحدہ کرائے بشرطیکہ جنون اس درجہ کا ہو کہ اس کے ساتھ رہنا قدرت سے خارج ہو مثلاً اس سے قتل کا اندیشہ ہو الخ۔ (حیلۃ الناجزۃ ص۵۱،۵۲ حکم زوجۂ مجنون)



باب الایلاء

(ایلاء کے مسائل و احکام)

بیوی کے قریب نہ جانے کی قسم کھانا

سوال:- ایک شخص نے اپنی بیوی سے کہا خدا کی قسم میں تمہارے قریب نہیں آؤں گا لیکن چند دن کے بعد یہ شخص اپنی اس بات پر پشیمان ہوا، اب اس کو کیا لائحہ عمل اختیار کرنا چاہیئے؟

الجواب:- اگر یہ شخص چار ماہ تک اپنی قسم پر قائم رہتے ہوئے بیوی کے قریب نہ جائے تو بیوی خود بخود علیحدہ ہو جائے گی جس کی تحلیل کیلئے تجدید نکاح ضروری ہے، لیکن اگر اس مدت کے دوران بیوی کے قریب چلا جائے تو اس پر قسم کا کفارہ ادا کرنا واجب ہوگا۔

لما قال العلامة الحصکفیؒ: فمن الصریح لو قال واللہ لا اقربك۔ قال ابن عابدینؒ: ای بلا بیان مدة اشارة الی انه کالموقت بمدة الایلاء لان الاطلاق کالتابید۔

(ردّ المحتار ج۲ ص۵۹۳ باب الایلاء) [1]

بیوی کے قریب نہ جانے کی مشروط قسم کھانا

سوال:- ایک شخص نے اپنی بیوی سے کہا کہ اگر تم نے اپنی سوکن کو راضی نہ کیا تو خدا کی قسم میں تیرے قریب نہیں آؤں گا، دریافت طلب امر یہ ہے کہ اسی حالت میں اگر کئی سال گذر جائیں اور وہ شخص عورت کے قریب نہ جائے اور نہ اس کی بیوی اپنی سوکن کو راضی کرے تو اس سے نکاح پر کوئی اثر پڑتا ہے یا نہیں؟

الجواب:- صورتِ مسئولہ میں یہ قسم ایلاء کے حکم میں ہے، اگر شرط کی موجودگی کے بغیر خاوند بیوی کے قریب گیا تو حانث ہو کر کفارۂ قسم ادا کرنا واجب ہوگا، اور اگر اس قسم پر چار مہینے گذر گئے اور خاوند اپنی قسم پر قائم رہا تو عورت بوجۂ ایلاء طلاق بائن سے جدا ہو جائے گی،

---

[1] وفی الهندیة: الایلاء منع النفس عن قربان المنکوحة منعاً مؤکداً بالیمین باللہ مطلقاً او مؤقتاً باربعة اشهر۔ (الفتاویٰ الهندیة ج۱ ص۴۷۶ الباب السابع فی الایلاء)

وَمِثْلُهٗ فی الهدایة ج۲ ص۹۶،۹۷ باب الایلاء۔

جس میں دوبارہ تحلیل اور تجدیدِ نکاح کرنا ضروری ہے۔

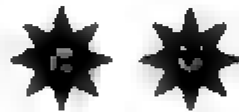
لما قال العلامة الحصکفیؒ: والمدة اقلها للحرة اربعة اشهر ثم قال ففی الحلف باللّٰہ وجبت الکفارة وفی غیرہ وجب الجزاء وسقط الایلاء لانتهاء الیمین والا یقربها بانت بواحدة۔ انتہی
وقال العلامة ابن عابدینؒ: تحت هذا القول فلو مضت اربعة اشهر لا یقع الطلاق لانحلال الیمین بالحنث سواء حلف علی اربعة اشهر او اطلق او علی الابد۔ وقال کذلک بانت بواحدة لاحاجة الی انشاء تطلیق او الحکم بالتفریق۔ (رد المحتار علی الدر المختار ج ۲ ص ۵۹۳ باب الایلاء)[1]

ایلاء میں رجوع کیلئے بیوی کا انکار کرنا

سوال:۔ اگر خاوند ایلاء میں مدت کے اندر رجوع کرنا چاہتا ہو لیکن بیوی اس سے انکار کر رہی ہو تو خاوند کو کیا کرنا چاہیئے تاکہ اس کا نکاح بحال رہے؟

الجواب:۔ ایلاء کی مدت کے دوران منکوحہ خاوند کے نکاح میں رہتی ہے ایسی حالت میں اگر خاوند رجوع کرنا چاہے اور عورت انکار کر رہی ہو تو منکوحہ ناشزہ (نافرمان) کے حکم میں ہے تاہم اس کے انکار سے نکاح پر کوئی خاص اثر نہیں پڑتا، اگر خاوند عملی طور پر رجوع سے قاصر ہو تو زبانی طور پر ہی اس کا رجوع کافی ہے۔

لما قال العلامة الحصکفیؒ: وکذا حبسها و نشوزها ففیؤہ قوله بلسانه فئت الیها۔
(الدر المختار علی هامش رد المحتار ج ۲ ص ۵۹۹ باب الایلاء)[2]



---

[1] وفی الهندیة: فان قربها فی المدة حنث وتجب الکفارة فی الحلف باللّٰہ ـــ وان لم یقربها فی المدة بانت بواحدة۔ (الفتاوی الهندیة ج ۱ ص ۴۷۶ الباب السابع فی الایلاء)

[2] وفی الهندیة: ولو عجز عن جماعها لرتقها او لکونها ممتنعة او کانت فی مکان لا یعرفه وهی ناشزة ففیؤہ باللسان بان یقول فئت الیها۔
(الفتاوی الهندیة ج ۱ ص ۴۸۵ الباب السابع فی الایلاء۔ ثم الایلاء علی اربعة اوجه)
ومثله فی تبیین الحقائق شرح کنز الدقائق ج ۳ ص ۲۵ باب الرجعة۔

باب اللعان

(لعان کے احکام ومسائل)

لعان کا حکم

سوال:۔ ایک شخص نے بیوی پر زنا کاالزام لگاکر والدین کے گھر بھیجدیا، عورت نے فیمیلی ... سے تنسیخ نکاح کی ڈگری حاصل کرلی، کیا اس کے بعد یہ عورت دوسری جگہ نکاح کرسکتی ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ ازروئے شرع بیوی پر زنا کی تہمت لگانے میں خاوند کیلئے چار گواہوں کا پیش کرنا ضروری ہے ورنہ اس پر حدِ قذف جاری کی جائے گی، تاہم ایسی حالت میں شریعت میں اس کے لیے خصوصی طور پر ہوت قانون موجود ہے اس کو لعان کہاجاتا ہے جس میں خاوند قاضی کی عدالت میں چار بار قسم کھاکر اپنی صداقت ثابت کرے گا اور پانچویں بار یوں کہے گا کہ اگر میں جھوٹ بولوں تو مجھ پر خدا کی لعنت ہو اس کے بعد پھر عورت بھی چار بار قسم کھاکر خاوند کی تکذیب اور اپنی صداقت ثابت کرے گی اور پانچویں بار یوں کہے گی کہ اگر میں جھوٹ بولوں تو مجھ پر خدا کا قہر وغضب ہو اس سے لعان مکمل ہوجائے گا اور قاضی ان کے درمیان تفریق کردے گا۔

اگر عدالتی فیصلہ اس حقیقت کا حامل ہو تو اس سے عورت کو آزادی مل سکتی ہے ورنہ صرف زنا کے تہمت لگنے سے عورت اپنی ناراضگی کی وجہ سے تنسیخ نکاح کی ڈگری حاصل کرنے سے آزادی حاصل نہیں کرسکتی ہے۔

لما فی الهندية: اذا قال لها یا زانية او انت زنیت اورأیتك تزنی فانه یجب اللعان۔

(الفتاوى الهندية ج ۱ ص ۵۱۵ کتاب الطلاق الباب الحادی عشر فی اللعان)

وقال الله تعالیٰ: وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ اَزْوَاجَهُمْ وَلَمْ يَكُنْ لَّهُمْ شُهَدَآءُ اِلَّآ اَنْفُسُهُمْ فَشَهَادَةُ اَحَدِهِمْ اَرْبَعُ شَهٰدٰتٍۭ بِاللّٰهِ اِنَّهٗ لَمِنَ الصّٰدِقِيْنَ ○ وَالْخَامِسَةُ اَنَّ لَعْنَتَ اللّٰهِ عَلَيْهِ اِنْ كَانَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ○ وَيَدْرَؤُا عَنْهَا الْعَذَابَ اَنْ تَشْهَدَ اَرْبَعَ شَهٰدٰتٍۭ بِاللّٰهِ اِنَّهٗ لَمِنَ الْكٰذِبِيْنَ ○ وَالْخَامِسَةَ اَنَّ غَضَبَ اللّٰهِ عَلَيْهَآ اِنْ كَانَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ○

(پ۱۸، سورة النور آیت ۶، ۷، ۸، ۹)

وفی الهندية: واذا التعنا فرق الحاكم بينهما ولا تقع الفرقة حتى يقضى بالفرقة

علی الزوج فیفارقها بالطلاق ۔ (الفتاوی الہندیہ ج ۱ ص۵۱۶ کتاب الطلاق ۔الباب الحادی عشر فی اللعان) ۔ لہ

لعان کے بعد دوبارہ نکاح کرنا

سوال :۔ لعان کے ذریعہ میاں بیوی کے درمیان جدائی ہوجانے کے بعد بغیر حلالہ کے میاں بیوی کے درمیان ازدواجی تعلق قائم ہوسکتا ہے یا نہیں ؟

الجواب :۔ لعان کی صورت میں چونکہ تفریق قاضی کی طرف سے ہوتی ہے اس لیے ان دونوں کے درمیان دوبارہ نکاح نہیں ہوسکتا، اِلّا یہ کہ خاوند اپنے آپ کو جھوٹا کہے تو اُسے حدِ قذف لگاکر پھر ان دونوں کے درمیان نکاح ہوسکتا ہے ۔

قال العلامۃ المرغینانیؒ : وتکون الفرقۃ تطلیقۃ بائنۃ عند ابی حنیفۃ ومحمد رحمہما اللہ لان فعل القاضی انتسب الیہ کما فی العنین وھو خاطب اذا اکذبہ نفسہ ۔ الخ

(الھدایۃ ج ۲ ص۳۹۷ کتاب الطلاق ۔ باب اللعان) ۔ ۲ہ

لعان کے بعد عدالت کا میاں بیوی میں تفریق کرنا

سوال :۔ جب میاں بیوی آپس میں لعان کریں تو کیا دونوں کا نکاح خود بخود ختم ہوجائے گا یا حاکمِ وقت ان میں تفریق کرے گا ؟

الجواب :۔ اگر شوہر اپنی بیوی پر زنا کا الزام لگائے اور اس کے پاس گواہ نہ ہوں تو عند المطالبہ دونوں کا آپس میں لعان ضروری ہے، دونوں کا نکاح بسببِ لعان تو خود بخود ختم نہیں ہوگا بلکہ حاکمِ وقت، قاضی دونوں میں تفریق کرے گا اگرچہ دونوں اس پر

لہ قال العلامۃ المرغینانیؒ : واذا التعنالا تقع الفرقۃ حتی یفرق القاضی بینھما ۔

(الھدایۃ ج ۲ ص۳۹۷ کتاب الطلاق ۔ باب اللعان)

وَمِثْلُہٗ فی الدر المختار علی ھامش رد المحتار ج ۲ ص۶۳۹ باب اللعان قبیل مطلب فی الدعاء باللعن علی معین ۔

۲ہ وفی الھندیۃ ۔ قال ابوحنیفۃ رحمہ اللہ تعالیٰ الفرقۃ الواقعۃ فی اللعان فرقۃ بتطلیقۃ بائنۃ فیزول ملک النکاح وتثبت حرمۃ الاجتماع والتزوج مادا ما علی حالۃ اللعان ۔ (الفتاوی الھندیۃ ج ۱ ص۵۱۶، ۵۱۵ کتاب الطلاق ۔ الباب الحادی عشر فی اللعان)

وَمِثْلُہٗ فی الدر المختار علی ھامش رد المحتار ج ۲ ص۶۴۹ باب اللعان ۔ قبیل مطلب فی الدعاء باللعن علی معین ۔

راضی نہ ہوں۔

لما قال العلامة الحصکفیؒ: وصفتہ ما نطق النص الشرعی بہ من کتاب وسنۃ فان التعنا ولو اکثرہ بانت بتفریق الحاکم فیتوارثان قبل تفریقہ الذی وقع اللعان عندہٗ ویفرق وان لم یرضیا بالفرقۃ۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۳ ص۴۸۸ باب اللعان)[۱]

شوہر کا بیوی پر تہمتِ زنا سے انکار کرنا

سوال:۔ اگر عورت کسی کے کہنے پر اپنے شوہر کے خلاف تہمتِ زنا کا دعویٰ کرے کہ میرا شوہر مجھ پر زنا کی تہمت لگاتا ہے جبکہ شوہر اس بات کا انکار کرتا ہو کہ میں نے کسی کو بھی کوئی ایسی بات نہیں کہی، تو کیا اس صورت میں دونوں کے درمیان لعان ہوگا یا نہیں؟

الجواب:۔ شرعاً لعان اُسے کہا جاتا ہے کہ شوہر اپنی بیوی پر ایسی تہمت لگائے جو کسی غیر منکوحہ میں موجبِ حدِ زنا ہو، چونکہ صورتِ مسئولہ میں لعان کی تعریف صادق نہیں آتی اور نہ اس میں شرائطِ لعان موجود ہیں اس لیے اس میں لعان نہیں ہوگا۔

قال العلامۃ الحصکفی رحمہ اللہ: وسببہ قذف الرجل زوجتہ قذفا یوجب الحد فی الاجنبیۃ ...... فمن قذف بصریح الزنا فی دار الاسلام زوجتہ الحیۃ بنکاح صحیح۔

(الدر المختار علی هامش رد المحتار ج۲ ص۸۰۵،۸۰۶ باب اللعان)[۲]

دار الکفر میں بیوی پر تہمتِ زنا سے لعان لازم نہیں آتا

سوال:۔ اگر کوئی شخص دار الکفر مثلاً امریکہ یا لندن میں اپنی بیوی

---

[۱] قال العلامۃ ابن نجیم المصری رحمہ اللہ: تحت قولہ وصفتہ ما نطق بہ النص فان التعنا بانت بتفریق الحاکم ولا تبین قبلہ! ای الحاکم الذی وقع اللعان عندہ لو لم یفرق الحاکم حتی عزل او مات فالحاکم الثانی یستقبل اللعان عندهما۔ (البحر الرائق ج۴ ص۱۱۱ باب اللعان)

وَمِثْلُہٗ فی الاحوال الشخصیۃ ص۳۴۳ باب اللعان۔

[۲] قال المفتی عزیز الرحمٰنؒ: (اس قسم کا ایک سوال آپ سے بھی کیا گیا تو فرمایا) ”حکم لعان دریں صورت بحالت موجودہ بلا تحقیق شرائط لعان کردن درست نیست و حکم تفریق نافذ نیست واگر کسے فتویٰ دادہ است آں صحیح نیست بر وعمل نباید کرد۔“

(فتاویٰ دار العلوم دیوبند ج۱۰ ص۱۹۷ باب یازدہم لعان)

پر زنا کی تہمت لگائے اور عورت بھی شوہر سے جدا ہونا چاہتی ہو تو کیا وہ بذریعہ لعان جدائی اختیار کرسکتی ہے؟

الجواب:۔ فقہاء کرام نے اِس بات کی تصریح کی ہے کہ زنا کی تہمت لگانے کا یہ معاملہ دارالاسلام میں ہو، دارالکفر میں ایسا نہ ہوگا، چونکہ صورتِ مسئولہ میں تہمتِ زنا کا معاملہ دارالکفر میں پیش آیا ہے اس لیے یہاں لعان نہ ہوگا۔

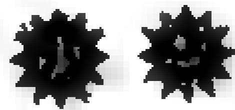
قال العلامة الحصکفیؒ: ویشترط ۔۔۔ کون القذف بصریح الزنا کونه فی دارالاسلام۔ قال العلامة ابن عابدینؒ: تحت (قوله دارالاسلام) اخرج دارالحرب۔ (ردالمحتار ج۲ ص۵۸۶ باب اللعان) [1]

شبۂ زنا موجب لعان نہیں

سوال:۔ اگر کوئی شخص اپنی بیوی پر زنا کا شبہ ظاہر کرے پورے یقین سے نہیں کہتا ہو تو کیا عورت کے مطالبے پر لعان ہوگا یا نہیں؟

الجواب:۔ لعان تب ہوگا جب شوہر بیوی پر صریح الفاظ سے زنا کی تہمت لگائے صرف شبہ کی صورت میں لعان نہیں اس لیے صورتِ مسئولہ میں صرف عورت کے مطالبے پر لعان نہیں کرایا جائے گا۔

قال العلامة الحصکفی رحمه الله: فمن قذف بصریح الزنا فی دارالاسلام۔ (الدرالمختار علی ہامش ردالمحتار ج۲ ص۵۸۴ باب اللعان) [2]



---

[1] قال المفتی عزیز الرحمٰنؒ: (اسی قسم کے ایک سوال کے جواب میں فرمایا) "لعان کے لیے چونکہ دارالاسلام کا ہونا بھی شرط ہے، کما صرح به فی کتب الفقه۔ لہٰذا اس ملک میں لعان کی کوئی صورت نہیں ہے، اور جبکہ لعان نہیں ہے تو تفریق بھی نہ ہوگی۔"
(فتاویٰ دارالعلوم دیوبند ج۱۰ ص۱۹۹ باب یازدہم۔ لعان)

[2] وفی الهندیة: سببه قذف الرجل امرأته قذفاً یوجب الحد فی الاجانب فیجب به اللعان بین الزوجین کذا فی النهایة: واذا قال لها یا زانیة او انت زنیت او رأیتك تزنین فانه یجب اللعان۔
(الفتاویٰ الهندیة ج۱ ص۵۱۵ الباب الحادی عشر فی اللعان)
ومثله فی فتاویٰ دارالعلوم دیوبند ج۱۰ ص۱۹۸ باب اللعان۔

باب الظہار

(ظہار کے مسائل)

ظہار میں تشبیہ ضروری ہے

سوال:۔ ایک شخص کا کسی بات پر اپنی بیوی سے جھگڑا ہوگیا تو اس نے بیوی کو مخاطب کرتے ہوئے کہا "میری ماں خاموش ہو جاؤ" تو ان الفاظ سے اس شخص کے نکاح پر کیا اثر پڑ سکتا ہے؟

الجواب: بیوی کو "ماں" جیسے الفاظ سے مخاطب کرنا بذاتِ خود سے بغاوت کے مترادف ہے اس لیے یہ الفاظ فقہاء کے نزدیک مکروہ ہیں، تاہم اداتِ تشبیہ نہ ہونے کی وجہ سے نکاح پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔

لما فی الهندية: ولو قال لها انت أمّی لا یکون مظاهرًا وینبغی ان یکون مکروهًا۔ الخ

(الفتاوی الهندية ج ۱ ص۵۰۷ کتاب الطلاق۔ الباب التاسع فی الظهار) [۱]

اپنی منکوحہ کو بہن کہنے کا حکم

سوال:۔ اگر کسی شخص نے اپنی منکوحہ کو یہ کہہ دیا کہ "تو مجھ پر طلاق ہے" اور پھر متصل یہ بھی کہا کہ "اگر میں نے تیرے ہاتھ کا کھانا کھایا یا چائے پی لی تو تو میری بہن ہے" کیا ان الفاظ سے نکاح پر کوئی اثر پڑتا ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ ظہار کے مسئلہ میں اداتِ تشبیہ کا ہونا لازمی ہے، چونکہ صورتِ مسئولہ میں کوئی حرفِ تشبیہ نہیں ہے اس لیے "تو میری بہن ہے" کہنے سے نکاح پر کوئی بُرا اثر مرتب نہیں ہوگا تاہم ایسے الفاظ کہنا کراہت سے خالی نہیں، البتہ یہ کہنا کہ "تو مجھ پر طلاق ہے" سے ایک طلاقِ رجعی واقع ہوگی جس میں رجوع بالقول یا بالفعل کافی ہے۔

لما قال الحصكفیؒ: وان نوی بانت علیّ مثل أمّی برًّا او ظهارًا او طلاقًا صحت نیته ووقع ما نوی وان لم ینو شیئًا او حذف الکاف لغوًا۔ (الدر المختار علی هامش رد المحتار ج ۲ ص۶۲۶ باب الظهار مطلب بلاغات محمد رحمہ اللہ تعالیٰ) [۲]

---

[۱] قال ابن نجیمؒ: فعلم انه لابد فی کونه ظهارًا من التصریح باداة التشبیه شرعًا (البحر الرائق ج ۴ ص۹۵ باب الظهار۔ کتاب الطلاق)

وَمِثْلُهُ فی رد المحتار ج ۲ ص۶۲۶ باب الظهار۔ مطلب بلاغات محمدؒ۔

[۲] قال المرغینانیؒ: ولو قال انت علیّ حرام کأمّی ونوی ظهارًا او طلاقًا فهو علی ما نوی۔ (الهداية ج ۲ ص۳۸۹ کتاب الطلاق باب الظهار)

وَمِثْلُهُ فی الهندية ج ۱ ص۵۰۷ کتاب الطلاق۔ الباب التاسع فی الظهار۔

ظہار میں عقل وبلوغ شرط ہے

سوال:۔ کیا طلاق کی طرح ظہار میں بھی مظاہر کا عاقل و بالغ ہونا ضروری ہے یا کہ صبی اور مجنون کا ظہار بھی درست ہوگا؟

الجواب:۔ قاعدہ کلیہ ہے کہ ہر تصرف کیلئے عاقل وبالغ ہونا شرط ہے تو طلاق کی طرح ظہار میں بھی مظاہر کا عاقل بالغ ہونا لازمی ہے۔

وفی الهندية: من الشرائط ان لا يكون معتوهاً ولا مدهوشاً ولا مبرسما ومغمىً عليه ولا نائماً فلا يصح ظهار هؤلاء۔ (الفتاوی الهندیة ج۱ ص۵۰۵ الباب التاسع فی الظهار)[۱]

ظہار میں بطورِ کفارہ کیا واجب ہوتا ہے

سوال: اگر کوئی شخص اپنی منکوحہ بیوی سے ظہار کرے تو اس پر بطور کفارہ کیا اور کتنا لازم ہوگا؟

الجواب:۔ ظہار کرنے سے بیوی شوہر پر اس وقت تک حرام ہوجاتی ہے جس وقت تک وہ کفارہ ادا نہ کرے، جس کے لیے دو ماہ مسلسل روزے رکھنا یا عدم استطاعت کی صورت میں ساٹھ مسکینوں کو دو وقت کھانا کھلانا یا ایک غلام آزاد کرنا ہے، جس کے بعد بیوی اس کے لیے حلال ہوجائے گی۔

وفی الهندية: وحكم الظهار حرمة الوطء والدواعی الی غاية الكفارة۔
(الفتاوی الهندية ج۱ ص۵۰۵ باب الظهار)[۲]

---

[۱] قال العلامة ابو بكر الكاسانیؒ: منها ان يكون عاقلاً اما حقيقة او تقديراً فلا يصح ظهار المجنون والصبی الذی لا يعقل لان حكم الحرمة وخطاب التحريم لا يتناول من لا يعقل۔ (بدائع الصنائع ج۳ ص۲۳۰ فصل الشرائط فانواع بعضها)

[۲] قال الشيخ الدكتور وهبة الزحيلی: تحريم الوطء بالاتفاق قبل التكفير كذا عند الجمهور غير الشافعية تحريم جميع انواع الاستمتاع ...... الكفارة كما دل القرآن والسنة النبوية فيما سبق انواع ثلاثة: (۱) عتق رقبة سالمة من العيوب صغيرة او كبيرة ذكرا ام انثىٰ (۲) صيام شهرين متتابعين (۳) اطعام ستين مسكيناً يوماً واحداً غداءً وعشاءً عند الحنفية۔
{ الفقه الاسلامی وادلته ج۷ ص۶۰۱،۶۰۲ المطلب الثالث اثر الظهار۔ المطلب الرابع كفارة الظهار }

تیرے قریب آؤں تو اپنی ماں کے قریب آؤں

سوال :۔ ایک شخص نے غصے میں اپنی بیوی سے کہا کہ اگر میں تیرے قریب آیا تو گویا میں اپنی ماں کے قریب آیا تو کیا ان الفاظ سے ظہار واقع ہوگا یا طلاق ؟

الجواب :۔ ظہار میں اداۃِ تشبیہ ضروری ہے اور طلاق مزیل نکاح کے الفاظ کہنا لازمی ہے، صورتِ مسئولہ میں چونکہ یہ الفاظ ان دونوں میں داخل نہیں اس لیے ظہار یا طلاق واقع نہیں ہوگا۔

وفی الهندية : ولو قال ان وطئتك وطئت اُمّی فلا شیٔ علیہ ۔

(الفتاویٰ الهندية ج ۱ ص۵۰۰ الباب التاسع فی الظهار) لہ

اگر میں گھر واپس آؤں تو گویا ماں کے ساتھ زنا کروں

سوال :۔ میاں بیوی کے مابین کسی بات پر تنازعہ ہوا تو شوہر نے چادر اٹھا کر کہا کہ اگر میں اس گھر میں واپس آؤں تو گویا میں اپنی ماں بہن سے زنا کروں ۔ شرعاً ان الفاظ کا کیا حکم ہے ؟ یہ شخص مظاہر شمار ہوگا یا نہیں ؟

الجواب :۔ فقہاءِ کرام نے تصریح کی ہے کہ ظہار میں اداۃِ تشبیہ ہونا ضروری ہے بغیر اس کے ظہار نہیں ہوگا۔ چونکہ صورتِ مسئولہ میں اداۃِ تشبیہ نہیں لہٰذا اس سے نہ ظہار واقع ہوگا نہ طلاق ۔

قال العلامۃ الحصکفیؒ : تعریفہ شرعاً تشبیه المسلم زوجته بمحرم علیه تابیداً ۔ (الدر المختار علی هامش رد المحتار ج ۲ ص۹۲۴ باب الظهار) ؎۲

لہ قال المفتی عزیز الرحمٰنؒ : سوال :۔ زید نے اپنی منکوحہ کو لڑائی اور غصہ کی حالت میں کہہ دیا کہ اگر میں تجھ سے جماع کروں تو گویا اپنی ماں یا بہن سے کروں، ایسی صورت میں طلاق واقع ہوگی یا ظہار ؟

الجواب :۔ عالمگیریہ میں ہے : ولو قال ان وطئتك وطئتُ اُمّی فلا شیٔ علیہ ۔ الخ اس عبارت سے معلوم ہوا کہ صورتِ مسئولہ میں طلاق و ظہار کچھ نہیں ہوا ۔

(فتاویٰ دار العلوم دیوبند ج ۱ ص۲۱۲ کتاب الطلاق)

؎۲ قال المفتی عزیز الرحمٰنؒ : اگر یہ کہا زوجہ کو کہ اگر میں تیرے گھر میں گھسوں تو اپنی ماں سے بدفعلی کروں تو یہ بھی لغو ہے، نہ ظہار ہے نہ طلاق ۔ (فتاویٰ دار العلوم دیوبند ج ۱ ص۲۱۳ باب الظهار)

وَمِثْلُہٗ فی بدائع الصنائع ج ۳ ص۲۲۹ کتاب الظهار ۔

بیوی کا خاوند کو بھائی کہنے سے ظہار لازم نہیں آتا

سوال :۔ جناب مفتی صاحب! ایک دن ٹی وی پر ہم نے "دین و دُنیا" پروگرام میں ایک ڈاکٹر صاحب سے یہ سُنا کہ اگر عورت اپنے شوہر سے یہ کہہ دے کہ تو میرا بھائی ہے تو اس سے ظہار واقع ہوجاتا ہے، دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا واقعی شرعاً عورت کے ان الفاظ سے ظہار لازم ہوگا یا نہیں ؟

الجواب :۔ شریعتِ اسلامی میں ظہار کا تعلق مرد سے ہے، عورت کے ایسے الفاظ کہنے کا شرعاً کوئی اعتبار نہیں، اس سے کچھ نہیں ہوتا۔

قال الشیخ المفتی عزیز الرحمٰن رحمہ اللہ : اس صورت میں نکاح قائم ہے عورت کے اس کہنے سے کچھ نہیں ہُوا۔ (فتاویٰ دار العلوم دیوبند جلد ۱۰ ص۲۱۱ باب الظہار) [1]

بار بار ظہار کے الفاظ منہ سے نکلنے کا حکم

سوال :۔ ایک شخص نے اپنی بیوی سے یہ کہا کہ تو مجھ پر میری ماں کی طرح ہے ابھی کفارہ ادا نہیں کیا تھا کہ پھر اس قسم کے الفاظ منہ سے نکالے پھر تیسری بار بھی اسی طرح کیا اس شخص پر تین دفعہ کفارہ ادا کرنا لازم ہوگا یا ایک بار ادا کرنے سے ذمہ فارغ ہوجائے گا ؟

الجواب :۔ اگر کسی نے اپنی بیوی سے کئی بار ظہار کے الفاظ کہے اور اس دوران کوئی کفارہ ادا نہیں کیا ہو تو ایک بار کفارہ ادا کرنے سے ذمہ فارغ ہوجائے گا، اور اگر ایک بار ظہار کرکے کفارہ ادا کردیا پھر ظہار کیا تو دوبارہ کفارہ ادا کرنا ہوگا اس سے پہلے ادا کیا گیا کفارہ کفایت نہیں کرے گا۔

لما قال الشیخ عبد الرحمٰن بن ناصر السعدیؒ : واذا کرر الظهار من زوجة واحدة فعليه كفارة واحدة الا ان ظاهر ثم كفر ثم ظاهر بعد الكفارة فعليه كفارة اخرىٰ ۔ (الفتاوىٰ المرأة المسلمة ج ۲ ص۸۰۲ باب الظهار)

---

[1] قال الامام ابو بکر الجصاص الرازیؒ ، قال اصحابنا لا یصح ظهار المرأة من زوجها وهو قول مالك والثوری والليث والشافعی ۔ (احکام القرآن للجصاص ج ۵ ص۳۱۱ فی ظهار المرأة من زوجها)
ومِثْلُهٗ فی احکام القرآن للتھانویؒ ج ۵ ص۱۱۰ المسئلة الرابعة ۔

"اگر تجھے رکھوں تو اپنی ماں کو رکھوں" کہنے سے طلاق کا حکم

سوال:- اگر کسی نے اپنی بیوی سے یہ کہا کہ "اگر تجھے رکھوں تو اپنی ماں کو رکھوں" کیا ایسے الفاظ کہنے سے طلاق واقع ہو جاتی ہے یا نہیں؟

الجواب:- چونکہ ان الفاظ میں اداتِ تشبیہ نہیں ہے لہٰذا صورتِ مرقومہ میں ظہار نہیں اور طلاق یا قسم کا ہونا خاوند کی نیت پر موقوف ہے، اگر اس نے طلاق کا ارادہ کیا ہے تو طلاق واقع ہو کر تجدیدِ نکاح کافی ہے، اور اگر قسم کی نیت تھی تو یہ الفاظ ایلاء میں شمار ہو کر اس میں بھی تجدیدِ نکاح کافی ہے۔

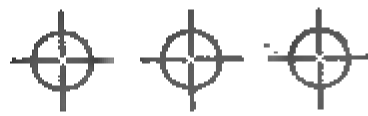
قال العلامۃ ابن نجیم المصری رحمہ اللہ: فعلم انہ لابد فی کونہ ظہاراً من التصریح باداۃ التشبیہ شرعاً۔ (البحر الرائق ج۴ ص۹۸ باب الظہار) [1]

دس مرتبہ ظہار سے کفارہ کا حکم

سوال:- اگر کوئی شخص اپنی بیوی سے یہ کہے کہ تم میرے اوپر میری ماں کی طرح دس مرتبہ ہو تو کیا یہ شخص ایک مرتبہ کفارہ دے گا یا دس مرتبہ کفارہ دے گا؟

الجواب:- کسی بھی لفظ کی تعداد ذکر کرنا ایسا ہی ہے جیسا اتنی بار اس نے اس لفظ پر تلفظ کیا ہو، جیسے کوئی شخص طلاق دیتے وقت لفظ طلاق عدد کا ذکر کرے تو اتنی طلاق واقع ہو جاتی ہیں، لہٰذا یہاں (صورتِ مسئولہ میں) بھی دس مرتبہ ظہار واقع ہو چکا ہے، اس لیے یہ شخص دس بار کفارہ دے گا۔

قال العلامۃ الحصکفیؒ: لو قال ان تزوجتک فانت علی کظہر امی مائۃ مرۃ فعلیہ لکل مرۃ کفارۃ۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۳ ص۴۶۷ باب الظہار)



---

[1] وقال العلامۃ ابن الہمام رحمہ اللہ:- فعلم انہ لا بد فی کونہ ظہاراً من التصریح باداۃ التشبیہ شرعاً ومثلہ ان یقول لہا یا بنتی او یا اختی ونحوہ وفی مثل امی او کامی ینوی فان کان ینوی الطلاق وقع بائناً۔ (فتح القدیر شرح الہدایۃ ج۴ ص۹۱ کتاب الطلاق، فصل فیما تحل بہ المطلقۃ - باب الایلاء)

ومثلہ فی الدر المختار علی ہامش رد المحتار ج۲ ص۴۲۶ کتاب الطلاق - باب الایلاء۔

باب الخلع

(خُلع کے مسائل واحکام)

صرف خُلع کے وعدہ سے عورت آزاد نہیں ہوسکتی

سوال:۔ ایک شخص اگر جرگہ (پنچایت) کے سامنے وعدہ کرے کہ میں فلاں تاریخ تک بیوی سے اتنی رقم لے کر اس کو آزاد کردوں گا، لیکن اب وہ شخص وعدہ پورا نہیں کر رہا، کیا اس کا وعدۂ خُلع متصوّر ہوکر عورت آزاد ہوسکتی ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ خلع میں میاں بیوی کے درمیان باقاعدہ ایجاب وقبول کرنا ضروری ہے صرف خُلع کے وعدہ سے عورت کو آزادی نہیں ملتی کیونکہ خُلع ایک عقد اور انشاء کا نام ہے۔

قال ابن عابدینؒ: یقال خالعت المرأة زوجها مخالعة اذا افتدت منه فخلعها۔
(رد المحتار ج۲ ص۶۰۴ باب الخلع) [1]

اجنبی شخص پر بدلِ خلع کے لزوم کا حکم

سوال:۔ اگر کوئی عورت اپنے خاوند کے ساتھ خلع کرنے پر آمادہ ہو اور اس کے پاس بدلِ خلع نہ ہو اور کوئی دوسرا شخص جو اس عورت کے ساتھ آزادی کے بعد نکاح کا ارادہ رکھتا ہو وہ بدلِ خلع کی ذمہ داری اٹھائے تو کیا اس شخص پر بدلِ خُلع کی ادائیگی لازم ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ بدلِ خلع کی ادائیگی کی ذمہ داری اگر کوئی اجنبی شخص اٹھائے تو خُلع واقع ہوکر عورت بائن ہوجاتی ہے اور اجنبی شخص پر بدلِ خُلع کی ادائیگی لازم ہے تاہم اس کے بعد اس عورت سے نکاح کرنا الگ معاملہ ہے جس کے وجود یا عدم وجود پر خلع کا وجود موقوف نہیں۔

---

[1] وفی الهندیة: وکذا لو قالت طلقتنی بکذا فقال نعم فلیس بشئ لانه وعد۔
(الفتاوی الهندیة ج۱ ص۴۸۸ الباب الثامن فی الخلع وما فی حکمه)

وقال ابن نجیمؒ: وشرعاً علیٰ ما اخترناه ازالة ملك النكاح المتوقفة علیٰ قبولها بلفظ الخُلع اوما فی معناه۔ (البحر الرائق ج۴ ص۷۷ باب الخلع)

وَمِثْلُهٗ فی بدائع الصنائع ج۳ ص۱۵۲ فصل واما الطلاق علیٰ مال فهو فی احکامه کالخلع۔

قال العلامة الحصکفیؒ: فان خالعها الاب علی مال ضامنًا له ـــ وقال: کالخلع مع الاجنبی۔

قال ابن عابدینؒ: تحت هٰذا القول، وحاصل الامر فیه انهٗ اذا خاطب الزوج فان اضاف البدل الی نفسه یفید ضمانه لهٗ او ملکه ایاه کاخلعها بالف علیّ او علی انی ضامن صح والبدل علیه۔ (الدر المختار علی هامش رد المحتار ج۲ ص۷۶۱ باب الخلع مطلب فی خلع الفضولی) ؎۱

نافرمان عورت سے خُلع کرنا

سوال:۔ اگر کسی شخص کی بیوی نافرمان ہو اور والدین کے گھر مدتوں بلاوجہ بیٹھی رہتی ہو، خاوند کے بار بار مطالبہ پر اس کے پاس نہ آتی ہو، تو اگر خاوند ایسی نافرمان عورت سے خلع کرکے کچھ رقم وصول کرے تو کیا خاوند کے لیے اس رقم کا کھانا حلال ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ اگر عورت کی نافرمانی بلاوجہ ہو اور خاوند اس میں قصوروار نہ ہو تو خاوند کے لیے خُلع کرکے رقم لینے میں کوئی حرج نہیں، اس حالت میں حق مہر سے زیادہ رقم بھی خُلع میں وصول کی جاسکتی ہے، البتہ اگر خاوند کی کسی کمزوری کی وجہ سے بیوی نافرمان ہو تو خاوند کے لیے حق مہر سے زائد رقم لینا اگرچہ قضاءً جائز ہے لیکن کراہت سے خالی نہیں۔

قال العلامة الحصکفیؒ، وکره تحریمًا اخذ شئ ویلحق به الابراء عما لها علیه ان نشز وان نشزت لا ولو منه نشوز ایضًا ولو باکثر مما اعطاها علی الاوجه فتح وصحح الشمنی کراهة الزیادة وتعبیر الملتقی لاباس به یفید انها تنزیهیة۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۳ ص۴۴۵ باب الخلع) ؎۲

؎۱ قال العلامة ابن نجیم المصریؒ: وفی البزازیة الکبیرة اذا خلعها ابوها او اجنبی باذنها جاز والمال علیها۔ (البحر الرائق ج۴ ص۹۱ باب الخلع)

وَمِثْلُهٗ فی فتح القدیر ج۴ ص۷۹ باب الخلع

؎۲ قال العلامة ابن نجیم المصری رحمه الله: تحت قوله وکره له اخذ شئ ان نشز وَ ان نشزت لا ای لایکره له الاخذ اذا کانت هی الکارهة اطلقه فشمل القلیل والکثیر وان کان اکثر مما اعطاها وهو المذکور فی الجامع الصغیر والمذکور فی الاصل کراهة الزیادة علی ما اعطاها ینبغی حمله علی خلاف الاولیٰ۔

(البحر الرائق ج۴ ص۷۶ باب الخلع)

خاوند کی رضامندی کے بغیر قاضی کو خلع کرانے کا حق نہیں

سوال:۔ ایک شخص صحت و مال کے اعتبار سے نیز دیگر اعتبارات سے بھی معیوب نہیں لیکن اس کی بیوی نے عدالت میں اس کے خلاف خلع کا دعویٰ دائر کر رکھا ہے جبکہ خاوند تفریق پر راضی نہیں، تو کیا قاضی خاوند کی رضامندی کے بغیر تفریق یا خلع کرا سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ جب خاوند بیوی کے حقوق کی ادائیگی میں کوتاہی نہیں کرتا ہو تو اس صورت میں خاوند کی رضامندی کے بغیر قاضی کو خلع و تفریق کرانے کا حق نہیں، کیونکہ طلاق اور خلع میں رضاءِ زوج شرط ہے۔

قال العلامة الکاسانیؒ : واما رکنه فهو الایجاب والقبول لانه عقد علی الطلاق بعوض فلا تقع الفرقة ولا یستحق العوض بدون القبول۔

(بدائع الصنائع ج۳ ص۱۴۵ کتاب الطلاق۔ فصل فی الخلع)

وقال الامام السرخسی رحمه الله : والخلع جائز عند السلطان وغیره لانه عقد یعتمد التراضی کسائر العقود وهو بمنزلة الطلاق بعوض وللزوج ولایة ایقاع الطلاق ولها ولایة الالتزام العوض۔ (المبسوط للشمس الائمة السرخسیؒ ج۶ ص۱۷۳ باب الخلع)[له]

بدلِ خلع کی مقدار

سوال:۔ کیا بدلِ خلع کی کوئی حد ہے یا نہیں؟ اگر حق مہر سے زائد مال سے خلع کیا جائے تو خاوند کے لیے اس زائد مال کا لینا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ بدلِ خلع کے لیے کوئی خاص مقدار متعین نہیں، میاں بیوی کی باہمی رضامندی سے جس مقدار پر بھی اتفاق ہو تو خلع سے بیوی آزاد ہو جائے گی، تاہم اگر اس طرح سے باہمی جدائی کا سبب خاوند کا معاندانہ رویہ اور انسانیت سوز سلوک ہو تو خاوند کے لیے حق مہر سے زائد رقم لینا مکروہ ہے ورنہ بصورتِ دیگر ناشزہ (نافرمان) عورت سے حق نکاح کے عوض جو مقدار بھی مقرر ہو خاوند کے لئے لینے میں کوئی حرج نہیں۔

لما فی الهدایة : وان کان النشوز منها کرهنا له ان یاخذ منها اکثر مما

له وفی الهندیة : وشرطه (ای الخلع) شرط الطلاق۔ (الفتاویٰ الهندیة ج۱ ص۴۸۸ الباب الثامن فی الخلع وما فی حکمه۔ الفصل الاول فی شرائط الخلع وحکمه ومایتعلق.

ومثله فی الدر المختار علی هامش رد المحتار ج۲ ص۷۰۶ باب الخلع۔

اعطاھا..... ولو اخذ الزیادۃ جاز قضاءً۔ (الھدایۃ ج۲ ص۳۸۳ باب الخلع) [1]

ناچاکی کی صورت میں خلع بہتر ہے

سوال:۔ اگر میاں بیوی کی طبیعتوں میں ایک دوسرے سے لگاؤ نہ ہو اور ہر وقت ناچاقی رہتی ہو اور حدود اللہ کی رعایت نہ رکھنے کا قوی اندیشہ ہو، اس صورت میں اگر عورت خُلع کرنا چاہے تو شرعاً کیا حکم ہے؟

الجواب:۔ جب طبائع میں ایک دوسرے سے ہم آہنگی کے بجائے آپس میں نفرت پیدا ہو رہی ہو اور اس سے مختلف معاشرتی اور اخلاقی مسائل پیدا ہو رہے ہوں تو ان حالات میں اکٹھا رہنے کی بجائے بذریعہ خُلع علیحدہ ہو جانا بہتر ہے۔

قال اللہ تبارک وتعالیٰ: فَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا يُقِيمَا حُدُودَ اللَّهِ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا فِيمَا افْتَدَتْ بِهِ (البقرۃ آیت ــ) [2]

خلع عورت کے قبول پر موقوف ہے

سوال:۔ اگر ایک شخص اپنی بیوی کو کسی رقم کے عوض طلاق دینے پر آمادہ ہو تو اس کے نافذ ہونے کے لیے کن شرائط کی رعایت ضروری ہے؟

الجواب:۔ کسی نقد رقم یا جائداد خواہ حق مہر ہو یا اس سے زائد پر خاوند بیوی کو طلاق دینا چاہے تو اس صورت میں چونکہ عورت مقررہ مال کی خاوند کو ادائیگی کی پابند ہوتی ہے اس لیے اس کی صحت عورت کی قبول پر موقوف ہے، عورت اگر قبول نہ کرے تو خاوند اس سے جبری طور پر مطالبہ نہیں کر سکتا اور نہ عورت خاوند کو مال کے عوض طلاق دینے پر مجبور کر سکتی ہے، ایسی طلاق بالمال خلع کے نام سے موسوم ہے جس میں اگر خاوند تین طلاق اکٹھی دے دے تو منکوحہ مُطلقہ مغلظہ کے حکم میں ہو گی ورنہ خلع سے طلاق بائن واقع ہوتی ہے۔

---

[1] وقال العلامۃ ابن عابدین رحمہ اللہ: نعم یکون اخذ الزیادۃ خلاف الاولیٰ۔
(ردّ المحتار علی الدرّ المختار ج۲ ص۶۰۶ باب الخلع)
وَمِثْلُہٗ فی الھندیۃ ج۱ ص۴۹۵ باب الخُلع۔

[2] قال المرغینانیؒ: واذ اتشاق الزوجان وخافان لا یقیما حدود اللہ فلا بأس بان تفتدی نفسھا منہ بمال یخلعھا بہ۔ (الھدایۃ ج۲ ص۳۸۳ کتاب الطلاق، باب الخلع)
وَمِثْلُہٗ فی الدر المختار علیٰ ھامش ردّ المحتار ج۲ ص۶۰۶ بابُ الخلع۔

لما قال العلامة ابن عابدینؒ : واما رکنه فهو کما فی البدائع اذا کان بعوض الایجاب والقبول۔ (رد المحتار ج ۲ ص ۵۵۶-۵۵۷ باب الخلع) [1]

بیٹے کی طرف سے باپ خلع نہیں کرسکتا

سوال:۔ ایک نابالغ لڑکے اور نابالغ لڑکی کا نکاح دونوں کے والدین نے بچپن میں کردیا تھا اب جبکہ لڑکی بالغ ہوگئی ہے اور لڑکا ابھی تک نابالغ ہے، دونوں میں ناچاقی پیدا ہوکر لڑکی باپ کے گھر چلی گئی ہے، بعد میں لڑکے کے والد نے لڑکی والوں سے بدل خلع تین سو روپے لیکر خلع کرلیا، دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا نابالغ لڑکے کی طرف سے باپ کا کیا گیا خُلع درست ہے؟ اور لڑکی دوسری جگہ نکاح کرسکتی ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ نابالغ نہ خود خلع کا اہل ہے اور نہ ہی والد اس کی طرف سے خُلع کرسکتا ہے لڑکی تاحال لڑکے کے نکاح میں ہے اور کسی دوسری جگہ اس کا نکاح جائز نہیں، لڑکے کے بالغ ہونے کے بعد صحیح صورتحال سامنے آسکتی ہے۔

لما فی الهندیة : اذا خلع الاب علی ابنه الصغیر لا یصح ولا یتوقف علی اجازته.کذا فی فتاوی قاضیخان ،خلع السکران والمکرہ جائز وخلع الصبی باطل۔
(الفتاوی الهندیة ج ۱ ص ۵۰۴ الفصل الثالث فی الطلاق با لمال) [2]

---

[1] وفی الهندیة :ولو زاد الزوج علی حرف الجواب فقال طلقتك ثلا ثاً بالف عند ابی حنیفةؒ یتوقف علی قبولها فان قبلت یقع الثلاث ویلزمها ألف وان لم تقبل یطل وعلیٰ قولهما یقع للثلاث بألف قبلت ام لا کذا فی شرح الجامع الصغیر لقاضی خانؒ۔
{الفتاوی الهندیة ج ۱ ص ۴۹۶ الباب الثامن فی الخلع}

[2] :۔قال العلامة ابن نجیم المصری رحمه الله : وقید بالانثی ای فی متن الکنز) لانه لو خلع ابنه الصغیر لا یصح ولا یتوقف خلع الصغیر علی اجازة الولی۔
(البحر الرائق شرح الکنز الدقائق ج ۴ ص ۹۱ باب الخلع)
ومثله فی فتاوی قاضی خان علیٰ هامش الهندیة ج ۱ ص ۵۳۶ باب الخلع۔

خُلع طلاقِ بائن کے حکم میں ہے

سوال:۔ جناب مفتی صاحب! خُلع فقہاءِ احناف کے ہاں طلاق ہے یا فسخ نکاح؟

الجواب:۔ اس مسئلہ میں فقہاء کا اختلاف ہے، احناف کثر اللہ سوادہم کے نزدیک خُلع طلاقِ بائن کے حکم میں ہے جبکہ شوافع اس کو فسخ نکاح میں شمار کرتے ہیں۔

قال العلامۃ الحصکفیؒ: وقع طلاق بائن فی الخلع رجعی فی غیرہ وقوعًا۔

قال العلامۃ ابن عابدینؒ: تحت قولہ (بائن فی الخلع) لانہ من الکنایات الدالۃ علی قطع الوصلۃ فکان الواقع بہ بائنًا۔ (رد المحتار ج۲ ص۶۰۹ باب الخُلع) [۱]

ایجابِ خُلع کے بعد شوہر کا رجوع صحیح نہیں

سوال:۔ خُلع میں شوہر نے ایجاب کیا، ابھی عورت نے قبول نہیں کیا تھا کہ شوہر نے رجوع کے الفاظ کہے مگر اس کے باوجود بھی عورت نے خُلع قبول کر لیا تو کیا اس سے خُلع لازم ہوگا یا شوہر کا رجوع صحیح ہے؟

الجواب:۔ خُلع چونکہ مرد کی جانب سے یمین ہے اور یمین میں شرعاً رجوع نہیں کیا جا سکتا، اس لیے صورتِ مسئولہ میں شوہر کا رجوع کرنا درست نہیں بلکہ عورت کے قبول کر لینے سے خُلع نافذ العمل ہوگا، البتہ اگر ایجاب عورت کی طرف سے ہو تو شوہر کا رجوع کرنا صحیح ہے۔

قال العلامۃ الحصکفیؒ: هو یمین فی جانبہ لانہ تعلیق الطلاق بقبول المال فلا یصح رجوعہ عنہ قبل قبولها ولا یصح شرط الخیار لہ ولا یقتصر علی المجلس ای مجلسہ ویقتصر قبولها علی مجلس علمها وفی جانبها معاوضۃ بمال فصح رجوعها قبل قبولہ وصح شرط الخیار لها۔ (الدر المختار علی هامش رد المحتار ج۲ باب الخلع ص۶۰۶، ۶۰۷) [۲]

---

[۱] قال الشیخ وهبۃ الزحیلی: یقع بہ طلقۃ بائنۃ ولو بدون عوض اونیۃ فی رأی الحنفیۃ والمالکیۃ والشافعیۃ فی الراجح واحمد فی روایۃ۔ (الفقہ الاسلامی وادلتہ ج۷ ص۵۰۰ البحث الخامس آثار الخلع)

ومثلہ فی الهندیۃ ج۱ ص۴۸۸ الباب الثامن فی الخلع وما فی حکمہ۔

[۲] قال الشیخ وهبۃ الزحیلی: وذهب ابوحنیفۃؒ الی ان الخلع قبل قبول المرأۃ یمین من جانب الزوج فلا یصح الرجوع عنہ لانہ علق طلاقها علی قبول المال والتعلیق یمین اصطلاحًا ویعتبر معاوضۃ بمال من جانب الزوجۃ لانها التزمت بالمال فی مقابل افتداء نفسها وخلاصها من الزوج۔

(الفقہ الاسلامی وادلتہ ج۷ ص۴۸۸ البحث الثانی، صفۃ الخلع۔

خلع کے بعد تجدیدِ نکاح صحیح ہے

سوال:۔ ایک شخص نے بیوی کے ساتھ خلع کیا، اب وہ دوبارہ اس کے ساتھ نکاح کرنے کا ارادہ رکھتا ہے، تو کیا شرعاً تجدیدِ نکاح سے نکاح ہو جائے گا یا نہیں؟

الجواب:۔ احناف کے ہاں چونکہ خلع سے طلاقِ بائن واقع ہوتی ہے اور طلاقِ بائن کے بعد تجدیدِ نکاح سے نکاح صحیح ہو جاتا ہے، لہٰذا اگر صورتِ مسئولہ میں صرف خلع ہوا ہو تو دوبارہ نکاح ہو سکتا ہے۔

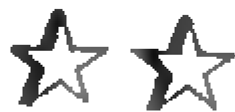
قال العلامة الحصكفيؒ: الواقع ولو بلا مال (وبالطلاق) الصريح على مال طلاق بائن۔ (ردالمحتار ج۲ ص۶۰۸ باب الخلع) [۱]

صبی و مجنون کا خلع نافذ العمل نہیں

سوال:۔ کیا صبی و مجنون وغیرہ کا خلع صحیح ہے جب وہ اپنی بیوی سے بعوض حق مہر یا دیگر اموال کے بدلے خلع کرے؟

الجواب:۔ خلع ایک قسم کی طلاق ہے اس میں ہر اُس شرط کا ہونا ضروری ہے جو طلاق کیلئے ضروری ہو، چونکہ صبی و مجنون اور معتوہ کی طلاق شرعاً صحیح نہیں اسلئے ان کا خلع کرنا بھی درست نہیں۔

وفی الهندية: وخلع الصبيّ باطل والمعتوه والمغمىٰ عليه ومن مرضٍ بمنزلة الصبيّ في ذلك هكذا في المبسوط۔ (الفتاوىٰ الهندية ج۱ ص۵۰۳ الباب الثامن في الخلع) [۲]



---

[۱] وفي الهندية: وحكمه وقوع الطلاق البائن كذا في التبيين۔
(الفتاوىٰ الهندية ج۱ ص۴۸۸ الباب الثامن في الخلع وما حكمه)
ومِثْلُهٗ في تبيين الحقائق ج۲ ص۲۶۷ باب الخلع۔

[۲] قال الشيخ الدكتور وهبة الزحيلي: يشترط في الخلع ما يأتي (۱) أهلية الزوج لايقاع الطلاق بان يكون بالغاً عاقلاً في رأي الجمهور ...... فكل من لا يصح طلاقه كالصبي والمجنون والمعتوه ومن أختل عقله لمرض اوكبر سنٍ۔
(الفقه الاسلامي وأدلته ج۷ ص۴۹۰ المبحث الثالث، شروط الخلع)

باب العنین

(نامرد کے مسائل و احکام)

زوجۂ عنین کا حکم

سوال:۔ ایک لڑکی کا نکاح ایک لڑکے سے کر دیا گیا، شادی کے بعد معلوم ہوا کہ لڑکا تو عنین (نامرد) ہے اور حقوقِ زوجیت ادا نہیں کر سکتا، علاج و معالجہ سے بھی کوئی افاقہ نہیں ہوا، لڑکی جوان ہے شرعاً اس مسئلہ میں کیا حکم ہے؟

الجواب:۔ اگر خاوند کے عنین ہونے کا علم نکاح سے قبل منکوحہ کو ہو نیز عورت نے اسکے نامرد ہونے پر علم حاصل ہونے کے بعد اسکے نکاح میں رہنے پر رضامندی ظاہر نہ کی ہو اور خاوند نے اسکے ساتھ ایک دفعہ بھی جماع نہ کیا ہو تو پھر قاضی یا مسلمان حاکم کے حکم سے خاوند کو علاج معالجہ کیلئے ایک سال کی مہلت دی جائے گی، ایک سال میں اگر وہ صحتیاب نہ ہو سکا تو عورت کے مطالبہ پر قاضی یا مسلمان حاکم دونوں کے درمیان تفریق کرکے نکاح فسخ کر دے گا، اور اگر قاضی یا حاکم فسخ نکاح کے لیے میسر نہ ہوں تو عورت خود بھی اپنا نکاح فسخ کر سکتی ہے جب وہ اپنے نفس کو اس کے نکاح سے علیحدہ کرنے کے لیے اختیار حاصل کرے۔

لما قال ابن عابدینؒ: ویکفی اختیار نفسها ولا یحتاج الی القضاء کخیار العتق قیل وهو الاصل۔ کما فی غایة البیان وفی البدائع عن شرح مختصر الطحاوی ان الثانی ای عدم الاحتیاج الی القضاء ظاهر الروایة۔ (ردّ المحتار علی الدر المختار ج ۲ ص ۶۴۷ باب العنین مطلب فی الطبائع فصول السنة الاربع)۔

یہاں یہ یاد رہے کہ علاج معالجہ کیلئے ایک سال کی مہلت قاضی یا حاکم ہی کے حکم سے جھگڑنے کے وقت سے مقرر کی جائے گی، کسی دوسرے شخص کے کہنے سے قبل از خصومت و تنازع تقرر کا اعتبار نہ ہوگا۔

قال ابن عابدینؒ: وعبرة بتاجیل غیر قاضی البلد الواجبة ولا یعتبر بتاجیل غیر الحاکم کائنا من کان۔ (ردّ المحتار ج ۲ ص ۶۴۹ باب العنین مطلب فی عطف الخاص علی العام) وفی الدر المختار: ویؤجل من وقت الخصومة۔ (ج ۲ ص ۶۴۶ باب العنین) [1]

---

[1] قال المرغینانیؒ: واذا کان الزوج عنینا اجل الحاکم سنة فان وصل الیها فبها والا فرق بینهما اذا طلبت المرأة ذٰلک۔ (الهدایة ج ۲ ص ۳۹۹ باب العنین وغیره)

ومثله فی الهندیة ج ۱ ص ۵۲۳ الباب الثانی فی العنین۔

ابتداءً رضامندگی سے خیار باطل ہوجاتا ہے

سوال:۔ اگر کوئی عورت ابتداءً عنین شوہر کے ساتھ رہنے پر آمادگی ظاہر کرے اور سال دو سال بعد شوہر سے الگ ہونے کا دعویٰ عدالت میں دائر کردے تو کیا اس عورت کو شوہر سے الگ ہونے کا شرعاً حق حاصل ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ اگر کوئی عورت شادی کے بعد اپنے شوہر کو عنین پائے تو اس کو بذریعہ عدالت نکاح فسخ کرنے کا اختیار حاصل ہے مگر جب وہ ایسے شوہر کے ساتھ رہنے پر آمادگی ظاہر کردے تو پھر اس کو تفریق یعنی فسخ نکاح کا حق باقی نہیں رہتا۔

قال الشیخ وھبۃ الزحیلی: اشترط الفقھاء شرطین لثبوت الحق فی طلب التفریق بالعیب وھما......(۲) الا یرضی بالعیب بعد العقد فان کان طالب التفریق جاھلاً بالعیب ثم علم بہ بعد ابرام العقد ورضی بہ سقط حقہ فی طلب التفریق۔ (الفقہ الاسلامی وادلتہ ج۷، ص۵۲۱ شروط التفریق بالعیب) [1]

خیار فسخ کے ختم ہونے کی شرائط

سوال:۔ اگر ایک عورت کو کسی طریقہ سے یہ معلوم ہوجائے کہ وہ جماع پر قادر نہیں اس کے باوجود وہ اس کے ظاہری حسن وجمال یا اس کے مال ودولت کے لالچ کی وجہ سے اس سے نکاح کرے اور کچھ عرصہ کے بعد اس بناء پر تفریق کا مطالبہ کرے کہ یہ شخص جماع پر قادر نہیں ہے، تو کیا اس عورت کو نکاح فسخ کرنے کا حق حاصل ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ علماء احناف کے ہاں شوہر میں عیب کی وجہ سے فسخ نکاح کیلئے چند شرائط ہیں۔ (۱) یہ کہ اس عورت کو شوہر کے اُس عیب کا علم نکاح سے قبل نہ ہو۔ (۲) یہ کہ اس عورت کو شوہر کا یہ عیب نکاح سے پہلے معلوم ہو اور اس کے باوجود وہ اس سے نکاح کرے تو پھر اس کو طلب تفریق (یعنی نکاح فسخ کرنے) کا کوئی حق نہیں۔ اسی طرح صورت مسئولہ

---

[1] قال العلامۃ ابن نجیمؒ: وان اختارتہ بطل حقھا..... اشار ببطلانہ باختیارھا الی انہٗ لو فرق بینھما ثم تزوجھا ثانیاً لم یکن لھا خیارٌ لرضاھا بحالہ کما لو تزوجتہ عالمۃ بحالۃ علی المفتی بہ۔ (البحر الرائق ج۴ ص۱۲۵ باب العنین)

وَمِثْلُہٗ فی الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۳ ص۵۰۵ باب العنین۔

ہیں بھی اس عورت کو فسخ نکاح کا حق حاصل نہیں ہے۔

لما قال الشیخ ابو زهرةؒ: ویشترط للتفریق فی العنة والجب والخصاء ثلاثة شروط (اولاً) . تکون عالمه بذلك عند العقد فان علمت به عند العقد ورضیت فانه لیس لها الحق فی طلب التفریق بسببه۔

(الاحوال الشخصیة ص۳۵۶ التفریق للعیب) ؎۱

خصی اور عنین کا حکم ایک ہی ہے

سوال:۔ جناب مفتی صاحب! جس طرح عنین کے لیے (بغرض علاج معالجہ) ایک سال کی مہلت ہے تو کیا خصی کو ایک سال کی مہلت دی جائے گی یا بغیر مہلت کے ہی میاں بیوی میں تفریق کی جائے گی؟

الجواب:۔ عنین اور خصی دونوں کو قاضی علاج کے لیے ایک سال کی مہلت دے گا تاکہ وہ اس مدت میں اپنا علاج کرا کے جماع کے قابل ہو سکے، اور اگر اس کے باوجود وہ جماع کے قابل نہ ہو سکے تو ایک سال کے بعد دونوں میں تفریق کر دی جائے گی۔

لما قال الشیخ الامام ابو زهرةؒ: أما العنة والخصاء فلا یحکم القاضی بالتفریق فیهما بمجرد طلبها وثبوت عدم قبولها بل لا بد من تاجیلها سنة ویثبت انه لم یقربها وذلك لان عمر رضی الله عنه أجل التفریق سنة عند ما طلبت امرأة التفریق لأن زوجها لم یقربها۔ (الاحوال الشخصیة ص۳۵۷ التفریق للعیب) ؎۲

؎۱ قال الشیخ وهبة الزحیلی: اشترط الفقهاء شرطین لثبوت الحق فی طلب التفریق بالعیب وهما (۱) الا یکون طالب التفریق عالماً بالعیب وقت العقد فان علم به فی العقد و عقد الزواج لم یحق له طلب التفریق لأن قبوله التعاقد مع علمه بالعیب رضا منه بالعیب۔ (الفقه الاسلامی وادلته ج۷ ص۵۲۱ شروط التفریق بالعیب)

وَمِثْلُهٗ فی الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۳ ص۵۰۰ باب العنین۔

؎۲ قال العلامة ابن نجیم المصریؒ: وأجل سنة لو عنینا او خصیا وهو من نزع خصیتاه وبقی ذکره۔ (البحر الرائق ج۴ ص۱۲۴ باب العنین)

وَمِثْلُهٗ فی الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۳ ص۴۹۶ باب العنین۔

مقطوع الذکر کا حکم

سوال :۔ اگر کوئی شخص مجبوب ہو (یعنی جس کا آلۂ تناسل بالکل نہ ہو) تو کیا اسے بھی ایک سال کی مہلت دی جائے گی یا نہیں ؟

الجواب :۔ رشتۂ ازدواج میں منسلک ہونے کے بعد اگر کسی عورت کا شوہر مجبوب یا مقطوع الذکر ہو جائے تو اس کو مہلت دینے میں چونکہ کوئی فائدہ نہیں اور نہ وہ مقصد حاصل ہو سکتا ہے جو مہلت دینے سے مقصود ہوتا ہے اس لیے مجبوب کو مہلت دیئے بغیر دونوں کے درمیان قاضی یا جج تفریق کر دے گا۔

قال العلامة ابن نجیم المصریؒ : وجدت زوجها مجبوباً فرق فی الحال وهو من استؤصل ذکرہ و خصیتاہ ...... وانما لم یؤجل لعدم الفائدۃ۔

(البحر الرائق ج ۴ ص ۱۲۲ باب العنین وغیرہ) [1]

عقیم مرد سے فسخ نکاح کا حکم

سوال :۔ جناب مفتی صاحب! ایک شخص جماع پر تو قادر ہے لیکن ڈاکٹری رپورٹ کے مطابق اس کے مادۂ منویہ میں اولاد پیدا کرنے والے جراثیم ختم ہو چکے ہیں جبکہ اس کی بیوی تندرست اور بچے پیدا کرنے کی صلاحیت رکھتی ہے، تو کیا عورت نکاح فسخ کرا سکتی ہے یا نہیں ؟

الجواب :۔ کسی کو اولاد دینا یا نہ دینا اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے وہ جس کو چاہے بچے عنایت فرمائے اور جسے چاہے نہ دے، جراثیم کا ختم ہونا کوئی عیب نہیں اور نہ ڈاکٹری رپورٹ حکم قطعی ہے، لہٰذا جب کسی عورت کا خاوند نفسِ جماع پر قادر ہو تو اسے یہ اختیار نہیں کہ وہ اپنا نکاح بذریعہ عدالت فسخ کرائے۔

لما قال العلامة المرغینانیؒ: اذا کان الزوج عنیناً اجل الحاکم سنة فان وصل الیها فیها والا فرق بینهما اذا طلبت المرأۃ ذلک۔ (الهدایة ج ۲ ص ۳۹۹ باب العنین)

---

[1] قال العلامة علاء الدین الحصکفی رحمه الله : اذا وجدت المرأۃ زوجها مجبوبا او مقطوع الذکر فقط او صغیرہ جداً کالزر ...... فرق الحاکم بطلبها .... بینهما فی الحال ولو المجبوب صغیراً لعدم فائدۃ التأجیل۔

(الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۳ ص ۴۹۴ باب العنین)

باب العدّة

(عدت کے مسائل)

بیوہ عورت کی عدت سوال:۔ جس عورت کا خاوند فوت ہوجائے اس کو دوسرا نکاح کرنے کے لیے کتنی مدت انتظار کرنا پڑے گا؟ کیا حمل کی وجہ سے عدت میں کمی بیشی ممکن ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ جس عورت کا خاوند فوت ہوجائے اس کے لیے چار ماہ دس دن عدت گزارنا ضروری ہے، عدت کے دوران دوسرا نکاح یا اس کی دیگر سرگرمیوں میں وابستہ رہنا ناجائز اور حرام ہے۔ اور جو عورت حاملہ ہو اس کی عدت وضع حمل پر موقوف ہے چاہے ایک گھنٹہ بعد ہو یا نو مہینے لگ جائیں۔

وقال الله تبارك وتعالى: وَأُولَاتُ الْأَحْمَالِ أَجَلُهُنَّ أَن يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ (الطلاق ۴) وایضًا قال عزّوجلّ: وَالَّذِينَ يُتَوَفَّوْنَ مِنكُمْ وَيَذَرُونَ أَزْوَاجًا يَتَرَبَّصْنَ بِأَنفُسِهِنَّ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَعَشْرًا (سورة البقرة آیت ۲۳۴)

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک حدیث میں ارشاد فرماتے ہیں: لا یحل لامرأة تؤمن بالله والیوم الآخر ان تحد علیٰ میت فوق ثلاث الا علیٰ زوج اربعة اشهر وعشرًا۔

(صحیح مسلم ج۱ ص۴۸۶ باب وجوب الاحداد فی عدة الوفات وتحریمه فی غیر ذلك الا ثلاثة ایام)

وقال العلامة ابن عابدین رحمه الله: تحت قول الحصکفیؒ، وضع جمیع حملها ای بلا تقدیر بمدة سواء ولدت بعد الطلاق او الموت بیوم او اقل۔

(ردالمحتار ج۲ ص۶۵۶ باب العدة) [1]

---

[1] قال العلامة قاضی خان رحمه الله: فان کانت المعتدة عن الطلاق او الموت حاملًا فعدتها بوضع الحمل۔ وفیه ایضًا وعدة الوفاة علی الحرة اربعة اشهر وعشرًا۔

(الفتاویٰ قاضی خان علیٰ هامش الهندیة ج۱ ص۵۵ باب العدة)

ومثله فی الهندیة ج۱ ص۵۲۸-۵۳۳ الباب الثالث العشر فی العدة۔

مطلقہ قبل الدخول کی عدت

سوال:۔ اگر ایک شخص نے قبل الدخول اپنی بیوی کو تین طلاقیں دیں تو کیا ایسی حالت میں مطلقہ پر عدت گذارنا ضروری ہے؟

الجواب:۔ ہمبستری یا خلوتِ صحیحہ سے قبل طلاق دینے کی صورت میں مطلقہ کے ذمہ عدت گذارنا واجب نہیں، لہٰذا طلاق سے جدا ہو کر اس کے فوراً بعد یا تاخیر سے بغیر کسی تحدید مدت کے دوسری جگہ نکاح کرنے میں شرعاً کوئی حرج نہیں۔

لما قال اللہ عزوجل: وَاِنْ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْهُنَّ فَمَا لَكُمْ عَلَيْهِنَّ مِنْ عِدَّةٍ تَعْتَدُّوْنَهَا۔ (سورۃ الاحزاب آیت ۴۹) [1]

نابالغہ کی عدت

سوال:۔ اگر کسی شخص نے اپنی نابالغ بیوی کو ہمبستری کے بعد طلاق دی ہو تو اس کی عدت کیا ہوگی؟

الجواب:۔ نابالغ عورت حیض نہ ہونے کی وجہ سے مہینوں کے اعتبار سے عدت گذارے گی لہٰذا تین ماہ گذر جانے کے بعد مطلقہ آزاد ہوگی، تاہم اگر دوران عدت حیض کا خون آنا شروع ہوگیا تو پھر عدت مہینوں کے بجائے حیض سے شمار ہوگی۔ قال اللہ تعالیٰ: وَاللَّائِي يَئِسْنَ مِنَ الْمَحِيضِ مِنْ نِسَائِكُمْ اِنِ ارْتَبْتُمْ فَعِدَّتُهُنَّ ثَلَاثَةُ اَشْهُرٍ (سورۃ الطلاق آیت ۴)

وفی الهندية: والعدة لمن لم تحض لصغر او كبر او بلغت بالسن ولم تحض ثلاثة اشهر كذا فی النقاية، وكذا لو رأت دمًا يومًا ثم لم ترفعدتها بالشهور وهو الصحيح ولو رأت ثلاثة دمًا ثم انقطع فعدتها بالحيض الخ (الفتاوى الهندية ج۱ ص۵۲۶ باب العدة) [2]

---

[1] لما قال العلامة الكاساني رحمه الله: وشرط وجوبها (ای العدة) ---- الدخول وما يجری مجرا الدخول وهو الخلوة الصحيحة۔ (بدائع الصنائع ج۳ ص۱۹۱ باب العدة۔ فصل ومنها ان يكون النكاح الثانی صحيح)

وَمِثْلُهٗ فی الهندية ج۱ ص۵۲۶ الباب الثالث عشر فی العدة۔

[2] قال العلامة برهان الدين المرغينانیؒ: وان كانت ممن لا تحيض من صغر او كبر فعدتها ثلاثة اشهر۔ (الهداية ج۲ ص۴۰۱ باب العدة)

وَمِثْلُهٗ فی البحر الرائق ج۴ ص۱۳۱ باب العدة۔

معتدۃ عدت کہاں گذارے گی

سوال :- عدت گذارنے والی عورت کیلئے عدت کے دوران خاوند کے گھر کو چھوڑ کر کسی دوسری جگہ رہائش اختیار کرنا کیسا ہے ؟

الجواب :- معتدۃ کے لیے خاوند کے گھر سے نکلنا جائز نہیں، جس گھر میں اس کو طلاق ملی ہو یا خاوند وفات پاگیا ہو عورت وہاں پر ہی عدت گذارے گی ،اس لیے کہ جس عورت کے اخراجات خاوند کے ذمہ ہوں اُس کے لیے خاوند کے گھر سے کسی وقت نکلنا جائز نہیں ہے۔ البتہ متوفی عنہا زوجہا کے لیے دن میں اتنی ضرورت کے لیے نکلنا مرخص ہے کہ جتنے وقت میں اپنی دنیاوی ضرورت پوری کرے لیکن رات کو لازمی طور پر شوہر کے گھر آنا ضروری ہوگا، تاہم اگر مکان کرایہ کا ہو اور بیوہ کے لیے کرایہ کا انتظام مشکل ہو تو پھر اس ضرورت کے تحت والدین کے گھر ایام عدت گذار سکتی ہے۔

لما قال العلامة الحصکفیؒ : وتعتدان ای معتدۃ طلاق وموت فی بیت وجبت فیه الا ان تخرج او ینهدم المنزل او تخاف انهدامه او تخاف تلف مالها اولا تجد کراء البیت ونحو ذلك من الضرورات فتخرج لاقرب موضع الیه ۔

(الدر المختار علی هامش رد المحتار ج ۲ ص۶۲۴ باب العدۃ) ؎۱

دورانِ عدت خاوند کے گھر رہنا ضروری ہے

سوال :- ایک شخص نے اپنی بیوی کو تین طلاق دیں، اب دونوں دوبارہ آبادی کیلئے حلالہ پر راضی ہیں لیکن عورت چونکہ حاملہ ہے جس کے لیے وضع حمل کے بغیر دوسری جگہ نکاح کرنا جائز نہیں، اس صورت میں یہ عورت کہاں سکونت اختیار کرے گی؟ کیا خاوند کے ہاں رہ سکتی ہے؟

الجواب :- صورتِ مسئولہ کے مطابق اس عورت کے لیے دورانِ عدت خاوند کے گھر رہنا صرف جائز ہی نہیں بلکہ ضروری ہے، تاہم اگر نکاح سے قبل خاوند کی طرف سے کسی فسق وفجور کا خطرہ ہو تو

؎۱ وفی الهندیة : علی المعتدۃ ان تعتد فی المنزل الذی یضاف الیها بالسکنی حال وقوع الفرقة او الموت، وفیه ۔ وان اضطرت الی الخروج من بیتها...... فی عدۃ الوفات فلا بأس عند ذلك ان تنتقل ....الخ (الفتاوی الهندیة ج ۱ ص۵۳۵ الباب الرابع عشر فی الحداد)

ومثله فی البحر الرائق ج ۴ ص۱۵۴ فصل فی الاحداد ۔

اس کے انسداد کے لیے خلوت سے اجتناب کرنا یا دیگر احتیاطی تدابیر کا اختیار کرنا ضروری ہے تاکہ زنا وغیرہ کے ارتکاب سے بچا جا سکے۔

قال العلامۃ الحصکفیؒ: لهما ان یسکنا بعد الثلث فی بیت واحد، اذا لم یلتقیا التقاء الازواج ولم یکن فیه خوف فتنة وفیه عن المجتبیٰ الافضل الحیلولة بستر ولو فاسقًا فبامرأة۔ الخ

(الدر المختار علیٰ هامش رد المحتار ج۲ ص۶۷۵ باب العدة)[1]

زنا کے ارتکاب سے عدت متاثر نہیں ہوتی

سوال:۔ اگر مطلقہ مغلظہ سے خاوند باوجود اقرارِ حرمت کے دورانِ عدت زنا کرے تو کیا اس سے عدت پر کوئی اثر پڑے گا یا نہیں؟

الجواب:۔ مطلقہ مغلظہ سے اگر خاوند دورانِ عدت زنا کا ارتکاب کرے تو عدت جاری رہے گی اس سے عدت پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔

لما فی الهندیة: واما المطلقة ثلاثًا اذا جامعها زوجها فی العدة مع علمه انها حرام علیه ومع اقراره بالحرمة لا تستأنف العدة۔

(الفتاویٰ الهندیة ج۱ ص۵۳۲ الباب الثالث عشر فی العدة)[2]

عورت کا خاوند کے گھر میں عدت گذارنے کی وجہ

سوال:۔ طلاق ہو جانے کے بعد عورت کو خاوند کے گھر میں عدت گذارنے کا پابند کیوں کیا گیا ہے؟ جبکہ عورت کسی دوسری جگہ بھی عدت گذار سکتی ہے؟

الجواب:۔ اگرچہ عورت پر یہ لازم نہیں کہ وہ طلاق سے معتدۃ ہونے کی صورت میں خاوند کے

---

[1] قال ابن نجیمؒ: فلا بأس بان یسکنا فی بیت واحد اذا کان عدلًا سواء کان الطلاق رجعیا وبائنا او ثلاثًا والافضل ان یحال بینهما فی البیتوتة بستر الا ان یکون الزوج فاسقًا فیحال بامرأة ثقة تقدر علی الحیلولة بینهما۔ (البحر الرائق ج۴ ص۱۵۴ باب العدة فصل فی الاحداد)

وَمِثْلُهُ فی الهندیة ج۱ ص۵۳۵ الباب الرابع عشر فی الاحداد۔

[2] قال العلامة ابن عابدینؒ: لو وطئها بعد الثلاث فی العدة بلا نکاح عالمًا بحرمتها لا تجب عدة اخری لانه زنا۔ (رد المحتار ج۲ ص۶۶۱ باب العدة)

وَمِثْلُهُ فی الخانیة علیٰ هامش الهندیة ج۱ ص۵۵۳ فصل فی انتقال العدة۔

گھر میں رہے، لیکن عدت کے دوران چونکہ اس کا نکاح دوسری جگہ نہیں ہوسکتا، اس لیے شریعت نے اس کے اخراجات کا (متبادل انتظام نہ ہونے تک) خاوند کو ذمہ دار قرار دیا ہے، مزید برآں یہ بھی ممکن ہے کہ عورت حاملہ ہو اور بچہ کی ولادت تک عورت خاوند کے حق میں محبوس رہے گی، اس لیے عورت کے لیے خاوند کے گھر کے علاوہ کوئی اور بہتر جگہ میسر نہیں اور طلاق رجعی کی صورت ممکن ہے کہ عورت کا خاوند کے گھر میں رہنا دوبارہ تعلقات کی بحالی کا ذریعہ ثابت ہو۔

قال العلامة الامام الكاسانيؒ: وانما تجب هذه العدة اى عدة الاقراء لاستبراء الرحم فوجبت العدة ليعلم بها فراغ الرحم وشغلها۔ وايضًا قال: وانها تجب لاظهار الحزن بفوت نعمة النكاح۔ (بدائع الصنائع ج۳ ص۱۹۱،۱۹۲ كتاب الطلاق فصل واما العدة بالاشهر فنوعان وفى فصل قبله)[1]

عدت کی کم از کم مدت

سوال: غیر حاملہ عورت طلاق کے بعد دعویٰ کرے کہ میری عدت گذر گئی ہے تو کتنی مدت میں اس کے قول کو اعتبار دیا جائے گا؟

الجواب: صاحبینؒ کے نزدیک ایسے دعویٰ کے لیے کم از کم ۳۹ دن کا ہونا ضروری ہے کیونکہ کم از کم تین حیض کے لیے نو (۹) دن اور دو طہر کے لیے تیس (۳۰) ایام درکار ہوں گے تاہم عورت کی عادت کو مدنظر رکھتے ہوئے ۳۹ سے زائد ایام کے وقت فیصلہ کرنے میں کوئی حرج نہیں۔

لما قال العلامة الحصكفيؒ: قالت مضت عدتى والمدة تحتمله وكذبها الزوج قبل قولها والا تحتمله المدة لا۔ وقال العلامة ابن عابدينؒ: فى هذا المقام وعندهما اقل مدة تصدق فيها الحرة تسعة وثلاثون يومًا ثلاث حيض بتسعة ايام وطهران بثلاثين۔

(رد المحتار ج۲ ص۶۲۵ باب العدة۔ مطلب فى وطئ المعتدة بشبهة)[2]

---

[1] قال الشيخ الدكتور وهبة الزحيلى: "فى بيان وجه العدة "براءة الرحم وصون النسب واعطاء الفرصة الكافية للزوج بعد الطلاق ليعود لزوجته المطلقة۔

(الفقه الاسلامى وادلته ج۷ ص۶۲۴ باب العدة)

[2] قال العلامة برهان الدين المرغينانى رحمه الله: واذا قالت المعتدة انقضت عدتى وكذبها الزوج كان القول قولها مع اليمين۔

(الهداية ج۲ ص۴۲۴ كتاب الطلاق۔ باب العدة)

ومثله فى فتح القدير ج۴ ص۱۵۶ باب العدة۔ كتاب الطلاق۔

باہمی تعلقات منقطع ہونے کے باوجود مطلقہ کیلئے عدت ضروری ہے

سوال:- اگر ایک عورت اپنے خاوند سے بھاگ کر کسی اور شخص کے پاس مدت دراز تک غیر شرعی سرگرمیوں میں ملوث رہی اور کئی سالوں تک اس کا خاوند سے رابطہ نہیں رہا، اسی حالت میں اگر خاوند اس کو طلاق دیدے تو کیا اس عورت پر عدت گذارنا ضروری ہے یا نہیں؟

الجواب:- جب تک منکوحہ کو خاوند سے طلاق نہ ملے تو میاں بیوی کی عرصہ دراز تک باہمی جدائی سے نکاح متاثر نہیں ہوتا، نکاح کی موجودگی میں عورت کے ہاں جو بچہ پیدا ہو تو بوجہ نکاح خاوند سے اس کا نسب ثابت ہوگا، اس حالت میں نسب کا انتفاء لعان پر موقوف ہے۔ بایں وجہ جب تک نکاح کی بقاء زوال پر منتج نہ ہو تو عورت کے لیے عدت ضروری ہوگی، اگرچہ عرصہ دراز تک میاں بیوی کا رابطہ منقطع رہا ہو۔

قال اللہ تبارک وتعالیٰ: وَالْمُطَلَّقَاتُ يَتَرَبَّصْنَ بِأَنْفُسِهِنَّ ثَلَاثَةَ قُرُوْءٍ (سورۃ البقرۃ آیت)
وقال النبیّ علیہ الصلوٰۃ والسلام: "الولد للفراش"۔ (رواہ ابوداؤد ج۱ ص۳۱۷) عن عروۃ عن عائشۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہا۔ ؎۱

عدت کی ابتداء زوالِ نکاح سے شمار ہوگی

سوال:- ایک عورت اپنے خاوند سے چار سال تک جدا رہی اور ایک دوسرے سے کبھی ملاقات بھی نہیں ہوئی، اب جبکہ خاوند نے خلع کر دیا ہے تو کیا اس عورت پر عدت ہوگی یا نہیں؟

الجواب:- صورتِ مرقومہ کے مطابق میاں بیوی کے ایک عرصہ تک علیحدہ رہنے کے باوجود ان کا نکاح باقی ہے، زوالِ نکاح چونکہ خلع کرنے یا طلاق دینے سے آتا ہے اس لیے یہ مدت زوالِ نکاح سے شروع ہوکر عورت پر عدت لازم ہے۔

لما قال علاؤ الدین الحصکفیؒ: ومبداء العدۃ بعد الطلاق وبعد الموت علی الفور۔ (الدر المختار علیٰ ہامش ردالمحتار ج۲ ص۶۶۲ باب العدۃ۔ مطلب فی وطئی المعتدۃ بشبہۃ) ؎۲

؎۱ قال المرغینانیؒ: ویثبت نسب ولد المطلقۃ الرجعیۃ اذا جاءت بہ لسنتین او اکثر مالم تقر بانقضاء عدتہا۔ (الھدایۃ ج۲ ص۴۰۹ کتاب الطلاق۔ باب العدۃ) ۔ ومثلہٗ فی ردالمحتار ج۲ ص۶۲۶ باب العدۃ۔ فصل فی ثبوت النسب۔

؎۲ قال المرغینانیؒ: وابتداء العدۃ فی الطلاق عقیب الطلاق۔ (الھدایۃ ج۲ ص۴۰۴ کتاب الطلاق۔ باب العدۃ)
ومثلہٗ فی الھندیۃ ج۱ ص۵۳۱ کتاب الطلاق، فی الباب الثالث عشر فی العدۃ۔

عدت کے اندراندر رجوع بالقول کافی ہے

سوال:۔ ایک شخص نے اپنی بیوی کو ایک طلاق دی لیکن بعد ازاں عدت کے آخری ایام میں رجوع کا ارادہ کیا، باہمی تعلقات کا سہارا لینے کی بجائے صرف دو گواہوں کے سامنے یہ کہہ دیا کہ میں نے اپنی بیوی سے رجوع کر لیا ہے، تو کیا شخص مذکور اب عورت کو اپنے پاس رکھ سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ عدت گذرنے سے قبل خاوند کا رجوع معتبر ہے، عدت کے دوران رجوع کے لیے کسی عملی اقدام کی بجائے رجوع بالقول ہی کافی ہے، اس لیے دو گواہوں کے سامنے اس کے رجوع کو اعتبار دے کر دونوں میاں بیوی کی حیثیت سے زندگی گذار سکتے ہیں۔

لما فی الهندیة: فالرجعة ان یراجعها بالقول ویشهد علی رجعتها شاهدین۔ الخ

(الفتاوی الهندیة ج ۱ ص ۴۶۸ کتاب الطلاق، الباب السادس فی الرجعة وفیما تحل به المطلقة وما یتصل به)[۱]

عدت کے دوران عورت کے جملہ اخراجات کا خاوند ذمہ دار ہے

سوال:۔ اگر کسی شخص نے اپنی بیوی کو طلاقِ ثلاثہ دے کر فارغ کر دیا ہو، اب جبکہ خاوند اور مطلقہ کے باہمی تعلقات مراجعت یا تجدیدِ نکاح سے نہیں بنتے ہوں تو عدت کے دوران مطلقہ کے اخراجات کا کون ذمہ دار ہوگا؟

الجواب:۔ مطلقہ مغلظہ ہو یا بائنہ، عدت کے دوران اس کی خوراک، پوشاک اور رہائش کے جملہ اخراجات خاوند کے ذمہ ہیں، اگر خاوند باہمی رضامندی سے ان اخراجات کی ادائیگی کیلئے تیار نہ ہو تو عورت حاکمِ وقت یا قاضی کے ذریعہ اس سے ان حقوق کے حاصل کرنے کا حق محفوظ رکھتی ہے۔

قال المرغینانی: واذا طلق الرجل امرأته فلها النفقة والسکنی فی عدتها رجعیاً کان اوبائناً۔ (الهدایة ج ۲ ص ۴۲۱ کتاب الطلاق۔ باب النفقة)[۲]

---

[۱] قال المرغینانی: والرجعة ان یقول راجعتك اوراجعت امرأتی۔ (الهدایة ج ۲ ص ۳۷۳ کتاب الطلاق، باب الرجعة)

وَمِثْلُهُ فی رد المحتار ج ۲ ص ۵۲۳ کتاب الطلاق، باب الرجعة۔

[۲] قال ابن عابدین:۔ تحت قول الحصکفی: "وتجب للمطلقة الرجعی والبائن" ۔لان النفقة تابعة للعدة وقید بالرجعی والبائن احترازاً عما لواعتق ام ولده۔ (رد المحتار ج ۲ ص ۶۲۶ باب النفقة۔ مطلب فی نفقة المطلقة ......)

وَمِثْلُهُ فی الهندیة، ج ۱ ص ۵۵۷ کتاب الطلاق، الفصل الثالث فی نفقة المعتدة۔

عدّتِ وفات میں عورت کا نان و نفقہ کس کے ذمہ ہے

سوال:۔ عدّتِ وفات میں جہاں بیوہ کو عدّت گذارنا لازم ہے اس کے اخراجات کی ادائیگی کس کے ذمہ ہے؟

الجواب:۔ جبکہ گھر کے اخراجات خاوند کے ذمہ ہوتے ہیں لیکن خاوند کی وفات سے باہمی تعلق منقطع ہونے کی وجہ سے خاوند سے یہ ذمہ داری ساقط ہو جاتی ہے، چنانچہ ورثاء سے اس کا مطالبہ نہیں کیا جاسکتا، عورت کو اپنے اخراجات خود برداشت کرنے ہوں گے۔ تاہم جہاں کہیں عورت اخراجات پورا کرنے سے قاصر ہو تو پھر عُصبہ (رشتہ داروں) پر اس کی ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔

قال برهان الدين المرغيناني رحمه الله: ولا نفقة للمتوفى عنها زوجها۔

(الهداية ج۲ ص۴۲۲ كتاب الطلاق۔ باب النفقة)

وقال ايضاً: والنفقة لكل ذي رحم محرم إذا كان صغيراً فقيراً أو كانت امرأة بالغة فقيرة۔ (الهداية ج۲ ص۴۲۵ كتاب الطلاق۔ باب النفقة) [1]

ایامِ عدّت میں عورت کا پنشن کیلئے جانا

سوال:۔ میرا شوہر فوت ہو گیا ہے اور مجھے ہر ماہ اپنی پنشن کے لیے اپنے متعلقہ دفتر جانا پڑتا ہے جبکہ دفتر والے میرے بغیر کسی اور کو پنشن نہیں دیتے، غربت و افلاس کی یہ حالت ہے کہ اس کے بغیر گذارہ نہیں ہوتا، تو کیا میں دورانِ عدّت پنشن لینے کے لیے گھر سے باہر جاسکتی ہوں یا نہیں؟

الجواب:۔ اگرچہ عورت کے لیے دورانِ عدّت گھر سے باہر نکلنا جائز نہیں ہے مگر ضرورتِ شدیدہ کو شریعتِ مطہرہ نے مستثنیٰ کیا ہے، اس لیے اگر آپ کا بغیر پنشن کے گذارہ نہیں ہوتا ہو تو آپ اس مجبوری کی وجہ سے پنشن لینے کے لیے جاسکتی ہیں

---

[1] قال الحصكفيؒ: لا نفقة لاحد عشر: وعد منها معتدة موت۔ (الدر المختار على هامش رد المحتار ج۲ ص۶۰۳، باب النفقة، مطلب لا تجب على الأب نفقة زوجة ابنه الصغير)

ومثلهٗ في الهندية ج۱ ص۵۵۸ كتاب الطلاق، الباب السابع عشر في النفقات وفيه ستة فصول، الفصل الثالث في نفقة المعتدة۔

مگر ضرورت پورا ہوتے ہی فوراً واپس آنا ضروری ہے۔

قال العلامة الحصکفیؒ: وتعتدان ای معتدۃ طلاق وموت فی بیت وجبت فیہ ولا یخرجان منہ الا ان تخرج اویتہدم المنزل اوتخاف انہدامہ اوتلف مالہا اولا تجد کراء البیت ونحو ذلک من الضرورات فتخرج لأقرب موضع الیہ۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۳ ص۵۳۶ فصل فی الحداد) ؎۱

دورانِ عدّت عورت کا ویزہ کے حصول کیلئے نکلنا

سوال:- اگر غریب الوطنی میں کسی عورت کا شوہر فوت ہو جائے اور دورانِ عدت عورت کو ویزہ لگوانے کی ضرورت پڑ جائے اور عورت کے جائے بغیر ویزہ لگوانا ممکن نہ ہو تو کیا یہ عورت دورانِ عدّت ویزہ لگوانے کیلئے متعلقہ دفتر جا سکتی ہے یا نہیں؟

الجواب: عدّت طلاق کی ہو یا وفات کی دونوں کے دوران عورت کا بلا ضرورتِ شرعی کے گھر سے نکلنا جائز نہیں، البتہ اگر ضرورت اتنی شدید ہو کہ اُس کے جائے بغیر مسئلہ حل نہ ہوتا ہو تو اس مجبوری کی خاطر عورت گھر سے نکل سکتی ہے مگر رات کو گھر واپس آنا بہرحال ضروری ہے، لہٰذا صورتِ مسئولہ میں عورت ویزہ کے لیے دورانِ عدّت جا سکتی ہے۔

قال العلامۃ الحصکفی رحمہ اللہ: وتعتدان ای معتدۃ طلاق وموت فی بیت وجبت فیہ ولا یخرجان منہ الا ان تخرج اویتہدم المنزل اوتخاف انہدامہ اوتلف مالہا اَوْ لاتجد کراء البیت ونحو ذلک من الضرورات فتخرج لأقرب موضع الیہ۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۳ ص۵۳۶ فصل فی الحداد) ؎۲

؎۱ قال العلامۃ ابن نجیم المصری رحمہ اللہ: فقالوا لا تخرج المعتدۃ عن طلاق اوموت الا لضرورۃ لأن المطلقۃ تخرج للضرورۃ بحسبہا لیلاً کان اونہاراً والمعتدۃ عن موت کذلک۔
(البحر الرائق ج۴ ص۱۵۳ فصل فی الحداد)

؎۲ ایضاً (حوالہ مذکورہ بالا)

دارالحرب میں نو مسلم عورت کی عدت کا حکم

سوال:۔ اگر کوئی غیر مسلم شادی شدہ عورت دارالحرب میں مسلمان ہو جائے تو کیا یہ عورت عدت گذار کر کسی مسلمان مرد سے نکاح کر سکتی ہے یا نہیں؟ اگر کر سکتی ہے تو عدت گذارنے کا کیا طریقہ ہوگا؟

الجواب:۔ جب کوئی غیر مسلم عورت دارالحرب میں مسلمان ہو جائے اور وہاں قاضی شرعی نہ ہو تو اولاً تین حیض عدت گذار کر پہلے شوہر سے آزاد ہو جائے گی اور پھر تین حیض عدت گذارنے کے بعد کسی مسلمان مرد سے اس کا نکاح صحیح اور درست ہے۔

لما قال العلامة الحصکفیؒ: ولو اسلم احدهما ثمه لم تبن حتی تحیض ثلاثًا او تمضی ثلثة اشهر قبل اسلام الآخر۔ قال ابن عابدینؒ: وهل تجب العدة بعد مضی هذه المدة۔ (رد المحتار ج۲ ص۴۲۱ باب نکاح الکافر) [1]

عدتِ وفات کے دوران حج کے لیے جانا

سوال:۔ جناب مفتی صاحب! میں نے اپنے بھائی کے ساتھ حج کے لیے داخلہ کیا ہے اور منظوری بھی ہو چکی ہے کہ اس دوران میرے شوہر کا انتقال ہو گیا، دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا میں اس حالت میں (عدت کے دوران) حج کی ادائیگی کے لیے جا سکتی ہوں؟

الجواب:۔ بیوہ عورت کا عدت کے دوران شرعاً بلا ضرورتِ شدیدہ کے گھر سے نکلنا جائز نہیں، البتہ جہاں جان و مال یا کسی اندام کے تلف ہونے کا خطرہ ہو تو اس مجبوری کی وجہ سے نکلنا مرخص ہے۔ حج اگرچہ اسلامی فریضہ ہے مگر علی الفور نہیں، لہٰذا اگر داخلہ کرنے اور منظوری ہو جانے کے بعد رقم واپس مل سکتی ہو تو حج یا دیگر کسی بھی سفر کیلئے نکلنا جائز نہیں اور اگر رقم واپس ملنے کا امکان نہ ہو تو پھر مجبوراً سفرِ حج پر جانے میں کوئی حرج نہیں۔

قال العلامة علاؤالدین الحصکفی رحمه الله: لا تخرج من بیتها الا ان

---

[1] قال العلامة المرغینانی رحمه الله: واذا اسلمت المرأة فی دار الحرب وزوجها کافر او اسلم الحربی وتحته مجوسیة لم یقع الفرقة علیها حتی تحیض ثلث حیض ثم تبین من زوجها۔ (الهدایة ج۲ ص۳۴۲ باب نکاح اهل الشرک)

ومثله فی شرح الوقایة ج۲ ص۶۱ باب نکاح الرقیق والکافر۔

تخرج او ینھدم المنزل ...... تتخرج لا قرب موضع الیہ۔

(الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۳ ص۵۳۶ باب الحداد) ؎۱

حیض نہ آنے کی صورت میں مُطلقہ کی عدت کا حکم

سوال:۔ اگر کسی عورت کو شوہر طلاق دیدے اور کئی ماہ سے اس کو حیض بھی نہیں آ رہا ہو جبکہ عورت کی عمر بھی تقریباً ۲۵، ۲۶ سال ہے، تو اس عورت کی عدت کا کیا طریقہ ہوگا؟ کیا یہ عورت حیض آنے تک انتظار کرے یا تین ماہ بعد دوسرا نکاح کر سکتی ہے؟

الجواب:۔ حنفیہ کے نزدیک مطلقہ کی عدت اصل بالاحیاض ہے، عدت بالاشہر آئیسہ کے اور صغیرہ کے ساتھ خاص ہے، اس لیے یہ عورت مدت ایاس تک انتظار کرے گی۔ مگر آج کل مجبوری کی وجہ سے متأخرین فقہاء نے امام مالکؒ کے قول "ایک سال تک انتظار کرکے دوسرا نکاح کرنے" پر فتویٰ دیا ہے، تاہم اس قول پر عمل تب ہوگا جب علاج معالجہ کے بعد بھی حیض نہ آئے، اور یہ دوسرا نکاح بھی باجازت قاضی وحاکم ہو۔

قال الشیخ اشرف علی التھانوی رحمہ اللہ: حنفیہ کے نزدیک تو مدت ایاس تک انتظار حیض ضروری ہے اور مالکیہ کے نزدیک نو مہینے اور بقول معتمد ایک سال وقت طلاق سے عدت ہے اور ضرورت کے وقت اس قول پر عمل جائز ہے۔ (امداد الفتاویٰ ج ۲ ص۴۹ کتاب الطلاق، فصل فی العدۃ والرجعۃ) ؎۲

عدتِ طلاق کے دوران شوہر کا انتقال ہو جانا

سوال:۔ کسی عورت کو شوہر نے دو طلاقیں دیں، عدت کے دوران ہی

؎۱ قال الشیخ صدر الشریعۃ رحمہ اللہ: وتخرج معتدۃ بالموت فی الملوین (ای اللیل والنھار) وتبیت فی منزلھا اذ لا نفقہ لھا فتحتاج الی الخروج ..... وتعتد فی منزلھا وقت الفرقۃ والموت والطلاق الا ان تخرج او خافت تلف مالھا او لا نھدام ......

(شرح الوقایۃ ج ۲ ص۱۵۳ باب العدۃ۔ کتاب النکاح)

ومثلہٗ فی الھدایۃ ج ۲ ص۱۲۳ باب العدۃ۔ کتاب النکاح۔

؎۲ قال الشیخ وھبۃ الزحیلی: سنۃ کاملۃ لممتدۃ الطھر التی لم یجئھا الحیض او جاءھا ثم انقطع ولم تبلغ سن الیاس۔ (الفقہ الاسلامی وادلتہ ج ۷ ص۶۴۱ الفصل الرابع فی العدۃ والاستبراء)

اس کا انتقال ہو گیا تو اب یہ عورت کون سی عدت گذارے گی، عدتِ وفات یا عدتِ طلاق؟

الجواب: اس مسئلہ میں علماءِ اُمت کا اتفاق ہے کہ جب کوئی شخص اپنی بیوی کی عدت کے دوران انتقال کر جائے تو اس کی مطلقہ بیوی کی عدت، عدتِ طلاق سے عدتِ وفات میں تبدیل ہو جائے گی، لہٰذا یہ عورت عدتِ طلاق کی بجائے عدتِ وفات (چار ماہ دس دن) گذارے گی بشرطیکہ شوہر نے طلاقِ رجعی دی ہو۔

قال الشیخ وھبة الزحیلی: اذا مات الرجل فی اثناء عدۃ زوجته التی طلقها طلاقاً رجعیاً انتقلت بالاجماع من عدتها بالاقراء او الاشھر الی عدۃ وفاۃ وھی اربعة اشھر وعشرۃ ایام سواء أکان الطلاق فی حال الصحة ام فی حال مرض الموت لان المطلقة رجعیاً تعد زوجة ما دامت فی العدۃ وموت الزوج یوجب علی زوجته عدۃ الوفاۃ۔ (الفقه الاسلامی وادلته ج۷ ص۶۴۶ الفصل الرابع فی العدۃ والاستبراء)[1]

حاملہ من الزنا عورت کی عدت

سوال: اگر کوئی عورت زنا کی مرتکب ہو اور وہ اُس زنا سے حاملہ بھی ہو تو کیا ایسی عورت شادی کے لیے وضعِ حمل کا انتظار کرے گی یا نہیں؟ اور اگر حمل نہ ہو تو کیا اس عورت پر عدت ہے یا نہیں؟

الجواب: عدت کی مشروعیت ایک مقدس رشتے کے انقطاع کی صورت میں ہوتی ہے اس کے علاوہ کسی اور جگہ میں مشروعیت نہیں لہٰذا حاملہ من الزنا کیلئے کوئی عدت نہیں مگر شوہر جماع کرنے کے لیے ایک حیض تک انتظار کرے کہ کہیں حاملہ نہ ہو اگر ہو تو وضعِ حمل تک جماع کرنا جائز نہیں۔

قال العلامۃ الکاسانیؒ: ولا تجب علی الحامل بالزنا لان الزنا لا یوجب العدۃ الا انه اذا تزوج امرأۃ وھی حامل من الزنا جاز النکاح عند ابی حنیفةؒ ومحمدؒ لا یجوز لهان یطأھا ما لم تضع لئلا یصیر ساقیاً ماءہ زرع غیرہ۔ (بدائع الصنائع ج۳ ص۱۹۳ فصل واما عدۃ الحبل)[2]

---

[1] قال المرغینانیؒ: اما اذا کان رجعیاً فعلیها عدۃ الوفاۃ بالاجماع۔ (الهدایة ج۲ ص۴۰۲ باب العدۃ)

ومثله فی بدائع الصنائع ج۳ ص۲۰۰ فصل فی بیان انتقال العدۃ وتغیرها۔

[2] قال ابن نجیمؒ: وقدمنا ان الحامل من الزنا لا عدۃ علیها عندهما ولذا صح نکاحها لغیر الزانی وان حرم الوطء وانما الکلام فیما اذا تزوجت علی قول ابی حنیفة ومحمد وھی حامل من الزنا ثم طلقها او مات عنها فانها تعتد بوضع الحمل۔ (البحر الرائق ج۴ ص۱۴۳ باب العدۃ) — ومثله فی امداد الاحکام ج۲ ص۸۰۶ باب العدۃ۔

عدتِ وفات شوہر کے گھر گذارنا لازمی ہے

سوال :- اگر کوئی عورت گھریلو ناچاقی کی وجہ سے میکے (والدین کے گھر) چلی جائے اور وہاں وہ کئی سالوں تک ناراض بیٹھی رہے کہ اچانک اس کا شوہر فوت ہوجائے تو اب یہ عورت عدتِ وفات کہاں گذارے گی؟ والدین کے گھر میں یا شوہر کے گھر میں؟

الجواب :- عدتِ وفات ایک قسم کا سوگ ہے جو کہ شرعاً شوہر کے گھر میں گذارنا لازمی ہے، شوہر کا گھر عورت کا اپنا گھر ہے، میکے میں جانا اس کا اتفاقی حادثہ ہے لہٰذا یہ عورت عدتِ وفات شوہر کے گھر گذارے گی، تاہم اگر اس کا شوہر کے گھر رہنا باعثِ فتنہ وفساد ہو تو پھر اس مجبوری کی خاطر والدین کے گھر میں بھی عدتِ وفات گذارنا مرخص ہے۔

قال العلامة برهان الدین المرغیناني رحمه الله : تعتد فی المنزل یضاف الیها بالسکنی حال وقوع الفرقة والموت ولهذا لو زارت اهلها وطلقها زوجها کان علیها ان تعود الی منزلها فتعتد فیه۔ (الهدایة علی صدر فتح القدیر ج۴ ص۱۶۶ باب العدة) ؎

عدتِ وفات کے دوران عورت کا بیماری کی وجہ سے والدین کے گھر جانا

سوال :- اگر کوئی عورت عدتِ وفات کے دوران بیمار ہوجائے اور شوہر کے گھر میں اس کی تیمارداری کے لیے کوئی نہ ہو تو کیا اس مجبوری کی وجہ سے اس کے والدین علاج معالجہ کے لیے اسے اپنے گھر لاسکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب :- عدتِ وفات کے دوران اگرچہ عورت کے لیے شرعاً شوہر کے گھر سے نکلنا جائز نہیں مگر اس میں ضروریات مستثنیٰ ہیں، انہی ضروریات میں بیماری بھی داخل ہے، اس لیے اس مجبوری کی وجہ سے بیوہ عورت کے والدین کا اسے علاج کی غرض سے اپنے گھر لانا جائز ہے۔

؎ وفی الهندیة : علی المعتدة ان تعتد فی المنزل الذی یضاف الیها بالسکنی حال وقوع الفرقة والموت.... ولو کانت زائرة اهلها أو کانت فی غیر بیتها لامر حین وقوع الطلاق انتقلت الی بیت سکناها بلا تاخیر۔ (الفتاوی الهندیة ج۱ ص۵۳۵ فصل فی الحداد)

وَمِثْلُهٗ فی البحر الرائق ج۴ ص۱۵۴ فصل فی الحداد۔

قال العلامة الحصکفیؒ :۔ وتعتدان فی بیت وجبت فیه الا ان تخرج اوینھدم المنزل اوتخاف انھدامه اوتلف مالھا ولا تجد کراء البیت ونحو ذلك من الضرورۃ۔

(الدرالمختار علیٰ ھامش ردّ المحتار ج۳ ص۵۳۶ باب الحداد) [1]

سوال:۔ اگر ہر بیوی کے لیے عدّتِ وفات اپنے اپنے گھر میں گذارنا لازمی ہے

کسی شخص کی دو بیویاں ہوں اور ہر ایک کا مکان الگ الگ ہو اور شوہر کسی ایک بیوی کے مکان میں وفات پاجائے تو دوسری بیوی عدتِ وفات کہاں گذارے؟

الجواب :۔ عورت جس گھر میں رہتی ہو وہ اسی گھر میں ہی عدّتِ وفات و طلاق گذارے، حتیٰ کہ اگر یہ عورت اپنی سوکن کے ہاں اظہارِ تعزیت کے لیے گئی ہو تو واپس آکر عدّت کے ایام اپنے ہی گھر میں گذارے۔

قال العلامة علاؤالدین الحصکفی رحمه الله : طلقت اومات وھی زائرۃ فی غیرمسکنھا عادت الیه فورًا لوجوبه علیھا وتعتدان ای معتدۃ طلاق وموت فی بیتٍ وجبت فیه ولا یخرجان منه الا ان تخرج۔

(الدرالمختار علیٰ ھامش ردّ المحتار ج۳ ص۵۳۶ باب العدۃ فصل فی الحداد) [2]

---

[1] قال العلامة ابن نجیمؒ : (تحت قوله وتعتدان فی بیت وجبت فیه الا ان تخرج اوینھدم) ای معتدۃ الطلاق والموت تعتدان فی المنزل المضافات الیھما بالسکنیٰ وقت الطلاق والموت ولا یخرجان منه الا لضرورۃ لما تلونا من الاٰیة۔

(البحرالرائق ج۴ ص۱۵۴ فصل فی الحداد)

وَمِثْلُهٗ فی امداد الفتاویٰ ج۲ ص۴۸۷ کتاب الطلاق ، باب العدۃ۔

[2] قال فی الھندیة : علی المعتدۃ ان تعتد فی المنزل الذی یضاف الیھا بالسکنی حال وقوع الفرقة والموت کذا فی الکافی۔ لوکانت زائرۃ اھلھا اوکانت فی غیر بیتھا لامرحین وقوع الطلاق انتقلت الی بیت سکناھا بلا تاخیر۔

(الفتاویٰ الھندیة ج۱ ص۵۳۵ الباب الرابع عشر فی الحداد)

وَمِثْلُهٗ فی البحرالرائق ج۴ ص۱۵۲ فصل فی الاحداد۔

حیض والی عورت کی عدت حیض سے ہے

سوال :- ایک شخص نے اپنی بیوی کو حالتِ رضاعت میں طلاق دی ہے جبکہ اس عورت کو رضاعت کی وجہ سے دو یا اس سے زائد ماہ تک حیض منقطع ہوتا ہے، اب اس عورت کے لیے عدت کا شرعی حکم کیا ہے؟ کیا تین ماہ عدت گذار کر نکاحِ ثانی کرسکتی ہے یا نہیں ؟

الجواب :- جن مستورات کو حیض تو آتا ہو مگر کسی عارضی وجہ سے بند ہو تو ان کے حق میں عدت بالاحیاض ہے اگرچہ تین چار سالوں میں پوری ہوجائے، چونکہ صورتِ مسئولہ میں رضاعت کی وجہ سے حیض عارضی طور پر بند ہے اس لیے اس عورت کو تین حیض آنے تک انتظار کرنا پڑے گا یہی اس کی شرعی عدت ہے ۔

قال العلامة الحصكفیؒ : وهی فی حق حرة ولو كتابية تحت مسلم تحيض لطلاق ولو رجعيا او فسخ بجميع اسبابه بعد الدخول حقيقة او حكما ... ثلث حيض كوامل الخ ۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۳ ص ۵۰۴ باب العدة)[1]

شوہر مرزائی یا عیسائی ہوجائے تو عورت پر عدت واجب ہے

سوال :- اگر کسی عورت کا شوہر عیسائی، قادیانی یا یہودی ہوجائے جس کی وجہ سے اس کا نکاح ٹوٹ جاتا ہے، کیا ایسی عورت پر عدت واجب ہے یا نہیں ؟

الجواب :- شریعتِ اسلامی میں ہر اس جدائی پر عدت واجب ہے جو میاں بیوی کے مابین کسی وجہ سے آجائے، صورتِ مسئولہ میں چونکہ خاوند کے بوجہ غیر مسلم ہوجانے کے دونوں کے درمیان جدائی خود بخود آگئی لہٰذا اس عورت پر عدت لازمی ہے ۔

قال فی الهندية : وان اخبرت المرأة ان زوجها قد ارتد لها ان تتزوج باخر بعد انقضاء العدة فی رواية الاستحسان وفی رواية السير

---

[1] قال العلامة برهان الدين المرغينانی رحمه الله : وهی حرة ممن تحيض فعدتها ثلاثة اقراء لقوله تعالى : وَالْمُطَلَّقَاتُ يَتَرَبَّصْنَ بِأَنْفُسِهِنَّ ثَلَاثَةَ قُرُوءٍ ۔ (الهداية ج ۲ ص ۱۱ باب العدة)

وَمِثْلُهُ فی شرح الوقاية ج ۲ ص ۱۳۴ باب العدة ۔

بیس لہا ان تتزوج قال شمس الائمۃ السرخسیؒ الاصح روایۃ الاستحسان ۔
(الفتاویٰ الہندیۃ ج ا ص۳۴۰ الباب النکاح الکافر) ؎۱

خلوتِ صحیحہ کے بعد عدتِ طلاق کا حکم

سوال:- والدین نے ایک جگہ اپنے بیٹے کی شادی کردی مگر بیٹا وظیفۂ زوجیت ادا کرنے کے قابل نہ تھا صرف ایک رات بیوی کے پاس چلا گیا اور بغیر جماع کیے صبح باہر آکر گواہوں کے سامنے منکوحہ کو طلاق دے دی، کیا اس عورت پر عدت واجب ہے یا نہیں؟

الجواب:- خلوتِ صحیحہ (یعنی شوہر اور بیوی کا ایک کمرہ میں بلا کسی رکاوٹ ومانعت کے ایک دوسرے کے ساتھ ملنا) ایک قسم کا جماع ہے اس لیے صورتِ مسئولہ میں اس مطلقہ کے وقتے عدتِ طلاق گذارنا لازمی ہے ۔

قال العلامۃ الحصکفی رحمہ اللہ : والخلوۃ بلا مانع حسی وشرعی کالوطئ ولو کان الزوج مجبوبًا او عنینًا او خصیًا وخنثیٰ ان اظہر حالہ فی ثبوت النسب وتاکد المہر والنفقۃ والسکنی والعدۃ ۔ (الدر المختار علی ہامش رد المحتار ج ۲ ص۱۱۴ مطلب احکام الخلوۃ) ؎۲

شادی شدہ حاملہ من الزنا کی عدت

سوال:- اگر ایک شخص اپنی بیوی کو اس بات پر طلاق دے کہ وہ بدکردار ہے جبکہ یہ عورت زنا سے حاملہ بھی ہو تو اب یہ عورت تین حیض عدت گذارے گی یا وضعِ حمل تک انتظار کرے گی؟

الجواب:- شریعتِ اسلامی نے عدت کی دو قسمیں مقرر کی ہیں (۱) جو عورت حاملہ نہ ہو

؎۱ قال العلامۃ برہان الدین المرغینانیؒ :- ثم ان کان الزوج ہو المرتد فلہا کل المہر ان دخل بہا ونصف المہر ان لم یدخل بہا ۔
(الہدایۃ ج ۲ ص۳۴۳ فی فصل نکاح اہل الشرک)
وَمِثْلُہٗ فی شرح الوقایۃ ج ۲ ص۶۲ فی باب نکاح اہل الرقیق ۔

؎۲ قال فخر الدین قاضیخانؒ :المہر یتاکد بثلاث بالوطء وموت احد الزوجین وبالخلوۃ الصحیحۃ والخلوۃ الصحیحۃ ان یجتمعا فی مکان لیس ہناک مانع یمنعہ عن الوطی حسًا او شرعًا او طبعًا ۔ (فتاوی قاضی خان علی ہامش الہندیۃ ج ا ص۳۹۶ فصل فی الخلوۃ وتاکد المہر)
وَمِثْلُہٗ فی الہندیۃ ج ا ص۳۰۴ الفصل الثانی فیما یتاکد بہ المہر والمتعۃ ۔

تو اس کی عدت بالاقراء ہے۔ (۲) جو عورت حاملہ ہو (اس بات سے قطع نظر کہ یہ حمل شوہر سے ہے یا کسی غیر سے) تو اس کی عدت وضع حمل تک ہے، لہٰذا صورتِ مسئولہ میں یہ عورت وضع حمل تک انتظار کرے گی۔

قال العلامۃ الحصکفیؒ: والحامل مطلقاً ولو امۃ اوکتابیۃ او من زنا تعتد بالوضع۔

قال ابن عابدینؒ: اذا حبلت المعتدۃ وولدت تنقضی بہ العدۃ سواء کان من المطلق او من زنا۔ (ردالمحتار ج۲ ص۸۳۶ باب العدۃ) ؎۱

عدتِ وفات میں جوؤں کی تلفی کیلئے شیمپو استعمال کرنا

سوال:۔ جناب مفتی صاحب! میرے شوہر کی وفات کو تقریباً دو ماہ ہو گئے ہیں اور مجھے سر میں جوؤں کی سخت شکایت ہے، کیا از روئے شرع جوؤں کی تلفی کے لیے ملنے والا شیمپو استعمال کر سکتی ہوں یا نہیں؟

الجواب:۔ اگرچہ عدتِ وفات کے دوران معتدہ کے لیے زیب و زینت کرنا جائز نہیں مگر بعض حالاتِ ضرورت کی وجہ سے مستثنیٰ ہیں جن میں ایک بیماری بھی ہے، اس لیے آپ جوؤں کو ختم کرنے کے لیے ایسی ادویات استعمال کر سکتی ہیں جن میں خوشبو نہ ہو، چونکہ جوؤں کی تلفی کے لیے ملنے والے شیمپو میں خوشبو ہوتی ہے اس لیے اس کا استعمال شرعاً جائز نہیں، تاہم اگر کوئی ایسا شیمپو ہو جو بغیر خوشبو کے ہو تو اس کا استعمال مرخص ہے۔

قال الحصکفیؒ: والدھن ولو بلا طیب کزیت خالص .... الا بعذر راجع للجمیع اذ الضرورات تبیح المحظورات۔ قال ابن عابدینؒ: اوتشتکی رأسھا فتدھن وتمشط بالاسنان الغلیظۃ المتباعدۃ من غیر ارادۃ الزینۃ لان ھذا تداو لا زینۃ۔ (ردالمحتار ج۲ ص۸۳۱ فصل فی الحداد) ؎۲

؎۱ قال ابن نجیمؒ: قولہ وللحامل وضعہ ای عدۃ الحامل وضع الحمل لقولہ تعالیٰ: واولات الاحمال اجلھن ان یضعن حملھن اطلقھا فشمل الحرۃ والامۃ المسلمۃ والکتابیۃ مطلقۃ او متارکۃ فی النکاح الفاسد او وطی بشبھۃ والمتوفی عنھا زوجھا الاطلاق الآیۃ۔ (البحرالرائق ج۴ ص۱۳۳ باب العدۃ)

ومِثلُہٗ فی امداد الاحکام ج۲ ص۸۲۱ باب العدۃ۔

؎۲ قال ابن نجیمؒ: قولہٗ الا بعذرٍ متعلق بالجمیع لا بالدھن وحدہٗ فلھا لبس الحریر للحکۃ والقمل ولھا الاکتحال للضرورۃ۔ (البحرالرائق ج۴ ص۱۵۰ فصل فی الاحداد)

ومِثلُہٗ فی امداد الفتاویٰ ج۲ ص۵۱۳ باب العدۃ والحداد۔

عدتِ وفات میں چوڑیاں پہننا سوال:۔ کیا وہ عورت جس کا شوہر فوت ہوگیا ہو وہ چوڑیاں پہن سکتی ہے یا نہیں؟ اور اگر چوڑیاں پہلے سے اس کے ہاتھوں میں ہوں تو ان کا کیا حکم ہے؟

الجواب:۔ جس عورت کا شوہر فوت ہو گیا ہو اُس کے لیے چار ماہ دس دن زیب و زینت اور بناؤ سنگھار کرنا حرام ہے، اس قسم کے جملہ امور کو ترک کرنا ضروری ہے، چونکہ چوڑیاں پہننا بھی زینت ہی کی ایک قسم ہے اسلئے عدتِ وفات میں ان کو پہننا جائز نہیں اور اگر پہلے سے ہاتھوں میں ہوں تو اُن کا اُتارنا لازمی ہے۔

قال العلامة الحصکفیؒ: بترك الزينة بحلي. قال ابن عابدينؒ: اى بجميع انواعه من فضة وذهب وجواهر بحر. قال القهستانیؒ: والزينة ماتتزين به المرأة من حلی او كحل۔ (ردّ المحتار ج ۲ ص ۶۱۷ فصل فی الحداد) [1]

دیور کے خوف سے شوہر کا گھر چھوڑنے کا حکم سوال:۔ اگر کوئی معتدة الوفات اور اس کا نوجوان دیور دونوں ایک ہی گھر میں رہتے ہوں اور وہ کئی بار اس کی عصمت دری کی کوشش کر چکا ہو تو کیا یہ معتدہ شوہر کا گھر چھوڑ کر اپنے والدین کے گھر جا سکتی ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ اپنی عصمت کی حفاظت کرنا ہر مسلمان عورت پر فرض ہے، اگر کسی جگہ معتدہ کو اپنی عصمت دری کا خوف ہو تو وہ اپنی عزت بچانے کیلئے مجبوراً شوہر کا گھر چھوڑ کر اپنے والدین کے ہاں جا سکتی ہے، لہٰذا صورتِ مسئولہ کے مطابق اگر معتدہ کیلئے دیور سے بچنے کا کوئی طریقہ ممکن نہ ہو تو اس کا اپنے والدین کے گھر جانا مرخص ہے۔

قال العلامة ابن عابدينؒ: والافضل ان يحال بينهما فى البيتوتة بستر الا ان يكون فاسقاً فيحال بامرأة ثقة وان تعذر فلتخرج هى خروجه۔ (ردالمحتار ج ۲ ص ۶۲۵ باب العدة)

---

[1] قال العلامه ابن نجيم المصری رحمه الله: وشمل لبس الحرير بجميع انواعه والوانه ولو اسود وجميع انواع الحلی من ذهب وفضة وجواهر زاد فى التتارخانية القصب۔

(البحر الرائق ج ۴ ص ۱۵۰ فصل فى الاحداد۔

ومِثلُهٗ فى امداد الفتاوىٰ ج ۲ ص ۵۱۲ کتاب الطلاق۔

باب الحلالۃ

(حلالہ کے احکام ومسائل)

حلالہ کی شرعی حیثیت

سوال:۔ مطلقہ مغلظہ سے دوبارہ صحبت کے لیے حلالہ کا سہارا لیا جاتا ہے، شریعت مطہرہ کی رو سے یہ کہاں تک جائز ہے۔

الجواب:۔ طلاقِ ثلاثہ پر اقدام کرنا کسی ناقابلِ مصالحت حالات کی نشاندہی کرتا ہے اس لیے شریعت نے ایسے خطرناک اقدام پر میاں بیوی کے لیے آپس میں دوبارہ جمع ہونے کی تمام راہیں مسدود رکھیں اِلّا یہ کہ وہ عورت کسی دوسرے خاوند سے جدا ہوکر اپنے رویہ پر نظرِ ثانی کر کے سابقہ خاوند کے ساتھ رہنے پر راضی ہو، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں، فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُ مِنْ بَعْدُ حَتَّىٰ تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهُ. (البقرہ آیت ــ) ایسے حالات میں میاں وبیوں سے حلالہ پر اقدام کرنا مقصود نہیں اور نہ شریعت اس کی حوصلہ افزائی کرتی ہے، بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: لعن اللہ المحلل والمحلل لہٗ۔

تاہم کسی دوسری جگہ نکاح کرنے سے عورت خاوند کے لیے حلال ہو جاتی ہے اس لئے اندریں حالت اگر کوئی راہ تلاش کرے تو اس میں کوئی حرج نہیں، ایسی حالت میں حلالہ کے بعد میاں بیوی دوبارہ نکاح کرکے نئی زندگی اختیار کرسکتے ہیں تاہم اس میں صرف نکاح کافی نہیں جب تک دوسرا خاوند بیوی سے ہمبستری نہ کرے۔

لما روی انہ قال علیہ الصلوٰۃ والسلام: لاتحل للاول حتی تذوق عسیلۃ الاخر یذوق عسیلتھا۔ (ابوداؤد ج ۱ ص ۳۲۳ کتاب الطلاق، باب المبتوتۃ لایرجع الیہا زوجہا ...الخ)[1]

---

[1] قال المرغینانیؒ: وان کان الطلاق ثلاثًا فی الحرۃ او ثنتین فی الامۃ لم تحل لہ حتی تنکح زوجًا غیرہ نکاحًا صحیحًا ویدخل بہا ثم یطلقہا او یموت عنہا۔

(الھدایۃ ج ۲ ص ۳۹۹ باب الرجعۃ، کتاب الطلاق)

ومثلہٗ فی رد المحتار ج ۳ ص ۴۰۹ باب الرجعۃ، مطلب فی العقد علی المبانۃ۔

حلالہ کے نکاح میں وطی کے بغیر عورت شوہرِ اوّل کیلئے حلال نہیں ہوسکتی

سوال:۔ اگر مطلقہ عورت کسی مرد کے ساتھ نکاح کرے مگر وطی سے قبل اس کی وفات ہوجائے تو کیا یہ عورت شوہرِ اوّل کے ساتھ تجدیدِ نکاح کرکے اس کے لیے حلال ہوسکتی ہے یا نہیں ؟

الجواب: حنفیہ کے نزدیک حلالہ کے نکاح میں وطی کرنا ضروری ہے بغیر وطی کے یہ عورت شوہرِ اول کے لیے حلال نہ ہوگی، چونکہ موت قائم مقام وطی نہیں اس لیے شوہرِ ثانی کی وفات سے عورت شوہرِ اول کے لیے حلال نہیں ہوسکتی ۔

قال العلامۃ ابن عابدینؒ : لو مات عنها قبل الوطء لا یحلها للاوّل ..... لان الشرط هنا الوطء ۔ (ردّ المحتار جلد ۲ ص۵۳۹ کتاب الطلاق ۔ باب الرجعۃ) [۱]

حلالہ کے نکاح میں جماع کے لیے کنڈوم (ساتھی) استعمال کرنا

سوال:۔ اگر حلالہ کے نکاح میں وطی کے دوران کنڈوم استعمال کیا جائے اور اس کے ساتھ مباشرت ہو تو کیا اس طریقے سے عورت پہلے شوہر کے لیے حلال ہوجائے گی یا نہیں ؟

الجواب:۔ حلالہ کے نکاح میں مشتہی مرد کا ادخالِ ذکر ضروری ہے تاکہ دونوں کو کچھ لذت حاصل ہو انزال کرنا ضروری نہیں، لہٰذا اگر کنڈوم کے ساتھ وہی لذت حاصل ہوتی ہو تو یہ وطی (جماع) پہلے شوہر کے لیے محلل بن سکتی ہے ورنہ نہیں ۔

وفی الهندیۃ : اذا لف ذکرہ بخرقۃ وادخل فرجها فان وجد الحرارۃ تحل والافلا ۔ (الفتاوٰی الهندیۃ ج۱ ص۴۷۳ الباب السادس فی الرجعۃ ، فصل فیما تحل بہ) [۲]

---

[۱] قال العلامۃ ابن نجیم المصری رحمہ اللہ : والموت لا یقوم مقام الدخول فی حق التحلیل ۔ (البحر الرائق ج۴ ص۵۷ کتاب الطلاق)

[۲] قال العلامۃ طاهر بن عبد الرشید الانصاری رحمہ اللہ : اذا لف ذکرہ بخرقۃ وادخل فرجها فان وجد الحرارۃ تحل والافلا ۔ (خلاصۃ الفتاوٰی ج۲ ص۱۲۱ الجنس الثانی فی المحلل)

حلالہ کے نکاح میں بوقتِ جماع انزال کرنے یا نہ کرنے کا حکم

سوال :- ایک شخص مثلاً زید نے اپنی بیوی کو تین طلاق دیدی ہے، اب وہ اس عورت سے دوبارہ نکاح کے لیے حلالہ شرعی کروانا چاہتا ہے، تو جس شخص سے وہ حلالہ کرواتا ہے تو اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ جماع کرتے وقت انزال کرے یا بغیر انزال کے بھی حلالہ ہو جائے گا کیونکہ وہ شخص حمل سے ڈرتا ہے ؟ لہٰذا اس بارے میں شرعی حکم کی وضاحت فرمائی جائے ؟

الجواب :- حلالہ شرعی میں ایلاج (دخول حشفہ) ضروری ہے اور وہ بھی منتشر حالت میں ہو تاکہ محلل کو کچھ لذت بھی حاصل ہو جائے، البتہ انزال ضروری نہیں، جس شخص سے بھی حلالہ کرایا جائے اور وہ جماع کرتے وقت نفس دخول حشفہ کر کے بغیر انزال کے جماع ختم کر دے اور عورت کو طلاق دے دے تو اب یہ عورت عدتِ طلاق گزارنے کے بعد پہلے خاوند کے لیے حلال ہو گی۔

لما قال العلامة الحصکفی رحمہ اللہ : وان لم ینزل لان الشرط الذوق لا الشبع تلث وفی المجتبیٰ الصواب حلها بدخول الحشفة مطلقاً۔ (الدر المختار علی ہامش ردالمحتار جلد ۲ ص۵۴۱ کتاب الطلاق۔ باب الرجعة)[1]

نابالغ سے حلالہ کرانے کا شرعی حکم

سوال :- ایک نابالغ لڑکا جس کی عمر ابھی ۱۳، ۱۴ سال ہے لیکن وہ جماع کرنے پر قادر ہے تو کیا اس کے حلالہ سے عورت شوہر اول کے لیے حلال ہو سکتی ہے یا نہیں ؟

الجواب :- حلالہ کے لیے محلل (حلالہ کرنے والے) کا بالغ ہونا ضروری نہیں صرف جماع کرنے پر قادر ہونا ضروری ہے، اس لیے فقہاء کرام نے مراہق (قریب البلوغ لڑکے) کو جو جماع کرنے پر قادر ہو بالغ کے حکم میں داخل کیا ہے۔ لہٰذا صورتِ مسئولہ میں اگر یہ نابالغ جماع پر قادر ہے تو اس کا حلالہ کرنا صحیح ہے۔

لما قال العلامة الکاسانی رحمہ اللہ : وسواء کان الزوج الثانی بالغاً أو

---

[1] وفی الهندیة :- اما الانزال فلیس بشرط للاحلال۔
(الفتاویٰ الهندیة جلد ۱ ص۴۷۳ کتاب الطلاق فصل فیما تحل به المطلقة)

صبیاً یجامع فجامعها او مجنوناً فجامعها لقوله تعالیٰ: حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهٗ۔ من غیر فصل بین زوج و زوج ولانه الصبی والمجنون یتعلق به احکام النکاح من المهر والتحریم کوطی البالغ العاقل۔

(بدائع الصنائع ج۳ ص۱۸۹ فصل فی ان یکون النکاح الثانی صحیحاً)[1]

دُبر میں جماع کرنے سے حلالہ کا حکم

سوال:۔ اگر کوئی شخص حلالہ کے نکاح میں بیوی کے ساتھ قوم لوط والا عمل کرے (یعنی دُبر میں جماع کرے) تو کیا اس سے یہ عورت زوجِ اوّل کے لیے حلال ہوگی یا نہیں؟

الجواب:۔ حلالہ شرعی کے لیے ضروری ہے کہ اس میں جماع فی القُبل ہو، دُبر میں جماع کرنا حلالہ کے لیے کافی نہیں، اور ویسے بھی یہ عمل کبیرہ گناہ ہے۔

لما فی الفتاوٰی القنیة: اذا اتاها فی دُبرها لا تحل للاوّل۔

(الفتاوٰی القنیة ص۲۳ کتاب الطلاق۔ باب الرجعة)

موت قائم مقامِ وطی نہیں

سوال:۔ جناب مفتی صاحب! ایک عورت نے زوجِ ثانی سے نکاح کیا جبکہ زوجِ اوّل اس کو طلاقِ مغلظہ دے چکا تھا، نکاح کے بعد زوجِ ثانی حقوقِ زوجیت ادا کئے بغیر فوت ہوگیا ہے، اب یہ عورت زوجِ اوّل سے دوبارہ نکاح کرنا چاہتی ہے تو کیا اسے یہ حق حاصل ہے اور یہ نکاح صحیح ہوگا یا نہیں؟

الجواب:۔ حلالہ کے نکاح میں شوہرِ ثانی کا اپنی منکوحہ سے جماع کرنا ضروری ہے صورتِ مسئولہ کے مطابق بدون جماع کئے موت وطی کا قائم مقام نہیں بن سکتی اسلئے یہ عورت زوجِ اوّل کے لیے حلال نہیں۔

لما قال العلامة ابن نجیم المصری رحمه الله: والموت لایقوم مقام الدخول

---

[1] وفی الهندیة: وفی الانفع الصبی المراهق فی التحلیل کالبالغ...... فسر المراهق فی الجامع الصغیر فقال غلام لم یبلغ ومثله یجامع جامع امرأته وجب الغسل علیها واحلها علی الزوج الاوّل ومعنی هٰذا الکلام ان تتحرک آلیه وتشتهی۔ (الفتاوٰی الهندیة ج۱ ص۴۷۳)

ومثله فی مجموعة الفتاوٰی (فارسی) ج۲ ص۱۲ کتاب الطلاق

فی حق التحلیل۔ (البحر الرائق ج ۴ ص۵۶ کتاب الطلاق۔ باب الرجعۃ) لہ

عورت کا قول کہ میں حلالہ کر چکی ہوں....

سوال:۔ طلاق ثلاثہ کے بعد ایک عورت اپنے میکے چلی گئی اور ایک سال کے بعد پہلے شوہر کو پیغام دیا کہ میں حلالہ کر چکی ہوں لہٰذا میں آپ سے دوبارہ نکاح کرنا چاہتی ہوں، تو کیا عورت کے اس طرح کہنے سے زوجِ اوّل کے لیے اس سے دوبارہ نکاح کرنا صحیح ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ عورت کا صرف یہ کہنا کہ میں حلالہ کر چکی ہوں زوجِ اوّل سے دوبارہ نکاح کی حلت کے لیے کافی نہیں، بلکہ زوجِ اوّل کو چاہیئے کہ عورت کی بات کی خوب تحقیق کرے اور اُس سے جملہ کیفیات اور حالات کے بارے میں معلومات حاصل کرے، اگر وہ صحیح معلومات مہیا کرے اور وہ حلالہ کے لیے کارآمد بھی ہوں تو پھر اس صورت میں دوبارہ اس عورت سے نکاح کرنا صحیح ہوگا ورنہ نہیں۔

لما فی القنیۃ، لو قالت حللت لک او قال حلالہ کردم لایحل لہ التزوج مالم یستفسرھا لاختلاف الناس فی کیفیۃ التحلیل وھو الصواب۔

(القنیۃ ص۸۴ کتاب الطلاق۔ باب الرجعۃ)

حلالہ کے نکاح میں دوسرے خاوند سے ہمبستری ضروری ہے

سوال:۔ کیا حلالہ کیلئے کی گئی شادی میں دوسرے شوہر سے ہمبستری کرنا ضروری ہے یا نہیں؟ اگر ہمبستری نہ کی جائے تو کیا عورت پہلے شوہر کے لیے حلال ہو جائے گی یا نہیں؟

الجواب:۔ حلالہ کی شادی میں دوسرے شوہر سے ہمبستری کرنا شرط ہے بغیر ہمبستری کے یہ عورت پہلے خاوند کے لیے حلال نہ ہوگی۔

ھکذا فی الھدایۃ ج۲ ص۳۹۴ فصل فیما تحل بہ المطلقۃ۔ کتاب الطلاق۔

لہ قال العلامۃ ابن عابدینؒ: ولو مات عنھا قبل الوطی لا یحلھا للاوّل ..... لان الشرط ھنا الوطی۔ (رد المحتار ج۲ ص۵۳۹ کتاب الطلاق۔ باب الرجعۃ)

ومثلہٗ فی الھندیۃ ج ۱ ص۴۷۳ کتاب الطلاق۔ فصل فیما یتعلق بہ المطلقۃ۔

باب ثبوت النسب

(ثبوتِ نسب کے مسائل واحکام)

قبل از وقت پیدا ہونے والے بچے کے ثابت النسب ہونے کا حکم

سوال :- اگر کسی کے ہاں شادی کے چھ ماہ بعد بچہ پیدا ہو تو وہ ثابت النسب شمار ہوگا یا نہیں؟

الجواب :- شادی کے چھ ماہ یا اس سے زائد عرصہ کے بعد پیدا ہونے والا بچہ ثابت النسب شمار ہوگا البتہ چھ ماہ سے کم مدت میں پیدا ہونے والا بچہ ثابت النسب شمار نہیں ہوگا۔

قال فی الهندیة : وإذا تزوج الرجل فجاءت بالولد لأقل من ستة أشهر منذ تزوجها لم يثبت نسبه وإن جاءت به لستة أشهر فصاعدا يثبت نسبه اعترف به الزوج أو سكت۔ (الفتاوىٰ الہندیہ ج ۱ ص۵۳۶ الباب الخامس عشر فی ثبوت النسب) [1]

مانع حمل ادویات کے استعمال کا حکم

سوال :- مانع حمل ادویات کا استعمال جائز ہے یا نہیں؟ اگر جائز ہے تو کن حالات اور صورتوں میں ایسی ادویات استعمال کی جاسکتی ہیں؟

الجواب :- نکاح سے مقصد اولاد پیدا کرنا ہے اس لیے مانع حمل ادویات وآلات کا استعمال بعض جزئی صورتوں کے علاوہ شرعاً جائز نہیں اور خصوصاً رزق ووسائلِ معاش کے خوف کی وجہ سے تحدیدِ نسل اسلامی احکامات سے متصادم ہے، تاہم اگر بعض حالات میں عورت کو حمل کی وجہ سے بیماری یا غیر فطری طریقہ ولادت (آپریشن وغیرہ) کی ضرورت پڑتی ہو یا اس کے مثل دیگر ضروریاتِ شدیدہ کی صورت میں مانع حمل ادویات وآلات کا استعمال جائز ہے، یہاں تک کہ

---

[1] قال الحصکفیؒ: أكثر مدة الحمل سنتان لخبر عائشة رضی الله عنها كما مر وعند الائمة الثلاثة اربع سنين وأقلها ستة اشهر اجماعاً۔ (ردالمحتار ج ۳ ص۵۴۰ فصل فی ثبوت النسب) ومثلهٗ فی البحرالرائق ج ۴ ص۱۵۷ باب النسب۔

بعض مہلک بیماریوں کی صورت میں انقطاعِ رحم بھی مرخص ہے۔

وفی الفتاوٰی الاسلامیۃ.... بتحدید النسل محرم مطلقاً لما جاء فی الشریعۃ الغراء من النھی عن التبتل والتشدید فی ذٰلك والترغیب فی التزوج بالولود الودود فیکون حبوب منع الحمل محرماً إلا فی حالات فردیۃ نادرۃ لاعموم لھا کما فی حالۃ التی تدعوا الحامل إلی ولادۃ غیر عادیۃ ویضطر معھا إلی إجراء عملیۃ جراحیۃ لإخراج الولد وفی حالۃ ما إذا کان علی المرأۃ خطر من الحمل لمرض ونحوہ وھذا لا ینطبق علی حالۃ المرأۃ۔ (الفتاوٰی الاسلامیۃ لکبار العلماء بالعربیۃ السعودیۃ ج ۲ ص۳۷۶) [1]

اسقاطِ حمل کے جواز کا حکم

سوال:۔ وہ کون سے اعذار و وجوہات ہیں جن کی بناء پر اسقاطِ حمل جائز ہو جاتا ہے؟

الجواب:۔ حمل کے چار مہینے پورے ہونے سے پہلے پہلے بعض اعذار معتبر فی الشرع کے ہوتے ہوئے اسقاطِ حمل جائز ہے اور اعذار نہ ہونے کے وقت جائز نہیں، اعذار معتبرہ جیسے ظہورِ حمل کے بعد دودھ منقطع ہو جائے اور خاوند دائیہ رکھنے کی طاقت نہ رکھتا ہو یا عورت پر شدید بیماری کا غلبہ ہو یا غیر عادی طریقہ ولادت پیش آتا ہو، تاہم بعض اشد صورتوں میں جن میں ہلاکت یقینی ہو تو پھر چار ماہ کے بعد بھی اسقاطِ حمل کی گنجائش ہے۔

قال فی الھندیۃ: إمرأۃ مرضعۃ ظھر بھا حبل وانقطع لبنھا وتخاف علی ولدھا الھلاك ولیس لأبی ھذا الولد سعۃ حتی یستأجر الظئر یباح لھا أن تعالج فی استنزال الدم مادام نطفۃ أو مضغۃ أو علقۃ لم یخلق لہ عضو۔ (الفتاوٰی الھندیۃ ج ۵ ص۳۵۶ الباب الثامن عشر فی التداوی والمعالجات) [2]

---

[1] قال ابن عابدینؒ: ویکرہ أن تسعی لإسقاط حملھا وجاز لعذر کالمرضعۃ اذا ظھر بھا الحبل وانقطع لبنھا ولیس لأبی الصبی ما یستأجر بہ الظئر ویخاف ھلاك الولد قالوا یباح لھا ان تعالج فی ستنزال الدم مادام الحمل مضغۃ أو علقۃ ولم یخلق عضو وقدروا تلك المدۃ بمأۃ و عشرین یوماً وجاز لأنہ لیس بادمی وفیہ صیانۃ الآدمی۔ (رد المحتار ج ۵ ص۳۰۵ کتاب الکراھیۃ)

وَمِثْلُہٗ فی الھندیۃ ج۵ ص۳۵۶ الباب الثامن عشر فی التداوی والمعالجات۔

[2] ایضاً (حوالہ مذکورہ بالا)

وَمِثْلُہٗ فی الفقہ الاسلامی وَادِلَّتُہٗ ج۷ ص۵۰۲ کتاب النکاح۔ الاسقاط۔

ٹیسٹ ٹیوب بے بی کی شرعی حیثیت

سوال: آجکل ایک خاص انجکشن کے ذریعے مادۂ منویہ عورت کے رحم میں پہنچایا جاتا ہے جس سے پھر بچہ پیدا ہوتا ہے، اولاد کے حصول کیلئے اس طریقہ کی شرعی حیثیت کیا ہے؟

الجواب: سوال میں ذکر شدہ طریقہ جسے ٹیسٹ ٹیوب بے بی یا تلقیح صناعی بھی کہتے ہیں مفاسد کثیرہ پر مشتمل ہونے اور فحاشی و بے دینی کا ذریعہ بننے کی وجہ سے باتفاق علماء جائز نہیں، تاہم اگر کسی میاں بیوی کے ہاں اولاد پیدا نہ ہوتی ہو اور دونوں میں اولاد دینے کیلئے مطلوبہ صلاحیت موجود ہو لیکن خاوند کسی وجہ سے اپنا مادۂ منویہ بیوی کے رحم میں پہنچانے پر قادر نہ ہو یا عورت کے رحم میں امساک و استقرار کی صلاحیت نہ ہونے کی وجہ سے بچے کی پیدائش ممکن نہ ہو تو اس صورت میں مصنوعی نسل کشی کا یہ طریقہ جائز رہے گا بشرطیکہ مادۂ منویہ عورت کے اپنے خاوند کا ہی ہو، دونوں کی رضامندی ہو اور دونوں کے سامنے یہ عمل قرار پا رہا ہو اور مستند مسلمان ڈاکٹر یہ طریقہ تجویز کرے۔

قال فی یسئلونك فی الدین والحیاة: وقد قرر الفقهاء أن حمل المرأة بهذه الطريقة الصناعية يعد جريمة خلقية واجتماعية وجناية شرعية..... بل هناك من الفقهاء من قرر أن هذه العملية فی معنی الزنی وتستوجب التعزير والتأديب ولولا صورة الجريمة فيها مستورة بعض الشيء لكان حكمها الجلد الذی شرعه الله للزانی أما اذا كانت هناك إمرأة متزوجة برجل وهی صالحة للإنجاب وهو كذلك صالح للإنجاب ولكن هذا الزوج لا يستطيع بسبب ما أن يدخل مادته التناسلية وتحقن فی رحم زوجته هو ورأى الطب المستقيم أن هذا هو الطريق الوحيد والأيسر للحمل فلا مانع شرعاً من ذلك...... وهذه الحالة تكون نظرة الشريعة الى التلقيح الصناعی بين الزوجين تنحصر فی علاج الأمراض والعلل ونظرتها الى استتباب العشرة الزوجية الطيبة بين هذين الزوجين۔ (یسئلونك فی الدین والحیاة ج ۱ ص ۲۵) [۱]

---

[۱] وقال الشيخ الوهبة الزحيلی: التلقيح الصناعی هو استدخال المنی لرحم المرأة بدون جماع فإن كان بماء الرجل لزوجته جاز شرعاً إذ لا محذور فيه.....وأما ان كان بماء رجل اجنبی عن المرأة لا زواج بينهما فهو حرام لأنه بمعنى الزنا الذی هو إلقاء ماء رجل فی رحم إمرأة ليس بينهما رابطة زوجية ويعد هذا العمل أيضاً منافياً للمستوى الإنسانی ومضارعاً للتلقيح فی دائرة النباتات والحيوان۔ (الفقه الاسلامی وأدلته ج ۳ ص ۵۵۹ المبحث الرابع۔ التلقيح الصناعی)

جماع کے وقت کنڈوم (ساتھی) کا استعمال کرنا

سوال:۔ کیا شادی شدہ آدمی کیلئے بوقتِ جماع کنڈوم (ساتھی) استعمال کرنا جائز ہے یا نہیں ؟

الجواب:۔ کنڈوم (ساتھی) کا حکم عزل کی طرح ہے اس لیے فی نفسہ جماع کے وقت کنڈوم کا استعمال مباح ہے مگر بیوی سے اجازت لینا ضروری ہے بدون بیوی کی اجازت کے مکروہ ہے، تاہم اگر کوئی شرعی عذر ہو تو بلا اجازت عزل کرنے یا کنڈوم استعمال کرنے میں کوئی حرج نہیں ۔

قال العلامۃ الحصکفیؒ: ویعزل عن الحرۃ باذنہا لکن فی الخانیۃ انہ یباح فی زماننا لفسادہ قال الکمال فلیعتبر عذرًا مسقطاً لاذنہا۔

(الدر المختار علی ھامش رد المحتار ج۲ ص۴۱۲ باب نکاح الرقیق) [1]

عزل کرنے کی شرعی حیثیت

سوال:۔ جناب مفتی صاحب! ایک شادی شدہ آدمی کے لیے عزل کرنے کے بارے میں شریعت کا کیا حکم ہے ؟

الجواب:۔ عزل کرنا اگرچہ شرعاً جائز ہے مگر اس میں آزاد عورت (بیوی) سے اجازت لینا ضروری ہے بغیر اجازت کے عزل کرنا مکروہ ہے ۔

قال العلامۃ الحصکفیؒ: ویعزل عن الحرۃ باذنہا لکن فی الخانیۃ انہ یباح فی زماننا لفسادہ قال الکمال فلیعتبر عذرًا مسقطاً لاذنہا ۔ (الدر المختار علی ہامش رد المحتار ج۲ ص۴۱۲ باب نکاح الرقیق) [2]

خاوند کے مادۂ تولید کا کسی اجنبیہ کے رحم میں نشوونما پانا

سوال:۔ جدید طریقۂ تولید میں کبھی ایسا ہوتا ہے کہ میاں بیوی کے مادۂ منویہ کو ملا کر ٹیوب کے ذریعہ کسی اجنبیہ کے رحم میں رکھا جاتا ہے اور یہ مادہ اُس کے جسم میں

---

[1] و [2] قال العلامۃ ابن نجیم المصریؒ: لان العزل جائز عن امۃ نفسہ بغیر اذنہا والاذن فی العزل عن الحرۃ لہا ولا یباح بغیرہ لانہ حقہا، وفی الخانیۃ ذکر فی کتاب انہ لا یباح بغیر اذنہا وقالوا فی زماننا یباح سُوءِ الزمان ۔ الخ

(البحر الرائق ج۳ ص۲۰۳ کتاب النکاح، باب نکاح الرقیق)

وَمِثْلُہٗ فی الھدایۃ ج۲ ص۳۱۱ باب نکاح الرقیق۔

نشوونما پا کر بچہ بن کر پیدا ہوجاتا ہے، تو اب سوال یہ ہے کہ اس بچے کا نسب کس سے ثابت ہوگا اور اس اجنبیہ کی کیا حیثیت ہوگی؟

الجواب:۔ ثبوتِ نسب کے لیے ابتدائی وقت سے میاں بیوی کے نطفوں کا اختلاط ہونا کافی ہے، چونکہ صورتِ مسئولہ میں جدید طریقۂ تولید میں ابتداءً میاں بیوی کا نطفہ مختلط ہوجاتا ہے اور اس اختلاط سے وہ ایک عَلَقَہ کی صورت اختیار کرتا ہے اور پھر کسی اجنبیہ کے رحم میں رکھا جاتا ہے، تو ثبوتِ نسب کے لیے اختلاط کی صورت تک یعنی عَلَقَہ بننے تک کا زمانہ کافی ہے، باقی یہ اجنبیہ ہونے والے بچے کے لیے بمنزلۂ مرضعہ کے ہوگی، اس کے حقیقی ماں باپ وہی میاں بیوی ہیں جن کا یہ نطفہ تھا۔

لما قال العلامۃ ابوبکر الکاسانی رحمہ اللہ: النسب الثابت بالنکاح لا ینقطع الا باللعان۔ (بدائع الصنائع ج ۳ ص ۲۴۶ باب النسب)

جدید نظامِ تولید کا شرعی حکم

سوال:۔ بعض یورپی ممالک میں جدید نظامِ تولید کے لیے اجنبیہ خواتین کے ارحام کو بطورِ اجارہ لیتے ہیں، یعنی میاں بیوی کے نطفوں کے اختلاط کے بعد جب اس کی نشوونما کا مرحلہ آتا ہے تو بجائے بیوی کے رحم میں رکھنے کے کسی اجنبی عورت کو معاوضہ دے کر نشوونما کے لیے اس کے رحم کو استعمال کیا جاتا ہے، کیا یہ طریقہ شرعاً درست ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ اگرچہ اس طریقہ سے ہونے والا بچہ اصحابِ نطفہ سے منسوب ہوگا مگر اس ثبوت سے کسی اجنبیہ کے رحم کو بطورِ اجارہ لینا جائز نہیں ہوتا بلکہ شریعتِ مقدسہ میں اس قسم کی اشیاء صرف اپنے خاوندوں کے استعمال کے لیے جائز ہیں دوسروں کے لیے ان کا استعمال کسی بھی صورت میں جائز نہیں۔

لما قال اللہ تبارک وتعالیٰ: نِسَآؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ فَأْتُوا حَرْثَكُمْ أَنّٰى شِئْتُمْ۔ (سورۃ البقرۃ آیت ۲۲۳) [1]

---

[1] روی العلامہ جلال الدین السیوطیؒ: عن ابن سیرینؒ وحسن بن زیاد لا یعار الفرج۔ (الدر المنثور ج ۶ ص ۵ سورۃ الشوریٰ)

وَمِثْلُهٗ فی جواہر الفتاویٰ ج ۱ ص ۲۰۷ ٹیسٹ ٹیوب بے بی کی شرعی حیثیت

طلاقِ رجعی کے دو سال بعد پیدا ہونیوالے بچے کا ثابت النسب ہونا

سوال:۔ زید نے اپنی بیوی کو طلاقِ رجعی دیدی، طلاق کے دو سال بعد بچہ پیدا ہوا، جب زید کو بچہ پیدا ہونے کی خبر پہنچی تو زید نے انکار کرتے ہوئے کہا کہ یہ لڑکا میرا نہیں ہے، تو کیا یہ بچہ زید سے ثابت النسب ہوگا یا نہیں؟

الجواب:۔ طلاقِ رجعی کے بعد اگر عورت نے عدت گذر جانے کا اقرار کیا ہو اور اس کے بعد بچہ پیدا ہو تو اس بچے کا نسب زید سے ثابت نہیں ہوگا، البتہ اگر عورت نے قبل از ولادت عدت گذر جانے کا اقرار نہیں کیا ہو تو بچہ زید سے ثابت النسب تسلیم کیا جائے گا۔

لما قال العلامة التمرتاشیؒ:۔ (ویثبت نسب) ولد (معتدة الرجعی .... وان ولدت لاکثر من سنتین .... مالم تقر بمضی العدة والمدة تحتمله وکانت الولادة رجعة لو فی الاکثر۔ (تنویر الابصار علی ہامش ردالمحتار ج۲ ص۶۲۶ فصل فی ثبوت النسب، مکتبہ رشیدیہ)۔ [1]

باپ کا بچے کے نسب سے انکار کرنا

سوال:۔ کوئی شخص اپنی منکوحہ کے اولاد سے انکار کر سکتا ہے یا نہیں؟ اگر کوئی شخص اس کا انکار کرے تو اولاد کا نسب اس سے ثابت ہوگا یا کسی اور سے؟

الجواب:۔ منکوحہ سے اولاد کا نسب قوی ہے، اس کے ثبوت کے لیے نہ تو کسی دعویٰ کی ضرورت ہے اور نہ خاوند کے انکار سے اس کی نفی ہو سکتی ہے، جو بچہ بھی منکوحہ سے پیدا ہو وہ خاوند سے ثابت النسب ہوگا، تاہم اگر خاوند بیوی کے پیدا ہونے والے کسی بچہ سے انکار کر کے لعان کرے تو پھر خاوند سے اس بچے کا نسب ثابت نہیں ہوگا لیکن بعد ازاں میاں بیوی کی حیثیت سے دونوں کا اکٹھا رہنا مشکل ہے جس کیلئے یا تو خاوند بیوی کو طلاق دے گا یا پھر قاضی کو دونوں کے درمیان تفریق کرنی پڑے گی۔

لما قال العلامة ابن عابدینؒ: حیث قسم الفراش الیٰ قوله وقوی وهو فراش

---

[1] قال ابن الهمامؒ: ویثبت نسب ولد المطلقة الرجعة اذا جاءت به لسنتین او اکثر مالم تقر بانقضاء عدتها۔ (فتح القدیر ج۴ ص۱۶۲ باب الحضانة)
ومثله فی کنز الدقائق علی هامش البحر الرائق ج۴ ص۱۵۶ باب ثبوت النسب۔

المنکوحة ومعتدة الرجعی فانہ فیہ لاینتفی الا باللعان - (ردّ المحتار ج ۲ ص ۶۹۴ باب الثبوت النسب، کتاب الطلاق، مطلب الفراش علی اربع مراتب) لہ

ولدالزنا کا نسب

سوال:- جو بچہ زنا سے پیدا ہو اُس کا نسب کس سے ثابت ہو گا؟ کیا زانی اس کو اپنا بیٹا کہہ کر پکار سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب:- زنا سے پیدا ہونے والے بچے کا زانی سے نسب ثابت ہونا ممکن نہیں اور نہ ہی زانی اس کو بیٹا کہہ سکتا ہے۔ اگر مزنیہ کسی کے نکاح میں ہو تو زنا سے پیدا ہونے والے بچے کا نسب مزنیہ کے خاوند سے ثابت ہوگا اور اگر کسی غیر شادی شدہ عورت کے ہاں بچہ پیدا ہو تو اس کی نسبت والدہ (مزنیہ) کی طرف ہوگی۔

لقولہ علیہ الصلوٰۃ والسلام: الولد للفراش وللعاھر الحجر۔

(مشکوٰۃ ج ۱ ص ۲۸۷ باب اللعان۔ کتاب النکاح۔ فصل الاول) ۲ہ

حاملہ من الزنا سے نکاح کے بعد بچہ کا نسب

سوال:- ایک شخص نے آزاد عورت سے زنا کیا، حاملہ ہونے کے بعد اس شخص نے مزنیہ سے نکاح کر کے معاملہ کو دبا دیا لیکن زنا سے جو بچہ پیدا ہوا اور شخص مذکور یہ اقرار کرے کہ یہ بچہ میرے نطفہ سے ہے تو کیا اس سے نسب ثابت ہوگا یا نہیں؟

الجواب:- زنا سے نسب کبھی ثابت نہیں ہوتا، مذکورہ شخص کا دعویٰ نسب ناقابلِ التفات

لہ قال فی الھندیۃ:- قال اصحابنا لثبوت النسب ثلاث مراتب الاول النکاح الصحیح وما ھو فی معناہ من النکاح الفاسد والحکم فیہ انہ یثبت النسب من غیر دعوۃ ولا ینتفی بمجرد النفی وانما ینتفی باللعان فان کان ممن لا لعان بینھما لا ینتفی نسب الولد۔
(الفتاوی الھندیۃ ج ۱ ص ۵۳۶ الباب الخامس عشر فی ثبوت النسب، کتاب الطلاق)

وَمِثْلُہٗ فی الفتاوی التاتارخانیۃ ج ۴ ص ۸۰ باب الثبوت النسب، کتاب الطلاق۔

۲ہ قال فی الھندیۃ: اذا زنی رجل بامرأۃ فجاءت بولد فادعاہ الزانی لم یثبت نسب منہ واما المرأۃ فیثبت نسب منھا۔ (الفتاوی الھندیۃ ج ۴ ص ۱۲۷ فی الفصل الثامن فی دعوۃ الولد من الزنا وما فی حکمہ۔ کتاب الدعوی)

وَمِثْلُہٗ فی الھندیۃ ج ۱ ص ۵۴۰ فی الباب الخامس عشر فی ثبوت النسب، کتاب الطلاق۔

ہے، تاہم اگر نکاح سے چھ ماہ بعد بچہ پیدا ہو تو پھر قطعاً ناکح سے نسب ثابت ہوگا اور اگر نکاح کے بعد چھ ماہ سے کم مدت میں بچہ پیدا ہو تو پھر اگر خاوند یہ اقرار کرے کہ یہ بچہ میرا ہے اگرچہ نسب کے ثبوت کے لیے یہ اقرار مفید نہیں لیکن اس کے اقرارِ نسب سے یہ بچہ میراث لے سکتا ہے، جبکہ زنا کا اقرار کر کے بچے کے نسب کا دعویٰ کرنے سے نہ نسب ثابت ہوتا ہے اور نہ میراث میں حصہ مل سکتا ہے۔

قال فی الھندیۃ: ولو زنی بامرأۃ فحملت ثم تزوجھا فولدته ان جاءت به لستة اشھر فصاعدا ثبت نسبه الا ان یدعیه ولم یقل انه من الزنا اما ان قال انه منی من الزنا فلا یثبت نسبه ولا یرث منه۔ (الفتاوٰی الھندیۃ ج۱ ص۵۴۰ فی الباب الخامس عشر فی ثبوت النسب۔ کتاب الطلاق) لـه

داشتہ کی اولاد کے نسب کا حکم

سوال:۔ ایک شخص نے کسی کی منکوحہ کو اغوا کر کے مدتوں سے اپنے پاس رکھا ہوا ہے جس سے اس کے بچے بھی پیدا ہوتے ہیں جبکہ خاوند نے طلاق بھی نہیں دی ہے، ایسی حالت میں اس عورت کی اولاد کا نسب کس سے ثابت ہوگا؟

الجواب:۔ اغوا کنندہ کا منکوحۃ الغیر سے منافع لینا زنا ہے اور زنا سبب ثبوتِ نسب نہیں، ایسی داشتہ کے بچوں کا نسب خاوند سے ثابت ہوگا جن سے نفی کے لیے خاوند لعان کا ذریعہ اختیار کر سکتا ہے۔ ایسی عورت کو جب تک خاوند سے باقاعدہ آزادی نہ ملے تو مدتوں تک پاس رکھنے سے نہ تو اس سے نکاح جائز ہے اور نہ اس کی اولاد کا نسب ثابت ہوگا۔

لحدیث النبی صلی اللہ علیہ وسلم: الولد للفراش وللعاھر الحجر۔ (مشکوٰۃ ج۱ ص۲۸۷ باب اللعان۔ کتاب النکاح)

وقال ابن عابدینؒ: اما نکاح منکوحۃ الغیر ومعتدته ..... لانه لو یقل احد

لـه قال العلامۃ ابن الھمام رحمه اللہ تعالٰی: واذا تزوج الرجل امرأۃ فجاءت بولد لاقل من ستة اشھر منذ یوم تزوجھا لم یثبت نسبه۔

(فتح القدیر ج۴ ص۱۶۸ باب ثبوت النسب۔ کتاب الطلاق)

ومثله فی البحر الرائق ج۴ ص۱۵۵ باب ثبوت النسب۔ کتاب الطلاق۔

بجوازه فلم ینعقد اصلاً ۔ (ردالمحتار ج۲ ص۲۸۰ باب المحرمات ۔کتاب النکاح) لے

گھر سے نکالے جانے کے بعد منکوحہ غیر مطلقہ کے ہاں پیدا ہونے والے بچہ کا حکم

سوال:- زید نے اپنی بیوی کو کسی وجہ سے بغیر طلاق دیئے اپنے گھر سے نکال دیا، دو سال بعد اس مذکورہ عورت کے ہاں بچہ پیدا ہوا، خاوند نے اطلاع ملتے ہی انکار کیا کہ یہ بچہ میرا نہیں ہے، کیا اس کا یہ انکار شرعاً درست ہے یا نہیں؟

الجواب:- منکوحہ غیر مطلقہ کے ہاں نکاح کے چھ ماہ پورے ہونے کے بعد جو بچہ پیدا ہو خواہ زوج اس کا اعتراف کرے یا خاموشی اختیار کرے ہر حالت میں بچہ اس سے ثابت النسب ہوگا، گویا گھر سے نکالے جانے کے بعد جب تک اس کے نکاح میں رہی اس عرصہ میں پیدا ہونے والا بچہ خاوند سے ثابت النسب ہوگا تاہم اگر اس کو واقعی بچے سے انکار کرنا مقصود ہو تو لعان کا طریقہ اختیار کرسکتا ہے جو اس کے لیے نسبت کے انکار کے لیے مفید رہے گا۔

لما قال العلامة برهان الدين المرغيناني رحمه الله: واذا تزوج الرجل امرأة فجاءت بولد لاقل من ستة اشهر منذ يوم تزوجها لم يثبت نسبه.... وان جاءت به لستة اشهر فصاعداً يثبت منه اعترف الزوج اوسكت..... فان جحد الولادة يثبت بشهادة امرأة واحدة تشهد بالولادة حتى لو نفاه الزوج يلاعن لان نسب يثبت بالفراش القائم۔ (الهداية ج۲ ص۴۰۹ باب ثبوت النسب) ۲ـہ

لے وقال امام فخرالدين حسن بن منصور رحمه الله: الاوزجندى ولا يجوز نكاح منكوحة الغير عند الكل۔ (فتاوىٰ خانية على هامش الهندية ج۱ ص۳۶۶ فى باب المحرمات۔ كتاب النكاح)

ومثله فى البحر الرائق ج۳ ص۹۲ باب المحرمات۔ كتاب النكاح۔

ـ۲ـہ قال فى الهندية: واذا تزوج الرجل امرأة فجاءت بالولد لاقل من ستة أشهر منذ تزوجها لم يثبت نسبه وان جاءت به لستة أشهر فصاعداً يثبت نسبه منه اعترف به الزوج أو سكت۔ (الفتاوىٰ الهندية ج۱ ص۵۳۶ الباب الخامس عشر فى ثبوت النسب)

ومثله فى ردالمحتار ج۲ ص۶۲۷ فصل فى ثبوت النسب الباب الخامس عشر فى ثبوت النسب۔

خاوند کی طویل غیر حاضری میں بیوی کا حاملہ ہونا

سوال :۔ اگر ایک شخص چند سالوں سے سفر میں ہو اُس کی غیر حاضری میں اس کی بیوی کے ہاں بچہ پیدا ہو جائے تو اس کا نسب ثابت ہوگا یا نہیں؟

الجواب: نسب کے ثبوت کے لیے نکاح اہم سبب ہے، اس لیے نکاح کے موجودگی میں جو بچہ پیدا ہو تو وہ ثابت النسب ہوگا، صورتِ مرقومہ کے مطابق اگر خاوند کی طویل غیر حاضری میں بچہ پیدا ہوا ہو تو خاوند نفی کے لیے لعان کا طریقہ اپنا سکتا ہے۔

لقولہ علیہ الصلوٰۃ والسلام: الولد للفراش وللعاهر الحجر۔

(مشکوٰۃ ج۱ ص۲۸۷ باب اللعان۔ کتاب النکاح) [1]

مدتِ حمل

سوال :۔ بچہ زیادہ سے زیادہ کتنی مدت تک ماں کے پیٹ میں رہ سکتا ہے اور کم از کم کتنی مدت ماں کے پیٹ میں رہ کر صحیح وسالم پیدا ہو سکتا ہے؟

الجواب :۔ حمل کی کم سے کم مدت چھ ماہ ہے اور زیادہ سے زیادہ دو برس، یعنی کم سے کم چھ ماہ بچہ ماں کے پیٹ میں رہ کر صحیح وسالم پیدا ہو سکتا ہے اور زیادہ سے زیادہ دو برس تک بچہ ماں کے پیٹ میں رہ سکتا ہے، فقہ حنفی کی رُو سے مدتِ حمل دو سال سے زائد نہیں ہو سکتی۔

لما قال العلامة المرغیناني: واکثر مدة الحمل سنتان۔ لقول عائشةؓ: الولد لایبقی فی البطن اکثر من سنتین ولو بظل مغزل واقلہ ستة اشھر۔ لقولہ تعالیٰ: وحملہ وفصالہ ثلثون شھرًا ثم قال وفصالہ فی عامین فبقی للحمل ستة اشھر۔ (الھدایہ ج۲ ص۴۱۱ باب ثبوت النسب) [2]

کم از کم مدتِ حمل سے پہلے پیدا ہونیوالے بچے کے نسب کا حکم

سوال :۔ ایک شخص نے کسی مطلقہ عورت سے نکاح کیا

---

[1] وقال ابن عابدینؒ: حیث قسم الفراش علی اربع مراتب وقوی وھو فراش المنکوحة ومعتدة الرجعی فانہ فیہ لاینتفی الا باللعان۔ (ردّ المحتار ج۲ ص۶۸۲ مطلب الفراش علی اربع مراتب)

وَمِثْلُہٗ فی الھندیة ج۱ ص۵۳۶ الباب الخامس عشر فی ثبوت النسب۔

[2] وقال شیخ الاسلام محمد بن عبد اللہ التمرتاشیؒ: واکثر مدة الحمل سنتان لخبر عائشة رضی اللہ عنھا..... واقلھا ستة اشھر اجماعًا۔ (تنویر الابصار علی ھامش ردّ المحتار ج۲ ص۶۲۶ فصل فی ثبوت النسب)

وَمِثْلُہٗ فی الکنز الدقائق علی ھامش البحر الرائق ج۴ ص۱۶۳ باب ثبوت النسب۔

عورت نے نکاح کے وقت اطمینان دلایا تھا کہ میرا حمل نہیں ہے اور میری عدت گذر چکی ہے، اس شخص نے عورت کے قول پر اعتماد کیا، اب صورتحال یہ ہے کہ نکاح کے پانچ ماہ بعد اس عورت کے ہاں بچہ پیدا ہوا، ایسی حالت میں یہ بچہ پہلے خاوند کا شمار ہوگا یا دوسرے کا؟

الجواب:۔ نکاح کے بعد چھ ماہ سے کم مدت میں بچہ کا پیدا ہونا اس شخص سے ممکن نہیں، جب اس عورت کے ہاں اقل مدتِ حمل سے قبل بچہ پیدا ہو تو اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ مذکورہ عورت نے کذب بیانی کا سہارا لے کر دوسرے شخص کے ساتھ دھوکہ سے نکاح کیا ہے اسلیے اس نکاح کا کوئی اعتبار نہیں اور بچہ پہلے خاوند سے ثابت النسب ہوگا، اور یہ شخص بچہ پیدا ہونے کے بعد دوبارہ نکاح کرکے اس عورت کو اپنے پاس رکھ سکتا ہے۔

لما فی الھندیۃ: واذا تزوجت المعتدۃ بزوج آخر ثم جاءت بولد ان جاءت بہ لاقل من سنتین منذ طلقھا الاول او مات ولاقل من ستۃ اشھر منذ تزوجھا الثانی فالولد للاول۔

(الفتاوی الھندیۃ ج۱ ص۵۳۸ الباب الخامس عشر فی ثبوت النسب)[1]

حمل کی کم از کم مدت

سوال:۔ اگر ایک شخص کے ہاں شادی کے چھ ماہ بعد بچہ پیدا ہو تو کیا یہ بچہ ثابت النسب ہوگا یا نہیں؟ اور اگر والد اس کے نسب سے انکاری ہو تو اس سے بچے کے نسب کی نفی ہوسکتی ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ نکاح کے بعد اقل مدتِ حمل یعنی چھ ماہ کے بعد جو بچہ پیدا ہوا اس کا نسب باپ سے ثابت ہوگا اور اس کے لیے انکار کرنے کی گنجائش نہیں، نسب سے انکار کیلئے لعان کے علاوہ کوئی دوسرا طریقہ مفید اور بہتر نہیں۔

لما فی الھندیۃ: واذا تزوج الرجل امرأۃ فجاءت بالولد لاقل من ستۃ اشھر منذ تزوجھا لم یثبت نسبہ، ان جاءت بہ لستۃ اشھر فصاعدًا یثبت نسبہ منہ اعترف بہ الزوج او سکت فان جحد الولادۃ یثبت بشھادۃ امرأۃ واحدۃ تشھد بالولادۃ۔ (الفتاوی الھندیۃ ج۱ ص۵۳۶ الباب الخامس عشر فی ثبوت النسب)[2]

---

[1] قال العلامۃ المرغینانیؒ: واذا تزوج امرأۃ فجاءت بولد لاقل من ستۃ اشھر منذ یوم تزوجھا لم یثبت نسبہ۔ (الھدایۃ ج۲ ص۴۰۹ باب ثبوت النسب)

ومثلہٗ فی فتح القدیر ج۴ ص۱۶۸ باب ثبوت النسب۔

[2] قال التمرتاشیؒ: داقلھا ستۃ اشھر اجماعًا فیثبت نسب۔ (تنویر الابصار علی ہامش رد المحتار ج۲ ص۶۲۶ باب ثبوت النسب) ومثلہٗ فی کنز الدقائق علی ہامش البحر الرائق ج۴ ص۱۶۳ باب ثبوت النسب۔

سوال: ایک لڑکا جس کا نکاح | ثبوت النسب کے لیے مدت کا اعتبار وقتِ نکاح سے ہے

اپریل ۱۹۸۸ء میں ہوا اور لڑکی کی رخصتی ۸ جولائی ۱۹۸۸ء کو ہوئی، رخصتی کے تقریباً تین ماہ بعد لڑکی کے ہاں سسرال میں بچہ پیدا ہوا، اب سوال یہ ہے کہ کیا اس بچے کا نسب اس لڑکے سے ثابت ہوگا یا نہیں؟ جبکہ لڑکی اور لڑکا آپس میں خالہ زاد ہیں اور ان کا ایک دوسرے کے گھر آنا جانا بھی تھا۔

الجواب: صورتِ مذکورہ میں اگر نکاح واقعی اپریل ۱۹۸۸ء میں ہی ہوا ہو اور رخصتی جولائی ۱۹۸۸ء میں ہوئی ہو اور پھر جولائی سے تین ماہ بعد ستمبر میں بچہ پیدا ہو جائے تو اندریں صورت ثبوت النسب کے لیے مدت کا اعتبار نکاح کے وقت سے ہوگا رخصتی کے وقت سے نہیں۔ لہٰذا اگر نکاح سے چھ ماہ بعد بچہ پیدا ہوا ہو تو یہ بچہ اس خاوند سے ثابت النسب ہوگا تاہم اگر خاوند اس سے انکار کرے تو اس کے لیے لعان کا ذریعہ اختیار کرنا ضروری ہے اور چھ ماہ سے کم مدت کی صورت میں بچہ ثابت النسب نہ ہوگا۔

لما فی الهندیة: واذا تزوج الرجل امرأة فجاءت بولد لاقل من ستة اشهر منذ تزوجها لم یثبت نسبه وان جاءت به ستة اشهر فصاعداً یثبت نسبه الخ وفیه بعد اسطر: ولو جاءت لاقل من ستة اشهر من وقت النکاح لا یثبت الخ

(الفتاوی الهندیة ج ۱ ص ۵۳۶، ۵۳۷ الباب الخامس عشر فی ثبوت النسب) [۱]

---

[۱] قال العلامة المرغینانی رحمه الله: واذا تزوج الرجل امرأة فجاءت بولد لاقل من ستة اشهر منذ یوم تزوجها لم یثبت نسبه لان العلوق سابق علی النکاح فلا یکون منه وان جاءت به لستة اشهر فصاعداً یثبت نسبه منه .... لان الفراش قائم والمدة تامة الخ

(الهدایة ج ۲ ص ۴۱۱ باب ثبوت النسب)

ومثله فی فتاوی قاضیخان علی هامش الهندیة ج ۱ ص ۴۵۸ فصل فی النسب۔

سادات کا نسب اور سیدہ فاطمہؓ کی فضیلت

سوال:۔ جناب مفتی صاحب! کئی دنوں سے ایک سوال ذہن میں ابھر رہا ہے کہ اولاد کی نسبت تو باپ کی طرف ہوتی ہے جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تو نرینہ اولاد نہیں تھی تو سادات کا نسب کیسے باقی رہا؟ کیونکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ تو خود سید نہ تھے؟

الجواب:۔ یہ ٹھیک ہے کہ اسلام میں اولاد کا نسب باپ کی طرف ثابت ہوتا ہے، مگر سیدہ حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کی یہ خصوصیت ہے کہ آپ کی اولاد کی نسبت آپ کی طرف ہے اور آپ کے واسطہ سے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے، آپ کے علاوہ کسی بھی عورت کو یہ شرف حاصل نہیں، اسی لیے آج سادات کا سلسلہ نسب دنیا میں قائم ہے۔

روی الحاکم عن جابر بن عبد اللہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لکل بنی ام ینتمون الی عصبة الا ولد فاطمة فانا ولیهم وعصبتهم۔ (مجمع الزوائد ج ۹ ص ۲۷۲ رقم حدیث ۱۵۰۱۳ کتاب المناقب۔ الباب ۱۴) [1]

تین سال بعد پیدا ہونے والے بچے کے نسب کا حکم

سوال:۔ اگر کسی شخص کے انتقال کے تین سال بعد اس کی بیوہ کے ہاں بچہ ہو جبکہ اس نے دوسری شادی بھی نہ کی ہو تو اس بچے کے نسب کے بارے میں شریعتِ مقدسہ کا کیا حکم ہے؟ کیا یہ بچہ میت کی طرف منسوب ہوگا یا نہیں؟

الجواب:۔ مفتی بہ رائے کے مطابق حمل کی کم از کم مدت چھ ماہ اور زیادہ سے زیادہ دو سال ہے، اس دوران جو بچہ پیدا ہو وہ ثابت النسب ہوگا، لیکن جو بچہ کسی کے انتقال کے دو سال بعد پیدا ہو جبکہ اس کی بیوہ نے دوسری شادی بھی نہ کی ہو تو وہ باپ سے ثابت النسب نہیں ہوگا، اس لیے صورتِ مسئولہ میں جو بچہ باپ کے مرنے کے تین سال بعد پیدا ہوا ہے وہ باپ سے غیر ثابت النسب ہے اُس کو صرف ماں

---

[1] قال الشیخ المفتی عزیز الرحمنؒ: روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ گو نسب باپ کی طرف سے ثابت ہوتا ہے لیکن بنی فاطمہ اس سے مستثنیٰ ہیں، امام حسنؓ اور امام حسینؓ کا نسب حضرت فاطمہؓ کے واسطہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب ہے..... آئندہ کسی عورت کی جانب سے خواہ وہ سیدہ ہی کیوں نہ ہو نسب ثابت نہ ہوگا۔

(فتاویٰ دار العلوم دیوبند ج ۱۱ ص ۶۵ باب ثبوت النسب)

کی طرف منسوب کیا جائے گا۔

لما فی الهندیة : ولو مات عنها قبل الدخول او بعده ثم جاءت بولد من وقت الوفاة الی سنتین یثبت النسب منه وان جاءت به لاکثر من سنتین من وقت الوفاة لایثبت النسب ۔ (الفتاوی الهندیة ج ۱ ص ـــ الباب الخامس عشر فی ثبوت النسب)۔

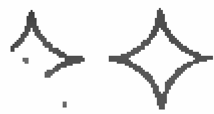
بارہ سال کے لڑکے سے ثبوتِ نسب کا مسئلہ

سوال:۔ جناب مفتی صاحب! یہاں علاقہ غیر میں لوگ اپنے بچوں کی شادیاں بہت کم سنی میں کر دیتے ہیں، دریافت طلب امر یہ ہے کہ اگر کسی لڑکے کی عمر ۱۲،۱۲ سال ہو اور اس کی بیوی کو حمل ہو جائے تو کیا حمل کا نسب اِس لڑکے سے ہوگا یا نہیں؟

الجواب:۔ اگر لڑکا مراہق یعنی قریب البلوغ ہو (جس کی ادنیٰ مدتِ عمر لڑکے کے لیے ۱۲ سال اور لڑکی کے لیے ۹ سال ہے) تو اس سے حمل کا نسب ثابت ہو سکتا ہے ورنہ نہیں، لہٰذا صورتِ مسئولہ کے مطابق اِس حمل کا نسب اس لڑکے سے ہوگا۔

قال الحصکفیؒ : ولا نسب فی حالیه اذ لاماء للصبی نعم ینبغی ثبوته من المراهق احتیاطاً۔ قال ابن عابدینؒ : (قوله اذ لاماء للصبی) ای فلا یتصور منه العلوق وانما ثبت نسب ولد المشرقی من مغربیة اقامة للعقد مقام العلوق لتصوره حقیقة بخلاف الصبی کما فی البحر (قوله نعم ینبغی) عبارة الفتح ثم یجب کون ذلك الصبی غیر المراهق اما المراهق فیجب ان یثبت النسب منه۔ (رد المحتار ج ۲ ص ۸۳۲ باب العدة)

وقال ایضًا : وادنیٰ مدته ای البلوغ له اثنتا عشرة سنة ولها تسع سنین فان راهقا بان بلغا هٰذا السن۔ (رد المحتار ج ۵ ص ۱۳۲ فصل فی بلوغ الغلام) [1]



---

[1] قال الشیخ ابو زهرةؒ : الشرط الاول ان یکون الزوج ممن یتصور منه الحمل فان کان صغیرا لا یتصور منه الحمل لا یثبت ... قرینة ... ان الحمل لیس منه وقد اتفق علی ذٰلك الائمة۔ (الاحوال الشخصیة ص ۳۸۹ القسم الرابع ثبوت النسب)

بغیر حلالہ کے نکاح ثانی سے پیدا ہونے والے بچے کا نسب

سوال:۔ایک شخص نے اپنی بیوی کو اکٹھی تین طلاقیں دیدیں، پھر چند دنوں کے بعد دوبارہ بغیر حلالہ شرعی کے اس سے نکاح کر لیا، اس لیے کہ اس کو ایک غیر مقلد عالم دین نے تجدید نکاح کا فتویٰ دیا تھا، جبکہ یہ شخص حنفی مذہب سے تعلق رکھتا ہے۔ اس نکاح ثانی سے ایک بچہ بھی پیدا ہوا ہے اس کے نسب کے بارے میں شریعت کا کیا حکم ہے؟

الجواب:۔صورتِ مسئولہ کے مطابق یہ نکاح ثانی شرعاً فاسد ہے، بغیر کسی تاخیر کے ان دونوں کو جدا ہو جانا چاہیئے، البتہ بچے کا نسب اپنے باپ سے ثابت ہے۔

لما فی الهندية: ولو طلقها ثلاثاً ثم تزوجها قبل ان تنكح زوجاً غيره فجاءت منه بولد ولا يعلمان بفساد النكاح فالنسب ثابت وان كان يعلمان بفساد النكاح يثبت النسب ايضاً عند ابی حنيفةؒ كذا فی التاتارخانية۔ (الفتاوى الهندية ج۱ ص۵۴۰ الباب الخامس فی ثبوت النسب)[1]

عدت کے دوران سالی سے نکاح کرنا اور اس سے پیدا ہونیوالے بچے کے نسب کا حکم

سوال:۔ایک شخص نے اپنی بیوی کو طلاق دیدی، طلاق کی وجہ یہ تھی کہ موصوف کی بیوی کو شک تھا کہ اس کے سالی سے ناجائز تعلقات ہیں اور اسی وجہ سے دونوں اکثر اوقات خلوت میں رہتے ہیں۔ اب یہ عورت حاملہ ہے اور اس کا شوہر سالی سے نکاح کر کے فرار ہو گیا ہے اور ان کے ہاں ایک بچہ بھی پیدا ہو گیا ہے۔ تو کیا اس بچے کا نسب اس شخص سے ثابت ہو گا یا نہیں؟

الجواب:۔صورتِ مسئولہ کے مطابق دورانِ عدت سالی کے ساتھ نکاح جائز نہیں اگر کر لیا جائے تو نکاح فاسد ہو گا جو واجب الفسخ ہے۔ جہاں تک بچے کا تعلق ہے تو امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک نکاح فاسد سے پیدا ہونے والا بچہ ثابت النسب ہوتا ہے اس لیے اس بچے کا نسب اپنے باپ سے ثابت ہے۔ تاہم ان دونوں کے لیے زوجۂ اوّل مطلقہ کی عدت ختم ہونے کے بعد دوبارہ نکاح

---

[1] لما قال العلامة عالم بن العلاء الانصاریؒ: ولو طلقها ثلاثاً ثم تزوجها قبل ان تنكح زوجاً غيره فجاءت منه بولد ولا يعلمان بفساد النكاح فالنسب ثابت وان كان يعلمان بفساد النكاح يثبت النسب ايضاً عند ابی حنيفةؒ۔ (الفتاوى التاتارخانية ج۴ ص۸۰ كتاب الطلاق۔ الفصل التاسع والعشرون باب ثبوت النسب)

کرنا ضروری ہے بدون اس کے دونوں میاں بیوی کی حیثیت سے اکٹھے نہیں رہ سکتے۔

لما قال العلامة الکاسانیؒ: ان تزوج احداھما بعد الاخریٰ جاز نکاح الاولیٰ وفسد نکاح الثانیۃ۔ (بدائع الصنائع ج۲ ص۲۶۱ کتاب النکاح)

وقال ایضاً: واما نکاح الفاسد فلا حکم لہٗ قبل الدخول واما بعد الدخول فیتعلق بہ احکام منھا ثبوت النسب۔ (بدائع الصنائع ج۲ ص۳۳۵ باب ثبوت النسب)[1]

ساس سے نکاح کے بعد پیدا ہونیوالے بچوں کے نسب کا حکم

سوال:۔ ایک شخص نے اپنی منکوحہ کے انتقال کے بعد ساس سے شادی کرلی، کئی سال تک دونوں غائب رہے اس دوران ان کے ہاں چار بچے بھی پیدا ہوئے، اب اس شخص کا انتقال ہو گیا ہے تو کیا وہ بچے ثابت النسب ہو کر موصوف کے ترکہ میں میراث کے حقدار ہیں یا نہیں؟ جبکہ مرحوم کی پہلی بیوی سے ہونیوالے بچے ان بچوں کو اپنے بہن بھائی نہیں مانتے اور باپ کے ترکہ سے ان کے حصۂ میراث کو تسلیم نہیں کرتے۔ مہربانی فرما کر قرآن وسنت کی روشنی میں اس نزاع کو ختم فرمائیں؟

الجواب:۔ ساس سے نکاح کرنا شرعاً ناجائز ہے اور اگر کر لیا جائے تو نکاح فاسد ہے جبکہ نکاح فاسد سے عدت اور ثبوت النسب کے مسائل ثابت ہوتے ہیں۔ لہٰذا صورتِ مسئولہ میں اگرچہ ساس سے نکاح فاسد اور واجب الفسخ تھا مگر پیدا شدہ بچوں کا نسب باپ سے شرعاً ثابت ہے اور یہ بچے باپ کے مرنے کے بعد دیگر بھائی بہنوں کی طرح ترکہ میراث میں برابر کے حقدار ہونگے، کوئی بھی شخص ان کو اپنے حصۂ میراث سے منع نہیں کر سکتا اور نہ ہی منع کرنے کا کسی کو اختیار ہے۔

لما فی الھندیۃ: رجل مسلم تزوج بمحارمہ فجئن باولاد یثبت نسب الاولاد منہ عند ابی حنیفۃؒ خلافاً لھما بناءً علی ان النکاح فاسد عند ابی حنیفۃؒ باطل عندھما۔ (الفتاوی الھندیۃ ج۱ ص۵۴۰ باب ثبوت النسب)

---

[1] وفی الھندیۃ: وان تزوجھما فی عقدتین فنکاح الاخیرۃ فاسد یجب علیہ ان یفارقھا ...... یجب الاقل من المسمی ومن مھر المثل وعلیھا العدۃ و یثبت النسب ویعتزل عن امرأتہ حتی تنقضی عدۃ اختھا۔
(الفتاوی الھندیۃ ج۱ ص۲۷۷/۲۷۸ کتاب النکاح، القسم الرابع المحرمات بالجمع)

مزنیہ کی بیٹی سے نکاح کے بعد پیدا ہونے والی بچی کے نسب کا حکم

سوال:۔ ایک آدمی کے کسی عورت سے ناجائز تعلقات تھے جن کو برقرار رکھتے ہوئے مذکورہ شخص نے اس عورت کی لڑکی سے شادی کرلی، اس کے بعد بھی ان کے تعلقات اسی طرح قائم ہیں، دو سال بعد ان سے ایک بچی پیدا ہوئی۔ اب سوال یہ ہے کہ اس بچی کا نسب کس سے ثابت ہوگا؟ کیونکہ علاقے کے علماء نے وثوق سے کہا تھا کہ اس لڑکی سے تمہارا نکاح صحیح نہیں لیکن پھر بھی اس نے نکاح کرلیا اور یہ بچی پیدا ہوئی؟

الجواب:۔ بشرط صحتِ سوال نہایت قبیح اور ناجائز تعلقات کے باعث اس عورت کی بیٹی اس مرد پر اپنی بیٹیوں کی طرح حرام ہے۔ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اگر محارم کے ساتھ نکاح کرلیا جائے تو وہ واجب الفسخ ہے مگر فاسد ہونے کے باوجود اولاد کا نسب باپ سے ہی ثابت ہوگا۔ اور عوام و خواص کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ ان دونوں کو الگ کردیں۔

لما فی الهندية: رجل مسلم تزوج بمحارمه فجئن باولاد يثبت نسب الاولاد منه عند ابی حنيفةؒ خلافاً لهما بناءً علی ان النكاح فاسد عند ابی حنيفةؒ باطل عندهما۔ (الفتاوی الهندية ج۱ ص۵۴۰ باب ثبوت النسب)[1]

اپنی ذات یعنی شجرۂ نسب بدلنا

سوال:۔ ذات (شجرۂ نسب) بدلنا یا کسی دوسری قوم کی طرف اپنی نسبت کرنا شریعت کی رو سے جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: ایک مسلمان کیلئے اپنی ذات (شجرۂ نسب) بدلنا یا کسی دوسری قوم کی طرف اپنی نسبت کرنا شریعت کی رو سے حرام اور گناہ ہے، حدیث شریف میں اس پر بڑی وعید آئی ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ نسب بدلنے والے آدمی پر جنت حرام ہے۔

عن سعدؓ قال سمعت النبی صلی الله عليه وسلم يقول من ادعی الی غير ابيه وهو يعلم انه غير ابيه فالجنة عليه حرام۔ (صحیح البخاری ج۲ ص۱۰۰۱ کتاب الفرائض)

---

[1] قال العلامة ابن عابدينؒ نكاح المحارم مع العلم بعدم الحل فاسد عنده خلافاً لهما۔ (ردالمحتار ج۲ ص۷۵۹ باب العدة۔ مطلب عدة المنكوحة فاسداً)

وقال ايضاً: قوله لانه نكاح باطل ای فالوطء فيه زنا لايثبت به النسب بخلاف الفاسد فانه وطء بشبهة فيثبت به النسب ولا تكون بالفاسد فراشاً لا بالباطل۔ (ردالمحتار ج۲ ص۶۸۷ باب ثبوت النسب قبيل باب الحضانة)

غیر کی منی کا انجکشن لگوانے سے پیدا ہونے والے بچے کے نسب کا حکم

سوال:۔ ہمارے گاؤں گھلوڑ ضلع مظفر آباد آزاد کشمیر میں ایک آدمی ہے جس کی شادی ہوئے پندرہ سال سے زیادہ عرصہ گذر چکا ہے لیکن وہ خدا کی قدرت سے ابھی تک اولاد جیسی نعمت سے محروم ہے، اس نے اپنی جائیداد کا وارث بنانے کے لیے ایک کھیل کھیلا کہ شاید اس طرح میرے ہاں بیٹا پیدا ہو جائے، اس طرح اس نے اپنی بیوی کو کسی نامعلوم شخص کی منی کا) ٹیکہ لگوایا جس سے وہ حاملہ ہو گئی، مقررہ مدت کے بعد اس کے ہاں بچی پیدا ہوئی جو کہ قدرتی نشو و نما سے محروم اور ہر وقت بیمار رہتی ہے، اس کا قد بڑھنے کا عمل بہت سست ہے، بچی کی شکل بھی اس کے خاندان کے کسی فرد سے معمولی مشابہت بھی نہیں رکھتی، اس بچی کی پیدائش کے بعد چھ سال تک اس کے ہاں کوئی بھی بچہ نہیں ہوا، واضح ہو کہ اس شخص کا باپ اپنے آپ کو اسلام کا بہت بڑا دعویدار سمجھتا ہے اور کسی کا حق دبانے میں ذرا برابر فرق نہیں کرتا، بینک کے سودی معاملات میں بڑی گہری دلچسپی رکھتا ہے، اُسے بھی اپنے بیٹے کی اس گھناؤنی حرکت کا بخوبی علم ہے۔ اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا ایسے شخص کا اسلام میں کوئی مقام ہے؟ اگر ہے تو اس کی وضاحت فرمائیں؟ اور اگر وہ اسلامی حدود و قیود سے تجاوز کا مرتکب ہوا ہے تو قرآن و سنت کا اس شخص کے بارے میں کیا حکم ہے؟ امید ہے کہ آپ تفصیل سے جواب مرحمت فرمائیں گے۔

الجواب:۔ مذکورہ بالا طریقہ (انجکشن کے ذریعے) سے اولاد حاصل کرنا حرام اور اسلامی اصولوں کے خلاف ہے تاہم اگر اس طرح تولید کا عمل مکمل کر لیا جائے تو نسب ثابت ہوگا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے، الولد للفراش وللعاھر الحجر (الحدیث) تو اس آدمی سے اس بچے کا نسب ثابت ہوگا اور وراثت اور رضاعت وغیرہ کے احکام جاری ہوں گے ۔۔۔ ثبوتِ نسب کے لیے وطی کی فطری صورت ضروری نہیں، اس کے بغیر بھی اگر کسی طرح خاوند کا مادۂ منویہ عورت کے رحم میں پہنچ جائے تو نسب ثابت ہو جائے گا، فقہاء کرام کی بعض عبارتوں سے اس کا اشارہ ملتا ہے۔ خلاصۃ الفتاویٰ اور فتاویٰ عالمگیری میں ہے:

البکر اذا جومعت فی مادون الفرج فحملت یا ن دخل الملدق فرجھا فلما قرب اوان ولادتھا تزال عذرتہا ببیضۃ اوبحرف درھم۔ (ج ۴ ص ۱۱۲) "کنواری لڑکی سے شرمگاہ کے باہر ہمبستری کی جائے پھر وہ حاملہ ہو جائے بایں طور کہ (مرد کا) مادۂ منویہ اس کی شرمگاہ میں

داخل ہو جائے اور جب ولادت کا وقت آئے تو انڈے یا درہم کے کونوں کے ذریعے اس کا پردۂ بکارت زائل کروا لیں، چاک کر دیا جائے گا۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ حرمتِ نسب کا حکم بھی ثابت ہو جائے گا یعنی ماں باپ، دادا دادی وغیرہ کا سلسلۂ نسب ٹھیک اسی طرح حرام ہو جائے جس طرح فطری توالد و تناسل کی وجہ سے ہوتا ہے، اس میں کوئی شبہ نہیں کہ یہ صورت عملاً زنا ہوگی اور اس سے پیدا ہونے والی اولاد ولد الزنا، البتہ اس پر اسلامی ممالک میں زنا کی شرعی سزا نافذ نہیں کی جا سکتی، اس لیے کہ یہ سزا صرف ناجائز حمل پر ہی نہیں ہے بلکہ باہم ایک دوسرے سے لطف اندوز ہونے پر ہے۔ (جدید فقہی مسائل جلد صفحہ ۱۵۲)

مذکورہ بالا صورت میں اس آدمی کا کیا ہوا عمل جائز نہیں بلکہ حرام ہے، البتہ اس پر نسب وغیرہ کے احکام سب ثابت ہوتے ہیں خواہ اس بچی کی شکل و صورت اس خاندان کے افراد مشابہ ہو یا نہ ہو۔ واللہ اعلم

چودہ پندرہ سال جدائی کے باوجود بچہ ثابت النسب ہے

سوال:۔ ایک صاحب ۱۹۷۱ء کی پاک بھارت جنگ میں لاپتہ ہو گیا کئی سال تک اس کی موت و حیات کا کوئی اتہ پتہ نہ چل سکا، اب اس کے لاپتہ ہونے کے تقریباً چودہ پندرہ سال بعد اس کے ہاں ایک بچہ پیدا ہوا ہے۔ اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ اس بچے کا نسب کس سے ثابت ہوگا، برائے مہربانی قرآن و سنت کی روشنی میں اس مسئلہ کا جواب عنایت فرمائیں؟

الجواب:۔ اسلام نے ہر ممکن حد تک بچے کا نسب ثابت کرنے کی کوشش کی ہے، صورتِ مسئولہ میں اگرچہ بظاہر شوہر سے اثباتِ نسب مشکل نظر آتا ہے، مگر شریعتِ مطہرہ نے اس بچے کے نسب کو بھی ثابت کر دیا ہے اور اس کے لیے ایک قانونی دفعہ چھوڑی ہے کہ "الولد للفراش وللعاهر الحجر" (بخاری شریف) بچہ فراش کا تابع ہوگا اور زانی کے لیے صرف پتھر ہے۔" اسی قانون کے تحت صورتِ مسئولہ میں بھی اس بچے کا نسب اپنے باپ سے ثابت ہے اگرچہ وہ حقیقتاً نہیں ہے، اس کا نسب علاوہ لعان کے ختم نہیں ہوگا۔

لما فی الهندیة: والحكم فيه انه يثبت النسب من غير دعوة لا ينتفي بمجرد النفي وانما ينتفي باللعان۔ (الفتاوی الهندیة ج ۱ ص ۱۶۳ باب ثبوت النسب)

مسائلِ شتّٰی

(طلاق کے متفرق مسائل)

طلاقِ مغلظہ سے بچنے کے لیے حیلہ

سوال:۔ جناب مفتی صاحب! میری اور میرے بھائی کے درمیان کچھ ناراضگی تھی، اب ہماری صلح ہو چکی ہے اور صلح کے وقت میں نے بھائی سے وعدہ کیا تھا کہ اگر میں نے فلاں شخص کے ساتھ تعلقات رکھے تو میری بیوی کو تین طلاق ہو، اب جرگہ مجھے مجبور کرتا ہے کہ میں اس شخص کے ساتھ بول چال شروع کر دوں کیونکہ یہ شخص میرا قریبی رشتہ دار بھی ہے، اب از روئے شرع مجھے کیا کرنا چاہیے؟ مجھے کوئی ایسی ترکیب بتائیں کہ ہماری بول چال بھی شروع ہو جائے اور بیوی پر طلاق بھی نہ پڑے؟

الجواب:۔ ویسے تو صورتِ مسئولہ میں تین طلاق مشروط بشرط ہیں، جب بھی شرط پوری ہو جائے تو طلاقِ مغلظہ واقع ہو جائے گی۔ اب اس سے بچنے کی تدبیر یہ ہے کہ اولاً آپ اپنی بیوی کو ایک طلاق دے کر جُدا کر دیں اور جب اس کی عدت ختم ہو جائے تو آپ اس شخص سے بول چال شروع کر دیں اور پھر دوبارہ عورت سے نکاح کر لیں، صرف اس صورت میں آپ کی بیوی طلاقِ مغلظہ کے وقوع سے بچ سکتی ہے ورنہ شخص مذکور کے ساتھ بول چال اور تعلقات شروع کرتے ہی آپ کی بیوی پر طلاقِ مغلظہ واقع ہو جائے گی۔

قال العلامة الحصكفيؒ: فحيلة من علق الثلاث بدخول الدار ان يطلقها واحدة ثم بعد العدة تدخلها فتنحل اليمين فينكحها۔ (الدر المختار على هامش رد المحتار ج۲ ص۵۲۵ قبل مطلب اختلاف الزوجين في وجود الشرط)

مضارع کے صیغہ سے طلاق کا حکم

سوال:۔ اگر کسی عورت سے کوئی غلط کام ہو جائے اور اس کا شوہر بطورِ تنبیہ کے اسے یہ کہے کہ اگر تم نے آئندہ یہ کام کیا تو میں تجھے طلاق دے دوں گا، چند دنوں بعد اس عورت سے وہی کام سرزد ہو گیا تو کیا اس عورت پر طلاق واقع ہو گی یا نہیں؟

الجواب:۔ گرامر کے اصول کے مطابق مضارع کے صیغے دو طرح کے ہیں، بعض ایسے صیغے ہیں جو حال کے معنی میں استعمال ہوتے ہیں اور بعض صیغے مستقبل کے لیے استعمال ہوتے

ہیں، چونکہ صورتِ اولیٰ میں انشاء فی الحال اور انشاء فی الماضی ہے لہٰذا مضارع کے ان صیغوں کے ساتھ طلاق واقع ہوجائے گی اور صورتِ ثانیہ میں چونکہ اظہارِ ارادہ ہوتا ہے لہٰذا اس میں بغیر انشاء طلاق واقع نہ ہوگی۔ چونکہ صورتِ مسئولہ میں فقط اظہارِ ارادہ ہے اس لیے طلاق واقع نہ ہوگی۔

قال العلامة ابن عابدینؒ: صیغة المضارع لا یقع بها الطلاق الا اذا غلب فی الحال، کما صرح به الکمال ابن الهمام۔ (تنقیح الحامدیة ج۱ ص۳۸ کتاب الطلاق)[1]

بلانیتِ طلاق بیوی کو "دوسرا خاوند تلاش کرلو" کے الفاظ کہنا

سوال:۔ اگر کوئی شخص بیوی سے لڑائی جھگڑے کے دوران یہ کہدے کہ "جاؤ دوسرا خاوند تلاش کرلو" مگر اس میں اس کی نیت طلاق کی نہ ہو تو کیا اس سے طلاق واقع ہوگی یا نہیں؟

الجواب:۔ "جاؤ دوسرا خاوند تلاش کرلو" یہ طلاقِ کنائی کے الفاظ ہیں جو وقوعِ طلاق میں نیت یا دلالتِ حال و قرینہ وقیاس کے محتاج ہیں۔ چونکہ صورتِ مسئولہ میں اس آدمی کی نیتِ طلاق کی نہیں اس لیے طلاق واقع نہ ہوگی ورنہ بصورتِ نیت بیوی پر طلاقِ بائنہ واقع ہوجائے گی۔

وفی الهندیة: و ابتغی الازواج تقع واحدة بائنة ان نواها او اثنتین وثلاث ان نواها۔ (الفتاوی الهندیة ج۱ ص۳۷۵ الفصل الخامس فی الکنایات)[2]

اور طلاقِ بائن کا حکم یہ ہے کہ عدت کے اندر یا عدت گزر جانے کے بعد تجدیدِ نکاح سے بیوی خاوند کے لیے حلال ہوجائے گی حلالہ کی ضرورت نہیں۔

---

[1] قال الشیخ ظفر احمد العثمانیؒ: صیغۂ مضارع سے وقوعِ طلاق نہیں ہوتا مگر جب مضارع بمعنی حال غالب ہوجائے تو فقہاء نے اس سے وقوعِ طلاق کی تصریح کی ہے۔ (امداد الاحکام جلد۲ ص۳۸۷ کتاب الطلاق)

[2] قال العلامة ابوالبرکات النسفی رحمه الله: وغیرها بائنة وان نوی ثنتین وتصح نیة الثلاث وهی بائن بتة بتلة حرام۔۔۔۔۔ قومی ابتغی الازواج۔

(کنز الدقائق علی هامش البحر الرائق ج۳ ص۳۰۰، ۳۰۲ باب الکنایات)

نافرمان بیوی کو طلاق دینا مستحب ہے

سوال :- ایک شخص کی بیوی فاحشہ اور نافرمان ہے، اب اگر یہ شخص اس کو طلاق دیدے تو گنہگار تو نہیں ہوگا ؟

الجواب :- جو عورت اپنے شوہر کی نافرمان ہو اور اس کے حقوق میں کوتاہی کرتی ہو اور حدودِ شرعی کو بھی پامال کرتی ہو تو اس کو طلاق دینے سے شوہر گنہگار نہ ہوگا بلکہ ایسی عورت سے خلاصی حاصل کرنا مستحب امر ہے ۔

قال العلامة الحصکفیؒ: وایقاعه مباح وقیل الاصح خطره الا لحاجة کریبة و کبر.... بل یستحب لو مُوذیة او تارکة صلوٰة غایة ومفاده ان لا اثم بمعاشرة من لا تصلی و یجب لوفات الامساك بالمعروف ۔ قال ابن عابدین تحت قوله و مُوذیة) اطلقه فشمل المؤذیة له اولغیره بقولها او بفعلها ۔ الخ

(ردّ المحتار ج ۲ ص۴۵۰ کتاب الطلاق) [1]

لڑکی پسند نہ آنے کی صورت میں طلاق دینے کا حکم

سوال :- والدین نے ایک جگہ میری شادی کر دی، رخصتی کے بعد مجھے لڑکی پسند نہیں، تو کیا اب میں اس کو طلاق دے سکتا ہوں یا نہیں ؟

الجواب :- طلاق دینا شوہر کی ملکیت ہے وہ جس وقت چاہے طلاق دے سکتا ہے مگر بلا عذرِ شرعی طلاق دینا کراہت سے خالی نہیں ۔ صورتِ مسئولہ میں چونکہ طلاق کی صورت میں والدین کی نافرمانی بھی لازم آتی ہے اس لیے حتی الامکان طلاق دینے سے گریز کیا جائے، اور اگر باوجود کوشش کے نباہ ممکن نہ ہو تو پھر طلاق دینا مباح ہے ۔

قال العلامة الحصکفیؒ: وایقاعه مباح عند العامة لاطلاق الآیات اکمل وقیل قائله الکمال الاصح خطره ای منعه الالحاجة کریبة وکبرہ ۔ (الدر المختار علیٰ هامش رد المحتار ج ۲ ص۴۵۰ کتاب الطلاق) [2]

---

[1] و [2] قال الشیخ وهبة الزحیلیؒ: ذهب الحنفیة علی المذهب الیٰ ان ایقاع الطلاق مباح لاطلاق الآیات...... قال الکمال بن الهمام الاصح حظر الطلاق ای منعه الا لحاجة کریبة وکبر ورحم ۔ قال ابن عابدینؒ: هذا الرأی ولیست الحاجة مختصة بالکبر والریبة بل هی اعم ۔ (الفقه الاسلامی وادلته ج ۷ ص۳۶۲ المبحث الاول.... حکم الطلاق)

صرف طلاق کا خیال آنے سے طلاق نہیں ہوتی

سوال :- اگر کسی شخص کے دل میں بار بار یہ خیال آتا ہو کہ میری بیوی مجھ پر طلاق ہے جبکہ ابھی تک اُس نے زبان سے یہ الفاظ ادا نہیں کیے ہیں، تو کیا اس سے طلاق واقع ہو گی یا نہیں ؟

الجواب :- طلاق کے وقوع کے لیے الفاظ طلاق کا زبان سے ادا کرنا لازمی اور ضروری ہے، نفسِ طلاق کا خیال آنے سے طلاق نہیں ہوتی۔

قال العلامة ابن نجیم المصریؒ : فقد افاد ان رکنه ای الطلاق اللفظ الدال علی ازالة حل المحلیة ۔ (البحر الرائق ج۳ ص۲۵۲ کتاب الطلاق) [1]

شک کی صورت میں کتنی طلاقیں واقع ہوں گی

سوال :- اگر کسی شخص کو طلاق کی تعداد میں شک پڑ جائے کہ اُس نے بیوی کو ایک طلاق دی ہے یا دو یا تین، تو اس صورت میں اس شخص کی بیوی پر کتنی طلاقیں واقع ہوں گی ؟

الجواب :- تعداد طلاق میں شک پڑ جانے چونکہ عدد اقل متیقن ہوتا ہے وہی واقع ہو گا حتیٰ کہ اس کو اکثر کا یقین ہو جائے، لہٰذا صورتِ مسئولہ میں بصورتِ شک دو طلاق واقع ہوں گی، تاہم اگر تین طلاق کا گمان زیادہ ہو تو تین ہی واقع ہوں گی۔

قال العلامة طاهر بن عبد الرشید البخاریؒ : رجل حلف بالطلاق وشك الرجل انه طلق واحدة او ثلاثا فهی واحدة حتی یستیقن او یکون اکثر ظنه علی خلافه ۔ (خلاصة الفتاوی ج۲ ص۱۲ کتاب الطلاق) [2]

---

[1] قال الشیخ وهبة الزحیلی : یشترط بالاتفاق القصد فی الطلاق وهو ارادة التلفظ به ولو لم ینوه ۔ (الفقه الاسلامی وادلته ج۷ ص۳۶۸ المبحث ما یشترط فی الرکن الثانی للطلاق القصد)

[2] قال الشیخ الدکتور وهبة الزحیلی : ومن شك فی صفة الطلاق انه طلقها رجعیة او بائنة یحکم بالرجعیة لانها اضعف الطلاقین فکانت متیقنا بها۔ (الفقه الاسلامی وادلته ج۷ ص۴۵۷ المبحث السادس الشك فی الطلاق)

مرض الموت کی طلاق سے حق وراثت ختم نہیں ہوتا

سوال:۔ ایک شخص نے مرض الموت کی حالت میں بیوی کو طلاق دی، اسکے چند دن بعد وہ اس بیماری سے فوت ہوگیا تو کیا اس مطلقہ عورت کو خاوند کی میراث سے حصہ ملے گا یا نہیں؟

الجواب:۔ مرض الوفات میں طلاق دینے سے خاوند کے بارے میں یہ شبہ ہوسکتا ہے کہ شاید اس نے بیوی کو میراث سے محروم کرنے کے لیے یہ قدم اٹھایا ہو، اس لیے از روئے شرع مرض الموت میں طلاق دینے سے عورت کا حق میراث ختم نہیں ہوتا۔

لما فی الهندیة: الرجل اذا طلق امرأته طلاقاً رجعیاً فی حال صحته او فی حال مرضه برضاها او بغیر رضاها ثم مات وهی فی العدة فانهما یتوارثان بالاجماع۔

(الفتاوی الهندیة ج ۱ ص۴۶۲ الباب الخامس فی طلاق المریض) [1]

فاحشہ عورت کو طلاق واجب نہیں مستحب ہے

سوال:۔ اگر ایک شخص کی بیوی آوارہ پھرتی رہتی ہو اور خاوند کی طرف سے پابندی کو ایک بوجھ سمجھ کر ہمیشہ اس کی خلاف ورزی کرتی ہو یہاں تک کہ اس سے فسق و فجور میں مبتلا ہونے کا خطرہ بھی ہو تو ایسی حالت میں عورت کو طلاق دینا شرعاً کیسا ہے؟

الجواب:۔ فاحشہ اور فاسقہ عورت کے بارے میں اس کے خاوند کو فکرمند ہونا چاہیئے اوّلین فرصت میں اس کی اصلاح کی طرف توجہ دینی چاہیئے، ممکن ہے کہ وہ اپنی اصلاح کرکے فسق و فجور سے باز آجائے، لیکن اگر خاوند تمام تر کوشش کے باوجود اس کی اصلاح سے کلی طور پر ناامید ہوجائے تو پھر ایسی عورت کو طلاق دینا مستحب ہے تاہم واجب نہیں۔

قال العلامة الحصکفی رحمه الله: بل یستحب (ای الطلاق) لو مؤذیة او تارکة صلوٰة ۔ قال العلامة ابن عابدین رحمه الله: اطلقه فشمل المؤذیة له او لغیره بقولها ۔ (ردّ المحتار ج ۲ ص۴۵۱ کتاب الطلاق) [2]

---

[1] قال العلامة ابن عابدینؒ: الطلاق اذا کان رجعیاً فانها ترثه وکذا یرثها لو ماتت فی العدة۔ (ردّ المحتار ج ۲ ص۷۵۶ باب طلاق المریض)

وَمِثْلُهٗ فی کنز الدقائق علی هامش البحر الرائق ج ۴ ص۴۲ باب طلاق المریض۔

وفیہ کذلک فی موضع اٰخر لایجب علی الزوج تطلیق الفاجرۃ۔ (الدرالمختار علی ہامش رد المحتار ج ۲ ص۳۱۸ فصل فی المحرمات، مطلب فیما لو زوج المولیٰ أمتہ) ؎۱

طلاق کے لیے خاوند پر جبر کرنے کا حکم

سوال:۔ کن صورتوں میں خاوند پر جبر و اکراہ کر کے طلاق حاصل کی جاسکتی ہے؟

الجواب:۔ طلاق میں خاوند مستقل ہے، طلاق حاصل کرنے کے لیے اس پر جبر کرنا اس کے حقوق میں دخل اندازی کے مترادف ہے، تاہم لعان کی صورت میں جب خاوند طلاق نہ دے تو قاضی میاں بیوی کے درمیان تفریق کر سکتا ہے، ایسے ہی ظہار میں کفارہ کی ادائیگی یا طلاق دینے پر مجبور کر سکتا ہے۔

لما فی الہندیۃ: المظاہر اذا لم یکفر ورفع امرہ الی القاضی یجبسہ القاضی حتیٰ یکفر او یطلق۔ (الفتاویٰ الہندیۃ ج ۱ ص۵۰۷ الباب التاسع فی الظہار) ؎۲

والدین کی رضامندی کے لیے بیوی کو طلاق دینا

سوال:۔ ایک شخص کی بیوی میں کوئی شرعی نقص نہیں کہ جس کی وجہ سے اُسے طلاق دیدی جائے لیکن خاوند کے والدین اور بیوی کا آپس میں اکٹھا رہنا مشکل ہے، ایسی حالت میں کیا یہ شخص محض والدین کی رضامندی کے لیے بیوی کو طلاق دے سکتا ہے؟

الجواب:۔ والدین کی رضامندی کے لیے بیوی کو قربان کرنا اگرچہ بیٹے کی فرمانبرداری کا اعلیٰ نمونہ ہے، لیکن ایسی حالت میں جبکہ عورت کا کوئی جرم بھی نہ ہو ایک عورت کی زندگی سے کھیلنا

؎۱ قال ابن نجیم المصریؒ: وفی غایۃ البیان یستحب طلاقہا اذا کانت سلیطۃ مؤذیۃ او تارکۃ للصلوٰۃ۔ الخ (البحر الرائق ج ۳ ص۲۳۹ کتاب الطلاق)

وفیہ ھٰکذا۔ وفی المجتبیٰ من اٰخر الحظر والاباحۃ لایجب علی الزوج تطلیق الفاجرۃ ولا علیہا تسریح الفاجر۔ (البحر الرائق ج ۳ ص۱۰۱ کتاب النکاح فصل فی المحرمات)

؎۲ وقال العلامۃ الحصکفی رحمہ اللہ: وعلیہا ان تمنعہ من الاستمتاع حتیٰ یکفر وعلی القاضی الزامہ بہ بالتکفیر دفعًا للضرر عنہا بحبس او ضرب الیٰ ان یکفر او یطلق۔ (الدرالمختار علی ہامش رد المحتار ج ۲ ص۶۲۶ باب الظہار)

ومثلہٗ فی الفتاویٰ الخانیۃ علی ہامش الہندیۃ ج ۱ ص۵۴۲ باب الظہار، مطلب بلاغات محمد مسندۃ)

اور اس کو جدائی کی وادی میں دھکیلنا یا اپنے آپ کو جدائی کے ناقابلِ برداشت بوجھ کے نیچے دبانا کسی بڑے امتحان سے کم نہیں، عام معاشرہ میں حضرت عمرؓ جیسے والد کس کو نصیب ہوتے ہیں کہ جس سے ابن عمرؓ کے کردار کی توقع رکھی جاسکے، اس لیے والدین کی رضامندی کے لیے طلاق دینا اگرچہ جائز ہے لیکن حالات پر نظر رکھنے کے بغیر یہ اقدام کرنا کسی مصیبت کا پیش خیمہ بن سکتا ہے۔

قال الله تبارك وتعالى: فَلَا تَمِيلُوا كُلَّ الْمَيْلِ فَتَذَرُوهَا كَالْمُعَلَّقَةِ ط (النساء آیت ۱۲۹)

وایضاً قال: وَلَا تُمْسِكُوهُنَّ ضِرَارًا لِّتَعْتَدُوا وَمَن يَفْعَلْ ذَٰلِكَ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهُ وَلَا تَتَّخِذُوا آيَاتِ اللَّهِ هُزُوًا۔ (سورۃ البقرۃ آیت ۲۳۱) ؎۱

مطلقہ کی میراث کا حکم

سوال:۔ اگر عدت کے دوران مطلقہ کے خاوند کا انتقال ہو جائے تو کیا مطلقہ معتدۃ کو خاوند کی جائیداد میں ارث کا حق مل سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ اگر عورت کے مطالبہ پر خاوند نے طلاق (۲) ہو تو ایسی حالت میں مطلقہ حقِ وراثت سے محروم رہے گی اسکے علاوہ چونکہ معتدۃ خاوند کے نکاح میں پابند رہتی ہے اس لیے اس کو میراث سے حصہ ملے گا اگرچہ عورت مطلقہ مغلظہ ہی کیوں نہ ہو۔

لما فی الہندیۃ: الرجل اذا طلق امرأته طلاقا رجعيا فی حال صحته او فی حال مرضه برضاها او بغير رضاها ثم مات وهی فی العدة فانهما يتوارثان.... ولو طلقها طلاقا بائنا او ثلاثا ثم مات وهی فی العدة فكذلك عندنا ترث، الخ۔ (الفتاوى الهندية ج ۱ ص ۴۶۲ الباب الخامس فی طلاق المريض) ؎۲

؎۱ وعن ابن عمر رضی الله تعالى عنه: قال كانت تحتی امرأة احبها وكان عمرؓ يكرهها فقال لی رسول الله صلى الله عليه وسلم طلقها. رواه الترمذی۔ (مشکوٰۃ ص ۴۲۱ کتاب الطلاق)

وقال الشيخ عبد الحقؒ فی شرح هذا الحديث: ان كان الحق فی جانب الوالدين فطلاقها واجب للزوم العقوق فی الحقوق وان كان فی جانب المرأة فان طلقها لرضاء الوالدين فهو جائز۔ (اللمعات شرح المشكوٰة)

؎۲ قال العلامة عالم بن العلاء الانصاریؒ: اذا طلق المريض امرأته طلاقا رجعيا ورثت ما دامت فی العدة۔ وفيه۔ ولو طلقها بائنا او ثلاثا ثم مات وهی فی العدة فكذلك عندنا ترث۔

(الفتاوى التاتارخانية ج ۳ ص ۵۶۷ الفصل العشرون فی طلاق المريض كتاب الطلاق)

ومثله فی رد المحتار ج ۲ ص ۵۶۷ باب طلاق المريض۔

بغیر رجوع کیے عدت گذرنے پر عورت جدا ہوگی

سوال:۔ ایک شخص نے بیوی سے غصہ کی حالت میں کہا کہ "تو مجھ پر طلاق ہے" جبکہ اس وقت طلاق دینے کا ارادہ نہ تھا لیکن عورت کو ناچاقی کی وجہ سے کہہ دیا، اس کے بعد عورت والدین کے گھر چلی گئی، پانچ سال تک ان کے باہمی تعلقات نہیں رہے، اب وہ دونوں دوبارہ نکاح بحال کرنا چاہتے ہیں تو انہیں شرعاً کیا طریقہ اختیار کرنا چاہیئے؟

الجواب:۔ "تو مجھ پر طلاق ہے" کے الفاظ صریح ہیں، ایسے الفاظ میں نیت وارادہ کی ضرورت نہیں اس کے بغیر بھی طلاق ہوجاتی ہے، صورت مذکورہ میں چونکہ ایک طلاق واقع ہوکر عدت گذر گئی ہے، اگرچہ عدت کے دوران خاوند کیلئے رجوع بالقول یا بالفعل کافی تھا لیکن رجوع کے بغیر عدت گذرنے سے عورت جدا ہوگئی ہے، اب دونوں باہمی رضامندی سے تجدید نکاح کے ذریعے دوبارہ اپنا گھر آباد کرسکتے ہیں۔

قال العلامة ابن عابدین رحمه الله: والرجعی لا یزیل الملك الا بعد مضی العدة۔ (رد المحتار ج۲ ص۵۲۹ کتاب الطلاق، باب الرجعة)[1]

مطلقہ مغلظہ کا خاوند کے گھر رہنا

سوال:۔ ایک شخص نے بیوی کو طلاق مغلظہ دے کر فارغ کردیا ہے، حلالہ کے لیے تیار نہ ہونے کی وجہ سے اگر یہ عورت خاوند کے گھر ہی بطور خادمہ کے رہے تو کیا یہ جائز ہے؟

الجواب:۔ اگر خاوند فاسق فاجر نہ ہو اور اس سے زنا کا خطرہ نہ ہو تو مطلقہ مغلظہ کا بطور خادمہ خاوند کے گھر میں رہنے میں کوئی حرج نہیں، تاہم پھر بھی احتیاط ضروری ہے تاکہ کسی قسم کی بے راہروی میں مبتلا نہ ہو۔

لما قال العلامة الحصکفیؒ: سئل شیخ الاسلام عن زوجین افترقا ولکل منهما ستون سنة وبینهما اولاد تتعذر علیهما مفارقتهم فیسکنان فی بیتهم ولا یجتمعان

---

[1] قال العلامة اکمل الدین البابرتیؒ: فما دامت العدة باقیة کانت ولایة الرجعة باقیة واذا انقضت من غیر رجعة بانت۔ (العنایة شرح الهدایة علی هامش فتح القدیر ج۳ ص۳۵۲ باب ایقاع الطلاق، کتاب الطلاق)

ومثله فی البحر الرائق شرح کنز الدقائق ج۳ ص۲۵۶ باب الطلاق۔

فی فراش ولا یلتقیان التقاء الازواج هل لهما ذٰلک قال نعم ۔

(الدر المختار علیٰ هامش ردّ المحتار ج ۲ ص۶۲۵ باب العدة۔کتاب الطلاق)[1]

عدت گذرنے میں عورت کے بیان پر اعتماد کرنا

سوال:۔ اگر کسی عورت نے یہ کہا کہ میرا خاوند فوت ہوگیا ہے اور اس کے بعد میری عدت گذر گئی ہے، تو کیا اس کے بیان کو درست تسلیم کرتے ہوئے اس سے نکاح کرنا جائز ہے یا نہیں ؟

الجواب :۔ اگر عورت کا بیان غلبۂ ظن کا مفید ہو اور اس کے بیان میں سچائی کی طرف میلان زیادہ ہو تو اس سے نکاح کرنے میں کوئی حرج نہیں تاہم بہتر یہ ہوگا کہ عورت کے بیان کو معاشرہ کے حالات کے مطابق پرکھا جائے، قرائنِ خارجیہ کا سہارا لیے بغیر شاید صرف اس عورت کا بیان ظن کے لیے مفید نہ بن سکے ۔

لما فی الهندیة : ولو ان امرأة قالت لرجل ان زوجی طلقنی ثلاثاً وانقضت عدتی فان کانت عادلة وسعه ان یتزوجها وان کانت فاسقة تحری وعمل بما وقع علیه تحریه کذا فی الذخیرة ۔ (الفتاوٰی الهندیة ج ۱ ص۳۱۳ کتاب الطلاق۔ الباب الثالث عشر فی العدة)[2]

نفاس کی عدتِ طلاق

سوال :۔ ایک آدمی نے حالتِ نفاس میں اپنی بیوی کو طلاق دے دی، اب یہ عورت عدت گذارنے کے بغیر دوسری جگہ نکاح کرسکتی ہے یا نہیں؟

الجواب :۔ اگر عورت حیض کے آنے سے ناامید نہ ہوچکی ہو تو اس صورت میں اُس پر

---

[1] وفی الهندیة : اذا طلقها ثلاثاً او واحدة بائنة ولیس له الا بیت واحد فینبغی له ان یجعل بینهما حجاباً حتی لا تقع الخلوة بینه وبین الاجنبیة ۔

(الفتاوٰی الهندیة ج ۱ ص۵۲۵ کتاب الطلاق۔الباب الثالث عشر فی العدة)

وَمِثْلُهٗ فی الخانیة علیٰ هامش الهندیة ج ۱ ص۵۲۵ کتاب الطلاق الباب الرابع عشر فی الحداد)

[2] قال العلامة الحصکفیؒ : وحل نکاح من قالت طلقنی زوجی وانقضت عدتی اوکنت امة فلان واعتقنی ۔ (الدر المختار علیٰ هامش ردّ المحتار ج ۲ ص۶۹۸ کتاب الطلاق۔باب العدة)

وَمِثْلُهٗ فی الفتاوٰی الخانیة علیٰ هامش الهندیة ج ۱ ص۴۲۱ کتاب الطلاق باب العدة ۔

تین حیض گذارنا لازم ہیں اور اگر سنِ ایاس کو پہنچنے کی وجہ سے حیض آنے سے ناامید ہو چکی ہو تو اس صورت میں تین ماہ کی عدت گذارنے کے بعد دوسری جگہ نکاح کر سکتی ہے، بہرحال عدت گذارنا ضروری ہے۔

قال العلامة برہان الدین المرغینانیؒ: واذا طلق الرجل امرأته وهي حرة ممن تحيض فعدتها ثلاثة اقراء۔ (الهداية ج۲ ص۴۲۲ كتاب الطلاق۔ باب العدة)[1]

نومسلم عورت کی عدت کا حکم

سوال:۔ اگر ایک عورت اسلام سے مشرف ہو جائے اور اس کا خاوند اسلام قبول کرنے پر تیار نہ ہو تو یہ عورت اگر کسی مسلمان سے نکاح کرنا چاہے تو اس کی عدت کیا ہو گی؟

الجواب:۔ مسلمان عورت کا خاوند اگر اسلام قبول کرنے سے انکار کر رہا ہو تو یہ عورت کسی غیر مسلم شخص کے نکاح میں نہیں رہ سکتی، اس لیے مسلمان حاکم یا قاضی خاوند کے اسلام لانے سے انکار کے بعد دونوں کے درمیان جدائی کا حکم صادر کرے گا جو عورت کے حق میں طلاق شمار ہو گی، ایک اسلامی ملک اور معاشرہ میں رہائش رکھتے ہوئے عورت کے لیے یہ زیادہ مناسب ہے کہ عدت گذار کر دوسری جگہ نکاح کرے۔

قال العلامة برہان الدین المرغینانی رحمه الله: واذا اسلمت المرأة وزوجها كافر عرض عليه الاسلام فان اسلم فهي امرأته وان ابى فرق القاضي بينهما وكان ذلك طلاقاً عند ابي حنيفة ومحمد رحمهما الله تعالى۔

(الهداية على صدر فتح القدير ج۳ ص۲۸۸ كتاب النكاح۔ باب نكاح اهل الشرك)[2]

---

[1] وفي الهندية: واذا طلق الرجل امرأته..... وهي ممن تحيض فعدتها ثلاثة اقراء۔ (الفتاوى الهندية ج۱ ص۵۲۶ كتاب الطلاق۔ باب الثالث عشر في العدة)

ومثله في الدر المختار على هامش رد المحتار ج۲ ص۶۵۱ كتاب الطلاق، باب العدة۔

[2] قال العلامة الحصكفي رحمه الله: واذا اسلم احد الزوجين المجوسيين او امرأة الكتابي عرض الاسلام على الأخر فان اسلم فبها والا بان ابى او سكت فرق بينهما۔

(الدر المختار على هامش رد المحتار ج۲ ص۴۲۲ باب نكاح الكافر)

ومثله في البحر الرائق ج۳ ص۲۱۲ باب نكاح الكافر۔

تجھے طلاق دی، دی، دی، سے تین طلاق کا حکم

سوال: اگر کوئی شخص اپنی بیوی سے یہ کہے کہ میں نے تجھے طلاق دی، دی، دی، تو کیا اس سے ایک طلاق واقع ہوگی یا تین؟ جبکہ اس کی نیت بھی تین ہی کی ہو؟

الجواب: - جب کسی آدمی کی نیت ایسے الفاظ سے تین طلاق کی ہو تو اس سے تین طلاق واقع ہوں گی اور بدون حلالہ شرعی کے میاں بیوی ایک دوسرے کے لیے حلال نہیں ہوسکتے۔

لمافی الھندیۃ، ولوقالت مرا طالق کن، مرا طالق کن، مرا طالق کن۔ فقال کردم، کردم، کردم، تطلق ثلثا وھوالاصح۔ (الفتاوٰی الہندیہ ج ۱ ص۳۸۴ کتاب الطلاق) [1]

بنت فلاں کو طلاق ہو" کا شرعی حکم

سوال: ایک شخص نے کئی آدمیوں کے سامنے یہ کہا کہ اگر میں نے فلاں کام کیا تو فلاں کی بیٹی (اپنے سسر کا نام لیا) کو طلاق ہو، چند دنوں بعد ہی اس نے وہی کام کر دیا، اب وہ شخص یہ کہتا ہے کہ ان الفاظ میں میں نے اپنی سالی کی نیت کی تھی بیوی کی نہیں، تو کیا شریعت مقدسہ کی رو سے موصوف کی بیوی کو طلاق ہوگئی ہے یا نہیں؟

الجواب: - صورت مسئولہ کے مطابق موصوف کا متعلقہ کام سرانجام دینے کے بعد اس کی بیوی پر طلاق واقع ہو جائے گی، قضاءً اس کی نیت کا کوئی اعتبار نہیں، دیانتًا اور معاملہ ہے۔

لما قال العلامۃ قاضی خانؒ: ولکذا قال بنت فلان طالق ذکر اسم الاب ولم یذکر اسم المرأۃ وامرأتہ بنت فلان وقال لم اعن بہ امرأتی لا یصدق قضاءً وتطلق امرأتہ۔ (الفتاوٰی قاضی خان ج ۲ ص۲۱۵ کتاب الطلاق)

---

[1] لما قال العلامۃ اشرف علی التھانوی رحمہ اللہ: **الجواب:** یہ زبان سے کہا ہے کہ میں نے طلاق دے دی، دے دی، دے دی اگر میرا کیا کرتی ہو الخ دیکھا جائے گا کہ اس کا مطلب کیا تھا، اگر مطلب یہ تھا کہ گو اب تک نہ دی تھی مگر اب دے دی تب تو تین طلاق واقع ہوگئیں، بدون حلالہ تجدید نکاح درست نہیں۔ الخ

(امداد الفتاوٰی ج ۲ ص۴۳۰ کتاب الطلاق)

لفظ تلاق سے طلاق کے وقوع کا حکم

سوال:۔ ایک عورت نے اپنے شوہر پر دعویٰ کیا کہ اس نے مجھے طلاق دیدی ہے جبکہ اس کے شوہر کا کہنا ہے کہ میں نے طلاق نہیں دی بلکہ صرف یہ کہا ہے کہ میری بیوی کو تلاق ہو یعنی تا کے لفظ کہا ہے طاء کے ساتھ نہیں، تو کیا لفظ تلاق سے طلاق واقع ہوگی یا نہیں؟

الجواب:۔ طلاق کے معاملہ میں اگر تا یا لام کے کلمات کو کچھ تبدیل کردیا جائے اور لام کا کلمہ اپنی حالت پر رہے تو اس سے قضاءً طلاق واقع ہوجاتی ہے، اسی طرح صورتِ مسئولہ میں بھی تلاق کے لفظ سے طلاق واقع ہوگئی ہے اور عورت کا دعویٰ صحیح ہے۔

قال العلامة الحصکفیؒ: ويقع بها اى بهذه الالفاظ وما بمعناها من الصريح ويدخل نحو طلاغ وتلاغ وطلاك۔ قال ابن عابدینؒ: ومنه الالفاظ المصحفة وهي خمسة فزاد على ماهنا تلاق۔ (الدرالمختار علی صدر ردالمحتار ج ۳ ص ۲۴۸ کتاب الطلاق، باب الصریح)[1]

طلاق نامہ میں بیوی کے باپ کا نام غلط لکھنا مانع وقوع طلاق نہیں

سوال:۔ ایک شخص نے اپنی بیوی کو طلاق نامہ ارسال کیا جس کا متن یہ ہے: "کہ من مسمیٰ محمد عمران بن محمد سلطان نے اپنی بیوی سعیدہ بنت سعیدالرحمٰن کو تین طلاق دیدی ہے" جبکہ سعیدہ کے والد کا نام عبدالرحمٰن ہے، تو کیا اس طلاق نامہ سے سعیدہ پر طلاق واقع ہوچکی ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ جب طلاق میں کسی اضافت سے اپنی منکوحہ کا قصد و ارادہ ہو تو باپ کا نام غلط لکھا جانا مانع وقوع طلاق نہیں، اس لیے صورتِ مسئولہ میں محمد عمران کی بیوی سعیدہ پر تین طلاق مطلقہ غلیظہ ہوچکی ہے جو بدون حلالہ شرعی کے موصوف کے لیے حلال نہیں۔

لما فی الهندية: قال امرأته عمرة بنت صبيح طالق وامرأته عمرة بنت حفص

---

[1] قال العلامة ابن نجیمؒ: ومنه الالفاظ المصحفة وهي خمسة تلاق وتلاغ وطلاغ وطلاك وتلاك فيقع قضاء ولا يصدق الا اذا اشهد على ذلك قبل التكلم۔
(البحرالرائق ج ۳ ص ۲۵۲ کتاب الطلاق، باب الصریح)

ولا نية له لا تطلق...... وان نوى امرأته فی هذه الوجوه طلقت امرأته فی القضاء وفیما بینه وبین اللہ کذا فی خزانۃ المفتین ۔

(الفتاوی الہندیۃ ج ۱ ص ۳۶۳ الفصل الاول فی الطلاق الصریح، مطلب اذ شک انہ طلق الخ) [1]

کسی جاہل سے امرأتی طالق کے الفاظ کہلوانے کا حکم

سوال: ایک صاحب نے ایک جاہل آدمی سے کہا کہ تم یہ الفاظ کہو کہ امرأتی طالق، تو اس نے یہ الفاظ کہہ دیئے حالانکہ یہ الفاظ کہنے والا نہ تو ان کے معانی کو جانتا ہے اور نہ اس کی نیت طلاق کی تھی، تو کیا اس سے طلاق واقع ہو گئی یا نہیں؟

الجواب:۔ الفاظ صریح میں اگرچہ نیت کی ضرورت نہیں تاہم وقوع طلاق کیلئے ضروری ہے کہ طلاق کی اضافت میں بیوی کا قصد وارادہ ہو، اگر یہ شرط نہ پائی جائے تو طلاق واقع نہ ہوگی، لہٰذا بشرط صحت سوال صورت مذکورہ میں اس شخص کی بیوی پر طلاق واقع نہیں ہوئی۔

لما قال العلامۃ ابن عابدینؒ: ولکن لابد فی وقوعہ قضاء ودیانۃ من قصد اضافۃ لفظ الطلاق الیھا عالماً بمعناہ ولم یصرفہ الی ما یحتملہ کما افادہ فی الفتح وحققہ فی النھر احترازاً عما لو کرر مسائل الطلاق بحضرتھا او کتب ناقلاً من کتاب امرأتی طالق مع التلفظ او حکی یمین غیرہ فانہ لا یقع اصلاً ما لم یقصد زوجتہ وعما لو لقنتہ لفظ الطلاق فتلفظ بہ غیر عالم بمعناہ فلا یقع اصلاً علی ما افتی بہ مشائخ ۔ (رد المحتار ج ۲ ص ۵۹۳ کتاب الطلاق)

تیرا میرا معاملہ ختم" کہنے کے نکاح پر اثرات

سوال:۔ میاں بیوی کے مابین کسی وجہ سے تلخ کلامی پیدا ہوگئی تو شوہر نے بیوی کو مخاطب کرکے کہا کہ تم اپنے میکے چلی جاؤ اسلئے کہ میرا اور تیرا معاملہ ختم

---

[1] قال العلامۃ ابن نجیمؒ: وکذا لو قال بنت فلان طالق ذکر اسم الاب ولم یذکر اسم المرأۃ وامرأتہ بنت فلان وقال لم اعن امرأتی لا یصدق قضاء وتطلق امرأتہ۔

(البحر الرائق ج ۳ ص ۲۵۳ کتاب الطلاق، باب الصریح)

ہو چکا ہے، تو کیا ان دونوں کا نکاح برقرار ہے۔ یا ختم ہو چکا ہے؟

الجواب:۔ "میرا تیرا معاملہ ختم ہو چکا ہے" یہ الفاظ طلاق کنائی کے ہیں، اگر شوہر نے اس سے طلاق کی نیت کی ہو تو اس کی بیوی مطلقہ بائنہ ہو چکی ہے ورنہ الفاظ لغو ہیں۔

لما فی الهندية: لم يبق بيني وبينك عمل ونوى يقع۔

(الفتاوی الهندية ج۱ ص۳۷۶ کتاب الطلاق، الفصل الخامس فی الکنايات)

اثباتِ طلاق کے لیے باپ کی گواہی کا حکم

سوال:۔ جناب مفتی صاحب! ایک مسئلہ درپیش ہے کہ ایک عورت نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ اس کے خاوند نے اسے تین طلاق دی ہیں جبکہ اس کا خاوند اس بات کا منکر ہے، عورت گواہی میں اپنے باپ اور ایک ہمسایہ کو پیش کرتی ہے، کیا اس گواہی سے عورت کا دعویٰ طلاق درست ثابت ہوتا ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ دعویٰ طلاق کے اثبات کے لیے دیگر مقدمات کی طرح دو گواہوں کا ہونا ضروری ہے بشرطیکہ گواہوں میں کوئی ایسا گواہ نہ ہو جس کی گواہی سے اقربا پروری کی تہمت لگ سکتی ہو۔ چونکہ صورتِ مسئولہ میں اثباتِ طلاق کا ایک گواہ عورت کا باپ ہے جس کی گواہی اس دعویٰ طلاق کے اثبات کے لیے شرعاً درست نہیں لہٰذا ایک گواہ سے دعویٰ ثابت نہیں ہو سکتا اس لیے عورت پر وقوعِ طلاق کا فیصلہ کرنا مشکل ہے، تاہم اگر واقعتاً ایسا معاملہ ہو چکا ہو تو عورت کسی اور ذریعہ (خلع) سے شوہر سے جدائی اختیار کر سکتی ہے۔

لما فی الهندية: لا تجوز شهادة الوالدين لولديهما۔ (الفتاوی الهندية ج۱ ص۴۶۹ باب الشهادة) [1]

تعدادِ طلاق میں شک ہو تو

سوال:۔ اگر کسی شخص کو یہ شک پڑ جائے کہ اس نے بیوی کو دو طلاق دی ہیں یا تین، تو کیا یہ شخص بیوی سے رجوع کر سکتا ہے یا یہ کہ حلالہ شرعی لازمی ہے؟

الجواب:۔ اگر کسی شخص کو تعدادِ طلاق میں شک پڑ جائے تو اس کو چاہیے کہ وہ

---

[1] قال المرغینانیؒ: ولا شهادة الوالد لولده وولد ولده ولا شهادة الولد لابويه واجداده والاصل فيه قوله عليه السلام لا يقبل شهادة الولد لوالده ولا الوالد لولده ولا المرأة لزوجها الخ۔ (الهداية ج۳ ص۱۶۱ کتاب الشهادة، فصل من يقبل شهادته ومن لا يقبل)

کم عدد پر عمل کرے اس لیے کہ وہ یقینی ہے اس لیے صورتِ مسئولہ کے مطابق عورت پر دو طلاق واقع ہو چکی ہیں اور طلاق رجعی ہونے کی بناء پر آدمی رجوع کر سکتا ہے۔

لما قال العلامة الحصکفیؒ: ولو شك أطلق واحدة او اکثر بنی علی الاقل۔

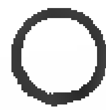
(الدر المختار علیٰ صدر رد المحتار ج۳ ص۲۸۳ باب الصریح) ۔ [1]

رجوع میں بیوی کی رضامندی شرط نہیں

سوال: ایک شخص نے اپنی بیوی کو طلاقِ رجعی دے دی، اب وہ اپنے اس اقدام پر نادم اور پشیمان ہے، گواہوں کے سامنے اس نے رجوع کا اعلان کیا ہے لیکن بیوی نہیں مانتی وہ کہتی ہے کہ مجھے رجوع قبول نہیں، اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا عورت کی رضامندی کے بغیر خاوند رجوع کر سکتا ہے؟

الجواب:۔ فقہ حنفی کی رُو سے طلاقِ رجعی میں نکاح زائل نہیں ہوتا صرف عدد میں کمی آتی ہے اس لیے خاوند کے رجوع کرنے کے لیے بیوی کی رضامندی شرط نہیں منکوحہ راضی ہو یا نہ ہو لیکن جب خاوند باقاعدہ رجوع کرے تو دونوں میاں بیوی کی حیثیت سے رہ سکتے ہیں۔

لما فی الھندیة: واذا طلق الرجل امرأته تطلیقة رجعیة او تطلیقتین فله ان یراجعها فی عدتها رضیت بذلك او لم ترض۔ (الفتاوی الھندیہ ج۱ ص۴۷۰ کتاب الطلاق ۔ الباب السادس فی الرجعة) [2]



---

[1] وفی الھندیة: عن محمدؒ اذا شك فی انه طلق واحدة او ثلاثا فهی واحدة حتی یستیقن او یکون اکبر ظنه الخ۔ (الفتاوی الھندیة ج۱ ص۳۶۳ کتاب الطلاق۔ الفصل الثانی فی طلاق الصریح)

[2] قال الحصکفیؒ: وتصح الرجعة بتزوجها فی العدة۔ وفیه: ان لم یطلق بائنًا فان ابا بها فلا وان أبتْ۔ قال ابن عابدینؒ: ای سواء رضیت بعد علمها او أبت۔

(رد المحتار ج۲ ص۵۲۶ کتاب الطلاق۔ باب الرجعة)

ومثلهُ فی فتح القدیر ج۴ ص۱۶۱ کتاب الطلاق۔ باب الرجعة۔

موجودہ جج قاضی شرعی کے قائم مقام ہے

سوال:۔ جناب مفتی صاحب ایک عورت نے کسی مرد سے شادی کی، شادی کے چند ماہ بعد شوہر نے بیوی کو نان ونفقہ دینا چھوڑ دیا، کئی بار علاقائی جرگوں کے ذریعے اُسے سمجھانے کے باوجود وہ لیت ولعل سے کام لیتا رہا، آخرکار عورت نے مجبور ہو کر عدالت میں تنسیخ نکاح کا دعوی کر دیا، عدالتی حکم پر شوہر صرف ایک بار عدالت میں حاضر ہوا، اس کے بعد عدالتی اطلاع اور سمن کے باوجود عدالت میں حاضر نہ ہوا۔ آخرکار عدالت نے عورت کے حق میں تنسیخ نکاح کی ڈگری جاری کر دی۔ اب دریافت طلب امر یہ کہ:۔

(۱) کیا موجودہ عدالتوں کے جج صاحبان قاضی شرعی کے قائم مقام ہیں یا نہیں؟

(۲) کیا ان عدالتوں کے جج صاحبان بیوی کو نان ونفقہ نہ دینے والے شوہر کی بیوی کی درخواست پر اس کا نکاح فسخ کر سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب:۔ پاکستان کے فیملی لاء میں سے بعض کا تعلق قضاء قاضی کے ساتھ ہے بغیر اس کے وہ حکم تمام نہیں ہوتا، مگر قاضی کے لیے ضروری ہے کہ وہ گورنمنٹ یعنی حاکم وقت کا مقرر کردہ ہو، بغیر حاکم کی اجازت کے کوئی شخص قاضی یا جج نہیں بن سکتا۔

قال الامام ماوردیؒ: والثانی لان التقلید لایصح الا من جهته وایضاً فتقلید القضاء من جهته فرض یتعین علیه۔ (ادب القاضی ج ۱ ص۱۳۷)

اگرچہ حکومت کسی فاسق وفاجر یا کافر کی ہی کیوں نہ ہو۔

علامہ ظفر احمد عثمانیؒ فرماتے ہیں: فیه دلیل علیٰ جواز التقلید من الکافر المسلم الجائر بالاولیٰ۔ (اعلاء السنن ج ۱۵ ص۴۲ کتاب القضاء، باب صحة تقلد القضاء ...الخ)

اسی طرح مولانا اشرف علی تھانویؒ نے لکھا ہے کہ: "جو گورنمنٹ کی طرف سے اس قسم کے معاملات میں فیصلہ کا اختیار رکھتے ہیں اگر وہ مسلمان ہوں اور شرعی قاعدہ کے موافق فیصلہ کریں تو ان کا حکم بھی قضاء قاضی کے قائم مقام ہو جاتا ہے۔" (حیلۂ ناجزہ ص۱۴۸ المرقومات للمظلومات)

اس لیے موجودہ جج ومجسٹریٹ وغیرہ جو گورنمنٹ کی طرف سے ان احکامات کے اجراء کیلئے مقرر ہوں قاضی شرعی کے قائم مقام ہیں بشرطیکہ فیصلہ شرعی قواعد کے مطابق ہو۔

اسی طرح جو شخص بیوی کو باوجود وسعت کے نان ونفقہ نہ دیتا ہو اور نہ ہی اُسے طلاق دینے پر آمادہ ہو اور نہ خلع کرنا چاہتا ہو تو اگرچہ حنفیہ کے ہاں عورت کو نکاح کی تنسیخ کی

اجازت نہیں مگر بنا بر مجبوری متاخرین علماء مالکیہ کے قول پر فتویٰ دیا ہے بشرطیکہ شوہر طلاق یا خلع سے بھی انکاری ہو اور نان ونفقہ بھی نہ دیتا ہو اور عورت کے نان ونفقہ کا کوئی متبادل انتظام بھی نہ ہوسکتا ہو جیسا کہ صورت مسئولہ میں مذکور ہے کہ بار بار سمجھانے اور وسعت کے باوجود شوہر بیوی کو نان ونفقہ نہیں دیتا اور طلاق وغیرہ سے کنارہ کشی کر رہا ہے تو عورت کو اختیار ہے کہ وہ اپنے اس مسئلہ کے حل کے لیے عدالت کا دروازہ کھٹکھٹائے۔

اب اگر عدالت تحقیق حالات کو مدنظر رکھتے ہوئے عورت کو تنسیخ نکاح کی ڈگری جاری کردے تو یہ عورت شوہر کے نکاح سے آزاد ہوجائے گی اور عدت گزار کر جہاں چاہے نکاح کرسکتی ہے۔

لما قال الشيخ وهبة الزحيلي: لا يجوز في مذهب الحنفية والامامية التفريق لعدم الانفاق، اجاز الائمة الثلاثة التفريق لعدم الانفاق .... والراجح لدى رأي الجمهور لقوة ادلتهم ودفعاً للضرر عن المرأة ولاضرر ولاضرار في الاسلام. (الفقه الاسلامي وادلته ج ۷ ص۵۱۲ كتاب الطلاق)

(وهكذا في الحيلة الناجزة ص۷۳ حكم زوجه متعنت)

برطانیہ میں شریعت کونسل کی طرف سے فسخ نکاح کے فیصلے کی شرعی حیثیت

سوال:۔ جناب مفتی صاحب!

یہاں برطانیہ کی شریعت کونسل نے ایک مقدمہ میں مدعیہ کے حق میں فسخ نکاح کی ڈگری جاری کی ہے، اب آنجناب سے عرض ہے کہ قرآن وسنت اور فقہ حنفی کی روشنی میں اس کی شرعی حیثیت سے آگاہ فرمائیں، اس مقدمہ کا پس منظر یہ ہے کہ:۔

مسمی صفدر زمان نے ۱۹۸۳ء دسمبر میں بی بی فاطمہ سے پاکستان میں شادی کی اور کچھ عرصہ بعد انگلینڈ آگئے، پانچ سال تک اچھے تعلقات رہے، اس کے بعد اس نے ظلماً بی بی فاطمہ کو گھر سے نکال دیا اور وہ اس وقت سے اب تک (تقریباً بارہ سال سے) بہن کے گھر بیٹھی ہوئی ہے، کوئی بھی اسے منانے نہیں آیا، اس دوران صفدر زمان نے دوسری شادی کرلی جس سے اس کی چار بچیاں بھی ہوگئی ہیں، چونکہ صفدر زمان نہ تو بی بی فاطمہ کو طلاق دینے پر تیار تھا اور نہ آباد کرنے کے لیے، مجبوراً بی بی فاطمہ نے شرعی کونسل برطانیہ میں دعویٰ دائر کردیا، ایک سال تک کیس چلتا رہا، اس کے بعد شریعت کونسل نے بی بی فاطمہ کے حق میں فسخ نکاح کی ڈگری جاری

کر دی اور لکھ دیا کہ بی بی فاطمہ عدت گذار کر نکاح ثانی کر سکتی ہے۔

شریعت کونسل برطانیہ کے چیئرمین مفتی محمد اسلم صاحب ہیں، دیگر ممبران حضرات بھی علماء کرام ہیں، مفتی صاحب جمعیۃ علماء برطانیہ کے جنرل سیکرٹری بھی ہیں۔ اس کے علاوہ مولانا محمد امداد اللہ قاسمی صاحب خطیب مسجد حمزہ برمنگھم فاضل بنوری ٹاؤن کراچی، مولانا حافظ محمد تمکین صاحب خطیب جامع مسجد سینٹ البن شاگرد حضرت غورغشتی رح، مولانا محمد زمان صاحب فاضل جامعہ اشاعت القرآن حضرو ضلع اٹک بھی شریعت کونسل کے ممبر ہیں۔

فسخ نکاح کے فیصلہ نقل حاضر خدمت ہے۔

(بی بی فاطمہ۔ یو کے۔ انگلینڈ)

الجواب:۔ اسلام نے کسی کو بھی دوسرے پر ظلم و زیادتی کرنے کا کوئی حق نہیں دیا ہے چاہے وہ اس کا مملوک ہو یا منکوحہ ہو، بلکہ ایک دوسرے کے ساتھ اچھا سلوک اور برتاؤ کرنے کا حکم دیا ہے۔ اگر کسی عورت کا شوہر ظالم ہو اور ہر وقت بیوی کو بلا وجہ زدوکوب کرتا رہتا ہو، سب وشتم سے اس کا جینا دوبھر کر رکھا ہو، نان ونفقہ سے بھی پہلوتہی کرتا ہو، بیوی کو نہ تو اچھے طریقہ سے آباد کرتا ہو اور نہ اس کو چھوڑتا ہو۔ تو مذہب مالکیہ کے مطابق ایسی مجبور عورت اپنی گلوخلاصی کے لیے عدالت میں دعویٰ کرنے کا حق رکھتی ہے اور عدالت بعد تحقیقات اور کوشش کے بعد صلح نہ ہونے کی صورت میں عورت کو تنسیخ نکاح کی ڈگری جاری کرنے کی مجاز ہے، تنسیخ نکاح کی ڈگری ملنے کے بعد عورت عدت گذار کر دوسری جگہ نکاح کر سکتی ہے۔ اور اگر کہیں شرعی عدالت نہ ہو یا دار الحرب ہو تو وہاں اس عہدہ کو پنچایت وغیرہ (جو کہ دیندار مسلمان ممبران پر مشتمل ہو) سنبھال سکتی ہے اور اس کی طرف سے جاری کی گئی تنسیخ نکاح کی ڈگری شرعی قواعد کے مطابق مقبول ہوگی اور اس کا بھی وہی مقام ہے جو کسی شرعی عدالت کے فیصلے کا ہوتا ہے۔ فقہ حنفی میں بھی بناء بر ضرورت شدیدہ دوسرے مذہب پر فتویٰ دیا جا سکتا ہے۔ لہٰذا صورت مسئولہ کے مطابق برطانیہ میں شرعی عدالت کی عدم موجودگی کی وجہ سے وہاں کی شریعت کونسل (جو ایک گونہ پنچایت ہے) اس قسم کے معاملات میں فیصلہ کرنے کی حقدار ہے اور اس کا فیصلہ نافذ العمل ہوگا۔ چونکہ بی بی فاطمہ کے نکاح کی تنسیخ کا فیصلہ بھی اس ضرورت شدیدہ کے تحت ہوا ہے کہ اس کا شوہر مسمی صفدر زمان نہ تو خلع کے لیے تیار تھا اور نہ طلاق دینے پر آمادہ تھا، اور نہ اس کو اچھی طرح آباد کرنے کے لیے تیار تھا، اس لیے شریعت کونسل کا تنسیخ کا یہ فیصلہ شرعاً

درست اور صحیح ہے، بی بی فاطمہ عدت گذار کر دوسری جگہ نکاح کر سکتی ہے اس کا نکاح شوہر اول سے ختم ہو چکا ہے۔

(۱) لما قوله تعالیٰ: وَلَا تُمْسِكُوهُنَّ ضِرَارًا لِّتَعْتَدُوا۔ (الآیۃ) وقال الله تعالیٰ: فَإِمْسَاكٌ بِمَعْرُوفٍ أَوْ تَسْرِيحٌ بِإِحْسَانٍ (الآیۃ) وان البقاء مع عدم الانفاق ضرار، وامساك بغیر معروف وکان حقاً علیه ان یطلق زوجة ولما لم یقم بذلك وقد تعین علیه قام القاضی مقامه فیه۔

قال صلی الله علیه وسلم لاضرر ولاضرار وان الامساك مع عدم الانفاق ضرار وان الامساك مع عدم الانفاق مضارة وعلی القاضی ان یزیل الضرر بفك تلك العقد التی اصبحت ضررًا لامصلحة فیها۔ (الاحوال الشخصیة لابی زهرۃ ص۳۴۹)

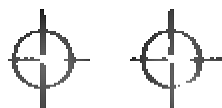
(۲) فی مقدمات لابن رشدؒ: ان تبین ان الضرر من قبل الزوج فرق بینهما بغیر غرم تغرمه المرأة۔ (الاحوال الشخصیة ص۳۶۴ التفریق للضرر ۴)

(۳) واجاز المالکیة التفریق للشقاق او للضرر منعا للنزاع وحتی لاتصبح الحیاة الزوجیة جحیما وبلاء۔ ولقوله علیه السلام لاضرر ولاضرار و بناء علیه ترفع المرأة امرها للقاضی فان اثبت الضرر را وصحة دعواها طلقها۔ (الفقه الاسلامی وادلته ج۷ ص۵۲۷ المبحث الثالث التفریق للشقاق۔الخ)

(۴) اگر کسی جگہ مسلمان حاکم موجود نہ ہو یا اس کی عدالت میں مقدمہ لے جانے کا قانوناً اختیار نہ ہو یا مسلمان حاکم قواعد شرعیہ کے مطابق فیصلہ نہ کرتا ہو تو اس وقت مذہب امام مالکؒ کے موافق جس کا اختیار کرنا بضرورت شدیدہ حنفیہ کے نزدیک بھی جائز ہے، مسلمانوں کی جماعت کا حکم بھی قضاء قاضی کے قائم مقام ہو جائے گا اور اس کی صورت یہ ہے کہ محلہ یا بستی کے دیندار اور با اثر مسلمانوں کی ایک جماعت (جس کا عدد کم از کم تین ہو) کے سامنے اپنا معاملہ پیش کیا جائے اور وہ جماعت اس معاملے کی تحقیق کر کے شریعت کے مطابق فیصلہ کر دے۔

(حیلۂ ناجزہ ص۱۲۸-۳۴ المرقوم المظلومات و تفریق بین الزوجین لحکم حاکم)

وهکذا فی اسلام کا مکمل نظام طلاق ص۲۰۹ تا ۲۱۱۔



ٹیسٹ ٹیوب بے بی کی شرعی حیثیت

ہر دور میں سائنسی ایجادات نے کوئی نہ کوئی نیا مسئلہ پیدا کیا ہے علماء اُمت اور مفتیان کرام نے شرعی نقطہ نظر سے ان ایجادات پر بحث وتحقیق کرتے ہوئے قرآن وسنت کے دلائل وشواہد کی روشنی میں ان مسائل کو حل کرنے کے لئے پُرمغز مقالے، مضامین اور کتابیں تحریر فرمائیں جن کو اپنے اور بیگانے سب نے تسلیم کیا۔ ٹیسٹ ٹیوب بے بی بھی ان ہی سائنسی ایجادات کی کرشمہ سازی ہے جس میں انسانی تولید کے جدید (مگر حیا سوز اور اخلاق باختہ) طریقے وضع کئے گئے ہیں۔

دارالعلوم حقانیہ کے نائب مفتی حضرت مولانا مفتی غلام الرحمٰن صاحب نے اس کے جملہ پہلوؤں پر سیر حاصل بحث کی ہے جس کو دارالعلوم کے ترجمان ماہنامہ الحق نے اپنی اشاعت کی زینت بنایا۔ فتاویٰ اور فقہی مباحث کی مناسبت سے افادۂ عام کے لئے فتاویٰ دارالعلوم حقانیہ میں شامل کیا جاتا ہے۔ (از مرتب)

ٹیسٹ ٹیوب بے بی کی شرعی حیثیت

نیک اور صالح اولاد انسان کی زندگی کا سب سے قیمتی اور گراں مایہ سرمایہ ہے، اولاد والدین کے لیے صرف دنیاوی عزت و افتخار کا ذریعہ ہی نہیں بلکہ اُخروی سعادت اور نجات کیلئے بھی بہترین توشہ ہے، اسلام میں اولاد کی زیادتی پر کوئی پابندی نہیں، افرادی قوت کے اضافہ کے لیے اسلامی تعلیمات میں نکاح کی بار بار ترغیب دلائی گئی ہے، پھر ایسی عورت سے نکاح کرنے کو ترجیح دی گئی ہے جو زیادہ بچے جننے کی صلاحیت رکھتی ہو۔ حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:۔

تزوّجوا الودود الولود فانی مکاثر بکم الاُمم۔ (ابوداؤد، نسائی)

(ترجمہ) "تم ایسی عورت سے نکاح کرو جو اپنے خاوند سے محبت کرنے والی ہو جو زیادہ بچے پیدا کرنے والی ہو، کیونکہ میں دوسری اُمتوں کے مقابلے میں تمہاری کثرت پر فخر کروں گا۔"

یہی وجہ ہے کہ جب ضبطِ تولید (FAMILY PLANNING) کی تحریک چلی تو علماء حق نے اس بے مقصد اور بے فائدہ تحریک کی شدید مخالفت کی، بحیثیت مسلمان ہونے کے ہمارا عقیدہ ہے کہ اولاد کا دینا یا نہ دینا اللہ تعالیٰ کی قدرت کا کرشمہ ہے۔ اسباب اور وسائل اور ذرائع کا حصول اور استعمال اپنی جگہ ضروری اور مسنون ہے مگر اولاد جیسی نعمتِ عظمیٰ کے حصول کا توقف اور دارومدار مشیتِ الٰہی پر موقوف ہے، قرآن مجید میں اس حقیقت کو یوں واضح کیا گیا ہے:۔

لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ يَهَبُ لِمَنْ يَّشَآءُ اِنَاثًا وَّيَهَبُ لِمَنْ يَّشَآءُ الذُّكُوْرَ o اَوْ يُزَوِّجُهُمْ ذُكْرَانًا وَّاِنَاثًا وَيَجْعَلُ مَنْ يَّشَآءُ عَقِيْمًا اِنَّهٗ عَلِيْمٌ قَدِيْرٌ o (سورۃ الشوریٰ آیت ۴۹-۵۰)

(ترجمہ) "اللہ ہی کی ہے سب سلطنت آسمانوں کی اور زمینوں کی، وہ جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے، جس کو چاہتا ہے بیٹیاں عطا کرتا ہے اور جس کو چاہتا ہے بیٹے عطا کرتا ہے اور

یا ان کو جمع کر دیتا ہے یعنی بیٹے اور بیٹیاں دونوں دے دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے بے اولاد رکھتا ہے، بیشک وہ بڑا جاننے والا اور بڑی قدرت والا ہے۔"

اس آیتِ کریمہ کے مطابق اولاد کے اعتبار سے افرادِ انسانی چند اقسام میں منقسم ہیں:۔

(ا) ایسے افراد جن کو اللہ تعالیٰ بیٹیاں دیتا ہے جیسا کہ انبیاء کرام میں سے حضرت لوط علیہ السلام اور حضرت شعیب علیہ السلام کی صرف بیٹیاں تھیں، ان کا کوئی بیٹا نہیں تھا حضرت لوط علیہ السلام کی تین یا دو بیٹیاں (زیتا اور زعورا) اور حضرت شعیب علیہ السلام کی دو (ریا، صفوریا) بیٹیاں تھیں۔

(ب) ایسے افراد جن کو بیٹے دے کر بیٹیوں سے محروم کرتا ہے جیسا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو صرف بیٹے دیئے تھے آپ کی کوئی بیٹی نہیں تھی۔ امام قرطبی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے آٹھ بیٹے تھے۔ اسماعیل، اسحٰق، مدین، مدائن، نعشان، زمران، نعشیق اور شبوخ۔

(ج) ایسے افراد جن کو بیٹے اور بیٹیاں دونوں دے کر دونوں نعمتوں سے نوازتا ہے جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے چار بیٹیاں زینبؓ، رقیہؓ، ام کلثومؓ اور فاطمہؓ اور تین یا چار بیٹے بھی عطا فرمائے، قاسمؓ، طاہرؓ وطیبؓ اور ابراہیمؓ۔

(د) آخر الذکر وہ قسم ہے جن کو اللہ تعالیٰ ہر دو نعمتوں سے محروم کر دیتا ہے۔ انبیاء علیہم السلام میں سے حضرت یحیٰی علیہ السلام اور حضرت عیسٰی علیہ السلام ایسے انبیاء ہیں جو اولاد سے محروم رہے۔

اگرچہ نوعِ انسانی کی یہ تمام اقسام معاشرہ کے عام افراد میں پائی جاتی ہیں لیکن انبیاء کرام علیہم السلام کے تذکرہ سے مقصد یہ ہے کہ نبی ہونے کے باوجود بیٹے یا بیٹی سے محروم ہونے میں یہ سبق ہے کہ یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کے قبضۂ قدرت میں ہے، وہ جس کو چاہتا ہے بیٹوں کے دائرے میں محبوس کر دیتا ہے تو وہ بیٹی کے لیے ترستا ہے اور کسی کی زندگی بھر میں صرف ایک بیٹی ہوتی ہے اور وہ بیٹے کے حصول کے لیے سب کچھ قربان کرنے پر تیار ہوتا ہے لیکن مرتے دم تک اس کی یہ آرزو پوری نہیں ہوتی، عربی میں اسے "عقیم" اور اردو میں "بانجھ" کہتے ہیں۔

بانجھ پن کے اسباب

مسلمان ہونے کی حیثیت سے ہمارا عقیدہ ہے کہ تمام ممکنہ وسائل بروئے کار لانے کے باوجود اولاد کا نہ ہونا مشیتِ الٰہی

کا نتیجہ ہے، ممکن ہے کہ میاں اور بیوی میں ہر لحاظ سے (بچے کی پیدائش کی) صلاحیت موجود ہو لیکن جب اللہ تعالیٰ ہی نہ چاہے تو دُنیا بھر میں گھومنے اور بہتر سے بہتر علاج کرانے کے باوجود محروم ہمیشہ کے لیے محروم ہی رہتا ہے۔

اس باطنی اور حقیقی سبب کے علاوہ "اہل طبائع" کے نزدیک کچھ ظاہری اسباب اور عوامل کا بھی اثر رہتا ہے، اگرچہ امام رازی رحمہ اللہ نے تفسیر کبیر میں اس کا سختی سے انکار کیا ہے وہ فرماتے ہیں کہ کسی کے نطفہ میں بچے کی پیدائش کی صلاحیت اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ کا نتیجہ ہے طبعی اسباب کا اس میں کوئی عمل دخل نہیں، لیکن زیر نظر مسئلہ پر بحث کرنے کے لیے ہمیں ان طبعی اسباب کو مدِ نظر رکھنا ہوگا تاکہ اصل مسئلے کے فہم وادراک میں کوئی دشواری نہ رہے۔ جملہ ضروری اور موقوف علیہ امور اور وسائل و ذرائع کے اختیار کر لینے کے باوجود اولاد نہ ہونے کے چند عوارض ہو سکتے ہیں، مثلاً:۔

(ا) ممکن ہے کہ مرد کے مادۂ تولید یعنی نطفہ میں وہ صلاحیت ہی نہ ہو کہ جس سے بچہ پیدا ہو۔

(ب) یہ بھی ممکن ہے کہ یہ قصور عورت کی طرف سے ہو، عورت میں قصور ہونے کے مختلف اسباب ہیں، کبھی مادۂ تولید میں صلاحیت نہیں ہوتی اور بعض اوقات مادۂ تولید میں صلاحیت تو موجود ہوتی ہے لیکن "رحم" میں استقرار کی طاقت نہیں ہوتی جس کی وجہ سے نطفہ مقررہ مدت تک "رحم مادر" میں نہیں رہ سکتا۔ انفرادی نقصان کی علامت یہ ہوتی ہے کہ اگر اس جوڑے کے درمیان جدائی ہو جائے تو کسی ایک طرف کے ذی صلاحیت ہونے کی صورت میں کسی دوسرے ذی صلاحیت فرد سے رشتہ ہو جانے کے بعد بچہ پیدا ہو جاتا ہے۔ موجودہ دور میں یہ پہچان لیبارٹری ٹیسٹ کے ذریعہ آسانی سے ہو سکتی ہے۔

(ج) ممکن ہے کہ دونوں جانب قصور کی وجہ سے یہ جوڑا عمر بھر بچے کی نعمت سے محروم رہے، جوڑے کی تبدیلی کے باوجود کسی ایک طرف سے ثمر آور ہونے کی اُمیدیں بہت کم ہوتی ہیں۔

بانجھ پن کے علاج کی ممکنہ صورتیں

بانجھ پن کے علاج کی جدید صورت "ٹیسٹ ٹیوب بے بی" سے یہ غلط فہمی نہ ہونی چاہیئے کہ اس سے بانجھ پن کی تمام صورتوں کا علاج ممکن ہے کیونکہ اس طریقۂ علاج کے باوجود کئی محروم جوڑوں کی نا امیدی نے غلط ثابت کر دیا ہے۔ ہمارے ہاں سب سے پہلے یہ تجربہ گیارہویں مرتبہ کامیاب ہوا ہے۔ گویا متعلقہ ڈاکٹر کی شبانہ روز کوششوں کے باوجود اگر سو بیماروں کا علاج کیا گیا ہے تو ان میں صرف دس افراد کے

بارے میں کامیابی ہوئی ہے اور باقی نوّے فیصد کے بارے میں ناکامی ہوئی۔ اس قلیل اندازے میں کامیابی سے یہ نشاندہی ہوتی ہے کہ بانجھ پن کی بعض صورتیں ابھی تک لاعلاج ہیں۔ بہرحال مرد یا عورت کی جانب سے قصور کی صورت میں علاج کی چند صورتیں ہیں:۔

(الف) مرد کے مادۂ تولید میں ضعف کا علاج ہو جائے یا متضاد مادہ کی علیحدگی کے لیے علاج کیا جائے تاکہ اصلاح کے بعد اس سے مطلوبہ نتائج برآمد ہوں، از روئے شرع یہ عام علاجوں کی طرح ایک علاج ہے، اس میں کوئی حرج نہیں۔

(ب) ایسا ہی عورت کے قصور کی صورت میں اگر مادۂ تولید میں کوئی نقص ہو تو اس کی اصلاح کیلئے کوئی دوائی کھانا یا کھلانا جائز اور مشروع ہے۔

(ج) لیکن عورت میں نقص کی صورت میں اگر یہ نقص "رحم" میں ہو یعنی "رحمِ مادر" میں استقرار کی صلاحیت موجود نہ ہو تو اس صورت میں بھی اگر عورت کوئی ایسی دوائی کھائے جس سے رحم میں امساک اور استقرار کی صلاحیت پیدا ہو جائے، بظاہر یہ علاج بھی ممنوع نہیں بلکہ دوسری بیماریوں کے علاج کی طرح یہ بھی مشروع ہے۔

ٹیسٹ ٹیوب بے بی کا طریقۂ علاج

"ٹیسٹ ٹیوب بے بی" کے ذریعہ آخر الذکر بیماری کا علاج دریافت کیا گیا ہے کہ مرد اور عورت دونوں کے مادۂ تولید میں بچے پیدا کرنے کی صلاحیت موجود ہو لیکن "رحمِ مادر" میں امساک اور استقرار کی صلاحیت نہ ہونے کی وجہ سے بچہ پیدا نہ ہوتا ہو تو جدید تحقیقات کی روشنی میں یہ طریقۂ علاج ایجاد کیا گیا ہے کہ مرد اور عورت دونوں کے مادۂ تولید کو ملا کر ایک خاص ترتیب کے بعد عورت کے پیٹ میں ایک خالی جگہ میں معمولی اپریشن کرنے کے بعد رکھ دیا جاتا ہے اور متعلقہ ضروریات پہنچانے کے بعد مقررہ مدت میں یہ مادہ تدریجی ادوار طے کرنے کے بعد مکمل بچہ بن جاتا ہے۔

روزنامہ مشرق کے میگزین ۲۳ر اکتوبر ۱۹۸۷ء کے ایک جائزہ کی "تجرباتی رپورٹ" سے اس طریقۂ علاج کی نشاندہی ہوتی ہے جیسا کہ اخبار لکھتا ہے:۔

"آج سے آٹھ سال قبل نیوزی لینڈ کی ایک ۲۷ سالہ عورت مارگریٹ نے مئی ۱۹۷۹ء میں پانچ پونڈ کی ایک تندرست بچی کو جنم دیا، اس بچی کی پیدائش معمول کے مطابق نہ تھی، چونکہ اس عورت کا جسمانی نظام بچہ پیدا کرنے کی صلاحیت سے عاری تھا اس لیے

اس کے شوہر کے نطفہ کو لیبارٹری میں "پیٹری ڈش" تکنیک کے ذریعہ "امبری او" کی شکل دے کر اس کی پرورش اس کے بطن میں کی گئی جہاں اس بچے نے بغیر "یوٹیرس" کی مدد کے تمام غذائیت حاصل کی اور پروان چڑھ کر اپنے دن پورے کیے، بچے کی پیدائش اپریشن کے ذریعہ ہوئی تھی۔"

یہ طریقہ علاج دن بدن متعارف ہو رہا ہے، ایک اندازے کے مطابق اس وقت دنیا میں تین ہزار بچے ایسے ہیں جو اس جدید طریقہ تولید کی برکت سے پیدا ہوئے ہیں اور اب پاکستان بھی ان ممالک کی صف میں شامل ہو گیا ہے جو اس طریقہ تولید کے مطابق صفِ اوّل میں ہیں۔

بعض سادہ لوح احباب بھی عجلت پسندی میں بغیر کسی تحقیق کے حکم لگانے کے قائل ہیں، چنانچہ ہمارے چند معزز ڈاکٹروں کے حوالے سے چند روز قبل یہ خبر شائع ہوئی کہ:۔

"ٹیسٹ ٹیوب بے بی کسی مرتبان یا ٹیسٹ ٹیوب میں نہیں بلکہ ماں کے جسم میں ہی پروان چڑھتی ہے اور اس کا نام ٹیسٹ ٹیوب نہیں ہونا چاہئیے، یہ ایک جدید طریقہ علاج ہے اس کے اسلامی یا غیر اسلامی ہونے پر بحث کرنے کی کوئی ضرورت نہیں اگر یوں شتر بے مہار کی طرح علاج کو بھی چھوڑ دیا جائے تو معلوم نہیں فائدے کی جگہ اس کے نقصان کیا ہوں گے؟"

اگرچہ تجربہ کی رو سے اس جدید عملِ تولید میں میاں بیوی کے مادۂ تولید سے کام لیا گیا ہے لیکن کیا اس بات کی کوئی ضمانت موجود ہے کہ آئندہ بھی یہ عمل صرف میاں بیوی تک ہی محدود رہے گا؟ ہرگز نہیں! بلکہ بطور ترقی کے اس تجربہ کو اور بھی وسعت دی گئی ہے جس میں اب میاں بیوی کی تمیز باقی نہیں رہی بلکہ عمدہ اور حسین نسل کے تخم حاصل کئے جا رہے ہیں اور معلوم نہیں کہ آئندہ اس کو کہاں تک پہنچانے کا امکان ہے (العیاذ باللہ) اور اگر امکانی صورتوں کو مدنظر رکھ کر اس عمل کو دیکھا جائے تو اس کے بہت سے خطرناک نتائج کی نشاندہی بھی ہوتی ہے اور ممکن ہے کہ یہ نتائج کسی وقت بھی محض امکان کی جگہ ایک حقیقتِ واقعہ کی صورت اختیار کر لیں۔ اب اصل مسئلہ کا حکم بیان کرنے سے قبل ایک مقدمہ بطورِ تمہید پیشِ خدمت ہے:۔

سدِ ذرائع اور اسلام

اسلامی نقطہ نظر سے کسی شے کے حکم میں اس کے اسباب و عوامل طریقہ کار یا نتائج کا بہت زیادہ اثر رہتا ہے، اسلام کسی شئے کی عارضی اور وقتی مصلحت کو دیکھ کر عجلت پسندی کے فیصلے کا حامی نہیں۔ اسلام چونکہ ابدی اور دائمی دین ہے اسلئے

اس میں موجودہ اور آئندہ ہر دور میں ہر حالت کی امکانی صورتوں کو مدِنظر رکھ کر حکم دیا جاتا ہے، ممکن ہے کہ بہت سے امور بظاہر اچھے اور خوبصورت ہوں، ان میں کوئی قصور اور نقص نہ ہو لیکن اس ظاہری حُسن کے باوجود اگر کوئی شے کسی دوسرے ناجائز کام کے لیے مقدمہ اور پیش خیمہ ہو تو شریعت میں ناجائز کام کے لیے ذریعہ ہونے کی حیثیت سے اس کام کا درجہ بھی ناجائز کام کا ہو جاتا ہے، اُس دوسرے ناجائز فعل کی وجہ سے اِس ذریعہ اور مقدمہ کو بھی حرام کے زمرہ میں شمار کیا جاتا ہے فقہاءِ کرام کے ہاں یہ حکم "سدّ الذرائع" کے نام سے متعارف ہے، علماءِ کرام کے ہاں یہ معتبر ہے، خاص کر حنابلہ اور مالکیہ اس کو بہت زیادہ اہمیت دیتے ہیں، قرآن وحدیث کی رُو سے اس قاعدہ کی نشاندہی بھی ہوتی ہے۔

قرآن کریم کی رُو سے قاعدہ کی وضاحت

مثلاً صحابہ کرامؓ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نظرِ شفقت اور توجہ دلانے وقت "رَاعِنَا" کا لفظ استعمال کرتے تھے جس کا مقصد واضح تھا کہ یارسول اللہ ہماری مصلحت کی رعایت فرمائیے، اس میں کوئی بے ادبی نہیں تھی، لیکن یہود اور منافقین اس لفظ کو بول کر اس سے ایسا معنیٰ مراد لیتے تھے جو منصبِ نبوت کے مناسب نہیں تھا اور اس سے یہودیوں کو شرارت کے لیے ایک موقع ملتا تھا، اللہ تعالیٰ نے شرارت اور فساد کا پیش خیمہ ہونے کی وجہ سے اس جائز لفظ کے کہنے پر پابندی لگا کر متبادل لفظ تجویز فرمایا:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقُولُوا رَاعِنَا وَقُولُوا انظُرْنَا۔ (سورۃ البقرۃ ۱۰۴)

(ترجمہ) "اے ایمان والو تم رَاعِنَا کا لفظ مت کہا کرو اور اس کی جگہ لفظ اُنْظُرْنَا کہہ دیا کرو۔"

حدیث سے قاعدہ کی وضاحت

ایسا ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ کو قریشِ مکہ کے تعمیر کردہ بیت اللہ میں متعدد نقائص نظر آئے، آپؐ کو محسوس ہوا کہ بیت اللہ کی تعمیر میں قریشِ مکہ نے اختیاری یا غیر اختیاری اسباب کی وجہ سے ایسے تصرفات کئے ہیں جو بناءِ ابراہیمی کے خلاف ہیں، چنانچہ حدیث میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا:۔

"میرا دل چاہتا ہے کہ موجودہ تعمیر کو منہدم کر کے اسے بالکل بناءِ ابراہیمی کے مطابق بنا دوں لیکن اس سے ناواقف عوام کے فتنہ میں مبتلا ہونے کا خطرہ ہے اِس لیے سردست اس کو اسی حال پر چھوڑتا ہوں۔"

ظاہر ہے کہ بیت اللہ کی تعمیر ایک اہم اور ضروری مسئلہ تھا لیکن ناجائز امور یعنی فتنہ و فساد کے لیے پیش خیمہ ہونے کی وجہ سے آپؐ نے قریشِ مکہ کی تعمیر کو اُسی حالت پر چھوڑ دیا۔

اس قاعدہ کے ذہن نشین ہونے کے بعد اب ہم "ٹیسٹ ٹیوب بے بی" کے طریقۂ علاج کے نتائج پر ایک طائرانہ نظر ڈالتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ اس طریقۂ علاج کے معاشرہ پر مذہبی، اقتصادی اور معاشرتی لحاظ سے کیا اثرات پڑتے ہیں؟ اس سے معاشرہ کس حد تک متاثر ہوتا ہے؟ تاکہ مسئلہ واضح ہو جائے۔

ٹیسٹ ٹیوب بے بی کے ذریعہ نسب محفوظ نہیں رہتا

اگر حقیقت میں دیکھا جائے تو انسانیت کے لیے سب سے اہم مسئلہ تحفظ نسب کا ہے، دنیا باوجود ترقی کے آج اس میدان میں حیران ہے اور غیر ثابت النسب بچوں کی تعلیم و تربیت موجودہ دنیا کے لیے ایک عظیم مسئلہ ہے۔ اسلام ہی وہ واحد دین اور مذہب ہے جس میں تحفظ نسب کی مکمل ضمانت موجود ہے۔ زنا اور دواعی زنا کی حرمت اور ممانعت سے وہ تمام راستے مسدود ہو گئے ہیں جس سے نسب متاثر ہوتا ہو، لیکن مذکورہ طریقۂ علاج کی روشنی میں ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ اس میں انسان کا نسب محفوظ نہیں رہ سکتا، کیونکہ اس عمل کا تجربہ اگرچہ ایک میاں بیوی کے مادۂ تولید سے کیا گیا ہے لیکن یہ ضروری نہیں کہ اس کو صرف میاں بیوی تک محدود رکھا جائے گا۔ کیونکہ ایک خاوند کے نطفہ میں جب خود صلاحیت موجود نہ ہو اور مذکورہ طریقۂ علاج میسر ہو تو اس میں مانع کیا چیز ہے؟ کہ ایک غیر شخص کے ذی استعداد نطفہ سے یہ کام لیا جائے اور یا ایک عورت کو یہ معلوم ہو کہ میرا خاوند ناقابل اور نالائق ہے تو ممکن ہے کہ اس کے نطفہ سے پیدا ہونے والا بچہ بھی باپ کی طرح نالائق اور ناقابل ہو اور عورت بہ نفسِ نفیس یا خاوند کے مشورہ سے حسین، قابل اور ماہر شخص کے نطفہ سے یہ مسئلہ حل کر سکتی ہے تاکہ اس سے پیدا ہونے والا بچہ قابل اور ذہین ثابت ہو۔ چنانچہ اس تجربہ سے کامیابی کے بعد ایک اخباری اطلاع ملاحظہ فرمائیے:۔

"آجکل امریکن کیلی فورنیا کے علاقہ "رسکو ڈیڈو" میں روبرٹ گراہم نے عالی ظرف نطفوں کا ایک بینک قائم کیا ہے جس میں بڑے سے بڑے فنکار، سائنسدان، موسیقار، فلسفی اور بیشمار اعلیٰ صلاحیت کے حامل لوگوں کو یخ بستہ کر کے محفوظ رکھ لیا گیا ہے اور ان نطفوں کی تفصیل کیٹلاگ شائع کی جاتی ہے اور وہ ایسی ماؤں کی تلاش میں رہتے ہیں جو نطفوں کے لیے مختلف خصوصیات کی حامل ہوں جو "امبری ٹو" سے اولاد پیدا کر کے اعلیٰ عقل و خرد کے لوگوں کی آبادی میں اضافہ کر سکیں۔"

ظاہر ہے کہ غیر کے نطفہ سے پیدا ہونے والا بچہ اگرچہ قضاءً (الولد للفراش وللعاھر حجر) سے باپ کا بیٹا کہلائے گا لیکن خود جب اس بچے کو یہ معلوم ہو جائے گا کہ میں اس شخص کے نطفہ سے نہیں ہوں میری پیدائش کے لیے مادۂ تولید کسی غیر شخص سے حاصل کیا گیا ہے، تو یہ بچہ کبھی بھی اس کو باپ تسلیم نہیں کرے گا اور نہ دیانۃً یہ شخص باپ کہلانے کا مستحق ہے۔

مادۂ تولید کا مذموم کاروبار روزمرہ کا معمول بن جائے گا

اگر اس عمل کو جاری رکھا گیا اور ان عالی ظرف نطفوں سے بچوں کی پیدائش کے اس طریقہ کو آگے بڑھا دیا گیا تو ظاہر ہے کہ عوام الناس کے رجحان کو دیکھ کر نطفوں کا باقاعدہ کاروبار شروع ہو جائے گا، کیونکہ بغیر قیمت کے میسر نہ ہونے کی صورت میں خواہ مخواہ خریدنے کی ضرورت ہوگی، شریعت میں مال نہ ہونے کی وجہ سے بیع باطل ہے، لیکن عام انسان بھی طبعی طور پر اس مذموم کاروبار سے متنفر ہے، اور یہ بھی ممکن ہے کہ خون کی خرید و فروخت کی طرح اس کو بھی بعض لوگ آمدنی کا ذریعہ بنا لیں۔

معاشرہ میں نکاح کی اہمیت ختم ہو جائے گی

موجودہ دور میں ہر ایک معاشرہ کے اندر نکاح کے لیے خاص صورتیں موجود ہیں، زنا سے نفرت کے لیے مذہب، قانون یا فطرت ایک اہم سبب ہے۔ اگرچہ یورپی درندوں کے ہاں اخلاق سوز برائیوں کو قانونی تحفظ حاصل ہے لیکن پھر بھی زنا سے کچھ ہچکچاہٹ محسوس کرتے ہوں گے۔ لیکن زیر نظر طریقۂ علاج اپنانے سے نکاح کی یہ وقعت بھی ختم ہو جائے گی اور ایک نوجوان عورت کیلئے اس میں کون سی رکاوٹ ہے کہ وہ بغیر خاوند کے کسی غیر شخص کے نطفہ سے حاملہ ہو کر ماں بن جائے، بغیر خاوند کے حاصل ہونے والے بچے کو کنواری ماں اپنا بچہ سمجھے گی، اور یہ بچہ کل بڑا ہو کر اپنی پہچان کے لیے صرف ماں کی طرف نسبت پر اکتفاء کرے گا، یوں اس کی بچے کی خواہش تو پوری ہو جائے گی جبکہ طبعی خواہشات کی تکمیل کے لیے غیر شرعی اور غیر فطری طریقے اپنائے جائیں گے اور نکاح کو زائد از ضرورت چیز سمجھا جائے گا۔

افزائش نسل انسانی کے فارم

جب نوبت یہاں تک پہنچ جائے کہ ایک مرد کے نطفہ سے متعدد عورتیں حاملہ ہو سکتی ہوں تو پھر جس ملک کو افرادی قوت کی ضرورت ہوگی اور جہاں افزائش نسل پر متعلقہ جوڑوں کو انعام دیا جاتا ہے وہاں اس ضرورت کی تکمیل کے لیے ایک آسان نسخہ ہاتھ آجائے گا کہ اعلیٰ ظرف اشخاص کے نطفوں کو اکٹھا کر کے

ذی استعداد عورتوں کے مرغیوں، گائے اور بھیڑ بکریوں کی طرح فارم بنا کر بچے پیدا کر لئے جائیں گے، ایک ہی انجکشن سے نامعلوم کتنے بچے پیدا ہوں گے؟ لیکن سوچنے کی بات یہ ہے کہ ان فارمی نوزائیدہ بچوں سے قوم و ملک اور معاشرہ کی اصلاح کے لیے کیا اُمید کی جا سکتی ہے؟ جبکہ ایسے بچوں کا مستقبل تو درکنار خود افزائش نسل کا یہ طریقہ ایک قبیح حرکت ہے۔

ممکن ہے کہ اس سفر کی انتہا یہ نہ ہو بلکہ اس کے بعد ان فارموں کے لیے ذی استعداد عورتوں کی ضرورت ہوگی اور اس مقصد کے لیے رضاکار عورتوں کے میسر نہ ہونے کی صورت میں مطلوبہ عورتوں کو قیمتاً خریدنا پڑے گا۔ چنانچہ عورتوں کی خرید و فروخت کا ایک مذموم کاروبار شروع ہو کر زمانہ جاہلیت کی یاد تازہ ہو گی۔

مرد بھی بچے پیدا کر سکیں گے

جب ایک نطفہ بغیر رحم مادر کے تولیدی ادوار طے کر کے بچہ بن جانے کی صلاحیت رکھتا ہو اور عورت کے پیٹ کے ایک خالی حصہ سے یہ مقصد پورا ہوتا ہو تو پھر ممکن ہے کہ آئندہ اس عمل کا عورت کے پیٹ سے کوئی تعلق نہ رہے بلکہ مرد کے پیٹ میں بھی اس عمل کو جاری رکھ کر بچہ پیدا کیا جا سکے گا جیسا کہ اس کا تجربہ ہو چکا ہے، تو مرد کے ماں بن جانے کی صورت میں دوسرے مسائل تو درکنار خود مرد کیلئے بھی یہ ذلت اور رسوائی کا مقام ہے۔ مزید برآں عورت طبعی طور پر بچے کی تربیت اور پرورش کی صلاحیت رکھتی ہے' ایک عورت بچے کی جو تربیت کر سکتی ہے مرد میں اس ذمہ داری اور بوجھ کو اٹھانے کی صلاحیت ہی نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ خواہ میاں بیوی کے درمیان جدائی ہو جائے یا نکاح قائم رہے حق حضانت یعنی بچوں کی تربیت کا حق عورت کو ہی حاصل رہے گا۔

فتاویٰ عالمگیری جلد اص میں ہے کہ میاں بیوی میں جدائی کے بعد بھی لڑکے کے لیے سات یا نو سال تک اور لڑکی کیلئے تا بلوغ حق حضانت والدہ کو حاصل ہے۔ جبکہ مرد کے ماں بن جانے کے بعد دوسرے مسائل کے علاوہ ماں کی شفقت اور اس کے حق تربیت سے محروم رہ جائیں گے۔

زناکاری کا بند نہ ہونے والا دروازہ کھل جائے گا

جب مرد خود بچے پیدا کرنے کا بوجھ اپنے کندھوں پر ڈال لے تو اس کو عورت کی ضرورت ہی کیا رہے گی، ایسے ہی جب ایک عورت خاوند کے بغیر بچے کو جنم دے سکتی ہے تو ایسی حالت میں وہ شادی کی ضرورت محسوس نہیں کرے گی، مرد اور عورت الگ الگ بچے پیدا کریں گے تو طبعی اور فطری خواہشات کی تکمیل کے لیے ناجائز ذرائع استعمال کریں گے اور پھر زنا اور لواطت کا ایک بند نہ ہونے والا دروازہ

کھل جائے گا جس سے پوری انسانیت کی ہلاکت اور بربادی یقینی ہے۔

انسان کا رشتہ بندروں اور کتوں سے جڑ جائے گا

جب اس جدید طریقۂ تولید کو جاری رکھا گیا اور تحقیق و ریسرچ کسی خاص حد تک منتہی نہ ہوئی تو عین ممکن ہے کہ انسانی مادۂ تولید کسی بندریہ یا کتیا کے پیٹ کی خالی جگہ میں رکھ کر اس عمل کو پورا کیا جائے۔ ظاہر ہے کہ انسانی نطفہ سے پیدا ہونے والا بچہ انسان ہی شمار ہوگا لیکن ماں کا یہ پیارا رشتہ پھر بندروں اور کتوں کی نوع سے منسلک ہو جائے گا۔

سوچنے کا مقام ہے کہ یہ ترقی ہے یا تنزلی! کہ اشرف المخلوقات اور مخدوم عالم کسی کتیا یا بندریہ کا بچہ کہلائے۔

ان متعدد ناجائز اور غیر شرعی امور کی روشنی میں ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ ٹیسٹ ٹیوب بے بی کے ذریعہ تولیدی عمل از روئے شرع ناجائز ہے۔ اگرچہ موجودہ دور میں لوگ اسے علمی اور سائنسی ترقی سمجھتے ہیں لیکن حقیقت میں رسوائی اور تباہی کا پیش خیمہ ہونے کی وجہ سے آئندہ اس پر کنٹرول کرنا ایک مشکل مسئلہ ہوگا۔

خاندانی منصوبہ بندی

عالم کفر مسلمانوں کی ایمانی قوت کے ساتھ ساتھ ان کی افرادی قوت سے بھی خائف ہے، ان دونوں کو ختم کرنے کے لیے یورپ نے خاندانی منصوبہ بندی کا غیر فطری طریقہ ایجاد کیا، اور اپنے اس منصوبہ کو کامیاب بنانے کے لیے اس نے سبز باغ کے طور پر وسائل کی کمی، رزق کی تنگی، صحیح تعلیم و تربیت خصوصاً عورتوں کی صحت وغیرہ کا نعرہ لگایا، جبکہ اس دلفریب نعرہ کی آڑ میں یہود و ہنود کا اصل مقصد مسلمانوں میں جنسی اختلاط کے ساتھ ساتھ ان کی ایمانی و افرادی قوت کو ختم کرنا ہے۔ حضرت مولانا سمیع الحق صاحب مدظلہ نے خاندانی منصوبہ بندی کے خطرات اور نتائج پر انوکھے انداز میں روشنی ڈالی ہے، مولانا صاحب کے اس مضمون کو افادۂ عام کے لیئے فتاویٰ حقانیہ میں شامل کیا جا رہا ہے۔ (مرتب)

خاندانی منصوبہ بندی

خطرات و نتائج

ابھی حال ہی میں مرکزی [illegible] (خاندانی منصوبہ بندی) نے حیدرآباد میں اپنے ضلعی افسروں کے ایک اجلاس میں اس بات پر زور دیا ہے کہ وہ خاندانی منصوبہ بندی (ضبط ولادت) کی تحریک کو عوام میں پوری طرح مقبول کرائیں۔ ہم بقول ایک معاصر اس "بانگ بے ہنگام" پر خاموش نہیں رہ سکتے۔ ضبط ولادت کی تحریک پر ملک کے سنجیدہ علمی و دینی حلقے ابتدا ہی سے اظہار ناراضگی کر رہے ہیں اور برابر اس تحریک کی مضرتوں پر معاشی، اخلاقی، شرعی و عقلی ہر پہلو سے روشنی ڈالی جا چکی ہے اور اب تک ڈالی جا رہی ہے۔ طویل مشاہدات و تجربات کی روشنی میں مرتب کردہ اس تحریک کے عقلی و شرعی تجزیہ سے ہمیں کلی اتفاق ہے کہ اس مہم کا براہ راست اثر ہماری معاشرتی زندگی کی قدروں پر ہوگا لذت پرستی اور جنسی بے راہ روی کی ساری رکاوٹیں ختم ہو کر ایک اسلامی ملک میں اخلاقی انارکی فحاشی بے حیائی اور زنا کاری کا شجرۂ خبیثہ خوب پروان چڑھے گا۔ ضبط و لادت کی غیر فطری کوششوں سے عورت و مرد کی جسمانی اور نفسیاتی صحت پر برا اثر پڑے گا۔ خانگی ذمہ داریوں اور اولاد کی تعلیم و تربیت سے سبکدوشی کے احساس سے نہ صرف شہوانی جذبات میں اضافہ ہوگا بلکہ پورا معاشرہ جو خاندان کے مضبوط و مستحکم رشتوں پر استوار ہوتا ہے بگڑ جائے گا۔ گھریلو فرائض جن کے نباہنے پر اولاد ہی ایک فرد کو مجبور کر سکتی ہے اس سے فرار بہت آسان ہو کر معاشرہ باہمی حقوق سے گریز طلاق اور ناچاقی کا شکار ہو کر رہ جائے گا۔

قومی خودکشی

ان لازمی نتائج وخطرات کے علاوہ ایک ایسا منصوبہ جو ہمارے مسلم معاشرہ کے شرعی و معاشی اور اخلاقی اقدار کے کسی پہلو سے بھی جوڑ نہیں کھارہا موجودہ سنگین حالات میں جو بھارت جیسے جابر سامراج کے مقابلہ کی شکل ہمارے سامنے ہے ضروری ہے کہ اس منصوبہ کے اس مہلک پہلو پر بھی توجہ کی جائے جس کا خمیازہ ساری قوم وملت کو بھگتنے کا اندیشہ ہے۔ اس وقت جب کہ ظاہری اسباب میں ہماری کامیابی کا تمام تر دارومدار اس ملک کی عددی قوت اور افرادی اضافہ پر ایسی سکیموں کو زیر بحث لانا بھی قومی خودکشی کے مترادف ہے جن سے تحدید نسل یا نسل کشی کی حوصلہ افزائی ہو۔

افرادی قوت اور یورپ یورپ نے جو اس لعنت کا اولین سرچشمہ اور داعی ہے انیسویں صدی کے آغاز سے اس تحریک کو اپنایا مگر بالآخر اس زوال پذیر تہذیب پر عیاں ہوا کہ قلت آبادی کی اس تحریک نے اگر ایک طرف اسے اخلاق وشرافت سے عاری بنا دیا تو دوسری طرف اس پر واضح ہوا کہ قلت آبادی کے یہی مساعی اس کی اجتماعی قوت کے انحلال اور سیاسی طاقت کے انحطاط کا باعث بن رہے ہیں۔ چنانچہ بعد از خرابی بسیار مغربی اقوام نے اپنا رویہ تبدیل کر لی فرانس کے مارشل پیتن نے اسے اپنے ملک کے زوال کا بنیادی سبب قرار دیا۔ برطانیہ کے ایک مشہور مدبر اور مدبر اعظم رینڈالف چرچل نے شرح پیدائش کے گرنے کے خطرات سے ملک کو آگاہ کیا یہی حال یورپ کی دیگر اقوام کا ہے۔ فرانس، جرمنی اور اٹلی نے اسقاط حمل اور تحدید نسل کے تمام اقدامات کو سخت ترین جرم قرار دیا بلکہ ملک کی معاشی ترقیات کے متبادل انتظامات کے ساتھ ساتھ افزائش نسل کی ہمہ پہلو ہمت افزائی اور کر رہے ہیں۔ چنانچہ سویڈن وغیرہ میں بچوں کی تعداد بڑھانے والوں پر ٹیکس کی شرح میں تخفیف کی گئی۔ اس وقت یہی پالیسی امریکہ اور یورپ کی تمام اقوام کی ہے۔ ان پر بالآخر یہ حقیقت آشکارا ہوئی کہ اس اٹھی وہ ... میں کسی ملک کے استحکام، سیاسی برتری اور بین الاقوامی اہمیت

کے اسباب میں کثرت آبادی کا بھی کافی دخل ہے۔ کوریا کی جنگ میں چین نے اور جنگ عظیم نے جاپان میں محض اپنی عددی قوت سے دشمن کے منصوبوں کو بے اثر بنایا۔ آج ہمارے پڑوس میں چین اور روس کو جو سیاسی اقتدار اور تفوق حاصل ہے بالخصوص چین جو اپنی عظیم قوم ہی کے بل بوتے پر مغربی استبداد کے غرور و گھمنڈ کو چیلنج کر رہا ہے۔ اس میں کثرت آبادی کا بھی بڑا دخل ہونے سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ یہ ممالک اگر ایک طرف ملکی معیشت کی خوشحالی کے لئے قدرت کے عطاکردہ تمام وسائل اور ذرائع کو کام میں لا رہے ہیں تو دوسری طرف آبادی کے لحاظ سے اپنی تفوق اور برتری کو بھی برقرار رکھے ہوئے ہے۔ یہی حال ہمارے عظیم مسلم ملک انڈونیشیا کا ہے۔

سیاسی اور دفاعی ضرورت | مغربی ممالک میں تکثیر آبادی کے مساعی کے باوجود مشرقی اقوام اور عالم اسلام کی شرح آبادی کی رفتار کی وجہ سے مغربی اقوام کو اپنی سیاسی قیادت خطرہ میں نظر آ رہی ہے اور مغرب کی کوشش ہے کہ اپنی بین الاقوامی پوزیشن برقرار رکھنے کے لئے اسلامی اور مشرقی ممالک کی شرح اضافۂ آبادی کو روکا جا سکے اور ان ممالک میں تحدید نسل اور ضبط ولادت کی تحریک پروان چڑھا کر انہیں اپنی موت آپ مار دیا جائے۔ ادھر ہماری فریب خوردگی کا یہ عالم کہ ؎

اپنی منقاروں سے حلقہ کس رہے ہیں دام کا۔
طائروں پر سحر ہے صیاد کے اقبال کا

ان وجوہات سے تحدید نسل کا مسئلہ صرف اخلاقی اور معاشی یا مذہبی مسئلہ نہیں رہا بلکہ بین الاقوامی حالات نے اسے پاکستان اور عالم اسلام کے لئے سیاسی اور خالصتہً ایک دفاعی مسئلہ بنا دیا ہے پھر ہمارا ملک جغرافیائی لحاظ سے ایسی پوزیشن میں ہے کہ ہماری چاروں طرف کی آبادی ہم سے تین گنا بلکہ آٹھ گنا تک زیادہ ہے۔ خود بھارت جس کے سامراجی عزائم کو جب تک خاک میں نہ ملا دیا جائے ہم لحظہ بھر اطمینان سے نہیں بیٹھ سکتے وہاں کی آبادی ساڑھے چار گنا زیادہ ہے۔

ایسے حالات میں عواقب و نتائج سے بے پرواہ ہو کر اس تحریک کے ڈھنڈورے پیٹنا ربوبیتِ عامہ اور شان رزاقیت کے لئے چیلنج اور قومی و ملی موت کے مترادف ہے اور اسلامی و قومی تقاضوں

کو بالائے طاق رکھ کر اس تحریک کی سرپرستی اور اسے قوم میں مقبول بنانے کی دعوت دینا قومی ناعاقبت اندیشی کے سوا کچھ بھی نہیں۔

تعمیر و ترقی کا صحیح راستہ

ہماری دلی خواہش ہے کہ ملک کے حقیقی مفادات کی بنا پر آئندہ ہر اس تحریک، منصوبہ اور تکمیل سے اجتناب کیا جائے جو ہمارے ملی اور قومی مزاج اور تقاضوں سے جوڑ نہ کھائے اور اگر مغربی تہذیب و تمدن کی تقلید میں ہم سے کچھ غلطیاں سرزد ہوئی ہوں تو حالیہ واقعات سے سبق لے کر انہیں حرف غلط کی طرح مٹا دیا جائے اور ہر اس علمی و عملی اقدام کو سختی سے روک دیا جائے جو ملت مسلمہ کے لئے دینی اور اخلاقی فتنوں کا سامان مہیا کرے جو اسلامی جمہوریہ اور اس کے غیور مسلمانوں کو دینی اقدار اور مجاہدانہ کردار سے دور ہٹائے اور جس سے اس عظیم قوم کی مومنانہ اور مجاہدانہ روح مجروح ہو۔ خواہ وہ خاندانی منصوبہ بندی کی تحریک ہو یا عائلی قوانین کی پر فریب شکل یا تجدد، ترقی اور فیشن کے فکر انگیز نام اور یا اسلامی ریسرچ و تحقیق کے نام پر تحریف دین کی تحریکیں ـــــــ ہمارے خیال میں یہی وہ طرز عمل ہے جو ہمارے مستقبل کی تعمیر اور خوشحالی اور ملک کی بقا و سلامتی کا ضامن ہو سکتا ہے اور یہی وہ طرز حیات ہے جسے حالیہ واقعات کے نتیجہ میں ہمارے لائق اور قابل احترام صدر مملکت محمد ایوب خان نے حسب ذیل الفاظ میں اشارہ فرمایا کہ :-

> یہ تجربات گہرے اور ہمہ گیر ہیں کسی عارضی جوش و خروش کا نتیجہ نہیں اور نہ وقتی اور نہ گزرنے والی باتیں ہیں۔ ان واقعات نے ہمیں زندگی کے ہر میدان کے لئے ایک مستقل طریق عمل بخشا ہے اور یہی دراصل اسلام کا ضابطہ حیات ہے۔ انشاء اللہ اب یہی طریق عمل ہمارے آئندہ طرز فکر و عمل کے لئے مشعل راہ ہو گا۔ (نومبر ۶۵ء)

منصوبہ بندی کا اخلاقی اور سماجی پہلو

تحریک خاندانی منصوبہ بندی (ضبط ولادت) کی ترویج میں ہمارے ملک کی پوری

مشینری مصروف عمل ہے۔ اقتصادی فوائد کے علاوہ اس کی اخلاقی اور سماجی خوبیوں کا پرچار بھی ہو رہا ہے۔ طرفہ تماشا یہ کہ نئے اسلام کی تخلیق کرنے والی ایک "فیکٹری" ادارہ تحقیقات اسلامیہ" اور اس کے نام نہاد محققین کی ایک پوری کھیپ بھی قتل اولاد کی اس انسانیت کش تحریک کے ڈانڈے قرآن و سنت اور فقہاء اسلام کے اقوال سے ملانے میں مصروف ہے۔۔۔ اخبارات کے پورے ایڈیشن اور ضمیمے اس نسخہ شفا کے پرچار کے لئے نکل رہے ہیں۔ ظاہر ہے کہ اس نقار خانہ میں اہل حق کی صدائے عزت پر کوئی توجہ دے بھی تو کیسے؟ پھر بھی اہل حق علماء اپنے فریضہ احتساب کی بنا پر علماء بلاخوف و خشیت اس تحریک کے روحانی، سماجی اور سیاسی عواقب اور تباہ کن نتائج سے قوم کو آگاہ کر رہے ہیں۔ وہ قوم جو بلا جھجک یورپ کی بھیانہ گھٹی میں کودتی چلی جا رہی ہے۔ آج کی فرصت میں ہم اس ماہ کی دو ایک خبریں اخلاق ... اور تحریک نسل کشی کے پرچار کرنے والوں کی خدمت میں پیش کر رہے ہیں۔ اس تحریک کے طبی پہلو پر اس خبر سے روشنی پڑتی ہے۔

"لندن کے ایک فزیشن نے کہا ہے کہ خاندانی منصوبہ بندی اور برتھ کنٹرول کے لئے جو انسدادی گولیاں استعمال کی جاتی ہیں ہو سکتا ہے کہ وہ بعد ازاں مرد کی صحت پر اثر انداز ہوں اور مثانے کی بیماری پیدا ہو جائے۔ ایسے کئی واقعات ہوئے ہیں"
(روزنامہ جنگ راولپنڈی، ۱۰ اکتوبر ۱۹۶۶ء)

"عورتوں کیلئے اس عمل کے بے شمار بیماریوں کا باعث ہونے کی خبریں بھی روزمرہ شائع ہوتی رہتی ہیں۔ برتھ کنٹرول کے سیاسی مضرات کا اندازہ اس خبر سے ہوتا ہے کہ اس ماہ رومانیہ (ایک اشتراکی ملک) میں اسقاط حمل کو ممنوع قرار دینے کے لئے قانون نافذ کیا گیا ہے اور اس سلسلہ میں نافذ کیے جانے والے قانون کے تحت صرف شدید طبی ضرورت کے علاوہ اسقاط حمل کو ممنوع قرار دیا گیا ہے۔
(روزنامہ جنگ راولپنڈی ۲۵ اکتوبر ۱۹۶۶ء)

اس سے قبل افرادی قلت اور قومی خودکشی کا تلخ تجربہ فرانس اور کئی دیگر ممالک کو ہو چکا ہے اور اس حماقت نے ان ممالک کی عظمت کو خاک میں ملا کے رکھ دیا ہے۔ رہا اس تحریک کا اخلاقی اور سماجی پہلو تو اس کا اندازہ آج یورپ کے ہر اس ملک سے لگایا جا سکتا ہے جہاں اخلاق و شرافت کے تمام بندھن ٹوٹ گئے ہیں اور جنسی ہیجان کے طوفان میں انسان محض ایک "انسان نما بھیڑیا" بن کر رہ گیا ہے۔ ذیل کے چند تازہ اعداد و شمار سے اس حیوانیت کا اندازہ لگائیے اور اس آئینہ میں اپنے ملک اور معاشرہ کے سیاہ مستقبل کی ایک جھلک بھی دیکھ لیجئے۔ امریکہ میں صرف پچھلے ایک سال میں ۲ لاکھ ۵۰ ہزار طالبات کا اسقاط حمل کرایا گیا۔ (مجلة العربی ستمبر کویت)

خاندانی منصوبہ بندی کے آلات و ادویات نے جن لوگوں کو اس دھندہ سے چھٹکارہ دیا ہوگا۔ اس کا اندازہ آپ خود لگائیے، پھر مذکورہ تعداد بھی صرف طالبات کی ہے۔ انگلستان میں پچھلے ایک سال کے اندر ایک لاکھ ۴۷ ہزار ناجائز (حرامی) بچے پیدا ہوئے (العربی کویت) اور اس طرح حرامیوں کے اس لشکر نے "حلال پیداوار" کا کوٹہ پورا کر دیا ——— اب ایک ایسے ملک کا حال سنیئے جو یورپ کا نہیں مشرق وسطیٰ کا ملک ہے اور جہاں کی تقریباً نصف آبادی مسلمانوں کی ہے۔ کویت کا مشہور رسالہ "العربی" رقمطراز ہے :۔

بیروت میں ۸۰ فیصد طالبات شادی سے پہلے ہی جنسی تعلقات قائم کر لیتی ہیں۔ ابھی پچھلے دنوں ہمارے ہاں کے سرکاری حلقوں میں بھی اس تحریک کے ناجائز استعمال پر تشویش ظاہر کی گئی ہے جس کی خبریں اخبارات میں آ چکی ہیں۔ انسان کے حقیقی رشد و ہدایت کی سچی اور لاجواب کتاب قرآن مجید نے بہت پہلے "قتل اولاد" سے منع کرنے کے فوراً بعد زنا اور اس کے محرکات روک کر اس حقیقت کی نشاندہی کی ہے کہ قتل اولاد کی ہر شکل اور زنا و فحاشی میں چولی دامن کا ساتھ ہے۔ دونوں آیات کے باہمی تعاون سے عیاں ہے کہ پہلا جرم "قتل اولاد" دوسرے جرم (زنا اور فحاشی) کا محرک ہے ——— پڑھیئے اللہ قربان جائیے اس لافانی کتاب کے اعجاز سے ارشاد ربانی ہے۔

ولاتقتلوا اولادکم خشیتہ املاق	اور مت کرو قتل اپنی اولا کو مفلسی کے
نحن نرزقھم وایاکم ان قتلھم	خوف سے۔ ہم ان کو بھی روزی دیں
کان خطاً کبیرا ً۔	گے اور تم کو بھی دیتے ہیں۔ بیشک
بنی اسرائیل ۳۱	اولاد کو قتل کرنا بڑا بھاری گناہ ہے

اس آیت کے فوراً بعد ارشاد ہے۔

ولاتقربوا الزنیٰ انہ	اور زنا کے قریب بھی نہ پھٹکو کیونکہ
کان فحشۃً ط	زنا بڑی بے حیائی کی بات ہے
وساءُ سبیلاً ۔ ۳۲	اور بہت بری راہ ہے۔

نہ صرف اس مقام پر بلکہ دوسری جگہ انعام میں بھی قتل اولاد سے منع کرنے کے معاً بعد فحاشی اور بے حیائی کی نمایاں اور خفیہ تمام صورتوں سے روک دیا۔ اس انداز بیان سے بھی صاف نمایاں ہے کہ دوسرا جرم (بے حیائی اور فحاشی) پہلے جرم (قتل اولاد) برتھ کنٹرول کا لازمی اور طبعی ردعمل ہے۔ ارشاد ہے :-

ولاتقتلوا اولادکم من املاق	اور مت قتل کرو اپنی اولاد کو غربت
نحن نرزقکم وایاھم ولاتقربوا	کے سبب۔ ہم تم کو بھی رزق دیتے
الفواحش ما ظھر منھا	ہیں اور ان کو بھی اور بے حیائی کی
وما بطن ؕ	باتوں کے قریب بھی نہ جاؤ۔ خواہ وہ
آیت ۱۵۱ ۔ انعام	اعلانیہ ہوں یا پوشیدہ۔

(نومبر ۱۹۶۶ء)